www.KitaboSunnat.com

تفسیر

أحسن الكلام

للشیخ أبی زکریا سید عبد السلام الرستمیؒ

ترجمہ و تخریج

نصیب شاہ سلفی منباکوٹی

جلد ششم

سورۃ قمر تا سورۃ الناس

مکتبہ محمدیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

حقوقِ طبع محفوظ ہیں

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تفسیر

أحسن الكلام

للشیخ أبی زکریا سید عبد السلام الرستمی رحمہ اللہ

ترجمہ وتخریج

نصیب شاہ سلفی منجاکوٹی

جلد ششم

سورۃ قٓ تا سورۃ النّاس

مکتبہ محمدیہ

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

0343-5302948

(تمام جملہ حقوق محفوظ ہیں)

کتاب کا نام : تفسیر حسن الکلام

مصنف : شیخ القرآن سید عبدالسلام رستمی رحمہ اللہ

مترجم : شیخ نصیب شاہ سلفی منجاکوٹی حفظہ اللہ

اشاعت اول : 2021

ملنے کا پتہ : مکتبہ محمدیہ نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

0300-2615407 - 0347-5114825

جامعہ عربیہ لاشاعۃ التوحید والسنۃ بڈھ بیرہ پشاور۔0313-8580079

اسکے علاوہ پاکستان کے ہر بڑے شہر کے معروف مکتبہ سے حاصل کریں

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1.	سورۃ قمر	1
2.	سورۃ کا عنوان	1
3.	بطور معجزہ قمر کا پھٹ جانا	2
4.	پیشگوئی بدر کے دن پوری ہوئی	13
5.	اس سورۃ کی خصوصیات	16
6.	سورۃ رحمٰن	17
7.	سورۃ کا عنوان	17
8.	فبای آلاء جملہ 31 مرتبہ ذکر ہے مگر 8 مرتبہ انعامات کے ساتھ اور 7 مرتبہ خوف وعذاب کے ساتھ جبکہ 16 مرتبہ بشارت اخروی کے ساتھ ذکر ہے	17
9.	عورتوں کی تعریف پردے پر عمل کرنے کی صورت میں ہے	17
10.	جنتیوں کا گھریلو حال	37
11.	اس سورۃ کی خصوصیات	39
12.	سورۃ واقعہ	40
13.	مرکزی عنوان	40
14.	تین قسم کے لوگوں کا تذکرہ	42
15.	دلائل میں خوبصورت ترتیب	57
16.	الا المطھرون کی تشریح	59
17.	سورۃ کی خصوصیات	65
18.	سورۃ حدید	66
19.	سورۃ کا مرکزی عنوان	66
20.	وھو معکم کی تشریح	68
21.	پل صراط پر منافقین کی غم بھری صدائیں	74
22.	دعوت اور جہاد کیلئے لوہے کے فوائد ذکر کئے ہیں	82
23.	رہبانیت بدعت ہے	84
24.	بدعت کی مذمت	84
25.	اس سورۃ کی خصوصیات	90
26.	سورۃ مجادلہ	91
27.	مرکزی عنوان	92
28.	خولہؓ کا واقعہ	92
29.	صدیقہ کائنات کا عقیدہ	92
30.	آنے والے کیلئے کھڑا ہونا	101
31.	اس سورۃ کی خصوصیات	109
32.	سورۃ حشر	110
33.	مرکزی عنوان	110
34.	بنی نضیر کا واقعہ	111
35.	جو کچھ تمہیں رسول دیدیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ	116
36.	صحابہ کرامؓ سے وابستگی لازم ہے	120
37.	منافقین کی 13 بری صفات	121
38.	اسماء حسنیٰ اضافی وغیر اضافی 118 اسماء حسنیٰ کی تشریح	129
39.	اس سورۃ کی خصوصیات	130
40.	سورۃ الممتحنہ	131
41.	مرکزی عنوان	131

42.	حاطب بن ابی بلتعہؓ کا تفصیلی واقعہ	132
43.	ابراہیم علیہ السلام اور انکے ماننے والوں کا مشرکین سے براءۃ میں نمونہ ہے	135
44.	کافر عورتوں اور مسلمان مردوں اور اس کے برعکس نکاح درست نہیں	139
45.	نبی کریم ﷺ نے غیر عورتوں کو کبھی بھی ہاتھ نہیں لگایا	142
46.	ایک باطل مشرکانہ فکر کی تردید	143
47.	اس سورۃ کی خصوصیات	144
48.	سورۃ صف	145
49.	مرکزی عنوان	145
50.	موسیٰ علیہ السلام کی اذیتوں کے تذکرے میں عیسیٰ کی بشارت اور ابراہیم کی دعاء	148
51.	بہترین تجارت	153
52.	میرا حواری زبیر ہے	155
53.	سورۃ کی خصوصیات	155
54.	سورۃ جمعہ	156
55.	ابن مبارک کا قول کہ معاویہ کے گھوڑے کے گرد و غبار عمر بن عبد العزیز سے بہتر ہے	159
56.	اس سورۃ کی خصوصیات	165
57.	سورۃ منافقون	166
58.	مرکزی عنوان	166
59.	منافقین کی آٹھ بری صفات کا ذکر	166
60.	اس سورۃ کی خصوصیات	173
61.	سورۃ تغابن	174
62.	اس سورۃ میں چار اہم مقاصد کا ذکر ہے	175
63.	اس سورۃ کی خصوصیات	183
64.	سورۃ طلاق	184
65.	مرکزی عنوان	184
66.	طلاق کے مسائل	184
67.	اس سورۃ خصوصیات	195
68.	سورۃ تحریم	196
69.	مرکزی عنوان	196
70.	نبی کریم ﷺ کے شہد کھانے کا واقعہ	197
71.	نبی کریم ﷺ کو حلال و حرام قرار دینے پر اختیار حاصل نہیں تھا	199
72.	پہلے پڑوس دیکھو پھر گھر خریدو	208
73.	اس سورۃ کی خصوصیات	210
74.	سورۃ ملک	211
75.	سورۃ کا خاص مضمون	211
76.	موت کو ذبح کیا جائے گا	213
77.	اس سورۃ کی خصوصیات	225
78.	سورۃ قلم	226
79.	سورۃ کا بنیادی عنوان	227
80.	قلم سے مراد اخلاق نبوی	227
81.	باغ والوں کا واقعہ	232
82.	نظر بد کا علاج	242
83.	اس سورۃ کی خصوصیات	243

.84	سورۃ حاقہ	244
.85	مرکزی عنوان	244
.86	اصحاب الیمین وشمال	250
.87	یہ نبی اپنی طرف سے دین کی بات نہیں کہتا ہے	255
.88	اس سورۃ کی خصوصیات	257
.89	سورۃ معارج	258
.90	اہم عنوان	258
.91	قیامت والے دن کی مقدار	259
.92	اس سورۃ کی خصوصیات	266
.93	سورۃ نوح	267
.94	پانچ بزرگوں کی تشریح	273
.95	اس سورۃ کی خصوصیات	277
.96	سورۃ جن	278
.97	مرکزی عنوان	278
.98	اس سورۃ کی خصوصیات	292
.99	سورۃ مزمل	293
.100	اس سورۃ کی خصوصیات	304
.101	سورۃ مدثر	305
.102	مرکزی عنوان	305
.103	اس سورۃ کی خصوصیات	320
.104	سورۃ قیامہ	321
.105	مرکزی عنوان	321
.106	وحی کا ابتدائی زمانہ میں نبی کیلئے آداب	325
.107	اس سورۃ کی خصوصیات	332
.108	سورۃ دھر	333
.109	اس سورۃ کی خصوصیات	344
.110	سورۃ مرسلات	345
.111	مرکزی عنوان	345
.112	اس سورۃ کی خصوصیات	354
.113	سورۃ نبا	355
.114	مرکزی عنوان	355
.115	اس سورۃ کی خصوصیات	363
.116	سورۃ نزعت	364
.117	مرکزی عنوان	364
.118	اس سورۃ کی خصوصیات	375
.119	سورۃ عبس	376
.120	مرکزی عنوان	375
.121	لوگوں کے قیامت والے دن حالات	382
.122	اس سورۃ کی خصوصیات	383
.123	سورۃ تکویر	384
.124	جو اپنی آنکھوں سے قیامت دیکھنا چاہتا ہو تو وہ ان سورتوں کو پڑھ لے	385
.125	اس سورۃ کی خصوصیات	391
.126	سورۃ انفطار	392
.127	اس سورۃ کی خصوصیات	396
.128	سورۃ مطففین	397
.129	مرکزی عنوان	397
.130	اس سورۃ کی خصوصیات	404
.131	سورۃ انشقاق	405

.132	مرکزی عنوان	405
.133	اس سورۃ کی خصوصیات	410
.134	سورۃ البروج	411
.135	مرکزی عنوان	411
.136	اس سورۃ کی خصوصیات	417
.137	سورۃ الطارق	418
.138	مرکزی عنوان	418
.139	اس سورۃ کی خصوصیات	421
.140	سورۃ الاعلیٰ	422
.141	مرکزی عنوان	422
.142	سورۃ الغاشیۃ	428
.143	مرکزی عنوان	428
.144	سورۃ الفجر	434
.145	اس سورۃ کی خصوصیات	441
.146	سورۃ البلد	442
.147	اس سورۃ کی خصوصیات	447
.148	سورۃ الشمس	448
.149	اس سورۃ کی خصوصیات	453
.150	سورۃ اللیل	454
.151	اس سورۃ کی خصوصیات	459
.152	سورۃ الضحیٰ	460
.153	اس سورۃ کی خصوصیات	464
.154	سورۃ الم نشرح	465
.155	اس سورۃ کی خصوصیات	468
.156	سورۃ التین	469
.157	اس سورۃ کی خصوصیات	473
.158	سورۃ العلق	474
.159	اس سورۃ کی خصوصیات	478
.160	سورۃ القدر	479
.161	عنوان	479
.162	اس سورۃ کی خصوصیات	482
.163	سورۃ البینۃ	483
.164	بنیادی عنوان	483
.165	اس سورۃ کی خصوصیات	493
.166	سورۃ عادیات	494
.167	مرکزی عنوان	494
.168	اس سورۃ کی خصوصیات	497
.169	سورۃ قارعۃ	[illegible]
.170	مرکزی عنوان	498
.171	اس سورۃ کی خصوصیات	501
.172	سورۃ تکاثر	502
.173	مرکزی عنوان	502
.174	اس سورۃ کی خصوصیات	505
.175	سورۃ عصر	506
.176	مرکزی عنوان	506
.177	اس سورۃ کی خصوصیات	508
.178	سورۃ ھمزۃ	509
179	مرکزی عنوان	509
.180	اس سورۃ کی خصوصیات	511
.181	سورۃ فیل	512

182.	مرکزی عنوان	512
183.	اس سورۃ کی خصوصیات	514
184.	سورۃ قریش	515
185.	مرکزی عنوان	515
186.	اس سورۃ کی خصوصیات	518
187.	سورۃ ماعون	519
188.	مرکزی عنوان	519
189.	اس سورۃ کی خصوصیات	521
190.	سورۃ کوثر	522
191.	مرکزی عنوان	522
192.	اس سورۃ کی خصوصیات	524
193.	سورۃ کافرون	525
194.	مرکزی عنوان	525
195.	اس سورۃ کی خصوصیات	527
196.	سورۃ نصر	526
197.	بنیادی عنوان	528
198.	اس سورۃ کی خصوصیات	531
199.	سورۃ لھب	532
200.	مرکزی عنوان	532
201.	اس سورۃ کی خصوصیات	531
202.	سورۃ اخلاص	537
203.	اس سورۃ کی خصوصیات	543
204.	سورۃ فلق	544
205.	مرکزی عنوان	544
206.	اس سورۃ کی خصوصیات	553
207.	سورۃ الناس	554
208.	مرکزی عنوان	554
209.	اس سورۃ کی خصوصیات	560

آیاتها ۵۵ ۔ ۵۴ سورة القمر مکیة ۳۷ ۔ رکوعاتها ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝ وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ۝

"قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا[1] اور یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہے کہ یہ زوردار جادو ہے[2]۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلے مشرکین کے عقیدے اور دلیل پر زجر تھی تو اس سورت میں تخویف اخروی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے ذکر ہوا کہ مشرکین عقیدے میں خواہش کی پیروی کرتے تھے تو اس سورت میں ذکر ہے کہ خواہش کی وجہ سے معجزات کا انکار کرتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ گزری ہوئی سورت میں اجمالاً اقوام مکذبہ کا ذکر تھا اس سورت میں ان کا تفصیلی ذکر ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کے آخر میں اَزِفَتِ اور اس سورت کے شروع میں اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: اس سورت کا مرکزی مضمون قیامت کے قریب ہونے کے ذکر سے تخویف اُخروی ہے اور خوف دلانے کا سبب تکذیب ہے اور تکذیب پانچ اقوام مُکَذِّبَة پر عذاب کا سبب تھا اور اس سورت میں ردشرک فی الدعاء اور فی التصرف ہے اور آیت 49 میں ایمان بالتقدیر کا ذکر ہے اور اس میں ردشرک فی البرکات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا مقررہ اندازہ کوئی نہیں بدل سکتا ہے۔

سورت کا خلاصہ: سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے معجزہ کے ساتھ ساتھ تخویف اُخروی ہے، پھر منکرین کی پانچ حالتوں پر ان کے لئے زجر ہے اور قیامت کی پانچ ہیبتوں کے ذریعے سے تخویف اخروی ہے اور گزری ہوئی پانچ قوموں کے ذکر کرنے کے ذریعے تخویف دنیاوی ہے پھر موجودہ منکرین کے پانچ حالات پر زجر ہے، پھر پانچ احوال کے ساتھ تخویف اخروی ہے، پھر قیامت کو ثابت کرنے کے لیے پانچ طریقوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے اور آخر میں پانچ طریقوں سے خوشخبری ہے۔

تفسیر 1: اِقۡتَرَبَتِ باب افتعال زیادہ قریب ہونے پر دلیل ہے اَلسَّاعَةُ: قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے!

وراس ساعت سے مراد عالم کا فنا ہونا ہے، یا صور پھونکنے کے ساتھ بعث بعد الموت کی ساعت مراد ہے وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ: یہ جملہ حالیہ ہے یعنی قمر کا انشقاق اس رسول ﷺ کی سچائی پر دلیل ہے اور دنیا میں ان کی آمد قرب قیامت کی پہلی نشانی ہے۔ اسی طرح انشقاق قمر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے کہ اسی طرح وہ تمام عالم کے فنا کرنے پر قادر ہے اور انشقاق القمر معجزہ تھا جو مکہ والوں کو ظاہر کیا گیا اور یہ حدیث امام بخاری (کتاب التفسیر حدیث 4825، صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین حدیث 2798)، ترمذی، بیہقی اور کئی محدثین نے صحیح اسانید کے ساتھ ذکر کی ہے اور انس، ابن عباس، ابن عمر، ابن مسعود اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ اس سے انکار کرنا بدعت اعتقادیہ ہے۔ تو اگر اس آیت کی عمومیت کی وجہ سے مفسرین اس آیت میں اور اقوال ذکر کریں تو جائز ہے اور جس نے معجزہ سے انکار کرنے کی وجہ سے اور اقوال ذکر کیے ہیں تو وہ مردود ہیں۔ اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ فعل ماضی مضارع کے معنی میں ہے یعنی قیامت کے قائم ہونے کے وقت چاند پھٹ جائے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس پیغمبر کی سچائی کا حال واضح ہوا لیکن بعد والی آیتیں واضح دلالت کرتی ہے کہ یہاں بحث معجزہ کے بارے میں ہے۔

تفسیر 2: اس آیت سے آیت 6 تک زواجر ہیں اور منکرین کے پانچ حالات ذکر کیے ہیں، اور اس آیت میں زجر ہے اور منکرین کی دو حالتیں ذکر کی ہیں مُّسْتَمِرٌّ: اس لفظ میں مادے کے اختلاف کی وجہ سے کئی اقوال ہیں: مِرَّةٌ سے قوی اور محکم کے معنی میں ہے اور مرور سے زائل ہونے اور ختم ہونے کے معنی میں ہے اور "مَرَارَةٌ" سے کڑوے ہونے کے معنی میں ہے یعنی بہت تیز اثر کرنے والا ہے اور استمرار سے دوام اور ہمیشگی کے معنی میں ہے نیز ایک دوسرے کے ساتھ مشابہ ہونے کے معنی میں اور زمین سے آسمان کی طرف گزرنے کے معنی میں ہے۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٥﴾

"اور حق کو جھٹلاتے ہیں اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور ہر کام (ایک وقت معین میں) ٹھہرا ہوا ہے [3] اور یقیناً ان کے پاس وہ خبر آ چکی جس مین ڈرانے کی باتیں تھیں [4] کامل عقل کی بات نے پھر ڈرانے والی باتوں نے (ان کو) کچھ بھی فائدہ نہ دیا [5]۔

تفسیر 3: اس میں منکرین کی دو حالتیں زجر کے طور پر ذکر ہیں کَذَّبُوا، یعنی انہوں نے کہا کہ یہ انشقاق قمر اس نبی کی سچائی پر

دلالت نہیں کرتا۔ وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ: یعنی انہوں نے کہا کہ یہ جادو ہے یا نظر بندی ہے مُسْتَقِرٌّ: یعنی قیامت اپنے وقت پر قائم ہوگی اور جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں قرار پائیں گے یا استقرار سے مراد ہر چیز کا اپنے وقت مقرر میں واقع ہونا ہے۔

تفسیر 4: یہ بھی زجر ہے کہ ان کے پاس معجزے سے پہلے بھی انبا (خبریں) آئی ہیں اور انہوں نے ان سے انکار کیا ہے اور قرآن کی طرف ترغیب ہے مُزْدَجَرٌ: مصدر میمی ہے اور دال تاء سے تبدیل شدہ ہے اور اس کا مادہ زجر ہے یعنی کفر، شرک اور تکذیب سے منع کرنا ہے۔

تفسیر 5: اس سے مراد قرآن ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی هُوَ حِكْمَةٌ یا یہ گزشتہ آیت میں حرف مَا سے بدل ہے۔ بَالِغَةٌ یعنی مواعظ، دلائل، لطائف، احکام اور فصاحت و بلاغت میں انتہاء کو پہنچا ہے فَمَا تُغْنِ مانافیہ اور استفہامیہ دونوں ہوسکتا ہے تُغْنِ اصل میں "تُغْنِيْ" ہے قرآن کے رسم خط میں یا حذف کی گئی ہے اگر چہ اس کے حذف ہونے کا ظاہری سبب نہیں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح اس لفظ کے آخر سے یاء حذف ہوئی ہے اسی طرح ان لوگوں سے انذار کا فائدہ ختم ہوا ہے اور اس جملے میں زجر ہے اور ان کی پانچویں حالت ذکر ہے النُّذُرُ انذار کے معنی میں مصدر ہے یا نذیر کی جمع ہے اور اس کی مثال سورۃ یونس آیت 101 میں گزر چکی ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ﴿۶﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ﴿۷﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾

"ان سے منہ پھیرو جس دن ایک پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف پکارے گا [6] ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی قبروں سے اسی طرح نکل پڑیں گے گویا کہ وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہیں [7] پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے کافر کہیں گے کہ یہ بڑا سخت دن ہے [8]۔

تفسیر 6، 7، 8: جب منکرین کے قبائح ذکر ہوئے تو ابھی حرف فاء کے ساتھ تفریع ذکر کی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے اور مقصد ان سے بے پرواہ ہونا ہے يَوْمَ يَدْعُ اس سے پانچ حالات کے ساتھ تخویف اخروی بیان کی ہے يَوْمَ سے پہلے اَنْذِرْهُمْ کا لفظ پوشیدہ ہے الدَّاعِ سے مراد اسرافیل علیہ السلام ہے اور دعوت سے مراد قیامت کے لیے صور پھونکنا ہے۔ شَيْءٍ نُّكُرٍ اس میں حشر، حساب، میزان، تمام حالات کی طرف اشارہ ہے خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ ذلت اور

عاجزی آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے جب آنکھیں شرم کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں اس وجہ سے اَبْصَارُ کی تخصیص کی جیسا کہ سورۃ قلم آیت 43 اور سورۃ شوریٰ آیت 45 میں ذکر ہے۔ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ٹڈیوں کے ساتھ تشبیہ زیادہ ہونے میں اور چھوٹوں اور بڑوں کے جمع کرنے میں ہے مُّنْتَشِرٌ میں اشارہ ہے کہ صفوں اور قطاروں میں نہیں ہوں گے۔

فائدہ: سورۃ قارعۃ میں پروانوں کے ساتھ تشبیہ ہے اور یہاں ٹڈیوں کے ساتھ تو اس میں دو مختلف حالتوں کی طرف اشارہ ہے: پہلا حال یہ ہے کہ جب قبروں سے نکلیں گے تو پہلے بہت پریشان ہوں گے تو جانے کی سمت ان کو معلوم نہیں ہوگی جس طرح پروانوں کی ایک طرف نہیں ہوتی اور تھوڑی دیر بعد یہ ایک طرف (داعی کی طرف) پر آجائیں گے جس طرح ٹڈیاں ایک طرف پر اڑتی ہیں۔ مُّهْطِعِيْنَ اس میں بہت سے معانی ہیں تیز چلنے والے، گردن اٹھائے ہوئے، قصد کرنے والے، سیدھے دیکھنے والے، سننے کے لیے کانوں کو کھولنے والے اور یہ ایک دوسرے کے قریب معانی ہیں هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ جیسے سورۃ فرقان آیت 26 اور سورۃ مدثر آیت 9، 10 میں ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝

”ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے تکذیب کی پس انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور انہوں نے کہا کہ یہ مجنون ہے اور جھڑک دیا گیا ہے [9] پس انہوں نے اپنے رب سے دعا کی بے شک میں کمزور ہوں آپ ہی میرا بدلہ لیجئے [10]۔

تفسیر 9: اس آیت سے تخویف و بنیادی کے لیے پانچ واقعات ذکر فرماتے ہیں، یعنی قیامت کی تکذیب عذاب کا سبب ہے تو یا آیت 3 سے متعلق ہے ”كَذَّبَتْ“ یہ پہلا واقعہ نوح علیہ السلام کی قوم کا ہے كَذَّبَتْ. فَكَذَّبُوْا دو مرتبہ تکذیب ذکر کی ہے تکذیب کی کثرت اور دوام کی طرف اشارہ ہے یا پہلے سے مراد توحید کی تکذیب اور قیامت کی تکذیب ہے اور دوسرے سے ان کی رسالت کی تکذیب مراد ہے۔ وَّازْدُجِرَ یہ زَجْرٌ سے ماخوذ ہے اور دال اصل میں تاء تھی اور تاکید اور زجر کے مبالغے کے لیے باب افتعال کا صیغہ اور فعل ماضی مجہول کا صیغہ ذکر کیا ہے اور یہ ”قَالُوْا“ پر عطف ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یعنی انہوں نے ان کو دعوت دینے سے منع کیا تھا جیسے سورۃ شعراء آیت 116 میں ہے، یا ”مَجْنُوْنٌ“ پر عطف ہے اور منکرین کا قول ہے یعنی جنات نے اس کا دماغ خراب کیا ہے۔

تفسیر 10: یہ اجمالی دعا ہے اور ان کی تفصیلی دعا سورۃ نوح میں ذکر ہے۔ سوال: مَغْلُوْبٌ یہ سورۃ مجادلۃ آیت 21 اور سورۃ صافات آیت 173 کے خلاف ہے؟ جواب: یہ ہے کہ وہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بعد کی ہیں اور اس میں

نصرت سے پہلے مغلوبیت مراد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں حجت اور دلیل کا غلبہ مراد ہے اور اس آیت میں قوت اور طاقت کا غلبہ مراد ہے۔ اور تیسرا جواب ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے کہ مغلوب سے مراد یہ ہے کہ میں بددعا مانگنے پر مجبور ہوں۔

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾

''ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے کھول دیا[11] اور ہم نے زمین میں چشمے جاری کر دیے پانی جمع ہو گیا اس پر جو کام مقدر کیا گیا تھا[12] اور ہم نے نوح علیہ السلام کو تختوں والی اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کیا تھا[13] جو ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی بدلہ لینا ہے اس کے لیے جس کی ناشکری کی گئی[14]۔

تفسیر 11، 12: ان آیات میں دعا کی قبولیت کی طرف اشارہ ہے اَبْوَابَ السَّمَآءِ حقیقت پر محمول ہے کہ یہ پانی آسمان سے برسایا گیا، یا زیادہ بادلوں سے کنایہ ہے مُّنْهَمِرٍ: جو زیادہ ہو اور جوش سے بہتا ہوا الْاَرْضَ: اس سے مراد ''مِنَ الْاَرْضِ'' ہے لیکن مبالغے کی وجہ سے ''مِنْ'' حذف کیا ہے فَالْتَقَى الْمَآءُ اس سے مراد جنس پانی ہے یعنی آسمان اور زمین کا پانی اس لیے کہ التقاء دو یا زیادہ کے درمیان ہوتا ہے عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ اَمْرٍ سے پانی کی مقدار مراد ہے یا اس سے مراد حال ہے یعنی اس قوم کی ہلاکت جو تقدیر میں پہلے سے لکھ دی گئی تھی کہ اس طرح طوفان سے ہلاک ہوگی اور یہ تقدیر کے مسئلے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 13، 14: ان آیتوں میں نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نجات کا طریقہ مراد ہے وَّدُسُرٍ: دسار کی جمع ہے وہ چیزیں جن سے کشتی مضبوط ہوتی ہے یعنی کیلیں، لوہا، لکڑیاں، رسیاں وغیرہ اور اسی طرح کشتی کا سینہ جس سے پانی دور ہوتا ہے اور پھٹتا ہے بِاَعْيُنِنَا یہ متشابہات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کی طرف اشارہ ہے جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ مَنْ سے مراد نوح علیہ السلام ہیں کہ ان کا انکار کیا گیا تھا اور انہوں نے بہت صبر کیا تھا تو جزاء ثواب کے معنی میں یا بدلہ لینے کے معنی میں ہے یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے کہ اس کے احکامات کا کفر کیا گیا تھا اور جزاء عقاب اور سزا کے معنی میں ہے اور لام، مِنْ کے معنی میں ہے۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

مُّدَّكِرٍ ⑮

"اور یقیناً ہم نے اس واقعہ کو نشانی بنا کر باقی رکھا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟[15] تو کس طرح ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا[16] اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے[17]-

تفسیر15، 16، 17: ان آیات میں نوح علیہ السلام کے واقعہ سے منکرین کے عذاب میں اور ایمان والوں کی نجات میں نصیحت لینے کے لیے تنبیہ ہے تَّرَكْنٰهَا آیہ ضمیر پورے واقعہ کی طرف راجع ہے، یا کشتی کی طرف راجع ہے اور دوسرے احتمال کے ساتھ کشتی سے مراد اس کی مثال ہے جیسے سورۃ یٰسٓ آیت 42 میں ہے یا وہ کشتی جو اس امت کے پہلے لوگوں نے دیکھی ہے اور بعد میں بھی اس کشتی کی تختیاں کوہستان ارارا ط میں دیکھی گئی ہیں۔ مُّدَّكِرٍ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افتعال سے یہ اصل میں "مُذْتَكِرٌ" تھا تاء، دال سے بدلی پھر ذال، دال میں مدغم کر دی گئی اور اس تبدیلی اور ادغام میں نصیحت لینے میں مبالغے کی طرف اشارہ ہے کہ اس صیغے کی تبدیلی کی طرح اپنے عقیدے اور عمل میں انقلاب پیدا کرے۔ فَكَيْفَ یہ تعظیم کے ساتھ استفہام تقریری ہے عَذَابِىْ وَنُذُرِ پہلا نوح علیہ السلام کی قوم کے منکرین کے لیے ہے اور دوسرا بعد والے لوگوں کے لیے اور نذیر مصدر انذار کے معنی میں ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ذکر سے مراد نصیحت لینا ہے اور آسانی یہ ہے کہ اس میں گزری ہوئی قوموں اور رسولوں کے واقعات آسان لفظوں سے بار بار مختلف طریقوں سے ذکر کیے گئے ہیں کہ ہر ذی لسان (جو عربی زبان سمجھتا ہو) وہ ان سے فائدہ لے سکتا ہے اور یہ آیت چار قصوں کے ساتھ ذکر کی ہے اس میں اشارہ ہے کہ ہر ایک قصہ ان قصوں میں سے تذکیر کے لیے آسان کیا گیا ہے الْقُرْاٰنَ سے مراد ہر وہ واقعہ ہے جو قرآن کی عبارت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے یا ذکر سے مراد حفظ ہے اس لیے سلف صالحین سے منقول ہے کہ تورات، انجیل اور زبور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ امتیں زبانی نہیں یاد کر سکتی تھیں اور یہ قرآن کی خصوصیت ہے کہ چھوٹے، بڑے اور مرد و عورتیں پورا یا بعض سورتیں اور آیتیں یاد کر سکتے ہیں جیسے سورۃ عنکبوت آیت 49 میں گزرا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ⑱ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ⑲ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ⑳ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ㉑ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

"جھٹلایا عاد کی قوم نے کس طرح تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا؟[18] بے شک ہم نے ان پر ایک تیز ہوا بھیجی سخت منحوس دن میں[19] جو لوگوں کو اکھیڑ ڈالتی تھی گویا کہ وہ اکھڑے ہوئے کھجوروں کے درخت کے تنے ہیں[20] تو کس طرح تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا؟[21] اور یقیناً قرآن کو ہم نے نصیحت کے لیے آسان کر دیا پس آیا کوئی نصیحت ماننے والا ہے؟[22]۔

تفسیر 18: یہ دوسرا واقعہ ہے کہ قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تھی، چونکہ نوح علیہ السلام کی قوم کی تکذیب کا زمانہ لمبا تھا تو وہ تکذیب مکرر ذکر کی ان کی بہ نسبت قوم عاد کی تکذیب کا زمانہ لمبا نہیں تھا تو مختصر ذکر کیا گیا اور "كَذَّبَتْ" مؤنث ذکر کیا ہے اس لیے کہ قوم عاد کا قبیلہ مراد ہے اور ان کی توہین اور تذلیل کی طرف بھی اشارہ ہے۔

تفسیر 19، 20: یہ قوم عاد کے عذاب کی تفصیل ہے اور اسی طرح سورۃ حٰمٓ سجدۃ آیت 16 میں بھی گزرا ہے صَرْصَرًا تیز آواز والی یا سخت ٹھنڈی یا زیادہ وقت چلنے والی ہوا يَوْمِ وہ سات راتیں اور آٹھ دن تھے جیسے سورۃ الحآقۃ آیت 7 میں ہے تو یہاں يَوْمِ سے مراد جنس دن یا مطلق وقت ہے نَحْسٍ ان کے عذاب کی وجہ سے نحوست ان کے ساتھ خاص تھی مُّسْتَمِرٍّ یعنی اس عذاب کا اثر برزخ تک اور پھر حشر تک ہمیشہ ہے اور بدھ کے دن کی نحوست کے بارے میں حدیث صحیح مرفوع متصل ثابت نہیں ہے۔ تَنْزِعُ النَّاسَ اس میں اشارہ ہے کہ یہ اس طرح مضبوط تھے اور اکھیڑ دیے گئے جس طرح درخت جڑوں سے زمین میں مضبوط ہوتا ہے اور پھر جڑوں سے اکھیڑ دیا جائے أَعْجَازُ نَخْلٍ عَجُزٌ یہ بدن کے نچلے حصے کو کہا جاتا ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ ان سے سر جدا ہوئے اور ہوا کے ساتھ اڑ گئے اور صرف جڑیں رہ گئیں نَخْلٍ یہ لفظ اسم جمع ہے مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس وجہ سے اس کی صفت کبھی مذکر اور کبھی مؤنث استعمال ہوتی ہے۔

تفسیر 21، 22: اس واقعہ میں ان کے عذاب کی عظمت کے اظہار کے لیے پہلا جملہ مکرر لایا ہے، یا پہلا سبب (تکذیب) کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دوسرا عذاب کی تفصیل کے بعد نصیحت لینے کے لیے ذکر کیا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ
مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿۲۶﴾

"ثمود کی قوم نے ڈرانے والوں کی تکذیب کی تھی[23] انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک بندے کی پیروی کرلیں؟ بے شک ہم اس وقت گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے[24] کیا اس پر ہم لوگوں کے درمیان وحی نازل کی گئی ہے بلکہ وہ ایک خود پسند جھوٹا ہے[25] عنقریب یہ کل جان لیں گے خود پسند جھوٹا کون ہے[26]۔

تفسیر 23: یہ تیسرا قصہ ہے النُّذُرُ نذیر کی جمع رسولوں کے معنی میں ہے اس لیے کہ ایک رسول کو جھٹلانا سب رسولوں کے جھٹلانے کی طرح ہے جیسے سورۃ شعراء آیت 105 میں گزرا ہے یا نذیر مصدر کے معنی میں ہے وہ انذارات اس سے مراد ہیں جو صالح علیہ السلام نے وقتاً فوقتاً ان کو بیان کیے تھے۔

تفسیر 24، 25: یہ ان کی تکذیب کی تفصیل ہے اور تکذیب کی سات 7 تعبیرات ہیں: اوّل یہ کہ ہمارے جنس سے انسان ہے۔ دوسری یہ کہ وَاحِدًا یعنی اس کے مقابلے میں لوگ زیادہ ہیں اور یہ اکیلا ہے۔ تیسری یہ کہ اس کی پیروی گمراہی کا سبب ہے۔ چوتھی یہ کہ دنیا میں دیوانگی کا سبب ہے اور آخرت میں جہنم کی آگ کا سبب ہے۔ پانچویں ءَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا یعنی ہم اس سے مالدار اور بہتر ہیں تو اس کو کیوں وحی کے ساتھ خاص کیا گیا ہے چھٹی یہ کہ کذاب ہے اور ساتویں یہ کہ اشر ہے اشر تکبر کرنے والے اور بے پروائی کے ساتھ بات کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر 26: یہ زجر اور تخویف ہے غَدًا اس سے مراد آنے والا وقت یعنی دنیا یا قیامت کے دن کا عذاب ہے۔

إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾

"اس لیے ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تم انتظار کرو اور صبر کرو[27] اور ان کو آگاہ کردو کہ بے شک پانی ان کے درمیان تقسیم ہے ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوگا[28] انہوں نے اپنے بڑے کو آواز دی اور اس نے تلوار اٹھائی اور قتل کیا اونٹنی کو[29] پس کس طرح ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا؟[30]۔

تفسیر 27، 28: یہ صالح علیہ السلام کی سچائی ثابت کرنے کے لیے معجزے کا ذکر ہے فِتْنَةً امتحان ہے جس کے ذریعے سچے اور جھوٹے کا فرق معلوم ہوتا ہے اور نیز اس کی تکذیب عذاب کا سبب ہوگا وَاصْطَبِرْ: باب افتعال میں صبر کرنے کی تاکید کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ ارتقاب (انتظار) کرنا زیادہ وقت چاہتا ہے اور زیادہ وقت میں دشمنوں کی طرف سے مصیبتیں زیادہ ہوتی ہیں اس وجہ سے ارتقاب کے بعد اصطبار کا حکم ذکر کیا وَنَبِّئْهُمْ: یہ بھی امتحان کا طریقہ تھا اور اس تقسیم

کا طریقہ سورۃ شعراء آیت 155 میں ذکر ہوا ہے اور اس تقسیم کی ایک وجہ یہ تھی کہ پانی کم تھا ایک دن میں ناقہ اور دوسرے حیوانات کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے حیوانات اس اونٹنی سے ڈرتے تھے اس کے ساتھ اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے کُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ یہ بھی دوسری وجہ پر دلالت کرتا ہے ہر ایک اپنی باری میں حاضر ہوگا دوسرے کی باری میں شرکت نہیں کر سکتا ہے۔

تفسیر 29، 30: اس آیت میں ان کے عذاب کا سبب ذکر ہے فَنَادَوْا اس میں اشارہ ہے کہ وہ اس سبب میں شریک تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ مدد کرتے رہے صَاحِبَهُمْ اور اس کی سورۃ الشمس آیت 12 میں اشقیٰ کہا گیا ہے اور یہ قدار بن سالف کے نام سے مشہور ہے فَتَعَاطَىٰ اونٹنی کے پکڑنے کے لیے دلیری کی، یا اس اونٹنی کے ٹکڑے کرنے کے لیے اس نے تلوار کو پکڑا۔ فَكَيْفَ اس سے پہلے "فَعَاقَبْتُهُمْ" پوشیدہ ہے (یعنی ان کو میں نے سزا دی) اور یہ سوال عذاب کی عظمت کے لیے ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ "یقیناً ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی، ہو گئے وہ جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی گھاس [31] اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا کوئی نصیحت لینے والا ہے [32]۔

تفسیر 31، 32: یہ ان کے عذاب کی تفصیل ہے كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ محتظر حظیرہ سے ماخوذ ہے اور حظیرہ اس جگہ کو کہا جاتا ہے جسے کانٹوں کے باڑ سے یا دیوار کے ساتھ گھیر لیا ہو اور وہ محفوظ ہو اور اکثر بھیڑ بکریوں کی جھاڑی کو کہا جاتا ہے، تو محتظر اس کے بنانے والے کو کہا جاتا ہے "هَشِيمٌ" هَشَمَ سے ہے اور "هَشَمَ" توڑنے اور ریزہ کرنے کو کہا جاتا ہے تو "هَشِيمٌ مَهْشُومٌ" کے معنی میں ہے یعنی باڑ کے وہ سوکھے ہوئے کانٹے جو بھیڑ بکریوں نے اپنے پاؤں کے ساتھ ریزہ ریزہ کیے ہوں اور اس میں اشارہ ہے کہ اس عذاب کی چیخ کے ساتھ ان کی ساری ہڈیاں سوکھ گئیں اور پھر ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ﴿٣٥﴾

"جھٹلایا لوط علیہ السلام کی قوم نے ڈرانے والوں کو [33] بے شک ہم نے ان پر پتھروں کی بارش بھیجی مگر لوط علیہ السلام کی آل کو ہم نے صبح کے وقت بچا لیا [34] اپنے احسان سے اسی طرح ہم شکر گزار کو بدلہ دیتے ہیں [35]۔

تفسیر 33، 34، 35: یہ تکذیب کے سبب سے دنیاوی تخویف کے لیے چوتھا واقعہ ہے بِالنُّذُرِ وہ امور مراد ہیں جن کے ذریعے ان کو ڈرایا گیا یا یہ نذیر کی جمع ہے اس سے مراد رسول ہیں اس لیے کہ ایک رسول کو جھٹلانا سارے رسولوں کا جھٹلانا ہے اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس لیے کہ ان پر عذاب نازل نہیں ہوا اور ان کے تین حالات ذکر کیے ہیں۔ پہلی نجات، دوسری نعمت، تیسری شکر کرنے کا بدلہ۔ بِسَحَرٍ رات کے آخری چھٹے حصے کو کہا جاتا ہے اور یہ برکت کا وقت ہے اور اس کو نکرہ ذکر کیا اشارہ ہے کہ وہ رات ہمیں معلوم نہیں ہے تو صبح بھی معلوم نہیں ہے نِّعْمَةً اشارہ ہے کہ ان کی نجات اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان تھا، اللہ تعالیٰ پر اس کی کوئی زبردستی نہیں تھی تو یہ دلیل ہے کہ نیک اعمال کی جزاء اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں مَنْ شَكَرَ شکر سے توحید اور پوری اطاعت مراد ہے اور یہ ہر زمانے میں نجات کا سبب ہے اسی وجہ سے کَذٰلِكَ فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾

"اور تحقیق لوط علیہ السلام نے ان کو ہمارے عذاب سے ڈرایا تھا لیکن انہوں نے ڈرانے میں شک کیا [36] اور بے شک انہوں نے اس سے اس کے مہمانوں کے بارے میں گفتگو کی، پس ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں، پس چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا [37] اور یقیناً صبح سویرے آیا ان پر عذاب جو ہمیشہ تھا [38]۔

تفسیر 36، 37، 38: ان آیات میں منکرین کے تین حالات ذکر کیے ہیں وَ لَقَدْ اَنْذَرَهُمْ اس میں منکرین کے عذر کو دور کیا ہے فَتَمَارَوْا یہ ان کا پہلا حال ہے اور مریہ سے ماخوذ ہے شک کرنے کے معنی میں، یا "مِرَاءٌ" سے ہے جھگڑا کرنے کے معنی میں ہے۔ وَ لَقَدْ رَاوَدُوْهُ یہ دوسری حالت ہے "ضیف" اسم جنس ہے جمع کے معنی میں ہے اور اس سے مراد ملائک ہیں اور یہ ان کی بڑی خباثت تھی ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تو لوط علیہ السلام کی بیوی نے قوم کو خبر دی تو وہ آئے اور لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کا مطالبہ شروع کیا بدفعلی کے لیے تو انہوں نے دروازہ بند کر دیا، انہوں نے ارادہ کیا کہ دروازے کو توڑ دے

توجبرائیل علیہ السلام نے پر کے ایک طرف کو ان کے چہروں پر پھیرا تو ان کی آنکھیں بند ہو گئیں فَذُوقُوا یہ ملائکہ کی زبان میں ان کو خطاب ہے یا یہ امر اخبار کے معنی میں ہے یعنی "أَذَقْتُهُمْ (میں نے ان کو چکھا دیا) اور لفظ ذوق (چکھنے) کے ساتھ اشارہ ہے عذاب کے درد کی طرف جس نے ان کے سارے جسم کا احاطہ کیا تھا وَنُذُرِ اس سے مراد نقصان اور انذار کا برا انجام ہے وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ یہ ان کی تیسری حالت ہے اور چونکہ صبح آنے والے پورے دن کو بھی کہا جاتا ہے اس لئے بُكْرَةً فرمایا جس سے صبح سویرے مراد ہے مُّسْتَقِرٌّ عذاب کی ہمیشگی اور دوام یہ ہے کہ اس عذاب کے ذریعے ہلاک ہوئے اور اس کے بعد متصل برزخ کا عذاب ہے اور اس کے بعد متصل جہنم کے عذاب ہیں جن کی انتہا نہیں ہے۔

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ ع

"پس چکھو تم میرا عذاب اور میرا ڈرانا[39] اور قرآن کو ہم نے نصیحت کے لیے آسان کیا ہے پس کوئی نصیحت لینے والا ہے؟"[40]۔

تفسیر 39، 40: پہلا جملہ (فَذُوقُوا) طمس کے عذاب کے ساتھ متعلق ہے اور یہ جملہ عذاب مستقر کے ساتھ متعلق ہے جو سب کا احاطہ کرنے والا عذاب تھا یعنی زمین کا الٹنا، چیخ اور پتھروں کا برسنا۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا تکرار میں اشارہ ہے کہ ان واقعات میں سے ہر ایک واقعہ نصیحت اور عبرت لینے کے لیے کافی ہے اور آسان ہے فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ میں اشارہ ہے کہ نصیحت قبول کرو تاکہ اس کے ذریعے گزرے ہوئے منکرین کے عذاب سے بچ جاؤ، معلوم ہوا کہ عذاب سے بچنے کے لیے سبب صرف قرآن سے نصیحت لینا ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾

"اور یقیناً آئے تھے آل فرعون کے پاس ڈرانے والے[41] انہوں نے ہماری تمام آیتوں کو جھٹلایا، ہم نے ان کو پکڑ لیا غالب ذات کے پکڑنے کے ساتھ جو قدرت والا ہے[42]۔

تفسیر 41، 42: ان آیات میں تکذیب کے سبب سے قوم فرعون کی ہلاکت کا پانچواں واقعہ ذکر کیا ہے۔ پہلی آیت میں ان پر ڈرانے والوں کے بھیجنے کے ذریعے الزام و حجت ذکر کیا ہے اور دوسری آیت میں عذاب کا سبب اور پھر عذاب ذکر کیا ہے النُّذُرُ اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام ہیں اور جمع کا اطلاق تثنیہ پر ہو سکتا ہے یا اس سے مراد انذارات ہیں كَذَّبُوا واو عاطفہ کے ساتھ ذکر نہیں کیا ہے اس لیے کہ پہلے اور دوسرے جملے کے مضمون میں اختلاف ہے

اور قاء کے ساتھ ذکر نہیں کیا ہے اس لئے کہ پہلا دوسرے کے لیے سبب نہیں ہے بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا اس سے مراد وہ نو معجزات ہیں جو سورۃ اعراف میں ذکر ہوئے ہیں۔ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ اس میں اشارہ ہے کہ فرعون اپنے لیے عزت اور اقتدار کا دعویٰ کرتا رہا لیکن وہ دعویٰ باطل تھا اس لیے کہ مغلوب اور تباہ ہوا تو معلوم ہوا کہ عزت والا (غالب) قدرت والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ فائدہ: اس واقعے کے بعد وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ذکر نہیں کیا اس لیے کہ پہلی چار قوموں میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچا ہے تو ان کے واقعات صرف تاریخی ٹھہرے جو آسانی کے ساتھ قرآن کریم سے معلوم ہوتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے بنی اسرائیل رہ گئے تھے وہ فرعون کی ہلاکت کا اقرار کرتے تھے اس کی تفصیل اور تذکیر کے لیے کتاب کی ضرورت نہیں ہے (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ كِتَابِهٖ)

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۚ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

"کیا یہ کافر ان سے بہتر ہیں یا ان کے لیے کتابوں میں براءت (لکھی ہوئی) ہے؟" [43] بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بڑی جماعت میں بدلہ لینے والے ہیں [44] عنقریب اس جماعت کو شکست دی جائے گی اور یہ پیٹھ پھیر لیں گے [45]۔

تفسیر 43، 44، 45: ان آیتوں میں بعد والے منکرین کے پانچ حالات ذکر کیے ہیں اور خلاصہ یہ ہے کہ پہلی قوموں پر عذاب کا ذکر تم نے سن لیا ہے تو ان موجودہ پر عذاب کے آنے کا سبب تو موجود ہے جو ان کا کفر ہے لیکن عذاب کے آنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔ پہلی آیت میں دو موانع کی نفی ذکر کی ہے، یا یہ پہلوں سے بہتر ہیں یا پہلی کتابوں میں ان کے لیے براءت (عذاب سے امن) ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ دونوں باتیں نہیں ہیں اور استفہام انکاری ہے خَيْرٌ خیریت سے مراد مال وجان اور حکومت کی قوت ہے اور دوسری آیت میں ایک مانع زجر کے طور پر ذکر کیا ہے یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہم بڑی جماعت ہیں اور دشمن سے بدلہ لے سکتے ہیں تو کیا اس وجہ سے ان پر عذاب نہیں آسکتا؟ تو اس گمان کا رد تیسری آیت میں دو طریقوں سے ہے: پہلا ان کی ہزیمت (شکست) دوسرا پیٹھ پھیرنا یعنی مقابلے سے عاجز ہونا جَمِيْعٌ جماعت کے معنی میں ہے، جمع ہوتے اور ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھا ہونے میں مبالغہ ہے کہ کسی بھی طریقے سے الگ نہ ہوسکتے ہوں اور یہ ان کا دعویٰ تھا جیسے کہ سورۃ شعراء آیت 56 میں فرعون نے دعویٰ کیا تھا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ لفظ الجمع میں ان کے دعوے کا رد ہے یعنی جماعت ہے لیکن ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح انضمام نہیں ہے کہ ایک دوسرے سے الگ نہ

ہو سکتے ہوں بلکہ "قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى" اور اس میں پیشین گوئی کے طور پر خوف دنیاوی ہے اور یہ پیشین گوئی جنگ بدر کے دن پوری ہوئی جیسے بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن قبہ (چمڑے کے خیمے) میں تھے اور دعا مانگی کہ اے اللہ! تیرا عہد اور وعدہ مانگتا ہوں اے اللہ! اگر تو چاہے کہ آج کے بعد تیری کوئی عبادت نہ کی جائے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے لیے کافی ہے یعنی آپ کا دعا میں مبالغہ کرنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور پر جوش (خوش) تھے اور زرہ پہن رکھی تھی اور آپ نے اس آیت کی تلاوت کی "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ" (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4877 / احمد 329/1) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس آیت کے نزول سے بدر کے واقعہ تک سات سال کی مدت تھی۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿٤٦﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾

"بلکہ قیامت ان کی میعاد ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی تلخ ہے [46] یقیناً گنہگار گمراہی اور آگ میں ہیں [47] جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے چکھو سقر (جلنے) کا مزا [48] بے شک ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے [49]۔

تفسیر 46، 47، 48: ان آیات میں تخویف اخروی ہے پہلی آیت میں خصوصی طور پر بدر کے مشرکین کے لیے اور بعد والی دو آیتوں میں تمام مجرمین کے لیے تخویف ہے اور یہ تخویف بھی پانچ طریقوں سے ہے اَدْهٰى وَ اَمَرُّ اسم تفضیل عذاب بدر کی بنسبت ہے اور اسی طرح دنیا کے تمام مصائب اور عذابوں کی بہ نسبت یہ تفضیل ہے اَدْهٰى: یہ داھیہ سے ماخوذ ہے اس مصیبت کو کہا جاتا ہے جس کے دور کرنے کے لیے کوئی علاج اور تدبیر نہ ہو اور "ادھی اور" امر کا ایک فرق یہ ہے کہ پہلے کا اثر باطنی اور روحانی ہے اور دوسرے کا اثر ظاہری اور بدنی ہے اور دوسرا یہ کہ "امر کا اثر کھانے پینے میں ہے اور" ادھی کا اثر باقی حواس پر ہے اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں ہر کافر اور بدعتی شامل ہے ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ضلال دنیا میں ہے اور "وَّ سُعُرٍ سعیر کی جمع ہے اور آخرت میں ہے یا سعر جنون کے معنی میں ہے تو یہ دونوں دنیا میں ہیں یا ضلال آخرت میں جنت کے راستے سے پھرنے کے معنی میں ہے تو یہ دونوں آخرت میں ہیں "مَسَّ سَقَرَ" مس درد کا سبب ہے تو ذکر سبب کا ہے مراد مسبب ہے سَقَرَ اصل میں جلانے کو کہا جاتا ہے اور یہ جہنم کا نام ہے اور ذُوْقُوْا سے پہلے

یُقَالُ لَهُمۡ پوشیدہ ہے۔

تفسیر 49: اس آیت سے آیت 53 تک اللہ تعالیٰ کے تصرف اور قدرت سے پانچ نمونے ذکر ہوتے ہیں اور یہ سب سورت کے مرکزی مضمون کے ساتھ متعلق ہیں جو قیامت کا اثبات ہے اور اس آیت کا پہلے کے ساتھ ربط یہ ہے کہ ساعت (قیامت) کے بارے میں ان منکرین کو شک ہے کہ یہ جلدی کیوں نہیں آتی ہے تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے وجود اور فنا اور قیامت کے آنے کے لیے اوقات کی تقدیر کی ہے اور اس کے خلاف واقع نہیں ہوتا ہے اِنَّا كُلَّ شَىۡءٍ كُلَّ شَىۡءٍ کے لیے پہلے فعل پوشیدہ ہے تو خَلَقۡنَا خلق اور عام پیدائش پر دلالت کرتا ہے خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ یہ اشارہ خلق کی طرف ہے جو تقدیر کے ساتھ مقید ہے تو معلوم ہوا کہ خلق تقدیر کے علاوہ ہے۔ یہ آیت تقدیر کے مسئلے میں صریح نص ہے۔ امام ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ تقدیر تمام چیزوں پر ان کے موجود ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا علم اور ان کے پیدا ہونے سے پہلے ان کا لکھنا ہے اور خطیب شربینی نے فرمایا ہے کہ "قَدَرٍ قضاء، مضبوط حکم، متعین تقسیم پوری قوت اور مضبوط تدبیر معلوم وقت اور معین وقت میں ہے جو واقع ہونے سے پہلے لوح محفوظ میں لکھے گئے ہیں اور "كُلٌّ فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ اور "كُلَّ شَىۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِىۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ اور اسی طرح دیگر آیات واضح دلیل ہے کہ تقدیرات لکھی ہوئی ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر نے کثرت سے صحیح احادیث لکھی ہیں جن میں مقدرات کا لکھنا ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ جس نے کہا ہے کہ تقدیر صرف چیزوں کے موجود ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم سے عبارت ہے، یا جو کہتا ہے کہ تقدیر صرف پیدا کرنا ہے یہ اقوال غلط ہیں اور اسی طرح اس آیت کی تفسیر میں عام مفسرین نے سلف صالحین کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ یہ آیت منکرین تقدیر کے رد میں نازل ہوئی ہے جو کہ معتزلہ تھے اور اس زمانے میں منکرین حدیث (پرویزی) اور دہری لوگ ہیں لیکن تقدیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کسب کی کچھ قدرت اور توفیق بھی دی ہے جس کی وجہ سے جزاء اور سزاء دے گا اور اس پر بھی قرآن اور حدیث کے بہت نصوص شاہد ہیں۔

وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ ۝٥٠ وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَآ اَشۡيَاعَكُمۡ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۝٥١ وَكُلُّ شَىۡءٍ فَعَلُوۡهُ فِى
الزُّبُرِ ۝٥٢ وَكُلُّ صَغِيۡرٍ وَّكَبِيۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ ۝٥٣ اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝٥٤ فِىۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِيۡكٍ
مُّقۡتَدِرٍ ۝٥٥ [۴۹] اور ہمارا حکم صرف ایک ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا [50] اور بے شک ہم تمہارے جیسوں کو ہلاک کر چکے ہیں، کیا کوئی نصیحت ماننے والا ہے [51] اور ہر کام جو انھوں نے کیا ہے نامہ اعمال میں ہے [52] ہر چھوٹا اور بڑا عمل لکھا ع۳

ہوا ہے [53] بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہوں گے [54] عزت کی جگہ میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ہوں گے [55]۔

تفسیر 50: یہ بھی اللہ کے تصرف کلی کا ذکر ہے وَ مَآ اَمْرُنَآ یہ ہر ایک کام کے لیے عام ہے اور قیامت کا قائم ہونا بھی اس میں شامل ہے جیسے سورۃ نحل آیت 77 میں گزرا ہے اِلَّا وَاحِدَةٌ یعنی کسی کام کے ہونے کے لیے ایک مرتبہ حکم کرتا ہے بار بار تاکید کی حاجت نہیں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے بعد وہ کام ایسے جلدی موجود ہو جاتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا تو "وَاحِدَةٌ" سے مراد "مَرَّةٌ وَّاحِدَةٌ" ہے یا اس سے مراد "كَلِمَةٌ وَّاحِدَةٌ" ہے جو کُن کا کلمہ ہے جو دوسری آیات میں ذکر ہوا ہے اور قیامت کے قائم ہونے کے بارے میں زیادہ مبالغہ مقصود تھا تو سورۃ نحل میں اقرب بھی ذکر کیا ہے۔

تفسیر 51: دوسرے تصرف الٰہی کا ذکر ہے اور تخویف دنیاوی ہے اَشْيَاعَكُمْ اشباہ کے معنی میں ہے یعنی تمہاری طرح گزرے ہوئے کافر اور اس سے اتباع مراد لینا غلط ہے۔

تفسیر 52، 53: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے دو اور تصرفات ذکر کیے ہیں فَعَلُوْهُ ضمیر تمام انسانوں کی طرف راجع ہے، یا اَشْيَاعَكُمْ کی طرف راجع ہے اور زُبُرِ سے مراد ملائکہ (کراماً کاتبین) کے صحیفے ہیں یہ راجح قول ہے اور صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ اس سے مراد تمام انسانوں کے اعمال اور گناہ ہیں بلکہ ساری چیزیں ہیں اور ہر ایک میں چھوٹا اور بڑا ہے مُّسْتَطَرٌ لوح محفوظ میں لکھا ہوا جو تقدیر کی کتاب ہے تو اس سے تقدیر ثابت ہوئی۔

تفسیر 54، 55: تخویف اور منکرین کا حال ذکر کرنے کے بعد پرہیزگاروں کا حال اور ان کی بشارت پانچ طریقوں سے ذکر کی ہے نَهَرٍ اسم جنس ہے مراد اس سے بہت سی انہار ہیں لیکن ایک دوسرے کے ساتھ ان نہروں کا اتصال ایک نہر کی طرح ہے تو مفرد ذکر کیا ہے یا نہر سے لغوی معنی مراد ہے یعنی وسعت اور کشادگی مَقْعَدِ مجلس اور مکان کو کہا جاتا ہے مجلس صرف بیٹھنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ اور مَقْعَدِ وہ جگہ ہے کہ زیادہ وقت آدمی اس میں ٹھہرا ہو تو اس لفظ میں مجلس کے لفظ کی بنسبت مبالغہ ہے صِدْقٍ یہ صفت مکان اور قول اور فعل سب کے لیے استعمال ہوتی ہے یہاں اس سے مراد جنت ہے کہ گناہ اور لغو اس میں نہیں ہے اور صدق کے سبب سے حاصل ہوتی ہے تو مسبب کی اضافت سبب کی طرف ہے عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ دونوں صیغے مبالغے کے ہیں یعنی پوری بادشاہی اور پورا تصرف اور قدرت والا کہ کچھ نقصان اور عجز اس پر نہ آتا ہو اور وہ ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

سورۃ القمر کی خصوصیات:

۱۔ چار مرتبہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ جملہ اس سورۃ میں ذکر ہے۔

۲۔ قیامت کے احوال کا تفصیلی ذکر۔

۳۔ پانچ قوموں کا ذکر جنہوں نے حق جھٹلایا تھا۔

۴۔ سچی خبر جو کہ بدر میں ثابت ہوئی کہ ہم انکی پوری جماعت کو شکست دیں گے۔

۵۔ چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ۔ ۶۔ سات مخمسات کا ذکر۔

سورۃ القمر کی تفسیر اللہ کے فضل و توفیق سے مکمل ہوئی

ایاتھا ۷۸ ﴿۵۵﴾ سُورَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ۹۷ رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

"وہ رحمان ہے [1] اس نے قرآن کی تعلیم دی [2] انسان کو پیدا کیا ہے [3] اس کو مقصد واضح کرنے کا طریقہ سکھلایا ہے [4]۔

اس کا دوسرا نام سورۃ عروس القرآن ہے۔ ربط: اس سورت کا ماقبل سورت سے ربط بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پچھلی سورت میں اللہ تعالیٰ کے عام اور خاص تصرفات ذکر کیے گئے ہیں اور یہاں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ثابت کرنے کو مرتب کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں تخویف اور بشارت اجمالاً ذکر کی تھی تو اس سورت میں ان دونوں کی تفصیل ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں قرآن کی تفسیر ذکر کی تو اس سورت میں اس کی وجہ ذکر ہوگی قرآن کی تعلیم اور بیان کیساتھ۔ چوتھی وجہ اس سورت کا اختتام عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ کے ساتھ تھا یعنی گویا کہ سوال کیا گیا کہ وہ کون ہے تو اس سورت کے شروع میں جواب ہوا کہ الرحمان یعنی وہ الرحمٰن ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: سورت کا عنوان اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کو ثابت کرنا ہے اور اول اور آخر میں اس کے ساتھ رد شرک فی البرکات ہے تیس بڑی دنیاوی نعمتوں کے ذکر کے ذریعے تفصیلاً اور لفظ "آلاء" کے ذکر کے ذریعے اکتیس مرتبہ اجمالاً اس لیے کہ "آلاء" بڑی بڑی نعمتوں کو کہا جاتا ہے۔

سورت کا خلاصہ: یہ ہے کہ پہلے الرحمان کے ساتھ سورت کا مرکزی مضمون ہے تیس دنیاوی، باطنی، روحانی اور ظاہری انعامات کے ذکر کرنے کے ذریعے اور یہ عقلی دلائل بھی ہیں اور ان میں "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" کا جملہ آٹھ مرتبہ ذکر ہے پھر تخویف اخروی کے ساتھ انعامات کا ذکر ہے اور یہ جملہ سات مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور بشارت اخرویہ کے ساتھ اخروی انعامات کا ذکر ہے اور اس میں یہ جملہ سولہ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

پہلا فائدہ: یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ (ابن کثیر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث حسن ہے) کہ رسول اللہ ﷺ

نے یہ سورت جنات پر تلاوت کی اور وہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کے ہر جملے کے ساتھ یہ جواب دیتے (لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ) کہ تیری نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا بھی ہم انکار نہیں کرتے اے ہمارے رب! تیری لیے الوہیت کی صفات ہیں، تو پھر آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس طرح جواب دینے کی ترغیب دی، اسی وجہ سے اس جملے کے تلاوت کے وقت یہ جواب دینا سنت ہے (ترمذی کتاب التفسیر 3291، مستدرک حاکم 474/2 شیخ البانی نے اس کو حسن کہا ہے سلسلة الصحيحة 2150) نماز میں جب زبانی اس کے پڑھنے کا موقع ہو تو صحیح ہے ورنہ دل میں پڑھیں۔ دوسرا فائدہ: یہ جملہ اکتیس مرتبہ اس سورت میں آیا ہے اگرچہ یہ لفظ کے لحاظ سے تکرار ہے لیکن مقصد کے لحاظ سے تکرار نہیں ہے اس لیے کہ ہر جگہ اس جملے کا الگ الگ مقصد ہے جیسے بعد میں معلوم ہوگا۔ تیسرا فائدہ: یہ جملہ نعمتوں کے ساتھ آٹھ مرتبہ ذکر کیا ہے اس لیے کہ نعمتوں کے اصول آٹھ ہیں: (۱) باطنی (۲) ظاہری (۳) نفسی (۴) آفاقی (۵) بری (۶) بحری (۷) علوی (۸) سفلی اور یہ ساری قسمیں یہاں ذکر ہوئی ہیں اور یہ جملہ تخویف اخروی کے ساتھ سات (7) مرتبہ ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں سب سے بچنے کا سبب تکذیب سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور بشارت کے ساتھ اولاً آٹھ مرتبہ اور دوسری مرتبہ بھی آٹھ مرتبہ ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں چاہے پہلی قسم کی جنتیں ہوں اور چاہے دوسری قسم کی۔ چوتھا فائدہ: یہ سورت لفظ رحمان کی تفسیر ہے اور اس کی وجہ سے یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح خاص ہے کہ اس کا لفظی اطلاق بھی غیر اللہ پر منع ہے جیسے یہ تحقیق سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے ذکر کی ہے۔

تفسیر 1: یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی یعنی "هُوَ الرَّحْمٰنُ" اور یہ سورت کا مرکزی مضمون ہے یا "اَلرَّحْمٰنُ" مبتدا ہے اور بعد والی آیتیں خبر ہے البتہ اکثر قراء کے نزدیک اَلرَّحْمٰنُ مستقل آیت ہے تو معلوم ہوا کہ پہلا قول راجح ہے اور یہ مشرکین کا رد ہے کہ وہ مسیلمہ کذاب کو رحمن کہتے تھے۔

تفسیر 2: یہ پہلی نعمت کا ذکر ہے یہ قسمت دینیہ روحانیہ اور تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے اور قرآن کریم کی تعلیم اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونا اور تلاوت کے لیے اور نصیحت لینے کے لیے آسان ہونا ہے۔ سوال: قرآن میں بعض متشابہات ہیں جن کی حقیقت کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے جیسے سورۃ آل عمران میں گزرا ہے تو اس آیت کے ساتھ ان کی کیا موافقت ہے؟ پہلا جواب یہ ہے کہ کسی کو کتاب کے اکثر حصے کا علم حاصل ہو جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص اس کتاب کا عالم ہے

توقرآن کریم میں اکثر محکمات ہیں تو ان کے علم کو قرآن کا علم کہا جا سکتا ہے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ متشابہات کو بھی اللہ تعالیٰ نے پڑھنے اور معنی کے لحاظ سے آسان کیا ہے اگر چہ کیفیت معلوم نہ ہو اور یہ اس شخص کے مسلک پر اشکال ہے جو متشابہات کے معنی کو مجہول سمجھتا ہے۔

تفسیر 3، 4: اس میں دو نعمتیں مذکور ہیں خَلَقَ اقبل پر معطوف نہیں ہے اس لیے کہ یہ کلام مستانف ہے اور سوال کا جواب ہے کہ کون قرآن کے اہل ہیں؟ تو جواب ہوا کہ جنس انسان اور عطف نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نعمتوں کی تعداد کے طور پر ہے اور تعداد میں عطف نہیں آتا الْإِنْسَانَ ظاہر یہ ہے کہ اس سے جنس انسان مراد ہے آدم علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں داخل ہیں۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ بیان سے مراد انسان کی زبان اور ہونٹوں اور گلے میں ایسے طریقے سے بولنے کی قوت رکھنا کہ اپنے مقصد کو واضح کر سکتا ہو اور قرآن بھی پڑھ اور بیان کر سکتا ہو، انسانی صفتوں اور قوتوں میں یہ صفت خصوصی طور پر اس لیے ذکر کی ہے کہ باقی حیوانات سے انسان کی تمیز بیان کے قوت کے ذریعے سے ہے اور اس وجہ سے عطف کے ساتھ نہیں لایا اس میں اشارہ ہے کہ انسان کی پیدائش حقیقت میں اس کی قوۃ ناطقہ (گویائی کی طاقت) سے عبارت ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اگر زبان نہ ہو تو انسان نہیں ہوتا مگر جانور یا بت ہوتا ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا

فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝

”چاند و سورج ایک حساب سے چل رہے ہیں [5] اور پودے اور درخت سجدہ کرتے ہیں [6] اور آسمان کو اسی نے بلند کیا اور اس نے ترازو رکھی [7] تاکہ تم تولنے میں حد سے تجاوز نہ کرو [8] اور وزن کو انصاف سے قائم رکھو اور تولنے میں کمی نہ کرو [9]۔

تفسیر 5: اس آیت میں دو انعامات ذکر کیے ہیں گزشتہ باطنی انعامات باطنی نور کے لیے سبب تھے اور یہ ظاہری انعامات ظاہری نور کے لیے سبب ہیں بِحُسْبَانٍ یہ مصدر ہے اور اخفش کے نزدیک حساب کی جمع ہے اور حسبان کئی معنوں میں آتا ہے: حساب کرنا، اندازہ، عذاب۔ یہاں پہلا اور دوسرا معنی مراد ہے اور اس میں ان مشرکین کا رد ہے جو سورج اور چاند کی عبادت کرتے ہیں۔

تفسیر 6: یہ بھی دو انعامات ہیں ”وَّالنَّجْمُ وہ پودے ہیں جو اپنے تنے پر کھڑے نہ ہوں اور شجر وہ پودے ہیں جو اپنے تنے

پر کھڑے ہوں تو آسمانی انعامات کے ذکر کرنے کے بعد یہ دونوں زمین کی نعمتیں ہیں اور" النَّجْمُ میں دوسرا احتمال بھی ہے کہ تارے مراد لیے جائیں اور یہ ان مشرکین کا رد ہے جو تاروں اور درختوں کی عبادت کرتے ہیں یَسْجُدٰنِ ہر مخلوق کا سجدہ کرنا اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پیروی کرنے اور انقیاد پر دلالت کرتا ہے اور ان دو آیتوں میں عبارت پوشیدہ ہے بِحُسْبَانِهٖ يَسْجُدَانِ لَهٗ (یعنی اللہ تعالیٰ کے مقررہ حساب سے یہ دونوں اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں) دونوں کی ضمیر الرحمان کی طرف راجع ہے۔

تفسیر 7: یہ مزید دو انعامات ذکر کیے ہیں" رَفَعَهَا رفع مکانی مراد ہے جیسے سورۃ غاشیہ آیت 18 میں ہے اور مرتبے کی بلندی بھی مراد ہو سکتی ہے" وَوَضَعَ الْمِيزَانَ: میزان مشہور معنی میں ہے یعنی ترازو، اور عدل، شریعت کے، اور قرآن کے معنی میں بھی مفسرین نے ذکر کیا ہے اور آخرت کی میزان بھی مراد ہو سکتی ہے اور جب شریعت اور قرآن کے معنی میں ہو تو آسمان کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے اس لیے کہ آسمان وحی اور شریعت کا محل ہے اور اس سے نیچے نزول ہوتا ہے اور دوسرے معنوں کے ساتھ مناسبت بعید ہے ہاں مناسبت کے لیے یہ کافی ہے کہ عدل کا حکم اور وزن کرنے کی چیزیں آسمان سے نازل ہوئی ہیں اور اسی وجہ سے تمام اہل عقل اس کے حسن پر اتفاق کرتے ہیں چاہے عمل کریں یا نہ کریں۔

تفسیر 8، 9: اس میں میزان کے بارے میں تین آداب ذکر کیے ہیں: پہلا" اَلَّا تَطْغَوْا اس میں اَمَرْتُكُمْ پوشیدہ ہے اور یا لام اجلیہ پوشیدہ ہے اور جب میزان سے قرآن اور شریعت مراد ہو تو اس میں طغیان تحریف کرنا اور انکار کے طور پر مخالفت کرنا ہے یہاں تک کہ عنادی، اور دہری کافر ہو جاتا ہے۔ اور جب میزان سے عدل مراد ہو تو اس میں طغیان جور اور ظلم کرنا ہے اور جب میزان سے ترازو مراد ہو تو اس میں طغیان اپنے لیے دھوکے کے ساتھ زیادتی کرنا ہے اور دوسرا ادب" وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ پہلے کی بنا پر توحید کو ثابت کرنے کے لیے قرآنی دلائل کا وزن ہے نیز قرآن کی آیات اور شریعت کے ذریعے سے عقیدہ اور عمل برابر کرنا بھی اس میں داخل ہے اور دوسرے کی بناء پر عدل قائم کرنے کے لیے مخلوق اور خالق کے حقوق کا وزن ہے تیسرے کی بنا پر وزن کی اقامت ہاتھ کے ساتھ ترازو برابر کرنا اور دل کے ساتھ قسط۔ تیسرا ادب" وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ تو پہلے کی بنا پر شرک کرنے اور فسق کرنے کے طور پر قرآنی آیات اور دلائل میں نقصان کرنا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں نقصان کرنا ہے اور ظلم کرنے کے طور پر یہ حقوق العباد میں نقصان ہے اور دوسرے کی بنا پر عدل میں ظلم کرنا ہے اور تیسرے کی بنا پر دوسرے کے لیے تولنے میں بخس (کمی) کرنا ہے اور میزان

تین مرتبہ اسم صریح کے ساتھ ذکر کیا ایک اس وجہ سے کہ بہت تاکید ثابت ہو جائے اور آیتوں کا آخر بھی برابر ہو جائے اور دوسرا اس وجہ سے کہ پہلی میزان سے تولنے کا آلہ یعنی ترازو مراد ہے اور دوسرے سے مصدری معنیٰ مراد ہے اور تیسرا مفعول کے معنیٰ ہے اور اس سے موزون مراد ہے۔ فائدہ: میزان کے ان معانی اور تینوں کے آداب کی رعایت کرنا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ظلم اور انسانوں کے جھگڑے ختم ہوتے ہیں۔

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٣﴾

"اور زمین کو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے لیے بنایا [10] اس میں پھل ہیں اور کھجور خوشوں والے [11] اور بھوسی دار غلے اور خوشبودار پھول (بھی اس نے پیدا کیے ہیں) [12] پس (اے جن وانس!) تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [13]۔

تفسیر 10، 11: ان آیات میں تین انعامات ذکر کیے ہیں: وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ چونکہ زمین میں پھلوں اور کھجور کے علاوہ اور زیادہ فائدے ہیں اس وجہ سے وضع للانام مستقل ذکر کیا ہے لِلْأَنَامِ انسان اور جن دونوں اس میں شامل ہیں اور انام تمام جانداروں کو بھی کہا جاتا ہے نوم سے ماخوذ ہے یعنی وہ مخلوق جو سوتی ہے یا نئیم سے ماخوذ ہے آواز کرنے کے معنیٰ میں یعنی وہ مخلوق جو آواز والی ہے جیسا خطیب شربینی نے ذکر کیا ہے۔ وَالنَّخْلُ دو وجوہ سے اس کو فَاكِهَةٌ سے الگ ذکر کیا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ نخل میں "فَاكِهَة" اور غذا دونوں ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نخل میں تمام درختوں اور پھلوں سے زیادہ فائدے ہیں، لکڑی، شاخیں اور اس کے پھل شروع میں ظاہر ہونے سے لیکر مکمل پکنے تک کہ ان کو جمار اور پھر طلع اور پھر بسر پھر رطب اور پھر تمر مختلف حالات میں کہا جاتا ہے اور یہ مختلف فائدے دیتے ہیں "الْأَكْمَامِ" وہ خوشے جو آستین کی شکل میں ہوتے ہیں پہلی حالت میں کھجور کے دانے ان میں پوشیدہ ہوتے ہیں پھر یہ پھٹ جاتے ہیں تو دانے ان میں ظاہر ہوتے ہیں، یا اس سے مراد وہ باریک چھلکا ہے جو کھجور کے درخت کی شاخوں اور تنے کے درمیان ارگرد ہوتا ہے۔

تفسیر 12: اس میں تین نعمتیں مذکور ہیں الْعَصْفِ: فصل کے وہ پتے جو سوکھ جائیں اور جانوران کو کھاتے ہوں وَالرَّيْحَانُ رزق اور نیا بوز اور ہر پودا جو خوشبودار ہو اور پودوں کے پتے جو تنے کے ساتھ پیوست ہوتے ہیں ان سب میں الگ الگ فائدے ہیں اور یہ سارے معانی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔

تفسیر 13: اس جملے کا تکرار نعمتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے نیز حجت کے الزام کی تاکید کے لیے ہے اور اس کے مخاطب وہ جن و انس ہیں جو تُكَذِّبٰنِ کے قرینے کے ذریعے کفر اور شرک اور ناشکری کرتے ہیں یعنی اے لوگو! ایک نعمت دکھلاؤ جو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ کی ہو اور تمہارے (باطل) معبودوں نے پیدا کی ہو یا اللہ تعالیٰ نے وہ نعمت ان معبودوں کے ساتھ ملکر پیدا کی ہو چنانچہ اس وجہ سے تم ان کو اللہ کا شریک بناتے ہو اٰلَآءِ اِلٰی یا اَلٰیٌ کی جمع ہے واضح نعمت کے معنی میں ہے اور امام قرطبیؒ نے قدرت کے معنی میں بھی ذکر کیا ہے اٰلَآءِ جمع لانے میں اشارہ ہے کہ پہلے جو نعمت ذکر کی وہ اصل میں بہت سی نعمتوں پر مشتمل ہے رَبِّكُمَا لفظ رب میں احسان کی تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو پیدا کرنے والا پالنہار ہے اور خطاب جن و انس دونوں کو ہے اس لیے کہ لفظ انام میں دونوں داخل تھے اور اسی طرح بعد میں بھی "اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ اور يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ کے ساتھ خطاب آئے گا تُكَذِّبٰنِ ایک تکذیب یہ ہے کہ وہ نعمت کو نعمت نہیں مانتے جس طرح قرآن کریم کا نزول (ایک عظیم نعمت ہے) دوسرا یہ کہ نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں مانتے۔ تیسرا یہ کہ اس نعمت کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک سمجھتے ہیں جیسے ظاہری دنیاوی نعمتیں ہیں اور تکذیب کے عنوان کے ساتھ اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو جملہ خبریہ صادقہ کے ساتھ ذکر کیا اور اس کے نہ ماننے کو تکذیب کہا جاتا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾

"انسان کو پیدا کیا ایسی آواز دینے والی چکنی مٹی سے جو ٹھیکری کی طرح تھی [14] اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا ہے [15] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [16] وہ رب ہے دو مشرقوں اور دو مغربوں کا [17] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے [18]۔

تفسیر 14: یہ عام نعمت کے بعد خاص نعمت کا ذکر ہے یعنی آیت 3 میں عام انسان مراد تھے اور اس آیت میں خاص آدم علیہ السلام مراد ہے اور آفاقی نعمتوں کے بعد دلیل (نعمت) انفسی ہے صَلْصَالٍ گارا جو خشک ہو جائے اور آواز دے كَالْفَخَّارِ وہ خشک گارا جو آگ میں سرخ ہو جائے اس کو ٹھیکری کہا جاتا ہے حرف کاف میں اشارہ ہے کہ اس سے عین ٹھیکری نہیں بنائی تھی تو معلوم ہوا کہ آگ کا اثر اس میں نہیں تھا انسان کی فطرت جنوں کی فطرت سے بالکل الگ ہے۔ (تنبیہ) آدم علیہ السلام کے خلق کی ترتیب یہ ہے کہ زمین کی مٹی مختلف رنگوں سے جمع کی جیسے سورۃ آل عمران آیت 59 میں ذکر ہے خَلَقَهٗ

مِنْ تُرَابٍ پھر اس مٹی کو پانی کے ذریعے گوندا تو گارا بنالیا اور خالص کیا جیسے سورۃ سجدہ آیت 7 اور سورۃ مؤمنون آیت 12 میں ذکر ہے پھر کچھ وقت کے لیے چھوڑ دیا تو چکناہٹ اس میں پیدا ہوئی جیسے سورۃ صافات آیت 11 میں ہے پھر زیادہ وقت رکھا تو رنگ اس کا تبدیل ہوا اور خوب خمیر ہوئی جیسے سورۃ حجر آیت 28 میں ذکر ہے اور پھر خوب خشک کیا کہ ٹھوکنے سے بجے اور اس کو صلصال کہتے ہیں جس طرح اس سورت میں ذکر ہے اور یہ اس کی آخری حالت ہے تو پھر اس سے گوشت، ہڈیاں اور چمڑا بنایا اور اس میں روح ڈالی تو روحانیت کی مناسبت کی وجہ سے اس سورت میں آخری حالت ذکر کی تو معلوم ہوا کہ انسان تین عناصر سے بنایا گیا ہے مٹی، پانی اور ہوا سے۔

تفسیر 15: اس میں دوسری خاص نعمت ذکر فرماتا ہے اَلْجَآنَّ ابوالجن ہے واضح یہ ہے کہ یہ ابلیس کے علاوہ ہے وہ تو ابوالشیاطین ہے۔ مَّارِجٍ آگ کا شعلہ کہ تین رنگ اس میں ظاہر ہوتے ہیں سرخ، پیلا اور سبز اس کے ساتھ دھواں نہیں ہوتا اور یہ تیز آگ میں ہوتا ہے اسی وجہ سے سورۃ حجر آیت 27 میں اس کو نَارَ السَّمُوْمِ کہا گیا ہے پہلا مِنْ ابتدا کے لیے ہے اور دوسرا "مِنْ تبعیض یا بیان کے لیے ہے۔

تفسیر 16: "آلَآءِ میں اشارہ ہے کہ دونوں آیتوں میں بہت سی نعمتیں ذکر کیے گئے ہیں۔ آدم علیہ السلام اور نوع انسانی کی پیدائش اور صلصال سے خاص کیفیت کے ساتھ پیدا کرنا اور اس سلسلہ کو جاری رکھنا، جان اور جنات کے نوع کی پیدائش اور مارج سے خاص کیفیت کے ساتھ پیدا کرنا اور اس نسل کو جاری رکھنا اور دونوں کی خلقت کے مادے میں فرق کرنا اس کی وجہ سے اخلاق اور طبیعتوں میں فرق پیدا کرنا اور یہ سب جن وانس دونوں پر بے شمار نعمتیں ہیں ان انعامات میں ایک بھی انکار اور شرک کا سبب نہیں ہوسکتا ہے۔

تفسیر 17، 18: پہلی آیت میں مشرقین اور مغربین پیدا کرنا اور ان کی الگ الگ صفات اور احوال اور ان کی ربوبیت (انتظام چلانا) ذکر ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں ہیں اور پانچ امور ذکر ہوئے: رب، دو مشرق اور دو مغرب "مَشْرِقَيْنِ گرمی اور سردی کے موسم کے الگ الگ مشرق ہیں اور اسی طرح مغرب بھی الگ الگ ہیں، یا شمس کا مشرق اور مغرب الگ ہے اور قمر کا الگ ہے یا ایشیائی ممالک کے مشرق اور مغرب الگ ہیں اور امریکہ وغیرہ کے مشرق اور مغرب الگ ہیں، یعنی اوقات کے اعتبار سے جب ان ممالک میں سورج ظاہر ہوتا ہے تو وہاں غروب ہوتا ہے اور اسی طرح برعکس صورت میں اور اس نظام میں موسموں کی تبدیلی اور اس کی وجہ سے فصلوں کا پیدا ہونا اور روشنی اور اندھیرے

کا پیدا ہونا یہ بہت ہی نعمتیں ہیں۔ فائدہ: اس میں اکثر خطابات تثنیہ کے صیغے کے ساتھ ہیں تو اس کی مناسبت کی وجہ سے یہ دونوں لفظ (مشرقین ومغربین) بھی تثنیہ ذکر کیے ہیں۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ 3
وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾

"اسی نے دو دریا جاری کیے جو آپس میں ملتے ہیں [19] ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے کہ وہ دونوں اپنی حد سے بڑھتے نہیں [20] تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟ [21] دونوں دریاؤں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں [22] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟ [23]"۔

تفسیر 19، 20: بڑی نعمتوں کے بعد بحری انعامات ذکر کیے ہیں الْبَحْرَيْنِ میٹھا پانی جو آسمان سے برستا ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس سے دریا، نہریں اور تالاب بنائے ہیں اور اکثر یہ آپس میں مل جاتے ہیں اور بالآخر اللہ تعالیٰ انہیں نمکین سمندر تک پہنچا دیتا ہے اور یہ دونوں قسمیں ایک ساتھ جاری کیں، ان دونوں کے درمیان ابتدا سے زمین اور آسمان کا پردہ ہے اور جب یہ ایک ساتھ جاری ہو جائیں تو ان کے درمیان قدرتی معنوی پردہ ہے اور اسی طرح سورۃ الفرقان آیت 53 میں اور سورۃ فاطر آیت 12 میں گزرا ہے اور اس تفصیل کے ساتھ مفسرین کے بہت سے اقوال جمع ہوئے (ان میں تطبیق ہوئی) اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بحیرہ روم اور فارس ہیں اور ان کا التقاء یہ ہے کہ شروع اور آخر ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور پردے سے مراد حجاز کی زمین ہے لیکن یہ قول سورۃ فرقان اور سورۃ فاطر سے مخالف ہے لَّا يَبْغِيٰنِ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کر سکتے تاکہ ان کا پانی مکس نہ ہو جائے اور دونوں سے جو فائدے مقصود ہیں وہ خراب نہ ہو جائیں اور اسی طرح یہ مخلوق پر بغی (تجاوز) نہیں کر سکتے یعنی ساری دنیا (زمین) پر نہیں پھیل سکتے اگرچہ بہت سی زمین پر ان کی سطح بلند ہے۔

تفسیر 21: اٰلَاۗءِ پہلے پانچ نعمتیں ذکر ہوئیں مرج، دو قسم کا پانی، التقاء، برزخ، عدم بغی اور اس کے علاوہ میٹھے پانی میں مخلوق کے لیے بے شمار فوائد ہیں اور بحر مالح (نمکین) میں بھی بہت سے فوائد ہیں بہت سے ممالک میں اس سے تیل (پٹرول) نکلتا ہے کہ اس میں پھر بہت سے فائدے ہیں۔

تفسیر 22، 23: ان آیات میں دو انعامات ذکر کیے ہیں اور بحرین کے فائدوں میں یہ فائدہ الگ ذکر کیا اس لیے کہ (لؤ

لؤلؤ اور مرجان) کے فائدے بھی عام فوائد سے الگ ہیں۔ پتھروں کے خواص کا علم رکھنے والے اکثر ان فائدوں کو جانتے ہیں اور ان سے دوائیں اور کشتے بھی بیماریوں کے علاج کے لیے بنتے ہیں مِنْهُمَا یہ ضمیر تثنیہ اپنے معنیٰ میں ہے یعنی (لؤلؤ اور مرجان) یقیناً دونوں پانی کے اختلاط سے پیدا ہوتے ہیں یہ نر اور مادے کے مثل ہیں ابن جریر نے فرمایا ہے کہ بارش کا پانی دریا کے کھلے صدفوں میں برس جاتا ہے اور صدف بند ہو جاتے ہیں تو ان میں ایک یا زیادہ موتی بن جاتے ہیں اس کا مشاہدہ بھی بعض لوگوں نے کیا ہے اور ابوحیان نے ذکر کیا ہے کہ جن جگہوں میں میٹھے پانی کے دریا، سمندر کے ساتھ مل جاتے ہیں تو غواص (غوطہ خور لوگوں) کا تجربہ ثابت ہے کہ ان جگہوں میں یہ موتی ملتے ہیں اسی وجہ سے یہ توجیہہ جو بعض مفسرین نے ذکر کی کہ یہاں تثنیہ کی ضمیر مفرد کے معنیٰ میں ہے تو یہ بے ضرورت تاویل ہے نیز سورۃ فاطر آیت 12 کے ظاہر سے اس کا مخالف ہونا بھی ظاہر ہے۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٥﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٨﴾

"اور اسی کے اختیار میں ہیں دریا میں چلتی ہوئی کشتیاں جو پہاڑوں کے مثل بلند ہیں [24] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے [25] جو کوئی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے [26] اور باقی رہ جائے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی شان اور عزت والا ہے [27] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [28]۔

تفسیر 24، 25 یہ بحری نعمتوں میں سے دوسری بڑی نعمت ذکر کی ہے کہ اس میں توحید کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تصرف کے خاص ہونے کی طرف اشارہ ہے اَلْجَوَارِ جَارِيَةٌ کی جمع ہے بنانے سے پہلے فَلَكٌ اس کا نام تھا جیسے وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا (سورۃ ہود) پھر دریا میں چلنے کے بعد اور نجات کے بعد اس کا نام سفینہ رکھا گیا جیسے "فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ (عنکبوت) اور دریا میں چلنے کے وقت اس کا نام جاریہ ہے۔ ایسے وقت میں مؤمن اور مشرک دونوں اقرار کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے چلتی ہے اسی وجہ سے مشرکین کو بھی اگر اس وقت خطرہ پیش آتا تو اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور یہ حالت انعام پر دلالت کرتی ہے اسی وجہ سے اس کی تخصیص کی اَلْمُنْشَآتُ انشاء سے ماخوذ ہے پیدا کرنے کے معنیٰ میں ہے یعنی پیدا کی گئی ہیں یا نَشْوٌ سے ماخوذ ہے اِرْتِفَاعٌ کے معنیٰ میں یعنی پہاڑوں کی طرح ان کی گردنیں بلند ہیں اور اس میں بڑے بحری جہازوں کی طرف اشارہ ہے اور یہ قرآن کا معجزہ ہے اس لیے کہ ایسے

بڑے بڑے جہاز تو بعد کے زمانے میں پیدا ہوئے اور قرآن نے اس کا ذکر پہلے کیا تھا اور اسی طرح سورۃ شوریٰ آیت 32 میں ذکر ہوا ہے اٰلَآءِ اس میں پانچ نعمتیں مذکور ہیں۔ لَهُ. الْجَوَارِ. الْمُنْشَئٰتُ. فِي الْبَحْرِ. كَالْاَعْلَامِ اور دیگر نعمتیں اس میں بہت ہیں جیسے دریا میں تجارت، جہاد اور حج کرنے کے لیے سفر کرنا اور اس میں شکار کرنا اور موتی وغیرہ نکالنے کے لیے کشتی استعمال کرنا وغیرہ۔

تفسیر 26، 27، 28: ان آیات میں دوسری قسم کی نعمتیں ذکر فرمائی ہیں۔ جو پانچ ہیں: کل کا فنا، بقا رب کی وجہ، جلال، اکرام اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات مذکور ہیں کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا مَنٍ سے سارے جنات اور انسان مراد لیا اس لیے کہ ان آیات میں مکالمہ ان سے ہے اگرچہ ان کے علاوہ سورۃ قصص آیت 38 کی دلیل سے مشہور تفسیر کی بنا پر اور مخلوق بھی فنا ہوگی وَجْهُ رَبِّكَ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام قرطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ وجہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات اور وجود ہے۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ لفظ وجہ مشترک ہے کبھی ایک معنی میں اور کبھی دوسرے معنی میں ہوتا ہے اور سارے حقیقی معانی ہیں تو اس کو متشابہ کی تاویل نہیں کہا جا سکتا۔ **سوال** رَبِّكَ: سورۃ میں باقی خطابات تثنیہ کے ہیں اور اس خطاب کو مفرد کے ساتھ ذکر کیا ہے؟ **جواب** یہ ہے کہ اس میں ہر ایک شخص کو خطاب ہے تاکہ ہر ایک شخص اپنے فنا اور رب تعالیٰ کے بقاء کا عقیدہ رکھے ذُو الْجَلٰلِ اس سے مراد عظمت اور کبریائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے مدح کے استحقاق کو مستلزم ہے وَالْاِكْرَامِ یہ شریک اور ہر قسم کے نقص سے اللہ تعالیٰ کو پاک سمجھنے کو مستلزم ہے اٰلَآءِ اس میں بہت سی نعمتیں ہیں: (۱) فنا جس کے سبب سے ایمان والے جنت کی نعمتوں کو پہنچ جائیں (۲) اور فنا کی تذکیر اور اس میں بہت فائدے ہیں: عبادت کرنے کی ترغیب، دل سے دنیا کی محبت کو نکال دینا، تکبر اور ریاء اور حسد وغیرہ سے بچنا، مصائب پر صبر کرنا، شرک اور کفر اور گناہوں سے ڈرنا (۳) سب کا فنا میں برابر ہونا (۴) اور اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ بقا جو دلوں کے اطمینان کا سبب ہے (۵) اجلال اور اکرام جو ذات اور صفات کی توحید کے دلائل ہیں۔

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

"اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ ہر روز الگ الگ کام میں ہے [29] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [30] اے جن و انس کے گروہ! عنقریب ہم تمہارے لیے فارغ ہو جائیں گے [31] پس تم

اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [32]۔

تفسیر 29، 30: جب مخلوق کی فنا اور اللہ تعالیٰ کے بقا ذکر ہوا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا استغنا، اور مخلوق کا اس کی طرف محتاج ہونا بیان کیا ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ یوم سے مراد ہر وقت ہے شَأْنٍ اس سے مراد الوہیت کے کام اور تصرفات ہیں جن کو تقدیر کے بعد اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ ابھی شروع کرتا ہے اور یہی اس قول کا مقصد ہے: (شُؤُنٌ يُبْدِيهَا لَا شُؤُنٌ يَبْتَدِيهَا) اور وہ کام ہیں: رات اور دن کا بدلنا، کسی کو زندہ کرنا اور کسی کو مارنا، کسی سے غم اور مصیبت کو دور کرنا اور کسی پر غم اور مصیبت کا لانا، کسی کے گناہوں کو معاف کرنا، کسی کو عزت دینا اور کسی کو ذلیل کرنا، کسی کو فقیر کرنا اور کسی کو مالدار بنانا، کسی کی دعا قبول کرنا اور کسی کی دعا کو رد کرنا اور کسی کو بیٹا دینا اور کسی کو بیٹی دینا، اسی طرح بے شمار کام ہیں جن سے کوئی بھی وقت خالی نہیں ہے۔ آلَاءِ تمام مخلوق کی حاجت پوری کرنے والی ذات ایک ہے اور ہر وقت ہر ایک شخص کا کوئی کام کرنا اور یہ بے شمار انعامات پر مشتمل ہے اور اس میں بھی پانچ امور ذکر ہوئے (۱) يَسْئَلُهُ (۲) مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ (۳) وَالْاَرْضِ (۴) كُلَّ يَوْمٍ (۵) فِي شَأْنٍ اور اس میں دنیا کی تمام نعمتوں کی طرف اشارہ ہوا۔

تفسیر 31، 32: دنیاوی انعامات کے بعد اخروی حالات ذکر کیا ہے کہ ان میں بھی نعمتیں ہیں اور اس کے ساتھ تخویفات (ڈرانا) بھی ہیں، اس آیت میں وعدہ زواجر دونوں ہیں جب سَنَفْرُغُ کا معنی اس طرح ہو جائے کہ تمہارا ثواب اور عذاب میں پورا دوں گا اور یا یہ صرف زجر ہے جب معنی ہو عنقریب ہے کہ میں تمہارے ساتھ حساب کروں گا زجاج سے منقول ہے کہ فراغ دو قسم کا ہے: ایک قسم ایک شغل سے فارغ ہونا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس کو ایک کام دوسرے کام سے مشغول نہیں کر سکتا وہ ایک وقت میں ہر کام پر قادر ہے۔ دوسری قسم ایک کام کی طرف توجہ کرنا اور قصد کرنا یہاں یہ مراد ہے امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد حساب کرنا ہے الثَّقَلٰنِ اس سے مراد جن وانس ہیں اس نام الثَّقَلٰنِ کی کئی وجوہ ہیں: پہلی وجہ یہ کہ ان دونوں کی شان باقی حیوانات سے بلند ہے اس لیے کہ یہ عبادت کرنے کے مکلف ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اور چیزوں کی بنسبت زمین پر ان کے بدنوں کا بوجھ زیادہ ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد گنہگار ہیں جو گناہوں کے بوجھ سے بھاری ہیں آلَاءِ ان میں نعمتیں یہ ہیں (۱) خبر دینا تاکہ لوگ حساب کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں (۲) اطاعت پر ثواب دینے کا وعدہ (۳) گناہوں پر سزا دینا (۴) اور دونوں کے درمیان میں بدلہ دینے میں فرق (۵) اور ان دونوں انواع (جن اور انس) کو باقی مخلوقات میں سے مکلف کرنا اور خطاب

کرنے کے ساتھ الگ کرنا۔ سوال: لَکُمۡ جمع ہے اور ''ثَقَلٰنِ'' تثنیہ ہے؟ جواب: اشارہ ہے کہ دونوں انواع میں زیادہ زیادہ افراد ہیں نیز دو کو بھی جمع کا خطاب صحیح ہے۔

یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ ﴿ۚ۳۳﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ یُرۡسَلُ عَلَیۡکُمَا شُوَاظٌ مِّنۡ نَّارٍ ۬ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنۡتَصِرٰنِ ﴿ۚ۳۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

''اے جنات اور انسانوں کی جماعت! اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں وزمین کے کناروں سے نکل سکو تو نکل جاؤ تم نہیں نکل سکتے مگر قوت کے ساتھ [33] تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [34] تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں بھیجا جائے گا تو تم بدلہ نہیں لے سکو گے [35] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [36]۔

تفسیر 33، 34: یہ خطاب آخرت میں ہوگا اور مراد یہ ہے کہ جزا سے کسی بھی طریقے سے بچ نہیں سکتے اور آخرت کے آسمان وزمین مراد ہیں یا یہ خطاب ابھی دنیا میں ہے کہ تم ابھی بھی اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر سے عاجز ہو تمام عالم میں بھاگنے کا کوئی بھی راستہ نہیں پا سکتے اور نہ اس سے باہر نکل سکتے ہو تو پھر کیوں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے ہو اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ یہ استثناء فرضی ہے اس لیے انسانوں اور جنوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر قوت اور غلبہ ممتنع اور محال ہے اس لیے کہ اس کے بعد وَ اَنّٰی لَکُمۡ پوشیدہ ہے یا یہ کہ بِسُلۡطَانٍ میں با لام کے معنی میں ہے یعنی جس طرف نکلو تو وہاں اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے اٰلَآءِ یہاں نعمتوں سے مراد تمام انسانوں اور جنوں کا عجز میں برابر کرنا اور تنبیہ اور تحذیر دینا اور اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت کے باوجود معاف کرنا اور ان کو محدود طاقت دینا تاکہ بغاوت نہ کریں اور دنیا کا نظام خراب نہ ہو جائے اور سب کو آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر جگہ دینا ہے۔

تفسیر 35، 36: یہ مستقل تخویف اخروی ہے جو مُکَذِّبِیۡنَ کے ساتھ خاص ہے، یا ''فَانۡفُذُوۡا'' کے ساتھ متعلق ہے یعنی اگر بالفرض تم نکل جاؤ تو آگ کے شعلے تم پر بھیجے گا یعنی نکلنے کی طاقت نہیں رکھ سکتے ہو شُوَاظٌ یعنی آگ کے سبز شعلے کہ دھواں اس کے ساتھ خلط نہ ہو اور سرخ شعلوں کو بھی کہا جاتا ہے وَّ نُحَاسٌ وہ کالا دھواں جس کے ساتھ شعلے نہ ہوں اور پگھلے ہوئے تانبے کو بھی کہا جاتا ہے اٰلَآءِ یہ تہدید ہے عذاب کے آنے سے پہلے اور مطیع اور گنہگاروں کی جزا اور سزا میں جدائی اور مکذبین کے لیے قسم قسم کے عذاب اور ایمان والوں کو اس سے بچانا اور دنیا میں آخرت کے عذاب کو یاد کرنے کے لیے

آگ کے شعلے اور دھواں پیدا کرنا یہ سب نعمتیں ہیں۔

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿37﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿38﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿39﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿40﴾

"جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور مانند سرخ چمڑے کے سرخ گلاب ہوجائے گا[37] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟[38] پس اس دن کسی انسان سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی جن سے[39] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟[40]۔

تفسیر 37 و 38: یہ بھی قیامت کی ہیبت کے ذکر کے ذریعے تخویف ہے اور اس میں وہم کا جواب ہے وہ یہ کہ یہ آسمان اور زمین انسان کو نفوذ سے منع کرتے ہیں اگر یہ ہٹا دیے جائیں تو پھر نفوذ (خروج) کر سکتے ہیں۔ حاصل جواب یہ ہے کہ آسمان پھٹ جائیں گے لیکن پھر بھی انسان نہیں نکل سکتے فَإِذَا حرف فاء دلالت کرتا ہے کہ گزشتہ آیات دنیا کے ساتھ متعلق ہے جیسے پہلے ایک تفسیر ذکر ہوئی اور ابھی دنیا کے فنا ہونے کا حال ذکر کر فرمایا ہے اور چونکہ آبادیوں کا خراب ہونا اوپر کی طرف سے شروع ہوتا ہے اسی وجہ سے پہلے آسمان کا انشقاق ذکر کیا ہے اسی طرح سورۃ الحاقۃ آیت 16 اور سورۃ فرقان آیت 25 اور سورۃ انشقاق آیت 1 میں بھی ذکر کیا ہے۔ وَرْدَةً سرخ گلاب کو کہا جاتا ہے اور سرخ گھوڑے کو بھی کہا جاتا ہے کَالدِّهَانِ سرخ چمڑے کو کہا جاتا ہے، یا "دُهن" کی جمع ہے تیل کو کہا جاتا ہے یعنی گلاب کی طرح آسمان کا رنگ سرخ ہوجائے گا اور پگھل جائے گا اور تیل کی طرح بہہ جائے گا، آسمان کا سرخ ہونا اس وجہ سے ہوگا کہ جہنم کی آگ کے قریب کیا جائے گا اور ماوردی نے فرمایا ہے کہ آسمان کا اصلی رنگ سرخ ہے اور دور ہونے کی وجہ سے نیلا نظر آتا ہے اور جب قریب ہوجائے تو اصل رنگ کے موافق سرخ نظر آئے گا۔ تفسیر: آلَاءِ فنا کے ذریعے سے تنبیہ اور ابھی تک آسمانوں کو فنا سے بچا کر رکھنا اور پھر قدرت کے مظاہرے کے ساتھ ان کے رنگ اور حالت بدلنا یہ تمام نعمتوں کا تذکرہ ہے۔

تفسیر 39 و 40: یہ بھی تخویف اخروی ہے حرف فاء دلالت کرتا ہے کہ آسمان کی حالت بدلنے کے بعد قیامت اور حساب کا دن شروع ہوجائے گا۔ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد عذروں کا دروازہ بند کرنا ہے جیسے سورۃ مرسلات آیت 36 میں ہے یعنی "لَّا يُسْأَلُ" سے مراد عذر کا سوال ہے، یا مراد یہ ہے کہ محشر کے پہلے وقت میں اور اسی طرح آگ کے اندر ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ حساب کے موقف میں سوال ہوسکتا ہے اور ابو العالیہ سے

منقول ہے کہ ایک مجرم کے گناہوں کے بارے میں دوسرے مجرموں سے نہیں پوچھا جائے گا، اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ استعلام (آپنے آپ کو باخبر کرنے) کے لیے سوال نہیں ہوں گے بلکہ زجر کے لیے سوال ہوں گے اور ابن قیم رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ گناہ کرنے کے بارے میں سوال نہیں ہوں گے بلکہ اس کی وجہ، علت اور عمل کی کیفیت کا سوال ہوگا، ان توجیہات کے ساتھ آیت" فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ (سورۃ اعراف آیت 6) کے ساتھ تعارض دور ہوتا ہے اور اسی طرح سورۃ قصص آیت 78 میں بھی گزرا ہے۔ اٰلَآءِ نعمتیں یہ ہیں کہ سوال مجرم کے ساتھ خاص ہے اور غیر مجرم سے سوال صرف عرض (پیشی) اور پھر معاف کرنا ہے اور سوال کرنے میں مجرم اور غیر مجرم کی تمیز مقصود ہے اور اس سوال میں مقصود مجرم پر الزام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا اظہار ہے۔

یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَ الْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

"گناہگاروں کو ان کی نشانیوں سے پہچانا جائے گا پھر پیشانی کے بالوں اور پیروں سے پکڑے جائیں گے [41] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [42] یہ وہ جہنم ہے جس سے یہ گنہگار لوگ انکار کرتے تھے [43] جہنم کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان وہ چکر لگائیں گے [44] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [45]۔

تفسیر 41، 42: ان آیات میں تخویف اخروی ہے یعنی سوال (حساب) کے بعد سزا شروع ہوگی بِسِیْمٰهُمْ یعنی وہ گناہ مجرموں کے جسموں پر مصور ہو جائیں گے اور اسی طرح چہروں کا کالا ہونا جیسے سورۃ آل عمران آیت 106، سورۃ یونس آیت 27 اور سورۃ ملک آیت 27 میں ہے آنکھوں کی زرقت (نیلا پن) جیسے سورہ طٰہٰ آیت 102 میں ہے اور اندھا اور گونگا، بہرا ہونا اور چہروں کے بل چلنا جیسا کہ سورۃ اسراء آیت 97 اور سورۃ فرقان آیت 34 میں ہے یہ سب نشانیاں ہوں گی فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ یہ نَاصِیَةٌ کی جمع ہے وہ بال جو پیشانی پر لٹکے ہوئے ہوں اور ایسے بال رکھنا مجرموں کا طریقہ ہے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مخالف ہے اور اسی طرح سورۃ علق آیت 15 میں ہے یہ پکڑ تازبانیہ ملائک کریں گے یا ناصیہ اور قدموں کو ایک ساتھ کر دیا جائے گا اور ایک ملک مجرم پکڑ لے گا اور جہنم میں پھینک دے گا، یا یہ کہ ایک ملک ناصیہ سے پکڑ لے گا اور دوسرا ملک قدموں سے پکڑ لے گا جیسے سورۃ ق آیت 24 میں تثنیہ گزرا ہے جب وہ اپنے معنی میں مراد لیا جائے اٰلَآءِ نعمتیں یہ ہیں کہ مجرمین کی نشانی غیر مجرمین سے الگ کی ہے اور گنہگاروں کے عذاب کا طریقہ سخت کیا ہے اور

نشانیوں کے امتیاز کی وجہ سے ملائکہ غیر مجرم کو نہیں پکڑیں گے۔

تفسیر 43، 44، 45: جب سر اور پاؤں سے مجرمین کا پکڑنا ذکر ہوا تو اب پھینکنے گرانے کے محل کا ذکر فرماتا ہے کہ وہ جہنم ہے اور یُقَالُ اس سے پہلے مراد ہے یُکَذِّبُ بِھَا یہ حال ماضیہ کی حکایت ہے لیکن مضارع لانے میں اشارہ ہے کہ اگر ان کو مہلت دی جائے تو آئندہ بھی یہ جھٹلائیں گے بَیْنَھَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ یعنی جہنم جو آگ کا طبقہ ہے اور حمیم کی جگہ کھانے پینے کا طبقہ ہے یعنی مجرم ان دونوں کے درمیان بہت چکر کاٹیں گے یعنی پانی سے نہیں سیراب ہوں گے تو بار بار آئیں گے اور جائیں گے اور انہیں آرام نہیں ملے گا اٰنٍ اس میں تین توجیہات ہیں: پہلی یہ کہ اس پانی کے معنی میں ہے جو بہت زیادہ گرم ہوگا مہل (تلچھٹ) کی طرح۔ اور دوسری وجہ یہ آگ پر پکائے گئے کے معنی میں ہے اس لیے کہ "اٰنی پکانے کو کہا جاتا ہے، جس وقت سے جہنم پیدا کی گئی ہے اس وقت سے یہ پانی گرم آگ پر پک رہا ہے۔ تیسری وجہ اٰنٍ حاضر کے معنی میں ہے یعنی یہ پانی جہنم والوں کے لیے ہر وقت حاضر ہوگا اٰلَآءِ اس تخویف میں نعمتیں یہ ہیں کہ ان کے ذریعے جو نصیحت حاصل کرے تو شرک اور گناہوں اور کفر سے اپنے آپ کو بچاتا ہے اور اسی طرح ان کی وجہ سے اطاعت کرنے میں رغبت رکھتا ہے اور اسی طرح اس میں ایمان بالغیب ہے اور اس میں مجرمین اور غیر مجرمین کے درمیان تمیز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور اشارہ ہے کہ دنیا کی آگ اور پانی بڑی نعمت ہے لیکن ناشکری کرنے کی وجہ سے جہنم میں یہ نعمتیں عذاب کی شکل میں ہیں۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾

"اور ان کے لیے جو رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتے ہوں دو باغ ہیں [46] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے [47] وہ دونوں باغ شاخوں سے بھرے ہوئے ہوں گے [48] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [49] ان میں نہریں بہہ رہی ہوں گی [50] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [51]۔

تفسیر 46، 47: اس میں تخویف اخروی کے ذکر کرنے کے بعد بشارت ہے اور یہ سب جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے، دو قسم کی جنتیں ذکر فرمائی ہیں اس لیے کہ اللہ رب العزت سے ڈرنے والے دو قسم کے ایمان والے ہیں: ایک اَلسّٰبِقُوْنَ اور دوسری قسم "اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ اور ہر قسم کی جنت کے ساتھ گیارہ، گیارہ نعمتیں ذکر کی ہیں وَلِمَنْ خَافَ لِمَنْ کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ جنت خوف الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور اسی طرح سورۃ ابراہیم آیت 14 اور سورۃ نازعات

آیت 40 میں بھی ذکر ہے اور یہ خوف اطاعت کرنے سے حاصل ہوتا ہے یعنی فرائض ادا کرنا اور گناہوں سے اجتناب کرنا اور بہت استغفار اور توبہ کرنا اور لفظ مَنْ عام ہے جن وانس دونوں کو شامل ہے اور اس سورت میں دونوں مخاطب ہیں امام ابن کثیر ذکر کرتے ہیں کہ انسانوں کی طرح مؤمن جنات بھی جنت میں داخل ہوں گے مَقَامَ رَبِّهٖ مقام میم کے زبر کے ساتھ مصدر میمی اور ظرف دونوں آتا ہے مصدر میمی ہو تو فاعل کی طرف مضاف ہے یا مفعول کی طرف اور جب رَبِّهٖ فاعل ہو جائے تو رب کے سامنے کھڑے ہونے سے مراد مخلوق کے لیے اس کی تدبیر علم اور قدرت ہے جیسے سورۃ رعد آیت 33 میں ہے اور اگر مفعول ہو تو "عِنْدَ یا بَیْنَ یَدَیْ" کی تقدیر کے ساتھ ہے یعنی "قِیَامَهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ" یعنی قیامت کے دن بندے کا رب العزت کے سامنے کھڑا ہونا اور اگر صیغہ ظرف مکان کا ہو تو اضافت لام کی تقدیر کے ساتھ ہے یعنی بندے کے کھڑے ہونے کی جگہ جو رب کے لیے ہے اور اس کے ساتھ خاص ہے جَنَّتٰنِ اس تثنیہ میں مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کیے ہیں، لیکن راجح یہ ہے کہ یہ تثنیہ تکرار اور کثرت کے لیے ہے یعنی ایک قسم کی بہت سی جنتیں ہیں اور اس وجہ سے بعد میں "فِیْهِنَّ" جمع کی ضمیر ذکر کی ہے اور ہر ایک جنت بے شمار نعمتوں پر مشتمل ہے جس پر لفظ "اٰلَآءِ" دلالت کرتا ہے۔

تفسیر 48 49 اس آیت سے جنت کی صفات ذکر کی ہے یہ پہلی صفت ہے اَفْنَانٍ فَنَنٌ کی جمع ہے شاخوں کو کہا جاتا ہے، یا فَنٌّ کی جمع ہے رنگ، نوع اور قسم کو کہا جاتا ہے، دوسرے احتمال کے مطابق معنی یہ ہے کہ ہر قسم کی نعمتیں اس میں ہیں اٰلَآءِ اور چونکہ یہ شاخیں، پتوں، پھلوں، سائے اور زینت اور بہت سے فائدوں پر مشتمل ہیں تو اسی وجہ سے ان کی طرف اٰلَآءِ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

تفسیر 50 51 اس میں دوسری صفت ذکر کی ہیں، حسن بصری رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ایک چشمہ تسنیم کا اور دوسرا سلسبیل کا ہے، یا یہاں بھی تثنیہ تکثیر کے لیے ہے تَجْرِیٰنِ یعنی جنت کے تمام مکانات اور پودوں اور باغوں میں ہمیشہ بہیں گے اور کبھی بھی کم نہیں ہوں گے اور نہ خشک ہوں گے اور اس میں بے شمار نعمتیں ہیں جن کی طرف اٰلَآءِ کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔

فِيهِمَا مِن كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴿٥٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٣﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَ
جَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٥﴾ فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ

وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾

''ان میں ہر قسم پھل کی زیادہ قسمیں ہیں [52] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [53] وہ ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر موٹے ریشم کے ہوں گے اور پھل بہت جھکے ہوئے ہوں گے [54] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے [55] ان میں (عورتیں) نیچی نگاہ والی ہوں گی کہ ان کو ان سے پہلے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی جن نے [56] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [57]۔

تفسیر 52 53 ان آیات میں تیسری صفت ذکر کی ہے زَوْجَانِ بعض مفسرین نے اس کی مثال رطب اور یابس کے ساتھ ذکر کی ہے اور بعض نے صرف دو قسم کے ساتھ تخصیص کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ تثنیہ میں کثرت کا معنی ہے اور اس سے مراد بے شمار اقسام ہیں یعنی ایک قسم کے پھل (جیسے انگور) میں بے شمار اقسام ہوں گی اسی طرح انار اور کھجور وغیرہ میں، ان اقسام کی تعداد اور کیفیت کو ایک اللہ تعالیٰ جانتا ہے: (مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ) (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 189) اس وجہ سے اس کے بعد لفظ ''اٰلَآءِ'' ذکر کیا ہے۔

تفسیر 54 55 ان آیات میں چوتھی نعمت (مُتَّكِـِٕيْنَ) اور پانچویں (عَلٰى فُرُشٍ) اور چھٹی (بَطَآئِنُهَا) اور ساتویں (وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ) ذکر ہے۔ ایک کھانے والے کو پھلوں کی خوراک پورا مزا اس وقت دیتی ہے جب وہ خوبصورت فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہو اسی وجہ سے حال کے طور پر مُتَّكِـِٕيْنَ ذکر فرمایا ہے اِتِّكَاء ٹیک لگانا یا چارزانوں ہو کر بیٹھنا اور یہ بے غم شخص کی حالت ہوتی ہے۔ بَطَآئِنُهَا اس کے مقابل ظَهَآئِرُ ہیں اور اس کو ذکر نہیں کیا یا تو وہ سندس سے بنے ہیں جیسے سورۃ کہف آیت 31 اور سورۃ دخان آیت 53 میں ہے اشارہ ہے کہ یہ بَطَائِنُ (استر) جو عادۃً دنیا میں معمولی کپڑے سے بنائے جاتے ہیں لیکن جنت میں وہ اعلیٰ کپڑے سے ہوں گے جو اِسْتَبْرَقٌ ہے تو ظَهَآئِرُ کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ابھی انسانوں کے علم میں نہیں آسکتے'' وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ جنی مصدر ہے یعنی پھلوں کو اکٹھا کرنا یا مبنی للمفعول ہے یعنی پھل جمع کیے ہوئے دَانٍ یعنی وہ درخت۔ گچھا اور اس کے بعد پھل جنتی شخص کے قریب ہوں گے جیسے سورۃ الحاقۃ آیت 23 اور سورۃ الدھر آیت 14 میں ہے اور پھلوں کے قریب ہونے کو اتکاء کے ساتھ ذکر فرمایا تاکہ کوئی وہم نہ کرے کہ پھل اٹھانے کی ان کو تکلیف ہوگی یا ان کے پیچھے جائیں گے اور تکیہ ان سے رہ جائے گا جیسے دنیا کا حال ہے تو اس وہم کو دور کیا ہے اور ان نعمتوں کی طرف لفظ اٰلَآءِ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

تفسیر 56، 57: اس آیت میں آٹھویں اور نویں نعمت ذکر کی ہے فِيهِنَّ یہ ضمیر جنّتان کی طرف راجع ہے اس لیے کہ اس سے مراد جمع ہے جیسے پہلے بیان ہوا اور بعض مفسرین نے یہ ضمیر فرش کی طرف راجع کی ہے لیکن وہ مناسب نہیں ہے اس لیے کہ اس کے ساتھ علیٰ چاہیے تھا قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اس کا موصوف حذف ہے یعنی ''نِسَاءٌ یا حُوْرٌ'' لیکن عادت یہ ہے کہ بڑے لوگوں کی عورتیں صفات کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں اسی وجہ سے یہاں بھی صفات ذکر کی ہیں قٰصِرٰتُ یعنی بہت حیاء کی وجہ سے اپنے شوہروں کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نظر نہیں پھیریں گی اور یہ عورتوں کی اچھی صفات ہیں اور الطَّرْفِ ذکر کیا اَلْعَيْنِ ذکر نہیں کیا اشارہ ہے کہ نظروں کے کنارے بھی دوسروں کی طرف نہیں پھیریں گی تو پوری آنکھ تو بطریق اولیٰ نہیں پھیریں گی لَمْ يَطْمِثْهُنَّ طَمْثٌ اصل میں اس دم (خون) کو کہا جاتا ہے جو باکرہ سے جماع کے وقت ظاہر ہوتا ہے، تو مراد یہ ہے کہ یہ باکرہ ہوں گے، ان خاوندوں سے پہلے کسی جن اور انسان نے ان کے ساتھ جماع نہیں کیا نیز یہ اشارہ ہے کہ ہر وقت جماع کرنے میں یہ باکرہ ہوں گیں۔ اور امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ جنات بھی جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے لیے ان کی جنس سے بیویاں ہوں گی اس لیے کہ اگر ان کا جنت میں داخل ہونا نہیں ہوتا تو ان کے جماع کرنے کا پھر کوئی فائدہ نہیں ہے اور امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ دلالت کرتا ہے کہ جنات، انسانوں کی عورتوں کے ساتھ بھی جماع کر سکتے ہیں جیسے بعض احادیث ظاہرہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں اور یہ صفات جنت کی حوروں اور دنیاوی عورتوں (جو جنت میں داخل ہوں گی) کو شامل ہیں اور اس میں بے شمار انعامات ہیں اسی وجہ سے'' اٰلَآءِ ذکر کیا ہے۔

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾

'' گویا کہ وہ یاقوت (رنگ میں) اور (صفائی میں) مرجان ہیں [58] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [59] توحید (اخلاص) کا بدلہ نہیں ہے مگر جنت ہے [60] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [61]

تفسیر 58، 59: اس تشبیہ میں گیارہویں اور بارہویں نعمت کی طرف اشارہ ہے، یاقوت انتہائی صاف اور سرخ رنگ والا قیمتی جوہر ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ آگ سے جلتا نہیں ہے اور مرجان موتی ہے جو انتہائی سفید اور صاف ہو، اس مثل مراد ان کی خوبصورتی اور صفائی ہے۔ یاقوت کے ساتھ تشبیہ صفائی میں ہے اور مرجان کے ساتھ سفیدی

میں ہے، یا یاقوت کے ساتھ سرخی اور مرجان کے ساتھ صاف ہونے میں ہے اور اس بارے میں صحیح احادیث امام ابن کثیرؒ اور امام شربینیؒ نے نقل کی ہیں اور اس میں بہت سی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے ان کی خوبصورتی، صفائی، حیاء، ادب، ان کے ساتھ شوہروں کا خوش ہونا اور عمر گزرنے سے ان پر کسی تبدیلی کا نہ آنا وغیرہ اسی وجہ سے اٰلَآءِ ذکر کیا ہے۔

تفسیر 60، 61: ان آیات میں ماقبل کی نعمتوں کی علت کا ذکر ہے پہلے لفظ (احسان) میں جو انس اور جن کی طرف سے ہیں اور اسی طرح اس میں دوسرے لفظ احسان میں اللہ تعالیٰ کی اور بیشمار انعامات اور احسانات کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ اس شخص کا بدلہ نہیں جو لا الہ الا اللہ کہتا ہو اور نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرتا ہو مگر جنت ہے یہ خطیب شربینی نے ذکر کیا ہے اور فراء نے تفسیر معالم التنزیل میں سند کے ساتھ مرفوع حدیث لائی ہے کہ رسول ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی پھر پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس پر میں نے توحید کے ذریعے انعام کیا ہے اس کا بدلہ نہیں ہے مگر جنت ہے۔ (اس روایت کو بشر بن حسین راوی کی وجہ سے شیخ زبیر نے ضعیف کہا ہے تخریج ابن کثیر)۔ اور لفظ "اٰلَآءِ" میں ان نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جس پر دوسرا لفظ احسان دلالت کرتا ہے۔

وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾

"اور ان کے علاوہ دو باغ (اور بھی) ہیں [62] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [63] دونوں خوب ہرے ہوں گے [64] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [65] ان میں دو (جوش سے) ابلنے والے چشمے ہیں [66] تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [67]۔

تفسیر 62، 63: اس آیت سے دوسری قسم کے ایمان والوں کے لیے جنت کی دوسری قسم کی بشارت ذکر کی ہے اور اس کی بھی گیارہ صفات بیان کی ہیں وَ مِنْ دُوْنِهِمَا دُوْنَ کا لفظ واضح دلالت کرتا ہے کہ یہ جنتیں پہلوں سے فضیلت اور درجات میں کم ہیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور کم ہونے کی وجہ بعد میں ذکر کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ اور حکیم ترمذی اور بعض علماء سے نقل کیا گیا ہے کہ دُوْنَ اللہ تعالیٰ کے عرش کے نزدیک ہونے کے معنیٰ میں ہے اور یہ جنتیں پہلوں سے افضل اور بہتر ہے لیکن یہ قول قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے جَنَّتٰنِ یہاں بھی تثنیہ

تکرار اور زیادہ ہونے کے لیے ہے یعنی اس قسم کی جنتیں بھی زیادہ ہیں اور زیادہ نعمتوں پر مشتمل ہیں اور لفظ آلَاۗءِ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 64، 65: یہ جنتان کی پہلی صفت ہے، جب پودے، درخت اور باغات زیادہ ہرے اور تازہ ہوتے ہیں تو سیاہ نظر آتے ہیں اس کو ادھیمام کہا جاتا ہے۔ تو اس میں درختوں، پودوں اور باغوں کے زیادہ ہونے اور خوب تازگی اور گہرے سبز ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور یہ نظر کی تازگی اور پھولوں کی خوشی کا سبب ہے تو یہ زیادہ نعمتیں ہیں ان کی طرف لفظ "آلَاۗءِ کے ساتھ اشارہ ہے۔

تفسیر 66، 67: یہ جنتوں کی دوسری صفت ہے نَضَّاخَتٰنِ نضح۔ (خاء کے ساتھ) میں نَضَحَ (حاء کے ساتھ) سے مبالغہ ہے اس لیے کہ نضح صرف چھینٹے اور چھڑکنے کو کہا جاتا ہے اور نضخ خاء کے ساتھ پانی کے فوارے کو کہا جاتا ہے، جو تیزی کے ساتھ ابلتا ہے، تو یہ چشمے زیادہ پانی، مشک، خوشبو اور خیر و برکت جنتیوں پر پاسائیں گے اور یہ بھی زیادہ نعمتیں ہیں اسی وجہ سے یہاں بھی لفظ "آلَاۗءِ" کہا گیا ہے۔

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۚ﴿68﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ﴿69﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۚ﴿70﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ﴿71﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۚ﴿72﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ﴿73﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ
لَا جَاۗنٌّ ۚ﴿74﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ﴿75﴾

"ان دونوں میں پھل اور کھجور اور انار ہوں گے [68] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [69] ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں [70] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [71] وہ حوریں (جنتی) خیموں میں رہنے والیاں ہیں [72] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [73] ان کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے [74] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [75]۔

تفسیر 68، 69: یہ دوسری صفت ہے اور اس میں تین انعامات ذکر کیے ہیں وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ یہ فَاكِهَةٌ پر عطف ہے اور عطف مغایرت چاہتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں فَوَاكِهَ یعنی پھلوں میں سے نہیں ہیں اور یہ قسم کھانے کے باب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے صاحبین اور دیگر ائمہ محدثین کہتے ہیں کہ یہ تو اعلیٰ پھلوں میں سے ہیں اور یہ عطف تخصیص بعد التعمیم ہے اور اسی طرح قرآن میں بہت واقع ہے اور اس تخصیص کے لیے بہت سی وجہیں ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن

کے نزول کے زمانے میں حجاز کے علاقے میں یہ دونوں کثرت سے موجود تھے کھجور غذا کے طور پر اور انار پھل کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ دونوں گرمی اور سردی میں موجود ہوتے ہیں اور ان میں بہت سے فائدے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کھجور میں تفکہ کے ساتھ غذائیت بھی ہے اور انار میں تفکہ کے ساتھ دوا بھی ہے اور ان سب میں بے شمار نعمتیں ہیں اسی وجہ سے اس کے بعد تعبیر لفظ "اٰلَآءِ" کے ساتھ کی گئی ہے۔

تفسیر 70، 71: یہ دیگر انعامات کے ذکر کرنے کے ذریعے ایک اور صفت ہے خَیۡرٰتٌ ازواج (پوشیدہ) کے لیے صفت ہے خَیِّرَۃٌ کی جمع ہے یاء کی تخفیف کے ساتھ تو معنی یہ ہے کہ ذوات الخیرات یعنی خیر والیاں اور فائدوں والیاں ہیں، یا خَیِّرٰت (یاء کی تشدید کے ساتھ) کی جمع ہے پھر اس میں تخفیف کی گئی ہے تو معنی یہ کہ اچھی صفات اور اخلاق والیاں ہیں اور حِسَانٌ اس معنی میں ہے کہ ان کے جسم اور چہرے بہت خوبصورت ہوں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے جو حسن کا خالق ہے ان کے حسن کی صفت ذکر کی تو معلوم ہوا کہ اس حسن کی انتہا اور مثال نہیں ہے اور اس میں ان ازواج کی جہت سے باطنی اور ظاہری صفات اور نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جنہیں اٰلَآءِ کہا جا سکتا ہے۔

تفسیر 72، 73: یہ ان ازواج کی اور صفات ہیں، مبتدا محذوف ہے یعنی ھُنَّ، حُوۡرٌ حوراء کی جمع ہے اس سفید رنگ والی کو کہا جاتا ہے جس کی آنکھوں کی سیاہی خوب سیاہ اور سفیدی خوب سفید ہو مَّقۡصُوۡرٰتٌ بند رکھنا حفاظت اور اکرام کے ہے اور عورتوں کی تعریف پردے اور ستر کی وجہ سے ہوتی ہے اور جو اپنے گھروں میں رہیں اور بغیر ضرورت کے گلی کوچوں میں نہ پھرتی ہوں۔ فِی الۡخِیَامِ اس سے مراد ان کے گھر اور محل ہیں اور خطیب شربینی نے فرمایا ہے کہ چار لکڑیاں کھڑی کی جائیں اور ان کے اوپر کچھ شاخیں اور پودے ڈالے جائیں تو اس کو خیمہ کہا جاتا ہے اور جو اون اور ریشم وغیرہ سے بنایا جائے تو اس کو خباء کہا جاتا ہے، لیکن جنت کے اس خیمے کی تفسیر حدیث صحیح میں آئی ہے اور یہاں وہی مراد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت میں مؤمن کے لیے ایک موتی کا خیمہ ہے جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی اور اس مؤمن کے لیے اس میں اہل ہوں گے جو ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکیں گے مؤمن اس میں گھومے گا (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4879 / صحیح مسلم کتاب الجنۃ حدیث 23) یہ مسلم کی روایت ہے اور اس آیت میں ان حوروں کی بہت سی صفات ذکر ہوئیں اور یہ نعمتیں بھی ہیں جن کی طرف لفظ "اٰلَآءِ" کے ذریعے اشارہ کیا گیا ہے۔

تفسیر 74، 75: یہ صفت ان کی اور پچھلی دونوں کی ہے اس لیے کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے لذتوں میں بہت کمی

طبعًا اور عادۃً محسوس ہوتی ہیں اور یہ بھی بہت "اٰلَآءِ" پر مشتمل ہے جیسے پہلے ذکر ہوا ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ "سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے [76] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟ [77] تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو عزت اور جلال والا ہے [78]۔

تفسیر 76، 77: یہ جنتیوں کی اور صفات ذکر کی ہیں یعنی گزری ہوئی نعمتیں ان کو آرام سے حاصل ہوں گی رَفْرَفٍ خُضْرٍ رفرف اصل میں رَفٌّ سے ماخوذ ہے بلندی اور حرکت کرنے کے معنی میں، اور تازگی کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس سے مراد وہ چادریں ہیں جو بستر پر بچھائی جائیں یا مراد جنت کے باغات اور تکیے ہیں۔ وَّ عَبْقَرِيٍّ پھول دار چادریں یا بستر جو بہت نا آشنا ہوں، خلیل نے فرمایا ہے کہ ہر کامل، عمدہ اور نفیس چیز کو کہا جاتا ہے، چاہے انسان ہو یا لباس وغیرہ ابن الانباری نے فرمایا ہے کہ عبقر ایک جگہ ہے کہ جس میں بہت سے جنات تھے تو وہ جگہ نا آشنا سمجھی جاتی تھی تو ہر عجب اور نا آشنا چیز کی نسبت وہ "عَبْقَرْ" کی طرف کرتے تھے، یا یمن میں ایک شہر تھا جس میں کپڑوں کے پھول بنائے جاتے تھے یہ بھی بہت سی نعمتوں اور دل کی خوشیوں پر مشتمل ہیں اسی وجہ سے اس کو اٰلَآءِ فرمایا ہے۔ **فائدہ** مذکورہ نعمتوں کے تقابل سے بہت سی وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد والی جنتیں پہلے ذکر کی ہوئی جنتوں سے کم ہیں **پہلی وجہ** یہ ہے کہ پہلے کے لیے ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ذکر کیا تھا جو بہت درختوں پر دلالت کرتا ہے اور بعد والی جنتوں کے لیے مُدْهَآمَّتٰنِ ذکر کیا جو صرف سبز ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ پہلے جنتوں کے لیے تَجْرِيٰنِ ذکر کیا تھا اور دوسری جنتوں کے بارے میں نَضَّاخَتٰنِ تھا اور جاری ہونا ایک جگہ پر فوارے ابلنے سے بہتر ہے۔ **تیسری وجہ** وہاں مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ذکر کیا تھا اور یہاں فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ذکر ہے كُلِّ کا لفظ اور اسی طرح پھلوں کی زوجیت اقسام کی زیادتی پر دلالت کرتے ہیں اور فَاكِهَةٌ نکرہ کمی پر دلالت کرتا ہے۔ **چوتھی وجہ** وہاں حوروں کی صفت میں قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ہے تو وہ مَقْصُوْرٰتٌ کی بہ نسبت افضل صفت ہے۔ **پانچویں وجہ** وہاں ان کے حسن و جمال اور صفائی کے لیے یاقوت اور مرجان کے ساتھ تشبیہ تھی اور یہاں صرف خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ذکر ہے۔ **چھٹی وجہ** وہاں تکیہ کے لیے فرش اور اس کے بطائن کی صفت ذکر کی ہے اور یہاں صرف رَفْرَفٍ (مسندیں یا تکیے) ذکر کیے ہیں لیکن یہ سب ظاہر کے اعتبار سے ترجیحات ہیں اس میں ایسے احتمالات بھی ہیں جن کے ذریعے سے بعد والوں کی ترجیح ثابت ہوتی ہے (واللہ

اعلم)

تفسیر 78: یہ پوری سورت پر تفریع ہے اور سورت کے مرکزی مضمون کی تفصیل ہے لفظ تَبٰرَكَ میں اشارہ ہے کہ پہلی مذکور نعمتیں پیدا کرنا اوران کو ترقی اور بقا دینا یہ صفت خاص اللہ تعالیٰ کی ہے اوراسی طرح یہ ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی پر دلالت کرتی ہیں تو یہ صفت ذی الجلال ذکر کیا اور انعامات اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور سخاوت پر دلالت کرتے ہیں توالاکرام کی صفت ذکر کی اسْمُ رَبِّكَ اس مقام میں اسم سے مراد الرحمان ہے، جوسورت کے شروع میں ہے اوراسی طرح اسمائے حسنیٰ میں سے ہر نام تبارک کے ساتھ موصوف ہے۔یعنی یہ نام جو الرحمان ہے اوراس کی تشریح اس سورت میں ذکر ہوئی بہت برکت والا ہے، تواس میں اشارہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات تبارک کے ساتھ موصوف ہے، قرآن کریم کی آٹھ آیتوں میں تواسی طرح اس کا نام بھی ہے۔ ذِي الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ رب کی صفت ہے یعنی ذات کے اعتبار سے جلیل ہے اور افعال کے اعتبار سے اکرام والا ہے اسی طرح قرطبی نے ذکر کیا ہے، یا اجلال (تعظیم) کا اہل ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اکرام کا اہل ہے کہ اس کی بندگی خاص کی جائے اور یہ معنی امام ابن کثیرؒ نے ذکر کیا ہے۔

فائدہ: مفسر قاسمی نے تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے لیے برکات واجب ہیں (ان الفاظ کے ساتھ جو حروف ہجاء سے مرکب ہوں) ہم ان کے ذکر اور تعظیم کے ذریعے برکت حاصل کرتے ہیں اوراس کے نام کا اجلال اور اکرام کریں گے چاہے یہ نام کاغذ پر لکھے گئے ہوں، یا دیوار وغیرہ پر نقش ہوں، یا زبان پر ذکر کیے جاتے ہوں اور جس نے اللہ تعالیٰ کے نام کا اجلال اور اکرام نہیں کیا (بلکہ قصداً اس کی توہین کی) تو وہ بے شک کافر ہے تو آیت بغیر تاویل کے اپنے ظاہر پر محمول ہے (یہ ابن حزم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے)

سورۃ الرحمٰن کی خصوصیات:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے رحمان ہونے کی تفسیر۔ ۲۔ دنیاوی آٹھ نعمتوں کا ذکر۔ ۳۔ آخرت کی نعمتوں کا تفصیلی ذکر۔

۴۔ اس سورۃ میں (31) مرتبہ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کا تذکرہ ہے۔ ۵۔ جہنم کے احوال کی تفصیل۔

سورۃ الرحمان کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے ختم ہوئی

اے ذوالجلال والاکرام ہم ہر وقت تیرے نام کے وسیلے سے جو کہ رحمان ہے تمام خاص اور عام رحمتیں مانگتے ہیں۔

ایاتھا ۹۶ ﴿ ۵۶ سورۃ الواقعۃ مکیۃ ۴۶ ﴾ رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳

"جب واقع ہو جائے گی واقع ہونے والی [1] اس کے واقع ہونے سے کوئی انکار نہیں ہے [2] بعض لوگوں کو پست کرے گی بعض لوگوں کو اونچا کرے گی [3]۔

ربط: اس سورت کا سورت رحمان سے ربط بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے لیے برکات اور رحمانیت کو ثابت کیا تھا تو اس سورت میں تسبیح کے طور پر رد شرک فی البرکات ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں تخویف اخروی اور بشارت اخروی ذکر کی گئی تو اس سورت میں اس کے اہل کا ذکر کیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہاں جنت کی دو قسمیں ذکر کیں تو اس سورت میں اہل جنت کی دو قسمیں السابقون اور اصحاب الیمین ذکر کی ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی ابتدا میں قرآن کریم کی نعمت ذکر کی ہے اور اس سورت کے آخر میں قرآن کریم کی عظمت ذکر کی ہے۔

اس سورت کا مرکزی مضمون: اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہے جو دو مرتبہ آیت 74 اور 96 میں ذکر کی ہے جیسے سورۃ رحمان میں دو صفتیں ذکر ہوئیں ایک الرحمان اور دوسری تبارک اور انسان کی تربیت کے انعامات اور قرآن کے انزال کے انعامات کے ذکر کرنے کے ذریعے اس تسبیح کا اثبات ہے۔

سورت کا خلاصہ: یہ سورت دو ابواب پر منقسم ہے: پہلا باب آیت 57 تک ہے اس میں آیت 7 تک قیامت کے آٹھ حالات ذکر فرماتا ہے پھر آیت 8، 9 اور 10 میں اہل حشر کی تقسیم تین گروہوں میں ذکر کی ہیں، پھر آیت 26 تک فریق اول کی جو سابقون ہیں ان کی دس بشارتیں ذکر کی ہیں پھر آیت 40 تک دوسرے فریق کی جو اصحاب الیمین ہیں آٹھ بشارتیں ذکر فرمائی ہیں، پھر تیسرے فریق کی جو اصحاب الشمال ہیں کے چھ عقوبات تخویفاً ذکر کیے ہیں اور اس کے درمیان عذاب کی تین علتوں کا ذکر ہے۔

تفسیر 1: "اِذَا ظرفیہ ہے یا شرطیہ ہے اگر ظرفیہ ہو جائے تو اس میں دو احتمال ہیں: پہلا احتمال یہ ہے کہ اُذْکُرْ کا لفظ

مقدر ہے؛ دوسرا یہ کہ اس کا مابعد بتاویل مصدر مبتدا ہے اور دوسرا اِذَا مابعد کے ساتھ بتاویل مصدر خبر ہے، تو معنی یہ ہے کہ واقعہ کے واقع ہونے کا وقت جو مابعد صفات کے ساتھ موصوف ہے زمین کے ہلنے کا وقت ہے، بعد میں ذکر کی ہوئی حالات کے ساتھ اور اگر اِذَا شرطیہ ہو جائے تو جزا میں دو احتمال ہیں: پہلا احتمال یہ ہے کہ دوسرا اِذَا اس سے بدل ہے اور فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ اس کی جزاء ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کی جزا محذوف ہے (لَتُجَازُنَّ حَسَبَ حَالَاتِكُمْ) اَلْوَاقِعَةُ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسے کہ سورۃ الحاقہ آیت 15 میں بھی ذکر ہے، الف لام کمال کے لیے اور تاء مبالغے کے لیے ہے اور اس کو واقعہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کا واقع ہونا یقینی ہے، یا یہ کہ اس میں بہت سختیاں واقع ہونے والی ہیں اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ الواقعہ سے مراد دوسرا صور پھونکنا ہے۔

تفسیر 2: اس آیت میں واقعہ کے واقع ہونے کی تاکید ہے لِوَقْعَتِهَا لام وقتیہ ہے یعنی جس وقت میں واقعہ ہو جائے، یا یہ لام کَاذِبَةٌ کا صلہ ہے اور یہ (کاذبہ) اسم فاعل ہے مُكَذِّبَةٌ کے معنی میں یعنی نَفْسٌ مُكَذِّبَةٌ یہ پہلی توجیہ پر ہے، یا كَاذِبَةٌ مصدر (کذب) کے معنی میں ہے اور تاء مبالغے کے لیے ہے اور یہ دوسری توجیہ پر ہے۔

تفسیر 3: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی هِيَ اور خَافِضَةٌ اور رَافِعَةٌ یہ صفات مکان اور مرتبے اور آواز کے لیے آتی ہیں، مکان کے اعتبار سے معنی یہ ہے کہ بعض قوموں کو جہنم کی طرف پست کرتی ہے اور بعض قوموں کو جنت کی طرف اونچا کرتی ہے اور جہنم نیچے ہے اور جنت اوپر ہے اور مرتبے کے اعتبار سے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو پست کرے گی (ذلت کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو بلند کرے گی (عزت کے ساتھ) اور ان دونوں توجیہات کے ساتھ خفض اور رفع کا اسناد قیامت کی طرف اسناد مجازی ہے اور آواز کے اعتبار سے معنی یہ ہے کہ یہ (صور) نزدیک لوگوں کو پست آواز دے گا اور دور کو بلند آواز دے گا۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾

"جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی [4] اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے [5] پھر وہ اڑتے ہوئے غبار (کی مانند) ہو جائیں گے [6] اور تمہاری تین قسمیں ہو جائیں گی [7]۔

تفسیر 4: اِذَا پہلے اِذَا سے بدل ہے، یا خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ کے لیے ظرف ہے، یا اِذَا شرطیہ ہے اور فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ اس کی جزا ہے رُجَّتِ وہ سخت ہلنا جس کے ساتھ آواز سنائی دیتی ہو اور اس سے مراد پوری زمین پر زلزلہ ہے جیسے سورۃ

زلزال میں ہے نیز سورۃ حج کی پہلی آیت میں بھی ذکر ہے۔

تفسیر 5، 6 ان آیات میں پہاڑوں کا حال ذکر فرمایا ہیں تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ زمین پر پہاڑ کیلوں کی طرح ہیں، تو کس طرح ساری زمین ہلے گی تو فرمایا کہ پہاڑ بھی ختم ہوجائیں گے بَسًّا ذرہ ذرہ ہونا اور ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہونا یا زمین کے اوپر سے چلنا یا جڑ سے نکالنا، یہ سارے معنی اس میں شامل ہیں هَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا وہ غبار ہے جو گھوڑوں کی تیز رفتاری کے وقت ان کے قدموں سے اٹھے اور پھر پھیل جائے اور ختم ہوجائے، اسی طرح سورج کی وہ شعائیں جو ایک سوراخ میں داخل ہوجائیں تو ان میں ذرات نظر آتے ہیں اور اسی طرح آگ کی وہ چنگاریاں جو بلند ہوجائیں اور پھر ختم ہوجائیں اور یہ پہاڑوں کے فنا ہونے کی دلیل ہے۔

تفسیر 7 یہ عقیدے اور اعمال کے اعتبار سے نیز جزا کے اعتبار سے لوگوں کی تقسیم ہے لیکن دنیا میں یہ مخلوط تھے اور ہر ایک اپنے طریقے کی تعریف کرتا تھا، دنیا میں پوری تقسیم واضح نہیں تھی اور آخرت میں پوری طرح واضح ہوجائے گی اَزۡوَاجًا ہر شخص اپنے ساتھی کے ساتھ (عقیدے اور عمل میں) اکٹھا کیا جائے گا اسی وجہ سے اس کو ازواج کہا گیا ہے، اس سے مراد اقسام ہیں۔

فَاَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ؕ ﴿۸﴾ وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ؕ ﴿۹﴾ وَ السّٰبِقُوۡنَ
السّٰبِقُوۡنَ ۚ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۚ﴿۱۱﴾ فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿۱۲﴾

"تو داہنے ہاتھ والے، کیا اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے [8] اور بائیں ہاتھ والے، کیا (ہی برے) ہیں بائیں ہاتھ والے [9] ایمان کی طرف (دنیا میں) سبقت کرنے والے پہلے جنت میں داخل ہوں گے [10] یہی لوگ مقرب ہیں [11] نعمت کی جنتوں میں ہوں گے [12]۔

تفسیر 8 یہ اقسام ثلاثہ کی تفصیل ہے، اس آیت میں پہلے فریق کا ذکر فرمایا ہے اَلۡمَيۡمَنَةِ یمین سے ماخوذ ہے یعنی دایاں طرف، مراد یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا، یہ میدان حشر کے دائیں طرف روانہ کیے جائیں گے اس لیے کہ دائیں طرف جنت ہے یا یہ کہ یہ لوگ عالم الذر اور معراج کی رات میں آدم علیہ السلام کے دائیں طرف تھے، یا یہ یمن سے لیا گیا ہے یعنی خیر اور برکت والے ہیں اور خوش قسمت ہیں، مَاۤ برائے استفہام ہے ان کے حال کی تعظیم کے لیے اور اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ مبتدا ہے اور مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ خبر ہے۔ اصل عبارت اس طرح تھی اَصۡحَابُ الۡمَيۡمَنَةِ

مَا هُمْ تو عظمتِ شان کے بیان کے لیے ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا۔

تفسیر 9 اس آیت میں دوسرے فریق کا ذکر فرمایا ہے اَلْمَشْئَمَةِ شمال (بائیں) جانب کو کہا جاتا ہے یعنی ان کو بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا یا یہ میدان محشر کے بائیں جانب روانہ کیے جائیں گے اس لیے کہ اس طرف جہنم ہے یا یہ عالم الذر کے اندر اور معراج کی رات میں آدم علیہ السلام کے بائیں جانب تھے، یا شوم سے ماخوذ ہے بدبختی کو کہا جاتا ہے یعنی یہ شقی اور بدبخت ہیں۔

تفسیر 10 11 12 یہ تیسرا گروہ ہے وَالسّٰبِقُوْنَ مبتداء اور دوسرا السّٰبِقُوْنَ اس کی خبر ہے، یا دوسرا تاکید ہے اور اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ اس کی خبر ہے۔ پہلی توجیہ راجح ہے لیکن فرق مبتدا اور خبر کا یہ ہے کہ پہلے سے مراد دنیا میں خیر کے کاموں کی طرف سبقت کرنے والے اور دوسرے سے مراد قیامت کے دن جنت میں پہلے داخل ہونے والے ہیں وَالسّٰبِقُوْنَ اس میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں: (۱) انبیائے کرام علیہم السلام ہیں (۲) ہر امت میں انبیاء علیہم السلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں (۳) ہماری امت کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں (۴) وہ صحابہ جنہوں نے قبلتین کی طرف نماز پڑھی (۵) پانچوں نمازوں کی طرف سبقت کرنے والے (۶) جہاد کی طرف سبقت کرنے والے (۷) وہ شخص جو شروع عمر سے لیکر موت تک صحیح دین میں لگا ہو۔ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ سارے اقوال صحیح ہیں یہ لفظ ان سب کو شامل ہے الْمُقَرَّبُوْنَ ان کے درجات عرش کے اور اللہ تعالیٰ کے زیادہ نزدیک ہوں گے "فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ" الْمُقَرَّبُوْنَ کے متعلق ہے یعنی ان کی نزدیکی جنت میں ہوگی یا تقدیری مبتدا کے ساتھ یہ مستقل جملہ ہے (ہُمْ مُّحِلُّوْنَ)۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

" گروہ ہیں اگلے لوگوں میں سے [13] اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے [14] یہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر ہونگے [15] ایک دوسرے کے سامنے اس پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے [16] ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے آمد و رفت کریں گے [17] آبخورے اور جگ لیکر اور ایسے جام جو خالص شراب سے بھرے ہوئے ہوں گے [18] جس سے نہ سر میں درد ہوگا اور نہ عقل میں فتور آئے گا [19]۔

تفسیر 13، 14 اولین اور آخرین میں دو قول ہیں: اولین سے گزرے ہوئے انبیاء کے صحابہ مراد ہیں اور گزشتہ انبیاء علیہم

السلام چونکہ زیادہ تھے تو ان کے صحابہ کی مجموعی تعداد زیادہ ہے اور آخرین سے مراد ہماری امت کے صحابہ کرام ہیں اگر چہ فی نفسہٖ زیادہ ہیں لیکن گزرے ہوئے مجموعے کی بہ نسبت کم ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اولین سے مراد ہماری امت کے سابقین (صحابہ) ہیں اور آخرین سے مراد اس امت میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی طرف سبقت کی ہے اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلے ہوں تو یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کم ہیں اور امام ابن کثیرؒ نے بعد والا قول راجح کیا ہے اور اس امت کی فضیلت پر بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔

تفسیر 15، 16: اس کا مبتدا هُمْ محذوف ہے مَّوْضُوْنَةٍ سونے چاندی اور موتیوں اور یاقوت سے بنائے ہوئے ہوں گے اور اس سے مراد مصفوفہ ہے مُتَقٰبِلِيْنَ مجلس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے درمیان میں پردہ نہیں ہوگا اور اشارہ ہے کہ ایک دوسرے سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گے اور مرتبہ بھی ایک دوسرے کے قریب ہوگا۔

تفسیر 17، 18: وِلْدَانٌ اس سے مراد مشرکین کے وہ بچے ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوئے ہیں اور دوسرے قول میں ان کے ساتھ مسلمانوں کے بچے مراد ہیں، یا مراد وہ ہے کہ جو جنت میں جنتیوں کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں مُّخَلَّدُوْنَ ہمیشہ ہوں گے ان پر فنا نہیں آئے گی اور نہ پرانے ہوں گے اور نہ اپنی حالت سے تبدیل ہوں گے اور وہ بھی ہیں جن کو زیورات پہنائے گئے ہیں اَكْوَابٍ: یہ يَطُوْفُوْنَ کے متعلق ہے اکواب کوب کی جمع ہے پینے کے لیے وہ برتن جس کے کڑے اور دستہ نہ ہوں یعنی اس سے پینا ایک طرف کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس کے ہر طرف سے پینا ممکن ہو اور اس کی مثال گلاس ہے اور اَبَارِيْقَ: ابریق کی جمع ہے وہ برتن جس کے کڑے اور دستہ ایک طرف ہوں تو اس کا پکڑنا آسان ہوتا ہے اور اس کی مثال جگ ہیں اور یہ برق سے ماخوذ ہے یعنی ان کا رنگ چمکے گا وَ كَاْسٍ مفرد ذکر کیا اشارہ ہے کہ شراب زیادہ گلاسوں اور جگوں میں تیار ہوگی لیکن محبت کی وجہ سے ایک آبخورے سے پئیں گے مَّعِيْنٍ شراب چشمے کی طرح جاری ہوگی یا ظاہر اور زیادہ ہوگی یعنی نچوڑنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

تفسیر 19: لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا صداع سے ماخوذ ہے سر کے درد کو کہا جاتا ہے، یا تصدع سے ماخوذ ہے تفرق کے معنی میں ہے یعنی یہ شراب ان کے تفرق کے لیے سبب نہ ہوگی وَ لَا يُنْزِفُوْنَ نزف بے ہوشی اور عقل کے زائل ہونے کو کہا جاتا ہے اور قے کرنے کو بھی کہا جاتا ہے ضحاک سے روایت کیا گیا ہے کہ دنیا کی شراب میں چار بری صفات ہیں: درد سر، قے کرنا، نشہ ہونا، پیشاب کا آنا اور جنت کی شراب ان تمام قبائح سے پاک ہے۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾ وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾

''اور میووں میں ہوں گے جس قسم کا یہ پسند کریں[20] اور پرندوں کا گوشت جس طرح یہ چاہیں[21] اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہیں[22] ان موتیوں کی مثل جو تہہ میں چھپائے رکھے ہوں[23] بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کرتے تھے[24]۔

تفسیر 20: یہ اکواب پر عطف ہے اور یا جارہ محذوف ہے یَتَخَیَّرُوْنَ مراد یہ ہے کہ بہت پھل اور اس کی اقسام ہوں گی تو ہر کوئی اپنی پسند کے مطابق اس سے کھائے گا یا اس سے مراد اچھا اور بہتر ہے اور امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ جب کھانے کی مختلف اقسام ہوں اور ملکر کھائی جاتی ہوں تو ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ اپنی پسند کی چیز دوسرے کھانے والے کے سامنے اٹھالے، ہاں جب ایک قسم کا کھانا ہو تو پھر صرف اپنے آگے سے کھائے اور اسی طرح نبی کریم ﷺ کی سنت میں بھی آیا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الاطعمة حدیث 5376/ صحیح مسلم حدیث 2022)۔

تفسیر 21: سوال: فَاكِهَةٍ کے ساتھ یَتَخَیَّرُوْنَ اور لَحْمِ کے ساتھ یَشْتَهُوْنَ ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: دنیا میں جب یہ دونوں چیزیں بھوکے شخص کے سامنے پیش کی جائیں تو اس کو گوشت کی چاہت ہوتی ہے اور جب سیر شخص کے سامنے پیش کی جائیں تو اس کا میلان (پھلوں) کی طرف ہوتا ہے اور اہل جنت تو بھوک کی وجہ سے نہیں کھاتے بلکہ تفکہ کی وجہ سے کھاتے ہیں تو اسی وجہ سے دنیاوی ترتیب کے خلاف پھلوں کو گوشت سے پہلے ذکر کیا ہے۔

تفسیر 22، 23: یہ وِلْدَانٌ پر معطوف ہے یا مبتدا محذوف (لَهُمْ) کے لیے خبر ہے الْمَكْنُوْنِ وہ موتی جو چھپائے رکھے ہوں اور غبار ان پر نہ لگا ہو اور ہاتھ ان تک نہ پہنچے ہوں اور اشارہ ہے کہ عورتوں میں بہتر صفت چھپائے رکھنا ہے یعنی پردہ کرنا اور محفوظ ہونا۔

تفسیر 24: جَزَاءً: فعل محذوف کے لیے مفعول لہ ہے یا مفعول مطلق ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ان کے لیے خوراک اور خوبصورت اور صاف حوریں اس وجہ سے ہے کہ ان کے اعمال بھی اچھے اور صاف تھے اس لیے کہ جزا من جنس العمل ہے- بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اعمال جزا کے لیے ظاہری سبب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سبب حقیقی ہے اسی وجہ سے دونوں کی

طرف جزا کی نسبت کرنا صحیح ہے۔

لَا يَسۡمَعُونَ فِيهَا لَغۡوًا وَلَا تَأۡثِيمًا ﴿۲۵﴾ إِلَّا قِيلًا سَلَٰمًا سَلَٰمًا ﴿۲۶﴾ وَأَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ مَآ أَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ ﴿۲۷﴾

"وہاں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی [25] سوائے سلام سلام کے آواز کی [26] اور دائیں ہاتھ والے کیا اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے [27]۔

تفسیر 25 26: پہلی جزا ثبوتی تھی اور یہ جزا سلبی ہے، اسی وجہ سے مقابل پر اس کا عطف نہیں کیا اور اس سلب میں نعمتوں کے اتمام کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ انسان کھانے پینے اور بیویوں کی نعمت پر تو خوش ہوتا ہے لیکن کسی سے اگر کوئی بری بات سن لے تو اس کی ساری خوشی روٹھ جاتی ہے اسی وجہ سے یہ صفت سلبی اتمام نعمت کے طور پر آخر میں ذکر کی ہے لَغۡوًا جیسے سورۃ غاشیہ آیت 11 میں ہے لغو وہ کلام ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو برابر ہے کہ اس میں گناہ ہو یا نہ ہو اور تَأۡثِيمًا وہ کلام ہے جس کے ذریعے انسان گنہگار ٹھہرتا ہے جیسے جھوٹ، بہتان، غیبت وغیرہ اور اسی طرح تاثیم ایک دوسرے کی طرف گناہ (فسق وفجور) وغیرہ کی نسبت کرنا سَلَٰمًا سَلَٰمًا تکرار سے مراد تکثیر یعنی زیادہ ہونا ہے سَلَٰمًا اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو عیب اور نقصان اور گناہ سے سالم ہوں یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور ملائک کی طرف سے اور ایک دوسرے کی طرف سے سلام کرنا ہے اور إِلَّا قِيلًا استثناء منقطع ہے۔

تفسیر 27: یہ دوسری قسم کے ایمان والوں کا ذکر ہے، جو عام ایمان والے ہیں اور ان کے لیے آٹھ بشارتیں ذکر فرمائی ہیں۔ أَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ ان کو اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کو دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا، یا اس وجہ سے کہ میدان حشر کے دائیں طرف میں جنت ہوگی ابتدا میں ان کو أَصۡحَٰبُ ٱلۡمَيۡمَنَةِ کہا تھا اس لیے کہ يُمۡن (سعادت) أَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ ہونے کے لیے سبب ہے تو پہلے سبب اور پھر مسبب ذکر کیا مَآ أَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ ان کی عظمت شان کے لیے ہے۔

فِي سِدۡرٖ مَّخۡضُودٖ ﴿۲۸﴾ وَطَلۡحٖ مَّنضُودٖ ﴿۲۹﴾ وَظِلّٖ مَّمۡدُودٖ ﴿۳۰﴾ وَمَآءٖ مَّسۡكُوبٖ ﴿۳۱﴾ وَفَٰكِهَةٖ كَثِيرَةٖ ﴿۳۲﴾

"یہ لوگ بے کانٹے بیروں میں ہوں گے [28] اور تہہ بہ تہہ کیلوں میں [29] اور لمبے لمبے سایوں میں [30] اور بہتے ہوئے پانی میں [31] اور کثرت سے میووں میں [32] نہ ختم ہوں گے اور نہ اس سے روکے جائیں گے [33]۔

تفسیر 28 29 30 31: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے مَّخۡضُودٖ جس میں کانٹے نہ ہوں، یا جو زیادہ پھلوں والا ہو طَلۡحٖ:

طلحة کی جمع ہے کیلے کے درخت کو کہا جاتا ہے مَّنۡضُوۡدٍ یعنی اس درخت کے ساتھ میوے اس طرح جڑے ہوئے ہوں
گے کہ اس کا پورا تنا چھپا ہوگا۔ مَّمۡدُوۡدٍ صحیح حدیث (ابن کثیر نے اس کو متواتر کہا ہے، (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث
4881/صحیح مسلم کتاب الجنۃ حدیث 2826) سے ثابت ہے کہ جنت کے ایک درخت کے سایے میں ایک گھوڑا
سوار سو سال تک چلتا رہے گا، تب بھی وہ سایہ ختم نہیں ہوگا یا یہ سایہ ہمیشہ رہے گا سورج سے ختم نہیں ہوگا، اس کا ذکر سورۃ نساء
آیت 57 اور سورۃ رعد آیت 35 اور سورۃ مرسلات آیت 41 میں بھی ہے۔ مَّسۡكُوۡبٍ: جو ان کے گھروں اور باغوں
میں ہر وقت رواں دواں ہوگا اور زمین کے اوپر بہے گا نہ تو خشک ہوگا اور نہ رسی اور ڈول کی ضرورت ہوگی۔

تفسیر [32] [33] كَثِيۡرَةٍ اقسام اور افراد زیادہ ہوں گے لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ یعنی گرمی اور سردی کی وجہ سے ختم نہیں ہوں گے
بلکہ ہمیشہ ہوں گے، جیسے سورۃ رعد آیت 35 میں ہے وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ یعنی ان سے کسی قسم کا روکنے والا نہیں ہوگا بلکہ کانٹے
بھی نہیں ہوں گے اور دور بھی نہیں ہوں گے تو جس وقت چاہیں گے اٹھا سکیں گے، ان تمام صفات سے مراد یہ ہے کہ
دنیا کے پھلوں سے بالکل صفات میں الگ ہیں۔

لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا
اَتۡرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۴۰﴾

"اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے [34] یقیناً ہم نے ان عورتوں کو ایک نئی پیدائش میں پیدا کیا ہے [35] پس ہم
نے انہیں کنواریاں بنایا ہے [36] محبت والیاں اور ہم عمر ہیں [37] داہنے ہاتھ والوں کے لئے [38] بہت ہوں گے
اگلوں میں سے [39] اور بہت ہوں گے پچھلوں میں سے [40]۔

تفسیر [34] اس سے مراد فرش (قالین) ہیں مَّرۡفُوۡعَةٍ ان کا مکان بلند ہوگا اگرچہ بیٹھنے کے وقت نیچے ہوں گے یا قدر اور
شان ان کی بلند ہے، یا فُرُشٍ سے مراد بیویاں ہیں اس لیے کہ عرب لوگ عورتوں سے کبھی تعبیر فرش اور کبھی لباس کے ساتھ
کرتے ہیں اور ان کا حسن و جمال اور شان بلند ہوگی اور اس سے مراد دنیا کی بیویاں ہیں اور اسی وجہ سے دنیا میں ان
میں صفت فراشیت واضح تھی اور اس تفسیر پر بعد والا جملہ بھی دلالت کرتا ہے۔

تفسیر [35] [36] [37] اِنۡشَآءً نئی پیدائش سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی صفات و اخلاق (جو ناپسند سمجھے جاتے ہیں) ان سے
زائل کیے جائیں گے فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا یہ عورت میں انتہائی افضل صفت ہے اسی وجہ سے مستقل ذکر کیا ہے یعنی اگرچہ

دنیا میں بوڑھی ہوگئی تھیں لیکن جنت میں وہ نئی کنواری ہوں گی اور حدیث ترمذی میں بھی آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزاح کے طور پر فرمایا کہ بوڑھیاں جنت میں داخل نہیں ہوں گی تو ایک بوڑھی نے جب سنا تو وہ رونے لگی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس نے یہ آیت نہیں سنی ہے (ترمذی حدیث 240 فی الشمائل) شیخ البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے اس حدیث کے تائید میں صحیح حدیث موجود ہے سلسلۃ الصحیحۃ اشارہ ہے کہ نصوص میں اکثر صفات مقصود ہوتی ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نَمَّامٌ وَ قَتَّاتٌ (چغل خور) جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔(صحیح بخاری کتاب الادب حدیث 6056، صحیح مسلم حدیث 169، 105) تو مراد یہ ہے کہ اس صفت کے ساتھ داخل نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے ساتھ یہ صفت دور ہو جائیگی یا جہنم میں کچھ وقت کے لیے داخل ہوں گے تو سزا کے ذریعے سے یہ صفت زائل ہو جائیں گی (سچ کہنے کے ساتھ مزاح کرنا اور خوش طبعی کرنا یہ نبی کریم ﷺ کے اچھے اخلاق میں داخل ہے) عُرُبًا أَعْرَبَ سے لیا گیا ہے ظاہر کرنے کے معنی میں ہے یعنی یہ عورتیں محبت کی باتیں کرتے اور ناز اور نخرے کرنے کے ذریعے اور اپنے آپ کو خوبصورت کرنے کے ذریعے اپنی محبت خاوند کے سامنے ظاہر کریں گی اسی وجہ سے مفسرین نے یہ سارے معانی ذکر کیے ہیں أَتْرَابًا عورتوں میں اتراب اور مردوں میں اقران استعمال ہوتا ہے تو یہ عورتیں سب ایک دوسرے کے ساتھ ہم عمر ہوں گی اور اسی طرح خاوندوں کے بھی (اقران) ہم عمر ہوں گی اور حدیث میں ہے کہ تینتیس سال کی عمر میں ہوں گی اور یہ صفات ان میں ہمیشہ ہوں گی۔(احمد 2/295 شیخ البانی نے اس کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے صحیح ترغیب 2562)

تفسیر 38، 39، 40: لِّأَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ یہ أَنشَأْنَٰهُنَّ کے، یا أَتْرَابًا کے متعلق ہے اس لیے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ جنت کے مرد بھی تینتیس سال کی عمر میں ہوں گے یا مبتدا محذوف (هٰذِهِ النِّعَمُ) کے لیے خبر ہے یہ ساری نعمتیں ان کے لیے ہوں گی۔ الْأَوَّلِينَ سابقہ امتیں یا اس امت کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ مراد ہے اور الْآخِرِينَ سے یہ پوری امت یا اس امت کے بعد والے لوگ مراد ہیں۔

وَأَصْحَٰبُ ٱلشِّمَالِ مَآ أَصْحَٰبُ ٱلشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِى سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ﴿٤٢﴾ وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ﴿٤٤﴾

إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوا۟ يُصِرُّونَ عَلَى ٱلْحِنثِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٤٦﴾

"اور بائیں ہاتھ والے، کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے [41] گرم ہوا اور گرم پانی میں پڑے ہوں گے [42]

اور دھوئیں کے سایہ میں [43] نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فائدہ مند ہوگا [44] بے شک وہ اس سے پہلے دنیا کے مال میں مست تھے [45] اور وہ بڑے بڑے گناہوں پر ہمیشگی کرتے تھے [46]۔

تفسیر 41: اس آیت میں ان کے چھ حالات اور تین خلتوں کے ساتھ تخویف اخروی شروع کی ہے الشِّمَالِ اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور میدان محشر کے بائیں طرف جہنم بھی ہے اس لیے اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ کہنے کے بعد ان کو اَصْحٰبُ الشِّمَالِ کہا یعنی شوم ان کے شمال والوں میں ہونے کے لیے سبب تھا۔

تفسیر 42، 43، 44: سَمُوْمٍ وہ ہوا جو انتہائی گرم ہو اور مسام یعنی بدن میں داخل ہو جائے ظِلٍّ سایہ استہزاء کہا ہے یعنی سیاہ دھواں سایہ کی طرح نظر آئے گا، یا ان کے گمان میں شروع وقت میں سایہ نظر آئے گا یَحْمُوْمٍ انتہائی سیاہ دھواں یہ حُمَمٌ سے ماخوذ ہے کوئلے کو کہا جاتا ہے، یا ''حَمٌّ'' سے ہے چربی کی بوٹی جو آگ پر پگھلائی جائے اور سیاہ ہو جائے۔ اشارہ ہے کہ آگ بھی سیاہ ہے اہل نار بھی سیاہ ہوں گے اور دھواں بھی سیاہ اور جہنمیوں کے چہرے بھی سیاہ ہوں گے اس لیے کہ دنیا میں ان کے عقائد اور اعمال ظلمات اور سیاہ تھے اور اس ترتیب میں سخت اور ہمیشہ عذاب کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ یہ گرمی کی آگ سے تنگ ہو جائیں گے تو ہوا مانگیں گے تو وہ سموم (گرم) ہوگی، پھر پانی مانگیں گے تو وہ بھی حمیم ہوگا پھر سایہ مانگیں گے تو وہ بھی گرم اور بے فائدہ ہوگا تو معلوم ہوا کہ کسی بھی وقت میں عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے اور ظل کی تفصیل سورۃ مرسلات آیت 30، 31، 32، 33 میں بھی ہے۔ وَّلَا كَرِيْمٍ بے فائدہ کو کہا جاتا ہے اور اسی طرح حسن منظر اور حلاوت والا نہیں ہوگا یعنی اصلی سایہ کی صفات اس میں نہیں ہوں گے۔

تفسیر 45: یہ ان کے عذاب کا پہلا سبب ہے مُتْرَفِيْنَ اتراف دنیا کی نعمتوں، لذتوں اور شہوات میں زیادہ مشغول ہونے کو کہا جاتا ہے یہاں تک کہ آدمی دین سے بالکل غافل ہو جائے اور توحید اور سنت سے تکبر کرے، اور قرطبی نے اتراف کو حرام مال کے ساتھ خاص کیا ہے اور اس میں سرمایہ دارانہ نظام کی طرف اشارہ ہے جو تمام کفریات کی جڑ ہے۔ فائدہ: اس فریق کے عذاب کے اسباب تفصیلا اور فریق اول کی جزا کا سبب اجمالاً ذکر کیا۔ اور اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ کی جزا کا سبب ذکر نہیں کیا ہے اس کی حکمت میں کہا گیا ہے کہ مجرمین کو سزا دینا عدل ہے تو اگر اسباب ذکر نہ کیے جائیں گے تو لوگ وہم کریں گے کہ یہ ظلم ہے اور صالحین کو بدلہ دینا تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے لیکن پھر بھی وہم آتا کہ السابقون اور اصحاب الیمین پر فضل کرنے میں فرق کیا گیا ہے تو پہلے فریق کے ساتھ اجمالی سبب آیت 24 میں ذکر کیا گیا ہے اشارہ ہے کہ فضل کے

ساتھ اعمال کے تفاوت کا بھی اعتبار ہے اور فریق اول کے اعمال انتہائی اعلیٰ اور قابل ذکر تھے اور فریق ثانی کی جزا تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔

تفسیر 46 یہ دوسرا سبب ذکر کرتے ہیں اور یہ مرض عام مشرکین کا ہے چاہے مالدار ہوں یا غریب ہوں۔ یُصِرُّوْنَ اصرار سے مراد گناہوں پر ہمیشگی کرنا ہے جن سے توبہ نہیں کرتے اور ان کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں عَلَى الْحِنْثِ لفظ ذنب سے زیادہ معنی رکھتا ہے اس لیے کہ اس میں وعدے کے توڑنے کا معنی ہے تو گناہ کبیرہ کے ساتھ خاص ہے اور صغیرہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا اور بلوغت پر حنث کا اطلاق مجازی ہے اس لیے کہ بلوغ گنہگار ہونے کا وقت ہے اور تحنث گناہ اور گنہگاروں سے دور ہونے کے معنی میں ہے تو عبادت کرنے کو کہا جاتا ہے الْعَظِيْمِ چونکہ گناہ کبیرہ میں مراتب ہیں تو یہ لفظ اس وجہ سے ذکر کیا تا کہ دلالت کرے کہ اکبر الکبائر مراد ہے جو کہ شرک ہے اور چونکہ اتراف، اصرار کا سبب ہے (توبہ کرنے کی طرف فارغ نہیں ہیں) اسی وجہ سے مُتْرَفِيْنَ کو يُصِرُّوْنَ پر مقدم ذکر کیا ہے۔

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ﴿47﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿48﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ﴿49﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿50﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۙ﴿51﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۙ﴿52﴾ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿53﴾

"اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو پھر کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے [47] اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ [48] آپ کہہ دیجئے یقیناً سب اگلے اور پچھلے [49] ضرور جمع کیے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت [50] پھر تم اے گمراہو جھٹلانے والو! [51] ضرور کھاؤ گے زقوم کے درخت سے [52] اور اسی سے پیٹ بھرو گے [53]۔

تفسیر 47، 48 یہ تیسرے سبب کا ذکر ہے یعنی موت کے بعد اٹھنے سے انکار کرنا اور یہ بڑے جاہل لوگوں کا عقیدہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم سے انکار کرتے ہیں اور اس میں ہمزہ استفہام تین مرتبہ بہت زیادہ استبعاد کے لیے ہے کہ یہ عقل اور عادت سے بہت دور بات ہے الْاَوَّلُوْنَ: میں اشارہ ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہوئے ہوں گے اور ان کا انکار بطور استفہام بہت سی سورتوں میں گزرا ہے جیسے سورۃ مومنون آیت 82 سورۃ صافات آیت 16 اور 17 میں ہے۔

تفسیر 49، 50: اس میں ان کے استفہام کا جواب ہے اور اس جواب میں حرف اِنَّ کے ساتھ اور آخرین کے ساتھ اور لام

قسم کے ساتھ اور مَجْمُوْعُوْنَ کی تعبیر کے ذریعے اور لفظ مِيقَاتِ اور يَوْمٍ اور مَعْلُوْمٍ کے ساتھ اس میں ترقی ہے یعنی صرف اٹھنا نہیں ہوگا بلکہ تمام لوگوں کو ایک میدان میں ایک وقت اور ایک دن میں جمع ہونا ہوگا (نیز ان تعبیرات میں بڑی تاکید ہے)۔ مَّعْلُوْمٍ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ دن متعین ہے یا یہ کہ اس کی صفات قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔

تفسیر 51، 52، 53 اسباب ذکر کرنے کے بعد تین عذاب ذکر کیے ہیں، اس سے پہلے بھی تین عذاب ذکر کیے تھے اس میں اشارہ تھا کہ جہنم کی ہوائیں اور سایہ اور پانی فائدہ نہیں دیں گے اور اس میں اشارہ ہے کہ جہنم کا کھانا پینا بھی کچھ فائدہ نہیں دے گا الضَّآلُّوْنَ اس میں شرک کے مرض کی طرف اشارہ ہے جو الحنث العظیم میں ذکر ہوا۔ اور الْمُكَذِّبُوْنَ میں قیامت کے انکار کی طرف اشارہ ہے جو پہلے ذکر ہوا مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ اس کی صفات سورۃ صافات آیت 62 اور سورۃ دخان آیت 62 میں ذکر ہیں فَمَالِـُٔوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ سیر ہونے کا فائدہ نہیں ہوگا بلکہ پیٹ بھرنے کے سبب سے نقصان زیادہ ہوگا مِنْهَا شَجَرٍ، شَجَرَةٌ کی جمع ہے اس وجہ سے اس کی طرف مؤنث ضمیر کو راجع کیا اور تانیث میں ان کے لیے سخت زجر ہے اس لیے کہ یہ تانیث سے نفرت کرتے تھے۔

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾

"پھر اس کے اوپر سے گرم پانی پیو گے [54] پھر اس طرح پیو گے جیسے پیاسے اونٹ کا پینا [55] قیامت کے دن یہ ان کی مہمانی ہے [56] ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے [57] کیا تم نے اس نطفے پر سوچا ہے جسے تم ٹپکاتے ہو [58] کیا تم اس سے پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں [59]۔

تفسیر 54، 55 خوراک کے بعد پینے کا حال ذکر فرمایا ہے۔ عَلَيْهِ کی ضمیر کھانے یا زقوم کی طرف راجع ہے اور حرف فاء دلالت کرتا ہے کہ یہ زقوم کا کھانا پانی پینے کے لیے سبب ہے اس وجہ سے کہ زقوم انتہائی کڑوا اور زیادہ گرم ہوگا اور ان کے حلق میں آسانی سے نہیں اترے گا تو اس وجہ سے یہ پانی پینے کی محتاج ہو جائیں گے فَشٰرِبُوْنَ اشارہ ہے کہ زقوم کھانے کی طرح یہ پینا بھی پیاس بجھانے کا فائدہ نہیں دے گا الْهِيْمِ هُيَامٌ سے ماخوذ ہے اونٹوں کا ایک مرض ہے جس میں اونٹ بار بار پانی پیتے ہیں لیکن پیاس نہیں بجھتی اس کو ھیام والا اونٹ کہا جاتا ہے اور هِيْمٌ هَيْمَانٌ کی جمع ہے اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس کو پیاس کی بیماری لگی ہو، یا هَيَامٌ کی جمع ہے وہ ریت کا ٹیلہ جو پانی سے سیراب نہیں ہوتا اور اس تشبیہ

میں ان کی انتہائی قباحت کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اونٹ کے ساتھ تشبیہ اور وہ اونٹ جو بیمار ہو اور پینے کی حالت کے ساتھ یہ سارے امور ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں۔

تفسیر 56 نُزُلُ وہ کھانا پینا جو مہمان کو پہلے پیش کیا جاتا ہے اور پھر بعد میں مقصودی کھانا پینا عزت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تو نُزُل کے ساتھ تعبیر بطور استہزا کی گئی ہے۔

تفسیر 57: اس آیت سے آخر تک دوسرا باب ہے، اس میں چار عقلی دلائل تربیت سے متعلق ذکر فرماتے ہے اور ہر نعمت کے ساتھ زوال کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، پیدائش کے ساتھ موت کی طرف فصلوں کے ساتھ حطام ہونے کی طرف، پانی کے ساتھ اُجاج ہونے کی طرف اور آگ کے ساتھ آخرت کی آگ کی طرف اشارہ کرنا ذکر کیا ہے اور ان دلائل پر توحید کا دعویٰ متفرع ہے پھر عظمتِ قرآن چھ حالات کے ساتھ ذکر ہے اور اس میں ڈانٹ بھی ہے پھر نزع کے حال اور مخلوق کا روح کے واپس کرنے سے عاجز ہونے کو ذکر کرنے کے ذریعے تخویف ہے پھر مردوں کے بارے میں لوگوں کی تین اقسام کا ذکر ہے اور آخر میں توحید کے دعویٰ کی تفریع ہے۔ آیت 57 میں زجر کے ساتھ پہلی دلیل ذکر کی ہے تُصَدِّقُوْنَ عام ہے توحید، قیامت، رسالت اور قرآن کی تصدیق سب کو شامل ہے۔

تفسیر 58، 59: یہ خلق کی تفصیل ہے تُمْنُوْنَ اِمناء سے ہے، منی کو جماع کرنے کے طریقے سے رحم میں ڈالنا اور ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ یہ خطاب تمام مخلوق کو ہے چاہے انبیاء ہوں یا اولیا ہوں اور چاہے عام لوگ ہوں سب اس پیدا کرنے سے عاجز ہیں تَخْلُقُوْنَهٗ سے مراد وہ مختلف حالات بنانا اور بدلنا ہیں جو سورۃ حج آیت 5 اور سورۃ مؤمنون آیت 13، 14 میں ذکر ہیں۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

"ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں [60] کہ تمہاری صورتوں کو بدل دیں اور تمہیں ایسی صورت میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے ہو [61] اور بے شک تم نے پہلی پیدائش کو جان لیا ہے پھر کیوں تم نصیحت قبول نہیں کرتے ہو؟ [62]۔

تفسیر 60، 61: پیدا کرنے کی نعمت کے بعد موت کے ذریعے زوال ذکر کیا ہے تاکہ لوگ اس نعمت پر تکبر نہ کریں قَدَّرْنَا

قدیر کی دلیل ہے بَیْنَکُمْ اس میں عبارت مخفی ہے یعنی (یَدُوْرُ بَیْنَکُمْ) یہ موت تمہارے درمیان گھومتی ہے۔ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ مسبوق اس کو کہا جاتا ہے جس سے دوسرا آگے ہو سکتا ہے یعنی مغلوب اور عاجز ہونا اور اس کا متعلق محذوف ہے یعنی (عَنْ تَقْدِیْرِ الْمَوْتِ) یا مطلق ہے یا اس کا متعلق یہ لفظ ہے کہ عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ تو عَلٰی، عَنْ کے معنی میں ہے اور اگر عَلٰی اپنے معنی میں ہو جائے اور مَسْبُوْقِیْنَ کے متعلق ہو جائے تو اس سے پہلے قَادِرُوْنَ پوشیدہ مراد ہو جائے گا اَمْثَالَکُمْ اس سے مراد صورتیں اور شکلیں ہیں یعنی انسانیت کے برخلاف تمہیں اور شکلیں دے دیں گے۔ یا اَمْثَالَکُمْ سے مراد اولاد ہے یعنی تمہیں موت دے دے اور تمہارے بدلے میں تمہاری اولاد کو لے آئے جیسے یہ نظام الٰہی جاری ہے وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ پہلے معنی کے ساتھ اس سے مراد اور شکلیں (جو مسخ کی جائیں) پیدا کرنا ہے اور دوسرے معنی کے ساتھ قیامت میں چہروں کو بدلنا ہے یعنی بعض کے چہروں کو سفید اور خوبصورت بنانا اور بعض کے چہروں کو انتہائی سیاہ اور بدصورت بنا دینا، یا مراد یہ ہے کہ موت کے بعد بعض انسانوں کو درندے کھا لیتے ہیں تو ان کے بدن میں مخلوط اور بدل جاتے ہیں اور بعض انسان مٹی بن جاتے ہیں تو اس مٹی سے پودے اور درخت پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض انسان معدنیات میں مخلوط ہو جاتے ہیں تو ان سے معدنیات بن جاتی ہیں، تو یہ مختلف امثال اور اشکال ہیں، انسانوں کے پاس ان کا علم نہیں ہے اور اس کی طرف سورۃ اسرآء آیت 50 میں اشارہ ہے یہ توجیہ خطیب شربینی نے لکھی ہے۔

تفسیر 62: پیدائش اور موت کے ذکر کے بعد دوبارہ زندگی کو دلیل کے ساتھ ثابت فرمایا ہے اور دلیل کو پہلے زندہ کرنے پر قیاس کرنا ہے اور یہ استدلال قرآن کریم میں زیادہ ذکر ہوا ہے جیسے سورۃ روم آیت 27 مریم آیت 67 سورۃ یٰسین آیت 77 القیامۃ آیت 36 میں ہے النَّشْاَۃَ آہستہ آہستہ پیدا کرنے کو کہا جاتا ہے تو پہلی زندگی بھی مختلف اطوار سے تھی فَلَوْ لَا تَذَکَّرُوْنَ اس سے مراد پہلی زندگی پر قیاس کے طور پر دوبارہ زندگی کو یاد کرنا ہے۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾

"پس کیا تم نے اس (بیج) کو دیکھا ہے جسے تم بوتے ہو [63] کیا تم اس سے اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟ [64] اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں پس پھر تم غم ظاہر کرو گے [65] بے شک ہم پر تاوان آ گیا ہے [66] بلکہ ہم بد

نصیب ہیں[67]۔

تفسیر63، 64 یہ پیدائش کے بعد تربیت کرنے پر دوسری دلیل ہے تَحْرُثُوْنَ حرث زمین چیرنے کو کہا جاتا ہے اور اس میں بیج ڈالنا انسانوں کا کام ہے (عا) سے مراد بیج ہے اَفَرَءَيْتُمْ اس میں بیج پر غور و فکر اور سوچنے کی ترغیب ہے اور اس فکر کو اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ زرع سے مراد بیج سے کونپل اور فصل نکالنا ہے اور یہ کسی بھی مخلوق کی قدرت میں نہیں ہے اور اس کے ساتھ توحید کو ثابت کیا ہے کہ تم سارے انبیاء اور اولیاء اس سے عاجز ہو تو معلوم ہوا کہ مخلوق، خالق کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتی ہے اور اسی طرح اس کے ذریعے قیامت کو بھی ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیج سے لہلہاتے پودوں کو نکالتا ہے تو تمہیں بھی دوبارہ زمین سے زندہ کرے گا اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرف حرث کی نسبت ہوسکتی ہے اور زرع کی نسبت انسانوں کی طرف حقیقتاً نہیں ہوسکتی اسی وجہ سے مرفوع حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی اس طرح نہ کہے کہ زَرَعْتُ بلکہ حَرَثْتُ کہے۔ صحیح ابن حبان حدیث 5723 شیخ شعیب نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے امام ابن کثیرؒ اور ابن جریر نے اس کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور سورۃ فتح آیت 29 میں اَلزُّرَّاعَ انسانوں کو مجازاً کہا گیا ہے یا اس سے مراد حراث ہیں، ابن کثیر (تفسیر ابن جریر طبری 33492، ابو نعیم فی الحلیۃ 267/8) نے ذکر کیا ہے کہ اس کے بعد بَلْ اَنْتَ يَا رَبِّ کہنا بعض سلف کا عمل ہے اور امام قرطبیؒ نے یہاں چند کلمات ذکر کیے ہیں جو کسان بیج بونے کے بعد کہے تو اللہ تعالیٰ اس فصل کو ہر آفت سے محفوظ رکھتا ہے۔

تفسیر65، 66، 67 نعمت ذکر کرنے کے بعد اس کا زوال ذکر فرمایا ہے تاکہ انسان ان فصلوں اور باغوں پر تکبر نہ کرے حُطَامًا پودے جب برابر ہونے اور کاٹنے سے پہلے سوکھ جائیں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں اس کو حطام کہا جاتا ہے فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ تفکہ اضداد میں سے ہے خوش ہونے اور غمگین ہونے دونوں کو کہا جاتا ہے، یہاں دوسرا معنی مراد ہے اور نادم ہونے، تعجب کرنے اور بے فائدہ باتیں کرنے کو بھی تفکہ کہا جاتا ہے اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ یہ تفکہ کا بیان ہے، یا تَقُوْلُوْنَ مخفی ہے غرام سے ماخوذ ہے عذاب یا ہلاکت کے معنی میں ہے، یا غرامت سے ہے تاوان اور نقصان کے معنی میں ہے مَحْرُوْمُوْنَ یعنی ہم سے اس ذات نے روزی روک دی جس کا مقابلہ نہیں ہوسکتا ہے اور اس کو بدنصیبی کہا جاتا ہے اور بَلْ ترقی کے ساتھ ذکر کیا اشارہ ہے کہ غرامت صرف بیج اور باقی خرچ (جو فصل پر کیا ہے) کی بربادی ہے اور حرمان یہ ہے کہ بیج اور فصل کے فائدے سے بھی محروم ہوئے تو اس میں ماقبل سے بھی ترقی ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿68﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿69﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿70﴾

”کیا تم نے اس پانی پر غور کیا جس کو تم پیتے ہو [68] کیا تم اسے بادلوں سے اتارتے ہو یا ہم اتارنے والے ہیں [69] اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر دیں پھر تم شکر گزاری کیوں نہیں کرتے ہو [70]۔

تفسیر 68، 69 یہ توحید اور بعث بعد الموت کو ثابت کرنے کے لیے تیسری دلیل ہے اور تربیت کا دوسرا مادہ ذکر فرمایا ہے جو بارش کا پانی ہے اس لیے کہ اکثر لوگ آسمانی پانی پیتے ہیں اَلْمُزْنِ مطلق بادل کو یا خاص سفید بادل کو کہا جاتا ہے اس لیے کہ بارش اکثر سفید بادلوں سے برستی ہے یہ آیت دلیل ہے کہ تمام مخلوق (انبیاء و اولیاء وغیرہ) بارش برسانے کی قدرت نہیں رکھتے تو ان جاہلوں کے حال پر افسوس ہے کہ جب بارش کی قحط سالی ہو تو یہ بعض قبروں کے پاس جاتے ہیں اور جاہلانہ طریقوں سے قبروں سے بارشیں مانگتے ہیں، یا ان کی برکت سے مانگتے ہیں یہ سب شرک اور شرک کے طریقے ہیں۔

تفسیر 70 اس میں نعمت کے زوال کی تخویف ذکر فرمائی ہے تاکہ انسان غرور اور تکبر نہ کرے اُجَاجًا انتہائی نمکین جو گلے میں اٹکتا ہو اور آگ کی طرح معدہ جلائے اور پیاس نہ بجھائے اور اس کے ساتھ فصلیں جلتی ہوں فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ شکر کا مقصد یہ ہے کہ یہ نعمت (پانی) اللہ تعالیٰ کی بندگی میں صرف کی جائے اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو احسان سمجھا جائے اور امام ابن کثیرؒ نے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب پانی پی لیتے تو اس کے بعد کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَقَانَا عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا) (تفسیر ابن جریر 144/23) یہ روایت جابر جعفی راوی کی وجہ سے ضعیف ہے ابن کثیر مع التخریج) **فائدہ** کھانے کی نعمت کے زوال میں لام تاکید داخل کیا ہے لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا اور پانی کی نعمت کے زوال میں لام داخل نہیں کیا ہے جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا مفسر قاسمی نے ابن اثیر سے اس کی وجہ نقل کی ہے کہ عرف اور عادت میں پانی کا ذائقہ بدلنا زیادہ اور آسان ہے نیز اسی طرح کھارا پانی دنیا میں میٹھے پانی سے زیادہ ہے تو اس میں لام تاکید لانے کی ضرورت نہیں ہے اور طعام سے حطام بنانا کبھی کبھی غیر عادی اسباب (طوفان اولے وغیرہ) سے ہوتا ہے اور اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا اثر ہے تو مکمل تذکیر کے لیے اس میں تاکید کی ضرورت ہے۔ **فائدہ** پہلی نعمت جو ”نَشْاَةَ الْاُوْلٰى ہے کے بعد ”فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ“ ذکر کیا ہے اور پانی کی نعمت کے بعد ”فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ“ ذکر ہے؟ وجہ یہ ہے کہ وہاں مقصود دوبارہ زندگی کو اول زندگی پر قیاس کرنا تھا اور قیاس اور عبرت

کو تذکرہ کہا جاتا ہے اور یہاں تو کھانے پینے کی نعمت کا ذکر ہے اور یہ ظاہری نعمتیں ہیں اور نعمت سے نصیحت لینا شکر کرنا ہے اور اسی وجہ سے سنت میں کھانے پینے کے بعد الحمد للہ کہنا شکر ادا کرنے کے لیے ثابت اور ضروری ہے۔

أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِـُٔونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

"کیا تم نے اس آگ پر سوچا ہے جسے تم سلگاتے ہو[71] کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں[72] ہم نے اس کو نصیحت بنایا اور صحراء والوں کے فائدے کے لیے[73] پس تسبیح بیان کر واپنے رب کے نام کی جو بڑی شان والا ہے[74]۔

تفسیر 71: یہ توحید کو ثابت کرنے کے لیے اور قیامت کی تذکیر کے لیے چوتھی دلیل ہے اور یہ تربیت کے مواد میں سے تیسرا مادہ ہے۔ تُورُونَ کچھ درختوں کے پتوں اور شاخوں کو آپس میں ملنے کے ساتھ آگ نکلتی ہے، جیسے بعض پتھروں کے رگڑنے سے آگ نکلتی ہے اسی طرح ماچس کی تیلی کو اس کی ڈبی کے ساتھ رگڑنا اس سے بھی آگ پیدا ہوتی ہے، ان سب کو یہ لفظ شامل ہے۔

تفسیر 72: اس میں ساری مخلوق کی عاجزی ذکر فرمائی ہے کہ وہ آگ کے مواد کو نہیں پیدا کرسکتی ہے تو تم کیوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو؟ شَجَرَتَهَا مرخ اور عفار کے درخت جن کے پتوں اور شاخوں کے رگڑنے سے اہل عرب آگ نکالتے تھے یا ہر سبز درخت مراد ہے اس لیے کہ عقل کے ذریعے ثابت ہوا ہے کہ ہرے درخت میں اللہ تعالیٰ نے آگ کے مادے کو پیدا کیا ہے، یا اس سے مطلق درخت مراد ہے یعنی سبز یا خشک لکڑیاں جو آگ میں جلتی ہیں اور آگ ان سے جلتی ہے اسی طرح سورۃ یٰسٓ آیت 80 میں گزرا ہے۔

تفسیر 73: اس میں آگ کے دو بڑے فائدے ذکر فرمائے ہیں: پہلا فائدہ تَذْكِرَةً یعنی اس کے ذریعے جہنم کی آگ یاد ہوتی ہے تو اس سے پناہ مانگی جاتی ہے اور خوف ہوتا ہے اسی طرح درختوں سے آگ نکالنے سے بعث بعد الموت بھی ثابت ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس آگ کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو انسانوں کو بھی دوبارہ پیدا کرسکتا ہے، نیز یہ توحید کے لیے نصیحت ہے کہ اس کام پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا قادر نہیں ہے۔ دوسرا فائدہ وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ آگ کے فائدے کھانا پکانا، سردی میں اپنے آپ کو گرم کرنا، روشنی حاصل کرنا، تانبے وغیرہ کو پگھلانا اور اس سے چیزیں بنانا وغیرہ ہیں

لِلْمُقْوِينَ قواء سے ماخوذ ہے خالی صحراء کو کہا جاتا ہے، یعنی وہ لوگ جو غیر آباد جگہوں میں بستے ہیں وہاں مقیم ہوتے ہیں، یا مسافر ہوتے ہیں، یہ آگ سے فائدہ اٹھانے کی طرف زیادہ محتاج ہیں اور مقوین فائدہ لینے والوں کو بھی کہا جاتا ہے اور بھوک والے کو بھی کہا جاتا ہے اور اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جس کے پاس توشہ ختم ہو جائے اور مطرب سے منقول ہے کہ فقیر اور غنی دونوں کو کہا جاتا ہے تو یہ لفظ ان تمام معنوں کو شامل اور عام ہے۔ فائدہ: ان دلائل میں خوبصورت ترتیب ہے پہلے موت اور قیامت کے ساتھ پیدائش ذکر کی ہے، پھر تربیت کے تین مادے ذکر کیے اس لیے کہ تربیت خوراک کے ساتھ ہے تو فصلوں کا پیدا کرنا ذکر کیا، پھر کھانا بغیر پانی کے نہیں ہو سکتا ہے اس لیے کہ فصل پانی کی طرف محتاج ہے، پھر آٹا گوندھنا پانی کی طرف محتاج ہے، پھر کھانا کھانے میں پانی پینے کی ضرورت ہے اور جبکہ روٹی اور کھانے کی چیزیں آگ کے بغیر تیار نہیں ہو سکتی ہیں تو آگ کو ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے لنگر سے کھاتے ہیں وہ تمام تربیت میں محتاج ہیں، تربیت کی چیزیں اس نے پیدا کیں تو پھر کیوں مشرکین نے اور معبود، اولیاء بنائے ہیں کہ ان کو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

تفسیر 74: یہ مذکورہ دلائل پر توحید کو مرتب کرنا ہے بِاسْمِ رَبِّكَ اللہ تعالیٰ کے خاص ناموں میں سے ہر نام، ہر عیب اور نقصان اور شریک سے پاک ہے، تو یہ مشرکین فی الاسماء والصفات پر رد ہے الْعَظِيمِ یہ صفت اسم اور رب دونوں کی ہو سکتی ہے عظیم شان والا رب اور اس کے نام بڑے شان والے ہیں۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ ٱلنُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾

”پس میں ستاروں جگہوں کی قسم کھاتا ہوں [75] اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے [76] کہ بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے [77] جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے [78] جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں [79] یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے [80]۔

تفسیر 75: جب توحید اور قیامت کے ثابت کرنے کے لیے عقلی دلائل ذکر ہوئے تو اب قرآن کی طرف ترغیب دی ہے کہ یہ وحی دلیل ہے اور اشارہ ہے کہ تربیت بدنیہ کے ساتھ قرآن کریم کے ذریعے تربیت روحانی ضروری ہے فَلَآ أُقْسِمُ لا کے لفظ میں چار اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ عرب کی عادت کی بنا پر زیادت کے لیے ہے تو معنی قسم ثابت کرنے کا ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ لَا نافیہ ہے قسم کی نفی مراد ہے لیکن اس قول کا ضعف اس سب سے واضح ہے کہ بعد میں وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ ذکر کیا ہے یعنی یہ قسم ہے تو قسم کی نفی تو نہیں ہو سکتی ۔ تیسرا قول: یہ ہے کہ لَاۤ نافیہ ہے اور پہلے منکرین کا انکار معلوم ہوتا ہے۔ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ. فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ. فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ تو معنی یہ ہے کہ یہ تینوں کام (تصدیق نہ کرنا، تذکر نہ لینا، شکر گزاری نہ کرنا) مناسب نہیں ہیں، بلکہ ''اُقْسِمُ'' یہ قول ابو حیان نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے اور اس کی توثیق کی ہے چوتھا قول: لَا اصل میں لام تاکید ہے اور زبر کے اشباع سے الف پیدا ہوا ہے تو معنی یہ ہے کہ ضرور میں قسم کھاتا ہوں اور ہمارے نزدیک ان سب میں راجح تیسرا قول ہے اور اسی طرح سورۃ قیامۃ آیت 1، 2 سورۃ تکویر آیت 15 سورۃ بلد آیت 1 سورۃ الحاقۃ آیت 38 سورۃ معارج آیت 40 اور سورۃ انشقاق آیت 16 میں بھی آیا ہے بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن کثیر نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد قرآن کے نجوم ہیں یعنی نجوم، نجم کی جمع ہے قسط اور حصے کو کہا جاتا ہے اور قرآن تھوڑا تھوڑا اور حصوں حصوں میں نازل کیا گیا ہے تو مواقع سے مراد آیتیں اور سورتیں ہیں ۔ اور مجاہد سے منقول ہے کہ اس سے مراد آسمان کے نجوم (تارے) ہیں اور مواقع سے مراد ان کے ظاہر ہونے کی منازل ہیں یا ان کے غائب ہونے کی جگہیں ہیں، یا قیامت کے آنے کے دن ان کا گرنا ہے۔

تفسیر 76: یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کے درمیان ایک اور جملہ معترضہ ہے یعنی قسم کا اور جواب قسم جو بعد والی آیت میں ہے کے درمیان یہ پورا جملہ معترضہ ہے اور اس کو قسم کی عظمت کے لیے ذکر کیا ہے اور موصوف (لَقَسَمٌ) اور صفت (عَظِيْمٌ) کے درمیان لَوْ تَعْلَمُوْنَ دوسرا جملہ معترضہ شرطیہ ہے اور جزا اس کی محذوف ہے۔ (لَوْ تَعْلَمُوْنَ عَظَمَتَهٗ لَعَظَّمْتُمُ الْمُقْسَمَ عَلَيْهِ) یعنی اگر تم اس کی عظمت کا علم رکھتے تو اس مقسم علیہ (جو قرآن کی شرافت و کرامت ہے) کی تعظیم کرتے۔

تفسیر 77، 78: یہ جواب قسم ہے اور قسم اور اس کے جواب میں مناسبت پہلی توجیہ کے مطابق یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیتیں جو تھوڑی تھوڑی نازل ہوئی ہیں قرآن کی کرامت وعزت پر شہادت و گواہی دیتی ہیں اور دوسری توجیہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ آسمان کے تارے ظاہر ہوتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں تو اسی طرح گزری ہوئی کتب الٰہیہ اور انبیاء علیہم السلام جو تاروں کی طرح روشنی کرنے والے تھے ظاہر ہونے کے بعد غائب ہوئے اور قرآن کریم (جو روشنی کا سورج ہے) ظاہر ہوا اور قسم شہادت کے لیے ہے جیسا کہ اس کی تحقیق سورۃ یس کی ابتدا میں گزری ہے کَرِیْمٌ قرآن کی کرامت

بہت ساری وجوہ سے ہے: اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جبرائیل کے واسطے نازل ہوا ہے، سحر اور کہانت اور افترا نہیں ہے مخلوق نہیں ہے، بہت سے فائدوں اور علوم سے بھرا ہوا ہے، معجزہ ہے، کریم اخلاق اور احکام پر مشتمل ہے، اس کی تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم اور عزت والا ہے فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ اس سے مراد لوح محفوظ ہے جیسے سورۃ بروج آیت 22 میں ہے یا اس سے ملائک کے صحیفے مراد ہیں اور کتاب جو کہ جنس ہے جمع کے معنی میں ہے جیسے سورۃ عبس آیت 13 میں ہے یا اس سے مراد یہ مصاحف ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔

تفسیر 79 اس میں بہت احتمالات ہیں: مس حقیقی اور مس مجازی (ہ) ضمیر قرآن یا لوح محفوظ کی طرف راجع ہے الْمُطَهَّرُوْنَ طہارت ظاہری مراد ہے یا باطنی؟ تفصیل اس کی یہ ہے: پہلا احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ قرآن کی صفت ہے اس لیے کہ بحث قرآن کے بارے میں ہے اور مس سے مراد ہاتھ لگانا ہے اور مُطَهَّرُوْنَ سے مراد پاک بدن والا جنبی اور بے وضو نہ ہونا ہے اور یہ جملہ خبریہ انشاء کے معنی میں ہے، تو معنی یہ ہے کہ قرآن کو بے وضو اور پلید شخص ہاتھ نہ لگائے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ مس مجازی معنی میں ہے اور طہارت سے باطنی پاکی مراد ہے یعنی موحد اور متقی، تو معنی یہ ہوا کہ قرآن کو نہیں سمجھتے مگر پاک عقیدے اور عمل والے یا قرآن کے مزے کو نہیں سمجھتا مگر مؤمن موحد یعنی مشرک، قرآن کی حقیقت کو نہیں سمجھتے جیسے اس کی طرف سورۃ الاعراف آیت 146 میں اشارہ ہے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لوح محفوظ کی صفت ہے اور مس حقیقی مراد ہے مُطَهَّرُوْنَ سے مراد ملائک ہیں تو معنی یہ ہے کہ لوح محفوظ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے ہیں مگر صرف ملائک۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ مَسّ سے مراد معنی مجازی ہے معنی یہ کہ لوح محفوظ کا علم صرف ملائک کو ہے ان دونوں احتمالات میں ان صوفیوں کا رد ہے جو کہتے ہے کہ اولیاء بھی لوح محفوظ کا علم رکھتے ہیں اور یہ اس تک پہنچتے ہیں اور اس سے علم حاصل کرتے ہیں یہ باطل عقیدہ ہے۔ پانچواں احتمال کتاب مکنون سے ملائک کے صحیفے مراد ہیں اور مس ظاہری ہے تو معنی یہ ہے کہ ان پاک صحیفوں کو ہاتھ نہیں لگاتے (جن میں ملائک نے قرآن کو لکھا ہے) مگر قرآن کے لکھنے والے ملائک جیسے سورۃ عبس آیت 15 اور 16 میں ہے۔ فائدہ: قرآن کریم کی تلاوت کے لیے وضو کرنا بالاتفاق ضروری نہیں ہے اور مستحب ہے اور حالتِ حیض اور جنابت میں تلاوت کرنے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے اور قرآن کریم چھو لینے کے لیے وضو کرنا شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اہل علم (بلا وضو قرآن چھونے سے) کا اختلاف ہے امام قرطبیؒ نے کہا ہے کہ اکثر اہل علم منع کے قائل ہیں اور یہ موقف علی، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور سعید بن زید اور عطاء، زہری، نخعی

حکم حماد، مالک، شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا ہے اور انہوں نے (صحیح بخاری کتاب الجھاد حدیث 2990 صحیح مسلم کتاب المغازی حدیث 4816) کی حدیث سے دلیل لی ہے کہ دشمن کی زمین کی طرف قرآن لیکر نہ جاؤ اور موطا امام مالک کی حدیث میں اور محلّی ابن حزم کی حدیث میں ہے کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک شخص اور یہ حدیث ابوداؤد نے بھی مراسیل میں ذکر کی ہے اور دارقطنی کی حدیث میں عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں بھی ہے کہ ان کی بہن نے ان سے کہا تھا کہ آپ پلید ہیں قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتے ہیں تفرد به القاسم بن عثمان و لیس بالقوی و قال البخاری له احادیث لایتابع علیها (دارقطنی مع تعلیق المغنی 1 ج-123 لیکن امام ابن کثیرؒ نے اور ابن حجر نے التلخیص الحبیر میں فرمایا ہے کہ ان کی سندوں میں نظر اور مقال ہے سوائے صحیح مسلم کی حدیث کے اور وہ بھی مدعا پر واضح دلیل نہیں ہے اس لیے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ دشمن کی زمین کی طرف قرآن نہ لیکر جاؤ تا کہ وہ اس کی بے عزتی نہ کرے تو خلاصہ یہ ہے کہ یہ دلائل اس مسئلے میں قطعی نہیں ہیں لیکن احتیاط یہ ہے کہ قرآن چھو لینے کے لیے وضو کا اہتمام کیا جائے۔

تفسیر 80: یہ لَقُرۡاٰنٌ کے لیے صفت ہے۔ یا مبتدا محذوف (هُوَ) کی خبر ہے تَنۡزِیۡلٌ: نزول کے معنی میں ہے۔ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بدن کی تربیت غذا کے ذریعے سے کرتا ہے جو پہلے ذکر ہوا تو اسی طرح روح کی تربیت قرآن کے ذریعے کرتا ہے اور یہ ان لوگوں کا رد ہے جو قرآن کو سحر اور کہانت اور افتراء کہتے ہیں۔

اَفَبِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ۙ﴿۸۱﴾ وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوۡلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الۡحُلۡقُوۡمَ ۙ﴿۸۳﴾ وَ
اَنۡتُمۡ حِيۡنَئِذٍ تَنۡظُرُوۡنَ ۙ﴿۸۴﴾ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡكُمۡ وَلٰـكِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

"کیا ایسی باتوں پر تم سستی کرتے ہو؟ [81] اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھٹلاتے ہو؟ [82] پس جب روح نرخرے تک پہنچ جائے [83] اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو [84] اور ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے [85]۔

تفسیر 81: قرآن کی سچائی کے بیان کے بعد یہ منکرین کو زجر ہے مُّدۡهِنُوۡنَ اِدۡهَانٌ اور مُدَاهَنَۃٌ نرم ہونا اور تغافل اور مائل ہونا نیز تجاوز کو کہا جاتا ہے۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ مُدۡهِنٌ وہ شخص ہے جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو اور مؤرج سے منقول ہے کہ مُدۡهِنٌ منافق اور کافر ہے جو اپنی جانب کو نرم کردے تا کہ اپنے کفر کو چھپائے رکھے تو خلاصہ یہ ہے کہ مُدۡهِنٌ اور مُدَاهِنٌ مسلمانوں میں وہ لوگ ہیں جو باطل پرستوں کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور حق کو ظاہر نہیں کرتے

اور کافروں میں وہ ہیں جو مسلمانوں سے اپنے کفر کو چھپاتے ہیں اسی وجہ سے مُدْهِنُوْنَ تکذیب کرنے والوں، اعراض کرنے والوں، کافروں سے موافقت کرنے والوں اور حق کے بارے میں بہانے کرنے والوں سب کو شامل ہے۔ ابوبکر بقاعی نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کسی سے قرآن کے بارے میں نامناسب باتیں سن لیں (استہزا یا تحریف معنوی کرنا وغیرہ) اور پھر بھی اس کے ساتھ واضح دشمنی نہ کریں اور نرمی کریں اور اہل الحاد جیسے ابن عربی صاحب فصوص الحکم اور ابن الفارض صاحب تائیہ اول یہ وہ لوگ ہیں کہ یہ آیت ان کو شامل ہے اس لیے کہ انھوں نے قرآن کے بارے میں ایسے طریقے سے کلام کیا ہے کہ جو دین کو جڑ سے نکالتا ہے اور جو ان کے لیے تاویلیں کرتے ہیں، ان کی طرف سے دفاع کرتے ہیں تو وہ اجماع امت کے خلاف کرتے ہیں یہ ان سے بھی زیادہ غلیظ ہیں، (انتھی) تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ کسی بھی قسم کی نرمی نہیں ہونی چاہیے۔

تفسیر 82: یہ بھی زجر ہے رِزْقَكُمْ چونکہ حق اور قرآن کی تکذیب رزق نہیں ہے اسی وجہ سے اس آیت میں مفسرین کی بہت توجیہات ہیں: پہلی توجیہ یہ ہے کہ رزق شکر کے معنی میں ہے اس لیے کہ شکر رزق کا سبب ہے تو مسبب کا ذکر ہے اور مراد اس سے سبب ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ مضاف حذف ہے شُكْرَ رِزْقِكُمْ اور رزق سے مراد عام رزق اور خوراک ہے یا رزق سے مراد بارش ہے یعنی جب کبھی بارش برسے تو کیا تمہارا شکر کرنا یہ ہے کہ اس کی نسبت تاروں کی طرف کرتے ہو جیسے جاہلیت والے کہتے تھے: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا (صحیح بخاری کتاب الصلوۃ حدیث 810 صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 228) اور امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ نسبت اس عقیدے کے ساتھ ہو کہ یہ تارے (نوء) بادل اور بارش پیدا کرنے والے ہیں تو یہ صریح کفر ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ اس نوء (تارے) کے وقت اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے اور یہ جہالت کا کلمہ اور موہم بات ہے خطیب شربینی نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ رزق حصے کے معنی میں ہے تو معنی یہ ہے کہ تم نے قرآن سے اپنا حصہ یہ ٹھہرایا ہے کہ تکذیب کرتے ہو۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ رزق اپنے معنی میں ہے اور معنی یہ ہے کہ تم تکذیب پر ہمیشگی کرتے ہو گویا کہ یہ تمہاری خوراک اور غذا ہے۔

تفسیر 83، 84، 85: ڈانٹ کے بعد تخویف ذکر فرمائی ہے دوسری قسم کی زجر کے ساتھ اور یہ موت کے ساتھ تخویف ہے فَلَوْ لَآ یہ لفظ زجر کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں اس میں شرط والا معنی نہیں ہے إِذَا بَلَغَتِ إِذَا شرطیہ ہے جزا اس کی

محذوف ہے فَرَدَدْتُمُ الرُّوحَ اَوْاَمْسَكْتُمْ) یعنی جب بھی روح نرخرے تک پہنچ جائے تم اس روح کو کیوں نہیں روکتے؟ یا کیوں واپس نہیں کرتے؟ اَلْحُلْقُوْمَ حلق عام ہے پورے گلے کو کہا جاتا ہے اور حلقوم اس کے ساتھ خاص ہے جس میں روح آتی جاتی ہے اور کبھی ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور اسکی حالت سورۃ القیامۃ آیت 26 میں ذکر ہے۔ وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ موت کے وقت حاضرین کو خطاب ہے جو کہ اکثر اس کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ تَنْظُرُوْنَ مردے کو اور اس کی نزع کی حالت کو دیکھتے ہو، یا یہ موت کے انتظار کے معنی میں ہے۔ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ اس سے مراد ملک الموت کا وجود ہے جو اس وقت حاضر ہوتا ہے، یا اس سے مراد قدرت اور علم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا قرب ہے وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ مفعول پوشیدہ ہے یعنی کو نہیں دیکھ سکتے۔ نظر محسوسات میں اور بصر اکثر غائب چیزوں اور معقولات میں استعمال ہوتا ہے اسی وجہ سے پہلے تَنْظُرُوْنَ کے ساتھ نظر کو ثابت کیا اور پھر لَا تُبْصِرُوْنَ کے ساتھ بصر کی نفی کی یہاں تک چار حالات ذکر ہوئے۔

فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ۬ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾

" کیوں اگر تم عاجز نہیں ہو [86] واپس کر دو اس روح کو اگر تم سچے ہو [87] پس اگر وہ مقربوں میں سے ہوتا ہے [88] تو اس کے لیے راحت ہے اور اچھا رزق ہے اور نعمت کے باغات ہیں [89]۔

تفسیر 86، 87: فَلَوْ لَا: اصل میں تَرْجِعُوْنَهَا پر داخل ہے فراء نے فرمایا ہے کہ دوسرا فَلَوْ لَا پہلے کے لیے اعادہ ہے اور دونوں کا جواب ایک ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ پہلے فَلَوْ لَا کے لیے جواب پوشیدہ ہے جیسے پہلے ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور فَلَوْ لَا تَرْجِعُوْنَهَا جزا ہے اور اس کے ساتھ دو شرطیں متعلق ہیں: (اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ اور اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) مَدِيْنِيْنَ، دَانَ يَدِيْنُ سے ماخوذ ہے جزا اور حساب کے معنی میں اور ملکیت کے معنی میں بھی آتا ہے تو اس کا معنی ہے جزا دیا گیا، حساب کیا گیا اور مملوک اور کمزور، معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم کمزور نہیں ہو اور تمہارے ساتھ حساب نہیں ہوسکتا ہے تو پھر اس روح کو جسم میں واپس کر دو لیکن واپس نہیں کر سکتے ہو تو معلوم ہوا کہ تم قرآن کی تکذیب اور قرآن اور قیامت کے انکار میں جھوٹے ہو اور یہ آیت واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے وقت کو پورا کر دے اور بدن سے روح کو نکال دے تو کوئی بھی مخلوق (ملائک نبی، ولی اور ڈاکٹر وغیرہ) اس روح کو اس بدن میں واپس نہیں کر سکتے

ہیں، ہاں معجزے کے طور پر عیسیٰ علیہ السلام نے واپس کی ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کا اذن اور اختیار تھا عیسیٰ علیہ السلام کو اس میں کچھ قدرت اور اختیار نہیں تھا۔

تفسیر 88، 89: ان لوگوں کے تین قسمیں ہیں جن پر نزع کی حالت آئی اور مر گئے جیسے سورۃ کی ابتدا میں اس طرح ذکر کیا تھا لیکن فرق یہ ہے کہ وہ حالات آخرت، جنت یا جہنم میں تھے اور یہاں نزع کے وقت کی حالت ہے جیسے قرطبی نے ربیع بن خیثم اور ابو الجوزاء اور ابو العالیہ سے نقل کیا ہے الْمُقَرَّبِيْنَ اس سے مراد السابقون ہیں کامل ایمان والے مؤمن فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ (لَهٗ) لفظ پوشیدہ ہے امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ موت کے وقت ملائکہ ان کو یہ بشارت دیتے ہیں اور ابو العالیہ سے روایت ہے کہ نزع کے وقت ملائکہ ان کو دو شاخیں پیش کریں گے ایک رَوْحٌ اور دوسرا رَيْحَانٌ: رَوْحٌ راحت اور خوشی کے معنی میں ہے اور رحمت، اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے اور یہ سارے معانی مراد ہو سکتے ہیں رَيْحَانٌ اچھا رزق، خوشبو دار پھول اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کے ذریعے لذت، تمام معنوں کو شامل ہے۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾ ''اور اگر یہ دائیں ہاتھ والوں میں ہے، [90] تو دائے ہاتھ والوں کی طرف سے تجھ پر سلام ہے [91] اور اگر وہ تکذیب کرنے والوں گمراہوں میں سے ہے [92] تو اس کی مہمانی گرم پانی سے ہوگی [93] اور جہنم میں جلنا ہے [94] بے شک ضرور یہ یقینی صحیح ہے [95] پس اپنے رب کے نام کی تسبیح بیان کرو جو بڑی شان والا ہے [96]۔

تفسیر 90، 91: یہ دوسری قسم ہے یعنی عام ایمان والے فَسَلٰمٌ لَّكَ یعنی ملائکہ اپنی طرف سے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پیش کریں گے اور اس سے کہہ دیں گے کہ '' اَنْتَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (آپ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہیں، یا معنی یہ ہے کہ آپ پر اصحاب الیمین کی طرف سے سلام ہے کہ آپ ان کے ساتھ برزخ میں اور پھر جنت میں ہوں گے اور امام بخاری نے معنی ذکر کیا ہے کہ مُسَلَّمٌ (مانی گئی) ہے آپ کے لیے یہ بات کہ آپ اصحاب الیمین میں سے ہیں اور امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ سلام تین وقتوں میں ہوگا روح کے قبض ہونے کے وقت، دوسرا منکر نکیر کے آنے کے وقت اور تیسرا البعث بعد الموت کے وقت۔

تفسیر 92، 93، 94: اس میں تیسری قسم ذکر فرمایا ہے جن کو پہلے اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ اور اَصْحٰبُ الشِّمَالِ کہا تھا لیکن

یہاں وہ صفت ذکر نہیں کی اس لیے کہ نزع کے وقت اور قبر کے وقت یہ اصحاب الشمال میں سے نہیں ہیں یعنی بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دینا یا جہنم کی طرف لیکر جانا تو قیامت کے دن ہوگا جب کہ جھٹلانا، گمراہی کا سبب ہے اسی وجہ سے مکذبین کو ضالین پر مقدم کیا ہے۔ فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ یہاں بھی (لَھُمۡ) پوشیدہ ہے نُزُلٌ وہ کھانا پینا ہے جو مہمان کے لیے تیار کیا گیا ہو اور یہاں اس کا استعمال تحکم (استہزاء) کے طور پر ہے تَصۡلِیَۃُ داخل ہونا جلانے کے لیے اور یہ مفعول کی طرف اضافت ہے۔ فائدہ: مفسر قاسمی نے اکلیل سے نقل کیا ہے کہ یہ آیتیں دلالت کرتی ہے کہ ارواح جب جسموں سے الگ ہو جائیں تو یا خوشی میں ہوں گے اور یا عذاب میں ہوں گے اور ایمان والوں کی روحیں جنت میں ہیں اور کافروں کی روحیں جہنم میں ہیں۔

تفسیر 95: یہ ماقبل کی تائید ہے اور خاص تنبیہ ہے ھٰذَا سے اس سورت کے پورے مضمون کی طرف اشارہ ہے، یعنی قیامت کا واقع ہونا اور اس میں زمین اور پہاڑوں کے مختلف حالات، آخرت میں ان تین گروہوں کے حالات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار بڑے انعامات اور بالخصوص قرآن کریم کی نعمت اور موت اور نزع اور قبر کی حالت میں تنعیم اور عذاب ان سب کی طرف ھٰذَا کے ساتھ اشارہ ہے۔ حَقُّ الۡیَقِیۡنِ یہ صفت کی طرف موصوف کی اضافت ہے یا اس کے برعکس ہے یا عام کی اضافت خاص کی طرف ہے یا شیء (چیز) کی اضافت اپنے نفس کی طرف ہے یعنی حق اور یقین ایک چیز ہے یا الیقین موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی "حَقُّ الۡخَبَرِ الۡیَقِیۡنِ" اور اسی طرح سورۃ الحاقۃ آیت 15 میں پورے قرآن کے بارے میں بھی ذکر ہے۔

تفسیر 96: اس طرح آیت 74 میں بھی گزرا ہے تکرار کی وجہ یہ ہے کہ اوّلاً عقلی دلائل کے بعد یہ حکم تھا یعنی عقل اللہ تعالیٰ کی تسبیح پر دلالت کرتی ہے ثانیاً قرآن کی سچائی کے بعد اور قرآن کے ساتھ متعلق تین گروہوں کے حالات کے بیان کے بعد یعنی قرآن بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح پر دلیل ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں آیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر رکوع میں عمل کرو یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھو۔ (احمد 155/4 ابوداؤد 869، ابن ماجہ 887) شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے ارواء الغلیل حدیث 334 تمام المنۃ ص 190 مشکوٰۃ حدیث 840) نوٹ: البتہ سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمِ رکوع میں پڑھنا صحیح مسلم حدیث 772 میں ہے بِاسۡمِ رَبِّکَ باء زیادت تاکید کے لیے ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ بِذِکۡرِ اسۡمِ رَبِّکَ یعنی اپنے رب کے نام کے یاد کرنے کے ساتھ پاکی بیان

کرو۔ فائدہ: اس میں باکو داخل کیا ہے اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى میں باء کو ذکر نہیں کیا ہے وجہ یہ ہے کہ عظیم اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات دونوں کی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو اشارہ ہے کہ صفت کی تسبیح اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تسبیح جمع کیں اور اعلیٰ صرف ذات کی صفت کے لیے استعمال ہوتا ہے تو وہاں مقصود صرف ذات کی تسبیح ہے ناموں اور صفات کی تسبیح ملائے بغیر اور با مصاحبت (ساتھ ہونے پر) دلالت کرتی ہے۔ واللہ اعلم بحکم کتابہ

سورۃ الواقعہ کی خصوصیات:

۱۔ تین فرقوں کا احوال و ذکر۔ ۲۔ تربیت کے اشیاء کا خالق بھی اللہ ہے اور اس کے فناء کرنے پر قادر بھی وہی ہے۔

۳۔ قرآن کی عظمت کا ذکر۔ ۴۔ انسان کا روح کو بدن میں واپس لوٹانے سے عاجز ہونا۔

الحمد للہ سورۃ واقعہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے مکمل ہوئی

ایاتھا ۲۹ ۵۷ سورۃ الحدید مدنیۃ ۹۴ رکوعاتھا ۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲﴾

اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی بیان کرتے ہیں جو چیز بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے [1] اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے [2]۔

اس سورت سے سورت ملک تک مدنی مضامین ہیں جو کہ جہاد، انفاق فی سبیل اللہ، منافقت کرنے والوں کے لیے زواجر ہیں اور دیگر اصلاحی امور ہیں۔ ربط: پہلی سورت کے ساتھ اس سورت کا ربط بہت سی وجوہ سے ہے: **پہلی وجہ** یہ ہے کہ پہلی سورت میں توحید کا مسئلہ دو مرتبہ ذکر کیا تو اس سورت میں مالوں کے خرچ کرنے کی طرف ترغیب ہے اور اس مسئلے کی اشاعت کے لیے لوہے کا استعمال کرتا ہے۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ پہلی سورت میں تسبیح پڑھنے کا حکم ہوا تو اس سورت کے شروع میں مخلوقات کی تسبیح ذکر کی ہے گویا کہ یہ امر با لتسبیح کے لئے علت ہے۔ **تیسری وجہ** یہ ہے کہ سابقہ سورت میں رب کے نام کی تسبیح کا حکم تھا اور اسم تو اسم جنس ہے بہت سے ناموں اور صفات پر مشتمل ہے تو اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام اور صفات ذکر کیے ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون: انفاق فی سبیل اللہ کی طرف پانچ طریقوں سے ترغیب اس کے ساتھ توحید کے لیے قتال اور جہاد کی ترغیب، وہ توحید جو اٹھارہ اسمائے حسنیٰ اور صفات کے ذریعے ذکر کی ہے۔

سورت کا خلاصہ: یہ سورت دو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب آیت 25 تک ہے، اس میں پہلے بائیس اسمائے حسنیٰ اور صفات الٰہی کے ذریعے توحید کو ثابت کیا ہے اور پھر آیت 7 میں پانچ طریقوں سے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے اور آیت 8، 9 اس کے ساتھ متعلق ہیں پھر آیت 10 میں پھر آیت 11 میں آیت 19 تک اس کے ساتھ متعلق ہیں پھر آیت 20 میں اور آیت 21 اس کے ساتھ متعلق ہے پھر آیت 22 میں اور آیت 23، 24 اس کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

تفسیر 1: اس آیت میں سَبَّحَ کے ذریعے توحید کا دعویٰ ذکر ہے اور الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس کی دلیلیں ہیں، تسبیح سے مراد قولی تسبیح ہے، جیسے اس پر سورۃ اسرا آیت 44 دلالت کرتی ہے اور تسبیح حالی بھی اس میں شامل ہے اور تسبیح کا معنی شریک اور ولد اور کفر اور عجز اور احتیاج اور مثل ومشابہ تمام نقصانوں سے پاک ہونا ہے اور الْعَزِيْزُ میں اشارہ ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں عاجز اور مغلوب ہے اسی وجہ سے کوئی طوعا اور کوئی کرہا اللہ کی تسبیح پڑھتا ہے تو یہ تسبیح قولی کے لیے دلیل ہے الْحَكِيْمُ اشارہ ہے کہ اس تمام عالم کو خاص ترتیب سے پیدا کیا ہے اور یہ خوبصورت ترتیب تسبیح پر دلالت کرتی ہے تو یہ تسبیح حالی کی دلیل ہوئی۔

تفسیر 2: یہ دوسری دلیل ہے لَهٗ یہ تخصیص پر دلالت کرتا ہے مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ملک سے مراد تمام موجودات میں طوعًا اور کرھًا اس کا حکم چلتا ہے اور آسمان وزمین میں ایک جیسے یہ حکم جاری ہے اسی وجہ سے وَ الْاَرْضِ کے ساتھ لفظ مَا کو ذکر نہیں کیا۔ يُحْيِي وَ يُمِيْتُ یہ حکم چلانے کے لیے ایک مثال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی یہ تصرف نہیں کرسکتا۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یہ مستقل دلیل ہے یعنی اس کی بادشاہت کامل قدرت کے ساتھ ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٣﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٤﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٥﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٦﴾

وہی اول ہے اور وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی پوشیدہ ہے اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے [3] وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے [4] خاص اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں [5] اور وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہی دلوں کی باتوں کو جاننا ہے [6]۔

تفسیر 3: یہ دوسری مستقل دلیل ہے، اسی وجہ سے حرف عطف نہیں لایا اور ان صفات کے درمیان حرف عطف ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام صفتوں کے حقدار ہیں اس آیت کی تفسیر صحیح مسلم کی حدیث میں ذکر ہوئی ہے فرمایا ہے کہ الاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ یعنی تمام موجودات سے تُو ذات میں پہلے ہے اور تمام عالم کو تُو وجود دینے والا ہے۔ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ (صحیح مسلم کتاب الذکر حدیث 2713) یعنی اس کی طرف ہر چیز کے وجود کی انتہا ہوتی ہے اور وہ ہر چیز کے فناء ہونے کے بعد باقی ہے وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ یعنی ہر چیز سے بلند ہے اس سے اوپر کوئی چیز نہیں ہے، اور یقینی دلائل کے ذریعے اس کا وجود ظاہر ہے۔ وَالْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ (احمد 2/404 شیخ ارناؤوط نے اس کو صحیح کہا ہے الموسوعۃ الحدیثیۃ 9247) یعنی ذات اور ماہیت کے اعتبار سے اس سے مخفی نہیں ہے اور ہر چیز کے باطن پر وہ عالم ہے اور ابن جریر نے فرمایا ہے مراد یہ ہے کہ ہر چیز کے خوب قریب ہے، یا یہ کہ زمین کے نیچے بھی اس کی قدرت اور علم ہے جیسے ترمذی کی حدیث میں ہے اگرچہ حدیث منقطع ہے اس میں لَهَبَطَ عَلَى اللهِ آیا ہے۔

تفسیر 4: یہ ایک اور مستقل عقلی دلیل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات ذکر ہیں: خلق، استواء، علم، معیت، بصیر، سِتَّةِ أَيَّامٍ کی تفصیل سورۃ اعراف آیت 54 سورۃ یونس آیت 3 سورۃ ھود آیت 7 سورۃ فرقان آیت 59 سورۃ سجدۃ آیت 4 سورۃ قٓ آیت 38 سورۃ حم سجدۃ آیت 9 میں گزری ہے اور استواء کا مسئلہ بھی سورۃ اعراف آیت 54 سورۃ یونس آیت 3 سورۃ رعد آیت 2 طٰہٰ آیت 5 فرقان آیت 69 السجدۃ آیت 4 میں گزرا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عرش، علی اور استواء ان تینوں الفاظ کے حقیقی معنی مراد ہیں لیکن اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے، ہم اس کو مخلوق کی تمثیل اور تشبیہ کے بغیر مانتے ہیں اور اس کی تاویل نہیں کریں گے يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ اسی طرح سورۃ سبا آیت 2 میں گزرا ہے وہاں یہ دلیل حمد کے لیے تھی اور اس سورت میں تسبیح کی دلیل ہے۔ سوال: وَهُوَ مَعَكُمْ استواء علی العرش اور مخلوق کے ساتھ معیت کے درمیان تعارض ہے؟ جواب: بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ ان دونوں میں تعارض مخلوق کی صفات میں ہے اور خالق کی صفات مخلوق کے صفات کے ساتھ کچھ مشابہت نہیں رکھتیں یعنی استواء اور معیت دونوں حقیقت پر محمول ہیں اور کیفیت دونوں کی مجہول ہے۔ اور اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ معیت سے مراد علم اور قدرت کے اعتبار سے معیت ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے حدیث النزول کی شرح میں اور مجموعہ فتاویٰ صفحہ 136،142،113 میں اس کی تشریح کی ہے اور امام ذہبی نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کتاب مختصر العلوم صفحہ 135 میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے اور ابن

عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ اس پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے اور یہ ابن عباس اور ضحاک اور مقاتل اور سفیان ثوری اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ سے منقول ہے۔ ابن جریر نے بھی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارا اور تمہارے اعمال کا علم ہے اس کے باوجود وہ عرش پر آسمانوں کے اوپر ہے۔ سوال: یہ تو مع کے معنی میں تاویل ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں تاویل تو سلف صالحین کے مذہب کے خلاف ہے اور بدعت ہے؟ جواب: ابن قدامہ المقدسی نے کتاب ذم التاویل میں جواب ذکر کیا ہے کہ یہ تاویل نہیں ہے اس لیے کہ تاویل میں لفظ کو اپنے ظاہر سے پھیر دیتا ہے اور معیت کا ظاہری معنی بھی یہ ہے کہ علم اور قدرت کے لحاظ سے ان کے ساتھ ہے اس لیے کہ مَعَ کا لفظ اختلاط (ایک ذات کا دوسرے کے ساتھ) کے لیے وضع نہیں کیا گیا اور اگر مان لیا جائے کہ یہ تاویل سلف صالحین سے منقول ہیں تو اس کو تاویل محمود کہا جاتا ہے اور جو سلف صالحین سے منقول نہ ہو تو وہ مذموم تاویل ہے۔

تفسیر 5: یہ ایک اور مستقل دلیل ہے دوسری آیت میں دنیا کی بادشاہت کی طرف اشارہ تھا اور اس میں آخرت کے ملک کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے یہاں "وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ" کے ساتھ آخرت کا ذکر کیا ہے۔

تفسیر 6: یہ بھی زمانہ میں تصرف کرنے کے ساتھ مستقل عقلی دلیل ہے اور یہ "ایلاج (دن رات کا گھٹنا بڑھنا) زمین کے اکثر اطراف میں ہے کہ کبھی رات اور کبھی دن لمبے ہوتے ہیں، یہاں تک دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز میں تصرف کرنے والا اور ہر چیز پر عالم صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، تو یہ اس کی تسبیح پر دلیل ہوئی۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۹

"اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں تم کو نائب بنایا ہے، پس جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ان کے لیے بڑا ثواب ہے [7] اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے ہو حالانکہ رسول تمہیں اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ اور بے

شک اللہ تعالیٰ نے تم سے پکا وعدہ لیا ہے اگر تم مؤمن ہو [8] اور اللہ تعالیٰ وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائے اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر شفقت کرنے والا مہربان ہے [9]۔

تفسیر 7: اس میں خرچ کرنے کی طرف ترغیب ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ مال حقیقت میں تمہارا نہیں ہے تم اس میں اپنے بڑوں کے وکیل اور نائب ہو تو یہ مال صحیح مصارف میں خرچ کرو جو تمہیں فائدہ دے اٰمِنُوْا ایمان کا حکم پہلے ذکر کیا ایک تو اس وجہ سے کہ ایمان کے بغیر انفاق کرنا برباد ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صحیح ایمان کے ساتھ خرچ کرنا آسان ہوتا ہے اور جب کہ گزرے ہوئے دلائل ایمان لانے کا تقاضا کرتے ہیں اسی وجہ سے نتیجے کے طور پر بغیر عطف کے اٰمِنُوْا ذکر کیا ہے۔ وَ اَنْفِقُوْا اس سے مراد عام ہے زکوٰۃ اور صدقات واجب سب اس میں شامل ہے اور بالخصوص توحید کی اشاعت کے لیے خرچ کرنا پہلے مراد ہے۔ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ حسن بصری سے روایت ہے کہ اس سے مراد آباؤ اجداد سے وراثت کے ذریعے استخلاف ہے تو اشارہ ہے کہ یہ اموال جو تمہارے بڑوں سے میراث میں رہ گئے ہیں تو اسی طرح تم سے بھی باقی رہ جائے گا اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد استخلاف من اللہ تعالیٰ ہے یعنی مال حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ہے لیکن تمہیں تھوڑے وقت کے لیے اس میں عارضی مالک بنایا ہے تو اس کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کرو فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پہلے امر کے ساتھ ایجاب تھا، ابھی بشارت کے ذریعے ترغیب ذکر فرمائی ہے۔

تفسیر 8: یہ بھی گزشتہ ترغیب کے متعلق ہے یعنی پہلے یہ کہ رسول اللہ ﷺ ایمان اور انفاق کی طرف داعی تھے اور دوسرا یہ کہ تم سے وعدہ لیا گیا ہے اور تیسرا یہ کہ ایمان کا تقاضا ہے وَ مَا لَكُمْ اس میں عذر کا عدم مراد ہے یعنی ایمان سے کچھ بھی مانع نہیں ہے اور اسباب داعیہ ہیں اسی وجہ سے ایمان فرض ہے لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اس میں ایمان کی طرف اشارہ ہے جو انفاق کا سبب ہے جیسے پہلی آیت میں گزرا ہے وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ یہ ایمان اور انفاق کا پہلا سبب ہے اور اشارہ ہے کہ وجوب (قبول کرنا) شرع پر موقوف ہے وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ میثاق سے مراد میثاق فطری اور دلائل قائم کرنا اور میثاق ایمان ہے تو یہ ایمان اور انفاق کا دوسرا سبب ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر ایمان والوں کو خطاب ہے تو اِنْ اِذْ کے معنی میں ہے، یا تاکید مراد ہے یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ خرچ کرو اور اگر خطاب کافروں کو ہو تو اِنْ اپنے معنی میں ہے۔

تفسیر 9: یہ بھی ترغیب کے ساتھ متعلق ہے یعنی یہ آیات بینات (ایمان اور انفاق کے بارے میں ہے) کی پیروی کرنا ظلمات سے نور کی طرف لانے کا سبب ہے اور رافت اور رحمت الٰہی کا سبب ہے۔ عَلٰی عَبْدِہٖ کہ وہ محمد ﷺ ہے اور اس وصف کے ساتھ اس لیے ذکر کیا کہ اشارہ ہے کہ وہ بھی ایمان اور انفاق کرنے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ اس سے مراد قرآن کریم ہے اس لیے کہ قرآن کریم میں دلائل اور احکام الٰہی واضح اور یقینی ہیں لِّیُخْرِجَکُمْ فاعل ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا عبد کی طرف راجع ہے الظُّلُمٰتِ جہالت، کفر، شرک، خواہشات متفرقہ اور بخل ہے جیسے" اِلَى النُّوْرِ علم، توحید، ایمان، ہدایت اور یقین ہے۔ لَرَءُوْفٌ رافت میں اشارہ ہے کہ تم سے ظلمات کو دور کرتا ہے رَّحِیْمٌ: رحمت میں روشنی دینے کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ ع

"اور تمہیں کیا (عذر) ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور خاص اللہ تعالیٰ کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے، برابر نہیں تم میں سے وہ جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، وہی لوگ باعتبار مرتبہ کے بہت بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا ہے اور جہاد کیا ہے اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے اچھا وعدہ کیا ہے اور جو کچھ عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے [10] کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے؟ پس وہ زیادہ کرے گا اس کے لیے اور اس کے لیے عزت والا اجر ہے [11]۔

تفسیر 10: خرچ کرنے کی ترغیب کی وجوہ میں سے یہ دوسری وجہ ہے۔ اس میں بیان ترقی ہے یعنی اگر مان لیا جائے کہ بالفرض ان اموال کے تم اصلی مالک ہو لیکن سب مرو گے اور تمام مال اللہ تعالیٰ کے لیے باقی رہے گا تو چاہیے کہ موت سے پہلے اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اسی طرح سورۃ آل عمران آیت 180 میں بھی ہے۔ میراث اصل میں بغیر عوض اور بغیر تکلف کے استحقاق کو کہا جاتا ہے تو اشارہ ہے کہ یہ تمام عالم انسانوں سے ایک دن خالی ہو جائے گا اور صرف اللہ تعالیٰ باقی رہے گا اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کا حق اور تصرف نہیں ہو گا لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ اس میں مجاہدین اور خرچ کرنے والوں کے درجات میں تفاوت ذکر فرمایا ہے اور ان دونوں درجات کی طرف

سورۃ واقعہ میں اشارہ ہے کہ ایک سابقون ہیں اور دوسرا اصحاب الیمین ہیں اور یہ صحابہ کرام میں بھی تھا اس لیے کہ الْفَتْح سے مراد صلح حدیبیہ، یا فتح مکہ ہے اور اسی طرح بعد کی امت میں بھی یہ موجود ہے اس لیے کہ الْفَتْح سے عام فتح مراد ہو سکتی ہیں یعنی ایک ملک میں توحید اور اسلام کا فتح اور غلبہ نہیں آیا ہو اور اس وقت جو جہاد کریں اور خرچ کریں تو وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو غلبے کے بعد جہاد کریں اور خرچ کریں۔ لَا يَسْتَوِي کا مقابل محذوف ہے یعنی "مَنْ لَمْ يَفْعَلْ كَذَالِكَ یا" مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا اس کا معنیٰ مقابل ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور اسی طرح سورۃ نساء آیت 95 میں ذکر ہوا اور صحیح مسلم کی حدیث میں آیا ہے اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ (صحیح مسلم حدیث 2669، احمد 366/2) قوی مؤمن کمزور مؤمن سے اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اگرچہ ہر ایک میں بھلائی ہے۔ اور یہ جملہ اس لیے ذکر ہوا تا کہ دوسری جانب کی برائی اور مذمت نہ کی جائے۔

تفسیر 11: انفاق کی طرف ترغیب کی وجوہ میں ترقی کے ساتھ یہ تیسری وجہ ہے، یعنی فرض کرو کہ تمہارا مال ہمیشہ ہے لیکن قرض کے طور پر دو یہ مروّت اور انسانیت ہے، قرض اصل میں کاٹنے کو کہتے ہیں لیکن عرف میں دوسرے کو بغیر عوض مال دینا تا کہ اس سے فائدہ لے اور پھر واپس ادا کیا جائے اور عرب کے عرف میں ہر نیکی کرنے کو کہا جاتا ہے تو پہلے عرفی معنیٰ ہے صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ کو قرض مجازاً اور ترغیباً کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ مدد کرنا ہے قَرْضًا حَسَنًا: قرطبی نے قشیری سے نقل کیا ہے کہ قرض حسن کی دس شرطیں ہیں: اخلاص نیت، اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب ،حلال مال سے، اچھا مال دینا، نزع کی حالت سے پہلے دینا، چھپا کر دینا، احسان اور اذیٰ نہ کرنا، دیے ہوئے صدقہ کو کم سمجھنا، محبوب مال دینا، زیادہ قیمت والا دینا، یہ سب خرچ کرنے میں حسن کے اسباب ہیں۔ فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ: دگنا کرتا ہے باب مفاعلہ مبالغے کے لیے ہے تو اس کے دگنا کرنے کی انتہا معلوم نہیں ہے اور اس سے مراد دگنا کرنے کے ساتھ ثواب زیادہ دینا ہے، لیکن پہلی ضمیر کو قرض کی طرف راجع کیا اشارہ ہے کہ گویا کہ وہ مال (قرض دیا ہوا) اس کے لیے زیادہ کر دیتا ہے تو اس کی وجہ سے ثواب بھی زیادہ ہو جاتا ہے وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ: یہ صدقہ دینے کے بغیر اور ثواب کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے ساتھ کرامت اور عزت کرنا بھی ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا

انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ

فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

"جس دن آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کی روشنی ان کے سامنے اور دائیں چل رہی ہوگی اور (ان سے کہا جائے گا) تمہارے لیے آج خوشخبری ہے باغات کی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں تم ان میں ہمیشہ رہو گے اور یہی بڑی کامیابی ہے [12] جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کرو تاکہ ہم تمہاری روشنی سے لے لیں، ان سے کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ (وہاں) روشنی تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار بنادی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر رحمت ہوگی اور اس کے باہر عذاب ہوگا [13]۔

تفسیر 12: یہ خرچ کرنے والے مؤمنین کے لیے بشارت اخروی ہے یَوْمَ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ کے ساتھ ظرف متعلق ہے یا اُذْكُرْ کا لفظ مقدر ہے تَرَی ہر اس شخص کو خطاب ہے جو قیامت کے دن دیکھ سکے گا نُوْرُهُمْ یہ نور ایمان اور اتباع سنت اور انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ حقیقتاً ہوگا اور یہ اس نور کے علاوہ ہے جو ایمان اور وضو کرنے کے سبب سے ان کے چہروں اور ہاتھوں اور قدموں پر ظاہر ہوگا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ یہ دونوں طرف خوش قسمت لوگوں کے لیے خاص ہیں ان کو آگے کی طرف سے داہنے ہاتھوں میں اعمال نامہ دیا جائے گا تو روشنی بھی ان دونوں طرفوں میں ہوگی۔ خطیب شربینی اور امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے سبب سے روشنی سامنے کی طرف ہوگی اور خرچ کرنے کی وجہ سے روشنی دائیں طرف ہوگی اس لیے کہ سنت کے مطابق دائیں ہاتھ سے خرچ کیا ہے اس معنی کے ساتھ۔ "بِاَيْمَانِكُمْ میں با، عن کے معنی میں ہے اور ضحاک سے روایت ہے کہ بَا، فِیْ کے معنی میں ہے اور یہ خبر مقدم ہے اور مبتدا اس کا مقدر ہے یعنی "وَفِيْٓ اَيْمَانِهِمْ كُتُبُ اَعْمَالِهِمْ (ان کے دائیں ہاتھوں میں اعمال نامہ ہوں گے) اور روشنی صرف آگے کی طرف ہوگی (واللہ اعلم) اور اسی طرح سورۃ تحریم آیت 8 میں ہے بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ شروع میں يُقَالُ لَهُمْ اور جَنّٰتٌ سے پہلے دُخُوْلُ کا لفظ مقدر مراد ہیں" يَا لِيَبْشِرُوْنَ کی تقدیر کے ساتھ یہ جملہ حالیہ ہے۔

تفسیر 13: یہ منافقین کے لیے تخویف اخروی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ویسے ایمان کے دعوے کرتے تھے اور حقیقت میں ایمان نہیں تھا اور خرچ بھی نہیں کرتے تھے بلکہ بخل کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے تھے يَوْمَ پہلے یوم سے بدل ہے یا اُذْكُرْ مقدر ہے، یا اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ کے متعلق ہے انْظُرُوْنَا شفقت کی نظر سے دیکھنے کے معنی میں ہے،

یا انتظار کرنے کے معنی میں ہے۔ نَقْتَبِسْ اقتباس جلائی ہوئی روشنی سے اپنے لیے چراغ جلانا ہے، اس سے مراد روشنی حاصل کرنا ہے اور اس میں مفسرین کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ کہ منافقین کو بھی کچھ روشنی دی جائی گی اور پھر بجھا دی جائی گی۔دوسرا قول یہ کہ ان کے لیے نور نہیں ہے صرف امید ان کی یہ ہے کہ ایمان والوں کی روشنی سے ہم پل صراط پر چلے جائیں گے لیکن وہ تو بہت تیز پل صراط پر گزر گئے تو منافقین روشنی سے بالکل محروم ہو گئے۔قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ یہ قول ایمان والوں یا فرشتوں کی طرف سے ہے اور ''ارْجِعُوْا سے مراد روشنی سے ناامید کرنا ہے وَرَآءَكُمْ اس سے مراد دنیا ہے اس لیے کہ توحید اور انفاق کے ذریعہ ایمان والوں کو نور دنیا میں حاصل ہوا ہے، یا اس سے مراد میدان محشر ہے کہ اس میں ایمان والوں نور حاصل ہوا ہے۔'' بِسُوْرٍ اس کو حجاب اور اعراف بھی کہا گیا ہے بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ رحمت سے مراد جنت ہے۔الْعَذَابُ اس سے مراد جہنم ہے یعنی اس دروازے سے صرف جنت والے داخل ہوں گے اور منافقین کو اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملے گی تو وہ جہنم کے قریب کیے جائیں گے۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى
جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ
النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

''ان کو آوازیں دیں گے کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں تھے؟ کہیں گے ہاں لیکن تم نے اپنی جانوں کو گمراہ کیا تھا اور انتظار کرتے تھے اور خوب شک میں پڑے ہوئے تھے اور تمہیں آرزوؤں نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان نے فریب دیا تھا[14] پس آج نہ تم سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے وہی تمہارے قابل جگہ ہے اور بری جگہ ہے[15]۔

تفسیر 14: يُنَادُوْنَهُمْ ندا دور کے لیے ہوتا ہے، اشارہ ہے کہ ایمان والے ان سے دور دور چلے جائیں گے اور دروازہ بند ہو جائیگا تو منافقین چیخ چیخ کر آوازیں دیں گے۔مَّعَكُمْ جماعت، غزوات اور تمام واجبات میں وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ منافقین کی پانچ صفات ذکر کیے ہیں جن کے سبب سے ان کے اعمال برباد ہوئے ہیں پہلا وصف فَتَنْتُمْ شرک اور نفاق کے فتنے میں اپنے آپ کو گرایا ہے اور یہ تباہی کا سبب ہے اس لیے اس کو فتنہ کہا ہے دوسرا وصف وَتَرَبَّصْتُمْ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کے بارے میں حوادث کا انتظار کرتے ہو کہ یہ ختم ہو جائیں تو تم اپنے کفر کو ظاہر کر لو گے جیسے

سورۃ توبہ آیت 98، 52 میں ہے اور اسی طرح توبہ کرنے میں دیر کرنا بھی تَرَبُّص ہے تیسرا وصف وَارْتَبْتُمْ توحید اور رسول کی سچائی اور قیامت اور اللہ تعالیٰ کے وعدے میں تم شک کرتے ہو۔ چوتھا وصف وَ غَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ بے دلیل مسائل اور باتیں جو بڑے مولویوں اور پیروں نے اپنی طرف سے بنائی ہیں اور اسی طرح لمبی آرزوؤں اور امیدوں کے ساتھ تم نے دھوکہ کھایا تھا اور اسی وجہ سے توحید اور رسالت پر دل میں یقین نہیں کرتے تھے حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ چاروں حالتوں کی غایہ (انتہاء) ہے اور اَمْرُ اللّٰهِ سے مراد موت اور قیامت ہے۔ پانچواں وصف وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ یہ پہلے تمام اوصاف کے لیے سبب ہے اسی وجہ سے بعد میں مستقل ذکر کیا ہے اور اس کی تفسیر سورۃ لقمان آیت 33 اور سورۃ فاطر آیت 5 میں گزری ہے۔

تفسیر 15: یہ تخویف اخروی ہے اور ایمان والوں کا قول ہے منافقین اس کے تحت داخل ہے، یا یہ ان کو اللہ تعالیٰ کا یا ملائکہ کا قول ہے فِدْيَةٌ کسی قسم کا فدیہ نہ مال میں اور نہ نفس کے ذریعے اور نہ زیادہ مال کے ذریعے اور اس میں نجات سے ان کی امید کو ختم کرنا ہے۔ مَوْلٰىكُمْ اولی کے معنی میں ہے، یا تمہارے کے طور پر مددگار کے معنی میں ہے، یا متولی کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے عذاب کو آگ کے حوالے کر دے گا اور وہاں کے عذاب کا متولی ہو جائے گا۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

"کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے اور اس حق کے لیے جو اس نے نازل کیا ہے (نرم ہو کر) عاجزی کریں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر لمبا زمانہ گزر گیا اور ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں [16] جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے بے شک ہم نے تمہارے لیے نشانیاں بیان کیں تاکہ تم عقل حاصل کرو [17]۔

تفسیر 16: اس میں تخویف کے بعد منافقین کو زجر ہے لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا وہ لوگ جو زبان سے ایمان کے دعوے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ بھی نہیں کرتے اور اسی طرح وہ ایمان والے اس میں داخل ہیں جو گناہوں میں لگے ہوئے

ہیں اور توبہ کرنے اور قرآن سننے کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اور جو روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ خطاب ہم (صحابہ) کو ہے تو یہ تواضع اور انکساری کی وجہ سے کہا ہے ورنہ خشوع تو صحابہ کرام کی علامت تھی اور ان کے دل سخت نہیں ہونے۔ جیسے دوسرے نصوص اور صحابہ کی تاریخ، قرآن سے ان کی محبت اور خشوع پر دلالت کرتے ہیں جیسے سورۃ زمر آیت 23 میں ہے اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ خشوع سے مراد قرآن کریم کے ذریعے دل کا مطمئن ہونا، اور ایمان زیادہ ہونا، اور ڈرنا اور نرم ہونا اور رونا اور اعضاء میں اتباع پیدا کرنا ہے اس لیے کہ دل کی خشوع کے ساتھ تمام اعضاء کی خشوع لازم ہے لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ دونوں سے مراد قرآن کریم ہے لیکن پہلے لفظ میں ایمان کے مسائل اور عقیدے کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے لفظ میں انفاق فی سبیل اللہ اور دوسرے اعمال کی طرف اشارہ ہے، جو قرآن کریم میں نازل ہوئے ہیں وَ لَا يَكُوْنُوْا یہ تَخْشَعَ پر عطف ہے نصب کی حالت میں ہے اور ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ دل کا خشوع یہود ونصاریٰ کی مشابہت کی سختی سے رکاوٹ ہے، یا یہ مستقل نہی ہے امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اس میں ایمان والوں کی اہل کتاب کی تشبیہ سے منع ہے جب ان پر عمر زیادہ گزر گئی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بدلا اور اس کے ذریعے دنیا کماتے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پیچھے پھینک دیا اور مختلف اوامر اور اقوال کے تابع ہو گئے اور تقلید شروع کی اور پیروں اور مولویوں کو رب سمجھا تو ان کے دلوں میں سختی پیدا ہوئی، نہ تو نصیحت قبول کرتے ہیں اور نہ وعد اور زجر سے ان کے دلوں میں نرمی آتی ہے۔ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ مراد یہ ہے کہ غفلت میں زیادہ وقت گزر گیا اور ان کے پاس کوئی عذاب نہیں آیا بلکہ دنیا کی نعمتیں زیادہ ہو گئیں۔ "وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ" یعنی دل کی سختی سب میں پیدا ہوئی لیکن تھوڑے لوگوں نے توبہ کی، یا کفر سے اپنے آپ کو بچائے رکھا اور زیادہ نے کفر کیا یہاں تک کہ قرآن کریم اور آخری رسول سے انکار کیا یعنی فسق سے مراد کفر کرنا ہے۔

تفسیر 17: اس میں مثال کے طور پر قرآن کی طرف ترغیب ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے خشک زمین میں تازگی پیدا کرتا ہے تو اسی طرح قرآن کے ذریعے سے سخت دلوں کو بھی نرم کرتا ہے، جب وہ ہدایت چاہے۔ اسی طرح اس آیت میں تخویف ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ زمین کو تر وتازہ کرتا ہے اسی طرح تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور تمہیں قسوۃ القلب کی سزا دے گا۔ الْاٰيٰتِ سے مراد قیامت کے دلائل ہیں۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾

"بے شک تصدیق کرنے والے مرد اور تصدیق کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیا انہیں دگنا (ثواب) دیا جائے گا اور ان کے لیے باعزت اجر ہے[18] اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے ہاں صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا بدلہ ہے اور ان کی روشنی ہے اور جو لوگ کافر ہیں اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخی ہیں[19]۔

تفسیر 18 : بخیل لوگوں کو زجر اور تخویف کے بعد اب خرچ کرنے والوں کو بشارت اور ترغیب ہے اَلْمُصَّدِّقِيْنَ تاکید کے لیے مذکر اور مؤنث دونوں کے صیغے ذکر ہیں اسی طرح تصدق اور قرض دونوں کی تعبیر ترغیب کے لیے ہیں۔ پہلی تعبیر میں فقیر اور مسکین کی طرف دیکھنے کا اشارہ ہے اور دوسری تعبیر میں ریاء اور شہرت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے لحاظ کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرح پہلے میں زکوٰۃ اور دوسرے واجبات اور نفلی صدقات کی طرف اشارہ ہے، اور دوسرے میں دعوت اور اشاعت دین میں اور جہاد اور قتال کے لیے خرچ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 19 : ایمان والوں کی ایک قسم ذکر ہوئی جن کو صالحین کہا جاتا ہے، تو اس آیت میں اہل ایمان کی اور اقسام انبیاء، صدیقین، شہداء کا ذکر ہیں اور ان کے لیے بشارت ذکر کی ہے یہ سعداء (خوش قسمت لوگوں) کی اقسام ہیں اور پھر اشقیاء (بدبخت لوگوں) کا بھی ذکر فرمایا ہے اور ان کے لیے تخویف اخروی ہے الصِّدِّيْقُوْنَ صدیق صدق اور تصدیق کرنے میں مبالغہ ہے اور ابن قیمؒ نے طریق الہجرتین میں انسانوں کے طبقات کے عنوان میں لکھا ہے کہ نبوت کے مرتبے کے بعد صدیقیت کا مرتبہ ہے اور یہ ربانیون اور راسخون فی العلم ہیں اور رسول اور اس کی امت کے درمیان واسطے ہیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور مجاہد سے روایت ہے کہ ہر مؤمن باللہ والرسول صدیق ہے تو یہ عام معنی کے ساتھ مراد ہیں وَ الشُّهَدَآءُ (۱) توحید اور رسالت کی شہادت دینے والے (۲) دعوت اور تبلیغ کے ذریعے روز قیامت لوگوں پر گواہی دینے والے (۳) دنیا میں دعوت اور بیان کرنے والے (۴) اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے ہوئے، اس میں یہ سارے احتمالات جائز ہیں۔ فائدہ: اس میں سلف مفسرین کے دو قول نقل کیے گئے ہیں: پہلا یہ کہ وَ الشُّهَدَآءُ، الصِّدِّيْقُوْنَ پر معطوف ہے یعنی ہر مؤمن صدیق اور شہید ہے جیسے اس طرح قول مجاہد سے روایت ہے

اس توجیہ کی بنا پر کہ شُهَدَآءُ کے پہلے تین معانی ہو سکتے ہیں لیکن چوتھا معنی مناسب نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وَالشُّهَدَآءُ نیا کلام ہے اور مبتدا ہے اور وَلَهُمْ اَجْرُهُمْ اس کی خبر ہے اس بنا پر "شُهَدَآءُ کے چاروں معانی مراد ہو سکتے ہیں اور مقصود کلام میں مؤمنین کے اقسام اور مرتبے ذکر کرنا ہے عِنْدَ رَبِّهِمْ: شُهَدَآءُ سے جب پہلا معنی یا تیسرا معنی مراد ہو جائیں تو عِنْدَ سے مراد رب کا حکم ہے یعنی دنیا میں حکم اگر شُهَدَآءُ سے دوسرا معنی مراد ہو جائیں تو عِنْدَ سے مراد قیامت کا دن ہے اور اگر شُهَدَآءُ سے چوتھا معنی مراد ہو جائے تو عِنْدَ سے مراد رب کی قربت اور جنت مراد ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اس میں تقابل کے لیے اشقیاء کا ذکر ہے اور ان کے لیے تخویف ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ⑳

"جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا ہے اور آرائش ہے اور باہم فخر کرنا ہے اور مال اور اولاد میں زیادتی چاہنا ہے اس بارش کی طرح ہے کہ سانوں کو اس کے پودے خوش کر دیں، پھر وہ خشک ہو جاتا ہے پھر تو اسے زرد دیکھتا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رضامندی ہے اور دنیاوی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے [20]۔

تفسیر 20: اس میں ترغیب الی الانفاق کی طرف چوتھا طریقہ ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مالوں میں کچھ باقی فائدہ نہیں ہے، بلکہ جلد ہی فنا ہونے والا ہے تو ضروری ہے کہ اس کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے مغفرت اور جنت کو حاصل کرو۔ اِعْلَمُوْٓا اس میں پانچ طریقوں سے تزہید فی الدنیا ہے اور اس آیت میں احسن ترتیب ہے وہ یہ ہے کہ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا سے دنیا کے سامان مراد ہیں، یا دنیا کی عمر ہے بچپن میں ہر چیز کھیل کی چیز نظر آتی ہے، پھر جب تھوڑا بڑا ہو جائے تو تمام چیزیں تماشا اور مشغلہ نظر آتی ہیں، پھر جب جوانی کے قریب ہو جائے یا جوان ہو جائے تو زیب و زینت سے اس کی محبت ہوتی ہے، پھر جب پختہ عمر کو پہنچ جاتا ہے تو ان چیزوں کے ذریعے ایک دوسرے پر فخر کرتا ہے، پھر جب بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے تو مال پر حرص شروع کر دیتا ہے اور اس کے جمع کرنے میں کوشش کرتا ہے تو یہ عمر ان پانچ حالتوں میں گزر جاتی ہے پھر اس کے بعد موت اور فنا ہے تو اس کو مثال کے طریقے پر ذکر فرمایا ہے۔

كَمَثَلِ غَيْثٍ مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ بارش جب ہو جائیں تو لہلہاتے پودے پیدا ہو جاتے ہیں، پھر سوکھ جاتے ہیں، پھر اس کا رنگ بدل جاتا ہے، تو پھر ریزہ ریزہ بھوس ہو جاتا ہے اسی طرح انسان پہلے جب پیدا ہو جائے تو کچھ زمانے تک تازہ اور خوش ہوتا ہے، پھر اس پر دنیا کے غم شروع ہو جاتے ہیں تو کمزور ہوتا ہے اور رنگ پیلا ہو جاتا ہے، اور پھر بیماری اُس پر آجاتی ہے، پھر بوڑھا ہو جاتا ہے تو مر جاتا ہے اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ راجح یہ ہے کہ اس سے مراد کافر ہیں اس لیے کہ اعجاب تکبر کو کہا جاتا ہے اور دنیا کی چیزوں پر تکبر کرنا کافروں کا کام ہے۔ وَفِي الۡاٰخِرَةِ یعنی وہ دنیا کی زندگی جو ایسے طریقے سے گزر جائے جب کہ دین کے لیے صرف نہ ہو تو آخرت میں عذاب کا سبب بن جاتا ہے وَّ مَغۡفِرَةٌ یعنی اگر دنیا کی زندگی آخرت اور دین کے لیے خرچ کی جائے تو مغفرت اور رضوان کا سبب ہے وَ مَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَآ اس جملے میں ماقبل کے لیے سبب فرمایا ہے یعنی دنیا کی چیزوں کی محبت انسان کو دھوکے میں ڈالتی ہیں تو وہ گزری (پانچ) حالتیں اس سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

سَابِقُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا كَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ۙ اُعِدَّتۡ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ
وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۲۱﴾ مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى
الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ﴿۲۲﴾ۚ

''اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی چوڑائی کی مثل ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے [21] نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے اس کے موجود کرنے سے پہلے بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے [22]۔

تفسیر 21: دنیا سے بے رغبتی کے بعد آخرت کی ترغیب ہے، یعنی دنیا کی زندگی اور مال کے ذریعے انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ مغفرت اور جنت کو حاصل کرو۔ اِلٰى مَغۡفِرَةٍ سبب کا ذکر ہے اور مراد اس سے سبب ہے وہ دنیا کے غرور سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور توبہ کرنا ہے۔ وَ جَنَّةٍ پہلے گناہوں کی مغفرت ہے، پھر اس کے بعد جنت میں داخل ہونا ہے اس لیے اس ترتیب کے ساتھ ذکر فرمایا ہے عَرۡضُهَا عرض لمبائی کے مقابل ہوتا ہے اور عادت یہ ہوتی ہے کہ چوڑائی لمبائی سے کم ہوتی ہے اور جب چوڑائی کا اندازہ آسمانوں و زمین کی طرح ہے تو لمبائی کا تو اندازہ معلوم نہیں ہو سکتا، یا عرض صرف وسعت کے

معنی میں ہے اور یہ ایک جنتی کی جنت کا اندازہ ہے۔ یہ قول قرطبی نے ذکر کیا ہے۔ کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ
مفرد سے مراد جنس ہے یعنی تمام آسمان و زمین ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کیے جائیں اور ایک بنا لیا جائے اُعِدَّتْ
لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بڑی امید ہے اشارہ ہے کہ ایمان کے ساتھ دوسری قید نہیں لگائی ہے یعنی
صرف ایمان کے ساتھ یہ جنت حاصل ہوتی ہے، ہاں اس کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ
گنہگار مؤمن کو سزا دے یا نہ دے لیکن جنت دے گا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یہ دلیل ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت
سے حاصل ہوتی ہے ہاں ایمان اور عمل صالح کو اللہ تعالیٰ نے واضح سبب ٹھہرایا ہے۔ فائدہ: اس طرح آیت سورۃ ال
عمران آیت 133 میں گزرا ہے لیکن فرق اس میں تین طریقوں سے ہے: پہلا یہ کہ وہاں سَارِعُوْا تھا اور یہاں
سَابِقُوْا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ وہاں السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جمع کے ساتھ بغیر حرف تشبیہ کے ذکر ہیں اور یہاں مفرد
کے ساتھ کاف تشبیہ سے ذکر ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ وہاں پرہیزگاروں کا ذکر ہے اور یہاں ایمان والوں کا ذکر ہے۔ فرق
کی وجہ یہ ہے کہ سَارِعُوْا دلالت کرتا ہے کہ مرتبے میں برابر ہیں لیکن ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کے کاموں میں جلدی
کریں اور سَابِقُوْا دلالت کرتا ہے کہ ان کے مرتبوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مسابقت اور فرق ہے اور اسی طرح
مسابقت مسارعت پر مبنی ہے کہ ایک دوسرے سے جلدی کرو تب آگے ہو سکتے ہو تو سورۃ آل عمران میں
پرہیزگاروں کا حال ذکر کرنا تھا اور وہ کامل مؤمن ہیں تو تقویٰ کے مرتبے میں ایک دوسرے کے ساتھ برابر ہیں تو ان
کے ساتھ لفظ مسارعت مناسب ہے اور اسی طرح ان کی بشارت میں تاکید کی وجہ سے ساوات لفظ جمع بغیر حرف تشبیہ کے
ذکر کیا اور اس آیت میں عام ایمان والوں کا ذکر ہے کہ ان کے مرتبوں میں فرق ہے تو ان کے ساتھ مسابقت کی تعبیر مناسب
ہے (واللہ اعلم)۔

تفسیر 22: اس آیت میں وہم کو دور کرنے کے طریقے پر ترغیب الی الانفاق کی پانچویں وجہ ہے، یعنی اگر کوئی وہم کرے کہ
مال نہیں خرچ کرنا چاہیے بلکہ مصائب دور کرنے کے لیے مال محفوظ رکھنا چاہیے تو اس آیت میں جواب دیا کہ مصائب پہلے
سے تقدیر میں مقرر ہیں، وہ مالوں کے ذریعے دور نہیں ہو سکتے اور اسی طرح گزری ہوئی آیت میں سَابِقُوْا کے ساتھ حکم
ہوا تو وہم آیا کہ مسابقت میں تکلیفیں آتی ہیں تو اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ تقدیر میں مقرر ہو تو وہ
ضرور واقع ہوگا۔ فِي الْاَرْضِ قحط، وبا، مہنگائی، سیلاب، زلزلے فصلیں خراب ہونا وغیرہ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ مرض،

فقیری، اولاد کا مرنا، زندگی کا تنگ ہونا وغیرہ" اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ یہ دلیل ہے کہ تقدیر صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے عبارت نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ لوح محفوظ میں لکھی ہے اور کتابت کی تعبیر کے ساتھ بہت سی آیتوں میں ذکر ہے جیسے سورۃ آل عمران آیت 154 سورۃ توبۃ آیت 51 سورۃ مجادلۃ آیت 21 سورۃ حشر آیت 3 سورۃ مائدۃ آیت 21 سورۃ انعام آیت 38، 59 اور بہت سی آیتیں ہیں اور اس باب میں احادیث بھی بہت زیادہ ہیں تو جو کوئی تقدیر سے ان کار کرے یا تقدیر کی کتابت کو نہ مانے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا علم مانے، دونوں باطل عقیدے میں مبتلاء ہیں اگرچہ دونوں میں فرق ہے۔ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ضمیر مصیبت کی طرف راجع ہے، یا زمین نفوس کی طرف راجع ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ" اس کے ذریعے وہ وہم دور کرتے ہے کہ اللہ تعالیٰ آنے والے حالات پر کس طرح علم رکھتا ہے اور اسی طرح بے شمار چیزوں کو کس طرح لکھا ہے اس جملے میں جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کی بہ نسبت آسان ہے یہ مخلوق پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

"تاکہ تم اس نعمت پر غمگین نہ ہو جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس چیز سے اتراؤ جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اللہ تعالیٰ غرور کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا [23] وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور جس نے منہ پھیرا بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز تعریف والا ہے [24]۔

تفسیر 23: اس آیت میں ایمان بالتقدیر کے فائدے ذکر کیے ہیں لِّكَيْلَا اس کا متعلق (اَعْلَمْنَاكُمْ) محذوف ہے یعنی ہم نے تمہیں خبر دی کہ ہر نعمت اور ہر مصیبت پہلے سے مقرر کی گئی ہے، تو پہلا فائدہ یہ ہے کہ انسان سے کوئی نعمت فوت ہو جائے جیسے عافیت، روزی، صحت، مال وغیرہ تو پریشان نہ ہو اور کہے کہ یہ چیز اگر میرے لیے مقرر ہوتی تو مجھ سے فوت نہ ہوتی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وَلَا تَفْرَحُوْا یعنی جس کو کوئی نعمت پہنچ جائے عافیت، مال کی فراخی وغیرہ تو وہ اس پر فخر اور تکبر نہ کرے بلکہ کہے کہ یہ میری کوشش سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کی تھی یعنی انسان اکثر مصیبت کے وقت ناراض اور پریشان ہوتا ہے اور نعمت کے وقت خوش اور غافل اور متکبر ہوتا ہے لیکن اگر تقدیر پر ایمان رکھتا ہے تو ان دونوں امراض سے محفوظ ہوگا بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے گا تو مخلوق کے سامنے اپنی

ضروریات کو پیش نہیں کرے گا۔ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ یہ صفات قبیحہ کا ذکر ہے جو تقدیر سے انکار کے ذریعے پیدا ہوتی ہیں، ان دونوں کے درمیان فرق بہت سی وجوہ سے ہے مختال وہ ہے، کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور فخور وہ ہے جو دوسرے پر اپنی بڑائی ظاہر کرے۔ دوسرا یہ کہ اپنے آپ کو بڑے کے نظر سے دیکھے تو مختال ہے اور دوسرے لوگوں کو حقیر نگاہوں سے دیکھے تو فخور ہے۔ تیسرا یہ کہ مختال جو مصائب کے دور کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ سمجھے اور فخور وہ ہے کہ جو نعمت کے حصول کو اپنی قدرت اور طاقت سے سمجھے۔

تفسیر 24: یہ بخیل لوگوں کے لیے زجر ہے اور تقدیر نہ ماننے کے آثار ذکر فرمائے ہیں یَبْخَلُوْنَ یہ عام ہے مال اور علم اور احسان میں بخل کرنا سب پر مشتمل ہے، بلکہ ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ منکر کے سارے کام اس میں شامل ہیں۔ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ یعنی خود بھی گمراہ ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہی کی طرف بلاتے ہیں، ضَالّ اور مُضِلّ ہیں جیسے سورۃ منافقون آیت 7 میں آیا ہے وَ مَنْ یَّتَوَلَّ یہ ایمان سے اعراض کرنا ہے اور انفاق فی سبیل اللہ اور ایمان بالتقدیر سے اعراض کرنا سب اس میں شامل ہیں۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

"بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور ترازو نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت لڑائی کا سامان ہے اور فائدے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کرے جو اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ زور آور غالب ہے [25] اور یقیناً ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا تھا اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب دی ہے بعض ان میں سے ہدایت یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں [26]۔

تفسیر 25: اس آیت سے سورت کے آخر تک دوسرا باب ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اس میں دعوت بالکتاب اور لوہا استعمال پر جہاد کی طرف ترغیب ہے اور دونوں کے فائدے ذکر کیے ہیں، پھر نوح ابراہیم اور عیسیٰ علیہم السلام سے دلیل نقلی ذکر کی ہے کہ ان سب کا یہ طریقہ تھا، پھر رہبانیت کی بدعت پر زجر ہے، پھر اہل کتاب کو دگنے اجر کے حصول اور اللہ تعالیٰ کے

فضل کے حصول کے ذریعے آخری رسول پر ایمان لانے کے لیے ترغیب ہے، اس آیت (25) میں انفاق کے بعد جہاد کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی طرح اس میں ان لوگوں کی مدافعت مقصود ہے کہ وہ يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ کے ساتھ موصوف ہیں بِالْبَيِّنٰتِ یہ لفظ عقیدے اور دلائل اور معجزات کے واضح احکامات پر مشتمل ہے وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کتاب اسم جنس ہے زیادہ کتابوں کی طرف اشارہ ہے اور مَعَهُمُ میں اشارہ ہے کہ ہر رسول پر اگر چہ کتاب نازل نہیں ہوئی تھی لیکن پہلی کتاب اس کے پاس تھی جیسے تورات موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی لیکن اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک یہ کتاب اور رسولوں کے پاس تھی وَ الْمِيْزَانَ یہ صفت کا عطف صفت پر ہے یعنی وہ کتاب حق اور باطل کے فرق کے لیے میزان تھی یا اس سے مراد عدل کے ساتھ حکم ہے اور امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس پر صحیح عقلیں شہادت دیتی ہیں، یا اس سے مراد وہ شرائع ہیں جو انبیاء کی سنتوں کے ذریعے ظاہر ہوئی ہیں - لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ خلاصہ یہ ہے کہ رسولوں نے کتاب اور سنت کے ذریعے لوگوں کو دعوت دی تاکہ لوگ دین توحید اور اسلام پر مضبوط کھڑے ہو جائیں - وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ پہلے جملے کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ پہلے تو کتاب اور سنت کے ذریعے دعوت ہے اور اس کے بعد لوہے کے آلات کے استعمال کے ذریعے قتال کرنا ہے - اس وجہ سے اس کا پہلا فائدہ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ کے ساتھ ذکر کیا اس سے مراد جنگ کے آلات بنانے ہیں، پھر ہر زمانے میں جتنے بھی جنگ کے اسباب ہیں تو لوہے سے بنائے جاتے ہیں اور اس ترتیب کی طرف ابن کثیر نے بھی تفسیر میں اشارہ کیا ہے - **فائدہ:** لفظ انزال اصل میں اتارنے کے معنیٰ میں ہے، لیکن یہاں آسمانی تدابیر کے ذریعے پیدا کرنا ہے اس لیے کہ بارشوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین اور پہاڑوں میں معدنیات پیدا کرتا ہے اور لوہا بھی معدنیات میں سے ہے اور جن روایات میں آیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے ساتھ لوہے کو آسمان سے اتروایا ہے تو قاسمی نے تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ یہ جھوٹ اور موضوع حدیث ہے - وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ اس میں بہت سی چیزوں کی طرف اشارہ ہے جو انسانی زندگی میں کام آتی ہیں کلہاڑی، تیشہ، آری، چھری، چاقو اور ہل چلانے کی چیزیں مشینری وغیرہ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ یہ فِيْهِ بَأْسٌ. وَ مَنَافِعُ کے معنیٰ پر عطف ہے تقدیری عبارت ایسی ہے يَسْتَعْمِلُهُ النَّاسُ فِي الْحَرْبِ وَيَسْتَنْفِعُوْا بِهٖ وَ لِيَعْلَمَ - یعنی لوہے کے ذریعے جہاد کرو تو اللہ تعالیٰ مدد کرے گا، یا لِيَقُوْمَ النَّاسُ پر عطف ہے - يَّنْصُرُهٗ میں توحید اور رسول کی سنت کے لیے جہاد کرنے کی طرف اشارہ ہے بِالْغَيْبِ یعنی اللہ تعالیٰ اور رسولوں کو دیکھا نہیں ہے اور ان کے لیے جہاد کرتے ہیں، یا غیب دل کے

اخلاص کے معنی میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ اس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 26: اجمال کے بعد تفصیل ہے اور ان دونوں کو خاص ذکر کیا ہے اس لیے کہ مشرکین کے رد کرنے کے طریقے پر دعوت اور جہاد نوح علیہ السلام سے شروع ہے اور ان کی اولاد میں انبیاء آئے ہیں یعنی نوح علیہ السلام دوسرے ابوالبشر ہیں اور ابراہیم علیہ السلام تو ابوالانبیاء والرسل ہیں اس وجہ سے سورۃ عنکبوت آیت 27 میں صرف ان کا ذکر ہوا ہے۔ فَمِنۡهُمۡ ضمیر ذُرِّیَّۃٌ کی طرف راجع ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ انہوں نے دعوت جاری رکھی لیکن بعض لوگوں نے ان کی دعوت کو مانا اور بعض نے انکار کیا۔

ثُمَّ قَفَّيۡنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيۡنَا بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ ۙ وَجَعَلۡنَا فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ رَاۡفَةً وَّرَحۡمَةً ؕ وَرَهۡبَانِيَّةَ اۨبۡتَدَعُوۡهَا مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَيۡهِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ ۚ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾

"پھر ان کے پیچھے ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور انہیں انجیل عنایت کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں نرمی اور مہربانی ہم نے پیدا کر دی اور رہبانیت انہوں نے اس کو ایجاد کیا تھا ہم نے اس کو ان پر فرض نہیں کیا تھا صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کرنا پس انہوں نے اس کی رعایت نہ کی جو اس کی رعایت کا حق تھا، پھر ہم نے ان لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے ان کا اجر دیا اور ان میں اکثر نافرمان تھے [27]۔

تفسیر 27: یہ آیت بھی پہلی تفصیل کے ساتھ متعلق ہے قَفَّيۡنَا یہ قفقا سے ماخوذ ہے ایک دوسرے کے پیچھے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ اشارہ ہے کہ سب کا دین ایک ہے اور اس دین کی طرف سب دعوت دیتے تھے اور سب میں آخری (ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے) عیسیٰ علیہ السلام ہے، وہ بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ماں کی طرف سے تھا اور اس کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے کہ اس نے دعوت اور مجاہدہ بہت محنت سے کیا تھا۔ وَجَعَلۡنَا فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ رَاۡفَةً وَّرَحۡمَةً ؕ وَرَهۡبَانِيَّةَ اس میں نصاریٰ کے تین فرقوں کی طرف اشارہ ہے جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے جس کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد بنی اسرائیل بہتر فرقے بنے ان میں سے تین فرقوں نے نجات پائی، اور دوسری روایت میں ہے کہ ان پر ایسے بادشاہ مقرر ہوئے کہ

انہوں نے ان کے دین میں تحریف کی تو ان کے مقابلے میں ایک فرقے نے قتال شروع کی یہاں تک وہ شہید ہوئے، دوسرے فرقے نے دعوت اور تبلیغ شروع کی تو ان کو آریوں سے چیرا گیا اور آگ پر جلائے گئے، تیسرا فرقہ پہاڑوں اور غاروں کی طرف گیا یعنی اپنے دین کی حفاظت کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اگر چہ داؤد بن المحبر راوی سے ہے (جو وضاع ہے) وہ بے اعتبار ہے لیکن دوسری سند سے اس کی تقویت کی گئی ہے جو ابو یعلی نے لائی ہے تو معلوم ہوا کہ رَأْفَةً میں پہلا فرقہ جو قتال کرنے والا تھا مراد ہے اور رَحْمَةً میں دوسرا فرقہ جو دعوت دینے والا تھا مراد ہے اور تیسرا فرقہ رہبانیت سے مراد ہے وَرَهْبَانِيَّةً میں مفسرین کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ ماقبل پر معطوف ہے اور جَعَلْنَا کے تحت داخل ہے اس بنا پر رہبانیت ان کے لیے جائز تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وَرَهْبَانِيَّةً اضمار علیٰ شرط التفسیر کے طریقے پر منصوب ہے یعنی اِخْتَرَعُوْا رَهْبَانِيَّةً اِبْتَدَعُوْهَا اس قول کی بنا پر ان میں بھی رہبانیت جائز نہیں تھی اِبْتَدَعُوْهَا اس میں دو توجیہات ہیں: پہلی یہ کہ رہبانیت اگر ان میں جائز ہوتے تو ابتداع سے مراد اس کی کیفیت اور طریقہ بدلنا ہے اور مقصد بدلنا اور اس کو بدعت اضافیہ کہا جاتا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان میں اصل سے رہبانیت منع تھی تو ابتداع سے ابتداع حقیقی مراد ہے اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اس استثناء میں بھی دو احتمال ہیں: پہلا احتمال یہ ہے کہ مستثنیٰ متصل ہے اور پہلی توجیہ پر مبنی ہے یعنی رہبانیت اصل میں جائز تھی اور ان پر فرض نہیں تھی مگر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یعنی رہبانیت مقیدہ جائز تھی فَمَا رَعَوْهَا ضمیر رہبانیت کی طرف راجع ہے یعنی انہوں نے رہبانیت میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چھوڑ دیا اس کا لحاظ نہیں کیا اور دنیا کے حصول کے لیے اس کو ذریعہ بنالیا تاکہ لوگ ان کے مرید بن جائیں اور ان سے ھدایا (تحفے) نذرانے جمع کریں اور ان کو حق نہ بیان کریں بلکہ اپنی زندگی کی حیثیت سے سمجھیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہے اور یہ دوسری توجیہ پر مبنی ہے یعنی معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کی رہبانیت کو جائز نہیں کیا تھا لیکن ان پر جہاد اور دعوت کے طریقے پر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا فرض کیا تھا فَمَا رَعَوْهَا: خصلت کی تاویل کے ساتھ ضمیر رضوان کی طرف راجع ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اگر رہبانیت جائز مراد ہے تو "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" میں تینوں فرقے داخل ہیں۔ اور وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ میں وہ داخل ہیں جنہوں نے رہبانیت کو برباد کیا اور آخری رسول سے انکار کیا اور اگر رہبانیت ناجائز ہو تو اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے پہلے دونوں فرقے مراد ہیں اور فَاسِقُوْنَ سے تمام بدعتی اور منکرین مراد ہیں۔ یہاں دو ضروری فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ: رہبانیت کی تحقیق: رہبانیت لغت میں ڈرنے کو کہا جاتا ہے جیسے اس قول میں ہے وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ اور قرآن کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کے خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی منہیات سے اپنے آپ کو بچانا جیسے اس قول میں ہے وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ اور عرف میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اپنے دین کی حفاظت کے لیے غار یا صحرا میں جانا اور تلذذات مباحہ سے اپنے آپ کو بچانا اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا اور اس میں دو حالتیں ہیں: ایک حالت شرعی ضرورت کی وجہ سے جدائی اختیار کرنا ہے جیسے فتنے زیادہ ہوجائیں اور دعوت اور جہاد بالکل نہ ہوسکتا ہو اور اپنے دین پر خوف آجائے تو ایسے وقت میں لوگوں سے ایک طرف ہونا اور صحرا، یا غار میں چلے جانا اور اس کو فِرَار اِلَی اللّٰہِ اور ہجرت کہا جاتا ہے جیسے اصحاب کہف کا واقعہ ہے اور اسی طرح ابوسعید خدری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قریب ہے کہ ایسا وقت آئے گا کہ انسان کا بہتر مال بھیڑ بکریاں ہوں اور بارش کی جگہوں سے پہاڑوں کی چوٹیوں میں لے جائے اپنے دین کے ساتھ فتنوں سے بھاگے گا اور اسی طرح وہ حدیث کہ تمام فرقوں سے ایک طرف ہوجانا اگرچہ درخت کی جڑیں چبانی پڑھ جائیں۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن حدیث 7084، صحیح مسلم کتاب الامارۃ) لیکن اس پر رہبانیت کا اطلاق لغۃً یا مجازاً ہے شرع میں اس کو رہبانیت نہیں کہا جاتا اسی طرح قرآن کے شروع ہونے اور نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا میں چلے جانا۔ دوسری حالت بغیر شرعی ضرورت کے لوگوں سے جدائی اختیار کرنا اور عبادت کرنا اور اپنے اوپر تکالیف اور ریاضت سہنا یہ ہماری شریعت میں قطعاً ممنوع ہے جیسے مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر امت کے لیے رہبانیت ہے اور میری امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے یہ حدیث امام ابن کثیرؒ نے ذکر کی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اس کے بارے میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ان کی شرع میں یہ جائز تھا اور اس کی دلیل وہ توجیہ ہے کہ رہبانیت رَأْفَةً اور رَحْمَةً پر عطف ہے اور یہ بدعت حقیقی نہیں ہے۔ دوسری دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو پہلے ہم نے ذکر کی ہے اور اس میں نجات والوں کے تین گروہ ذکر کیے ہیں ایک اس میں رہبانیت والے ہیں اور اس قول کی بناء پر کہا گیا ہے کہ اس آیت میں نصاریٰ کی قباحت رہبانیت کی وجہ سے بدعت اضافی کی وجہ سے ہے یعنی رہبانیت کی کیفیت اور طریقے اور مقصد کو بدلا ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ رہبانیت ان کے دین میں ہماری شریعت کی طرح منع تھی اور ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ رہبانیت پہلے پر عطف نہیں ہے بلکہ اِبْتَدَعُوْا یا اِخْتَرَعُوْا کے لیے مفعول ہے اور یہ بدعت حقیقی ہے۔ اور دوسری

دلیل امام ابن کثیر کا قول ہے کہ اس نے فرمایا ہے کہ دو وجوہ سے یہ آیت ان کی مذمت میں ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اس چیز کو ایجاد کیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا امر نہیں اور دوسری یہ ہے کہ جس چیز پر یہ گمان کرتے تھے یہ قربت الٰہی ہے اس پر استقامت نہیں کیا اور اس کا لحاظ نہیں کیا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ مفسر قاسمی نے مسیحیان کی کتاب ریحانۃ النفوس سے نقل کیا ہے کہ رہبانیت مقدس کتاب میں نہیں ہے اور نہ اس پر امر شرعی ہے یہ بعد میں لوگوں نے اپنے وہم سے بنائی ہے۔ (یہ اس کے مضمون کا خلاصہ ہے) اور رہبانیت بعد کے عرف میں یہ ہے کہ لوگوں سے کنارہ کشی کرلے اور اپنے اوپر نکاح کو بھی حرام کرلے اور دوسرے حلال طیبات کو بھی حرام سمجھے، یہاں تک کہ وہ جماعت کی نماز بھی نہیں پڑھتا غسل بھی نہیں کرتے اور بعض ختنہ بھی نہیں کرتے، غزل و سرور کے ساتھ روح کی غذا حاصل کرتے ہیں، رقص وغیرہ کرتے ہیں یہ رہبانیت ہر دین میں حرام قطعی ہے۔ لیکن نصاریٰ کے راہبوں اور اسی طرح اس امت کے صوفیوں اور پیروں نے یہ طریقہ ایجاد کیا اور اس کے ذریعے سے لوگوں سے دنیا حاصل کرتے ہیں اور یہ وہ ہیں کہ قرآن کریم نے ان کی حالت کو ذکر کیا ہے "اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (سورۃ توبہ آیت 34) اور ان کا سورۃ مائدۃ آیت 87 میں میں رد ہے۔ **فائدہ:** بدعت کی تحقیق میں ہے اِبْتَدَعُوْهَا بدعت سے ماخوذ ہے اور یہ لفظ عربی ہے تو عرب کی لغت میں بدعت ہر اس چیز کا پیدا کرنا جس کا پہلے سے نمونہ موجود نہ ہو، چاہے دنیاوی چیز ہو، یا دینی، ہو اچھی ہو، یا بری ہو ذات ہو یا طریقہ ہو، اور اس معنی کے میں اللہ تعالیٰ کی صفت میں آیا ہے بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور شریعت کی اصطلاح میں دین میں ہر وہ چیز پیدا کرنا جو دلیل شرعی کے ساتھ دین سے ثابت نہ ہو اور یہ تعریف اس حدیث سے ماخوذ ہے "مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (صحیح بخاری فی الصلح حدیث 2697 صحیح مسلم فی الاقضیۃ حدیث 1718) بدعت کی تعریف میں علماء کی اور عبارات زیادہ ہیں لیکن راجح یہ ہے اس لیے کہ حدیث کے صحیح الفاظ سے ثابت ہے، پھر وہ چیز جو (دین میں کیا گیا) عام ہے عمل ہو، یا قول ہو چاہے عقیدہ ہو، یا ذات ہو، کیفیت ہو اور چاہے مقدار ہو اور چاہے وقت ہو، پھر اس تعمیم کی وجہ سے بدعت دو قسم کی ہے۔ ایک بدعت حقیقی ہے دوسری بدعت اضافیہ (اس پوری تحقیق کے ساتھ رہبانیت کے مسئلے کو الشاطبی نے کتاب الاعتصام صفحہ 286 میں ذکر کیا ہے) بدعت حقیقی وہ ہے کہ کسی چیز کی اصل کو دین سے سمجھ لیا جائے حالانکہ حقیقی وہ دین نہ ہو جیسے رہبانیت ہمارے دین میں، ایک قول کی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں اور جیسے رقص بینڈ باجے بجانا یہ

دین میں سے نہیں ہے بلکہ معصیت ہے، لیکن بعض صوفیوں نے اس کو دین اور ثواب کہا ہے اور میلاد میں خوشی منانا۔ اور عرس کرنا اور بدعت اضافیہ وہ ہے کہ جس کی اصل دین میں ہو لیکن کیفیت اور طریقہ اور مقدار اور اس کے وقت کو اپنی طرف سے بنایا جائے اور اس کو ثواب کہا جائے جیسے رہبانیت مخترع عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں دوسرے قول کے مطابق اس کی اور مثالیں اس امت میں زیادہ ہیں جیسے اجتماعی کیفیت سے دعائیں فرض اور سنت نماز کے بعد، یا جنازے کے بعد، قرآن کے ختم کے لیے اجتماعی کیفیت بنانا اور صدقات کے لیے وقت اور دنوں کی تعیین کرنا جیسے جمعہ، چالیسواں، یا برسی وغیرہ اس کو بدعت اضافیہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اصل کے لیے دلیل شرعی ہوتی ہے لیکن ہیئت اور کیفیت کے لیے دلیل نہیں ہے اور اصل کے ثابت ہونے کے ذریعے کیفیت کا اثبات لازم نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مستقل دلیل ضروری ہے جیسے دعا اور درود پڑھنا شریعت میں ثابت ہے لیکن اس میں ثواب کے لیے اجتماعی کیفیت کو بدعت اضافیہ کہا جاتا ہے اسی وجہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص پر رد کیا اس کام کو بدعت کہا جس نے ذکر کرنے کے لیے خاص حلقہ اور ہیئت بنائی تھی جیسے اعتصام صفحہ 132 جلد 1 میں شامی میں صفحہ 256 جلد 5 میں مصنف عبدالرزاق میں صفحہ 222 جلد 3 میں لکھا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا اور تمہارے لیے روشنی پیدا کر دے گا جس کے ساتھ تم چلو پھرو گے اور تمہارے گناہ بھی معاف کرے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [28]۔

تفسیر 28: جب پہلے اہل کتاب کا حال اس قول وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ کے ساتھ ذکر ہوا تو اس آیت میں ان کو دعوت ایمان بالرسول دے رہا ہے تا کہ فسق سے بچ جائیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے مراد پرانے ایمان والے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں اور آخری رسول کے زمانے میں موجود ہوں اور یہ ابن عباس اور اکثر سلف صالحین کا قول ہے سورۃ قصص آیت 54 کے قرینے کے ساتھ اور حدیث صحیح کے قرینے سے جس میں آیا ہے کہ تین قسم لوگوں کو دگنا اجر دیا جاتا ہے، تو ایک اس میں کتابی ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا ہو اور آخری نبی ﷺ پر بھی ایمان

لا یا صحیح بخاری کتاب العلم حدیث 97 صحیح مسلم حدیث 154 وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس سے مراد شرک اور تثلیث اور تشبیہ کے عقیدے سے اپنے آپ کو بچانا ہے جو یہود ونصاریٰ نے اپنی طرف سے بنایا ہے وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ اضافت عہد کے لیے ہے اور اس کے ساتھ معہود آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ کفل اصل میں اس پرانے کمبل کو کہا جاتا ہے جو اونٹ کی پیٹھ پر بچھایا جاتا ہے تاکہ بندہ سواری سے گر نہ جائے اور پھر ثواب کے حصے کو کہا جاتا ہے جو انسان کو بدبختی سے بچاتا ہے اس سے مراد دو چند ثواب ہے۔ سوال: یہ تو دو کام ہیں پہلے نبی پر ایمان اور آخری نبی پر ایمان اور دو نیک اعمال سے تو ضرور دو ثواب ملتے ہیں پھر خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ جواب: اس میں ہر ایمان پر مستقل دو ثواب ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ دوسرا ایمان اس کے ساتھ پیوست ہو جائے تو گویا دونوں ایمان پر چار ثواب ہوئے وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا اس سے مراد وہ نور ہے جو قرآن کریم کے ذریعے حاصل ہوتا ہے دنیا میں قرآنی علوم کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں وہ ہے جو اس سورت میں آیت 12، 19 میں دو مرتبہ ذکر ہوا۔ تَمْشُوْنَ بِهٖ: مَشْي سے مراد دنیا میں قرآن اور سنت کے موافق زندگی گزارنا یعنی مَشْي میں دنیاوی بشارت کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارا غلبہ ہوگا اور تمہاری شہرت اور عزت بھی ہوگی اور اسی طرح سورۃ انعام آیت 122 میں بھی ہے اور اس نور کی مثال سورۃ نور آیت 35 میں بھی ذکر کی ہے۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

"تاکہ نہ سمجھیں اہل کتاب کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہیں اور یہ کہ فضل صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ اس کو جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے [29]۔

تفسیر 29: اس آیت میں تین توجیہات ہیں: پہلی توجیہ یہ ہے کہ پہلی آیت کے مضمون کے ساتھ متعلق ہے وہ یہ کہ اگر تم اس رسول پر ایمان لے آؤ تو وہ تین فائدے دے گا (جو پہلے ذکر ہوئے ہیں) تاکہ وہ اہل کتاب جو ایمان نہیں لائے سمجھ جائیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی فضل پر قادر نہیں ہیں یعنی ان گزرے ہوئے فوائد پر، اس توجیہ کی بنا پر لِئَلَّا میں حرف لا زائد ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد وہ ثواب ہے جو پہلی آیت میں ذکر ہے اور اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو آخری رسول پر ایمان نہیں لائے۔ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ ضمیر ان اہل کتاب کی طرف راجع ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ

مقدر کے ساتھ متعلق ہے جو اَرْسَلْنَا هٰذَا الرَّسُوْلَ فِی الْقُرْبِ مِنْ غَیْرِ اَهْلِ الْكِتٰبِ ہے حرف لا زائد نہیں ہے اور اَلَّا يَقْدِرُوْنَ کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف راجع ہے اور فضل سے مراد رسالت اور فضیلت ہے اور نفی جب نفی پر داخل ہو جائے تو معنی اثبات پیدا کرتی ہے تو معنی یہ ہوا کہ یہ رسول اہل کتاب کے علاوہ میں بھیجا ہے تاکہ تمام اہل کتاب سمجھ جائیں کہ یہ نبی اور امت اللہ تعالیٰ کے فضل پر طاقت رکھتے ہیں جو رسالت اور فضیلت ہے۔ **تیسری توجیہ** یہ ہے کہ یہ مقدر کے ساتھ متعلق ہے جو دَعَوْنَا اَهْلَ الْكِتٰبِ لِلْاِيْمَانِ بِهٰذَا الرَّسُوْلِ اور لَا حرف (زائد) نہیں ہے اور لَا يَقْدِرُوْنَ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے لیکن فضل سے مراد جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی توفیق ہے اور لا، لا پر داخل ہوا ہے تو ثبوت کا فائدہ دیتا ہے اور اس میں مقصود اہل کتاب نصاریٰ کا رد ہے وہ رہبانیت اختیار کرنے کے لیے یہ بہانہ کرتے کہ ابھی تو رسول نہیں ہے اور مشرکین عرب سے کہتے تھے کہ جب آخری نبی مبعوث کیا جائے گا ہم اس کی اقتداء میں تمہارے ساتھ جہاد اور قتال کریں گے (جیسے يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کی تفسیر میں گزرا ہے) تو معنی یہ ہوا کہ ہم نے تمہیں دعوت دی ہے کہ آخری رسول پر ایمان لے آؤ تاکہ اہل کتاب (راہب) باخبر ہو جائیں کہ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کرنے پر طاقت پائی اور یہ توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے۔

سورۃ الحدید کی خصوصیات:

۱۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اس سورۃ میں مذکور ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کثرت سے مال خرچ کرنے پر ترغیب۔

۳۔ جنت وجہنم کے درمیان دیوار جس کو اعراف بھی کہتے ہیں۔

۴۔ لوہے کے فوائد کا ذکر۔ ۵۔ بدعتِ رہبانیت پر رد۔

۶۔ دنیا سے بے رغبتی پر کثرت سے ترغیب۔

سورۃ الحدید کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور فضل سے مکمل ہوئی

ایاتها ۲۲ | ۵۸ سورۃ المجادلۃ مدنیۃ ۱۰۵ | رکوعاتها ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ
بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ
لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ کے ساتھ اپنے خاوند کے بارے میں بحث کر رہی تھی اور شکوہ کر رہی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا بے شک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے [1] تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہے نہیں ہیں یہ ان کی مائیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے یقیناً یہ لوگ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے [2]۔

سورۃ المجادلۃ (دال کی زیر اور زبر دونوں کے ساتھ) اور اس کو سورۃ ظہار اور سورۃ قد سمع بھی کہا جاتا ہے۔

ربط: اس سورت کا ربط ماقبل سورت سے چند وجوہ سے ہے **پہلی وجہ** یہ ہے کہ پچھلی سورت میں عالم کی اصلاح کے لئے انفاق اور جہاد کرنے کی ترغیب تھی تو اس سورت میں فساد کرنے والوں کے لئے زجر ہے۔ **دوسرا طریقہ** یہ ہے کہ اُس سورت میں منافقین کا تخویف کے ساتھ مختصر ذکر تھا تو اس سورت میں ان کی تفصیلی خباثت بیان کی ہے۔ **تیسرا طریقہ** یہ ہے کہ گزشتہ سورت میں اہل کتاب کی بدعت کا رد تھا تو اس سورت میں جاہلیت کے عوام کی بدعت کا رد ہے اور وہ ظہار کے سبب سے بیوی کو حرام کرنا ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: فساد کے طریقوں پر زجر اور منع ہے، فساد کے چھ طریقے ذکر کیے ہیں (۱) ظہار کے ذریعے حرام کرنا (۲) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محادۃ (۳) گناہ اور عدوان کے لئے مشورے کرنا (۴) غیر شرعی طریقے سے سلام کرنا (۵) جھوٹی قسم کھانا (۶) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور دعوے کا ماخذ آیت 5 اور آیت 20 میں ہے اور اس

سورت میں شرک فی العلم کا رد ہے اور گیارہ اسمائے حسنیٰ ذکر کیے ہیں

سورت کا خلاصہ: یہ سورت دو ابواب میں تقسیم ہے پہلا باب آیت 14 تک ہے اس میں تَحْرِيمُ بِالظِّهَارِ پر رد کا سبب ذکر کیا ہے پھر تَحْرِيمُ بِالظِّهَارِ کا رد ہے اور اس کا کفارہ ذکر فرمایا ہے پھر تخویف کے ساتھ ساتھ محادہ کرنے والوں کا رد ہے پھر اللہ تعالیٰ کے علم کے عموم کو نجوی کرنے والوں کی تخویف کے لیے ذکر کیے ہیں اور غیر شرعی مشورے کا اور غیر شرعی تحیہ کا رد کرتا ہے جو سب فساد کے اسباب ہیں پھر ایمان والوں کی اصلاح کے لیے تین قوانین ذکر کیے ہیں جو نجوی کے ساتھ متعلق ہے۔ پہلا قانون نجوی کے مقصد میں فرق کرنا۔ دوسرا نجوی کی مجلس کے آداب دوست واحباب کے اکرام کے ساتھ۔ تیسرا قانون نجوی کی شرط مالی صدقہ دینے کے ذریعے سے اخلاص کے لئے اور اس میں تخفیف کا ذکر ہے۔

تفسیر 1: قَدْ سَمِعَ: اللہ تعالیٰ کی صفت ہے ظاہری معنی میں ہے اور تشبیہ اور تمثیل اور تکییف اور تاویل کی محتاج نہیں ہے اور یہاں سَمِعَ قبولیت کے لئے مستلزم مراد ہے جیسے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ میں صحیح بخاری (کتاب التوحید حدیث 7386، ابن ماجہ کتاب السنۃ 188، سنن نسائی حدیث 3490 نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ذکر کیا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَسِعَ سَمْعُهُ الْاَصْوَاتَ لَقَدْ جَآءَتِ الْمُجَادِلَةُ تَشْكُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا فِيْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ مَا اَسْمَعُ مَا تَقُوْلُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ سَمِعَ صدیقہ کائنات فرماتی ہے اللہ تعالیٰ کی قوت سماعت سے قربان جائیں میں نے اپنی کمرے میں خولہ کی گفتگو نہیں سنی جبکہ رب کریم نے عرش پر سن لی (الآیۃ) دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَشْكُوْا اِلَيْكَ۔ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا: اس عورت کا نام خولہ بنت ثعلبہ ہے اور خولہ بنت مالک بن ثعلبہ بھی اس کو کہا جاتا ہے اور خاوند کا نام اوس بن صامت رضی اللہ عنہ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا جھگڑا سوال و جواب کے ذریعے تھا کہ اس نے کہا کہ میرے شوہر نے میرے ساتھ ظہار کیا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مجھے اس کے بارے میں کوئی وحی نہیں آئی ہے پھر اس نے کہا کہ آپ کے پاس ہر چیز کے بارے میں وحی آتی ہے تو اس بارے میں وحی کیوں نہیں ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی بات ہے جو میں نے آپ سے کہہ دی۔ وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ: اشتکاء سے مراد اپنا غم ظاہر کرنا ہے جیسے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (سورۃ یوسف آیت 86) اسی طرح پہلے ایک روایت میں ذکر ہوا کہ اس عورت نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ اَشْكُوْا اِلَيْكَ (تفسیر ابن جریر 33827 حاکم 481 امام ذہبی نے اس کو علی شرط مسلم قرار دیا ہے) تو معلوم ہوا کہ بخاری کی روایت میں تَشْكُوْا اِلٰى

رَسُوْلِ اللّٰه مجازاً کہا گیا ہے اس سے مراد نبی ﷺ کے ساتھ جدال (مباحثہ) کرنا ہے وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا: یہ قرینہ ہے کہ تُجَادِلُكَ سے مراد محاورہ کرنا ہے، جھگڑا کرنا مراد نہیں ہے لیکن اس خاتون کے لہجہ میں سختی تھی اس کے پریشان ہونے کی وجہ سے تو اس کو جدال کہا گیا ہے۔

تفسیر 2: اس آیت میں جہالت کی رسم کا رد ہے اور وہ فساد اور تفریق کا سبب تھا وہ یہ کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا کہ آپ مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو وہ اس کو ماں کی طرح ہمیشہ حرام سمجھتا تھا اور طلاق ابدی سمجھتا تھا اور اس کا رد تین طریقوں سے کیا ہے ایک یہ کہ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ دوسرا لَمُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ۔ تیسرا طریقہ وَ زُوْرًا۔ يُظٰهِرُوْنَ ظہار سے ماخوذ ہے اور ظہار ظہر سے ہے ظہر اصل میں کمر (پیٹھ) کو کہا جاتا ہے اور یہ سواری سے کنایہ ہوتا ہے اور سواری سے مراد جماع کرنا ہے اور ان الفاظ کا استعمال یہ ہوتا ہے کہ بیوی سے کہہ دے اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح (حرام) ہے اور اسی طرح ماں کی جگہ دادی ذکر کرے اور اگر بیٹی یا بہن یا دوسرے محرمات کے ساتھ تشبیہ دے تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس سے ظہار لازم ہوتا ہے مِنْكُمْ: یہ لفظ دلیل ہے کہ ظہار صرف مرد کا حق ہے طلاق کی طرح اور وہ قول صحیح نہیں ہے جو یہ کہہ دے کہ عورت کی جانب سے بھی ظہار ہو سکتا ہے۔ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ: اس سے مراد بیویاں ہیں لہٰذا لونڈی کے ساتھ ظہار نہیں ہو سکتا مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ: یعنی یہ شرعاً ناجائز ہے اور اہل عقل بھی اس کو برا سمجھتے ہیں۔ وَزُوْرًا: یعنی حقیقت (واقع) کے خلاف ہے اس لیے کہ یہ جب جملہ خبریہ ہو جائے تو بیوی ماں نہیں ہے۔ اور اگر یہ جملہ انشائیہ ہو تو بیوی مستقبل میں بھی شوہر کے لئے ماں نہیں بن سکتی ہے۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ: عفو منکر کے مقابلے میں اور غفور زور کے مقابل ہے اس شرط کے ساتھ کہ کفارہ ادا کریں اور توبہ کریں۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کر لیں، تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے [3] پھر جو شخص

نہ پائے تو دو مہینے لگاتار روزے رکھے، اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے، یہ اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے [4]۔

تفسیر 3: اس آیت میں ظہار کے کفارے کی تفصیل ہے، یعنی ظہار سے ابدی تحریم نہیں آتی بلکہ فقط کفارہ لازم ہوتا ہے۔ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا: اس میں مفسرین نے احتمالات لکھے ہیں: پہلا یہ کہ اس لفظ کا تکرار کرے تو یہ عود (پلٹنا) ہے۔ دوسرا یہ کہ جاہلیت میں ظہار کیا ہو اور پھر اسلام میں کر دے۔ تیسرا یہ کہ حلال کرنے کے لیے جماع کا ارادہ کرے اور لِمَا قَالُوا سے مراد لِنَقْضِ مَا قَالُوا یا عبارت میں تقدیر ہے یعنی يَعُودُونَ لِتَحْلِيلِ مَا حَرَّمُوا: چوتھا عود یہ ہے کہ طلاق کے بعد اتنا زمانہ اس کو بسائے رکھے جس میں طلاق دی جا سکتی ہو لیکن طلاق نہ دے۔ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا: مَسّ سے مراد جماع ہے اور ہاتھ کے ساتھ لَمَسْ اور قبل بھی اس میں داخل ہے۔ لیکن اگر کفارے سے پہلے جماع وغیرہ کیا ہو تو صحیح یہ ہے کہ استغفار کرے اور کفارہ ایک ہوگا۔ تُوعَظُونَ بِهِ: وعظ ڈانٹ اور منع کو کہا جاتا ہے یعنی کفارہ میں مقصد زجر بھی ہے اور مغفرت بھی ہے۔

تفسیر 4: اس ترتیب سے کفارہ ضروری ہے، پہلے غلام آزاد کرنا اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو مہینے روزے ہیں اور اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اس کے تفصیلی مسائل تفسیر قرطبی میں اور اسی طرح فقہاء اور محدثین کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ فائدہ: گردن آزاد کرنے کے ساتھ: فَمَنْ لَمْ يَجِدْ اور صیام کے ساتھ: فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ: ذکر کیا ہے یہ اس لیے کہ وَجَدَ اکثر مالی قوت کے ساتھ ذکر ہوتا ہے جیسے سورۃ طلاق آیت 6، میں ہے اور استطاعت اکثر بدنی طاقت میں ذکر ہوتی ہے۔ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ: اس ترتیب سے کفارہ دینا اور اسی طرح ظہار کے قول سے اپنے آپ کو بچانا اور کفارے کے وقت تک اپنے آپ کو مِساس (جماع) سے بچانا ان سب کو ایمان کی تعبیر کے ساتھ ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ اعمال بھی ایمان ہے۔ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ: حدود وہ ہوتی ہے جس کی تعیین کی گئی ہو اور اس کی وجہ سے اس میں کمی اور زیادتی کرنا منع ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے احکام میں بدعت کے ذریعے زیادتی اور فسق کے ذریعے اس میں کمی حرام ہے۔ وَلِلْكَافِرِينَ: یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کی حدود سے انکار کرتا ہے تو وہ کافر حقیقی ہے اور جو کوئی انکار نہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے تو کافر حکمی ہے، اس لفظ میں کفر کے دونوں مرتبوں کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ۚ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ؒ

ع

"بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، ذلیل کیے گئے ہیں جیسے ذلیل کیے گئے تھے، وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے اور تحقیق ہم نے واضح آیات نازل کی ہیں اور کافروں کے لیے رسوائی کا عذاب ہے [5] جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو ان کو خبر دے گا ان کے اعمال کی اللہ تعالیٰ نے اس کو شمار کیا ہے اور انہوں نے اس کو بھلا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے [6]۔

تفسیر 5: حدود ذکر کرنے کے بعد حدود کی مخالفت کرنے والوں کے لیے تخویف ذکر کی ہے۔ یُحَآدُّوْنَ: محادّہ حدود شرعیہ کی مخالفت کرنا اور اپنی طرف سے حدود مقرر کرنے کو کہا جاتا ہے اور حدود لفظ عام ہے اور وہ سزائیں اس میں شامل ہیں جو شریعت نے مقرر کی ہیں جیسے زنا کی حد سو کوڑے، یا رجم کرنا اور چوری کرنے والے کی حد ہاتھ کاٹنا اور قذف کی حد (زنا کی تہمت لگانا) اسی کوڑے مارنا اور قصاص ہے اور اسی طرح ان تمام احکامات پر مشتمل ہیں جو کتاب اللہ اور صحیح حدیث سے ثابت ہوں۔ مفسر آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں تفصیلی بحث لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں بادشاہ اور امراء سوء کے لیے سخت زجر ہے جو حدود شرعی کی مخالفت میں اپنی طرف سے احکام مقرر کرتے ہیں اور اس کو قانون کا نام دیتے ہیں، پھر کہا ہے کہ جب قانون اور شریعت کے درمیان مقابلہ آ جائے تو جو کوئی قانون کو بہتر سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ قانون کو اچھا کہے اور حکمت کے موافق اور مفید سمجھے اور حکم شرعی کو برا سمجھے، اور کہے کہ یہ انسانی مصلحت کے خلاف ہے ہاں وہ امور سیاسی انتظامی تعزیرات کے، یا فوجی نظام کے بارے میں جو اصحاب الرائے اس کو بناتے ہوں اور شریعت کے اصول کے ساتھ مصادمہ (ٹکراؤ) نہ ہو، یا صرف فقہی اجتہادی اصولوں سے مخالف ہوں تو وہ جائز ہے، اس باب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب السیاسۃ الشرعیہ دیکھنی چاہیے۔ **فائدہ:** محادّہ اکثر منافقین کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے جیسے سورۃ توبہ آیت 63 میں ہے اس لیے کہ اس میں مخالفت مخفی طور پر ہے اور مشاقۃ اکثر واضح کفر کرنے والوں کے بارے میں ذکر ہوتا ہے جیسے سورۃ حشر آیت 4 میں ہے اور سورۃ انفال آیت 13 میں ہے اور مبتدعین بھی اس آیت کے مصداق میں داخل ہیں اس لیے کہ بدعتی بھی عبادات کی مقدار یا وقت یا کیفیت اپنی طرف سے ایسے

بنا تا ہے کہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا ہے۔ کُبِتُوْا: کبت، ذلت اور شرمندگی اور ہلاکت اور لعنت اور راندئے منہ کرنے کے معنی میں آتا ہے اور یہ جملہ خبریہ ہے مستقبل کے معنی میں ہے، یا بندوں کو تعلیم کے طور پر جملہ دعائیہ ہے کَمَا کُبِتَ الَّذِیْنَ: اس سے مراد وہ یہودی ہیں جن کے ذلیل ہونے کا ذکر سورۃ بقرۃ اور سورۃ نسآء میں گزرا ہے اور سورۃ حشر میں بھی آتا ہے۔ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ: اس سے مراد احکام اور حدود الٰہی ہیں محادین جس کی مخالفت کرتے ہیں۔ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ: گزری ہوئی آیت میں الکافرین سے مراد ظہار کے حکم کا انکار کرنے والے ہیں اور یہاں حدود اللہ کے عام منکرین مراد ہیں اور اس آیت میں ان کی دنیاوی ذلت ذکر کی ہے تو اس کی مناسبت سے "عَذَابٌ مُّهِیْنٌ" ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر 6: یہ بھی تخویف میں داخل ہے۔ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا: اشارہ ہے کہ اگرچہ دنیا میں محادین کی مخالفت پوشیدہ تھی لیکن قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کردے گا اَحْصٰىهُ اللّٰهُ یہ یُنَبِّئُهُمْ کی دلیل ہے احصاء شمار کرنے میں گھیرنے کے معنی میں ہے یعنی ایک بھی رہ نہ جائے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ: مشاہدے سے ماخوذ ہے دیکھنے کے معنی میں ہے یا شہود سے ماخوذ ہے حضور اور علم کے معنی میں یعنی حاضر ناظر اور عالم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ؗ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَیَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے؟ تین آدمیوں کا مشورہ نہیں ہوتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان میں چوتھا ہے، اور نہ پانچ آدمیوں کا مگر یہ کہ اللہ ان کا چھٹا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ ہی اس سے زیادہ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے وہ جہاں ہوں، پھر قیامت کے دن ان کے اعمال کی ان کو خبر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے [7] کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں مشاورت سے منع کیا گیا ہے پھر اس چیز کی

طرف پلٹتے ہیں جس سے وہ منع کیے گئے ہیں اور گناہ ظلم اور رسول کی نافرمانی کا مشورہ کرتے ہیں۔ اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تمہیں اس طریقے سے سلام کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طریقے سے سلام نہیں سکھلایا اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے کہنے سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لیے جہنم کافی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے پس وہ بری جگہ ہے [8]۔

تفسیر 7: یہ ماقبل (وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ) کے لیے تاکید ہے اور تنبیہ ہے کہ مشورہ کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی گناہ کا مشورہ نہ کرو، اللہ تعالیٰ تم پر عالم ہے۔ اس آیت میں پہلے جملے میں مکانات کے اعتبار سے عمومِ علم بیان کیا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ایک مکان کے ساتھ خاص نہیں ہے اور دوسرے جملے میں مشورہ کرنے کے وقت لوگوں کی گنتی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے علم کا عموم ذکر فرمایا ہے اور تیسرے جملے میں قیامت کے دن جزا دینے پر تنبیہ ہے، اور چوتھے جملے میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا عموم ہے ہر چیز کی طرف چاہے مکان ہو زمان ہو اور چاہے عدد ہو یا قول یا عمل ہو، یا چاہے ماضی ہو، یا حال ہو یا مستقبل ہو وغیرہ۔ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى: مَا نافیہ ہے۔ يَكُوْنُ كَانَ مَا کی طرف وجود کے معنی میں ہے۔ مِنْ نَّجْوٰى۔ مِنْ نفی کی تعمیم کے لیے ہے۔ نَّجْوٰى مصدر ہے مشورہ کرنے کو کہا جاتا ہے اور ثلٰثة کی طرف مضاف ہے، یا مضاف محذوف ہے یعنی اہل نجوٰی اور ثلثة صفت ہے اور نجوٰی کی سِر میں فرق سِر اپنے پاس راز پوشیدہ رکھنا جبکہ نجوٰی اور لوگوں سے چھپ کر دوسرے کے ساتھ مشورہ کرنا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ سِر دو آدمیوں کے درمیان اور نجوٰی دو سے زیادہ شخصوں کے درمیان ہو سکتا ہے۔ ثَلٰثَةٍ اور خَمْسَةٍ: کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے کہ اکثر مشورے کے وقت دو طرف ہوتے ہیں اور ایک فیصلہ کرنے والا اس میں ضروری ہوتا ہے تو اس کی کم تعداد تین ہوئی اور پھر پانچ ہوئی اور ضرورت کے سبب سے کبھی کم ہوتے ہیں اور کبھی زیادہ تو اس کو وَ لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ کے ساتھ ذکر کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بہتر عدد زوج کی بہ نسبت وتر (طاق) ہے اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ: ثَالِثُهُمْ نہیں کہا ہے اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی جنس سے نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ ہے جیسے چوتھا تین سے غیر ہوتا ہے اور اس سے مراد عدد میں واقع ہونا نہیں بلکہ معیت مراد ہے جیسے اس کے بعد مَعَهُمْ ذکر کیا ہے اور اس ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ تین آدمیوں کے مشورے میں (مثلاً) دو آدمی باتیں کرتے ہیں اور تیسرا اکیلا رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تسلی دیتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں اور معیت کی تفسیر سورۃ حدید میں گزری ہے اور اس کی تفسیر میں ابن جریر نے لکھا ہے کہ امام ضحاک نے فرمایا ہے کہ اللہ

تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور علم اس کا مخلوق کے ساتھ ہے وہ جس جگہ میں موجود ہو۔ اور امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے علم کے اعتبار سے معیت مراد ہے اور اس میں شک نہیں ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کا تابع علم کے ساتھ محیط ہے اور اس کا بصر (دیکھنا) تمام مخلوق میں نافذ ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کو علم کے ساتھ شروع کیا ہے اور علم کے ساتھ اس کو ختم کیا ہے۔

تفسیر 8: گزشتہ آیت میں تنبیہ ذکر کی کہ مشورہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر سمجھو، یعنی ناجائز مشورے مت کرو تو ابھی اس میں فساد کرنے والوں کے چار کاموں پر زجر ہے: پہلا جس مشورے سے منع کیا گیا ہے اس کی طرف پلٹنا۔ دوسرا ناجائز کاموں کے لیے مشورے کرنا۔ تیسرا سنت کے خلاف سلام کرنا چوتھا اپنے آپ کو عذاب اور گناہ سے پاک سمجھنا اور یہ کام منافقین، یہودیوں، فاسقوں اور کافروں سب میں موجود ہیں تو آیت سب کو شامل ہے نُهُوا عَنِ النَّجْوٰی: یہ نہی سورۃ نساء آیت 114 میں بھی ہے اور اسی طرح امام ابن کثیرؒ نے حدیث ذکر کی ہے کہ جس میں مشورہ سے منع کرنا موجود ہے (صحیح بخاری کتاب الاستیذان حدیث 6290 صحیح مسلم کتاب السلام حدیث 2184) اور النجوی میں الف لام عہدی ہے یعنی معصیت اور ایمان والوں کو ناراض کرنے کے لیے مشورہ کرنا۔ بِالْاِثْمِ: اس سے مراد ہر وہ گناہ ہے جو حقوق اللہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جیسے کفر، شرک، جھوٹ بولنا اور بدکاری وغیرہ۔ وَ الْعُدْوَانِ: وہ گناہ جو بندوں کے حقوق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جیسے ظلم کرنا، بہتان باندھنا، غیبت کرنا، غیر کا مال غصب کرنا وغیرہ۔ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ: ہر وہ گناہ ہے جو پیغمبر کے حق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جیسے اس کی سنت کی مخالفت کرنا، اس کی بے ادبی کرنا، بدعات اور رسم ورواج کرنا۔ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ: اس میں وہ الفاظ اور سلام کے طریقے شامل ہیں جو شریعت کے خلاف ہوں جیسے لفظ اَلسَّامُ عَلَيْكَ خوش آمدید، جی آئی نو، اَنْعِمْ صَبَاحًا (صبح تیری اچھی ہو) دن تیرے اچھے ہوں یا انگلیوں اور ہاتھ اٹھانے کے ساتھ سلام کافی سمجھنا اور ابتدا السلام علیکم کے ساتھ نہ کرنا اور ایسی حالت میں وہ سلام کا جواب کے حقدار نہیں ہے۔ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ: اللہ تعالیٰ نے تحیہ کو لفظ سلام کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسے وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، وسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۔ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا: مقصد یہ ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی بے ادبی کو گناہ نہیں سمجھتے اس لیے کہ اب تک ان پر عذاب نہیں آیا۔ بِمَا نَقُوْلُ: اس سے مراد ناجائز مشورے اور سلام میں تحریف ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ

التَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۞ إِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ

بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞

"اے ایمان والو! جب تم مشورے کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کے مشورے نہ کرو اور نیکی اور تقویٰ کے مشورے کرو، اللہ تعالیٰ سے ڈر جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے [9] یقیناً اس قسم کے مشورے شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ ایمان والوں کو غمگین کر دے اور ایمان والوں کو یہ کچھ ضرر نہیں دے سکتا مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں [10]۔

تفسیر 9: فسادیوں کو ناجائز مشورے کرنے پر زجر کرنے کے بعد ایمان والوں کے لیے مشورے کرنے میں پہلا اصلاحی قانون ذکر فرمایا ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی ایمان والے کسی مشورے، یا میٹنگ، یا ایک اجلاس کی طرف بلائے تو ضروری ہے کہ ناجائز اجلاس کرنے اور اس کی شرکت سے اپنے آپ کو بچائیں۔ إِذَا تَنَاجَيْتُمْ: اس شرط لگانے میں اشارہ ہے کہ مشورے کرنا مامور بہ نہیں ہیں لیکن اگر مشورے کرنے کی ضرورت آجائے تو میٹنگ میں ادب کا لحاظ کرو۔ بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى: برّ مامورات کے امتثال کی طرف اشارہ ہے اور تقویٰ منہیات سے اجتناب کی طرف اشارہ ہے، یا برّ مخلوق کے ساتھ احسان کرنا اور تقویٰ حقوق اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ تقابل سورۃ نساء آیت 114 میں مشورے کرنے میں تین مامورات سے استثناء کیا ہے اور اس آیت میں دو اعمال کے ساتھ حکم ہے وجہ یہ ہے کہ سورۃ نساء میں يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ذکر کیا ہے یعنی اقوال کے بارے میں منافقین کی میٹنگ اور حکم کرنا بھی باتوں کی قبیل سے ہیں تو اس سورت میں إِلَّا مَنْ أَمَرَ کے ساتھ تین مامورات کا ذکر کیا اور اس سورت میں اس کا محاذہ ذکر کیا ہے اور محاذہ (مخالفت) کرنا عمل ہے اور برّ اور تقویٰ محادے سے خلاف عمل کرنا ہے تو یہاں یہ دونوں عمل مشورے کے لیے خاص کیے ہیں۔ پھر فرق کی وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں منافقین کے مشورے کرنے کا رد کرنا مقصود ہے اور منافقین کی عادت یہ ہے کہ وہ بخل اور منکر کا حکم دیتے ہیں اور لوگوں کے درمیان فساد پیدا کرتے ہیں تو وہاں اس کے مقابل چیزیں ذکر کیں یعنی صدقہ کرنے اور معروف اور اصلاح کرنے کا حکم اور اس سورت میں ایمان والوں کو خطاب ہے اور ایمان کے ساتھ مناسب دو کام برّ اور تقویٰ ہے۔

تفسیر 10: یہاں بے ضرورت مشورے کرنے کا رد ہے اور وہ ایمان والوں کی مخالفت میں منافقین کے مشورے تھے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى: الف لام عہدی ہے یعنی مذموم مشورے جو گناہ ظلم اور معصیت سے ہوں اور اس میں وہ بھی داخل ہے جس سے (صحیح بخاری کتاب الاستئذان حدیث 6290 صحیح مسلم کتاب السلام حدیث 2184) صحیح مسلم کی حدیث میں منع کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم تین افراد ہو تو دو آپس میں تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں تاکہ وہ تیسرا غمگین نہ ہو اور قرطبی نے فرمایا ہے کہ تین کے ساتھ تخصیص نہیں ہے زیادہ بھی اس میں شامل ہیں۔ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: یعنی منافقین جب بھی سرگوشی کرتے ہیں تو ضرور ایمان والوں کی مخالفت میں کرتے ہیں ان کو ضرر پہنچانے کے لیے کرتے ہیں۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ: یعنی جب ایمان والے ان کی مشوروں سے کوئی خوف محسوس کریں تو ان کے شر سے پناہ مانگیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیں اور اللہ تعالیٰ کے مدد کا انتظار کریں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو پس کشادہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادہ کرے گا اور جس وقت کہا جائے اٹھ کھڑے ہو پس اٹھ جاؤ، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان لائیں اور وہ لوگ جو علم دیے گئے ہیں زیادہ درجوں کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے [11]۔

تفسیر 11: یہ مشورے کی مجلس کے ساتھ متعلق ایمان والوں کے لیے دوسرا ادب ہے اور اس میں ایمان کی وجہ سے دوستوں کی عزت و اکرام کا حکم ہے۔ اور اہل علم کا زیادہ اکرام اور عزت کرنا۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ مجلس اور جماعت کے شرکاء کو مساوی نہ سمجھو بلکہ علم والوں کو افضل مرتبہ اور عہدہ دیا جائے گا۔ اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ: تَفَسَّحُ سے مراد یہ ہے کہ اپنی جگہ پر اس طرح بیٹھو کہ دوسرے ساتھی کی جگہ بند نہ کرو یہ معنی نہیں ہے کہ فراخ اور کشادہ بیٹھو اور دوسرے کے بیٹھنے کی جگہ بند کردو۔ الْمَجٰلِسِ: اس سے ذکر اور خطبہ سننے کی عام مجالس مراد ہیں اور مشورے کرنے کی مجلس اور دروس وغیرہ کی مجلس ہے۔ يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ: دنیا اور آخرت کی فراخی اس میں شامل ہے اور جبکہ جزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے تو يَفْسَحِ کے ساتھ جزا کی تعبیر کی ہے۔ اور صحیح حدیث میں بھی آیا ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اس مقصد کے لیے مجلس سے نہ اٹھائے کہ اس کی جگہ پر خود بیٹھ جائے (صحیح بخاری کتاب الجمعة حدیث 911/ 6269 صحیح

مسلم کتاب السلام حدیث 2177) اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب ایک شخص اپنی جگہ سے (کسی ضرورت) کے لیے اٹھ جائے اور واپس ہونے کا ارادہ ہو تو دوسرا شخص اس کی جگہ پر نہ بیٹھے۔ (صحیح مسلم حدیث 2179 ابوداؤد حدیث 4853)

وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا: اس سے مراد یہ ہے کہ مجلس کا امیر کسی کو حکم دے کہ اپنی جگہ سے اٹھ جاؤ، تاکہ بڑے شخص کو جگہ دے تو یہ شخص اس حکم کی تعمیل کرے گا، اور اسی طرح نماز کے لیے جہاد کے لیے حکم دے، یا دوسرے کسی خیر کے کام کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ جاؤ تو یہ حکم بھی مانا جائے گا۔ فائدہ: آنے والے شخص کے لیے کھڑا ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہے، مختلف احادیث کی وجہ سے، بعض اہل علم مطلقاً جواز کے قائل ہیں، اور بعض مطلقاً منع کرتے ہیں اور بعض نے اس میں تفصیل کی ہے اور یہ راجح ہے تفصیل یہ ہے کہ سفر سے آجائے یا حاکم کی جگہ اپنی ولایت میں ہو تو ان کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے، اور باقی کسی کے لیے جائز نہیں ہے اور اسی طرح جو کوئی اس کھڑا ہونے پر خوش ہوتا ہو (ابوداؤد 5229، ترمذی 2755 ترمذی نے حسن جبکہ شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) یا جو کوئی اس سے اپنے لیے منع کرتا ہو اور اس پر ناراض ہوتا ہو جیسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے منع کیا تھا تو اس کے لیے کھڑا ہونا منع ہے۔ (ابوداؤد فی الادب حدیث 5230، ابن ماجہ 3836 فی الدعاء اس حدیث کو شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے) اسی طرح اگر کوئی شخص بیٹھا ہوا ہو اور دوسرا شخص بغیر ضرورت کے کھڑا ہوا ہو اور یہ اس پر خوش ہو تو یہ بھی ناجائز ہے، اور اسی طرح عادت بنانا بھی منع ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے ابن رشد سے نقل کیا ہے کہ کھڑا ہونا چار قسم ہے: **پہلی قسم** حرام ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص تکبر کی وجہ سے چاہتا ہے کہ میرے لیے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ **دوسری قسم** مکروہ ہے وہ یہ کہ ایک شخص اس وجہ سے کھڑا ہونے کو برا سمجھتا ہے تاکہ متکبرین کے ساتھ مشابہت نہ آجائے یا میرے دل میں تکبر پیدا نہ ہو جائے۔ **تیسری قسم** جائز ہے کہ ایک شخص لوگوں سے کھڑا ہونا نہیں چاہتا اور اس کی عزت اکرام کی وجہ سے اس کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ **چوتھی قسم** مستحب ہے وہ اس شخص کے لیے کھڑا ہونا ہے جو سفر سے آجائے، یا اس شخص کے لیے جس کو کسی نعمت پر مبارکباد دی جاتی ہو، یا کسی مصیبت میں تعزیت کی جاتی ہو زیادہ (تفصیل فتح الباری صفحہ 54 جلد 11 میں ہے)۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا: یہ امر (فَانْشُزُوا) کا جواب ہے اور جزا عمل کی جنس سے ہے یعنی تم شریعت کے حکم کے مطابق اٹھ جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایمان کی شرط سے اٹھا دے گا اور اشارہ ہے کہ ایمان بلندی کا سبب ہے۔ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ: اس میں دو توجیہ ہیں: **پہلی توجیہ** یہ ہے کہ کلام میں تقدیری عبارت ہے يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْكَرَامَةِ فِي الدُّنْيَا

وَالثَّوَابِ فِي الْآخِرَةِ وَيَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ كَثِيْرَةٍ عَلٰى عَامَّةِ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی پہلی رفعت ایمان کی وجہ سے ہے پھر بہت سے درجات اور رفعتیں علم کی وجہ سے ہیں اور اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رفعت علم اور ایمان کی وجہ سے ہے نہ کہ مجالس میں سبقت کی وجہ ہے۔ **دوسری توجیہ** یہ ہے کہ بعد والا وَ الَّذِيْنَ پہلے وَ الَّذِيْنَ پر عطف ہے اور ایک جملہ ہے معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عالم بھی ہوں ان کو درجات میں زیادہ بلند فرماتا ہے لیکن پہلی توجیہ راجح ہے اور اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ، امام قرطبیؒ، امام شربینیؒ، امام آلوسیؒ نے علم کی فضیلت پر تفصیل لکھی ہے اور محمود کرمانی نے غرائب التفسیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ اے لوگو اس آیت کو سمجھو تا کہ تمہیں علم پر رغبت حاصل ہو اور قرطبی نے لکھا ہے کہ أُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد قرآن کے علماء ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ
فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ
تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬

”اے ایمان والو! جب تم رسول ﷺ سے مشورہ کرنا چاہو تو اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور پاک کرنے والا ہے پس اگر تم صدقہ نہ پاؤ، پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [12] کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دو بے شک جب یہ نہ کرو اللہ تعالیٰ نے تم پر آسانی کی پس نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے [13]۔

تفسیر 12: یہ مشورہ کرنے کا تیسرا قانون اور ادب ہے، اور اس میں مقصود نبی کریم ﷺ پر تخفیف تھی، اور مشورے کرنے والوں کا اخلاص ظاہر کرنا تھا، وجہ یہ ہے کہ منافقین بے ضرورت نبی ﷺ کے ساتھ مشورے کرتے اور آپ ﷺ کا وقت ضائع کرتے تھے اور دوسرے مسلمانوں کو مشورہ کرنے کا وقت نہیں دیتے تھے، تو یہ قانون اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا جو کوئی نبی کریم ﷺ سے مشورہ کرنا چاہے تو پہلے صدقہ دے تا کہ اس کا اخلاص معلوم ہو جائے اور یہ حکم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مشورہ کرنے کے ساتھ خاص تھا۔ فَقَدِّمُوْا: ظاہر یہ ہے کہ یہ وجوب کے لیے ہے۔ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ: یہ اس حکم کے فائدے ہیں۔ خَيْرٌ: یعنی بہت اجر اور ثواب ہے اور فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے مشورے سے فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وَ اَطْهَرُ: بخل اور دنیا کی محبت اور اسی طرح نفاق سے پاک کرنے

والا ہے۔ فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا: اس سے مراد مالی طاقت کا نہ ہونا ہے یعنی مسکین اور فقیر پر یہ صدقہ واجب نہیں ہے۔

تفسیر 13 ءَاَشۡفَقۡتُمۡ: یہ خطاب ایمان والوں اور منافقین کے لیے عام ہے منافقین بخل کی وجہ سے صدقہ دینے سے ڈر گئے اور ایمان والے اس حکم کے تو دوام سے ڈر گئے یعنی انہوں نے کہا کہ اگر یہ حکم ہمیشہ کے لیے رہ جائے اور ہم تو فقیر ہیں ہر وقت صدقہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ مشورے کرنے سے محروم رہ جائیں گے۔ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا: منافقین نے اس پر منافقت کی وجہ سے عمل نہیں کیا لیکن ایمان والوں نے اس وجہ سے عمل نہیں کیا کہ صدقہ کرنے کی فرصت نہ ملی اس لیے کہ حکم میں تبدیلی بہت جلدی آئی اور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں علی رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں نقل کی ہیں: ایک یہ کہ اس نے اس آیت پر عمل کیا تھا اور دوسرے صحابہ کرام کو موقع نہیں ملا لیکن وہ روایت اس لفظ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا سے خلاف ہے اور امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ روایت ضعیف ہے اور دوسری روایت امام ترمذی اور ابن جریر کی سند سے نقل ہے کہ اس میں ثابت ہوا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل نہیں کیا لیکن نبی کریم ﷺ کو مشورہ دیا کہ صحابہ کرام تو اس کی طاقت نہیں رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے تخفیف کی (کتاب التفسیر حدیث 3300 شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے) وَتَابَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمۡ: یہاں تو یہ تخفیف کے معنی میں ہے جس طرح سورۃ مزمل آیت 20 میں بھی ہے اس لیے کہ یہاں گناہ کا صادر ہونا ثابت نہیں ہے۔ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ: یعنی اگر مستحبات پر عمل نہیں کر سکتے ہو تو پروا نہیں لیکن فرائض پر ہمیشہ عمل جاری رکھو اور اس میں نسخ یا تخفیف نہیں آتی۔ فائدہ مشہور یہ ہے کہ پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس واقعے سے معلوم ہوا کہ منسوخ ہونے کے لیے پہلے حکم پر عمل کرنا شرط نہیں ہوتا ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ متقدمین علماء کے نزدیک نسخ صرف تبدیلی کو کہا جاتا ہے تو یہ منسوخ ہے لیکن متاخرین کی اصطلاح میں یہ نسخ نہیں ہے تو پھر اس میں دو قول ہیں: پہلا یہ ہے کہ یہ وجوب سے استحباب کی طرف حکم کی تخفیف ہے، جیسے سورۃ انفال آیت 67 میں گزرا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کی تشریح ہے یعنی معلوم ہوا کہ دوسری آیت سے پہلی آیت میں امر وجوب کے لیے نہیں تھا اس وجہ سے کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا، صرف اس وجہ سے حکم تھا کہ منافقین اور مخلصین کے درمیان فرق ہو جائے لیکن پہلا قول ان دونوں اقوال میں راجح ہے کہ صرف تخفیف ہے نسخ نہیں ہے اور تشریح بھی نہیں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ
يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ
سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٦﴾ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ
عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ﴿١٧﴾

"کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو ایسی قوم سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب کیا؟ نہ وہ تم سے ہیں اور نہ ان سے ہیں اور جھوٹ کی قسمیں کھاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں[14] اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا ہے یقیناً برے ہیں جو وہ عمل کرتے ہیں[15] انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر رکھا ہے پس اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں پس ان کے لیے ذلت والا عذاب ہے[16] اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ ان کو ان کے مال بچا سکتے ہیں اور نہ ان کی اولاد یہی لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے[17]۔

تفسیر14: اس آیت سے آخر تک دوسرا باب ہے اس میں منافقین مفسدین کے لیے زواجر ہیں اور ان کے پندرہ قبائح ذکر فرماتے ہیں اور آیت 15، 17 میں تخویف ذکر کی ہے اور آخر میں محادین مفسدین سے ایمان والوں کی براءت کی صفت ذکر فرمائی ہے اور ایمان والوں کو بشارت ہے اس آیت 14 میں منافقین کے تین قبائح ذکر کیے ہیں۔ پہلی قباحت تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ: اس سے مراد یہودی ہیں کہ ان میں غضب الٰہی کے اسباب موجود ہیں، قرآن کریم کی بہت سی آیتیں اس پر شاہد ہیں، جیسے سورۃ بقرہ آیت 61، 90 اور سورۃ ممتحنہ آیت 13 میں ہے۔ دوسری قباحت مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ: جیسے سورۃ نساء آیت 143 میں گزرا ہے۔ تیسری قباحت وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ: اسلام اور ایمان کے دعوے میں اور اس رسول کی رسالت کی شہادت میں جھوٹے ہیں اور حالانکہ قسمیں بھی کھاتے ہیں مضارع کے صیغے میں تجدد کی طرف اشارہ ہے اور علیٰ کے لفظ میں جرأت اور دلیری کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مُجْتَرِئِيْنَ عَلَى الْكَذِبِ (جھوٹ بولنے اور قسم کھانے میں دلیر ہیں) وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: یعنی علم اور قصد کے باوجود جھوٹ بولتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں تو یہ یمین غموس ہے۔

تفسیر 15 : اس آیت کے پہلے جملے میں تخویف ہے اور دوسرے جملے میں ان کی دوسری قباحت ذکر کی ہے جو عذاب کی علت ہے۔

تفسیر 16 : یہ جملہ مستانفہ ہے، سوال کے جواب میں ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ جاننے کے باوجود یہ جھوٹی قسم کیوں کھاتے ہیں؟ تو جواب دیتا ہے اور اسی طرح یہ جملہ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کی تفصیل ہے اور اس میں ان کی دو قباحتیں ذکر کی ہیں اور آخری جملہ میں تخویف ہے۔ جُنَّةً: ڈھال کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے انسان تلوار کی وار سے، اور بندوق وغیرہ سے اپنے آپ کو بچائے تو اسی طرح یہ ان قسموں کے ذریعے اپنے آپ کو ایمان والوں کی ڈانٹ اور ہر شرمندگی سے بچاتے ہیں۔ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یہ لازمی ہے یعنی حق سے رُک گئے یا متعدی ہے یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں فاء دلالت کرتی ہے کہ یہ قسمیں اللہ کی راہ سے روکنے کا سبب ہیں۔ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ: یہ فاء بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے راستے سے روکنا ان کے عذاب کا سبب ہے۔ اور جبکہ یہ جھوٹی قسم میں اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین کرتے ہیں اور اسی طرح ایمان والوں کی اہانت کرتے ہیں اس وجہ سے عذاب مھین ذکر کیا۔

تفسیر 17 : یہ ان کے دو قبائح ذکر کرنے کے ساتھ تخویف اخروی ہے اور ان لوگوں کے گمان کا رد ہے جو مال اولاد پر تکبر اور فخر کریں۔ اَمْوَالُهُمْ: فدیہ دینے اور رشوت دینے کے ساتھ فائدہ نہیں دیتے۔ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ: لفظ لا نفی کی تاکید کے لیے دوبارہ ذکر کیا ہے اور اولاد مدد کرنے اور اسی طرح دنیا میں دعائیں مانگنے اور نیک اعمال کے ذریعے ماں باپ (مشرکین) کو فائدہ نہیں دے سکتے۔ مِّنَ اللّٰهِ: اللہ تعالیٰ کے عذاب سے شَيْئًا: مفعول بہ ہے، یا مِن اللّٰهِ عِنْدَ اللّٰهِ کے معنی میں ہے اور شَيْئًا مفعول مطلق ہے یعنی شَيْئًا مِنَ الْاِغْنَاءِ اسی طرح آیت سورۃ آل عمران آیت 10، 116 میں بھی گزرا ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑱ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑲ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ⑳ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ㉑

”جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اٹھائے گا پس یہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جس طرح یہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں، بے شک یہی لوگ جھوٹے ہیں [18] شیطان ان پر غالب آ گیا ہے، پس اس نے ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد بھلا دی یہی لوگ شیطان کے گروہ ہیں، بے شک شیطان کے گروہ نقصان اٹھانے والے ہیں [19] بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہی لوگ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں [20] اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول غالب رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ زورآور غالب ہے [21]۔

تفسیر 18: اس آیت میں ان کی تین قباحتیں ذکر کی ہیں ۔ ایک اصحاب النار کے متعلق ہے، یا اُذْکُرْ پوشیدہ کے۔ فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ: قسمیں کھائیں گے کہ ہم ہدایت پر تھے اور ہم نے کوئی بھی کفر نہیں کیا مشرکین کی طرح قسمیں کھائیں گے جیسے سورۃ انعام آیت 23 میں ہے۔ کَمَا یَحْلِفُوْنَ لَکُمْ: یعنی دنیا میں ان کی جھوٹی قسمیں کھانے کی عادت تھی امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ جس نے جس عمل پر زندگی گزاری ہوگی اس پر مرے گا اور اس پر دوبارہ زندہ ہوگا۔ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ: پہلے یَحْلِفُوْنَ یا دوسرے پر عطف ہے یعنی دنیا و آخرت دونوں میں ان کا گمان ہے کہ جھوٹی قسم کھانا ہمارے لیے فائدہ مند ہوگا اور یہ اس کو اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ: یعنی یہ آخرت کے دن قسم اور گمان کرنے میں جھوٹے ہیں جیسے دنیا میں جھوٹے تھے اور جبکہ یہ قسم کھانے کے ساتھ اپنے جھوٹ کو چھپاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ کو ثابت کرنے میں لفظ اَلَآ اور اِنَّ اور هُمْ ضمیر فصل اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ کے ذریعے تاکید کی ہے۔

تفسیر 19: اس آیت میں ان کے تین اور قبائح ذکر کیے ہیں۔ اِسْتَحْوَذَ: یہ گزشتہ قباحتوں کے لیے علت ہے اس وجہ سے عطف کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ اِسْتَحْوَذَ: حَوْذٌ سے ماخوذ ہے گھیرنے اور تیزی اور آسانی کے ساتھ بھگانے کو کہا جاتا ہے اور یہ غلبہ اور قوت کو مستلزم ہے یعنی شیاطین نے وسوسہ اور گمراہ کرنے کے ذریعے ان پر ایسا غلبہ پایا ہے گویا کہ وہ ان پر بادشاہ ہے اور یہ اس کی رعایا ہے۔ فَاَنْسٰهُمْ: فاء دلالت کرتی ہے کہ ماقبل مابعد کے لیے سبب ہے۔ انساء: غافل کرنے اور ترک کے معنی میں ہے۔ ذِكْرَ اللّٰهِ: اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی، قرآن کریم اور توحید سب اس میں شامل ہیں۔ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ: حزب اس کی پیروی کرنے والے کو کہا جاتا ہے جو متبوع کی اتباع میں مضبوط ہو اور متعصب ہو اور آسانی کے ساتھ دوسری طرف نہ پھرے اور نہ کسی دوسرے کی باتیں سنتا ہو۔

تفسیر 20: اس آیت میں عموماً مخالفت کرنے والوں کے لیے سخت زجر ہے (چاہے وہ کسی بھی زمانے میں ہو) اور آیت 5

میں اس امت کی مخالفت کرنے والوں کو زجر تھی اسی وجہ سے اُس آیت میں ان کی تشبیہ پہلوں کے ساتھ دی تھی یہ دونوں آیتوں میں ایک فرق ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ وہاں بدؤعا تھی اور اس آیت میں ان کی ذلت کی خبر اور حکم کرتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ اس آیت میں ظاہری کفار کا ذکر مراد تھا اور اس آیت میں منافقین مراد ہیں تو معلوم ہوا کہ تکرار نہیں ہے۔ أُولَٰٓئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ: اس میں أُولَٰٓئِكَ کے ذکر کے ذریعے اور حرف فِي کے ذکر کرنے کے ذریعے زیادہ تاکید ہے جو استغراق اور انغماس پر دلالت کرتا ہے اور آذَلِّيْنَ کے جمع کرنے کے ذریعے یعنی ذلت والوں کی جماعت میں غرق اور ڈوبے ہوئے ہیں۔

تفسیر 21: تخویف کے بعد ایمان والوں کو غلبہ اور نصرت الٰہی کے ذریعے بشارت ہے۔ كَتَبَ: اس سے مراد تقدیر کی کتاب میں لکھنا ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آتی ہے اور اس کو سورۃ صافات آیت 171 میں کلمے کی سبقت کہا گیا ہے۔ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا: اس کو تاکید کے لیے ذکر کیا ہے مخلوق پر اور دشمن پر غلبہ حقیقی ہے۔ وَرُسُلِي: یعنی وہ رسول جو دشمنوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں تو عاقبت کے اعتبار سے جنگ میں غالب ہوں گے اور حجت میں تو سب غالب ہوں گے اور اسی طرح سورۃ صافات آیت 182 میں گزرا ہے قَوِيٌّ: دوستوں کی مدد کرنے پر عَزِيزٌ: یہ دشمنوں کے مقابلے میں غالب ہے اور یہ غلبہ اور قوت دشمنوں کی تذلیل کے لیے سبب ہے جو گزری ہوئی آیت میں ذکر ہوا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ''ایسے لوگوں کو نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہوں کہ وہ دوستی کریں ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں اگر چہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کا قبیلہ ہو، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے، اور ان کو اپنی طرف سے روح کے ساتھ قوت دی اور ان کو جنتوں میں داخل کرے گا اس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ اس سے راضی ہوئے، یہ لوگ اللہ کی جماعت ہے، خبردار اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے [22]۔

تفسیر 22: سورت میں مجادین فسادیوں کے اوصاف ذکر ہوئے تو اس میں ایمان والوں کو بہت تاکید کے ساتھ ان سے براءت کی ترغیب دی ہے۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا: یعنی ایمان والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے کے درمیان جمع نہیں ہوسکتا اور نہ پانے سے مراد مبالغے کے طریقے پر نہیں کرنا ہے۔ یُوَآدُّوْنَ: مودۃ اصل میں باطن میں ہوتی ہے اور اس کا اثر ظاہر میں موجود ہوتا ہے یعنی ظاہری اور باطنی دونوں دوستیاں کرنا اور صرف بر اور قسط تو بعض کافروں کے ساتھ جائز ہے جو اہل ذمہ ہیں جیسے سورۃ ممتحنہ آیت 8 میں آئے گا۔ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ: یعنی مخالفت کرنے والوں سے کسی قسم کے نسب اور قرابت کا لحاظ نہیں کرتے اور اس میں اشارہ ہے کہ ایسی حالت میں صلہ رحمی کرنے کا حکم نہیں ہے، اور مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت کے پہلے مصداق صحابہ کرام ہیں کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو بدر کے دن قتل کیا تھا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی کے بیٹے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے قتل کرنے کی اجازت مانگی، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو سخت تھپڑ مارا جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تھی اور اسی طرح بدر کے دن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن اپنے بھائی کو قتل کیا تھا اور عمر رضی اللہ عنہ اور اسی طرح حمزہ، علی، اور عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم نے اپنے بہت رشتہ داروں کو اس دن قتل کیا تھا۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ: یقین کامل کی طرف اشارہ ہے کہ وہ غیر اللہ کی محبت کے ساتھ نہیں مٹ سکتا جیسے کہ پکی لکھائی سے لکھا ہوا خط پانی وغیرہ سے خراب نہیں ہوتا۔ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ: ربیع کی روایت کے مطابق روح سے مراد قرآن کریم اور قرآن کا علم ہے تو اشارہ ہے کہ ایمان کی تقویت قرآن کریم کے ساتھ آتی ہے۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ: اشارہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے مخلوق سے ناراض تھے تو اس بدلے میں ان کو رضامندی مل گئی ہے۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اس کو حزب الشیطان کے مقابل میں ذکر کیا ہے، اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت یا انسان کے ساتھ کرنا اس کو کہا جاتا ہے کہ دوست کے راضی کرنے کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں اور اپنے دوستوں کو چھوڑ دے اور ان کے ساتھ کچھ محبت اور مدد نہیں کرے۔ فائدہ: قرطبی نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے کہ منکرین تقدیر کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کی مجالس میں شرکت کرنا منع ہے اور اسی طرح یہ حکم تمام ظالموں اور بدعتیوں کا ہے اور شربینی نے ذکر کیا ہے کہ جس نے دین سے منحرف شخص کی طرف میلان کیا یا بدعتی کے عقیدے کی مداہنت کی تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ایمان کے نور کو نکال دیتا ہے اور اس سورت کی فضیلت میں لکھا ہے کہ یہ قرآن کی سورتوں کی گنتی کے

لحاظ سے دوسرا نصف ہے، یعنی اٹھاون ہے اور اس کی ہر آیت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک مرتبہ یا دو مرتبہ موجود ہے۔

فائدہ ۲: سورۃ مائدۃ آیت 56 میں فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ذکر ہے اور یہاں الْمُفْلِحُوْنَ ذکر کیا ہے وجہ یہ ہے کہ سورۃ مائدۃ آیت 56 میں صرف ولاء ذکر کیا ہے اور اس سورت میں حزب الشیطان سے براءت ذکر کی ہے اور براءت صرف ولاء کی بنسبت اکمل ایمان ہے تو صرف ایمان کے ساتھ دنیاوی غلبہ ذکر کیا اور اکمل ایمان کے ساتھ جو براءت ہے اکمل نتیجہ ذکر کیا ہے جو فلاح اخروی ہے۔ (واللہ اعلم)

سورۃ المجادلۃ کی خصوصیات:

۱۔ ایک صالح خاتون کی دعا کی قبولیت کا تذکرہ۔
۲۔ ظہار اور اس کے کفارے کا تذکرہ۔
۳۔ مشورے کی قسمیں۔
۴۔ ایمان والوں کو مشورہ دیتے وقت تین قوانین کا ذکر۔
۵۔ منافقین کے برے اعمال وصفات۔
۶۔ اللہ و رسول سے جھگڑنے والوں سے برأت کا ذکر۔

الحمد للہ سورۃ مجادلۃ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

آیاتہا ۲۴ | ۵۹ سورۃ الحشر مدنیۃ ۱۰۱ | رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭؔ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲

"زمین اور آسمانوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے [1] وہی ذات ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا تمہارا گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ گمان کر رہے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ سے بچا لیں گے پس ان پر اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے آپڑا کہ انہیں گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب ڈال دیا وہ اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں اجاڑ رہے تھے اور ایمان والوں کے ہاتھوں پس عبرت حاصل کرو اے عقل والو [2]۔

سورۃ حشر اور اس کا دوسرا نام سورۃ بنی نضیر ہے۔ **ربط:** اس سورت کا پہلے سورت سے ربط کئی وجوہ سے ہے: **پہلی وجہ** یہ ہے کہ سورۃ مجادلہ میں فساد کرنے والوں کے لیے زواجر کا ذکر تھا اور اس سورت میں تخویف دنیاوی ہے۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ اس سورت میں محادہ ذکر کیا تھا تو اس سورت میں مشاقہ ذکر فرمایا ہے۔ **تیسری وجہ** یہ ہے کہ اُس سورت میں منافقین کی ایک قسم کے قبائح تھے اور اس سورت میں ان کی دوسری قسم کے قبائح ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون: اللہ تعالیٰ اور رسول کے مشاقین کو بنو نضیر کی مثال کے ذریعے جو آیت 4 میں ہے تخویف دنیاوی ہے اور عذاب سے بچنے کے لیے سورت کے شروع اور آخر میں بائیس اسمائے حسنیٰ کے ذکر کرنے کے ذریعے توحید کا ذکر ہے۔

سورت کا خلاصہ: یہ سورت دو ابواب میں تقسیم ہے پہلا باب آیت 11 تک ہے اور اس میں تسبیح کے ذکر کے ذریعے توحید کا دعویٰ ہے، وہم کو دور کرنے کے لیے یعنی اگر کوئی اعتراض کر دے کہ بنی نضیر کو جلاوطن کرنے کے ذریعے عذاب دینا تو ظلم ہے تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے سے پاک ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی عزت حاصل کرنے کے لئے نہیں کرتا ہے وہ تو عزیز ہے اور بے فائدہ بھی نہیں کرتا ہے وہ حکیم ہے پھر آیت 2 میں بنو نضیر کے عذاب کا ذکر ہے ،پھر آیت 3 میں تخویف اخروی ہے، پھر آیت 4 میں اس عذاب کا سبب ذکر کیا ہے اور یہ سورت کا مرکزی مضمون ہے، پھر آیت 5 میں ایک سوال کا جواب، پھر مال فئ کا حکم ہے اور آیت 10 تک اس کے مصارف کی تین قسمیں ذکر فرمائی ہیں۔

تفسیر 1: بنو نضیر کے واقعہ سے پہلے تسبیح کے ذکر کرنے کے ذریعے توحید کا دعویٰ ہے، اعتراض کے جواب کے لیے جو ہم نے خلاصہ میں ذکر کیا ہے۔ اَلْعَزِیْزُ: اس میں بنو نضیر کے عذاب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور اللہ تعالیٰ دشمنوں پر غالب ہے اور اَلْحَکِیْمُ: یعنی ان کو عذاب دینے میں بہت سی حکمتیں تھی۔

تفسیر 2: تفسیر سراج المنیر اور ابن کثیر میں بنو نضیر کا تفصیلی واقعہ ذکر کیا ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انہوں نے پہلے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عہد کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے اور نہ ایک دوسرے کے دشمن کا ساتھ دیں گے لیکن احد کے واقعہ کے بعد انہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ دوستی کرنے کا وعدہ کیا اور نبی کریم ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے پہلے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے کعب بن اشرف کو قتل کیا اور پھر صحابہ کرام کے ساتھ بنو نضیر کے قلعے سے اکیس یا چھ دن محاصرہ کیا تو انہوں نے صلح کرنے کا مطالبہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے صلح کرنے سے انکار کیا اور ان کو جلاوطن کرنے کا حکم دیا اور اجازت دی کہ اونٹ پر جتنا سامان لے کر جاسکتے ہو تو اس کے لے کر جانے کی اجازت ہے، تو انہوں نے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اجاڑ دیا اور ایمان والوں سے اس میں مدد طلب کی اور لکڑیاں وغیرہ اونٹ پر لادھیں اور ان کے اکثر اشخاص شام میں اذرعات اور ریحاء مقام کی طرف چلے گئے اور ان کے دو گھرانے (بنو حقیق کی آل حی بن اخطب کی آل) خیبر کی طرف چلے گئے اور کچھ حیرہ مقام کی طرف چلے گیے اور ان کی باقی منقول اور غیر منقول جائیداد نبی کریم ﷺ کے مال فئ میں رہ گئی اور مدینہ کے منافقین نے ان کے ساتھ مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن جب وہ مدینے سے نکالے گیے تو منافقین نے ان کے ساتھ کچھ مدد نہیں کی اور ایمان والوں کو ان کی منافقت بھی واضح ہوگئی۔ مِنْ دِیَارِهِمْ: اصلی وطن سے جلاوطن کرنا بہت بڑی عقوبت ہے اور اخراج کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی

اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کو حکم ہے۔ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ: ان کے چار حشر: ایک حشر مدینے سے خیبر تک، دوم احشر عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خیبر سے شام کی طرف، تیسرا حشر قرب قیامت میں آگ کے واسطے سے (یا حقیقتاً آگ ہوگی یا اس سے مراد فتنہ ہے) وہ قیامت کی علامات میں ذکر ہوا ہے، چوتھا حشر قیامت کے روز، تو معلوم ہوا کہ اس واقعہ میں پہلا حشر ہے یا اول سے مراد وہ اول ہے جس کا ثانی نہ ہو یعنی پہلی فوج کشی کے ساتھ یہ کمزور ہو گئے۔ مَا ظَنَنْتُمْ: اشارہ ہے کہ یہ کمزور نہیں تھے بلکہ ان کا اخراج اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کی نشانی ہے۔ حُصُوْنُهُمْ: حصن کی جمع ہے اور ان کے چار قلعے مشہور تھے وطیح، نطاہ، سلالم، کتیبہ اور اس جملے میں مَّانِعَتُهُمْ اسم فاعل مضاف هُمْ مفعول ہے اور حُصُوْنُهُمْ اس کا فاعل ہے۔ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ: اتیان اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے بغیر تاویل اور تشبیہ کے جیسے سورۃ بقرۃ آیت 210 میں ہے۔ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا: ان کا گمان تھا کہ منافقین ہماری مدد کریں گے اور ایمان والے ہمارے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے اور ہمارے قلعے مضبوط ہیں، تو ان کے گمانوں کے خلاف معاملہ ہوا۔ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ: قذف کے ساتھ تعبیر بہت تشدید کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کے دلوں میں رعب کو ایسے پھینکا جیسے پتھر پھینکے جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور قدرت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جیسے صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دشمن پر ایک ماہ کی مسافت پر رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التیمم حدیث 335 / 438، صحیح مسلم 521 /3 نسائی حدیث 209)۔ يُخْرِبُوْنَ: یہ تخریب اس وجہ سے تھی کہ جو لکڑیاں اور دروازے ان کو پسند تھے تو اپنے ساتھ لے گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اور اسی طرح اس لیے بھی اجاڑ رہے تھے تاکہ ایمان والے اس میں نہ رہ سکیں۔ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ: یعنی ان سے جو دیواریں، چھتیں وغیرہ رہ گئی تھیں وہ ان کے سامنے ایمان والے اجاڑ رہے تھے تاکہ یہ غصہ اور ذلیل ہو جائیں فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ: اعتبار ع، ب، ر کے مادے سے ہے منتقلی پر دلالت کرتا ہے جیسے عبور (پانی میں خشکی کی طرف تیرنا)۔ عِبْرَةٌ: (آنسو جو آنکھوں سے منہ (چہرے) پر بہہ جائیں) تو اسی طرح اعتبار اور عبرت لینا، ایک معلوم سے (جو سننے یا دیکھنے سے معلوم ہو جائے) غیر معلوم کی طرف فکر کرنے کے طور پر انتقال ہے اور اس کو قیاس بھی کہا جاتا ہے لیکن لفظ شرعی (جو قرآن سنت سے ثابت ہو اس کو چھوڑنا اور غیر منقول استعمال کرنا نامناسب ہے۔ الْاَبْصَارِ: یہ لفظ عام ہے نظر بصر اور بصیرت کے ذریعے دونوں اس میں شامل ہیں اس لیے کہ دل کی بصیرت کے ساتھ عبرت لینے میں اکثر آنکھیں بھی استعمال ہوتی ہیں اور بصائر دل کی

بصیرت کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کے قصوں اور واقعات کو صرف افسانوں کے طور پر سننا مقصود نہیں ہے، بلکہ اس سے عبرت لینا مقصود ہے، اور وہ غور وفکر کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہاں ایک عبرت یہ ہے کہ اگر ایک انسان یا قوم علم والی ہو اور مالدار بھی ہو اس کے بنگلے اور قلعے بھی ہوں لیکن جب اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کے دین کے خلاف کریں تو دنیا کے عذاب اور ذلت سے نہیں بچ سکتے۔ دوسری عبرت یہ ہے کہ منافقین اور کافروں کی دوستی اور وعدے پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ تیسری عبرت یہ ہے کہ اپنی دنیاوی قوت اور مالداری پر بھی غرور کرنا جائز نہیں ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

''اور اگر اللہ تعالی نے ان پر جلاوطنی کو نہ لکھا ہوتا تو یقیناً انہیں دنیا میں عذاب دیتا اور آخرت میں ان کے لیے آگ کا عذاب ہے [3] اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ تعالی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ تعالی کی مخالفت کرتا ہے بے شک اللہ تعالی سخت عذاب دینے والا ہے [4] تم نے جو کھجور کے درخت کاٹ ڈالے، یا ان کو ان کی جڑوں پر باقی رکھا تو یہ سب اللہ تعالی کے حکم سے کیا تا کہ اللہ تعالی نافرمانوں کو رسوا کرے [5]۔

تفسیر 3: اس آیت میں تخویف دنیاوی کے ذریعے تاکید ہے اور تخویف اخروی بھی ہے ۔ وَلَوْ لَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ: یعنی عذاب دنیاوی جلاوطنی کے ساتھ خاص نہیں ہے اور بہت سے دنیاوی عذابوں کے نمونے سابقہ قوموں میں گزرے ہیں، لیکن اس قوم پر جلاوطن ہونا مقدر کیا گیا اور تقدیر تو نہیں بدلتی۔ یہ جملہ صراحۃً تقدیرات کے لکھنے پر دلیل ہے الْجَلَآءَ: اخراج اور جلاء میں فرق یہ ہے کہ جلاء جماعت (کئی لوگوں کے ساتھ) خاص ہے اور اخراج عام ہے، چاہے ایک شخص ہو یا زیادہ ہوں اور اسی طرح جلاوہ ہے کہ اہل وعیال کے ساتھ ہو اور اخراج عام ہے۔ لَعَذَّبَهُمْ: دوسرے عذاب کے ساتھ جیسے مشرکین بدر کی طرح قتل اور قید کرنا یا طوفان، آندھی، قحط وغیرہ۔

تفسیر 4: یہ عذاب کا سبب ہے اور سورت کا دعویٰ ہے اور مُشَاقّه شق سے لیا گیا ہے پھٹنے اور دو ٹکڑے ہونے کو کہا جاتا ہے، اور یہ واضح مخالفت کرنے میں استعمال ہوتا ہے، اور اسی طرح سورۃ انفال آیت 13 میں بھی گزرا ہے۔ فائدہ: سورۃ انفال میں وَمَنْ يُّشَاقِقِ ادغام کے بغیر ہے اور اس سورت میں ادغام کے ساتھ مذکور ہے، وجہ یہ ہے کہ عام کافروں کی بہ

نسبت اہل کتاب کی مخالفت کرنا بہت سخت ہے سورۃ انفال میں عام کافروں کا ذکر ہے اور اس سورت میں اہل کتاب کا ذکر ہے ادغام شدت پر دلالت کرتا ہے اور فک ادغام تخفیف پر دلالت کرتا ہے۔

تفسیر 5: یہ سوال کا جواب ہے، وہ یہ ہے کہ تم فساد سے منع کرتے ہو حالانکہ تم نے (اے صحابہ) بنو نضیر کی کھجوروں کو جلایا اور کاٹ دیا تو یہ بھی فساد ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے اور دوسرے فائدے بھی ہیں تو یہ شرعاً جائز ہے۔ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ: قرطبی نے اس میں دس اقوال ذکر کیے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کھجور کی تمام اقسام کو کہا جاتا ہے یا اس میں خاص قسم ہے اور یہ بویرہ مقام میں تھی اور اس کے بارے میں یہود اور مشرکین مکہ نے اشعار کہے تھے اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ اشعار بنائے تھے تَعَاقَدَ مَعْشَرٌ نَصَرُوْا قُرَيْشًا وَلَيْسَ لَهُمْ بِبَلْدَتِهِمْ نَصِيْرٌ. هُمُوْا أُوْتُوا الْكِتَابَ فَضَيَّعُوْهُ وَهُمْ عُمْيٌ مِنَ التَّوْرَاةِ بُوْرٌ. كَفَرْتُمْ بِالْقُرْآنِ وَقَدْ أَبَيْتُمْ بِتَصْدِيْقِ الَّذِيْ قَالَ النَّذِيْرُ. وَهَانَ عَلَى سراة بني لؤي حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ: وہ گروہ جنہوں نے اتحاد کر کے قریش کی مدد کی۔ لیکن ان کے لیے اپنے بستی میں کوئی مددگار نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب دیا گیا مگر انہوں نے اس کو ضائع کیا اور تورات سے اندھے ہو کر ھلاک ہوئے۔ تم نے قرآن سے انکار کیا اور ان باتوں کے تصدیق سے انکار کیا جس کو یہ نبی بیان کرتا ہے۔ اور آسان ہو گیا سرار اوران بنی لوی پر وہ آگ جو مقام بویرہ میں باغ پھیلا ہوا تھا۔ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ: یہ اس عمل کی ایک حکمت ہے لیکن امر شرعی کا امتثال اس کی حکمت سے پہلے ہوتا ہے، یعنی شرعی حکم پر عمل ضرور ہوگا اگرچہ حکمت اس کی معلوم نہ ہو۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٦ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٧

"اور وہ مال جو ان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر واپس کیا ہے، پس نہ تم نے اس پر اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے [6] اور وہ مال جو اللہ

تعالیٰ نے بستی والوں سے اپنے رسول کو واپس کیا ہے، پس وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے لیے اور اس کے قرابت والوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے تاکہ تمہارے مالداروں کے درمیان یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے اور جو کچھ تمہیں رسول دیں اس کو لے لو اور جس سے تمہیں منع کردیں تو اس سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے [7]۔

تفسیر 6: بنونضیر سے بچا ہوا مال مالِ فئ تھا، تو اس آیت میں اس کے اور مالِ غنیمت کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے۔

وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ: فئ اصل میں اپنے پرانے مکان کی طرف واپس ہونا ہے، جیسے زوال کا فئ یعنی سایہ، تو اشارہ ہے کہ ان اموال کے اصل مستحق رسول اللہ ﷺ اور ایمان والے ہیں، لیکن کافروں نے زبردستی اور ظلم سے قبضہ کیے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو امتحان کے لیے کچھ وقت دیا ہے اور پھر اس سے واپس لیتے ہیں۔ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ: یہ علت جزا محذوف کی جگہ قائم ہے یعنی فَلَا اِسْتِحْقَاقَ فِيْهِ لِلْمُجَاهِدِيْنَ (اس میں عام مجاہدین کا حق نہیں ہے) اس لیے تم نے اس کو جنگ کے زور سے کافروں سے نہیں لیا تو جو مال کافروں سے بغیر جنگ کے حاصل ہو جائے تو وہ مالِ فئ ہوتا ہے جیسے بنونضیر کے اموال، اسی طرح کافروں سے جزیہ اور خراج حاصل ہو جائے، یا ان سے کچھ مال بغیر وارث کے رہ جائے تو اس کو بھی مالِ فئ کہا جاتا ہے اس کی تقسیم سورۃ انفال آیت 41 میں ذکر کی ہے۔ وَلَا رِكَابٍ: رَاكِبَةٌ کی جمع ہے اور عربوں کی عرف میں اس کا اطلاق صرف اونٹ کے سوار پر ہوتا ہے اور گھوڑ سوار کو فارس کہتے ہیں، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بنونضیر کے علاقوں کی طرف پیدل گئے تھے مگر نبی کریم ﷺ اونٹ یا گدھے پر سوار گئے تھے۔ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ: یعنی رسول اللہ ﷺ کے رعب کی وجہ سے لوگوں نے اپنے مالوں کو چھوڑ دیا تھا جیسے پہلے گزر گیا ہے۔

تفسیر 7: غیر مستحقین کے ذکر کرنے کے بعد مالِ فئ کے مصارف ذکر فرمائے ہیں اور جاہلیت کے طریقے کا رد ہے۔ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى: بنونضیر کے علاقے فدک اور بنو قریظہ کے بعض علاقے خیبر وغیرہ۔ فَلِلّٰهِ: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اختیار اور تصرف ہے اور لام تصرف کے مستقل ہونے کے لیے ہے۔ وَلِلرَّسُوْلِ: یہ لام استحقاق اور تقسیم کے اختیار کے لیے ہے یعنی رسول اللہ ﷺ اپنا خرچہ اور اپنے اہل کا خرچہ اس سے کرتے تھے اور باقی کو تقسیم کرتے تھے۔ وَلِذِی الْقُرْبٰى یہ لام صرف استحقاق کے طور پر مصرف کے ساتھ ہے اور ان سے مراد بنو ہاشم اور بنو المطلب کے ایمان والے ہیں اگرچہ اغنیاء (مالدار) ہوں۔ وَ الْيَتٰمٰى: سے مراد نابالغ مذکر اور مونث ہیں جن کا باپ مرا ہو اگرچہ ماں زندہ ہو۔ وَ

الْمَسٰكِيْنِ: اس لفظ میں فقراء بھی شامل ہیں اور جب دونوں لفظ ایک جگہ میں ذکر کیے جائیں تو پھر فرق ہو سکتا ہے جیسے سورۃ توبۃ آیت 60 میں ہے۔ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ: اس سے مراد مسافر ہے اگرچہ اپنے علاقے میں مالدار ہو لیکن سفر میں محتاج ہو گیا ہو۔ یہ مصارف سورۃ انفال میں بھی ذکر کیے ہیں لیکن ان کا حق مال غنیمت کے خمس میں تھا یعنی تمام غنیمت میں حق نہیں رکھتے ہیں اور مال فئ میں ان کا حق مطلق خمس کے بعد ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خمس اور باقی چار حصے ان چار قسموں کے لیے ہیں اور یہ قول راجح ہے اگرچہ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں ان کا حق مال غنیمت کے خمس کی طرح ہے یعنی خمس الخمس لیکن وہ قول مرجوح ہے۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ: اس جملے میں مال فئ کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم کا رد ہے اس لیے کہ جاہلیت میں مال فئ اور مال غنیمت میں پورا چوتھائی حصہ ان کے رئیس کا ہوتا اس وجہ سے اس کو مرباع یا ربیع القوم کہا جاتا تھا اور باقی تین حصوں میں بھی اس کا اختیار ہوتا کسی کو دیتے یا نہ دیتے اور اکثر مالداروں میں تقسیم کرتے تھے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ اسلام میں سرمایہ دارانہ نظام نہیں ہے جس طرح سوشلسٹ نظام میں بھی نہیں ہے، بلکہ ہر کسی کو مالدار ہو یا غریب ہو اس کا حق شرعی دیا جائے گا۔ دُوْلَةًۢ: دال کے پیش کے ساتھ وہ مال جو لوگوں کے درمیان گردش کرے اور یہ اسم ہے، اور دال کے زبر کے ساتھ غالب ہونے اور تسلط اور بادشاہی کو کہا جاتا ہے اور یہ مصدر ہے۔ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ: یہ لفظ قرآن اور سنت کے تمام اوامر پر مشتمل ہے اور مال فئ اس میں داخل ہے۔ اور مَآ اَمَرَكُمْ نہیں فرمایا ہے تاکہ ہر وہ قول اور فعل اور حال اس میں شامل ہو جائے جو صحیح حدیث سے ثابت ہو تو جو عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے چھوڑا ہے ہم اس کو چھوڑیں گے اس کا حال بھی مَآ اٰتٰىكُمْ میں داخل ہے جیسے ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوۃ جلد 1 صفحہ 41 میں لکھا ہے یعنی ہر قسم کی اعمال جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی اور اس کی طرف خصوصی ترغیب بھی نہیں دی ہے تو اس کا چھوڑنا سنت ہے اور اس عمومیت کے لیے دلائل یہ ہیں: **پہلی دلیل** صحیحین کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میں تمہیں کوئی حکم کروں تو اس پر اپنی استطاعت کے موافق عمل کرو اور جس چیز سے میں نے منع کیا ہے تو اس سے اپنے آپ کو بچاؤ (بخاری کتاب الاعتصام اور مسلم کتاب الفضائل باب توقیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث) **دوسری حدیث:** ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح مسلم میں ہے کہ اس نے گودنے والی چہرے کے بال اکھاڑنے اور دانتوں کے درمیان چیر لگانے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ذکر کی تھی؟ تو بنو اسد قبیلے کی ایک عورت جس کا نام ام یعقوب تھا اس کے پیچھے آئی اور اس سے کہنے لگی کہ آپ نے

کیوں فلاں فلاں عورت پر لعنت کی ہے؟ تو اس نے فرمایا کہ کیا میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہو تو اس عورت نے کہا کہ میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے اور یہ مسئلہ اس میں نہیں پایا تو اس نے کہا کہ اگر آپ (صحیح) پڑھتی تو آپ اس میں یہ مسئلہ پالیتی کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ تیسری دلیل بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے مُحرم کے حکم کے بارے میں ہے کہ سلے ہوئے کپڑے اتارنا اس پر لازم ہے اور اس آیت کو دلیل میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ قرطبی نے ذکر کیا ہے۔ چوتھا قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ محرم کی مکھی کو مارنے کے جواز کے بارے میں ہے اس کو اس آیت اور ایک حدیث سے ثابت کیا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی اتباع کے ساتھ ثابت کیا ہے اور اس آیت کے تحت اس کو داخل کیا ہے یہ قرطبی نے ذکر کیا۔ پانچویں دلیل نسائی میں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے اور ابن کثیر نے نقل کیا۔ چھٹی دلیل مَآ اٰتٰىكُمُ کے مقابلے میں مَا نَهٰىكُمُ لایا ہے دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حکم مراد ہیں یہ تمام دلائل دلالت کرتے ہیں کہ جو کوئی مَآ اٰتٰىكُمُ کو مال فئی کے ساتھ خاص کرتا ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی اتباع سے انکار کرتے ہیں جیسے منکرین حدیث تو یہ گمراہ ہیں اور ان کا یہ استدلال باطل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایتاء صرف مال اور محسوسات میں استعمال ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ اِیْتَآءِ کا استعمال اموال کے علاوہ میں بھی ہوا ہے جیسے سورۃ اعراف آیت 132، 203 سورۃ نساء آیت 3 سورۃ غافر آیت 50 سورۃ انعام آیت 4 میں ہے مزید آیتیں بھی ہیں اور اس آیت میں اہل بدعت کا رد ہے وہ بدعات کے جواز کے لیے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت امر اور نہی ہے اور بدعات میں نہی نہیں ہے رد کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت امر اور نہی کے علاوہ ترک کو بھی شامل ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمل کو ترک کر دینا اس کی نہی پر دلیل ہے اور یہ مَآ اٰتٰىكُمُ کے تحت داخل ہے جیسے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ
اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ
يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾

"یہ (مال فیٔ) مہاجرین مساکین کے لیے ہے وہ لوگ جو اپنے گھروں سے اور مالوں سے نکالے گئے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں [8] اور وہ لوگ جو گھروں میں آباد ہوئے اور ایمان ان مہاجرین کے آنے سے پہلے حاصل کیا، اپنی طرف ہجرت کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے، بلکہ اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود کو کتنی حاجت ہو اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا پس یہی لوگ کامیاب ہیں [9]۔

تفسیر 8: اس آیت میں مال فیٔ کے اصل مستحقین ذکر فرماتے ہیں کہ وہ تین قسم کے ہیں اور استحقاق کی علت کی طرف اشارہ کیا ہے اور مہاجرین کی پانچ صفات ذکر کی ہیں۔ لِلْفُقَرَآءِ: وَلِذِي الْقُرْبٰى سے بدل ہے یا مبتدا محذوف ہے یعنی اَمْوَالُ الْفَيْءِ لِلْفُقَرَآءِ اور یہ صفات مہاجرین کی شروع میں تھیں بعد میں اکثر مالدار ہوئے۔ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا: اس وصف میں اشارہ ہے کہ حقیقی مہاجرین مراد ہیں اس لیے کہ مہاجرین تو اس کو کہا جاتا ہے جو گناہوں سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ: اشارہ ہے کہ ان کے گھر اور مال تھے لیکن اس سے ہجرت کرنے کے سبب یہ فقیر ہو گئے اس لیے کہ ان کے قبضے سے اور اختیار سے باہر ہو گئے اور ان کی ملکیت اس سے زائل ہوئی ہے یا زائل نہیں ہوئی ہے یہ اس سے معلوم نہیں ہوتا اہل اور اولاد تو اکثر مہاجرین کے ساتھ تھے اس وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا: اس سے مراد اجر اور ثواب اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی مستقل نعمت ہے۔

وَّيَنْصُرُوْنَ: یعنی ہجرت کے بعد دعوت اور جہاد کرنا نہیں چھوڑا بلکہ اس کو جاری رکھا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ: معلوم ہوا کہ ہجرت اور اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت ایمان کے صدق کی دلیل ہے۔

تفسیر 9: یہ الْمُهٰجِرِيْنَ پر عطف ہے اور اس میں انصار کی پانچ صفات ذکر کی ہیں اور ان کے لیے بھی مال فیٔ میں حصہ ہے۔ تَبَوَّؤُ الدَّارَ: الف لام عہدی ہے یعنی ہجرت اور نصرت کا گھر وَ الْاِيْمَانَ جب تَبَوَّؤُ ایمان کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں فعل پوشیدہ ہے یعنی اَخْلَصُوا الْاِيْمَانَ یا تَبَوَّؤُ لزوم کے معنی میں ہے تو ایمان کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ مِنْ قَبْلِهِمْ: اس سے مراد قَبْلَ هِجْرَتِهِمْ یعنی مہاجرین کی آمد سے پہلے انصار مدینہ میں سکونت پذیر تھے اور اکثر نے ایمان لایا تھا اس لیے کہ ان کے دو وفدوں نے مکہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیعت عقبہ کی تھی اور پھر ان کی دعوت سے اکثر مدینہ والوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ: اس جملے کو حال

کے طور پر ذکر کیا اشارہ ہے کہ ایمان کے ساتھ مہاجرین سے محبت تھی اور محبت سے مراد دلوں کی محبت تھی اور ان کے ساتھ مدد کرنا نفسوں اور مالوں کے ذریعے تھا۔ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً: حَاجَةً سے مراد حسد، بغض، اور دھوکا اور ناراضگی ہے۔ مِّمَّآ اُوْتُوْا: ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے یعنی جب مہاجرین کو مال فئی زکوٰۃ وغیرہ دی جاتی ہے اور عزت اور مرتبہ دیا گیا ہے تو انصار اس پر کچھ بھی ناراضگی اور حسد نہیں کرتے یا یہ ضمیر انصار کی طرف راجع ہے یعنی ان کو جتنا بھی مال فئی وغیرہ دیا جائے اگرچہ کم ہو لیکن اس پر ناراض نہیں ہوتے۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ: یہ انصار کی محبت اور عدمِ حسد اور اخلاص کی دلیل ہے، یعنی مہاجرین کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم کرتے ہیں ایثار دوسرے شخص کو دنیاوی حصوں میں اپنے اوپر مقدم کر لینا اخروی حصوں کو حاصل کرنے کے لیے اور یہ کمال یقین اور پوری محبت کی دلیل ہے۔ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ: میں اشارہ ہے کہ ان کے نفسانی خواہشات اس بارے میں بالکل مغلوب ہوئی ہیں۔ خَصَاصَةٌ: نفس کی احتیاج اور ضرورت اور بھوک کو کہا جاتا ہے یعنی انکا ایثار استغناء کی وجہ سے نہیں بلکہ ضرورت کے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے اور انصار کے ایثار کے بہت سے واقعات احادیث میں آئے ہیں اور مفسرین نے بہت سے قصے لکھے ہیں اور تعمیم کے لیے۔ يُؤْثِرُوْنَ کے مفعول کو حذف کیا ہے، یعنی يُؤْثِرُوْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ نفس کا ایثار مال کے ایثار سے زیادہ اعلیٰ ہے، جیسے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے نبی کریم ﷺ کو احد میں بچاتے تھے اور دشمنوں کے تیر اس کے ہاتھوں پر لگتے تھے اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا صحیح بخاری۔ اور امام قرطبیؒ نے ابویزید البسطامی سے نقل کیا ہے کہ بلخ کا ایک نوجوان مجھ پر غالب ہو گیا تھا وہ حج کے لیے آیا تھا تو مجھ سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک زھد کس کو کہا جاتا ہے؟ میں نے کہا کہ کھانا مل جائے تو کھاتے ہیں اور نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں اس نے کہا کہ اس طرح تو بلخ میں کتے بھی ہیں۔ تو میں نے کہا کہ تمہارے نزدیک زھد کس کو کہا جاتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہمیں اگر نہیں ملتا تو بھی شکر کرتے ہیں اور جب مل جائے تو ایثار کرتے ہیں یعنی دوسرے محتاج کو دیتے ہیں۔ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ: اس میں اشارہ ہے کہ یہ گزرے ہوئے اوصاف دلیل ہے کہ انصار میں شح اور بخل نہیں تھا اور یہ فلاح کے مستحق ہیں۔ شح اور بخل میں فرق یہ ہے کہ بخل عام ہے وہ انسان کی طبیعت بن گئی ہو اور شح یہ ہے کہ حرص انسان کی طبیعت بن جائے اس وجہ سے سورۃ نساء آیت 128 میں وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ فرمایا ہے اور ابن جریر نے فرمایا ہے کہ شح یہ ہے کہ غیر کے مالوں کو ظلم کے ساتھ کھائے اور بخل یہ ہے کہ اپنا مال کسی اور کو نہیں دیتا۔ امام شربینیؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ شح یہ ہے کہ غیروں کے

مالوں کو دیکھتا ہے کہ کس طریقے سے اس کو حاصل کروں طاؤس نے فرمایا ہے کہ شح یہ ہے کہ اپنا مال نہیں دینا اور غیر کے مالوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ بندے کے دل میں شح اور ایمان کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

”اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں معاف کر دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جنہوں نے ہم سے پہلے ایمان حاصل کیا ہے اور ہمارے دلوں میں ناراضگی نہ ڈالنا، ان سے جو ایمان لائے ہیں اے ہمارے رب! تو شفقت کرنے والے مہربان ہے[10]۔

تفسیر 10: اس آیت میں تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ ان کا مال فیٔ میں حق ہے، وہ صحابہ کرام (مہاجرین اور انصار) کی پیروی کرنے والے اور ان کے لیے دعا کرنے والے ہیں قیامت تک اور یہ تینوں قسمیں سورۃ توبہ آیت 100 میں بھی ذکر کی ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ: وجود میں آنا، یا ایمان کی طرف آنا مراد ہے۔ وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ: الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ یہ دلیل ہے کہ اخوت سے مراد ایمانی اخوت ہے اور یہ لفظ تمام ایمان والوں کے لیے ہے عموماً جو ہر نبی کی امت میں ہو اور خصوصاً ہمارے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے لیے۔ غِلًّا: طبعی ناراضگی کو کہا جاتا ہے اور حسد اور بغض کی بہ نسبت یہ ادنیٰ چیز ہے، تو ادنیٰ کا ازالہ اعلیٰ کے ازالے کو مستلزم ہے۔ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اس میں سَبَقُوْنَا کی قید ذکر نہیں کی ہے، زیادہ عموم کی طرف اشارہ ہے، گزرے ہوئے ایمان والے، یا موجودہ ہوں۔ قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے کہ صحابہ کرام کے ساتھ محبت واجب ہے، اس لیے کہ فیٔ کے حق کے لیے شرط ان کا استغفار اور عدم غل ٹھہرایا ہے، تو جو کوئی تمام صحابہ کرام کو، یا ان میں سے ایک کو برا بھلا کہتا ہے، یا ان کے ساتھ بغض رکھے تو اس کے لیے مال فیٔ میں حق نہیں ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سے ایک خوبصورت استدلال کیا ہے کہ جو کوئی ایک صحابی کے ساتھ بغض رکھتا ہے، یا دل میں ناراضگی رکھے تو مسلمانوں کے مال فیٔ میں اس کا کچھ حق نہیں ہے۔ اور امام ابن کثیرؒ نے اور امام قرطبیؒ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ تمہیں حکم کیا گیا ہے کہ تمام صحابہ کرام کے لیے استغفار کرو تم نے ان کو گالی اور برا بھلا کہنا شروع کیا ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اور امام شعبی سے منقول ہے

کہ یہود ونصاریٰ اہل تشیع سے ایک خصلت کی وجہ سے بہتر ہیں۔ وہ یہ ہے کہ یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں کون بہتر ہے تو انہوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب (ساتھی) اور نصاریٰ سے سوال کیا گیا کہ تمہاری ملت میں کون بہتر ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ اور روافض سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں شریر کون ہیں؟ تو یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام۔ اور مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ لوگ تین قسم کے ہیں (مہاجرین اور انصار) یہ دونوں تو گزر گئے اور تیسری قسم (تَابِعُوْنَ بِإِحْسَانٍ) یہ ابھی بھی باقی ہیں تو اپنے آپ کو اس قسم میں داخل کرو یعنی صحابہ کرام کے ساتھ بغض نہ رکھو اور ان کی پیروی کرو اسی طرح ابن ابی لیلیٰ سے بھی منقول ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١١﴾ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِن قُوتِلُوا لَا يَنصُرُونَهُمْ وَلَئِن نَّصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ﴿١٢﴾ لَأَنتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٣﴾

"کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو منافق ہو گئے وہ اپنے ان بھائیوں سے جو اہلِ کتاب میں سے کافر ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم نکال دیئے جاؤ گے تو یقیناً بلاشبہ ہم تمہارے ہمراہ نکل چلیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائیں گی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ لوگ جھوٹے ہیں[11] اگر وہ نکال دیئے جائیں گے تو یہ ان کے ہمراہ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی جائے گی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر یہ ان کی مدد کریں تو بے شک یہ پیٹھ پھیرلیں گے پھر انہیں مدد نہ دی جائیں گی[12] بے شک تمہارا رعب ان کے سینوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہے یہ اس وجہ سے کہ وہ نا سمجھ قوم ہے[13]۔

تفسیر 11: اس آیت سے سورت کے آخر تک دوسرا باب ہے، اس باب میں منافقین کے تیرہ قبائح ذکر فرمائے ہیں۔ یہ وہ قبائح ہیں جو بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت منافقین میں ظاہر ہو گئے، اور منافقین کو زواجر ہیں اور ان کی قباحت کو ظاہر کرنے کے لیے دو مثالیں ذکر کی ہیں، پھر ایمان والوں کو تقویٰ کا حکم ہے اور منافقین اور کافروں کی مشابہت سے تحذیر ہے اور ان کے فرق کا بیان ہے، پھر خشیت کے حصول کے لیے قرآن کی طرف ترغیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے ذریعے

توحید کے مسئلے پر اختتام ہے اور یہ خشیت کا مقصد ہے۔ جب ایمان والوں کے احوال ذکر کیے تو اب آیت 11 میں منافقین کے تین قبائح کے ساتھ زجر ہے پہلی قباحت نفاق۔ دوسری قباحت یہود کے ساتھ نصرت اور موافقت کا وعدہ۔ تیسری قباحت ان کا جھوٹ۔ نَافَقُوْا: اس میں اشارہ ہے کہ یہ بعد والے سارے اوصاف نفاق کی وجہ سے ہیں۔ لِاِخْوَانِهِمُ: ان کے ساتھ اخوت اعتقاد اور دوستی کی وجہ سے ہے۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اس سے مراد بنونضیر ہیں اَحَدًا: اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے یعنی اگر یہ ہمیں تمہارے قتال یا اخراج یا تذلیل کے بارے میں حکم دیں تو ہم اس کا حکم نہیں مانتے لَكٰذِبُوْنَ: کذب اس وجہ سے ہے کہ یہ صرف زبان سے وعدہ کرتے ہیں، دل میں اسے پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہے، یا اس وجہ سے ہے کہ یہ کام یہ نہیں کر سکتے ویسے کہتے ہیں۔

تفسیر 12: اس آیت میں ان کے جھوٹ کو ثابت کیا ہے اور منافقین کی چار حالتیں ذکر کی ہیں۔ اُخْرِجُوْا اور قُوْتِلُوْا اور مَعَهُمْ اور هُمْ ضمیریں یہودیوں کی طرف راجع ہیں۔ لَا يَخْرُجُوْنَ اور نَصَرُوْهُمْ اور لَيُوَلُّنَّ اور لَا يُنْصَرُوْنَ کی ضمیریں منافقین کی طرف راجع ہیں۔ اور لَا يُنْصَرُوْنَ: وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ میں فرق یہ ہے کہ خوشی کے ساتھ ان کی مدد نہیں کرتے ہیں اور اگر ان کی مدد کرنے کو مجبور کیے جائیں تو پیٹھ پھیر لیں گے، یا یہ کہ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ: فاعل کی ضمیر یہود کی طرف راجع ہے اور هُمْ: ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے یعنی اگر یہودی منافقین کی مدد کریں تو یہودی پیٹھ پھیر لیں گے۔ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ: اس سے مراد ہر جانب سے ان کی نفی ہے۔

تفسیر 13: یہ ماقبل کے لیے علت ہے اور اس میں منافقین کی دو صفتیں ذکر کی ہیں۔ فِيْ صُدُوْرِهِمْ: ضمیر منافقین اور یہود دونوں کی طرف راجع ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ: جیسے سورۃ نساء آیت 77 میں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بعد میں ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ پر یقین نہیں رکھتے ہیں تو اس وجہ سے اتنا نہیں ڈرتے ہیں جس طرح تم سے ڈرتے ہیں رَهْبَةً: وہ سخت خوف جو اضطراب اور غم کے ساتھ ہو۔ لَا يَفْقَهُوْنَ: اسی طرح سورۃ نساء آیت 78 اور سورۃ توبۃ آیت 87 میں ہے۔ فقہ کلام کے ظاہری مفہوم اور اس کے اشارات اور حکمتوں کو سمجھنا ہے اور یہ علم، معرفت اور فہم سے اعلیٰ درجہ ہے۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۚ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۚ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

الْعٰلَمِیْنَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۝ ع

"یہ تم سے سب مل کر نہیں لڑ سکتے مگر بلند قلعوں میں یا دیوار کے پیچھے سے ان کی لڑائی خود آپس میں بہت سخت ہے، تم انہیں یکجا دیکھتے ہو اور ان کے دل ایک دوسرے سے خلاف ہیں، یہ اس سبب سے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں[14] ان کا حال ان لوگوں کے حال کی طرح ہے جو ان سے کچھ پہلے تھے اپنے عمل کا وبال چکھ لیا اور ان کے لیے آخرت میں بھی دردناک والا عذاب ہے[15] ان کا حال شیطان کے حال کی طرح ہے جب انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا، پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میں آپ سے بیزار ہوں، یقیناً میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے[16] تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں آگ میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ظالموں کی سزا ہے[17]۔

تفسیر 14: یہ ان کی رعبت کا نتیجہ ہے، اور اس میں ان کی چار قباحتیں ذکر کی ہیں۔ لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ: ضمیر منافقین اور یہود دونوں کی طرف راجع ہے جَمِیْعًا: یعنی اکیلے تو بالکل قتال نہیں کر سکتے لیکن اگر سب اکٹھے ہو جائیں تو پھر بھی نہیں لڑ سکتے ۔اِلَّا فِیْ قُرًى: یعنی انتہائی خوف اور بزدلی کی وجہ سے ایمان والوں سے روبرو لڑائی نہیں کر سکتے اور خیبر میں ان کی لڑائی قلعوں میں اور دیواروں کے پیچھے سے تھی تو اس کا استثناء اس وجہ سے کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ دور حاضر میں مسلمان کافروں سے ڈرتے ہیں اور ان کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے اس وجہ سے کہ اکثر مسلمان بھی منافقین کی صفت اور مشرکین کی طرح شرک میں مبتلا ہیں۔ بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ یعنی ان کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی اور اختلاف زیادہ ہے۔ یا یہ کہا آپس میں جنگ کی باتیں اور اپنے لڑنے کی سخت صفات بیان کرتے ہیں۔ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى: یعنی ایمان والوں کی مخالفت میں متفق ہیں لیکن ان کے عقائد اور خواہشات اور ارادوں میں بہت تفاوت اور اختلاف ہے لیکن دلوں کے اختلاف کے ساتھ ظاہری اتحاد کچھ فائدہ نہیں دیتا جیسے دور حاضر میں کوئی ایک دوسرے کے ساتھ مختلف مسلک والے اتحاد ظاہری کر لیں لیکن اس کا کچھ صحیح نتیجہ نہیں۔ لَّا یَعْقِلُوْنَ: اشارہ ہے کہ عقیدے اور مسلک اور خواہشات کا اختلاف عقل کے نقصان کی وجہ سے ہے، جبکہ آراء اور نظریہ عقل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے تو اس کے ساتھ لَا یَعْقِلُوْنَ ذکر کیا، جبکہ عظمت کی رہبت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کمال علم سے تعلق رکھتا ہے تو پہلے لَا یَفْقَهُوْنَ ذکر کیا تھا۔

تفسیر 15: یہ مثال منافقین کو تخویف دنیاوی کے لیے ہے اور مَثَلُهُمْ: لفظ پوشیدہ ہے اور الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے

مراد بدر میں کفار قریش ہیں اور بنو قینقاع کے یہودی اور بنو نضیر سے پہلے ان پر عذاب آیا تھا۔ وَبَالَ اَمْرِهِمْ: امر سے مراد ان کا کفر اور حق کے ساتھ دشمنی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ توڑنا ہے۔ وَبَالَ: سے مراد بدر میں کفار قریش کا قتل ہے اور بنو قینقاع کو گھروں سے نکالنا ہے۔

تفسیر 16، 17: یہ دوسری مثال ہے لیکن ماقبل پر عطف نہیں کیا اس لیے کہ یہ مثال دنیاوی عذاب کی ہے اور وہ مثال یہود بنو نضیر کے ساتھ منافقین کے دھوکے کی ہے، یا یہ کہ پہلی مثال یہود کی ہے اور دوسری مثال منافقین کی ہے، تو دونوں مستقل مثالیں ہیں اور اس مثال میں شبہ یہ ہے کہ منافقین نے یہود سے کہا کہ اس نبی کی مخالفت کرو اور اس کے ساتھ لڑائی بھی کرو، ہم تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے ساتھ بستی سے نکلیں گے جیسے آیت 11 میں گزرا ہے اور یہودی ان کے اس قول سے دھوکا کھا گئے اور کفر پر ڈٹ گیے اور جب نکالے گئے تو منافقین نے ان سے براءت کی اور مشبہ یہ اس میں مجاہد کے قول کے اعتبار سے ہر وہ انسان ہے جو کفر، وشرک اور نفاق کرتا ہے شیطان انسی، یا جنی کے وسوسے سے اور جب انسان کفر شرک نفاق میں پختہ ہو جاتا ہے تو شیطان اس سے برأت کر لیتا ہے اس خوف سے کہ مجھے عذاب میں شریک نہ کر دے لیکن یہ براءت شیطان کو کچھ فائدہ نہیں دیتی ہے بلکہ دونوں کی عاقبت (انجام) جہنم کی آگ ہوگی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ الْاِنْسَانِ: سے مراد کفار قریش ہیں اور شیطان نے بدر کے دن لڑائی پر اکسایا ہے، جیسے سورۃ انفال آیت 48 میں گزرا ہے اور ان دونوں توجیہات پر الْاِنْسَانِ: سے مراد جنس ہے جو واحد اور زیادہ پر مشتمل ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ انسان سے مراد برصیصا راہب ہے اور اس کا واقعہ ابن کثیر اور امام قرطبیؒ وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے، اسرائیلی روایت ہے تصدیق یا تکذیب اس کی نہیں کرتے لیکن پہلا قول راجح ہے۔ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ: شیطان کے اس قول میں خوف ایمانی مراد نہیں ہے بلکہ خوفِ طبعی یا خوف کا جھوٹا دعویٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿18﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿19﴾

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہر شخص غور کرے کہ اس نے کل کے لیے کیا کر کے بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بے شک جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے [18] اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا کہ انہوں نے اللہ کو بھلا یا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے نفسوں کو بھلا دیا اور یہی لوگ نافرمان ہیں [19]۔

تفسیر 18: منافقین کی بحث کے بعد ایمان والوں کو خطاب ہے تاکہ منافقت کی صفات سے اپنے آپ کو بچالیں اور اس میں تین حکم اور ایک نہی ذکر کیا ہے۔ پہلا اتَّقُوا اللّٰهَ: اس سے مراد ایمانیات کا تقویٰ ہے یعنی ہر قسم کے شرک اور کفر سے اپنے آپ کو بچانا۔ دوسرا وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ: یعنی اپنے ساتھ حساب کرنا، حق اور باطل کے درمیان تمیز کرنا۔ لِغَدٍ: اس سے مراد حساب کا دن ہے غَدٌ عرب کے محاورے میں آنے والے دن کو کہا جاتا ہے اور اشارہ ہے کہ دنیا کی تمام عمر ایک دن کی طرح ہے اور کل قیامت ہے۔ تیسرا اتَّقُوا اللّٰهَ: اس سے مراد اعمال کا تقویٰ ہے یعنی حکموں کی پابندی کرنا اور نواہی سے اپنے آپ کو بچانا اور تقویٰ کی ان دونوں صفتوں میں یہود اور منافقین کی صفات سے اپنے آپ کو بچانا داخل ہے۔ خَبِيْرٌ: یہ صفت ظاہر اور باطن دونوں علم اس میں شامل ہیں۔

تفسیر 19: یہ چوتھا خطاب ہے اس سے مراد کافر، منافقین مشرکین کی مشابہت سے ہر طریقے سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ مشابہت عقیدے میں ہو یا کہ عمل اور اخلاقیات میں ہو، اور چاہے صورت میں یا سیرت میں ہو اور چاہے غم اور خوشی میں ہو اور چاہے لباس وغیرہ میں ہو جیسے سورۃ آل عمران آیت 156 اور سورۃ احزاب آیت 69 میں ان کی تشبیہ سے منع کیا ہے۔ نَسُوا اللّٰهَ: مضاف محذوف ہے یعنی ذِكْرَ اللّٰهِ یا عَذَابَ اللّٰهِ اور نسیان قصداً چھوڑنے کے معنی میں ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس سے غفلت کی جائے تو پھر بھول جاتا ہے اسی وجہ سے اس کی تعبیر نسیان کے ساتھ کی۔ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ: جزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے اسی وجہ سے یہ تعبیر کی گئی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیک عمل کی توفیق نہیں دیتا اور اگر نیک عمل کریں تو اس کے ساتھ شرک اور بدعت اور ریاکاری وغیرہ خلط ملط ہوتی ہے، تو ان کو قیامت میں کچھ نفع نہیں دے گی۔ الْفٰسِقُوْنَ: پورا فاسق وہ ہے کہ جو عقیدے اور عمل دونوں میں اللہ تعالیٰ کے دین سے نکلا ہو اور اشارہ ہے کہ اللہ کے ذکر کو بھلانا فسق کا سبب ہے۔

لَا يَسْتَوِيْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۰ آگ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں، جنت والے ہی کامیاب ہیں [20] اگر ہم اس قرآن کو ایک پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے عاجزی کرنے والا ٹکڑے ٹکڑے دیکھتے اور یہ مثالیں ہیں ہم لوگوں کے لیے ان کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں [21]۔

تفسیر 20: یہ ماقبل کی علت ہے یعنی ایمان والے اس وجہ سے کافروں کی مشابہت سے اپنے آپ کو بچائیں کہ ان کے انجام میں پورا فرق ہے۔ اَصْحٰبُ النَّارِ: وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلایا اور یہودیت اور منافقت کے اوصاف ان میں موجود ہیں۔ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ: وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفار اور منافقین کے اوصاف اور مشابہت سے اپنے آپ کو بچایا اور فریقین کی یہ عدم مساوات سورۃ غافر آیت 58 اور سورۃ جاثیہ آیت 21 اور سورۃ ص آیت 28 اور سورۃ سجدۃ آیت 18 میں ذکر ہوئی ہے۔ فائدہ: ابو سعود نے تفسیر میں لکھا ہے کہ اصحاب النار کو پہلے اس وجہ سے ذکر کیا کہ عدم مساوات کا سبب یعنی کوتاہی ان کی جانب سے ہے کہ انہوں نے اپنے اندر جنت والوں کے اوصاف پیدا نہیں کیے اور جب برعکس ذکر ہو تو دوسری حکمت ہوتی ہے جو اپنی جگہ ذکر کی جاتی ہے۔ الْفَآئِزُوْنَ: یہ الْخَاسِرُوْنَ کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ گزری ہوئی آیت میں فسق جو نقصان کا سبب ہے خسران کی جگہ ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 21: اس آیت میں تین توجیہات ہیں: **پہلی توجیہ** یہ ہے کہ منکرین کو زجر کے ساتھ قرآن کی عظمت ذکر فرمائی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک پہاڑ کو اللہ تعالیٰ انسان کی طرح عقل اور سمجھ عطا کرتا اور اس کو قرآن کا مکلّف بناتا اور قرآن اس کو سناتا تو وہ خشیت کی وجہ سے ٹکڑے ہو جاتا اگرچہ انتہائی سخت پتھروں سے بھرا ہے لیکن اعراض کرنے والے انسان کا انتہائی سخت دل ہے کہ قرآن کے ذریعے اس میں اثر پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس کا مضمون سورۃ بقرۃ آیت 74 کی طرح ہے۔ **دوسری توجیہ** یہ ہے کہ اس میں قرآن کا ثقل (بھاری ہونا) اور نبی کریم ﷺ پر احسان ذکر کیا ہے یعنی قرآن کریم کا بوجھ اور بھاری پن تو اتنا ہے کہ پہاڑ اس کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اتنی قوت دی ہے کہ وہ قرآن کے نزول کے بھاری ہونے اور تبلیغ کے بوجھ کو برداشت کرتے ہیں جیسے سورۃ مزمل آیت 5 میں ثقل ذکر ہے اور سورۃ مریم آیت 97 اور سورۃ دخان آیت 58 میں یسر (آسانی) ذکر کی ہے۔ **تیسری توجیہ** یہ ہے کہ اس میں قرآن کریم کا بھاری ہونا اور جواب سوال ذکر فرمایا ہے یہود اور مشرکین کا سوال یہ تھا کہ قرآن کریم ایک ساتھ اس نبی پر کیوں نازل نہیں ہوا؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ساتھ (اکٹھا) اگر یہ قرآن پہاڑ پر بھی نازل ہو جائے تو وہ بھی برداشت نہیں کر سکتا جب کہ پہاڑ کے جسم کی قوت بہت زیادہ ہے تو نبی کریم ﷺ اس کو کس طرح برداشت کرتے؟ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا نازل کیا ہے اس کے باوجود بھی نبی کریم ﷺ پر سخت سردی میں پسینہ آتا تھا (صحیح بخاری) اور ان سب توجیہات کے ساتھ آیت کا ربط ماقبل کے ساتھ یہ ہے کہ یہود اور منافق وغیرہ اس قرآن کے ذریعے

أَصْحَابُ النَّارِ کی جماعت سے نکل سکتے ہیں اس شرط پر کہ اس میں غور وفکر کریں اور اس پر ایمان لائیں اور قرآن کے سبب سے اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کریں اور ڈر جائیں اور تیسری توجیہ کی بنا پر القرآن سے پورا قرآن مراد ہے ۔خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ: یعنی قرآن کے ذریعے پہلے اللہ تعالیٰ کی خشیت حاصل ہوتی ہے اور پھر خشیت کی وجہ سے خشوع پیدا ہوتا ہے، پھر جب خشوع ترقی کر لیتا ہے تو تصدع پیدا ہوتا ہے، خشوع سے مراد اطاعت کے ذریعے عاجزی کرنا اور تصدع سے مراد گناہ اور عذاب کے خوف سے پھٹنا۔ فائدہ: مسلمانوں میں اس کے مصداق ترتیب سے یہ ہے کہ نماز کے قیام کے دوران قرآن خود پڑھتے ہیں اور امام سے خشیت کے ساتھ سنتے ہیں تو اس کے بعد رکوع کر کے کے ذریعے خشوع کریں جیسے حدیث میں خشوع کا اطلاق رکوع پر ہوا ہے اور پھر خشوع کے بعد سجدہ کرنے کے ذریعے تصدع پیدا ہو جاتا ہے اور رونے کے ذریعے بھی تصدع پیدا ہوتا ہے۔ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ: اس میں اشارہ ہے کہ پہاڑ کے حال کا ذکر انزال کے وقت میں تمثیل کے لیے ہے اور مثال کے لیے اس چیز کا امکان کافی ہوتا ہے اگرچہ وقوع اور وجود میں نہیں آیا ہو۔ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ: مثال میں تفکر یہ ہے کہ اس میں ممثل لہ اور ممثل بہ اور تمثیل کی وجہ معلوم کریں اور پھر اس سے وعظ وعبرت حاصل کریں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٢٣﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٤﴾ ع

"اللہ تعالیٰ وہی ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، غیب اور ظاہر کو جاننے والا وہی ہے بخشنے والا مہربان ہے [22] خاص وہ اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے، نہایت پاک ہے، سب عیبوں سے صاف ہے، امن دینے والا نگہبان ہے، غالب ہے زور آور ہے، بڑائی والا ہے پاک ہے، اللہ تعالیٰ ان سے جن کو یہ شریک بناتے ہیں [23] وہی اللہ تعالیٰ ہے پیدا کرنے والا ہے دنیا بنانے والا صورت بنانے والا، اور اس کے بہت اچھے نام ہیں اس کے لیے پاکی بیان کرتا ہے جو کچھ آسمان وزمین میں ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے [24]۔

تفسیر 22: شربینی نے ربط کے بارے میں فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی عظمت ذکر ہوئی اور قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو اب موصوف جو کہ اللہ تعالیٰ ہے، کی عظمت ذکر بیان فرمائی ہے اس وجہ سے صفت کی عظمت موصوف کی عظمت کی وجہ

سے ہے۔ دوسرا ربط یہ ہے کہ قرآن کے ذریعے خشیت اور خشوع تب حاصل ہوتا ہے جب اللہ کے اسمائے حسنٰی اور صفات عُلیا کو پہچان لیں اور ان تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کو تکرار کو حذف کر کے بیس مرتبہ ذکر کیا ہے۔ هُوَ: ضمیر قرآن کے نازل کرنے والے کی طرف راجع ہے، یا اس کا مرجع وہ ذات ہے جو تمام ذہنوں اور فکروں میں موجود ہے اور اپنی عظمت شان کے اعتبار سے غائب ہے۔ اللّٰهُ: یہ هُوَ کی خبر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ہے جو آنے والی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: یہ پہلی صفت ہے اور اس میں مقصود تخصیص کے طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے ہر چیز پر علم کی دلیل سے الوہیت کا اثبات ہے یعنی اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اسی وجہ سے اس کے بعد علم کی صفت ذکر کی ہے۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ: یہ دوسری صفت ہے الْغَیْبِ اور الشَّهَادَةِ مقصود ہیں اسم فاعل کے معنی میں ہیں یعنی وہ چیزیں جو مخلوق سے غائب ہیں اور مخلوق کے سامنے حاضر ہیں۔ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ: یہ دو صفتیں یعنی دنیا میں عام نعمتوں کی تقسیم اور دنیا اور آخرت میں خاص نعمتوں کی تقسیم اس کے علم سے ہے اس مناسبت کی وجہ سے یہ صفتیں ایک ساتھ ذکر کیں۔

تفسیر 23: اس میں مقصود اختصاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر چیز میں ہر جہت کے ساتھ اس کی قدرت و تصرف کے دلیل کے ذریعے الوہیت کو ثابت کیا ہے، اسی وجہ سے بعد میں تصرف کی صفتیں ذکر کی ہیں، تو معلوم ہوا کہ الوہیت کو ثابت کرنے کے لیے دو قسم کی صفتیں ضروری ہیں۔ صفت علم بکل شیء اور ہر چیز پر قادر ہونے کی صفت، اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات کا خلاصہ ہے۔ اَلْمَلِكُ: امر اور نہی کے ذریعے اور خوبصورت نظام اور ترتیب کے ذریعے تمام مخلوق میں تصرف اور تدبیر کرنے والا ہے۔ الْقُدُّوْسُ: ذات اور تمام صفات میں اور خاص کر اپنی بادشاہت چلانے میں ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ السَّلٰمُ: ذات اور صفات میں ہر نقصان اور عیب کے پیش آنے سے سالم اور پاک ہے تو قدوس اور سلام کا فرق یہ ہے کہ اصلی اور ذاتی نقصان اس میں نہیں تو قدوس ہے، اور عارضی نقص اور عیب بھی اس میں نہیں آ سکتا، تو سلام ہے، یا بندوں کو سلامتی دینے والا ہے، یا ظلم کرنے سے سلامتی دینے والا ہے، یعنی کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا ہے۔ الْمُؤْمِنُ: اپنے دوستوں کو عذاب سے امن دینے والا ہے اور تمام لوگوں کو ظلم کے خوف سے امن دینے والا ہے۔ السَّلٰمُ: کے دوسرے کے معنی اور الْمُؤْمِنُ میں فرق یہ ہے کہ السَّلٰمُ میں اشارہ ہے اللہ تعالیٰ ظلم کا معاملہ کسی کے ساتھ نہیں کرتے اور الْمُؤْمِنُ میں اشارہ ہے کہ ظلم کے خوف سے امن دیا ہے، یا الْمُؤْمِنُ: اپنی توحید کو اپنی شہادت کے ساتھ

جو(شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) ہے اور دلائل کے ساتھ واضح کرنے والا ہے یہ معنی مجاہد سے منقول ہے یا معجزات کے ساتھ اپنے رسولوں کی تصدیق کرنے اور مسلمانوں کا ثواب دینے والا ہے۔اَلْمُهَيْمِنُ: تمام مخلوق اور ان کے اعمال پر نگہبان ہے۔ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ (سورۃ رعد آیت33) اَلْعَزِيْزُ: یعنی اس وجہ سے سلامتی اور امن دے سکتا ہے کہ اس کام پر غالب ہے جو چاہے، اور کوئی بھی اس کو اس کے ارادے سے منع نہیں کر سکتا ہے عزت والا ہے بے مثال ہے بے نظیر ہے۔ اَلْجَبَّارُ: ابن قیم رحمہ اللہ نے قصیدہ نونیہ میں اس کے تین معانی ذکر کیے ہیں اور اس کی طرف قرطبی نے بھی اشارہ کیا ہے۔ پہلا معنی جبر اصلاح کے معنی میں ہے یعنی مخلوق کی کمزوری اور بیماریوں کی اصلاح کرتا ہے۔ دوسرا معنی تمام مخلوق پر زور آور ہے کہ وہ زبردستی قوت کے ساتھ اپنا ارادہ مخلوق میں نافذ کر سکتا ہے۔ تیسرا معنی (علم کی صفت کے ساتھ) مخلوق سے بلند ہے اس تک کسی کا ہاتھ اور طاقت نہیں پہنچ سکتا اور چوتھا معنی یہ ہے کہ جبار وہ ذات ہے کہ اس پر کسی کا قانون اور حکم اور زور نہیں چل سکتا ہے اور یہ معنی سورۃ مریم آیت 14 میں مراد ہے۔ اور جَبَّارٌ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مدح کی صفت ہے اور مخلوق کے لیے عیب ہے۔ اَلْمُتَكَبِّرُ: دلائل عقلی اور وحی کے ذریعے اپنی کبریائی کو ظاہر کرنے والا ہے تمام مخلوق پر ذات اور صفات کے اعتبار سے بہت بڑا ہے مُسْتَكْبِرٌ اور مُتَكَبِّرٌ میں فرق یہ ہے کہ استکبار ہمیشہ ناحق بڑائی میں استعمال ہوتا ہے اس وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں نہیں آتا اور تکبر کبھی حق کے ساتھ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی صفت میں اور کبھی ناحق ہوتا ہے جیسے مخلوق کی صفت میں۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ: یہ جملہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر ہے یعنی اس ذکر کی ہوئی صفات میں اور دوسری الوہیت کی صفات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہو سکتا۔

تفسیر 24: یہ صفات بھی تصرف اور قدرت پر دلالت کرتی ہے۔ اَلْخَالِقُ: خلق سے ہے اور تقدیر کے معنی میں ہے جیسے خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ یا قَدَّرَ کے معنی میں ہے یا نطفے سے جسم کا بنانا۔ اَلْبَارِئُ: ہر ایک کو دوسرے سے فرق اور تفاوت سے بنانے والا۔ اَلْمُصَوِّرُ: چہرے کی شکل و صورت اور اعضاء کا بنانے والا۔ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى: یہ بھی اجمالی طور پر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اسماء سے اسم فاعل اور صفت مشبہ اور اسم تفضیل کے صیغے کے ذریعے اسماء صفتیہ مراد ہیں اور یہ اسماء قرآن کریم میں غیر اضافی 92 اور اضافی 26 ہیں اور اس کے علاوہ احادیث صحیحہ میں ہیں اور اسماء دو قسم پر ہیں ثبوتی جیسے پہلے ذکر ہوئے اور سلبی یہ قرآن کریم میں دو قسم کے ہیں (۱) سلب کلی کے ساتھ یہ 57 ہیں

(۲) اور سلب خاصہ کے ساتھ یہ 26 ہیں اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ سب توقیفی ہیں یعنی قرآن وحدیث میں جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں یا اس میں سلب ہوئے ہیں تو اس کے ثبوت پر یا سلب پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے اور اسمائے حسنیٰ کا حصر خاص تعداد میں نہیں ہے اور جو صحیح حدیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں تو اس کا مطلب محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ ثواب خاصہ (یہ مخصوص اجر) ان ناموں کے ساتھ خاص ہے (مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ صحیح بخاری کتاب التوحید حدیث 7392 صحیح مسلم حدیث 2677) جس نے ان ناموں کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہوگا بشرطیکہ ان پر عقیدہ وایمان ہو۔ فائدہ: اللہ تعالیٰ کے اسماء میں حسن بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کی حقیقت میں کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر اسم اپنے حقیقی معنی میں کمال کے طور پر ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان صفات میں اللہ تعالیٰ کسی کی طرف حاجت نہیں رکھتا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ اسماء نقل پر موقوف ہیں عقل کے لیے اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ یہ سب قدیم ہیں اسمیں کوئی حدوث نہیں ہے (اور اسماء کی تفصیلی بحث میں نے ایک رسالے میں لکھی ہے امید ہے کہ وہ رسالہ کتاب الایمان میں شائع ہو جائے ان شاء اللہ تعالیٰ)۔ يُسَبِّحُ لَهٗ: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ جس نے صبح وشام تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ لیا پھر یہ تین آیتیں ایک مرتبہ پڑھ لیں تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار ملائک مقرر کر دیتا ہے اس کے لیے دعا مانگتے ہیں اور اگر اسی دن یا رات میں مر جائیں تو موت اس کی شہادت کی ہوگی۔ (ترمذی کتاب فضائل قرآن حدیث 2922 شیخ البانی وشیخ زبیر نے خالد بن طہمان راوی کی وجہ سے اس کو ضعیف کہا ہے)

سورۃ الحشر کی خصوصیات: ۱۔ بنی نضیر کی جلاوطنی جس کو حشر اول کہا گیا ہے۔ ۲۔ مال فئی کے مصارف اور جہالت کے طریقوں پر رد کیا گیا ہے۔ ۳۔ مہاجرین اور انصار کا تذکرہ کہ وہ نجات اور فلاح پانے والے ہیں۔ ۴۔ منافقین کے برے صفات کا تذکرہ۔ ۵۔ کثرت سے اسماء حسنیٰ کا ذکر۔

(اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مَوْتَ الشَّهَادَةِ فِيْ سَبِيْلِكَ)

الحمد للہ سورۃ حشر کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

اٰیاتها ١٣　٦٠ سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ٩١　رکوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

"اے ایمان والو! تم میرے دشمن کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف دوستی کی باتیں پیش کرتے ہو حالانکہ انہوں نے کفر کیا اس کا جو تمہارے پاس حق آیا ہے، رسول ﷺ کو اور تمہیں مکہ سے نکالتے ہیں اس وجہ سے کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضامندی حاصل کرنے کے لیے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو تو ان کے پاس پوشیدہ محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو میں اس سے خوب واقف ہوں اور تم سے جو کوئی یہ کام کرے گا یقیناً وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا [1]۔

سورۃ ممتحنہ حاء کا زیر اور زبر دونوں ثابت ہیں اور اس کے دوسرے نام سورۃ المودۃ اور سورۃ المرأۃ اور سورۃ الامتحان ہیں:

ربط: اس سورت کا ماقبل سورۃ سے ربط تین وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سورت میں مشاقین کے لئے تخویف دنیاوی تھی اور اس سورت میں ایمان والوں کو ان سے براءت کرنے کا حکم ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ گزری ہوئی سورت کے آخر میں تفصیلی توحید ذکر ہوئی تو اس سورت میں منکرین توحید کے ساتھ دشمنی کا اظہار ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورت میں ایمان والوں کی اقسام ذکر کیں تو اس سورت میں کافروں کی اقسام ذکر کی ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون: آیت 1 اور آیت 4 میں کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے اور معرفت الٰہی کے لیے گیارہ اسمائے حسنیٰ ذکر ہیں۔

سورت کا خلاصہ: یہ سورت دو ابواب میں تقسیم ہے: پہلا باب آیت 7 تک ہے اس میں آیت 1 اور 2 میں ایمان والوں کو کافروں کی دوستی سے سات علتوں کے ذکر کرنے کے ذریعے منع کیا ہے اور آیت 3 میں عذر کا جواب ہے اور براءت کرنے کی طرف ترغیب ہے اور براءت کرنے میں اور دعا مانگنے میں ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کی اقتدا کرنے کی ترغیب ہے۔

تفسیر 1: اس آیت میں ایمان والوں کو کفار کی دوستی سے منع کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ دشمنی کرنے پر ابھارا گیا ہے اور اسکے لیے ایمان والوں کے ساتھ کافروں کی دشمنی کرنے کی چار وجوہات ذکر فرمائی ہیں۔ اور ایمان والوں کی تین صفات ذکر کی ہیں: ایمان، جہاد اور اللہ تعالی کی رضا کو طلب کرنا اور یہ صفات کافروں کی دوستی سے منع کرتی ہیں۔ اور اسی طرح سورۃ مائدۃ آیت 51، 57 اور سورۃ نساء آیت 144 اور سورۃ ال عمران آیت 28 میں بھی گزرا ہے۔ اَوْلِیَآءَ: ولایت کے تین مرتبے ہیں: پہلا مرتبہ کافروں کے ساتھ عقیدہ اور کفر اور شرک کے کاموں میں دوستی کرنا ہے، یہ کفر ہے۔ دوسرا مرتبہ ان کے ساتھ کفر کے کاموں میں مالی یا بدنی مدد کرنا ہے اگرچہ ان کے ساتھ کفر اور شرک نہ کیا جائے یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ تیسرا مرتبہ ان کی عزت وتوقیر کرنا، ان کو بڑا بنانا اور ان کے لئے کھڑا ہونا وغیرہ یہ بھی گناہ ہے اور یہ تمام مراتب اس نہی میں داخل ہیں۔ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ: باء تاکید کے لیے زائد ہے اور تُلْقُوْنَ کا مفعول ہے یا باء سببیہ ہے اور مفعول حذف ہے یعنی تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمُ الْاَسْرَارَ (ان کی طرف خفیہ راز بھیجتے ہو) محبت کے سبب سے۔ قرطبی نے فرمایا ہے کہ مودت سے مراد ظاہری تعلق ہے اس لیے کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے ان کی دوستی سے پاک تھے، آپ علیہ السلام کا مندرجہ ذیل ارشاد اس پر دلیل ہے: اَمَّا صَاحِبُكُمْ فَقَدْ صَدَقَ آپ کے ساتھی نے سچ کہا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث 4274- 3007 صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ حدیث 2494 ابوداؤد کتاب الجهاد فی الجاسوس حدیث 2650 ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3303) یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ: یہ استیناف ہے اور علت ہے۔ وَ قَدْ كَفَرُوْا: کے لیے تو ان کے کفر کی تفسیر ہے۔ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ: یعنی تمہارا دوسرا جرم نہیں تھا سوائے اس کے کہ تم موحد ہو اور یہ دلیل ہے کہ کوئی کسی مسلمان کو اس کے ایمان، توحید اور حق پرستی کی وجہ سے ملک سے نکال دے، یا اس کو تکلیف پہنچائے تو وہ کافر ہے اور اسی طرح سورۃ بروج آیت 8 اور سورۃ حج آیت 40 میں بھی ہے۔ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ: یہ اَنْتُمْ مبتدا کی تقدیر کے ساتھ جملہ مستانفہ

ہے یا بدلِ اشتمال کے ساتھ تُلْقُوْنَ سے بدل ہے اور الْمَوَدَّةِ سے مراد النَّصِيْحَةُ (خیرخواہی) ہے وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ: فعل مستقبل کا صیغہ اس لیے لایا ہے کہ جس نے یہ کام پہلے زمانے میں کیا ہے (جیسے حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ نے کیا تھا) تو وہ گمراہ اور گنہگار نہیں ہے قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ سب عتاب ہے جیسے ایک دوست دوسرے دوست کو کرتا ہے تو یہ حاطب رضی اللہ عنہ کی شرافت اور فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۲﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳﴾

"اگر وہ تمہیں کسی موقع پر پا جائیں تو وہ تمہارے دشمن بن جاتے ہیں اور تمہاری طرف ایذا ہی کے لیے اپنے ہاتھ اور زبانیں بڑھاتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ [2] ہرگز تمہاری قرابتیں کام نہ آئیں گے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن تمہارے درمیان وہ جدائی ڈال دے گا اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے [3]۔

تفسیر 2: اس آیت میں تین علتیں (کافروں کے اوصاف) ان سے براءت کرنے کے لیے ذکر کی ہیں۔ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ: یہ لفظ غلبے کے ساتھ پالینے میں استعمال ہوتا ہے۔ يَكُوْنُوْا: یعنی اس کے باوجود کہ تم ان کی طرف خط لکھتے ہو وہ اس کا لحاظ نہیں کرتے۔ وَاَلْسِنَتَهُمْ: گالی دینے اور طعنے دینے کے ساتھ۔ اَيْدِيَهُمْ: کو پہلے ذکر کیا دشمنی کی شدت کی طرف اشارہ ہے وَدُّوْا: اس کو فعل ماضی کے ساتھ ذکر کیا یعنی یہ ان کے دل کی تمنا ہے جیسے سورۃ بقرہ آیت 109 میں ہے۔

تفسیر 3: اس آیت میں اس عذر کا جواب ہے جو حاطب رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا تھا (کہ میں نے ان کی طرف اس وجہ سے خط لکھا تھا تاکہ ان پر میرا احسان ہو تو مکہ میں میرے اہل اور قرابت والوں اور اموال کی حفاظت کر لیں) جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرابت اور اولاد کے سبب سے عذاب الٰہی سے نہیں بچا جا سکتا بخاری کی روایت میں ان کی معذرت میں قرابت ذکر ہے اور دوسری روایت میں مال، اہل اور اولاد بھی ذکر کیے ہیں چونکہ سختی میں نفع دینے کی امید رشتہ داروں سے پہلے ہوتی ہے تو ان کا ذکر پہلے لایا ہے، منقول ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال و اولاد کے خوف کی وجہ سے دین کا فتنہ قبول کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ: چونکہ نفع کی امید وصل کی وجہ سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں فصل ذکر کیا ہے۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: لَنْ تَنْفَعَكُمْ کے متعلق ہے اور يَفْصِلُ مستقل کلام ہے یا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ کے لیے ظرف ہے اور اس سے مستقل جملہ شروع ہوا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ إِلَّا قَوْلَ
إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَ
إِلَيْكَ الْمَصِيْرُ [4] رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [5] لَقَدْ
كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ [6]

"بے شک تمہارے لیے اچھا نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام میں اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے جب ان لوگوں نے اپنی قوم سے کہا بے شک ہم تم سے بیزار ہیں اور ان سے جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو، تمہارے طریقے سے ہم انکار کرتے ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا، یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ مگر ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں ضرور آپ کے لیے بخشش مانگوں گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا اے ہمارے رب! ہم تجھ پر بھروسا کرتے ہیں اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے [4] اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لیے آزمائش نہ بنانا اور ہمیں معاف کر دے اے ہمارے رب! بے شک تو غالب حکمت والا ہے [5] بے شک تمہارے لیے ان میں اچھا نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور قیامت کی امید رکھتا ہو اور جس نے منہ پھیر لیا بیشک اللہ تعالیٰ بے پروا تعریف کیا گیا [6]۔"

تفسیر 4: اس آیت میں سوال کا جواب ہے یعنی اگر کہا جائے کہ قرابت والے رشتہ داروں سے براءت کرنا یہ تو بے دینی ہے؟ تو جواب ہوا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے کہ انہوں نے اور ان کے دوستوں نے مشرکین سے براءت کی تھی اگرچہ وہ ان کے باپ اور اولاد وغیرہ تھے تو ان کی اقتداء کرنا لازم ہے۔ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ: اس کی تفسیر سورۃ احزاب میں گزری ہے۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ: اس سے مراد ان کے پیروکار ہیں نیز تمام رسول اور اولیاء مراد ہیں اس لیے کہ تمام رسول دین میں اور دشمنوں سے براءت کرنے میں ان کے دوست تھے۔ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ: یعنی تمہارے ساتھ ہمارا کچھ تعلق نہیں ہے، نہ رشتہ داری میں، نہ دوستی کرنے میں اور نہ غم و خوشی میں۔ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: یعنی ہم ان کو کبھی بھی معبودیت کا حق نہیں دیتے، عبادت بدنی و مالی ان کے لیے نہیں کرتے۔ كَفَرْنَا بِكُمْ: یہ ماقبل کی علت ہے،

یا براءت کی تفسیر ہے۔ كَفَرْنَا: لغوی معنی میں ہے یعنی انکار کرنا یعنی ہم تمہارے معبودوں اور تمہارے دین کی حقانیت سے یا تمہارے ساتھ تعلق رکھنے سے انکار کرتے ہیں۔ وَبَدَا بَيْنَنَا: یہ بھی براءت کی تفسیر میں داخل ہے اور بَيْنَ لفظ دلیل ہے کہ اس دشمنی کا اظہار کرنا لازم ہے اس وجہ سے الْعَدَاوَةُ کو پہلے لایا ہے، عداوت عملی دشمنی کرنے کے معنی میں ہے اور الْبَغْضَآءُ: دل میں کینہ رکھنا ہے اور اس کو بغض فی اللہ کہا جاتا ہے یہ کامل ایمان ہے۔ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ: اشارہ ہے کہ براءت کرنے اور دشمنی کرنے کا سبب توحید سے انکار کرنا ہے تو معلوم ہوا کہ موحد سے براءت کرنا حرام ہے، ہاں لیکن معصیت کی وجہ سے ہجران کرنا جائز ہے لیکن براءت کرنے اور ہجران کرلے کے درمیان فرق ہے، براءت کرنا مشرک کے ساتھ خاص ہے، جیسے سورۃ توبہ آیت 1، 3 اور سورۃ انعام آیت 19، 78 اور سورۃ ہود آیت 35، 54 میں ہے۔ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ: یہ مستثنیٰ متصل ہے اُسْوَةٌ کے لفظ سے، یا اِبْرٰهِيْمَ کے لفظ سے یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا ان کے تمام اقوال اور افعال میں ضروری ہے مگر اس قول کی پیروی نہ کرو یعنی مشرک کے لیے استغفار کا وعدہ مت کرو اور اس کے لیے استغفار مت کرو اور انہوں نے جو استغفار کیا تھا اس کی تفصیل سورۃ توبہ آیت 114 میں گزری ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول سورۃ مریم آیت 47 میں ذکر ہوا ہے اور امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت تمام انبیاء علیہم السلام پر نبی کریم ﷺ کی فضیلت کی دلیل ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں استثناء ہے اور نبی کریم ﷺ کی اتباع میں استثناء نہیں ہے۔ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ: یہ بھی ابراہیم علیہ السلام کے قول میں داخل ہے خلاصہ یہ ہے کہ استغفار کے علاوہ اور تیری مدد نہیں کرسکتا ہوں کہ تجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا دوں۔ رَبَّنَا عَلَيْكَ: يَقُوْلُوْنَ کی تقدیر کے ساتھ ہے اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے قول میں داخل ہے، یا قُوْلُوْٓا مقدر ہے یعنی مشرک قوم سے براءت کرنا اور ان کے ساتھ دشمنی کرنا یہ تو مشکل عمل ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے سے ہر مشکل آسان ہوتی ہے۔ اَنَبْنَا: اس میں اشارہ ہے کہ ان سے براءت اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے ذاتی بغض کی وجہ سے نہیں انابۃ بغیر تعصب اور ضد کے حق طلب کرنا ہے۔

تفسیر 5: یہ بھی ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے، یا اس کے ذریعے اس امت کے مسلمانوں کو امر ہے۔ فِتْنَةً: اس سے مراد عذاب ہے اور یہ مفعول کے معنی میں ہے یعنی مُعَذَّبًا بِاَيْدِي الْكَافِرِيْنَ (کافروں کے ہاتھوں سے ہمیں عذاب نہ دینا) یا فتنہ امتحان کے معنی میں ہے اور شرک پر ڈٹے رہنے کو کہا جاتا ہے اور ذکر مسبب کا ہے اور اس سے مراد سبب ہے، جو مسلمانوں

پر عذاب، یا کافروں کا مسلط ہونا ہے۔ یعنی اے رب! ہم پر اپنی طرف سے یا کافروں کی طرف سے عذاب نہ لا نا جو کافروں کے لیے شرک پر ڈٹے رہنے کا سبب ٹھہر جائے یعنی وہ گمان کریں گے کہ ہم حق پر ہیں تو اسی وجہ سے مسلمانوں پر عذاب آیا ہے کہ ہمارا غلبہ اور تسلط ان پر آیا، یا اس جگہ سبب کافروں کے ساتھ دوستی رکھنا ہے (جیسے حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہوا) یعنی ہم سے کافروں کے ساتھ دوستی کرنے کے کام مت ظاہر کرنا کیونکہ یہ ان کے فتنے کے لیے سبب بن جائے گا یعنی یہ کہیں گے کہ ہم حق پر ہیں اسی وجہ سے ایمان والے ہم سے دوستی کرتے ہیں۔ وَ اغۡفِرۡ لَنَا: یعنی اگر ہم سے ایسے اعمال سرزد ہو جائیں جو عذاب کا سبب ہوں تو بغیر عذاب ہمیں معاف کر دے۔

تفسیر 6: اس کو دوبارہ ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰهَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ کی قید لگائی یعنی یہ اقتدا صحیح عقیدے اور صحیح نیت سے ہونی چاہیے تب ہی یہ اس وقت فائدہ دے گی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے فقط مشرکین سے براءت کرنے میں اقتدا کرنے کا حکم تھا اور اب اس میں تمام ملتِ ابراہیمی میں جو کہ پوری توحید ہے اقتدا کرنے کی ترغیب ہے اور اسی وجہ سے یہاں تاکید کے لیے قَدۡ کے ساتھ لام کو ذکر کیا اور لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰهَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ کی تفسیر سورۃ احزاب میں گزری ہے۔ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ: یعنی جس نے ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا سے اعراض کیا یعنی مشرکین سے براءت نہیں کی اور ان کے ساتھ عداوت ظاہر نہیں کی تو اس نے اپنے آپ کو ضرر پہنچایا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو غنی (بے پروا) ذات ہے۔

عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّجۡعَلَ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَ الَّذِیۡنَ عَادَیۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِیۡرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ لَا
یَنۡهٰىکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ۝۸ اِنَّمَا یَنۡهٰىکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ اَخۡرَجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ وَ
ظٰهَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِکُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ ۚ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝۹

عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تم دشمنی کرتے ہو دوستی پیدا کر دے گا اور اللہ تعالیٰ قادر ہے، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے [7] اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو دین کے بارے میں تم سے نہ لڑے ہوں اور نہ تمہیں گھروں سے نکالا ہو کہ تم ان کے ساتھ نیکی کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو بے شک اللہ

تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے [8] یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑتے ہیں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے پر مدد کی ہو یہ کہ تم ان سے دوستی کرو اور جس نے ان کے ساتھ دوستی کی تو یہی لوگ ظالم ہیں [9]۔

تفسیر 7 : اس آیت سے آخر تک سورت کا دوسرا باب ہے، اس میں پہلے دشمنی ختم کرنے کے ذریعے تسلی ہے، پھر کافروں کی تقسیم ہے: پہلی قسم کے ساتھ تعلق دنیاوی جائز ہے اور دوسری قسم کے ساتھ تعلق رکھنا مطلقاً حرام ہے، پھر اسلام میں عورتوں کے داخل ہونے کے لیے دو قانون ہیں: پہلا قانون مصالحت کے وقت کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا عام ہے، آخری آیت میں پھر سورت کا مرکزی مضمون ہے اس آیت 7 میں ایمان والوں کو کافروں سے (جو دین کے دشمن ہیں) براءت کے بعد تسلی ہے اشارہ ہے کہ براءت کرنا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اچھا نتیجہ دیتا ہے۔ عَسَى: یہ لفظ اگرچہ امید کے لیے ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو امید رکھنے سے پاک ہے اسی وجہ سے یہ تحقیق کے معنی میں ہے تو یہ تعبیر اس لیے ذکر کی تاکہ مخاطب اس کی امید رکھے اور یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ میں پورا کیا بہت سے سخت کافر مسلمان ہوئے اور اس وعدے کا پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ آل عمران آیت 103 اور سورۃ انفال آیت 63 میں ذکر ہے۔ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ: کفر سے ایمان کی طرف دلوں کے انقلاب پر قادر ہے۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی ان کافروں کو ان کی توبہ کے سبب سے بخشتا ہے اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ اسلام کے ذریعے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 192، 121)۔

تفسیر 8 : اس آیت میں کفار اور مشرکین کی وہ قسم ذکر فرمائی ہے جنہوں نے مسلمانوں پر کچھ ظلم نہیں کیا تو ان کے ساتھ اچھے سلوک اور انصاف کے ذریعے دنیاوی تعلقات رکھنا جائز ہے، اگرچہ ان کے ساتھ موالات منع ہے اور یہ حکم ابھی بھی جاری ہے، جیسے ابن جریر نے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جو اس حکم کو منسوخ کہتے ہیں اور اسی طرح قرطبی نے بھی اکثر مفسرین کے اس قول کو ذکر کیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے۔ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ : یہ اَلَّذِيْنَ سے بدل ہے بر سے مراد دنیاوی اور انسانی حسن سلوک کرنا ہے اور اگر ان کے ساتھ نسب کی قرابت ہو تو صلہ رحمی کرنا مراد ہے جیسے اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو اجازت دی تھی کہ ماں کے ساتھ صلہ رحمی کریں حالانکہ ان کی ماں مشرکہ تھی۔ (صحیح بخاری فی الھبۃ حدیث 2620-5979 / صحیح مسلم 1003 / ابوداؤد کتاب الزکوۃ 2668)

وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ : اقساط سے مراد صلہ رحمی یا احسان کے طور پر مال کا کچھ حصہ دینا ہے، عدل کرنا مراد نہیں ہے اس لیے کہ مؤمن پر عدل ہر کافر کے ساتھ واجب ہے۔ اور برّ اور اقساط میں ان کو نرم لہجہ کے ساتھ توحید اور سنت کی دعوت دینا بھی داخل ہے اور اس آیت کے حکم میں ذمی کافر داخل ہیں اور اسی طرح وہ عورتیں، بوڑھے اور کافروں کے بچے جو نہیں لڑسکتے ہیں وہ بھی اس آیت میں داخل ہیں۔ الْمُقْسِطِيْنَ : وہ لوگ جو برّ اور انصاف کرنے کے ساتھ ارادہ رکھتے ہیں کہ ظلم ختم ہوجائے اور عدل قائم ہوجائے۔

تفسیر 9: اس آیت میں کافروں کی دوسری قسم ذکر فرمائی ہے، جن کے ساتھ ہر قسم کا احسان اور موالات رکھنا حرام ہے، اور وہ مقاتلین (لڑنے والے) ظالم ہیں اور ان کی دشمنی تین طریقوں سے ظاہر ہے: ایمان والوں کے ساتھ قتال کرنا، شہر سے نکالنا اور دوسرے دشمنوں کے ساتھ مدد کرنا اور جس میں ان تینوں میں سے ایک عمل بھی موجود ہو تو بھی اس قسم میں داخل ہے۔ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ : یہ اَلَّذِيْنَ سے بدل ہے ولایت سے مراد ان کے ساتھ مطلقاً تعلق رکھنا ہے، چاہے دنیاوی ہو یا دینی ہو یہ سب حرام ہیں۔ اور اسی طرح سورۃ آل عمران آیت 28 اور سورۃ مائدۃ آیت 51 میں گزرا ہے۔ الظّٰلِمُوْنَ : الْمُقْسِطِيْنَ کے مقابلے میں ہے یعنی یہ ظلم کرتے ہیں اور ظلم کے ساتھ مدد کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝١١

''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو تم ان کا امتحان لو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان سے خوب واقف ہے۔ پس اگر تم انہیں مسلمان سمجھو تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، نہ وہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ ہی یہ مرد ان کے لیے حلال ہیں، اور جو کچھ ان کے شوہروں نے خرچ کیا ہے ان کو دے دو اور تم پر گناہ نہیں ہے کہ تم ان کے ساتھ نکاح کرو، جب تم ان کو ان کا حق مہر دو اور کافر عورتوں سے نکاح نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے ان سے

طلب کرو اور جو انہوں نے خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کریں، یہ اللہ تعالٰی کا حکم ہے، جو تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ تعالٰی جاننے والا حکمت والا ہے[10] اور اگر تمہاری کچھ بیویاں کافروں کے پاس چلی جائیں، پھر تم بدلا حاصل کرو پس دو ان لوگوں کو جن کی بیویاں گئی ہیں جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اس کے برابر اور اللہ تعالٰی سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو[11]۔

تفسیر 10: جب سورت کی ابتدا میں کافروں سے براءت کرنے کا حکم دیا گیا تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان نکاح کا تعلق بھی ختم ہو جائے تو اس آیت میں یہ حکم ذکر فرمایا ہے اور اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے مہاجرات کا امتحان۔ اور دوم کافروں کی طرف واپس کرنا۔ سوم مسلمان عورت کا کافر مرد سے نکاح کی حرمت اور برعکس بھی۔ چہارم مشرکین کا مال اور مہر واپس کرنا۔ پنجم مشرک عورت کو نکاح سے فارغ کرنا۔ ششم مشرکین سے اپنا مالی حق طلب کرنا اور ان احکام کا سبب یہ تھا کہ صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ مقرر کی گئی تھی کہ مشرکین میں سے جو لوگ مسلمانوں کی طرف آ جائیں (ہجرت کریں) تو وہ کافروں کی طرف واپس کیے جائیں تو جب اس وقت بعض عورتوں نے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو کافروں نے ان کے واپس کرنے کا مطالبہ کیا اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل کی اور اس میں تشریح ہوئی کہ واپسی کی شرط مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں اس میں دو وجوہ سے شامل نہیں ہیں: پہلی وجہ یہ کہ ان کا نکاح مشرک کے ساتھ ختم ہوا ہے لہٰذا ان کے واپس کرنے میں نقصان ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ کمزور ہیں ایسا نہ ہو کہ کافر ان کو مرتد کرلیں۔ فَامْتَحِنُوْهُنَّ: چونکہ ہجرت کے لیے کئی اسباب ہیں اور خصوصا عورت کی ہجرت کے لیے کبھی شوہر کے ساتھ اختلاف سبب ہوتا ہے اور کبھی دوسرے مرد کے ساتھ محبت اور کبھی شوہر کو ضرر دینا سبب ہوتا ہے اسی وجہ سے امتحان کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کی ہجرت فقط ایمان کے لیے ہے اور امتحان کے لیے امام قرطبی نے تین طریقے ذکر کیے ہیں: ایک وہ جو بعد میں بیعت کی آیت میں مذکور ہے اور دوسرا اس عورت کو قسم دینا کہ اس نے یہ ہجرت دنیاوی غرض اور نفسانی غرض کے لیے نہیں کی۔ تیسرا یہ ہے کہ تم کلمہ شہادت کا اسے حکم دیں کہ اس کو پڑھے اور دل سے اس پر یقین کرے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ: اشارہ ہے کہ اس امتحان لینے میں فائدہ یہ ہے کہ تمہیں علم حاصل ہو جائے اللہ تعالٰی تو عالم ہے۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ: اس سے پہلے عبارت پوشیدہ ہے یعنی اگر معلوم ہو جائے کہ ان کی ہجرت ایمان کے لیے نہیں ہے تو ان کو واپس کردو اور اگر قسم اور زبان سے شہادت کے ذریعے معلوم ہو جائے کہ ایمان والیاں

ہیں اور دوسری علامات کے ساتھ بھی گمان غالب حاصل ہوتا ہے، واضح رہے کہ شریعت میں اس پر بھی علم کا اطلاق ہوسکتا ہے جیسے سورۃ یوسف آیت 81 میں ہے فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ: یہ دلیل ہے کہ فراق کی علت ایمان ہے صرف ہجرت نہیں ہے۔ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ: ابتدائے اسلام میں مشرکین کا مسلمان عورتوں کے ساتھ نکاح جائز تھا اسی وجہ سے نبی ﷺ کی بعض بیٹیاں مشرکین کے نکاح میں تھیں، تو اس آیت کے ذریعے اس کی حرمت آئی۔ وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا: یہ آیت کافروں اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرنے کے وقت کے ساتھ خاص ہے جیسے صلح حدیبیہ کے وقت میں تھی یہ قتادہ کا قول ہے اور یہ صحیح ہے اور اَنْفَقُوْا سے مراد وہ مہر ہے جو شوہر نے دیا ہو اور بعض کے نزدیک نفقہ بھی مراد ہے وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ: یعنی اگرچہ مشرک شوہر نے اس عورت کو طلاق نہیں دی ہے لیکن ان کا نکاح ٹوٹ گیا ہے تو استبراء یا عدت گزرنے کے بعد ان کا مسلمان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ: یعنی جس طرح مسلمان عورت کا کافر کے ساتھ نکاح ٹوٹ گیا تو اسی طرح کافر عورت کا مسلمان کے ساتھ نکاح بھی ٹوٹ گیا ہے، عصم عصمت کی جمع ہے بسائے رکھنے کو کہا جاتا ہے اور اس سے مراد نکاح ہے یعنی اگر ایک مسلمان کی کافرہ بیوی دار حرب میں رہ جائے اور مرد ہجرت کرلے یا اس کے نکاح میں ہجرت کرنے کے بعد ایک مشرکہ عورت ہو جو ایمان نہیں لائی ہو تو ان کا نکاح ختم ہوگا اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد مشرکہ غیر کتابیہ ہے اور کتابیہ کا حکم سورۃ مائدۃ آیت 5 میں خاص کیا گیا ہے۔ وَ سْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ: یہ بالاتفاق عہد اور صلح کے زمانے کے ساتھ خاص ہے اور اشارہ ہے کہ عہد کی وجہ سے یہ جانبین کا حق ہے ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ: یہ تاکید کے لیے ہے اس کی پیروی مسلمان اور کافر دونوں پر لازم ہے۔

تفسیر 11: یہ پہلے حکم کے ساتھ متعلق ہے یعنی مرتد عورت کا مہر کافروں سے مانگو تو اگر اس کا مہر واپس کرنے سے وہ انکار کر دیں تو جب بھی تم ان کافروں سے مال فئی یا مال غنیمت حاصل کرلو تو تقسیم سے پہلے اس آدمی کو جس کی بیوی مرتد ہوگئی ہو اور کافروں نے اس کا مہر واپس نہ کیا ہو اس کی بیوی کے مہر کے برابر مہر دو۔ مجاہد اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہ حکم عام ہے چاہے ان کافروں کے ساتھ عہد ہو یا نہ ہو اور بعض مفسرین نے عہد کے زمانہ کے ساتھ اس کو خاص کیا ہے۔ فَعَاقَبْتُمْ: عقاب یا عقوبت سے ماخوذ ہے سزا دینے کو کہا جاتا ہے اس سے مراد ان سے جنگ اور قتال کرنا ہے جب ان کے ساتھ عہد نہ ہو یا وہ عہد کو توڑ دیں جیسے سورۃ حج آیت 60 میں ہے عاقب قتال کے معنی میں ہے، یا عقبہ سے ماخوذ ہے نوبت اور باری آنے کو کہا جاتا ہے معنی یہ ہے کہ کافروں پر تمہاری باری اور نوبت آجائے تو کافروں کی جو عورتیں تمہارے پاس آجائیں اور

اپنے ساتھ مہر لائیں وہ مہر ان کافروں کی طرف واپس نہ کرنا (اگرچہ عہد ہو) بلکہ اس مسلمان کو دو جس کی بیوی کا مہر ان کے پاس رہ گیا ہے تو پہلی تفسیر کی بنا پر یہ آیت ان کافروں کے بارے میں ہے جن کے ساتھ عہد نہیں ہوا ہے یا انہوں نے وعدے کو توڑا ہو اور دوسری تفسیر کی بنا پر عہد والوں کے ساتھ خاص ہے۔ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ: یعنی ایمان کا مقتضیٰ تقویٰ ہے اور تقویٰ سے مراد اوامر اور نواہی کی اطاعت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝۱۳

''اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں آئیں وہ تم سے اس بات پر بیعت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جس کو وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان گھڑ لیا ہو، اور نہ دین کے کسی کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی، تو تم ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [11] اے ایمان والو! اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے یہ آخرت سے ایسے ناامید ہیں جیسا کہ کافر قبر والوں سے ناامید ہیں [13]۔

تفسیر 12: یہ فَامْتَحِنُوْهُنَّ کی تفسیر ہے یعنی امتحان سے مراد یہ بیعت ہے اس لیے کہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرات کا اس آیت کے ذریعے امتحان لیتے تھے تو جو ان شرطوں کا اقرار کر لیتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کہتے کہ میں نے آپ کے ساتھ ان باتوں پر بیعت کی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4891 / صحیح ترمذی 2874) اور ہاتھ سے نہیں چھوتے، پھر یہ حکم ہجرت کرنے والیوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عورت جب ایمان لے آتی تو اس کے ایمان کے لیے یہ شرطیں ہوتی تھیں اور بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے خطبے کے بعد عورتوں کے پاس آئے تو اس آیت کے ساتھ ان کو خطاب کیا ساری عورتیں خاموش ہو گئیں صرف ایک نے جواب دیا

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث 1866) اور دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیعت مردوں سے بھی لی اور یہ بیعت چھ باتوں پر مشتمل ہے۔ (صحیح بخاری بدء الوحی حدیث 18 صحیح مسلم کتاب الحدود حدیث 1709) لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا: یہ (شرک) تو ایمان کے منافی ہے اس کے ذریعے تو ایمان قطعاً زائل ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو سب سے پہلے ذکر کیا اور اگر کوئی اس کو نہ سمجھے تو لازم ہے کہ شرک کا معنی اور اس کی اقسام کی پوری تفصیل اس کو کی جائے (تنبیہ) دور حاضر میں بہت سے ایسے پیر پیدا ہوئے ہیں جو خود شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی شرک میں مبتلا کرتے ہیں اور انھوں نے بہت سے جاہلوں کو گمراہ کیا ہے ان سے اجتناب کرنا فرض ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وَلَا يَسْرِقْنَ بغیر کے اموال نیز شوہر کے مال سے بھی چوری نہیں کریں گی ہاں اگر ایک شوہر اپنی بیوی یا اولاد کو خرچہ نہ دے تو عورت کے لیے جائز ہے کہ اپنے حق کے مطابق اس کے مال سے کوئی چیز چھپا لے یہ ہندہ رضی اللہ عنہا (جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہے) کی حدیث میں آیا ہے (صحیح بخاری کتاب البیوع حدیث 2211 صحیح مسلم کتاب الاقضیہ حدیث 1714) تیسری بات وَلَا يَزْنِيْنَ: چوری کرنا متعدی گناہ ہے اور زنا کرنا ذاتی گناہ ہے اسی وجہ سے چوری کو پہلے ذکر کیا ہے۔ چوتھی بات وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ: ناحق قتل تو مطلقاً حرام ہے لیکن عورتیں عموماً کسی قتل پر تو قدرت نہیں رکھتی ہیں سوائے بچوں کے قتل کرنے کے اسی وجہ سے اس کی تخصیص کی ہے اور اس سے مراد عام اولاد کا قتل کرنا ہے بھوک اور فقر کی وجہ سے جیسے سورۃ انعام آیت 151 اور سورۃ اسراء آیت 31 میں ذکر ہے اور بیٹیوں کا قتل بھی اس میں داخل ہے اور مفسر آلوسی نے فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ قتل سانس کے بعد اسقاط حمل کو شامل ہو اور جاہلیت میں اولاد کے قتل کی بہ نسبت چوری اور زنا زیادہ تھے تو ان کو پہلے ذکر کیا۔ پانچویں بات وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ: اس میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں: پہلا یہ ہے کہ بہتان سے مراد پایا ہوا بیٹا ہے کہ شوہر کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے اور بچہ پیدائش کے وقت ماں کے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان پڑا ہوتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس سے مراد زنا کی اولاد ہے کہ پہلے ان کو قتل کرتے اور اگر قتل سے بچ جاتے تو پھر شوہر کی طرف ان کی نسبت کرتے تھے اور حمل پیٹ میں ہوتا ہے اور پیٹ ہاتھوں اور پیروں کے درمیان ہے اسی وجہ سے زنا اور اولاد کا قتل اور بہتان کو ترتیب سے ذکر کیا ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ بہتان سے مراد کسی کو ایک گناہ کے ذریعے بدنام کرنا ہے اور یہ چونکہ بغیر دلیل کے اپنی طرف سے گھڑنا ہے تو اس سے بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ کے ذریعے تعبیر ہوتی

ہے اوراس میں جھوٹ، غیبت، چغلی کرنا اور زنا کی گالی دینا یہ سب داخل ہیں۔ چھٹی بات وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ اس کے دو معنی ہیں: ایک معنی خاص ہے وہ منکر کے مقابلے میں ہے یعنی وہ چیز جس کا اچھا ہونا شریعت سے ثابت ہو تو ماقبل میں پانچ منکرات اور منہیات ذکر ہوئے اور معروف میں مامورات مراد ہیں اور وہ زیادہ ہیں اسی وجہ سے ان کو اجمالاً ذکر کیا ہے۔ دوسرا معنی عام ہے وہ یہ کہ ہر وہ چیز جس کا حکم شریعت کے ذریعے معلوم ہو کہ جائز یا ناجائز ہے یہ اس معنی میں مامورات اور منہیات سب کو شامل ہے یہاں دوسرا معنی راجح ہے اور اس کے عموم کے تحت مفسرین نے جاہلیت کے امور لکھے ہیں جو کہ مردے پر نوحہ کرنا، اپنے رخسار پیٹنا، اپنے کپڑے پھاڑنا، بال لگوانا، گودنا اور غیر مرد کے ساتھ بغیر ضرورت کے عورت کا باتیں کرنا ہے یہ تمام اس لفظ میں شامل ہیں۔ فائدہ ۱: امام قاسمی اور آلوسی نے لکھا ہے کہ معروف لفظ میں اشارہ ہے کہ کسی مخلوق کی اطاعت معروف کے بغیر جائز نہیں ہے۔ فائدہ ۲: امام قرطبی نے لکھا ہے کہ یہاں منہیات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور معروف کی تفصیل نہیں کی اس لیے کہ انسانوں اور خاص کر عورتوں میں مامورات کو چھوڑنے کی نسبت منہیات کا ارتکاب زیادہ ہے۔

تفسیر 13: یہ آیت سورۃ کی ابتدا سے متعلق ہے جو کہ سورت کا مرکزی مضمون ہے، سورت کی ابتدا میں عام مشرکین سے براءت تھی اور اس آیت میں اہل کتاب کے کافروں سے براءت ہے۔ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ: اس سے مراد کتابی کافر ہیں۔ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ: مضاف محذوف ہے یعنی حق سے عناد کی وجہ سے خیر اور آخرت کے ثواب سے ناامید ہیں یعنی عناد کی وجہ سے علم کے باوجود انکار کرتے ہیں تو خوب جانتے ہیں کہ ہمارا آخرت میں اجر و ثواب نہیں ہے۔ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ: من بیانیہ ہے یعنی وہ کافر جو فوت ہوئے ہیں تو یقیناً آخرت کے ثواب سے ناامید ہو گئے ہیں، یا وہ زندوں سے ناامید ہے کہ یہ ان کو کچھ خیر پہنچا دیں گے، یا من ابتداء کے لیے ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی من بعثهم معنی یہ ہے کہ جس طرح تمام کافر اصحاب قبور کی دوبارہ زندگی سے ناامید ہیں اور بعض عنادی مشرکین نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ مردوں کے خیر پہنچانے سے ناامیدی کرنا کافروں کا عقیدہ ہے یعنی قبر والے خیر اور شر پہنچا سکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ تین وجوہ سے قرآن میں تحریف ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ سلف صالحین اور تمام مفسرین سے یہ معنی نقل نہیں ہے اور علماء نے اتفاق کیا ہے کہ قرآن کی ایسی تفسیر کرنا جو سلف صالحین سے منقول نہ ہو یہ تحریف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نفس الامر (واقع) کے خلاف ہے اس لیے کافر تو مردہ معبودوں سے نفع کی امید اور ضرر کا خوف رکھتے

ہیں جیسے مشرکین مکہ ھبل، لات اور منات (جو مردہ بزرگ تھے) سے امیدیں رکھتے تھے اور ان کے سامنے حاجتیں چیختے تھے۔ تیسری وجہ الزامی ہے کہ اصحاب قبور نیک اور بد سب کو شامل ہے تو کیا برے (بدکار) لوگوں سے (جو مر گئے ہیں) بھی نفع اور ضرر کی امید ہو سکتی ہے؟

سورۃ الممتحنہ کی خصوصیات:

۱۔ مشرکین سے برأت کا ذکر۔ ۲۔ انکے قسموں کا بیان۔

۳۔ مشرکین سے صلح کے زمانے میں مہاجر عورتوں کا حکم۔ ۴۔ بیعت کے لئے شرائط۔

الحمدللہ سورۃ الممتحنہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکمل ہوئی

آیاتھا ۱۴ ｜ ۶۱ سورۃ الصف مدنیۃ ۱۰۹ ｜ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ۱ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے [1] اے ایمان والو تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو نہیں کرتے [2] اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسند ہے کہ وہ بات جو کہتے ہو اس پر عمل نہیں کرتے [3] بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں [4]۔

سورۃ الصف کو سورۃ حواریین اور سورۃ عیسیٰ بھی کہا جاتا ہے

ربط: اس کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ گزشتہ سورت میں ایمان والوں کو غیر مناسب کاموں پر زجر تھی تو اس سورت میں غیر مناسب اقوال پر زجر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں مشرکین کی دوستی سے منع تھا تو اس سورت میں ترقی ہے کہ ان کے ساتھ لڑائی اور قتال کرو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یہودیوں سے براءت کا حکم تھا تو اس سورت میں یہودیوں کی قباحت ذکر کی ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: آیت 2 اور 3 میں قول کے مخالف عمل پر زجر ہے جیسے ایمان کے دعوے کے ساتھ جہاد اور قتال سے منہ پھیرنا اور توحید کا مسئلہ بھی پہلی آیت میں ذکر ہے اور آیت 4 میں جہاد کی طرف ترغیب ہے۔

سورت کا خلاصہ: مختصر خلاصہ یہ ہے کہ اس سورت میں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے ذریعے تین خطابات ہیں: پہلے خطاب میں قتال فی سبیل اللہ ترک کرنے پر زجر ہے اور قتال کی طرف ترغیب ہے اور دوسرے میں اخروی اور دنیاوی بشارت ہے اور تیسرے میں ترغیب ہے کہ حواریوں کی طرح جہاد کرو اور تفصیل یہ ہے کہ پہلے توحید کا دعویٰ ہے پھر قول اور عمل کی مخالفت

پر زجر ہے، پھر قتال کی طرف ترغیب ہے پھر دو دلائل نقلیہ ہیں پہلے موسیٰ علیہ السلام سے اور پھر عیسیٰ علیہ السلام سے اور یہودیوں کا حال ذکر کرنے کے ذریعے تخویف ہے کہ انہوں نے قتال فی سبیل اللہ کو چھوڑا تھا (اور یہ موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے زیغ تھا) کہ ان کے دلوں میں کجی آئی ہے اور آخری رسول کی اتباع کی طرف ترغیب ہے خصوصاً جہاد فی سبیل اللہ میں اور ترغیب کی تاکید کو اس رسول کے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے ذریعے ذکر کیا ہے اور جھٹلانے پر زجر ہے اور افتراء (جھوٹ باندھنے) پر زجر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کے بجھانے پر زجر ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کی سچائی کو ذکر کیا ہے کہ یہ قتال فی سبیل اللہ کے لئے بھیجے گئے ہیں اور پھر جہاد کے بارے میں بشارت اخرویہ اور دنیاویہ ہے اور آخر میں نصرت اور حواریوں کی طرح قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے۔

تفسیر 1: اس آیت میں توحید کا ذکر ہے تسبیح کی تعبیر کے ساتھ اور اس میں اعتراض کے دفع کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ قتال کا فائدہ تمہاری طرف لوٹے گا اللہ تعالیٰ کو یہ فائدہ نہیں پہنچتا اس لیے کہ وہ ہر قسم کے عیب اور احتیاج سے اس طرح پاک ہے کہ آسمانوں اور زمینوں والے اس کی پاکی پر گواہی دیتے ہیں مَا فِي السَّمٰوٰتِ: مکان اور مکین اور ظرف اور مظروف دونوں اس میں شامل ہیں یعنی آسمان اور زمین اور اسکے ساتھ وہ چیزیں جو ان میں ہیں اس کی تسبیح کرتی ہیں۔

تفسیر 2: تین خطابات میں سے ایمان والوں کو پہلا خطاب ہے اور اس میں مقصود قتال فی سبیل اللہ پر ابھارنا ہے اور قول اور عمل کی مخالفت پر زجر ہے اور اس (مخالفت) کے مختلف طریقے ہیں: پہلا طریقہ یہ ہے کہ ماضی میں ایک شخص نے ایک کام نہیں کیا اور یہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں کام کیا ہے تو اس کو جھوٹ کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا طریقہ زمانہ مستقبل کے ساتھ متعلق ہے یعنی اگر ایک شخص کہے کہ میں فلاں کام کروں گا اور پھر نہ کرے، اور اس میں بندوں کا ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ کرنا شامل ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر ماننا معلق ہو، یا مطلق اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کرنا جیسے کہے کہ جب قتال فرض ہو جائے تو میں قتال کروں گا اور جب فرض ہو جائے پھر قتال نہیں کرتا جھوٹے وعدے اور عہد کی خلاف ورزی یہ سب گناہ ہیں (اور اس آیت کے تحت داخل ہیں۔) ہاں! اہل علم کے درمیان وعدوں کی وفا میں اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا مستحب ہے۔ قرطبی نے اس کی تفصیل بیان کی ہے اور یہ منافقین کی خصلتیں ہیں، معلوم ہوا کہ اس خطاب میں مقصود منافقین ہیں اور قتال کے بارے میں عہد کی مخالفت کا ذکر سورۃ نساء آیت 76 اور سورۃ محمد آیت 20 میں گزرا ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ: پہلے طریقے کی بنا پر قول پر زجر ہے یعنی جھوٹ بولنا اور دوسرے طریقے کے ساتھ عدم فعل پر زجر ہے قول

پر نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ : اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فعل ہے جو انسان کی قدرت سے باہر ہو اور وہ یہ کہتا ہو کہ میں فلاں کام کروں گا تو اس معنی میں پہلے طریقے کی طرح یہ قول پر زجر ہے۔

تفسیر 3: اس میں پانچ وجوہ سے زجر میں تاکید ہے۔ ایک كَبُرَ کا لفظ۔ مِنْ غَيْرِ لَفْظِهٖ تعجب ہے۔ دوسرا لفظ مَقْتًا: مَقْتٌ سخت بغض اور غضب کو کہا جاتا ہے اور یہ كَبُرَ کے ابہام کے بعد تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ تیسرا عِنْدَ اللّٰهِ: اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو بغض کا سبب ہو تو وہ بہت بڑا جرم ہوتا ہے، اور چوتھا اَنْ تَقُوْلُوْا: یہ كَبُرَ کا فاعل ہے یعنی محض بے عمل قول خالص مَقْتٌ ہے۔ اور پانچواں یہ ہے کہ اس لفظ کو مکرر لایا ہے اور دونوں آیتوں میں ان خطباء وعلماء کو سخت زجر ہے جو علم پر عمل نہیں کرتے اور لوگوں کو وعظ کرتے ہیں۔

تفسیر 4: اس میں عملاً قتال فی سبیل اللہ کی طرف ترغیب ہے اور اس آیت کے اتصال سے معلوم ہوا کہ پہلی دونوں آیتیں عمومی تمہید کے طور پر تھیں اور اس میں مقصد ذکر کیا یعنی تم نے امنّا کہا تو اس کے لیے قتال کا عمل ضرور کرو اور یہ خطاب کا طریقہ ہے کہ پہلے عمومی کلام ذکر کیا جائے تو پھر اس کی مناسبت میں خصوصی مقصد ذکر کیا جائے۔ صَفًّا: مُصْطَفِّيْنَ کے معنی میں ہے یا يَصُفُّوْنَ فعل حذف ہے اور یہ حال ہے، اور اس سے بعض علماء نے دلیل لی ہے کہ پیدل جہاد سواری کے جہاد سے بہتر ہے، اور اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مجاہد کے لیے جائز نہیں کہ امیر کی اجازت اور ضرورت کے بغیر صف سے نکلے۔ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ: وہ دیوار جس کے پتھر اور گاروں کو ایک دوسرے کے اندر یوں ملایا گیا ہو کہ شگاف بند ہو جائیں اور دیوار ہموار اور مضبوط ہو تو اسی طرح قتال اور جماعت کی نماز کی صف میں ضروری ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے ہوں کہ درمیان میں فرجات نہ ہوں۔ اور نعمان بن بشیر کی روایت امام بخاری نے (کتاب الاذان حدیث 736) نقل کی ہے کہ ہم صفوں میں کندھے اور ٹخنے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کرتے تھے اور صف کی یہ حالت مسلمانوں کے اتحاد پر دلالت کرتی ہے، نیز یہ حالت اپنی جگہوں پر ان کے قدموں کی مضبوطی اور ایمان والوں کے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی پر دلالت کرتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

"اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! کیوں مجھے ایذا دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں پھر جب انہوں نے کجروی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کیا اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا [5] اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، میں تصدیق کرنے والا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے ہے جو تورات ہے، اور ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا، پس جب وہ ان کے پاس واضح معجزات لے آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے [6]۔

تفسیر 5: یہ موسیٰ علیہ السلام سے دلیل نقلی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے توحید اور جہاد کی طرف دعوت دی تھی، اور اس میں نبی ﷺ کو ایسے طریقے سے تسلی ہے کہ یہ منافقین اگر قتال کے حکم سے مخالفت کرتے ہیں تو صبر کرنا اس لیے کہ اس طرح یہودیوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کی تھی اور انہوں نے صبر کیا ہے اور اسی وجہ سے بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ جب حنین کے مال غنیمت کی تقسیم میں ایک منافق نے نبی ﷺ پر اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ان کو اپنی قوم کی طرف سے بہت تکلیفیں پہنچی تھیں لیکن انہوں نے صبر کیا تھا (صحیح بخاری کتاب المغازی حدیث 4335) اور اس آیت کا مضمون سورۃ احزاب آیت 69 کی طرح ہے۔ لِمَ تُؤْذُونَنِي: بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو بہت اذیتیں دی تھیں جیسے سورۃ نساء آیت 153 اور اعراف آیت 138 میں ہے اور واقعات بھی احادیث اور تفسیر کی کتابوں میں لکھے ہیں۔ بڑی اذیت وہ ہے جو سورۃ مائدۃ آیت 24 میں ذکر ہوئی ہے یعنی قتال فی سبیل اللہ سے انکار اور یہاں یہ مراد واضح ہے۔ وَقَد تَّعْلَمُونَ: قَدْ تحقیق اور تاکید کے لیے ہے۔ یعنی بہت سی آیتوں اور معجزات کے ذریعے یقیناً تمہارے سامنے میری رسالت ثابت ہوئی ہے۔ فَلَمَّا زَاغُوا: حق کے جاننے کے باوجود انکار کرنا، یا پھرنا اس کو زیغ کہا جاتا ہے اس کی ایک نشانی سورۃ آل عمران آیت 7 میں گزری ہے۔ أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ: جزاء عمل کی جنس سے ہوتی ہے جب یہ اطاعت اور ایمان اور رسول کے احترام اور قتال فی سبیل اللہ سے ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں شکوک وشبہات اور حیرانگی اور گمراہی پیدا کی جیسے سورۃ نساء آیت 115 اور سورۃ

انعام آیت 110 میں ہے۔ الْفٰسِقِيْنَ : یہ عقیدے کا فسق مراد ہے زیغ کے قرینے کے ساتھ اس لیے کہ زیغ عقیدے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے

تفسیر 6: یہ بھی دلیل نقلی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تصدیق بھی کی ہے لیکن بنی اسرائیل نے ان سے کجروی اختیار کی تھی نیز انہوں نے آخری نبی کی بشارت بھی دی ہے اور یہ بنی اسرائیل اس سے بھی انکار کرتے ہیں، جیسے سورہ اعراف آیت 157 اور سورۃ آل عمران آیت 81 میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے باپ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ (ابن جریر 2075 حاکم 600/2 امام حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے احمد 173 /1 4 شیخ البانی نے بھی صحیح کہا ہے سلسلۃ الصحیحۃ حدیث 1925) مِنۢ بَعْدِي: بعد کا لفظ مطلق پیچھے ہونے پر دلالت کرتا ہے اور لفظ مِنْ جب بَعْد پر داخل ہوجائے تو پہلے اور پچھلے کے درمیان واسطے کے نہ ہونے اور قلت بَعْدِیَت کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کے درمیان دوسرا واسطہ (یعنی دوسرا رسول اور نبی) نہیں آیا ہے اور ان دونوں کے درمیان پانچ سو اناسی سال کا فاصلہ ہے (نیز بخاری کی حدیث میں 600 سال ذکر ہیں) أَحْمَدُ: امام رازی نے تفسیر کبیر میں اور قاسمی نے اپنی تفسیر میں نیز الشیخ رحمت اللہ الکیرانوی نے کتاب اظہار الحق میں انجیل یوحنا کے چودھویں باب سے بشارت، فارقلیط کے لفظ کے ساتھ نقل کی ہے اور یہ یونانی لفظ ہے اور اصل میں بیرکلوط ہے اور اس کا معنی احمد ہے اور برنابا کے انجیل میں صریح عبارتیں زیادہ ہیں، ہاں بعد میں راہبوں نے بہت ضد کی وجہ سے ان الفاظ میں تحریفات کی ہیں اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ میں محمد ہوں اور احمد ہوں اور ماحی، حاشر اور عاقب ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث 3532 صحیح مسلم 124 فی فضائل) اور مسلم کی حدیث میں اس کے ساتھ المقفی اور نبی الرحمۃ اور نبی التوبہ اور نَبِيُّ الْمَلْحَمَةِ بھی آئے ہیں۔ اور خطیب شربینی نے سراج المنیر میں بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کے ہزار نام ہیں (اگرچہ اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں ہے) اور اسی طرح بعض نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے موافق نبی ﷺ کے ننانوے نام لکھے ہیں اور ان کے پاس بھی اس پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ (نوٹ: یہ غلو میں شامل ہے) فائدہ: محمد اور احمد کے درمیان فرق دو وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ احمد اسم تفضیل ہے یعنی "احمد الحامدین للہ تمام انبیاء علیہم السلام حمد کرنے والے ہیں لیکن آخری نبی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہیں اور محمد محمود کے معنی میں ہے لیکن

محمود صرف تعریف کیے گئے کو کہا جاتا ہے اور محمد اس کو کہا جاتا ہے جس کی بار بار تعریف کی جاتی ہے تو لفظ احمد میں کیفیت کی زیادتی ہے اور محمد کے لفظ میں کمیت (مقدار) کی زیادتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ احمد بھی اشغل کی طرح مبنی للمفعول ہے تو محمد کا معنیٰ ہے بار بار حمد کیا گیا اور احمد کا معنیٰ ہے بہت زیادہ تعریف کیا گیا، پھر پہلے فرق کی بنا پر حکمت یہ ہے کہ پہلے تو ایک انسان بہت تعریفیں اور صفتیں بیان کرتا ہے اس کے بعد پھر اس انسان کی حمد اور تعریف کی جاتی ہے اسی وجہ سے پہلی کتاب (انجیل) میں پہلی صفت ذکر ہوئی اور قرآن میں دوسرا نام ذکر کیا گیا۔ اور اس سے جو مرزائی نے اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے دلیل ذکر کی ہے تو وہ صاف جھوٹ اور تحریف ہے اس لیے کہ مرزائی کا نام غلام احمد ہے اور اس آیت میں احمد ذکر کیا گیا ہے اور مضاف، مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ: فاعل کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام یا آخری نبی کی طرف راجع ہے، دوسرا قول راجح ہے اور اس میں یہود اور نصاریٰ کے لئے سخت زجر ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور بینات کے باوجود اس آخری نبی سے انکار کیا اور بیّنات سے مراد قرآن کریم ہے۔ هٰذَا سِحْرٌ: بینات کی طرف اشارہ ہے اور سحر اپنے معنیٰ میں ہے، یا هٰذَا رسول کی طرف اشارہ ہے اور مصدر (سحر) اسم فاعل کے معنیٰ میں ہے اور اس کا حمل مبالغۃً ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰىٓ إِلَى الْإِسْلَامِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

"اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے حالانکہ اس کو اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا [7] وہ چاہتے ہے کہ اپنے منہ سے اللہ تعالیٰ کی روشنی کو بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے، اگرچہ کافر ناپسند کرتے ہیں [8] اللہ کی وہ ذات ہے جس نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنے رسول کو بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرک ناپسند کریں [9]۔

تفسیر 7: یہ ان لوگوں کو زجر ہے جو بینات کو جادو کہتے ہیں چاہے یہود ہوں جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی ہے، اور چاہے یہود اور نصاریٰ دونوں ہوں جنھوں نے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ہے۔ الْكَذِبَ: ہر سحر، جھوٹ اور افتراء ہے اور اسی طرح شرک کرنا بھی افتراء ہے۔ الْإِسْلَامِ: اس سے مراد توحید کا دین ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے،

یا اس سے مراد محمد ﷺ کی اتباع ہے۔ الظّٰلِمِیْنَ: یعنی ضد اور عناد کی وجہ سے حق سے انکار کرتے ہیں پانچویں آیت میں الْفٰسِقِیْنَ ذکر تھا اس لیے کہ دلوں کا زیغ عقیدے کا فسق ہے اور یہاں الظّٰلِمِیْنَ کہا اس لیے کہ آیت کے شروع میں وَمَنْ أَظْلَمُ: کہا ہے۔

تفسیر 8: یہ بھی رسول اور قرآن کے انکار پر زجر ہے اس کو بغیر حرف عطف سوال کے جواب کے طور پر ذکر کیا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ ظلم کرتے ہیں اور اسلام کا مقابلہ افتراء کے ساتھ کرتے ہیں یہ کس مقصد کے لیے کرتے ہیں؟ جواب ہوا کہ ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا ہے تو یُرِیْدُوْنَ ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو حق کو جادو کہتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں اور اطفاء اور اخماد میں فرق یہ ہے کہ اطفاء کم اور زیادہ روشنی دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اخماد صرف زیادہ روشنی میں استعمال ہوتا ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ اخماد اکثر آگ میں استعمال ہوتا ہے اور اطفاء نور میں استعمال ہوتا ہے۔ فائدہ: سورۃ توبہ آیت 32 میں أَنْ ذکر تھا اور یہاں لام ذکر ہے فرق کی وجہ یہ ہے کہ أَنْ بتاویل مصدر یُرِیْدُوْنَ کا مفعول ہے یعنی ان کی اصل مراد اطفاء ہے اور (اس سورت میں) لام علت کے لیے ہے اور یُرِیْدُوْنَ کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی یُرِیْدُوْنَ الْاِفْتِرَاءَ وَالتَّکْذِیْبَ لِاَجْلِ الْاِطْفَاءِ تو معلوم ہوا کہ پہلی تعبیر میں بنسبت دوسری تعبیر کے مبالغہ ہے۔ اور سورۃ توبہ میں یہود ونصاریٰ کے قبائح اور ان سے قتال کی علتیں بیان کرنا مقصود تھا تو اس کی تعبیر مبالغے (أَنْ) کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ: نور سے مراد سورج ہے اور کلام استعارہ تمثیلیہ کے طور پر ہے یعنی یہ منکرین جو حق کو باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سورج کو پھونکوں سے بجھانا چاہتا ہے، یا نور سے مراد قرآن، توحید، آخری نبی ﷺ کی رسالت اور اسلام ہے اور أَفْوَاهِهِمْ: سے مراد بے دلیل باتیں اور شبہات واہیہ ہیں۔ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ: نور کا اتمام قرآن کے نازل کرنے اور ان کے شبہات کے جواب کے ذریعے ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ نور کے مکمل ہونے سے پہلے (قرآن کے مکمل نازل کرنے اور دین اسلام کے مکمل کرنے سے پہلے) کسی کی قدرت نہیں تھی کہ اس کو ختم، یا ادھورا کر سکے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ: کفر کے لفظ میں ظلمات کی طرف اشارہ ہے کہ جو نور کے مقابل ہیں یعنی اندھیروں (ظلمات) کو پسند کرنے والے لوگ روشنی نہیں چاہتے ہیں۔

تفسیر 9: یہ مُتِمُّ نُوْرِهٖ: کے لیے بیان ہے یعنی (اللہ تعالیٰ) اپنے نور کو اس رسول کے بھیجنے اور قرآن کے ذریعے پورا کرتا ہے نیز اس اتمام کے ساتھ تمام ادیان پر اس دین کے غلبے کی صفت بھی ہوگی۔ اس کی تفسیر سورۃ فتح آیت 28 اور سورۃ توبہ

آیت 33 میں گزری ہے۔ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ: قرآن اور توحید، یا قرآن وحدیث، یا عقیدہ اور احکام مراد ہیں۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ: ظہور سے ماخوذ ہے غلبے کے معنی میں ہے اور مفعول کی ضمیر رسول، یا دین کی طرف راجع ہے اور غلبہ عام ہے حجت سے ہو اور چاہے ایسے ہو کہ اور ادیان تو موجود ہوں لیکن کمزور ہوں، جیسے خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوا یا ایسے ہو کہ زمین کے اوپر دین اسلام کے سوا دوسرا دین نہ ہو جیسے قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوگا، یا اظہار، اعلام اور اطلاع کے معنی میں ہے یعنی نبی ﷺ پر قرآن کا نزول تمام آسمانی اور غیر آسمانی ادیان پر علم کے حصول کے لیے سبب ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ: چونکہ هدیٰ اور دین حق توحید ہے اور توحید کے انکار کو شرک کہا جاتا ہے تو اس آیت کا اختتام الْمُشْرِكُوْنَ کے ساتھ کیا۔ فائدہ: سورۃ فتح آیت 28 میں وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا جبکہ سورۃ توبہ آیت 33 میں اور اس سورت میں وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ذکر کیا ہے وجہ یہ ہے کہ سورۃ فتح میں عام مشرکین کا رد تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے تھے بلکہ انہوں نے صلح حدیبیہ کے عہدنامے میں رسول اللہ کا لفظ لکھنے سے انکار کیا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر اپنی شہادت ذکر کی اور سورۃ توبہ اور اس سورت میں اہل کتاب کا رد ہے کہ انہوں نے توحید کی جگہ شرک سے دین بنایا اور ان کی طرف رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کا بڑا سبب آپ علیہ السلام کی طرف سے توحید کا بیان اور شرک کا رد کرنا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿10﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿11﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿12﴾

”اے ایمان والو! کیا تمہیں ایسی تجارت بتلاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے؟[10] اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو گے، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو[11] وہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور پاکیزہ مکانات ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے[12]۔

تفسیر 10، 11، 12: یہ مسلمانوں کو دوسرا خطاب ہے اور بشارت اخرویہ کے ذریعے جہاد کی طرف ترغیب ہے، اور اس آیت کا اس سورت کی چوتھی آیت کے ساتھ تعلق ہے۔ هَلْ اَدُلُّكُمْ: استفہام سے مراد امر ہے لیکن پورے طور پر متوجہ

ہونے کے لیے استفہام کے ساتھ تعبیر کی ہے۔ عَلٰی تِجَارَةٍ یہ لفظ اس وجہ سے لایا گیا۔ پوچھنے والے (عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ) (مسند احمد 5-452 صحیح ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3309 عبداللہ بن سلام کی روایت نقل کی ہے جس کو شیخ البانی، شیخ رشاد، شیخ حسن وشیخ احمد نے ابن کثیر کی تخریج میں صحیح کہا ہے) نے کہا تھا کہ کونسی تجارت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے تو سوال کے مطابق جواب دیا، یا یہ ترغیب کے لیے ہے اس لیے کہ انسانوں کی طبیعتیں تجارت سے بہت خوش ہوتی ہیں اس لیے کہ تجارت میں عوض کا لزوم ہوتا ہے اور اس کو سورۃ توبہ آیت 111 میں اشتراء کی تعبیر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تُنْجِيْكُمْ: یہ تجارت دنیاویہ اور اخرویہ کے فرق کی طرف اشارہ ہے یعنی اس تجارت میں فائدہ ضرور ہے اور وہ ابدی فائدہ ہے اور اس میں نقصان کا کوئی احتمال نہیں ہے جبکہ دنیاوی تجارت تو اس طرح نہیں ہے۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ: یہ تجارت کی تفسیر ہے یعنی بیچنے والوں (جو مومن ہیں) کی طرف سے ایمان اور جہاد بالمال والنفس ہے، ایمان کو جہاد کی قبولیت کے لیے ذکر کیا ہے اس لیے کہ ایمان کے بغیر جہاد فائدہ نہیں دیتا ہے تو اس (تُؤْمِنُوْنَ) سے مراد ایمان کا دوام ہے اس لیے کہ ان کو خطاب میں "اٰمَنُوْا" کہا ہے۔ وَتُجَاهِدُوْنَ: اس سے مراد چوتھی آیت کے قرینے کے ساتھ قتال فی سبیل اللہ ہے۔

بِاَمْوَالِكُمْ: نفس کی بنسبت مال خرچ کرنے کی سب سے پہلے اور ہر وقت ضرورت ہوتی ہے اس وجہ سے اموال کو مقدم ذکر کیا۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: سوال: اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ جہاد کی خیریت (بہتری) مخاطب لوگوں کے علم پر موقوف نہیں ہے تو یہاں کس وجہ سے یہ شرط لگائی؟ جواب: یہ شرط حقیقی نہیں ہے، بلکہ اس میں مقصود اس حکم کے ماننے پر ابھارنا ہے، یا اِنْ اِذْ کے معنی میں ہے یَغْفِرْ لَكُمْ: یہ اشتراء کرنے والے جو کہ اللہ تعالیٰ ہے کی جانب سے عوض ہے۔

یَغْفِرْ: شرط مقدر کے ساتھ مجزوم ہے یعنی اِنْ تُؤْمِنُوْا وتُجَاهِدُوْا۔ اور امام قرطبی نے مبرد اور زجاج سے نقل کیا ہے کہ تُؤْمِنُوْنَ (آیت کے شروع میں) اٰمِنُوْا امر کے معنی میں ہے اسی (جواب امر کی) وجہ سے یَغْفِرْ مجزوم ہے اور فراء نے کہا ہے کہ یہ اس استفہام کا جواب ہے جو (هَلْ تُؤْمِنُوْنَ وَتُجَاهِدُوْنَ) میں معنی مراد ہے ذُنُوْبَكُمْ: جب ایمان اور جہاد دونوں ایک ساتھ ذکر کیے ہیں تو ذُنُوْبَكُمْ کو عموم کے لئے بغیر مِنْ کے ذکر کیا ہے یعنی سارے گناہ ان کی وجہ سے بخشے جاتے ہیں اور اس میں گناہوں کی مغفرت جنت کے دخول پر مقدم ہے اس لیے کہ گناہ کے وصف کے ساتھ جنت حاصل نہیں ہوتی ہے تو اس وجہ سے یَغْفِرْ کو وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ پر مقدم کیا ہے۔ طَيِّبَةً: یعنی ایسے مسکن جن میں خوشحال زندگی کے تمام اسباب ہوں۔ فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ: پہلی جنات سے مراد دار الثواب ہے جو اللہ تعالیٰ نے عام ایمان والوں

کے لیے تیار کیا ہے اور یہ مختلف نعمتوں پر مشتمل ہے اور دوسری جنات سے مراد درخت اور پودوں کے باغات ہیں یعنی یہ مسکن باغوں کے اندر ہوں گے اور ان کے ارد گرد درخت ہوں گے۔ عَدْنٍ: اقامت کو کہا جاتا ہے یعنی مزے حاصل کرنے کے لیے جنت سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۱۳ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ۝۱۴

"اور دوسری نعمت جس کو تم پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور قریب کی فتح ہے، اور ایمان والوں کو خوشخبری دو [13] اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی دین کے مدد کرنے والے بن جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا: اللہ تعالیٰ کی طرف (نزدیک ہونے کے لیے) میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے (دین کے) مددگار ہیں پس بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا، پس ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے ان کے دشمنوں پر فتح دے دی پس وہ غالب ہو گئے [14]۔

تفسیر 13: یہ بشارت دنیاوی ہے، اور اُخْرٰی تجارت پر عطف ہے یا تقدیر لَكُمْ تِجَارَةٌ یا نِعْمَةٌ اُخْرٰى ہے۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ: یہ اُخْرٰی سے بدل ہے، یا اس میں لَكُمْ مقدر ہے اور یہ اُخْرٰی کے لیے تفسیر ہے۔ تُحِبُّوْنَهَا: یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام کی جہاد، نصرتِ الٰہی اور حق کی فتح کے ساتھ محبت تھی، دنیا کی دوسری متاع کے ساتھ ان کی محبت نہیں تھی۔ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ: اشارہ ہے کہ تمام دنیاوی اور اخروی خوشخبریاں ایمان کی وجہ سے ہیں۔

تفسیر 14: یہ جہاد کے حکم کی تاکید کے لیے تیسرا خطاب ہے اور اس میں ترتیب یہ ہے کہ پہلے مدد کرنے کے لیے اعلان ہے، پھر دعوت دینا ہے پھر دشمنانِ دین کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی تائید کا حصول ہے۔ اَنْصَارَ اللّٰهِ مضاف محذوف ہے یعنی اَنْصَارَ دِیْنِ اللّٰهِ یا لام مقدر ہے یعنی اَنْصَارًا لِّلّٰهِ اور اس تعبیر میں تاکید ہے کہ دین کی نصرت کے ذریعے سے انسان اللہ تعالیٰ کے گروہ اور جماعت میں داخل ہوتا ہے۔ كَمَا قَالَ سوال: كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ کی تشبیہ قَالَ عِیْسٰی کے ساتھ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ فعل کی قول کے ساتھ تشبیہ صحیح نہیں ہوتی ہے؟ جواب: کلام میں تقدیر ہے یعنی قُلْ یَا مُحَمَّدُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ كُوْنُوْۤا آه یا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ بِسَبَبِ قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ مِثْلَ

قَوْلِ عِيْسٰى۔ لِلْحَوَارِيّٖنَ: حور سے ماخوذ ہے سفیدی کو کہا جاتا ہے جیسے حُوْرٌ عِيْنٌ حواری یا کیا ز مخلص اور رازدار دوست کو کہا جاتا ہے اور (حواری) کبھی خاص ہوتا ہے جیسے لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ (صحیح بخاری کتاب الجہاد حدیث 2846 / صحیح مسلم فی الفضائل حدیث 2415) اور کبھی عام ہوتا ہے جیسے دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ہر نبی کی امت میں اس کے حواری اور اصحاب ہوتے ہیں جو يَهْتَدُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ (صحیح ترغیب حدیث 2310) فائدہ: سورۃ آل عمران آیت 52 میں فرمایا ہے کہ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ اور اس آیت میں قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ وارد ہے معلوم ہوا کہ اس میں ترتیب ہے وہ یہ ہے کہ پہلے عیسیٰ علیہ السلام نے عام اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں کون میرا ساتھ دے گا یعنی ایمان لائے گا تو حواریوں نے اجابت کی (یہ آل عمران کی آیت کا مقصد ہے) پھر انہوں نے حواریوں سے کہا مَنْ اَنْصَارِيْٓ یعنی کون باوجود مصائب کے حق کی طرف بلائے گا؟ تو حواریوں نے کہا کہ ہم اس کے لیے تیار ہیں (یہ اس آیت کا مقصد ہے) تو معلوم ہوا کہ حواری دو قسم کے ہیں عام جو صرف ایمان کا اظہار کرتے ہیں دوسرے خاص جو اخلاص کے ساتھ دعوت دینے والے ہوں۔

فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ: امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہاں تقدیر ہے یعنی حواریوں نے بنی اسرائیل میں دعوت شروع کی تو وہ پہلے دو گروہ بن گئے جو ایمان لائے تو ان کو نصاریٰ کہا جاتا تھا اور جنہوں نے کفر کیا تو ان کو یہود کہا جاتا تھا پھر عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد نصاریٰ مختلف ہو گئے، کسی نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہے، وہ یعقوبیہ ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے یہ نسطوریہ ہیں۔ اور کچھ تثلیث کے قائل ہو گئے اور وہ ملکانیہ ہیں اور کچھ توحید پر مضبوط تھے ان میں تین گروہ پیدا ہو گئے: مجاہدین، دعوت دینے والے اور ان دونوں کو یہودیوں نے قتل کیا اور راہب جیسے سورۃ حدید میں ذکر ہے۔ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: ان کی تائید اور غلبہ حجت کے ذریعے تھا اور پھر آخری نبی ﷺ کی بعثت کے سبب سے ان کا غلبہ آیا یعنی آپ علیہ السلام نے ان کے عقیدے کی تائید کی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ اور ابن اللہ نہیں ہے بلکہ عبد اللہ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

سورۃ الصف کی خصوصیات: ۱۔ بات کہہ کر اس پر عمل نہ کرنے پر وعید۔ ۲۔ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے آخری رسول کی بشارت ۳۔ جہاد پر ترغیب تین مرتبہ۔ ۴۔ ایمان والے نوجوانوں کے فرائض کا تذکرہ۔

الحمد للہ سورۃ الصف کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مکمل ہوئی

آیاتها ۱۱ ۶۲ سورۃ الجمعۃ مدنیۃ ۱۱۰ رکوعاتها ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾ ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ
رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ٭ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ
مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۲﴾

”اللہ تعالیٰ کے لئے پاکی بیان کرتے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ بادشاہ، پاک، غالب اور حکمت والا ہے [1] اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ان کی جنس سے رسول بھیجا وہ ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک اخلاق سکھلاتا ہے اور ان کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے [2]۔

ربط: اس سورت کا ماقبل سورت سے ربط بہت سی وجوہ سے ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سورت میں یہودیوں کے دلوں کا زیغ ذکر تھا تو اس سورت میں ان کے زیغ کے آثار ذکر کیے گئے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں جہاد کی طرف ترغیب تھی تو اس سورت میں مانعین جہاد کو زجر ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں جہاد کی طرف ترغیب تھی تو اس سورت میں جمعہ کا خطبہ سننے کی ترغیب ہے جس میں جہاد کے مسائل بھی ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں قتال کی صفوں کا ذکر تھا تو اس سورت میں جمعے کی نماز کا ذکر ہے کہ اس میں صفوں کو بنانے کا طریقہ سیکھنا ہے۔ پانچویں وجہ سورت صف میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعے بشارت تھی تو اس سورت میں اس کے آنے کی خبر دی ہے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ سورۃ صف میں عمل کے چھوڑ دینے پر وعید تھی تو اس سورت میں بے عمل لوگوں کی مثال حمار (گدھے) کے ساتھ ذکر کی ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: یہودیوں کے تین دعووں کا رد ہے اور رد شرک فی العلم والتصرف ہے اور اس کے لیے دو اسمائے حسنیٰ ذکر کیے ہیں۔

سورت کا خلاصہ: پہلے تسبیح کے ساتھ توحید کا ذکر ہے، پھر تین آیات میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا بیان ہے، پھر یہودیوں کے پہلے دعوے کا رد ہے کہ وہ فخر سے کہتے کہ ہم علماء ہیں اور تم اَن پڑھ ہو۔ اس کا جواب آیت 5 میں ہے کہ بے عمل عالم تو گدھے کی مانند ہوتا ہے۔ دوسرا ان کے اس دوسرے دعوے کا رد ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں مباہلے کی دعوت کے ذریعے تین آیات میں اس کا جواب ہوا تیسرا ان کا یوم السبت کے ذریعے فخر کرنا ہے تو اس کا جواب جمعے کے دن کی عظمت خطبے اور صلاۃ کے ذریعے ہوا، پھر جمعے کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حلال کمائی کی طرف ترغیب ہے اور خطبہ سننے کی ترغیب ہے اور دنیا کے مال تجارت وغیرہ کو عبادت کے لیے ترک کرنا ذکر ہے۔

تفسیر 1: آیت 1 میں تسبیح کے ذکر کے ذریعے توحید کا دعویٰ ہے۔ اور تسبیح میں اس کا خاص تعبیر کے ساتھ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ''الْمَلِكِ'' ہے تو اس کی رعیت (جو یہ امت ہے) کی اصلاح کے لیے آخری رسول کو بھیجا اور ''الْقُدُّوسِ'' ہے یعنی بے عمل علماء کی گدھوں کے ساتھ تشبیہ دینے پر اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ الْعَزِيزِ: ہے یعنی جھوٹ کے ساتھ کسی کے ولایت کے دعویٰ کرنے سے نہیں ڈرتا ہے۔ اور حَكِيمِ: ہے جمعے کے دن میں خاص عبادت کے مقرر کرنے میں حکمت ہے۔ يُسَبِّحُ: فعل مضارع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا اور گزری ہوئی سورتوں (حدید، حشر، صف) میں فعل ماضی کے ساتھ تھا ہر زمانے کے دوام اور احاطہ کی طرف تسبیح پڑھنے کے ذریعے اشارہ ہے۔ سَبَّحَ (زمانوں کا عموم ہے اور مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ لسانیات اور مکانیات کے عموم کے ساتھ مکان کا عموم ہے۔ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ: ان صفات میں موصوف کے بعد اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا استحقاق ذات اور صفات دونوں کی وجہ سے ہے۔

تفسیر 2: توحید کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سچائی ذکر فرمایا ہے، اشارہ ہے کہ انسانوں کا اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنا رسول کے طریقے پر ضروری ہے اور اس مسئلے کے استقلال کی وجہ سے ماقبل پر عطف نہیں کیا ہے بَعَثَ اَرْسَلَ کے معنی میں ہے یا پیدا کرنے کے معنی میں ہے۔ فِي الْاُمِّيّٖنَ: اُمّی اصل میں اس کو کہا جاتا ہے جس نے نہ کچھ پڑھا ہوا ور نہ لکھنا آتا ہو اور یہاں مراد اہل کتاب کے مقابل ہے کہ سورۃ آل عمران آیت 22 میں ہے یعنی وہ جن کو آسمانی کتاب نہیں دی گئی تو وہ یہ سب عرب ہیں، اور اُمّی نبی ﷺ کی صفت سورۃ اعراف آیت 157 میں ذکر ہے تو نبوت اور رسالت کے باوجود نبی ﷺ کی اُمّی صفت مدح کی وجہ سے ہے اس لیے کہ یہ معجزہ ہے اور اس کی سچائی کی دلیل ہے، جیسے سورۃ عنکبوت آیت 48 میں اس کی طرف اشارہ ہے اور الْاُمِّيّٖنَ (عرب) میں بھیجنا اس طرح ہے کہ عرب کے ہر قبیلے میں نبی ﷺ کی قرابت

باپ، یا ماں کی طرف تھی سوائے تغلب کے کہ ان میں نصرانیت تھی اور عرب الْأُمِّيّٖنَ میں بعثت کی حکمت یہ ہے کہ ان کا نسب
عجمیوں کی تمام نسبوں سے اعلیٰ ہے اور پھر قریش اور ان میں بنو ہاشم کے تمام عالم کے خاندان اور قبائل سے بلند ہیں تو اللہ
تعالیٰ نے اپنے آخری رسول کو ایسی قوم اور نسب میں بھیجا تاکہ نسب کے لحاظ سے اس کو کوئی حقیر نہ سمجھے جیسے ہرقل کی حدیث
(صحیح بخاری کتاب الجهاد باب الکتاب الی الکفار حدیث 1723 و صحیح مسلم) میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء
کو عالی نسب میں بھیجا ہے تو فِی الْأُمِّيّٖنَ کا لفظ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ نبی ﷺ عربی ہے تو جو اس کی عربیت
میں شک یا انکار کرے تو کافر ہے۔ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ: ان کی جنس سے ہے، یعنی انسان ہے اور یہ نبی ﷺ کی بشریت
اور رسالت پر واضح دلیل ہے تو اس سے انکار، یا اس میں شک کرنا بھی کفر ہے، جیسے آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں
سورۃ آل عمران کی تفسیر میں اس طرح تفصیل لکھی ہے۔ یہ نبی ﷺ کی تین صفات ہیں عربیت، رسالت اور بشریت پھر
اس کی تین ذمہ داریاں ذکر فرمائی ہے پہلی يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ: تلاوت سے مراد قرآن کا بیان کرنا اور قرآن کی طرف
دعوت دینا ہے تو یہ دعوت اور تبلیغ کا مرتبہ ہے اور اس کا نصاب قرآن کریم کی آیتیں ہیں دوسرا کام وَيُزَكِّيْهِمْ اس سے
مراد اعمال اور اخلاق کا طریقہ سکھلانا اس کے اوقات، مقادیر، کیفیات اور ہیئات سکھلانا اور یہ مرتبہ عمل کرنے اور عمل کے
سکھلانے کا ہے جو کہ دعوت اور تعلیم کا مقصد ہے، اس وجہ سے تزکیہ دعوت اور تعلیم کے درمیان ذکر کیا ہے کہ یہ اصل مقصود
ہے اور اس کو علم التزکیہ اور علم الاخلاق کہا جاتا ہے، لیکن اس کا صوفیت یا تصوف نام رکھنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ شرعی نام
کو چھوڑنا اور غیر شرعی نام استعمال کرنا شریعت کے خلاف ہے، جیسے حدیث سے ثابت ہے کہ عشاء کے لیے عتمہ نام استعمال
نہ کرو (صحیح بخاری کتاب المواقیت) اور تیسرا کام وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: اور یہ تعلیم و تدریس کا مرتبہ ہے
اور اس کا نصاب قرآن و حدیث ہے قتادہ کی روایت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے الرسالہ میں بھی ذکر کیا ہے کہ حکمت
سے مراد سنت ہے یہ صفات نبی ﷺ کی سورۃ بقرۃ آیت 129، 151 اور سورۃ آل عمران آیت 164 میں بھی ذکر کی گئی
ہیں۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: یہ صریح دلیل ہے کہ رسول کی اتباع اور ایمان کے بغیر تمام
راہیں گمراہی کی ہیں اور اسی طرح ہر گمراہی سے نجات کا ذریعہ صرف قرآن اور نبی ﷺ کی سنت کی اتباع میں ہے۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ "اور ان کے بعد کچھ دوسرے لوگ جو ان تک مرتبے میں نہیں پہنچے اور خاص اللہ تعالیٰ غالب

حکمت والا ہے[3] یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ اسے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے[4]۔

تفسیر3: یہ يُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر پر عطف ہے اس لیے کہ پچھلوں کا بھی مُعَلِّمْ اصل میں رسول اللہ ﷺ ہے اگرچہ واسطہ کے ساتھ ہے، یا الْاُمِّيّٖنَ پر معطوف ہے پہلی توجیہ کی بنا پر اٰخَرِيْنَ سے مراد تمام ایمان والے ہیں، چاہے عرب ہوں، یا عجم ہوں جو صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین قیامت تک ہیں۔ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ: اس کی بھی دو توجیہات ہیں: پہلی توجیہ یہ ان کے زمانے میں نہیں تھے اور ان کے بعد آئے ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے ساتھ فضیلت اور مرتبے میں نہیں ملے۔ یہ توجیہ آلوسی نے روح المعانی میں ذکر کی ہے اگرچہ لَمَّا کا لفظ اصلی معنی کے ساتھ (کہ ابھی تک ایک کام نہ ہوا ہو اور ہونے کی امید ہو) اس کے مناسب نہیں ہے کہ یہ امید نہیں ہے کہ تابعین اور پچھلے لوگ صحابہ کرام کی فضیلت کو پہنچ جائیں اور اس توجیہ میں اشارہ ہے کہ ایک تابعی اگرچہ بہت علم اور تقوے والا ہو ایک ادنیٰ صحابی کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا جیسے امام آلوسیؒ نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز بہتر ہے یا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ وہ گرد وغبار جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سو عمر بن عبدالعزیز سے بہتر ہے۔ فائدہ: فِي الْاُمِّيّٖنَ کے لفظ کے بارے میں سوال ہے کہ یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی رسالت امیین (عرب) کے ساتھ خاص ہے اور اسی وجہ سے ابن صیاد کی روایت میں آیا ہے کہ اس نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ آپ رسول ہیں لیکن صرف امیوں (عرب) کے رسول ہیں؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ لفظ اٰخَرِيْنَ ہر دونوں توجیہات کے ساتھ صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی رسالت تمام عرب اور عجم کے لیے عام ہے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ ایک مبعوث فِيْهِمْ اور دوسرا مبعوث اِلَيْهِمْ ہے اس آیت میں مبعوث فیہم کا ذکر ہے جو عرب ہیں اور آپ علیہ السلام عرب قوم میں سے تھے، مبعوث الیہم کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔ اس کے لیے اور آیتیں ہیں جیسے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا سورۃ الاعراف 158: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ سورۃ انعام آیت 19

تفسیر4: اس میں یہود کا رد ہے کہ وہ رسالت کو اپنی قوم کے ساتھ خاص سمجھتے تھے۔ ذٰلِكَ: میں رسول اللہ ﷺ کا اُمِّيّٖنَ (عرب) میں بھیجنے کی طرف اشارہ ہے، یا مطلق وحی اور نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ: لیکن دوسرے نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ خاتم النبیین محمد ﷺ کے بعد کسی کو بھی نئی نبوت نہیں دیتا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ
لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ
الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''ان لوگوں کی مثال جن کو تورات (کی ذمہ داری) دی گئی، پھر انہوں نے ذمہ داری کو ادا نہیں کیا ان کی مثال گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کو اٹھائے ہوئے ہو، اس قوم کی مثال بری ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا [5] آپ کہہ دیجئے اے یہودیو! اگر تم خیال کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو دوسرے لوگوں کے سوا تو موت کی خواہش کرو اگر تم سچے ہو [6] وہ موت کی کبھی خواہش نہ کریں گے بسبب اس کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے خوب واقف ہے [7] اے نبی ﷺ آپ کہہ دیں: وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو یقیناً وہ تم سے ملنے والی ہے، پھر تم اس اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور ظاہر کو جانتا ہے، پس جو کچھ تم کرتے وہ تمہیں اس سب سے آگاہ کر دے گا [8]۔

تفسیر 5: رسول کی سچائی کے ذکر کے بعد علم کے باوجود اس رسول کے منکرین کو زجر ہے اور اس میں یہودیوں کے پہلے دعوے کا رد ہے یعنی وہ کہتے کہ تم ان پڑھ ہو اور ہم علماء اور اہل کتاب ہیں تو ہم تم سے بہتر ہیں، ہم پر لازم نہیں ہے کہ ہم رسول امی پر ایمان لائیں۔ رد کا خلاصہ یہ ہے کہ بے عمل عالم تو گدھے کی مانند ہے اس میں کوئی بھی اچھائی نہیں ہے۔
حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ: تحمیل سے مراد عمل کرنے اور دعوت دینے کی ذمہ داری ہے یعنی ان پر ذمہ داری رکھی گئی ہے کہ تورات کا علم حاصل کرو گے اور اس پر عمل کرو گے اور اس کو بیان کرو گے۔ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا: یعنی انہوں نے علم کے باوجود عمل نہیں کیا اور کتمان اور تلبیس اور تحریف کی۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا: مثال کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح گدھے پر بڑی کتابوں کا بوجھ رکھا جائے تو کمر پر بوجھ ہوتا ہے اس کی پہلو کو زخمی کرتا ہے اور اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں لے سکتا ہے اور کبھی جہالت کی وجہ سے راستے کے درمیان لیٹ جاتا ہے تو راستے کو بند کر دیتا ہے، اسی طرح وہ عالم جو اللہ تعالیٰ کی کتاب

کو حفظ کرتا ہے اور پڑھنے میں تکلیفیں سہتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا بوجھ اور تکلیف تو اٹھاتا ہے مگر اس کا کچھ فائدہ نہیں ، نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں اور ایسا عالم کبھی ضد اور حسد کی وجہ سے حق والوں کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے اور راہِ حق میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ اَسۡفَارًا: سفر کی جمع ہے بڑی کتاب کو کہا جاتا ہے اشارہ ہے کہ یہ بڑا مولوی ہے، لیکن بے عمل ہے اس آیت کے الفاظ کے عموم کی وجہ سے اس میں اس امت کے بے عمل علماء بھی شامل ہیں بلکہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ وہ بھی اس میں شامل ہے جو قرآن حفظ کرتا ہے لیکن اس میں غور وفکر نہیں کرتا اور اس کی اتباع بھی نہیں کرتا اور فیصلے بھی اس پر نہیں کرتا ہے اور نہ اس کے مطلب کو سمجھتا ہے۔ اور مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ جو جمعے کے خطبے کے دوران باتیں کرے اس کی مثال اس گدھے کی ہے جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ بِئۡسَ مَثَلُ: یہ مثال اصل میں کتاب اللہ کے جھٹلانے والوں کے لیے ہے کہ تورات میں خاتم النبیین کا ذکر ہے اور یہ انکار کرتے ہیں اور قرآن میں توحید ہے اور یہ انکار کرتے ہیں، لیکن یہود اور ان کی طرح علماء سوء کا انکار اور تکذیب تحریف اور تلبیس اور کتمان کے طور پر ہے صریح انکار کے ساتھ نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ: اس میں اشارہ ہے کہ ایسے علماء علماء ظالم ہیں اور ہدایت کی توفیق سے محروم ہیں۔

تفسیر 6، 7: اس میں یہود کے دوسرے دعوے کا رد ہے وہ کہتے تھے کہ گدھے کی مثال دینے سے ہماری توہین کیوں کرتے ہو؟ ہم تو اللہ تعالیٰ کے ولی (دوست) ہیں، جیسے سورۃ مآئدۃ آیت 18 میں ہے اور تم (اے ایمان والو!) گمراہی میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس دعوے کو مباہلے کی دعوت کے ذریعہ رد فرمایا۔ هَادُوۡا: تَهَوَّدُوۡ کے معنی میں ہے یعنی یہودیت کا دین اختیار کیا ہے۔ اَوۡلِیَآءُ لِلّٰهِ: سورۃ بقرۃ آیت 94 میں اِنۡ کَانَتۡ لَكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ ہے تو دونوں میں ایک قسم کا ملازمہ ہے اس لیے کہ جنت والے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اور اسی طرح برعکس بھی، لیکن سورۃ بقرۃ میں جنت کے دعوے پر بحث تھی جیسے آیت 80، 111 میں ہے اسی وجہ سے وہاں مباہلے کے بارے میں ان کا جنت کا دعویٰ ذکر کیا ہے اور یہاں ان کا مقصد اپنی فضیلت ظاہر کرنی تھی اور وہ ولایت کے دعوے سے متعلق ہے۔ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ: ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ دونوں میں سے گمراہ فریق کے لیے موت کی دعا مانگو اور سورۃ بقرۃ میں بھی ابن کثیر نے یہ تفسیر کی ہے اور ابن قیمؒ نے بدائع التفسیر میں یہ توجیہ ذکر کی ہے اور یہ مباہلہ یہود کے ساتھ ہے اور سورۃ آل عمران آیت 61 میں مباہلہ نصاریٰ کے ساتھ ہے۔ اور سورۃ مریم آیت 75 میں مباہلہ مشرکین عوام کے ساتھ ہے اور جو اس آیت کی مشہور

تفسیر ہے اس پر اعتراض یہ ہے کہ ولایت اور موت کی دعا کے درمیان ملازمہ نہیں ہے اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں لیکن انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی ہے اور اسی طرح حدیث صحیح بخاری (فی الطب حدیث 5673) میں وارد ہے کہ کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ اپنے لیے موت کی دعا مانگے۔ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا: یہ یہودیوں سے مباہلہ کرنے کی نفی ہے۔ بِمَا قَدَّمَتْ: یعنی یہود جانتے ہیں کہ ہم تو کافر اور گمراہ ہیں اور یہ نبی حق پر ہے، اگر ہم اس کے ساتھ مباہلہ کریں گے تو تباہ ہو جائیں گے سورۃ بقرۃ آیت 90 میں یہ نفی حرف لَنْ کے ساتھ مؤکد کی ہے اس لیے وہاں ان کا جنت کا دعویٰ دونوں آیات 80، 111 میں لَنْ کی تاکید کے ساتھ ہے تو تاکید کا جواب بھی تاکید کے ساتھ مناسب ہے۔

تفسیر 8: اس آیت میں تخویف ہے کہ موت کی تمنا نہ کرنے سے تم موت سے بچ نہیں سکتے تو ضروری ہے کہ توبہ کرو۔ تَفِرُّوْنَ: فرار سے مراد موت کی تمنا نہ کرنا ہے اور اسی طرح ہر انسان جو میدان جنگ سے موت کے خوف سے بھاگتا ہے، یا کسی علاقے میں طاعون کی وجہ سے موت کے ڈر سے بھاگتا ہے تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ: اس کے معنی میں تاکید ہے اس وجہ سے لقاء سامنے آنے کو کہا جاتا ہے یعنی بھاگ کر انسان اس چیز سے بچ سکتا ہے جو اس کے پیچھے آتی ہو اور موت تو سامنے سے آتی ہے تو اس سے بھاگنا بے فائدہ ہے۔ سوال: فَاِنَّهٗ میں فاء جزا کی ہے اور شرط نہیں ہے؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ موصول (الَّذِيْ) کبھی کبھی شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے یعنی اِنْ فَرَرْتُمْ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ اِنَّ کی خبر پوشیدہ ہے اور فاء تعلیل کے لیے ہے یعنی وہ موت جس سے تم بھاگنا چاہتے ہو اس سے بچ نہیں سکتے ہو اس لیے کہ وہ سامنے سے آتی ہے۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ: اس میں موت کے بعد اٹھایا جانا مراد ہے اور "ثُمَّ" دلالت کرتا ہے کہ موت اور قیامت کے درمیان بہت مدت ہے کہ اس کو حالت برزخیہ کہا جاتا ہے یا اس لوٹائے جانے سے مراد سوال جواب اور قبر کا عذاب ہے اور ثُمَّ بغیر تاخیر کے ترتیب کے لیے ہے۔ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ: یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اسی وجہ سے موصوف کو حذف کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَۨا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ

اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١﴾

"اے ایمان والو! جب جمعے کے دن نماز کے لیے آواز دی جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو[9] پس جب نماز پوری ہوجائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ[10] اور جب یہ کسی تجارت یا کھیل کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف چلے جاتے ہیں اور تمہیں کھڑا چھوڑ دیتے ہیں کہہ دو: جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر رزق دینے والا ہے[11]۔

تفسیر9: اس آیت کا ربط ماقبل کے ساتھ بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ یہود کے تیسرے دعوے کا رد ہے کہ ہمارے لیے ہفتے کا دن تعظیم کا ہے اور تم اس کی تعظیم نہیں کرتے اور اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے لیے بھی تعظیم کا دن ہے جو جمعے کا دن ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب ہے اور تمہارے ہفتے کا دن تمہاری طرف سے منتخب ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تعظیم تم پر فرض کی جیسے سورۃ نحل آیت 124 میں ذکر ہے۔ ربط کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہود دنیا کی محبت کی وجہ سے موت کی جگہوں سے بھاگتے ہیں لیکن مسلمان اللہ تعالیٰ کے ذکر کی جگہوں کی طرف دوڑتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حماریت (گدھے پن) کی بہیمیت سے بچنے کے لیے ایمان کے مقتضی پر عمل کرو جو کہ خیر کے لیے جمع ہونا ہے۔ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ: نداء سے مراد نداء شرعی ہے اور وہ اذان شرعی ہے اس لیے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کلمات شرعیہ معانی شرعیہ پر محمول ہوتے ہیں جب تک اس سے پھیرنے کا کوئی قرینہ نہ ہو (فتح الباری) اور اس سے مراد وہ اذان ہے جب خطیب منبر پر بیٹھ جائے تو اس کے سامنے کہی جاتی ہے اور امام بخاری اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں جمعے کی پہلی اذان اس وقت دی جاتی تھی جب خطیب منبر پر بیٹھ جاتے تھے۔ اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ یہ اذان مسجد کے دروازے کے سامنے کہی جاتی تھی جب عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ زیادہ ہوگئے تو مسجد کے باہر امام بخاری فرماتے ہیں کہ زوراء بازار میں جگہیں کا نام ہے صحیح بخاری کتاب الجمعۃ حدیث 912۔ اور مورخین نے لکھا ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے یہ اذان مسجد میں داخل کی۔ تو اس آیت میں بالاتفاق اذان سے مراد خطبے کی اذان ہے اگرچہ اذان عثمانی بھی خلیفہ کی سنت ہے اس کو شرعاً بدعت نہیں کہا جاتا ہے۔

فائدہ: سورۃ مائدۃ آیت 58 میں اذان عام نمازوں کی اذان ہے اور اس آیت میں "مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ" کی دلیل سے

جمعے کی اذان ہے اور سورۃ مائدۃ کی آیت میں اِلَى الصَّلٰوةِ ذکر ہے اور اس آیت میں لِلصَّلٰوةِ ذکر ہے فرق کی وجہ (واللہ اعلم) یہ ہے کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے کہ کم از کم دو رکعت کی مقدار ہو اور خطبے کی اذان خطبے اور نماز کے ساتھ متصل ہے اور خطبہ بھی نماز کے حکم میں ہے تو الی کا لفظ جو دور ہونے پر دلالت کرتا ہے پہلے کے ساتھ ذکر کیا اور لام کا حرف جو قربت پر دلالت کرتا ہے تو وہ اس آیت میں لایا " مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ، فِیْ کے معنی میں ہے لیکن حرف مِنْ لانے میں اشارہ ہے کہ جمعے کے دن کے بعض حصے میں یہ اذان ہے وہ ظہر کا وقت ہے جمعے کے دن کی ساری اذانیں مراد نہیں ہیں۔ سوال: فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ سعی دوڑنے کو کہا جاتا ہے اور حدیث صحیح میں تو منع آیا ہے کہ کوئی نماز پڑھنے کے لیے دوڑے نہیں اپنی معمول کی چال چلے۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان حدیث 636 صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 602 جواب: سعی سے یہاں مراد کوشش کرنا اور اہتمام کرنا اور تیاری کرنا ہے۔ اور حسن بصری سے روایت ہے کہ اس کو سعی بالقلب والنیۃ کہا جاتا ہے جیسے سورۃ اسراء آیت 19 اور سورۃ نجم آیت 39 اور سورۃ اللیل آیت 4 میں آیا ہے تو فَاسْعَوْا میں ان اعمال کی طرف اشارہ ہے جو جمعے کی نماز کی تیاری کے لیے سنت سے ثابت ہیں جیسے غسل کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، صاف کپڑے پہننا، سویرے مسجد میں جانا، امام کے قریب ہونا۔ ذِكْرِ اللّٰهِ: اس سے مراد پہلا خطبہ ہے اور پھر نماز ہے ان کے درمیان دوسرا عمل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر عام ہے قرآن کی تلاوت کرنا، حدیث ذکر کرنا، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کے احکام بیان کرنا اور نماز پڑھنا یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں شامل ہیں اور سب میں سنت طریقہ شرط ہے۔ وَذَرُوا الْبَيْعَ: اس سے مراد ہر وہ شغل ہے جو خطبے تک پہنچنے اور سننے سے روکتا ہو جیسے غفلت، ملازمت، زمینداری، تجارت سب اس میں داخل ہیں اور بیع کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے کہ جمعے کے دن اکثر لوگ دیہاتوں سے آتے ہیں وہ سودا لینے میں مشغول ہوتے ہیں تو بیچنے والوں سے کہا گیا ہے کہ تم بیچنا چھوڑ دو، تو جب بیع نہیں ہوگی تو شراء بھی نہیں ہو سکتی اور یہ مشغول ہونا اذان کے بعد حرام ہے اور اشارہ ہے کہ مؤمن کے لیے دنیا کے کاموں سے دین اہم ہے۔ وَذَرُوا: یہ اس جگہ استعمال ہوتا ہے کہ ایک کام کا باعث موجود ہوتا ہے، یا شروع ہوتا ہے لیکن چھوڑا جا سکتا ہے یعنی اگر بیع شروع ہو لیکن اذان کے سننے سے چھوڑا جاتا ہے۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ: یہ ماقبل مجموعے سعی کرنے اور بیع اور دوسرے مشاغل کو چھوڑنا اور خطبہ سننا اور نماز پڑھنا ان سب کی طرف اشارہ ہے۔ خَيْرٌ اسم تفضیل ہے یا صفت مشبہ ہے۔

تفسیر 10: ہمارے دین میں جمعے کے دن کے احترام کے اور یہودیوں کے نزدیک ہفتے کے احترام کے درمیان فرق کی

طرف اشارہ ہے کہ ان پر ہفتہ کے پورے دن میں دنیا کے کام حرام تھے اور ہمارے دین میں جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد تجارت اور روزی طلب کرنے کا حکم ہے۔ فَاِذَا قُضِيَتِ: قضا سے مراد جمعے کی نماز کو ادا کرنا اور پورا کرنا ہے اور اس میں سنت بعدیہ داخل ہیں اور مفسر قاسمی نے کہا ہے کہ جمعے کی نماز کے بعد ظہر کی چار رکعات (کہ اس کو احتیاطی نماز کہا جاتا ہے) یہ مذہبی تعصب اور بے دلیل عمل ہے۔ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ: امر سے مراد انتشار کا وجوب نہیں ہے بلکہ اہل کتاب کا ہفتے کے دن اور اتوار کے دن کی تعطیل میں مخالفت کرنا ہے۔ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ: عام ہے تجارت کرنا، بیمار کی عیادت کرنا، مسلمان بھائی کی ملاقات کرنا اور علم کو طلب کرنا سب اس میں شامل ہیں۔ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا: مراد یہ ہے کہ کبھی بھی زبان اور دل اور اطاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہونا اور عصر کی نماز کی طرف بھی اشارہ ہے اور کثرت ذکر توحید اور اخلاص اور سنت کے موافق قبول ہے۔

تفسیر 11: اس آیت میں ایک عمل پر زجر ہے جو صحابہ کرام سے صادر ہوا تھا نبی کریم ﷺ کے خطبے کے دوران میں وہ تجارتی سامان کے لیے چلے گئے صرف بارہ افراد خطبہ سننے کے لئے رہ گئے، یہ اس وقت گناہ نہیں تھا اس لیے اس وقت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم نہیں بھیجا تھا لیکن آئندہ وقت کے لیے تنبیہ ہوئی تو اس میں اشارہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے۔ لَهْوًا: عام ہے ہر دنیاوی عمل اس میں شامل ہے چاہے مباح ہو یا ناجائز ہو۔ قَآئِمًا: اس میں اشارہ ہے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دینا نبی ﷺ کی سنت ہے۔ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ: یعنی وہ اجر و ثواب جو خطبے کے سننے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں ہے، یا وہ رزق جو شرعی طریقے سے حاصل کیا جائے۔ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ: اشارہ ہے کہ روزی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو اس کی اطاعت سے بہتر روزی حاصل ہوتی ہے خیر سے مراد دنیا و آخرت میں حلال اور برکت کی روزی ہے۔

سورۃ الجمعۃ کی خصوصیات: ١۔ نبی کا عرب امیین میں بعثت۔ ٢۔ انکی نبوت عام انسانیت کے لئے ہے۔
٣۔ یہودیوں کے باطل دعووں پر رد کا ذکر ہے۔ ٤۔ جمعہ کا خطبہ و نماز کی فرضیت۔
٥۔ یہودیوں کو مباہلے کی دعوت۔ ٦۔ اہل علم کی ذمہ داری۔

الحمد للہ سورۃ جمعہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے مکمل ہوئی۔

آیاتها ۱۱ ۶۳ سورۃ المنافقون مدنیۃ ۱۰۴ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ
لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾

”جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں ،حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں [1] انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے تو رک گئے (روکتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی راہ سے، بے شک بُرا ہے وہ کام جو یہ کرتے ہیں [2] یہ اس سبب سے کہ وہ ایمان لائے ، پھر انہوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اس لیے کہ وہ نہیں سمجھتے [3]۔

ربط: اس سورت کا ربط ماقبل سے کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ سورۃ جمعۃ میں یہود کے جھوٹ کا رد تھا تو اس سورت میں منافقین کے جھوٹ کا رد ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یہودیوں کو زجر ہے اور اس سورت میں منافقین کو زجر ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں فرمایا کہ لہو کی وجہ سے جمعے کے خطبے کو نہ چھوڑو تو اس سورت میں فرمایا ہے کہ مال اور اولاد تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مشغول نہ کر دیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی ذکر ہوئی تو اس سورت میں ان لوگوں کا رد ہے جو جھوٹ سے آپ علیہ السلام کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون: منافقین کو زجر ہے انفاق سے منع کرنے پر خصوصاً اور دوسرے قبائح پر عموماً۔

سورت کا خلاصہ: پہلے جھوٹ کے ساتھ رسالت کی شہادت پر زجر ہے، اور پھر ان کی اٹھارہ قباحتیں ذکر فرمائی ہیں، پھر ایمان والوں کو مال اور اولاد میں مشغول ہونے کے ساتھ منافقین کی تشبیہ سے منع فرمایا ہے اور موت کے آنے سے پہلے خرچ

کرنے کی ترغیب ہے۔

تفسیر 1: اس آیت میں منافق کی تعریف کی طرف اشارہ ہے کہ منافقین سامنے حق کی گواہی دیتے ہیں اور باطن میں منکر ہوتے ہیں اور ان کی ایک صفت ذکر فرمائی ہے یعنی یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ قَالُوْا نَشْهَدُ: شرعی گواہی دل اور زبان کی موافقت سے ہوتی ہے لیکن منافقین یہ کلمہ (نَشْهَدُ) صرف ایمان والوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کے لیے کہتے ہیں کیونکہ اہل ایمان اَشْهَدُ اور نَشْهَدُ کہتے ہیں، یا ان کی شہادت سے مراد قسم کھانا ہے۔ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ: یہ وہم کو دفع کرنے کے لیے جملہ معترضہ ہے، وہم یہ ہے کہ بعد والے جملے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی تو کیا یہ پیغمبر، اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں؟ تو جواب یہ ہوا کہ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ سوال منافقین کا قول اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ یہ تو حق اور سچ تھا تو کس طرح کہا گیا کہ یہ جھوٹے ہیں؟ جواب کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ شہادت زبان اور دل کی موافقت کو کہا جاتا ہے اور منافقین کا دل زبان کے ساتھ موافق نہیں ہے تو یہ شہادت نہیں ہے، حالانکہ یہ اس کو شہادت کا نام دیتے ہیں تو یہ جھوٹ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے گمان میں جھوٹے ہیں یعنی انکے نزدیک اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ واقع کے خلاف ہے اور واقع کے خلاف چیز جھوٹ ہوتی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں كٰذِبُوْن سے اس جملہ (اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ) میں کذب مراد نہیں ہے بلکہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (جیسے بعد میں آئے گا) لیکن جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو یہ قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے یہ نہیں کہا تھا یعنی انہوں نے اپنے قول سے انکار کیا تو یہ ان کا جھوٹ ہے۔

تفسیر 2: اس آیت میں ان کی تین خصلتیں ذکر کی ہیں اس طرح سورۃ مجادلہ آیت 16 میں بھی ہے۔ اَيْمَانَهُمْ: جب انہوں نے قسم کی نیت سے نَشْهَدُ کہا اور یہ چونکہ قسم ہے جیسا کہ اکثر (اہل علم) کا قول ہے تو اس وجہ سے اس آیت میں اس سے اَيْمَان کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے اور جمع کا صیغہ اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ وہ زیادہ قسمیں کھاتے تھے۔ جُنَّةً: جس طرح ڈھال کے ذریعے سے انسان اپنے آپ کو تلوار اور نیزے کے وار سے بچاتا ہے تو وہ اسی طرح ان قسموں کے ذریعے اپنے آپ کو دنیاوی سزا، قتال اور ایمان والوں کی ڈانٹ سے بچاتے تھے۔ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: صَدَّ لازمی اور متعدی دونوں صحیح ہیں، لازمی معنی کے ساتھ مقصد یہ ہے کہ جھوٹی قسموں کے ذریعے یہ حق سے محروم ہو گئے اس لیے کہ قصداً گناہ

پر اصرار کرنا حق سے محروم ہونے کے لیے سبب ہے اور متعدی معنی کے ساتھ مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹی قسموں کے ذریعے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں تو (اس طرح) توحید اور سنت کی راہ سے ان کو روکتے ہیں کیونکہ وہ ان پر سچ کا گمان کرتے ہیں۔

تفسیر 3: اس آیت میں ان کے تین اوصاف ذکر کیے ہیں۔ ذٰلِكَ: میں ان پر پہلی آیت میں نفاق کے حکم کی طرف اشارہ ہے، یا یہ سارے ماقبل کی طرف اشارہ ہے یعنی نفاق، جھوٹ بولنا، جھوٹی قسم کھانا، دین سے لوگوں کو پھیرنا، برے اعمال کرنا۔ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا: اس سے مراد ایک دفعہ ایمان اور کفر نہیں ہے، بلکہ کثرت اور تکرار مراد ہے یعنی ہر وقت ایمان کو ظاہر کرتے ہیں تو پھر کفر کے کام کرتے ہیں تو پھر بار بار اس طرح کرتے ہیں، جیسے سورۃ نساء آیت 137 میں ہے اور یہ دلوں پر مہر اور طبع کا سبب ہے اسی وجہ سے فَطُبِعَ: میں فا ذکر کیا ہے اور مہر جہل کے لیے سبب ہے اسی وجہ سے فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ: میں فا لایا وہ علم جس کے ذریعے حق اور باطل کی تمیز ہوتی ہے وہ فقاہت ہے اور اس سے منافق محروم ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

"اور جب آپ انہیں دیکھتے ہیں تو آپ کو ان کے جسم تعجب میں ڈالتے ہیں اور اگر وہ کوئی بات کہتے ہیں تو آپ ان کی بات سنتے ہیں گویا وہ لکڑیاں ہیں دیوار سے لگی ہوئی، وہ ہر چیخ کو اپنے اوپر سمجھتے ہیں، یہی دشمن ہیں، پس آپ ان سے بچیں، اللہ تعالیٰ ان کو تباہ کرے کس طرح یہ حق سے پھرے جاتے ہیں[4] اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ بخشش طلب کریں تو یہ اپنے سروں کو ہلاتے ہیں اور آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ یہ رکتے ہیں اور یہ تکبر کرتے ہیں[5] ان پر برابر ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں، اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا بے شک اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے[6]۔

تفسیر 4: اس آیت میں منافقین کے پانچ اوصاف ذکر فرمائے ہیں۔ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ: یعنی ان کے جسم بڑے ہیں

اور صحت مند ہیں مقصد یہ ہے کہ یہ ہر وقت جسم کی اصلاح میں اور قسم قسم کھانوں میں مشغول ہیں، روحانی غذا کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ: یعنی یہ دنیا کی باتوں میں انتہائی فصیح اور بلیغ ہیں سننے والوں میں کشش پیدا کرتے ہیں، جیسے سورۃ بقرۃ آیت 204 میں اور قَوْلِهِمْ سے مراد دنیا کی چیزوں کے بارے میں باتیں کرنا ہے اس لیے کہ ان کو خوب دنیاوی علم حاصل ہے یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (سورۃ روم آیت 7) كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ: لکڑیاں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کی جائیں تو وہ بے فائدہ ہوتی ہیں اندر سے کھوکھلی ہوتی ہیں کمزور ہوتی ہیں اور ایک طرف خشک اور ایک طرف گیلی ہوتی ہیں آبادی اور فائدوں کی چیزوں کے بنانے کے لیے صلاحیت نہیں رکھتی اور ظاہر میں بڑی اچھی لگتی ہیں مگر اندر سے دیمک نے کھایا ہوا ہوتا ہے تو یہی حال منافق کا ہے یعنی اس کا جسم بھی بڑا ہوتا ہے سارا اہتمام جسم کے صحت مند کرنے پر کرتا ہے، جیسے حدیث (خَيْرُ الْقُرُوْنِ) میں آیا ہے کہ يُحِبُّوْنَ السَّمَانَةَ (موٹاپے کو پسند کریں گے (صحیح مسلم فضائل الصحابۃ حدیث 2534) يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ. اس میں اشارہ ہے کہ جسموں کے بڑے ہوتے اور زبان کی چالاکی کے باوجود بڑے بزدل ہیں صَيْحَةٍ: اعلان، عذاب، تخویف دنیاوی اور اخروی کی آیات زواجر، یہ سب صیحۃ میں شامل ہیں تو گمان کرتے ہیں کہ یہ آیتیں ہمارے بارے میں ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارے راز ظاہر نہ ہو جائیں سورۃ توبہ آیت 64 میں ہے۔ هُمُ الْعَدُوُّ: الف لام کمال پر دلالت کرتا ہے یعنی ان میں دوستی کی کوئی جہت باقی نہیں ہے بلکہ توحید اور دین کے مکمل دشمن ہیں۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ: یہ جملہ خبریہ اپنے معنی میں ہے یا دعا کے معنی میں ہے اور اس سے مراد لعنت اور ہلاکت ہے۔ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ: یعنی حق کے دلائل کی وضاحت کے باوجود کون سی دلیل کے ساتھ دوسری طرف پھرے جاتے ہیں۔

تفسیر 5: اس آیت میں ان کے تین اوصاف ذکر کیے ہیں اور دنیا پر ان کے اصرار کی دلیل ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ: مجہول کا صیغہ قائل کی تعمیم اور وقت کے لیے ہے۔ تَعَالَوْا: یہ علو سے ماخوذ ہے اس جگہ میں استعمال ہوتا ہے جس میں ترقی اور بلندی کی طرف دعوت ہو تو رسول اللہ ﷺ کی مجلس کی طرف آنا اور اس کا دعا اور استغفار مانگنا، یہ بڑا مرتبہ حاصل کرنا ہے۔ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ: چہرے اور سر کا پھیرنا نفرت اور سرکشی کے ساتھ ہے يَصُدُّوْنَ: اس میں انکار کے طور پر دوسری جانب روانہ ہونے اور اعراض کا معنی ہے اور منافقین کی یہ صفت وقت بوقت نئی نئی پیدا ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کو مستقبل کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ: یہ صفت ماقبل کے لیے علت ہے اور استکبار میں معنی حقارت

اور کمتر سمجھنے کا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف آنا اور آپ علیہ السلام کی دعائیں مانگنا حقیر سمجھتے ہیں اور یہ صریح کفر ہے۔

تفسیر 6: اس میں ان کا ایک وصف ذکر فرمایا ہے یعنی جب ذکر ہوا کہ یہ واضح کفر کرتے ہیں اور بخشش بھی نہیں مانگتے تو ایسے انسان کو نبی ﷺ کی دعاء بھی فائدہ نہیں دیتی ہے جیسے سورۃ توبہ آیت 80 میں گزرا ہے۔ الْفٰسِقِيْنَ: وہ لوگ جو فسق کرنے سے توبہ نہیں کرتے اور یہ اصرار اور ضد کرتے ہیں اسی وجہ سے ہدایت کی توفیق اور مغفرت سے محروم ہیں۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸

"یہ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں، یہاں تک کہ وہ منتشر جائیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے [7] یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کی طرف واپس ہو جائیں تو ضرور عزت والا اس سے ذلیل کو نکال دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے لیے صفت عزت ہے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے (عزت کی صفت ہے) اور لیکن منافق نہیں جانتے ہیں [8]۔

تفسیر 7: اس آیت میں ان کی دو صفتیں ذکر کی ہیں اور درمیان میں ان کے قول کا رد کیا ہے۔ هُمُ الَّذِيْنَ: بغیر عطف کے ذکر کیا ہے اس لیے کہ یہ ان کے فسق کی علت ہے یعنی خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں جیسے سورۃ نساء آیت 37 میں ہے اور خود بھی نبی ﷺ سے منہ پھیرتے ہیں اور دوسروں کو ایک بہانے سے دھتکارتے ہیں۔ عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ: یہ منافقین کا قول ہے اس لیے کہ یہ آپ ﷺ کو ظاہراً رسول کہتے ہیں، یا یہ ان کی بہت قباحت کے لیے اللہ تعالیٰ کی تعبیر ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے لوگوں کو نکالنا یہ تو بہت بڑی بد اخلاقی ہے۔ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا: یعنی بھوک کی وجہ سے چلے جائیں گے اور پھیل جائیں گے اور یہ دنیا پرست اور جاہلوں کا طریقہ ہے کہ ہر چیز کو ظاہری اسباب کے ساتھ گردانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت سے غافل ہوتے ہیں اور اسی طرح دورِ حاضر کے جاہلوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ حق پرست لوگوں نے کھانے اور اپنی دنیاوی فوائد کے لیے حق قبول کیا ہے ابھی بھی مشرکین اور مبتدعین اور جاہلوں میں بھی یہ عقیدے موجود ہیں۔ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: یہ ان کے قول اور باطل عقیدے کا رد ہے مراد یہ ہے کہ رزق اور اس کے اسباب (جو بارش اور درخت اور پودے وغیرہ ہیں) سب

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور وہ بے انتہا خزانے ہیں جو کم نہیں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے خرچ کرنے سے بھی خوف نہیں کرتا ہے جیسے سورۃ اسرآء آیت 100 اور سورۃ حجر آیت 21 میں ذکر ہوئے ہیں۔ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ: فقاہت یہ ہے کہ ظاہری الفاظ اور معانی سے باطنی احکام اور اسرار اور حکمتیں معلوم کر سکتے ہیں تو جو رزق کے لیے صرف ظاہری اسباب کی طرف دیکھتے ہیں اور مسبب حقیقی سے غافل ہوتے ہیں تو ایسے شخص میں فقاہت (سمجھ) نہیں ہے۔

تفسیر 8: اس آیت میں منافقین کی دو صفتیں ہیں ذکر ہوئی آیت میں معلوم ہوا کہ مال کے ذریعے بخل کرتے ہیں تو اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ مال کو عزت کا سبب سمجھتے ہیں۔ يَقُوْلُوْنَ: یہاں ھم کا لفظ نہیں ہے اشارہ ہے کہ گزری ہوئی بات یہ ہر وقت کہتے تھے اور یہ بات ایک دفعہ کہی ہے۔ لَئِنْ رَّجَعْنَآ: یہ واقعہ بنو مصطلق سے واپسی کے وقت کا ہے اور اس کو مر یسیع بھی کہا جاتا ہے۔ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ: اعز سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے وہ مالدار تھا اور مال کو عزت کا سبب سمجھتا تھا اور اذل سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مراد لیا تھا اور یہ صریح کفر ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ: یہ ان کے عقیدے کی تردید ہے اور عزت تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور ایمان اور تقویٰ سے عزت حاصل ہوتی ہے اور یہ رسول اور مسلمانوں کی صفتیں ہیں۔ سوال: سورۃ نساء آیت 139 اور فاطر آیت 10 میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزت کی تخصیص کی ہے اور اس میں اس کے رسول اور ایمان والے بھی ذکر ہوئے؟ جواب: ان دونوں آیات میں عزت اختیار مراد ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس آیت میں مراد عزت کے ساتھ توصیف ہے یعنی عزت کے ساتھ موصوف اللہ تعالیٰ اور رسول اور ایمان والے ہیں منافقین اور کافروں کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عزت نہیں ہے پھر تینوں کے ساتھ لام الگ الگ ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ ان کی عزت میں ایک دوسرے کے ساتھ بہت فرق ہے۔ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ: فقاہت علم سے خاص ہے تو یہ ان کی قباحت میں اظافہ ہے یعنی فقاہت تو کیا علم بھی ان میں نہیں ہے اور علم امور ظاہری اور باطنی دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور فقہ صرف امور باطنہ میں استعمال ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی طرف نظر کرنا یہ فقاہت ہے اور عزت اور ذلت تو ظاہری چیزیں ہیں اس لیے اس میں علم استعمال کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا

تَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۱ ’’اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کریں، اور جس نے یہ کام کیا، پس یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں [9] اور اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی ایک کو موت آئے تو کہے گا اے میرے رب! مجھے ایک قریب وقت تک مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں صدقہ دوں اور نیکوں میں سے ہو جاؤں [10] اور اللہ تعالیٰ ہر گز کسی نفس کو مہلت نہیں دیتا جب اس کا وقت آجائے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے [11]۔

تفسیر 9: جب منافقین کے قبائح ذکر ہوئے تو اب ایمان والوں کو منافقین کے اوصاف سے ڈراتا ہے، جبکہ ان قباحتوں کا سبب مال اور اولاد کے ذریعے سے فخر کرنا اور مشغول ہونا ہے تو خصوصاً اس مشغولیت سے منع فرمایا ہے۔ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ: ذکر سے مراد اطاعت ہے، توحید، اتباع سنت، نماز کی پابندی اور قرآن کی تلاوت سب اس میں داخل ہیں۔ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ: یہ مال اور اولاد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا ذکر چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کے مالوں کی قباحت فی نفسہا نہیں ہے۔ بلکہ اس سبب سے اس کی قباحت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے دین سے رکاوٹ بن جائے۔ الۡخٰسِرُوۡنَ: خسران کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی کے بدلے برباد کیا عمر (راس المال) ان کا تباہ ہوا۔

تفسیر 10: اس میں انفاق کی طرف اس کی قبولیت کے وقت (کہ قبل الموت ہے) ترغیب ہے اور منافقین کے مقابلے میں ذکر اللہ کا انفاق ایک خاص فرد ہے کہ وہ انفاق سے منع کرتے ہیں اور وَ اَنۡفِقُوۡا: سے مراد عام ہے زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ، انفاق فی سبیل اللہ سب اس میں شامل ہیں۔ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ: موت کے آنے کا وقت معلوم نہیں تو اس سے مراد خرچ کرنے میں جلدی کرنا ہے جب بھی موقع ملے اور اس میں تاخیر نہ کرے۔ فَيَقُوۡلَ رَبِّ: یہ قول نزع کے وقت میں تمنا کے طور پر ہوتا ہے۔ فَاَصَّدَّقَ: یہ منصوب ہے تمنا کے جواب میں أَنۡ مقدر ہے اور یہ صدقہ کے مبالغے پر دلالت کرتا ہے۔ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ: صالحین سے مراد صدقے کے علاوہ مزید اصلاحی امور ہیں، سنت کی اتباع کرنا، گناہوں سے توبہ کرنا اور اس طرح مضمون سورۃ ابراہیم آیت 44 اور سورۃ مومنون آیت 99 میں بھی گزرا ہے۔ وَاَكُنۡ: جزم کے ساتھ ہے یہ فَاَصَّدَّقَ کے محل پر عطف ہے اس لیے کہ تقدیری عبارت یہ ہے اِنۡ اَخَّرۡتَنِىۡ اَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ یا شرط کے توہم پر ہے یعنی اِنۡ اَصَّدَّقَ فَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ محل

اور مُتَوَفّٰهُمْ ایک ہی چیز ہے لیکن تَوَفّٰهُمْ کا اطلاق قرآن میں بے تعبیر قبیح ہے۔

تفسیر 11 : یہ مقدر پر عطف ہے گزری ہوئی آیت کے آخر میں وَلَنْ يُّؤَخِّرَ تھا یعنی اس تمنا کرنے والے کو موخر نہیں کرتا اور یہاں نَفْسًا: نکرہ کے ساتھ تعمیم ہے۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خبیر باطن اور ظاہر دونوں پر عالم ہے تو مَا تَعْمَلُوْنَ تمام ظاہری اور مخفی اعمال اور دل کی نیتیں سب اس میں شامل ہیں۔ اور مفسر آلوسی نے فرمایا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی عمر تریسٹھ سال اس آیت سے استنباط کی ہے ایسے طریقے سے کہ یہ آیت تریسٹھ نمبر سورت کی انتہاء ہے اور نَفْسًا میں نبی ﷺ کا نفس بھی شامل ہے کہ جب اس کا وقت مقرر آیا تو اس سے تاخیر نہیں ہو سکتی تھی اور اس کے بعد تغابن ذکر ہوا اور امت کو غبن (نقصان) نبی ﷺ کی وفات کے سبب سے پہنچا، تو اے اللہ تعالیٰ! ہم دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت سے محروم ہیں لیکن اس کی زیارت قیامت میں حوض کوثر اور جنت میں نصیب فرما۔ اَللّٰهُمَّ اٰمِيْنَ ثُمَّ اٰمِيْنَ

سورۃ المنٰفقون کی خصوصیات:

۱۔ منافقین کی قباحتوں کو کثرت سے بیان کیا ہے۔ ۲۔ عزت والوں کو انکے صفتوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

۳۔ اَجل کبھی بھی موخر نہیں ہو سکتا ہے۔ ۴۔ مالداروں کی ذمہ داریاں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے سورۃ المنافقون کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتہا ۱۸ ۶۴ سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۸ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

"اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اس کے لئے بادشاہی ہے اور اس کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے [1] اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے پس بعض تم میں سے کافر ہیں اور بعض تم میں سے مومن ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے [2] اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں، پس اچھی صورت دی تم کو اور اس کی طرف پلٹنا ہے [3] وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں کو جاننے والا ہے [4]۔

ربط: اس سورت کا ربط ماقبل سورت سے بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سورتوں میں یہود اور منافقین کا رد تھا تو اس سورت میں مشرکین اور قیامت کے منکرین کا رد ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں رسالت پر منافقین کی شہادت کو ذکر کیا کہ یہ جھوٹ ہے تو اس سورت میں اشارہ فرمایا ہے کہ یہ واضح کافروں کی طرح ہیں جو بشریت کے سبب سے رسول کا انکار کرتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ گزری ہوئی سورت میں منافقت کے طور پر رسول سے انکار ذکر ہوا تو اس سورت میں ایمان بالرسول کی طرف ترغیب ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں فرمایا: لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ الخ تو اس سورت میں اس کی علت ذکر فرمائی ہے کہ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

سورت کا مرکزی مضمون: اس سورت کا مضمون چار مقاصد عالیہ (توحید، رسالت، قرآن اور بعث بعد الموت) کو ثابت کرنا ہے اس کے ساتھ ترھید فی الدنیا ہے اور خرچ کرنے کی طرف ترغیب ہے اور اسی وجہ سے اس میں نو اوامر ذکر فرمائے ہیں اور توحید کو ثابت کرنے کے لئے چودہ اسمائے حسنیٰ ذکر کیے ہیں۔

سورت کا خلاصہ: اس سورت میں پہلے تسبیح کے ذریعے توحید کا دعویٰ ہے اور اس پر چار عقلی دلائل ذکر کیے ہیں، پھر تخویف دنیاوی اور پھر عذاب کے اسباب ذکر ہیں (جو کہ مندرجہ ذیل ہیں) پہلا رسول کا انکار۔ دوسرا بعث بعد الموت کا انکار اور قسم کے ساتھ اس کو ثابت کیا ہے، پھر تین مقاصد پر ایمان کا حکم ہے بشارت اور تخویف کے ساتھ، پھر مصائب کی تخفیف کے لئے تقدیر پر ایمان اور اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کا حکم ہے اور توحید کا ذکر ہے، پھر دنیا کی محبت سے ڈرایا ہے اور بشارت کے ساتھ توحید، قرآن اور انفاق کی طرف ترغیب ہے اور انفاق کے حکم کے ساتھ ترغیب کے لیے پانچ اسمائے حسنیٰ ذکر ہیں۔

تفسیر 1: اس آیت میں تسبیح کے ذریعے توحید کا ذکر ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کی ہیں: پہلی صفت لَهُ الْمُلْكُ: دنیا و آخرت کی پوری بادشاہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ میں کچھ بھی نقص کی صفت نہیں ہے دوسری صفت وَ لَهُ الْحَمْدُ: تمام چھوٹے، بڑے ظاہر اور مخفی نعمتوں کی نسبت خاص اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، وہ ان کو پیدا کرنے والا اور دینے والا ہے اور حمد کامل کا استحقاق ہر عیب سے پاک ہونے کو مستلزم ہے۔ اور تیسری صفت وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: کوئی عجز اور مجبوری اس میں نہیں ہے تو تسبیح اس کا حق ہے

تفسیر 2: یہ بھی توحید کے عنوان کے لی دلیل ہے اور اس کو دلیل نفسی عقلی کہا جاتا ہے۔ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ: اس میں دو قول ہیں: پہلا یہ ہے کہ اس سے مراد کفر اور ایمان تقدیری ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں کسی کو کافر مقرر کیا اور کسی کو مومن تو خالق اور تقدیر بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور کفر اور ایمان کا کسب کرنے والا بندہ ہے۔ دوسرا یہ قول ہے کہ کفر اور ایمان کا کسب کرنے والا بندہ ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں کفر اور ایمان کسبی مراد ہے تو اس میں زجر کا معنیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا تو چاہئے کہ سب ایمان لے آؤ لیکن تم دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور چونکہ زجر کا سبب کفر ہے تو اس وجہ سے کافر پہلے ذکر کیا۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: یعنی کفر اور ایمان کے اعمال جو تم سے صادر ہوتے ہیں (اللہ کے پیدا کرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ ان کو دیکھتا ہے۔

تفسیر 3: یہ دوسری دلیل عقلی ہے جو آفاقی اور انفسی سے مرکب ہے۔ بِالْحَقِّ: حکمت یا یقین کے معنی میں ہے یا بالامر کے معنی میں ہے یعنی حق کو ظاہر کرنے کے لیے جو کہ توحید ہے۔ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ: حسن باطن اور ظاہر دونوں کے اعتبار سے ہوتا ہے اور جمال صرف ظاہر کے اعتبار سے ہوتا ہے، تو انسان میں باطنی و معنوی اوصاف، اعضاء کا تناسب اور سیدھی قد و قامت، ایسی صفات ہیں جو دوسری مخلوق میں نہیں ہیں اور اسی طرح سورۃ مؤمن آیت 64 میں بھی گزرا ہے۔ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ: میں اشارہ ہے کہ اپنے حسن پر کوئی فخر نہ کرے بلکہ آخرت کو یاد کرے۔

تفسیر 4: یہ دوسری دلیل ہے تصرف کی صفات ذکر کرنے کے بعد علم کی صفت ذکر کی ہے اور علم کے تین کلیات ذکر کیے ہیں، ہر ایک کلیہ بے شمار جزئیات پر مشتمل ہے: پہلا مَا فِي السَّمٰوٰتِ: اور دوسرا مَا تُسِرُّوْنَ: اور تیسرا ذَاتِ الصُّدُوْرِ

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿5﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهٗ كَانَتْ تَّأْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْا أَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿6﴾

"کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبریں نہیں آئیں جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا پس انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے [5] یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس رسول واضح احکام لے کر آئے تھے، پس انہوں نے کہا کہ کیا ایک بشر ہمیں راہ دکھاتا ہے؟ پس انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بے نیازی ظاہر کی اور اللہ تعالیٰ بے نیاز تعریف والا ہے [6]۔

تفسیر 5: یہ تخویف دنیاوی اور اخروی ہے۔ نَبَأٌ بڑی خبر اور واقعے کو کہا جاتا ہے۔ وَبَالَ: بوجھ اور سختی کو کہا جاتا ہے۔ أَمْرِهِمْ: اس سے مراد ان کی تکذیب اور کفر ہے اور اس کی ہیبت شان کی وجہ سے اسے مبہم ذکر کیا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ: یہ تخویف اُخروی ہے۔

تفسیر 6: یہ عذاب کا سبب ذکر فرمایا ہے جو بشریت کے بہانے سے رسول کی اطاعت سے انکار کرنا ہے اور یہ مرض تمام منکرین کا ہے جیسے سورۃ اسراء آیت 94 میں ذکر ہے۔ يَهْدُوْنَنَا: بَشَرٌ اسم جنس مفرد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے یہاں هُمْ ضمیر جمع اس کی طرف راجع کی ہے۔ فَكَفَرُوْا: رسول کی بشریت کی وجہ سے یہ تکذیب کفر ہے، یا كَفَرُوْا کا معنی یہ ہے کہ توحید اور رسالت سے انکار کیا۔ وَتَوَلَّوْا: بینات میں تدبر کرنے سے اعراض کیا۔ سوال: وَاسْتَغْنَى اللّٰهُ۔ یہ تَوَلَّوْا پر عطف ہے یعنی کافروں کی تولّی اور اللہ تعالیٰ کا استغناء ایک وقت میں ہے حالانکہ غناء تو اللہ تعالیٰ کی صفت

قدیم ہے؟ جواب: یہ ان کے ہلاک کرنے کے ذریعے استغناء کے اظہار کے معنی میں ہے، یا یہ جملہ حالیہ ہے یعنی حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو پہلے سے غنی ذات ہے اس کو مخلوق کے ایمان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦

"کافر گمان کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے آپ کہہ دیجئے ہاں میرے رب کی قسم! تم ضرور دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے، پھر ضرور تمہیں خبر دی جائے گی ان اعمال کی جو تم نے کیے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے [7]۔

تفسیر 7: اس میں بعث بعد الموت کے انکار پر زجر ہے اور یہ بھی عذاب کا سبب ہے اور فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا میں داخل ہے اور یہ قرآن کریم کی چوتھی آیت ہے جس میں بعث بعد الموت کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کی قسم کھاتا ہے: پہلی آیت سورت یونس آیت 53 دوسری سورۃ مریم آیت 68 تیسری سورۃ سبا آیت 3 اور چوتھی یہ آیت ہوئی، زعم اکثر باطل اور جھوٹ میں استعمال ہوتا ہے جب اس کے فاعل نے یقینی طور پر وہ قول کیا ہو جیسے اس آیت میں ہے یہ تو استعمال صحیح ہے اگرچہ مزعوم باطل ہے اور جب اس کے فاعل کے متعلق یقین نہ ہو اور دوسرے کی طرف بے دلیل نسبت کی جائے تو اس وقت یہ کلمہ استعمال کرنا منع ہے جیسے (ابوداؤد حدیث 4972 ادب المفرد 294 سلسلۃ الصحیحۃ 866) کی حدیث میں آیا ہے کہ بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ زَعَمُوْا اور شریح سے منقول ہے کہ ہر چیز کی کنیت ہوتی ہے اور جھوٹ کی کنیت زَعَمُوْا لفظ ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑧ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨

"پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس روشنی پر جو ہم نے نازل کی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے [8] جس دن تمہیں جمع کرنے کے دن میں جمع کرے گا یہ غبن (نقصان) ظاہر کرنے کا دن ہے اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اس سے دور کر دے گا اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا

جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے [9]۔

تفسیر 8: چونکہ گزشتہ آیات میں توحید، رسالت اور بعث بعد الموت قرآن کریم کے اخبار سے ثابت ہوئے تو اب دعوت اور ان سب پر ایمان لانے کے ذریعے سے تفریع ہے۔ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ: یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان لاؤ وَرَسُوْلِهٖ: اس سے مراد جنس رسول ہے تو تمام رسولوں پر عموماً اور آخری رسول کی رسالت پر خصوصاً ایمان لانا مراد ہے۔ وَالنُّوْرِ: اس سے مراد ساری وحی اور خصوصاً قرآن ہے اس لیے کہ اس کے ذریعے جہالت اور گمراہی کے اندھیروں سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔ سوال: جب رَسُوْلِهٖ فرمایا تو نُوْرِهٖ بھی کہہ دیا جاتا؟ جواب: اگر نُوْرِهٖ کہا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی صفت اس سے مراد ہوتی جیسے سورۃ نور میں گزرا ہے اور یہاں پر مقصود تو قرآن پر ایمان لانا ہے۔

تفسیر 9: اس میں قیامت کے دن کا تذکرہ ہے (اور اسی وجہ سے پہلی آیت میں اس کا ذکر نہیں کیا) اور پھر بشارت اخروی ذکر فرمائی ہے یَوْمَ: اُذْکُرْ مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ لِيَوْمِ الْجَمْعِ: یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس لیے کہ اس میں اولین اور آخرین اور سارے انسان اور جن اور زمینوں والے اور انبیاء اور ان کی امتیں اور مظلوم اور ظالم اور تمام اعمال جمع ہوں گے جیسے ایسی صفت سورۃ ہود آیت 103 اور سورۃ الواقعۃ آیت 50 میں ذکر ہے۔ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ: غبن سے ماخوذ ہے لغت میں قیمت کے نقصان کو کہا جاتا ہے، جب کوئی انسان ایک چیز کو کم قیمت کے ساتھ بیچ دے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں نے غبن کیا اور اسی طرح جو امانت میں خیانت کرے اور اس کو بھی غبن کہا جاتا ہے۔ سوال: یہاں تو کوئی معاملہ نہیں ہے کہ اس پر غبن کا اطلاق کیا جائے؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ یہ استعارہ (مجاز) کے طور پر ہے اس لیے کہ جنت والوں نے دنیا کو بیچا اور جنت کو حاصل کیا یہ تو فائدہ ہے اور آگ والوں نے اپنے مال اور اپنی عمر کو خرچ کیا اور اس کے ذریعے آگ خریدی اور یہ غبن ہے اور بڑا نقصان ہے۔ دوسری آیتوں میں اس کو خسران بھی کہا گیا ہے تو (اللہ تعالیٰ نے) آگ والوں کا یہ معاملہ ایک ایسے مبادلے کے ساتھ مشابہ کیا جس میں نقصان اور غبن حاصل ہو۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ ہر مکلف کے پاس اس کی عمر، جان اور مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور وہ مامور ہے کہ انہیں ایسے طریقے پر خرچ کرے کہ ان کے ذریعے جنت حاصل ہو جائے اور آگ سے بالکل نجات حاصل ہو جائے لیکن اکثر مکلفین نے اس امانت میں غبن کیا ہے دنیا میں یہ اس نقصان کو نہیں جانتے لیکن آخرت میں ان کا غبن واضح ہو جائے گا۔ سوال: التغابن باب تفاعل ہے تو اس معنی میں جانبین سے صدور کس طرح ہے؟ جواب: دنیا میں ہر شخص اپنے غبن کو دوسرے سے

مخفی رکھتا ہے كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ اور آخرت میں ہر ایک کے سامنے اپنے اور دوسروں کے نقصانات بھی واضح ہو جائیں گے تو بعض اشخاص (جو گنہگار رہیں) کے اعتبار سے یوم التغابن قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے: جیسے یوم الحسرۃ نام بھی بعض کے اعتبار سے ہے۔ وَمَنْ يُؤْمِنْ: یہ دلیل ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے ذریعے انسان غبن سے محفوظ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو فَوْزٌ عَظِيمٌ کہا گیا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑩ ع ۱ ۱۵

"اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہ لوگ آگ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ برا ٹھکانا ہے[10]۔

تفسیر 10: اس آیت میں غبن والوں کا ذکر ہے اور غبن کا سبب ذکر کیا گیا ہے اور تخویف اخروی ہے۔ سوال: وَمَنْ يُؤْمِنْ کو فعل مضارع کے ساتھ اور کفر والوں کو ماضی کے ساتھ ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ جواب: وجہ یہ ہے کہ پہلے یوم التغابن ذکر کیا، اور اس سے نجات کے لیے ایمان اور نیک عمل ضروری ہے اور اہل تغابن تو اصل میں کافر ہیں تو تقدیری عبارت یہ ہے: وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ مِنْهُمْ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑪ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ⑫ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑬ "تمہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور جو اللہ تعالیٰ (کی تقدیر) پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مضبوط کر دے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے[11] اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اگر تم منہ پھیر لو تو بے شک ہمارے رسول پر واضح پہنچانا ہے[12] اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالیٰ پر چاہیے کہ توکل کریں ایمان والے[13]۔

تفسیر 11: یہ سوال کے جواب کے طور پر فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ: کے متعلق ہے۔ سوال یہ ہے کہ توحید اور قرآن وسنت کی اتباع میں بہت مصیبتیں آتی ہیں تو ان کا علاج کیا ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتی ہے تو جب کبھی کسی پر مصیبت آئے تو عقیدہ رکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے تو اس کے ذریعے اس کا دل

مضبوط ہو جائے گا اور وہ ہدایت پر ڈٹ جائے۔ مَآ اَصَابَ: اسی طرح سورۃ حدید آیت 22 اور سورۃ توبہ آیت 151 میں گزرا ہے۔ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ: اس سے مراد تقدیر اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ: ایمان باللہ سے مراد اس کی تقدیر پر ایمان ہے۔ يَهْدِ قَلْبَهٗ: امام قرطبیؒ نے ابوعثمان الحیری سے نقل کیا ہے کہ ایمان صحیح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ آدمی کو اتباعِ سنت کی توفیق دیتا ہے، یا اس سے مراد مصیبت کے وقت، ایمان پر اس کے دل کا مضبوط ہونا ہے اور خطیب شربینی نے فرمایا ہے کہ جب دل ہدایت پر ڈٹ جائے تو اس سے ہر باطل عقیدہ، کفر، بدعت اور اس کی صفاتِ خبیثہ زائل ہو جاتی ہیں۔

تفسیر 12: یہ ماقبل کے معنی پر معطوف ہے یعنی تقدیر پر ایمان کی وجہ سے اپنے اوپر مصیبتوں کو آسان کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو مصائب کی وجہ سے اطاعت کو نہ چھوڑو۔ ابن کثیر نے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت ہے اور نبی ﷺ کی طرف سے بلاغ ہے اور ہماری طرف سے تسلیم کرنا ہے۔

تفسیر 13: یہ توحید کا دعویٰ ہے اور یہ اطاعۃ اللہ والرسول کا پہلا مسئلہ ہے اور اسی طرح مصائب کے دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل ضروری ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ پہلے جملے میں طلب کا معنیٰ ہے یعنی ہر قسم کے شرک چھوڑنے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہو جاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

"اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری اولاد تمہارے دشمن ہیں ان سے بچو اور اگر تم معاف کرو (ان کی غلطی) اور درگزر کرو (ملامت کرنے سے) اور بخش دو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [14] یقیناً تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے [15]۔

تفسیر 14: اطاعۃ اللہ والرسول سے ایک رکاوٹ (جو مصائب ہیں) کا علاج ذکر کیا تو اب دوسرے موانع ذکر فرماتے ہیں جو ازواج اور اولاد ہیں۔ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ: مِنْ دلیل ہے کہ یہ دشمنی بعض کی طرف سے ہوتی ہے۔ عَدُوًّا لَّكُمْ: اس سے مراد عداوت دینیہ اخرویہ ہے، یا یہ تشبیہ کے طور پر ہے یعنی یہ دشمنوں کی طرح ہوتے ہیں اور دشمنی یہ ہے کہ ہجرت، جہاد اور سنت کی اتباع سے غم اور خوشی میں منع کرتے ہیں اور بدعات اور رسم و رواج کی طرف ترغیب دیتے ہیں۔ فَاحْذَرُوْهُمْ: یعنی دین کے بارے میں ان کے وساوس اور اطاعت کرنے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ وَاِنْ تَعْفُوْا

وَ تَصْفَحُوْا: یہ آپس کے اختلاف کو دور کرنے کے لیے حسنِ اخلاق کی تعلیم ہے یعنی ان کی اطاعت کرنے سے اپنے دین کو بھی خراب نہ کرو اور ان پر غصہ کرنے اور لڑنے کے ذریعے دنیا کو بھی فاسد نہ کرو اور چونکہ غصے کے وقت پہلے انسان مار کے ذریعے سزا دینا چاہتا ہے تو اس کے دور کرنے کے لیے فرمایا: وَ إِنْ تَعْفُوْا دوسرا اگر عملی سزا نہیں دیتا ہے تو منہ کے ذریعے گالی گلوچ اور ملامت کرتا ہے تو اس کے لیے تَصْفَحُوْا ذکر ہوا، پھر اگر ملامت نہیں کرتا تو دوسروں کے سامنے اس کا گناہ ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگوں کی نظر میں ذلیل ہوجائے تو اس کا مدافعہ تَغْفِرُوْا کے ساتھ کیا، اور اس جرم سے مراد وہ ہے جو عفو و درگزر کے قابل ہو یعنی ان کے برے اخلاق جو دنیاوی امور کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور اگر جرم معاف کرنے کا نہ ہو جیسے نماز نہ پڑھے، شرک اور کفر کے کام کرے زنا اور بدفعلی ان پر ثابت ہوجائے تو پھر اس کی سزا دینے کا انتظام شرعی ضروری ہے۔

تفسیر 15: یہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے ایک اور مانع (رکاوٹ) ذکر کی ہے جو مال اور اولاد ہیں گزشتہ آیت میں مِنْ ذکر کیا تھا اس لیے کہ دینی دشمنی ہر بیوی اور اولاد سے نہیں ہوتی اور جب مال اور اولاد فتنہ ہوتا ہے اس میں تمام مال اور اولاد شامل اور اموال کو اولاد پر مقدم ذکر کیا ہے اس لیے کہ اولاد کی بہ نسبت مال کا فتنہ زیادہ ہے۔ فِتْنَةٌ: فتن اصل میں پھیرنے کو کہا جاتا ہے اور عرف میں اور قرآن میں اس کے مختلف معانی ہیں یہاں مراد امتحان ہے یعنی مال اور اولاد کی محبت کبھی انسان کو اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت سے روکتی ہے اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کی قربت کے لیے سبب بن جاتے ہیں۔ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ: یعنی جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مال اور اولاد کی محبت کا مقابلہ آجائے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو نہ چھوڑنا اس لیے کہ تھوڑی اور فانی چیز کے لیے بڑا اجر ضائع ہوجائے گا اور اسی طرح سورۃ انفال آیت 28 میں ذکر ہوا ہے اور اس سورت میں پہلے خیانت سے منع کیا گیا جو بہت بڑا جرم ہے تو خیانت سے بچنے کے لیے تاکید کے ساتھ فرمایا۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اور یہاں زیادہ تاکید کی ضرورت نہیں ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾ ع

"پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنی تمہاری طاقت ہو اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو تمہارے لیے بہتر ہوگا اور جو اپنے نفس

کے بخل سے بچا لیئے گئے تو یہی لوگ کامیاب ہیں[16] اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو وہ تمہارے لیے دگنا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا قدردان بردبار ہے[17] ہر چھپی ہوئی چیز اور ظاہر کو جاننے والا غالب حکمت والا ہے[18]۔

تفسیر 16: عداوت اور فتنے کے اسباب (جو کہ گمراہی کے اسباب ہیں) ذکر کرنے کے بعد ہدایت اور دین کے امور ذکر فرماتے ہیں اور وہ چار اوامر ہیں پہلے تقویٰ کا حکم ہے اس میں مَا اسْتَطَعْتُمْ: کی قید لگائی اور سورۃ آل عمران آیت 102 میں حَقَّ تُقَاتِهٖ ذکر کیا ہے تو اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ سورۃ آل عمران کی آیت اس آیت کے ذریعے منسوخ ہے اس لیے کہ حَقَّ تُقَاتِهٖ سے مراد یہ لیا گیا ہے کہ کسی قسم کی معصیت نہیں کریں گے اور یہ تو استطاعت سے باہر ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ حَقَّ تُقَاتِهٖ کا معنیٰ یہ ہے کہ حدود شرعیہ کے موافق تقویٰ اختیار کرو اور مَا اسْتَطَعْتُمْ کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان تقویٰ کی حدودِ شرعیہ کی اقامت میں اپنی پوری استطاعت صرف کرے، تو اس معنیٰ کی بنا پر دونوں آیتوں میں منافات نہیں ہے بلکہ یہ آیت سورۃ آل عمران کی آیت کی تفسیر ہے اور جس نے منسوخ ہونے کا قول اختیار کیا ہے تو وہ تقیید کے معنیٰ میں ہے اور یہ متاخرین کے نزدیک نسخ نہیں ہے۔ دوسرا امر وَاسْمَعُوْا تیسرا امر وَاَطِيْعُوْا: ایک علم حاصل کرنے کی طرف اور دوسرا اس پر عمل کرنے کی طرف اشارہ ہے چوتھا امر وَاَنْفِقُوْا یہ عبادت مالیہ ہے اور پہلی تین عبادات بدنیہ (عقیدہ اور اعمال) ہیں۔ خَيْرًا: یہ چاروں اوامر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور یہاں فعل محذوف ہے يَكُنْ خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ. وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ: گزرے ہوئے اعمال سے منع کرنے والا انسان کنجوس ہے اسی وجہ سے اس سے بچنے کی ترغیب ذکر کی۔

تفسیر 17، 18: انفاق کے حکم کے بعد اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کی طرف ترغیب ہے اور ترغیب کے لیے انفاق کا نام قرض حسن رکھا ہے یا قرض سے مراد مطلق اعمال حسنہ ہیں جن میں توحید اور اتباع سنت کے ذریعے حسن ہو تو یہ تعمیم بعد التخصیص ہے اور اسی طرح سورۃ بقرہ آیت 245 میں بھی گزرا ہے۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ: ہر عمل صالح پر ثواب بھی حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذریعے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر زیادہ جزا دینے کے ذریعے اظہار نعمت ہے اور یہ يُضٰعِفْ کے ساتھ متعلق ہے حَلِيْمٌ: مجرمین کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے تاکہ توبہ کرے اور ان کو بخشا جائے تو یہ يَغْفِرْ کے ساتھ متعلق ہے عٰلِمُ الْغَيْبِ: آہ یہ صفتیں گناہوں سے

ڈرانے کے لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے اور وہ غالب اور پختہ تدبیر کرنے والا ہے تو انسان کیوں گناہ اور جرم کرتا ہے؟۔

سورۃ التغابن کی خصوصیات؟

۱۔ انسان کی خوبصورتی کا تذکرہ۔ ۲۔ذاتِ الٰہی کا اثبات قیامت پر قسم۔ ۳۔(9) اہم امور کا حکم۔

۴۔ قیامت کو تغابن کہا گیا ہے۔ ۵۔مال۔اولاد اور ازواج کے فتنے کا ذکر۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ بِهٰذِهِ الْاَسْمَآءِ الْحُسْنٰى اَنْ تَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَتُدْخِلَنَا الْجَنَّةَ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

الحمدللہ سورۃ تغابن کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے مکمل ہوئی

آیاتھا ۱۲ ۶۵ سورۃ الطلاق مدنیۃ ۹۹ رکوعاتھا ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡہُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِہِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ ؕ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ①

ترجمہ: اے نبی ﷺ جب آپ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت سے پہلے ان کو طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں مگر جب وہ صریح بے حیائی کا کام کریں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے نکل جائے بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیجے [1]۔

سورۃ الطلاق کا دوسرا نام سورۃ النسآء القصریٰ ہے

ربط: اس سورت کا ربط ماقبل سورت سے کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ اُس میں بعض عورتوں کی عداوت کا ذکر کیا گیا تو اس سورت میں ضرورت کے وقت ان کی مفارقت کا شرعی طریقہ ذکر کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں تقویٰ کا امر تھا اور اس سورت میں تقویٰ کے پانچ فائدے ذکر فرمائے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں آیت 5 عذاب میں نزول اجمالاً ذکر تھا تو اس سورت کی آیت 8، 9 میں اس کی تفصیل اور اسباب ذکر کیے ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون: دیگر معاملات میں عمومی طور پر اور طلاق اور عورتوں کی عدت کے بارے میں خصوصی طور پر حدود شرعیہ کی رعایت کا حکم ہے اور یہی تقویٰ کا معنیٰ ہے اور اس کے پانچ فوائد ذکر کیے ہیں اور حدود شرعیہ گیارہ اوامر کے ساتھ اور تین نواہی کے ساتھ ذکر کیے ہیں اور توحید کا مضمون آیت 12 میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے تین اسمائے حسنیٰ ذکر کیے ہیں۔

سورت کا خلاصہ: یہ ہے کہ پہلی آیت میں طلاق کا شرعی طریقہ اور عدت کی حالت میں سکنیٰ (عورت کا رہنے) کا حکم ذکر کیا ہے اور اس کو حدود کہا ہے اور آیت 2 میں رجوع اور عدم رجوع کا حکم ذکر ہے اور آیت 3 میں تقویٰ کے دو فائدے مذکور ہیں اور آیت 4 میں عدت کی بعض قسمیں اور تقویٰ کا تیسرا فائدہ ذکر ہوا ہے اور آیت 5 میں ان احکام کو أَمْرُ اللهِ کے ساتھ مسمّٰی کیا ہے اور تقویٰ کے دو فائدے ذکر کیے ہیں اور آیت 6 میں سکنیٰ اور انفاق اور بچے کی رضاعت کا حکم ذکر ہوا ہے اور آیت 7 میں مذکور ہے کہ انفاق زوج کی طاقت کے مطابق ہوگا، پھر تین آیتوں میں حدود اللہ سے تجاوز کرنے کے سبب سے تخویف دنیاوی اور اخروی ذکر فرمایا ہے اور دو آیتوں میں بشارت اخروی کے ساتھ قرآن اور رسول کی سچائی ذکر کی ہے اور سورت کا اختتام توحید کے ذکر پر کیا ہے اور اس میں دو صفتوں کے ضمن میں جو کہ علم اور قدرت ہے اسماء اور صفات الوہیت کا خلاصہ ذکر ہے۔

تفسیر 1 يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ: اس آیت میں آٹھ جملے ہیں اور ہر جملے میں متعدد احکام اور شرعی حکمتیں ہیں اور اس میں تین اوامر ہیں اور دو نواہی ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ کی نداء کے ساتھ اشارہ ہے کہ احکام شرعیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کے واسطے سے صادر ہوں گے اس کے بغیر شرعی حکم وارد نہیں ہوسکتا تو عبارت مقدر یہ ہے کہ اے نبی! ﷺ (قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ) ایمان والوں سے کہہ دو اور امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ اصح یہ ہے کہ یہ شرع مبتدا مستقل ہے اس کے لئے روایت صحیحہ سے نزول کا خاص سبب ثابت نہیں ہے فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ: عدت سے مراد بالاتفاق طہر کا زمانہ ہے اور لام توقیت کے لئے ہے ان علماء کے نزدیک جو عدت طہر کے ساتھ کہتے ہیں اور جو عدت حیض کے ساتھ کہتے ہیں تو (ان کے نزدیک) اس میں لفظ استقبال یا مستقبلات پوشیدہ ہے اور مسلم کی ایک قرات میں فِيْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ آیا ہے جو اس تقدیر کے لئے دلیل ہے اور ابن جریر نے فرمایا ہے کہ معنیٰ یہ ہے اس طہر (جس کو یہ عدت میں گنتے ہیں) میں جماع کے بغیر ان کو طلاق دو اور یہ معنیٰ پہلے قول کے موافق ہے۔ اور دوسرے قول کی بنا پر معنیٰ یہ ہے ان کو اس طہر میں طلاق دو جس کے آگے آئے عدت کا زمانہ جو کہ حیض ہے۔ اور ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے فقہاء نے طلاق کی اقسام اخذ کی ہیں کہ طلاق سنت کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی ایسی حالت میں طلاق دے جو حیض سے پاک ہو اور اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو جب وہ حاملہ ہو اور حمل اس کا ظاہر ہو۔ اور طلاق بدعت یہ ہے کہ حیض میں طلاق دے، یا ایسی پاکی کی حالت میں جس میں اس کے ساتھ جماع کیا ہو اور وہ نہیں جانتا ہے کہ حاملہ ہے یا نہیں ہے۔ اور تیسری قسم کی طلاق نہ سنت ہے اور نہ بدعت

ہے وہ نابالغ بچی، یا بوڑھی اور غیر مدخول بھا کی طلاق ہے اور یہ فقہ حنفی میں احسن اور حسن اور بدعی ہے اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ: عدت کے دن یا حیض اور طہر (پاکی) کے پورے (ایام) گننا لازم ہے اور یہ مدخول بھا کا حکم ہے اور گننا اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس پر رجوع کے احکام، دوسرا نکاح اور نفقہ وغیرہ مرتب ہوتے ہیں اور اس میں خطاب شوہروں کو ہے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ: یہ بعد والے احکام کے لیے تمہید ہے اور گزرے ہوئے احکام کے لیے تاکید ہے۔ لَا تُخْرِجُوهُنَّ: یہ عورت کا طلاق کے بعد عدت کے وقت شوہر کے گھر میں رہنے کی دلیل ہے، شوہر پر ان کو گھر سے نکالنا حرام ہے اور عورت کے لیے بھی سکنی (رہائش) کا چھوڑنا حرام ہے۔ بُيُوتِهِنَّ: شوہر کا گھر مراد ہے لیکن عورت کی طرف اس کے رہنے کے سبب سے اضافت کی گئی ہے إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ: اس سے مراد بغیر اجازت کے، یا بغیر ضرورت کے نکلنا ہے، یا اس سے مراد خاوند کے ساتھ یا سسرال والوں کے ساتھ عورت کی بدزبانی کرنا ہے یا اس سے مراد زنا ہے، لیکن نکلنا حد قائم کرنے کے لیے ہے ویسے نکلنا مراد نہیں ہے۔ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ: ان احکام کو حدود سے مسمّٰی کیا ہے اشارہ ہے کہ ان میں اپنی طرف سے زیادتی کرنا یا کمی کرنا منع ہے۔ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا: لَا تَدْرِي ضمیر مونث غائب ہے جو نفس کی طرف راجع ہے اور یہ طلاق رجعی اور شوہر کے گھر میں عدت گزارنے کی حکمت ہے۔ بَعْدَ ذَٰلِكَ: یہ ایک طلاق یا دو طلاقوں کی طرف اشارہ ہے۔ أَمْرًا: اس سے مراد شوہر کا عورت کی طرف رجوع کرنے کے ذریعے رغبت ہے اور یہ دلیل ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا ظلم ہے اور اس حکمت کے خلاف ہے اس لیے کہ اس میں بغیر تحلیل شرعی کے رجوع کرنا حرام ہے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿٣﴾ ''پس جب وہ اپنے وقت مقرر کو پہنچ جائیں، پس ان کو روکو اچھے طریقے سے یا ان کو اچھے طریقے سے الگ کر دو، اور گواہ بناؤ (دونوں حال میں) تم میں سے دو انصاف والوں کو اور گواہی اللہ تعالیٰ کے لیے پوری کر دو، اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے اس کو جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے اس کے لیے نجات کا

راستہ بنادے گا[2] اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اس کو گمان نہیں ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے پس اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے خاص اندازہ بنایا[3]۔

تفسیر 2: اس آیت میں چار اوامر ذکر کیے ہیں۔ بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ: اس سے مراد یہ ہے کہ عدت گزرنے کے قریب ہے لیکن ختم نہیں ہوئی۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ: مراد یہ ہے کہ عدت میں شوہر کی مرضی ہے کہ رجوع کرے یا نہ کرے، عورت کی رضا اس میں شرط نہیں ہے۔ بِمَعْرُوْفٍ: اس سے مراد عورتوں کے حقوق ادا کرنا ہے یعنی خرچہ، لباس، رہن سہن اور اچھی زندگی گزارنا۔ بِمَعْرُوْفٍ اس سے مراد بداخلاقی اور بدزبانی اور گالی گلوچ سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور رجوع نہ کرنا ہے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ: رجوع کرنے کے وقت، یا طلاق دینے کے وقت گواہ بنانا، اکثر اہل علم کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لیے نہیں ہے لیکن بغیر گواہ بنائے رجوع کرنا یا طلاق دینا سنت کے خلاف ہے، جیسے امام ابوداؤد نے (کتاب الطلاق حدیث 2186 / ابن ماجہ کتاب الطلاق حدیث 2025 / امام البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے) عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے اور قاسمی نے فرمایا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے ہے اس لیے کہ اس سورت کے تمام اوامر وجوب کے لیے ہیں اور یہ امام شافعیؒ کا ایک قول ہے۔ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ: یہ ضرورت کے وقت گواہوں کو حکم ہے کہ گواہی کے لیے حاضر ہو جائیں اور اس میں جھوٹ نہ بولیں اور اس پر اجرت بھی نہ لیں۔ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ: یہ پہلے احکام کی تاکید کے لیے ہے یعنی ان حکموں پر عمل کرنا ایمان باللہ کا تقاضا ہے اور ان پر ثواب کی امید رکھنا، یا عذاب سے ڈرنا ایمان بالآخرۃ کی دلیل ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا: اس آیت میں تقویٰ کا ایک فائدہ ذکر کیا ہے اور تقویٰ سے مراد شرک اور کفر سے اپنے آپ کو بچانا اور بڑے گناہوں سے بچنا اور صغیرہ پر اصرار نہ کرنا اور شرعی مامورات پر عمل کرنا ہے اور سنت کے طریقے پر طلاق دینا اور بدعی طلاق سے اپنے آپ کو بچانا یہ تقویٰ میں داخل ہے، جیسے ابوداؤد (صحیح ابوداؤد کتاب الطلاق حدیث 2179) میں ہے کہ ایک شخص جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا تو انہوں نے اس کے سامنے یہ آیت تلاوت کی اور اس سے فرمایا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کیا تو آپ کے لیے مخرج نہیں ہے۔ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا: دنیا اور آخرت کے ہر غم سے نجات اور اسی طرح شکوک اور شبہات سے بچنا مراد ہے اور چونکہ ضرر دفع کرنا

فائدے کے حصول سے مقدم ہوتا ہے اسی وجہ سے یہ فائدہ پہلے ذکر کیا۔ مَخْرَجًا کے لفظ میں اشارہ ہے کہ مصائب اور تکالیف اس پر آئیں گے لیکن ان سے خلاصی اور ان کے برے آثار سے نجات ملے گی اس لیے کہ خروج پہلے دخول چاہتا ہے۔ اور سہل بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ سنت کی اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں بدعتوں کی عقوبت سے بچائے گا۔

تفسیر 3: اس میں تقویٰ کا دوسرا فائدہ ذکر فرمایا ہے اور اس سے مراد اس کے رزق میں برکتیں ڈالنا ہے اور بغیر ظاہری اسباب کے روزی کا آنا ہے معلوم ہوا کہ رزق کا اصل سبب تجارت اور کسب نہیں ہے، بلکہ تقویٰ ہے تجارت اور کسب وغیرہ جب تقویٰ کے ساتھ ہوں تو بابرکت رزق ملتا ہے یا اس سے مراد جنت میں روزی ہے اور یہ فائدہ پہلے سے الگ اور مستقل ہے اسی وجہ سے اسے الگ ذکر کیا ہے۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ: چونکہ رزق کی برکت میں توکل کا بھی دخل تھا اسی وجہ سے یہ اس کے ساتھ متصل ذکر کیا، توکل اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور اسباب کے استعمال کے ساتھ تمام کام اس کے حوالے کرنا ہے۔ یہاں ترتیب سے معلوم ہوا کہ پہلے تقویٰ ہے یعنی آدمی اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ادا کرتا ہے اور منہیات سے اپنے آپ کو بچاتا ہے اور اس کے بعد توکل علی اللہ ہے تو اشارہ ہے کہ توکل تقویٰ کے بغیر نہیں آسکتا ہے اور نہ کچھ فائدہ دیتا ہے اور اسی طرح اس کے سیاق کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ طلاق، عدت اور رجوع کے احکام کو شرعی طریقے سے ادا کرو اور اس کے نتیجے کا اعتماد اللہ تعالیٰ پر کرو۔ فَهُوَ حَسْبُهٗ: وہ اس کو خیر کی توفیق دے گا ضرر اس سے دور کرے گا اور فائدہ سے نوازے گا نیز کسی دوسرے کا محتاج نہیں کرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ: یہ سوال کا جواب ہے: سوال یہ ہے کہ بہت سارے توکل کرنے والے، متقی لوگ ہیں اور ان پر امراض و مصائب وغیرہ آتے ہیں؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں جنھیں مخلوق میں جاری کرتا ہے اور ہر فیصلے کو اپنی انتہاء تک پہنچاتا ہے۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا: اس سے مراد تقدیر ہے اور یہ بَالِغُ اَمْرِهٖ کے لیے علت ہے یعنی (اللہ تعالیٰ) اس وجہ سے (اپنا کام) پورا کرتا ہے کہ اس کی تقدیر لکھی ہے یا اس سے مراد ہر چیز کی مقدار اور انتہاء ہے جیسا کہ طلاق اور عدت کے لیے (اللہ تعالیٰ نے) تعداد اور مدت مقرر کی ہے اسی طرح ہر مصیبت اور مرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقدار اور مدت مقرر کی ہے۔

وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ⑤

"وہ جو تمہاری خواتین میں سے حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم (ان کی عدت میں) شک کرو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور وہ عورتیں جن کو حیض نہیں آتا۔ اور حمل والی عورتیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ حمل کو جنیں اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا وہ اس کے لیے کام میں آسانی کر دے گا [4] یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا وہ اس سے اس کے گناہوں کو دور کر دے گا اور اجر عظیم سے نوازے گا [5]۔

تفسیر 4: اس آیت میں تین قسم کی عورتوں کی عدت ذکر کی ہے اور آیت کے آخر میں تقویٰ کا ایک فائدہ ذکر ہے: ایک قسم کی خاتون آئسہ ہے جو حیض کے آنے سے ناامید ہو جائے لہٰذا حاملہ بھی نہیں ہو سکتی ہے اور اس کی (حیض سے ناامیدی) کی مدت میں اختلاف ہے: ساٹھ، ستر، پچپن سال، صحیح یہ ہے کہ یہ علاقے اور عورتوں پر مبنی ہے۔ دوسری قسم صغیرہ نابالغہ ہے جس کو حیض ابھی شروع نہیں ہوا ہے لیکن اس کا نکاح ہوا ہو اور شوہر نے اس کے ساتھ جماع کیا ہو اور پھر اسے طلاق دی ہو ان دونوں قسموں کی عدت تین مہینے ہیں اس لیے کہ عدت میں اصل حیض ہے اور عادۃً حیض مہینے میں ایک بار آتا ہے اور ان کا حیض نہیں آیا تو ان کی حیض کی جگہ تین مہینے مقرر کیے گئے۔ تیسری قسم حاملہ عورتیں ہیں برابر ہے کہ مطلقہ ہوں، یا بیوہ ان کی عدت وضع حمل ہے چاہے تھوڑے عرصے بعد ہو یا زیادہ وقت کے بعد ہو۔ یہاں بھی حمل کی وجہ سے ماہواری رکی ہوئی ہوتی ہے تو عدت میں حمل کو ماہواری کی جگہ پر قائم کیا گیا۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ: اگر تم ان کی عدت کے حکم میں شک کرو، یہ شرط اس وجہ سے ذکر کی کہ مخاطب لوگوں کو حائضہ کی عدت کے وقت سے معلوم تھی لیکن غیر حائضہ کے بارے میں علم نہیں تھا، یا معنیٰ یہ ہے کہ آئسہ اور نابالغہ کو خون آتا ہے مگر تم شک میں ہو کہ یہ کس چیز کا خون ہے لیکن چونکہ وہ حیض کا خون نہیں ہے لہٰذا عدت مہینوں کے حساب سے ہوگی تو اگر شک ہی نہ ہو اس لیے کہ خون نہیں آتا پھر تو یہ حکم بطریق اولیٰ ہے۔

دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ آئسہ (حیض سے ناامید) اور صغیرہ مستحاضہ ہو اور تمہیں عدت کے بارے میں شک ہو تو حکم یہ ہے یہ معانی اس وقت ہیں جب ارْتَبْتُمْ شک کے معنیٰ میں ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ یقین کے معنیٰ میں بھی آتا ہے (کیونکہ) یہ اضداد میں سے ہے۔ وَّالّٰٓـئِيْ لَمْ يَحِضْنَ: یہ دلیل ہے کہ نابالغہ کا نکاح اس کا ولی کسی کے ساتھ کر دے تو یہ شرعاً جائز ہے، جیسے عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح۔ تو جو کوئی اس سے انکار کرے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے بارے میں امام بخاری، یا امام زہری پر طعن کرے، وہ خود مطعون ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ: یہاں بھی تقویٰ عام ہے اور اس میں سنت طریقے سے طلاق دینا داخل ہے، اسی طرح یہ عورتوں کے تقویٰ کی طرف اشارہ ہے کہ عدت گزرنے میں شرعی حکم کا لحاظ کرے تو اللہ

تعالیٰ اس عورت کو آسانی دے گا اور یُسْرًا: مَخْرَجًا سے عام ہے دنیا اور آخرت کی آسانیاں اس میں شامل ہیں تو پہلے
دونوں فائدوں کی بہ نسبت یہ بڑا فائدہ ہے۔

تفسیر 5 | یہ گزرے ہوئے احکام پر عمل کی تاکید کے لیے ہے اور تقویٰ کے دو فائدے ذکر فرماتے ہیں۔ ذٰلِكَ: مذکورہ تمام احکامات کی طرف اشارہ ہے یعنی طلاق، عدت، رجوع، شہادات۔ اَمْرُ اللّٰهِ: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم اور قانون ہے خواہ امر کے صیغے سے ہو یا نہی کے صیغے سے ہو۔ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا: مضارع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا اشارہ ہے کہ جتنا تقویٰ زیادہ ہوگا اتنا اجر و ثواب عظیم دیا جائے گا۔ **فائدہ:** تقویٰ کے تین درجے ہیں، جیسے سورۃ مائدۃ آیت 93 میں گزرے ہیں تو اسی وجہ سے اس سورت میں بھی تین بار تقویٰ ذکر ہوا پہلے درجہ میں توحید کا مضبوط عقیدہ رکھنا اور ہر قسم کے شرک سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور چونکہ صرف توحید ذکر تھا تو اس کا فائدہ صرف مَخْرَج ذکر کیا جب اور اس کے ساتھ توکل ذکر کیا جو اشارہ ہے ہر قسم کے شرک سے اپنے آپ کو بچانے کی طرف تو اس کے ساتھ برکت اور دنیا کے رزق کی فراخی اور جنت کو ذکر کیا گیا۔ تقویٰ کا دوسرا درجہ چونکہ اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کے ذریعے اللہ کے احکامات کی پابندی کرنا ہے۔ تو اس کے ساتھ یُسْرًا ذکر کیا کہ اس کے ذریعے مشکلات آسان ہوتی ہیں۔ تیسرا درجہ استقامت اور شکوک اور شبہات سے اپنے آپ کو بچانا ہے تو اس کے دو فائدے ذکر کیے گناہوں کی معافی اور اجر و ثواب کا زیادہ ہونا (واللہ اعلم)۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝6 لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝7

”ان کو بساؤ اس جگہ میں جہاں تم بستے ہو اپنی طاقت سے اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ضرر نہ دو، اگرچہ عورتیں حمل والی ہوں پس ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ جن لیں اپنے حمل کو پس اگر وہ تمہارے (بچوں) کو دودھ پلائیں پس ان کو ان کی مزدوری دو اور اپنے درمیان مشورہ کرو اچھے طریقے سے اور اگر تم ایک دوسرے پر سختی کرو پس دودھ پلائے اس کو دوسری عورت [6] خرچ کرے کشادگی والا اپنی کشادگی سے اور وہ جس پر رزق تنگ ہو پس اس مال سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ

نے اس کو دیا ہے اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے برابر جو اس کو دی ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی پیدا کر دے گا [7]۔

تفسیر 6 اس آیت میں چھ جملے اور چھ احکام ذکر کیے ہیں: پہلا حکم اَسْكِنُوْهُنَّ: مطلقہ کے سکنٰی کا وجوب ہے، چاہے طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن ہو، پہلی آیت میں سکنٰی (رہائش) مطلقہ رجعیہ کے لیے خاص تھی اور یہاں عام ہے۔ مِنْ حَيْثُ: مِنْ تبعیض کے لیے ہے یعنی رہنے کی جگہ یا مِن زائدہ ہے یا مِنْ ابتدا کے لیے ہے یعنی اس طرح جس طرح تم رہتے ہو۔ مِّنْ وُّجْدِكُمْ: اس سے مراد شوہر کی قدرتِ مالیہ ہے، ملکیت کے طور پر ہو، یا اجرت کے طور پر ہو بڑا گھر ہو یا چھوٹا ہو لیکن شوہر کی طاقت کے مطابق ہو۔ دوسرا حکم وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ اضرار عام ہے مسکن میں ہو، یا مطلقہ کی طرف بغیر ضرورت کے رجوع کرنے کے ذریعے ہو، یا خرچہ نہ دینے کے ذریعے ہو یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اور مقصود یہ ہو کہ یہ (عورت) گھر چھوڑ دے، یا اپنا حق نہ مانگے۔ تیسرا حکم وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ: حاملہ کو عدت میں خرچہ دینا اور حاملہ کے علاوہ دوسری طلاق شدہ عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا خرچہ واجب ہے، یا نہیں۔ چوتھا حکم: فَاِنْ اَرْضَعْنَ: فا کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ اول تو یہ اس عورت کا بچہ دودھ پینے والا نہ ہوں اور اگر ہو تو یہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہو اور اجرت نہیں مانگتی اور اگر مانگے تو شوہر پر رضاعت کی اجرت واجب ہے۔ پانچواں حکم وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ: اسمیں بچے کے والدین مخاطب ہیں کہ اس کی رضاعت کے بارے میں مشورہ اور اتفاق کریں تاکہ ان کے اختلاف کی وجہ سے بچے کی تربیت خراب نہ ہو جائے۔ چھٹا حکم وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ: یہ بھی بچے کے ماں باپ کو خطاب ہے کہ رضاعت کی اجرت کے بارے میں اختلاف آجائے اور (والدین) ایک دوسرے کے ساتھ تنگی کریں یعنی مسامحہ (درگزر رونرمی) اور اتفاق نہ کریں تو بچے کے باپ پر لازم ہے کہ دوسری مرضعہ (دودھ پلانے والی) کا انتظام کرے

تفسیر 7 اس آیت میں چار جملے ہیں جو خرچ کرنے کے مسئلے سے متعلق ہیں: لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ: انفاق کا یہ حکم عام ہے شوہر کا عورت پر خرچ کرنا، اور باپ کا اولاد پر خرچ کرنا، اور دودھ پلانے والی پر خرچ کرنا اور اس کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ اور دوسرے نفقات بھی اس میں شامل ہیں اسی طرح انسان کا اپنے نفس پر خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے، ان سب میں خرچ کرنے والے کے حال کا اعتبار ہے تو معلوم ہوا کہ نکاح کے باب (مسئلے) میں بھی عورت کی مالداری اور غربت کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ شوہر کی حالت کو دیکھا جائے گا اس کی حکمت تیسرے جملے میں ذکر ہے: لَا يُكَلِّفُ

اللہُ: یعنی جو جس عمل پر مکلف ہو تو اس کی طاقت کا اعتبار ہوگا۔ اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا: چونکہ اس آیت میں صرف مال کے خرچ کرنے کا مسئلہ ہے تو اسی وجہ سے آتٰھا ذکر کیا اور جب عام عبادات اور تکالیف مراد ہوں تو وہاں لا وُسْعَهَا (عام لفظ) ذکر کیا جاتا ہے سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا: یہ تسلی ہے کہ جو انسان ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتا ہے مالداری ہو یا غربت تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کر دے گا جیسے سورۃ انشراح آیت 5،6 میں ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ⑨ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ⑩

"اور بہت سی بستیوں والے جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی تو ہم نے ان کے ساتھ سخت حساب کیا اور عذاب دیا ان کو سخت عذاب [8] پس انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا اور ان کے کام کا انجام نقصان ہوا [9] اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اے عقل والو! وہ لوگ جو ایمان لائے تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف یاد دہانی نازل کی [10]۔

تفسیر 8، 9: احکام شرعیہ اور حدود شرعیہ کے بیان کے بعد ان حکموں کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرانے کے لیے تخویف دنیوی اور اخروی ذکر فرمائی ہے اور تخویف پانچ طریقوں سے ذکر ہوئی ہے۔ مِّنْ قَرْيَةٍ: اضافت کی تقدیر کے ساتھ اس سے مراد اہل قریہ ہیں قَرْيَةٍ، قری سے ہے جمع ہونے کو کہا جاتا ہے تو قریہ وہ بستی یا شہر ہے جس میں بہت سے لوگ جمع ہوں۔ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا: امر میں آیت 5 کی طرف اشارہ ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ وَرُسُلِهٖ: یعنی انہوں نے توحید اور رسالت دونوں سے نافرمانی اور بغاوت کی تھی فَحَاسَبْنٰهَا: سخت حساب سے مراد یہ ہے کہ کوئی بھی جرم ان کا معاف نہیں کیا بلکہ سارے گناہوں کے جرم میں ان کو پکڑ لیا۔ وَعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا: یہ دنیا میں ان عذابوں کی طرف اشارہ ہے جو قوم نوح (علیہ السلام) قوم عاد، قوم ثمود، اصحاب مدین اور موتفکات وغیرہ پر بھیجے گئے تھے۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا: امر سے مراد کفر اور شرک اور رسالت کے انکار کے ذریعے نافرمانی کرنا ہے۔ وَبَالَ: سخت عاقبت کو کہا جاتا ہے اور حرف فا میں اشارہ ہے کہ عذاب کے بعد ان کو احساس ہوا کہ یہ ہمارے اعمال کا انجام ہے اس لیے کہ لفظ "ذَاقَتْ" بھی احساس پر دلالت کرتا ہے ذوق احساسات ظاہریہ میں سے ہے۔ وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا:

لفظ امر کو اس کی مزید قباحت کے لیے دوبارہ ذکر کیا، الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ یہ چاروں جملے عذاب دنیاوی کے ساتھ متعلق ہیں۔

تفسیر 10: اس آیت کے پہلے جملے میں تخویف اخروی ذکر کی ہے اور ایمان بالآخرۃ اور قرآن کی سچائی بھی اس آیت میں ذکر ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ: گزشتہ قوموں کے عذاب کے بعد اس امت کو تنبیہ ہے اور تقویٰ کا حکم ہے اس لیے کہ تقویٰ اس سورت کا مرکزی مضمون ہے اور اس تقویٰ کے حکم سے مراد تقویٰ کے ذکر شدہ تینوں مراتب پر دوام (ہمیشگی) اور استقامت ہے اور (تقویٰ کے تینوں مراتب مراد ہونے کی) دلیل یہ ہے کہ یہ ایمان والوں کو خطاب ہے۔ یٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ: وہ لوگ ہیں جو عقل کے اعتبار سے وہم اور شکوک وشبہات سے محفوظ ہوں، ان کی صفات سورۃ آل عمران آیت 190 اور سورۃ زمر آیت 18 میں ذکر ہیں۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: یہ صفت ہے، یا عطف بیان ہے، یا اُولِي الْاَلْبَابِ سے بدل ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ایمان اور تقویٰ والے صحیح عقل مند لوگ ہیں۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا: اس سے مراد قرآن کریم ہے اور اس میں تاکید ہے کہ ایمان والو! غافل نہ ہونا اس لیے کہ تمہارے پاس تذکیر (یاددہانی) کی کتاب موجود ہے۔

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫

"رسول جو اللہ تعالیٰ کی واضح آیتیں تم پر تلاوت کرتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال دے اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے (جنت میں) بہترین رزق بنایا ہے [11] اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی ان کی مانند، نازل کرتا ہے حکموں کو ان کے درمیان تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے [12]۔

تفسیر 11: رَسُوْلًا: اس میں رسول کی سچائی ذکر کی ہے۔ رَسُوْلًا کے منصوب ہونے میں بہت سے اقوال ہیں: ایک یہ کہ

یہ بدل ہے ذِكْرًا سے (اور کوئی اس کو ترجمہ کہتے ہیں) تو رسول کو ذکر مبالغۃً کہا ہے یعنی (رسول) صاحب ذکر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں اَرْسَلَ مقدر ہے۔ تیسرا یہ کہ ذِكْرًا مصدر ہے اور رَسُوْلًا اس کا مفعول ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول کا ذکر قرآن میں نازل کیا ہے۔ چوتھا یہ ہے کہ فعل امر اِتَّبِعُوا مقدر ہے۔ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ: قرآن کی سچائی کی طرف اشارہ ہے اور یہ دلیل ہے کہ رسول سے مراد محمد ﷺ ہے۔ مُبَيِّنٰتٍ بَيِّنَاتٍ اکثر عقائد میں استعمال ہوتا ہے اور مُبَيِّنَاتٍ احکام اور اعمال میں استعمال ہوتا ہے جیسے سورۃ نور آیت 34 اور 46 میں ہے وہاں بھی احکام تھے اور اس سورت میں بھی احکام ہیں۔ لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: يُخْرِجَ کی ضمیر رسول کی طرف راجع ہے یا آیات اللہ کی طرف قرآن کی تاویل کے ساتھ (یعنی آیات اللہ سے قرآن مراد ہے)، یا ذکر کی تاویل کے ساتھ راجع ہے، یا اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے پہلے احتمال کی تائید سورۃ ابراہیم آیت 1 میں ہے اور دوسرے کی تائید سورۃ مائدۃ آیت 16 میں ہے اور تیسرے کی تائید سورۃ احزاب آیت 43 اور سورۃ بقرۃ آیت 257 میں ہے۔ **سوال** ایمان اور عمل صالح والے تو اندھیروں سے نکلے ہیں تو پھر ان کو (اندھیروں سے) نکالنے کا کیا معنیٰ ہے؟ **پہلا جواب** مراد وہ لوگ ہیں جن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں مقرر ہے۔ **دوسرا جواب** اہل کتاب کے مسلمان مراد ہیں۔ **تیسرا جواب** ایمان والے مراد ہیں اور نکالنے سے مراد اندھیروں کی گمراہی سے ان کو بچانا ہے۔ **چوتھا جواب** یہ ہے کہ ظلمات سے بعض شکوک، شبہات اور شیطانی اور نفسانی وسواس مراد ہیں تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قرآن اور رسول کے ذریعے ان سے نکالتا ہے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ: یہ اندھیروں سے نکالنے کے بعد بشارت ہے۔ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا: احسان سے مراد وسعت اور رزق سے مراد جنت کا رزق ہے، یا یہ بشارت اخروی کے بعد بشارت دنیاوی ہے اور دنیا میں رزق کا احسان آیت 3 میں ذکر ہے۔

تفسیر 12: اس آیت میں پانچ جملے ہیں، اور سب رد شرک فی التصرف اور فی العلم کے ذریعے توحید پر دلالت کرتے ہیں اور یہ تخویف کے ساتھ متعلق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر اور عالم ہے تو ایمان کے بغیر اس کے عذاب سے کسی بھی طریقے سے نہیں بچا جا سکتا۔ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ: مماثلت بعض صفات میں ہوتی ہے تو یہاں مماثلت (برابری) عدد میں ہے، جو کہ سات ہیں اور اسی طرح احادیث میں صراحت آئی ہے کہ زمینیں سات ہیں، جیسے بخاری کی حدیث ہے کہ جس نے ظلم کے ساتھ کسی کی زمین سے ایک بالشت کے برابر لیا تو روز قیامت اس کی گردن میں سات زمینوں تک طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق حدیث 3196 صحیح مسلم کتاب المساقات حدیث 1612) اور اس

حدیث میں اشارہ ہے کہ یہ زمینیں ایک دوسرے کے اوپر طبقہ بطبقہ (اوپر نیچے) ہیں اور جس نے کہا کہ سات اقلیم مراد ہیں تو وہ بے دلیل قول ہے، لیکن وہ حدیث جو امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ذکر کی ہے کہ ہر زمین میں تمہارے آدم کی طرح آدم اور نوح علیہ السلام ہیں (آخر تک) یہ حدیث صحیح نہیں ہے بیہقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے اور اس کا متابع بھی نہیں ہے ابن کثیر اور امام ذہبی نے بھی اس طرح کہا ہے اور ابوحیان نے البحر المحیط میں کہا ہے کہ بے شک یہ موضوع روایت ہے اور واقدی کذاب سے منقول ہے اور اس کے مقابلے میں حاکم صاحب مستدرک کی تصحیح کا اعتبار نہیں ہے، اور تیسرا اس میں ہے کہ امام نووی سے منقول ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ: امر سے مراد وحی ہے، یا وہ امور ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہیں۔ بَیْنَهُنَّ: پہلے احتمال کی بنا پر ضمیر تمام آسمانوں وزمین کے درمیان کی طرف راجع ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی رہی اور دوسرے احتمال کی بنا پر ضمیر تمام آسمانوں اور زمینوں کی طرف راجع ہے سب میں اللہ تعالیٰ کی مقدرات اور تدبیرات چلتی ہیں۔ لِتَعْلَمُوْا: یہ خلق کے متعلق ہے، یا یَتَنَزَّلُ کے متعلق ہے پہلے کی بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس عالم کا پیدا کرنا اوپر اور نیچے اللہ تعالیٰ کی دو صفتوں پر دلیل ہے کہ ہر چیز پر اس کی قدرت ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور دوسرے احتمال کی بنا پر مقصد یہ ہے کہ وحی منزل کا خلاصہ دو مسئلوں کا علم ہے: پہلا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عموم ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر علم ہے۔ لِتَعْلَمُوْا: اس لفظ میں اشارہ ہے کہ ان دو صفتوں کا علم ہر مکلف پر فرض ہے۔ **سوال:** اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات تو زیادہ ہیں تو ان دونوں کی تخصیص کیوں کی ہے؟ **جواب:** یہ دو صفتیں صفات الٰہی کا خلاصہ ہے اور اسی وجہ سے توحید کے عقلی دلائل قرآن کریم میں ان دو صفات پر مشتمل ہیں جیسے سورۃ بقرۃ آیت 28، 29 اور سورۃ انعام آیت 1، 2، 3 اور سورۃ نحل آیت 3، 19 اور دوسری کئی سورتوں میں بھی ہیں۔

سورۃ الطلاق کی خصوصیات:

۱۔ مطلقہ خواتین کے متعلق کثرت سے امر ونہی وارد ہے۔ ۲۔ تقویٰ کے کثیر فوائد کا ذکر ہے۔

۳۔ دعوت کے اقسام۔ ۴۔ خواتین سے متعلق (9) مسائل کا ذکر ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے تمام صفات کا مرجع دو صفتیں ہیں۔ عَالِمٌ بِکُلِّ شَیْءٍ وَ قَادِرٌ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ

الحمد للہ سورۃ الطلاق کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکمل ہوئی۔

آیاتھا ۱۲ ۶۶ سُورَۃُ التَّحْرِیْمِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۷ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ ۚ وَاللّٰہُ مَوْلٰىکُمْ ۚ وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ②

''اے نبی ﷺ کیوں آپ حرام کرتے ہیں ایک چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کی ہے اس کے ذریعے بیویوں کی خوشی تلاش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے [1]۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے اور وہ جاننے والا حکمت والا ہے [2]۔

سورۃ التحریم اور دوسرے نام سورۃ النبی اور سورۃ لم تحرم اور سورۃ المتحرم ہیں۔

ربط: اس سورت کا ربط پہلی سورت کے ساتھ کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلے طلاق کے ساتھ متعلق امور ذکر کیے اور ابھی اس سورت میں وہ اخلاق ذکر کی جارہی ہیں جو طلاق سے روکتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب پہلی سورت میں میاں بیوی کی جدائی کے احکام ذکر کیے تو اس سورۃ میں وہ احکام ذکر فرما رہے ہیں جن کے ذریعے میاں بیوی کے درمیان اتفاق آتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب پہلی سورت میں رسول ﷺ کی عظمت شان ذکر ہوئی تو اس سورت میں ان لوگوں کو عتاب ہے جو آپ کی ناراضگی کے کام کرتے ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون: میاں بیوی کے حقوق کا ذکر ہے اور عذاب سے نجات کے لئے زواج (شادی) کے فائدہ مند ہونے کا ذکر ہے اور توحید کے لیے نو اسمائے حسنیٰ ذکر کیے ہیں۔

سورت کا خلاصہ: یہ ہے کہ دو خطابات نبی ﷺ کو اور دو ایمان والوں کو ہیں نبی ﷺ کو ہونے والے پہلے خطاب میں مقصود بیویوں کو راضی کرنے کے لئے اس چیز میں سے حرج دور کرنا ہے جس کا بیویوں کا حق متعلق نہیں ہے اور پھر نبی ﷺ کی بیویوں کو نبی ﷺ کے رازوں کی حفاظت کی ترغیب اور ان کے افشاء سے ممانعت ہے اور اسی طرح ان کو پانچ اخلاق حسنہ کے ذریعے ترغیب ہے یہ آیت 5 تک ہے پھر بیوی پر شوہر کے حق کا ذکر ہے، پھر ایمان والوں کو پہلا خطاب ہے جس

میں شوہر پر بیوی کا حق ذکر ہے ان امور کے ساتھ جو عذاب سے بچاتے ہیں اور پھر اہل ایمان کو دوسرا خطاب اس میں آگ سے بچنے کے لیے توبہ کی طرف ترغیب ہے اور بشارت اخروی ہے اور پھر دوسرا خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کے ذریعے ہے تاکہ بیویوں کے معاملے میں مشغولیت کے ذریعے اس اہم مقصد سے مشغول نہ ہو، پھر دو وہموں کے جوابات ہیں: پہلا وہم یہ ہے کہ جب کبھی بیوی کا عقیدہ شرک کرنے کے ذریعے سے شوہر کے عقیدے سے مخالف ہو تو کیا صرف موحد شخص کی بیوی ہونا اس کو کچھ فائدہ دیتا ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نہیں دے سکتا ہے (اس کے لئے) نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال ذکر کی گئی دوسرا وہم یہ ہے کہ جب عورت موحدہ ہو اور شوہر مشرک و کافر ہو تو یہ نکاح بیوی کو ضرر اور نقصان دے سکتا ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آزمائش کے سوا کچھ ضرر نہیں دے سکتا ہے اس کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال ذکر کی گئی اور اس مثال میں مریم کے حال کے ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ایمان والوں کو بہادری کی ترغیب ہے۔

تفسیر 1: امام طبری اور اکثر مفسرین نے اس آیت کے سبب نزول میں بہت سے اقوال لکھے ہیں لیکن وہ روایت جو امام بخاری نے صحیح سند سے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد کا شربت پیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے سوکن ہونے کی غیرت کی وجہ سے اتفاق کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کے گھر میں آئے تو وہ آپ سے کہہ دیں گی کہ آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے کیا آپ نے مغافیر کھائی ہے (مغافیر مغفور کی جمع ہے اور اسکو عرفط بھی کہا جاتا ہے یہ ایک قسم کے پودے کا پھول ہے عرب میں شہد کی مکھیاں اس سے شہد بناتی ہیں تو اس شہد میں اس پودے کی بو ہوتی تھی) تو ان کا قول کہ آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے یہ بات درست تھی اور دوسری بات تو سوال کے طور پر ہے کہ آپ نے مغافیر کھائی ہے، سوال کے جملے میں سچ اور جھوٹ نہیں آتا ہے (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدبو کی چیز استعمال کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے تھے) (صحیح مسلم کتاب الطلاق حدیث 5268 میں ہے بدبودار چیز سے بہت نفرت کرتے تھے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے مغافیر نہیں کھائی ہے البتہ شہد کا شربت پیا ہے مجھ پر حرام ہو آئندہ نہیں پیوں گا۔ اور دوسری صحیح سند والی روایت بھی ہے لیکن اسے صحیحین نے نقل نہیں کیا ہے اس کا اختصار یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا ماریہ رضی اللہ عنہا ابراہیم کی والدہ مجھ پر حرام ہے اور دونوں روایتوں میں یہ بھی ہے کہ نبی علیہ السلام نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا اس راز کو ظاہر نہیں کرنا (صحیح نسائی کتاب عشرۃ النساء حدیث 3411 مستدرک حاکم 2/493 امام حاکم، ذہبی اور ابن حجر نے اس کو صحیح کہا ہے) اور تمام باتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ دوسری بیویاں

راضی ہوں اور زینب اور ماریہ بھی ناراض نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیات نازل کیں۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ: قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ عتاب ہے (جو دو دوستوں کے درمیان تنبیہ کرنے کی باتیں ہیں) یہ گناہ صغیرہ یا کبیرہ نہیں ہے اور امام قاسمی نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب شفقت کے طور پر ہے کہ کیوں آپ خود کو بیویوں کی وجہ سے تکلیف میں ڈالتے ہیں؟ اور امام شربینی نے فرمایا ہے کہ یہ عتاب کے طور پر نہیں ہے بلکہ تنبیہ ہے کہ یہ کام آپ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ سوال: جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے نبی ﷺ اس کو حرام نہیں کر سکتے ہیں جیسے بخاری کی حدیث جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کے بارے میں ہے) ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں تو اللہ تعالیٰ کا حلال حرام نہیں کر سکتا ہوں تو اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ صحیح بخاری کتاب فرض الخمس حدیث 3110 صحیح مسلم فضائل الصحابہ حدیث 2449 جواب: یہاں تحریم لغوی معنی میں ہے جو منع ہے یعنی ایک چیز سے فائدہ نہ لینا بشرطیکہ اس کے متعلق حرام ہونے کا عقیدہ نہ ہو اس لیے کہ ایسا عقیدہ رکھنا تو کفر ہے اور نبی ﷺ تو ہر معصیت سے پاک ہوتا ہے اسی طرح خطیب شربینی نے ذکر کیا ہے۔ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ: اور یہ تو امر مباح ہے لیکن اس کی وجہ سے اپنے اوپر خلافِ عادت مشقت مت ڈالو۔

تفسیر 2 قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ: اس میں کفارہ ادا کرنے اور قسم توڑنے کی طرف ترغیب ہے فَرَضَ: تقدیر کے معنی میں ہے اور کفارے کی مقدار سورۃ مائدۃ آیت 89 میں ذکر کی گئی ہے تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ: تحلّہ حل سے ماخوذ ہے گرہ کھولنے کے معنی میں ہے یعنی قسم کے ذریعے جو گرہ لگائی ہے تو اس گرہ کا کھولنا کفارے کی ادائیگی سے ہے۔ اَیْمَانِكُمْ: یمین کی جمع ہے قسم کو کہا جاتا ہے یہ اشارہ ہے کہ حلال چیز کو حرام قرار دینا قسم کے معنی میں ہے چاہے کھانا پینا ہو، یا بیوی ہو اور یہ قول امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور اس میں قرطبی نے اٹھارہ اقوال ذکر کیے ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ کسی نے کھانے، پینے، لباس اور بیوی وغیرہ کے بارے میں کہا ہو کہ یہ مجھ پر حرام ہے لیکن حرمتِ شرعیہ حقیقی کا عقیدہ نہ ہو تو یہ قسم ہے اور اس میں قسم کا کفارہ واجب ہے۔ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ: لفظ اللہ کو دوبارہ دل کی زیادہ تسلی کے لئے ذکر کیا ہے۔ مَوْلَاكُمْ مالک، متولی، کام کا مختار اور تمہارا دوست ہے۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۖ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ

قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝

"اور جب نبی ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کو ایک پوشیدہ بات کی پس جب اس نے دوسری کو خبر دی اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نبی ﷺ کو خبر دی تو ظاہر کی ایک بات اور دوسری بات سے منہ پھیر لیا پس جب نبی ﷺ نے اس بیوی کو خبر دی اس بات کی وہ کہنے لگی کس نے آپ کو یہ خبر دی؟ تو اس نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی جو ہر چیز کو جاننے والا خبردار ہے[3]۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تو یقیناً تمہارے دل (توبہ کے لئے تیار ہیں) اور اگر تم اس کی مخالفت میں ایک دوسرے کی مدد کرو پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کا دوست ہے جبرائیل علیہ السلام نیک ایمان والے اور سارے ملائک اس کے بعد اس کے مددگار ہیں[4]۔

تفسیر 3 یہ بھی پہلے واقعے کے ساتھ متعلق ہے۔ بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ: اس سے مراد راجح قول کے مطابق حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حَدِیْثًا: اس سے مراد شہد کی تحریم اور ان رازوں کے ظاہر کرنے سے ممانعت ہے اور دوسرے قول میں ماریہ رضی اللہ عنہا کی تحریم مراد ہے یہ دلیل ہے کہ شوہر کے لیے جائز ہے کہ بعض رازوں کے ساتھ بعض بیویوں کو خاص کر دے۔ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ: یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کو اسکی خبر دی اور گمان یہ تھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا اس لیے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کو بہت محبوب تھیں اور نَبَّاَتْ: کا مفعول ذکر نہیں کیا اشارہ ہے کہ یہ بات کرنا غیر مناسب تھا ایک شخص کی تخصیص اس میں مقصود نہیں تھی۔ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ: اس میں دلیل ہے کہ نبی ﷺ تو غائب کو نہیں جانتے بلکہ علم میں اللہ تعالیٰ کی خبر کے محتاج تھے۔ عَرَّفَ بَعْضَهٗ: تعریف الزام اور ملامت کرنے کے معنی میں ہے یعنی نبی ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ نے کیوں میرے راز کو پھیلایا ہے؟ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا ہے؟ لیکن تمام باتوں پر تنبیہ نہیں کی بعض باتوں پر کی اس وجہ سے فرمایا۔ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ: یا مراد اس سے یہ ہے کہ وعید کی لیکن طلاق نہیں دی اور ان سے علیحدگی نہیں کی اور اس میں اچھے اخلاق کی طرف اشارہ ہے کہ دوست یا بیوی سے کوئی غلطی اور نقصان سرزد ہو جائے تو ہر ایک بات پر ڈانٹنا نہیں چاہئے بلکہ صرف بعض بات پر تنبیہ کرے اور یہ دلیل ہے کہ بیوی یا دوست کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوست یا شوہر کے رازوں کو پھیلائے۔ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا: یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی بیویوں اور صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ نبی ﷺ حاضر و ناظر اور غیب دان نہیں ہیں۔ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ: اشارہ

ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحی کے محتاج تھے۔ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ: اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف پوشیدہ یا ظاہر کوئی بھی بات کرنا جائز نہیں ہے علیم ظاہری باتوں کے اعتبار سے اور خبیر باطنی باتوں کے اعتبار سے ہے۔

تفسیر 4: اس آیت میں توبہ کرنے کی ترغیب ہے۔ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا: صَغَتْ، صوغ سے ہے مائل ہونے یا تیار ہونے کو کہا جاتا ہے چاہے اچھے طریقے سے ہو یا برے سے اور زیغ ہمیشہ برے اخلاق میں استعمال ہوتا ہے تو مراد یہ ہے کہ تمہارے دل توبہ کی طرف مائل ہیں اور توبہ قبول ہے اور دوسرے قول کے مطابق معنی یہ ہے کہ تمہارے دل رسول کی اطاعت میں واجبی طریقے سے پھر گئے اور ان میں کجی آئی اور یہاں بھی جزا اصل میں محذوف ہے یعنی اگر تم توبہ کرو تمہارے توبہ کرنے کا سبب موجود ہے لیکن پہلی توجیہ میں توبہ کی طرف زیادہ ترغیب ہے۔ اور اسی طرح اس میں عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کی تعریف ہے اور وہ امہات المومنین ہیں انکا اکرام ہم پر واجب ہے۔ قُلُوبُكُمَا: عربیت کا قانون یہ ہے کہ ایک تثنیہ کو دوسرے تثنیہ کی طرف مضاف کرنے میں ثقل سمجھتے ہیں تو پہلے تثنیہ سے جمع بنا دیتے ہیں یہ افصح کلام ہے اور فصاحت کے ساتھ افراد بھی جائز ہے اور تثنیہ لانا صرف جواز رکھتا ہے اور کُمَا کی ضمیر میں خطاب عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کو ہے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت امام بخاری نے کتاب التفسیر میں نقل کی ہے۔ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ تظاہر ایک دوسرے کے لیے سہارا بننا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے اور علیٰ ضرر کے معنی میں ہے یعنی اگر تم ایک دوسرے کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے میں مدد کرتے ہو چونکہ ایذا میں تظاہر بیویوں کا مقصد نہیں تھا اسی وجہ سے اس کو احتمال کے طور پر بعد میں ذکر کیا ہے فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ: جزا اصل میں پوشیدہ ہے یعنی تمہارا ایک دوسرے کی مدد کرنا انہیں ضرر نہیں دے سکتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے وَجِبْرِيلُ: راجح یہ ہے کہ یہ مبتدا ہے اور مابعد اس پر عطف کیا گیا ہے اور ظَهِيرٌ اس کی خبر ہے اور وہ (ظہیر) جنس ہے اور جمع کے معنی میں ہے اور مفرد اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ ان کے درمیان پورا اتحاد اور اتفاق ہے گویا کہ یہ ایک ہے۔ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ: صالح اسم جنس ہے تمام اگلے اور پچھلے ایمان والے اس میں داخل ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام کرتے ہیں اور ان پر درود بھیجتے ہیں اور ان کی سنت کی پیروی کرتے ہیں جبرائیل کو پہلے ذکر کیا اس لیے کہ وہ ہر وقت اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ تعالیٰ کی اجازت سے وحی لاتے تھے اور اس کے بعد ایمان والے ذکر کیے گئے ہیں کہ وہ ان کی وحی کو پڑھتے ہیں اور رسول کی اتباع پر مکلف ہیں اور دوسرے ملائکہ کو بعد میں ذکر کیا اس لیے کہ ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبرائیل اور صالح المومنین سے تعلق

کم ہے۔ بَعْدَ ذٰلِكَ: یہ تظاھر کی طرف اشارہ ہے یا اللہ تعالیٰ کی ولایت کی طرف اشارہ ہے پہلے کی بنا پر علیت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے کی بنا پر اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہر کسی کی مدد سے پہلے ہے۔

عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىِٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا۝۵

"شاید کہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رب اگر تم کو طلاق دے تو اس کو بدلے میں تم سے بہتر بیویاں دے گا جو مسلمان ہوں گی ایماندار فرمان برداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں عبادت گزار، روزے دار، بیوہ بھی اور کنواریاں بھی [5]۔

تفسیر 5: اس آیت میں تطلیق اور تبدیل کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو تنبیہ اور تحذیر ہے جب وہ توبہ نہ کریں اور ایک دوسرے کی مدد کریں لیکن انہوں نے توبہ کی ہے اور تظاھر کو چھوڑا تھا اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق نہیں دی ہے اور حفصہ رضی اللہ عنہا کی طلاق کی روایت ثابت نہیں ہے۔ عَسٰی رَبُّهٗۤ: عسیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجوب کے لیے ہوتا ہے لیکن اس وقت جب کوئی تعلق نہیں ہو اور یہاں تو شرط کے ساتھ معلق کیا ہے شرط یہ ہے کہ اِنْ طَلَّقَكُنَّ: لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق نہیں دی ہے۔ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا: عورت کے لیے طلاق ایک بڑی مصیبت ہوتی ہے اور طلاق کے بعد تو بدلے میں دوسری عورت کو نکاح میں لینا یہ تو بہت بڑی مصیبت اور غم ہوتا ہے اسی وجہ سے یہ دونوں کام (تطلیق اور ابدال) ذکر کیے۔ سوال: خَیْرًا مِّنْكُنَّ: یہ دلالت کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں سے دوسری عورتیں افضل ہیں؟ جواب: اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ دیگر عورتیں ان سے افضل ہیں کیونکہ یہ تو بالفرض وتقدیر کلام ہے یعنی اگر بالفرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ایک دوسرے کی مدد کریں تو آنے والی صفات کی عورتیں ان سے بہتر ہوں گی لیکن انہوں نے توبہ کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد چھوڑ دی اور آنے والی صفات ان میں موجود تھیں تو معلوم ہوا کہ ان سے دوسری عورتیں بہتر نہیں ہیں۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے دوسری عورتیں بہتر ہوتیں تو پھر لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کو موت تک ناقص (جو بہتر نہ ہو) عورتوں کے ساتھ رکھنا ہے اور اولیٰ اور اعلیٰ صفت سے محروم کرنا ہے جبکہ یہ باطل ہے تو یقیناً معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات باقی تمام عورتوں سے بہتر ہیں اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور خدیجہ، عائشہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہن کی فضیلت تفصیل کے ساتھ عقیدے کی کتابوں میں موجود ہے اس کو پڑھنا چاہیے۔ متفق علیہ:

مُسْلِمٰتٍ: چھ صفات انسان میں کمال عبدیت کی صفات ہیں مرد ہو یا عورت ہو اور آخری صفت (باکرہ ہونا) لبدیت سے ساتھ تعلق نہیں رکھتی ہے اشارہ ہے کہ بذات خود وہ صفت کمال اور فضیلت کی نہیں ہے اس لیے کہ بعض بیوہ عورتیں نیک اور عقیدے کے سبب سے کنواری لڑکیوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ مُسْلِمٰتٍ: اسلام جب ایمان سے پہلے ذکر ہوتا ہے میں پورے انقیاد (فرمانبرداری) کے ساتھ اخلاص مراد ہوتا ہے اور اخلاص تصدیق کے لیے شرط ہے اسی وجہ سے اسلام کے وصف کو ایمان پر مقدم ذکر کیا ہے۔ قٰنِتٰتٍ: اس سے مراد پوری اطاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے تو تمام اعمال صالحہ کرنا اور منہیات سے بچنا اس میں داخل ہیں۔ تٰٓئِبٰتٍ: پہلی صفات ثبوتیہ ہیں اور یہ صفت سلبیہ ہے یعنی گناہ نہ کرنا اور اگر گناہ ہو جائے تو اس سے توبہ کرنا اور اشارہ ہے کہ شوہر کے بارے میں نامناسب باتیں کی ہوں تو ان سے توبہ کرتی ہیں۔ عٰبِدٰتٍ: اس وصف میں اشارہ ہے کہ پہلی صفتیں اپنی طبیعت کی وجہ سے ریاکاری کی وجہ سے یا منافقت کے طور پر نہیں کرتی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبدیت کے سبب سے کرتی ہیں۔ سٰٓئِحٰتٍ: سیاحت اصل میں چلنے کو کہا جاتا ہے اور مفسرین نے اس کے تین معانی لکھے ہیں: روزے دار، ہجرت کرنے والیاں، اطاعت کے لیے پھرنے والیاں اور قاسمی نے کہا ہے کہ جن آیات میں سیر في الارض (زمین میں چلنا) ذکر ہوا ہے جیسے سورۃ حج آیت 46 اور سورۃ غافر آیت 21 اور سورۃ روم آیت 9 میں تو یہ صفت جس طرح مردوں کے لیے ضروری ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا: اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کی بیویاں بھی دونوں قسم کی تھیں بعض کنواری اور اکثر بیوہ تھیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ۧ

"اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں اس پر سخت (طبیعت والے) اور قوت والے ملائک مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اس بات میں جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے بجا لاتے ہیں [6]۔ (کہا جائے گا) اے کافرو! آج عذر نہ کرو تم کو اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم

تفسیر 6: ماقبل کا خلاصہ یہ تھا کہ عورت پر شوہر کی اطاعت واجب ہے، اس کے رازوں کو نہیں فاش کرے گی؛ اس کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کروں گی بلکہ اپنے اندر نیک عورتوں کی صفت پیدا کریگی تو ابھی شوہروں پر عورتوں کا حق ذکر کرتا ہے۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا: معطوف اور معطوف علیہ دونوں بچانے میں شریک ہیں لیکن بچانے کے طریقے میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کی اتباع کے ذریعے سے اوراطاعات کرنے اور نافرمانیوں کے چھوڑنے کے ذریعے اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ گے اورامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے سے اپنے اہل کو بچاؤ گے اوراسی طرح عام حالات میں آداب سکھانے اور بلوغت سے پہلے حکم دینے اور نماز سکھانے کے ذریعے سے اپنے اہل کو بچاؤ گے۔ سوال: وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ: جب آگ انسانوں کے ذریعے جلے گی اور یہ ایندھن ہوں گے تو جس وقت انسان آگ میں داخل نہیں ہوئے تھے تو ایندھن کیا چیز تھی؟ اس لیے کہ آگ تو پہلے سے جلائی گئی تھی اوراسی طرح یہ جب اس کے ایندھن ہیں تو جلانے کا مقصد کیا ہے؟ جواب: کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ کلام تشبیہ بلیغ کے طور پر ہے یعنی النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ مِثْلَ الْوَقُوْدِ یہ ایندھن کی طرح جلیں گے دوسری وجہ یہ ہے کہ انسانوں کے داخل ہونے سے پہلے پتھر اس کا ایندھن بنیں گے اورانسانوں کے داخل ہونے کے بعد یہ اس کے ایندھن ہوں گے اور عبارت میں تقدیم وتاخیر ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ آگ کے جلانے کا سبب عابدین اور معبودان باطلہ ہیں جو اکثر پتھروں سے بنائے گئے ہیں۔ النَّاسُ: اس سے مراد کافر ومشرک ہیں سورۃ آل عمران آیت 10 اور سورۃ بقرہ آیت 24 کے دلیل سے اور گنہگار ایمان والے جب اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہ کرے وہ بھی آگ میں داخل ہوں گے لیکن ایندھن کی طرح سب اس میں نہیں جلیں گے سجدے کے اعضاء بچیں گے جیسے صحیح حدیث میں ہے۔ (صحیح بخاری فی الصلوۃ والتوحید حدیث 806۔ 7438 وصحیح مسلم فی الایمان)۔ وَ الْحِجَارَةُ: یہ لفظ پتھر کی جنس کو عام ہے جس کی آگ انتہائی گرم ہو اور گندھک کے پتھر کہ ان کی آگ انتہائی تیز اور بدبو والی ہوتی ہے اور وہ پتھر جن کی عبادت کی گئی ہے اوران سے بت بنائے گئے ہیں یا ان کو قبروں پر لگایا گیا ہو اور مشرکین نے ان کو نفع اور ضرر کا سبب ٹھہرایا ہو۔ سوال: سورۃ بقرہ آیت 24 میں النَّار معرفہ الف لام کے ساتھ اوراس کی صفت معرفہ التی کے ساتھ ذکر ہے جبکہ اس سورت میں نکرہ ہے، فرق کی کیا وجہ ہے؟ جواب: الف لام کمال اور مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اور نکرہ قلت اور تخفیف پر دلالت کرتا ہے تو اس سورت میں کافروں سے خطاب ہے اور یہاں پر ایمان والوں کو خطاب ہے لھذا اس میں مبالغہ اور سختی نہیں کی۔ عَلَيْهَا

مَلٰٓئِكَةٌ: ان ملائک کی تعداد سورۃ مدثر آیت 30 میں مذکور ہے اور ان کا نام زبانیہ سورۃ علق آیت 18 میں مذکور ہے
غِلَاظٌ: دل ان کے سخت ہیں جہنم والوں پر ترس نہیں کھاتے اگرچہ وہ ان سے دعا مانگیں گے اور کھانا پینا مانگیں گے۔
شِدَادٌ: مضبوط جسموں اور اعضاء والے ہیں اور ایک روایت قرطبی نے ذکر کی ہے کہ ان فرشتوں کے دونوں کندھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جیسے مشرق سے مغرب تک ہے۔لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ: دونوں جملوں کا فرق یہ ہے کہ پہلے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں سے انکار نہیں کرتے ہیں اور دوسرے سے مراد ہے کہ مامورات پر عمل کرتے ہیں دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلا جملہ ماضی کے زمانے میں ہے اور دوسرا زمانہ مستقبل میں ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ پہلے جملے کا معنی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے اجتناب کا حکم دیا ہے جو کہ منہیات ہیں ان میں (اللہ) کے خلاف نہیں کرتے ہیں اور مامورات پر عمل کرتے ہیں تو پہلے جملے میں منہیات سے اجتناب مراد ہے اور دوسرے میں امور شرعیہ پر عمل مراد ہے اور یہ تمام صفتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان ملائک سے کبھی اور کسی طریقے سے بچا نہیں جا سکتا ہے نہ رحم کی درخواست کے ساتھ اور نہ ان سے مقابلہ کرنے کے ذریعے اور نہ رشوت لینے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کے ذریعے سے اور نہ عذاب میں کمی کی رعایت کے ذریعے سے۔

تفسیر 7: یہ آیت بھی تخویف اُخروی سے متعلق ہے اور اس میں ایک وہم کو دور کیا گیا ہے وہ وہم یہ ہے کہ اگر کوئی کہہ دے کہ ملائک سے تو نہیں بچا جا سکتا ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ (اہلِ جہنم) اللہ تعالیٰ کے سامنے اعذار پیش کریں اور وہ ان کے عذروں کو قبول کرلے تو اس آیت میں جواب ہے۔یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا: یہاں عبارت اس طرح وَیُقَالُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا) اے کافرو! آج کے دن عذر نہ پیش کرو تم آج اپنے اعمال کی سزا سے بچ نہیں سکتے ہو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ
وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۸ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ
وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۹

"اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو شاید کہ تمہارا رب دور کردے تم سے تمہارے گناہ اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو شرمندہ نہیں کرے گا اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان والے ہیں ان کی روشنی ان کے آگے اور انکے داہنے طرف چل رہی ہوگی کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے نور کو ہمارے لیے کامل کردے اور ہمیں بخش دے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے [8] اے نبی ﷺ کافروں سے اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے [9]۔

تفسیر 8: جب پہلی آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بہانوں کے ذریعے نجات حاصل نہیں ہوسکتی ہے بلکہ صرف توبہ سے نجات حاصل ہوتی ہے (تواب) توبہ کرنے کی طرف ترغیب دی ہے۔ تَوْبَةً نَّصُوْحًا: یہ نصح سے ماخوذ ہے میل سے صاف کرنا یا کپڑے سینے کے معنی میں ہے تو پہلے معنی کے ساتھ توبہ میں اخلاص مراد ہے اور دوسرے معنی کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ گناہ کرنے کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے تعلق کٹ گیا تو اس طرح توبہ کرنی چاہیے کہ وہ پھر سے جڑ جائے اور توبہ نصوح کی شرعی تعریف کے بارے میں امام قرطبیؒ نے تیئس (23) اقوال ذکر کیے ہیں اور امام ابن کثیرؒ نے یہ قول راجح کیا ہے کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ فی الحال گناہ کرنا چھوڑ دے اور گزرے ہوئے پر نادم ہوجائے اور عزم کرلے کہ مستقبل میں گناہ نہ کرے اور اگر بندے کا حق ہو تو وہ ادا کرلے اور توبہ نصوح (خالص توبہ) میں یہ اختلاف ہے کہ کیا اس میں یہ شرط ہے کہ موت تک وہ گناہ نہیں کرے گا، یا یہ عزم کافی ہے کہ آئندہ نہیں کرے گا دیگر روایات سے دوسرا قول ظاہر ہے اور اس مقام میں نصوحا شخص کا واقعہ موضوع ہے آیت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عَسٰی رَبُّكُمْ: عسیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین کے لیے ہے اور اس میں خالص توبہ کے دو فائدے ذکر کیے گئے ہیں: پہلے ضرر کا دور کرنا جو گناہوں کا معاف ہونا ہے اور دوسرا منفعت کی جلب ہے جو کہ جنت اور روشنی کا حاصل ہونا ہے۔ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ: اس بات کا ذکر، گزشتہ آیات کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو دنیا میں رسوا نہیں کرتا بلکہ اس کی مدد کرتا ہے جیسا کہ فَاِنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىهُ میں ذکر ہوا تو اسی طرح اللہ آخرت میں بھی اسے شرمندہ نہیں کرے گا۔ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، وہ ایمان والے جنہوں نے دنیا میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا جیسے صالح المومنین پہلے ذکر ہوئے۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى: اسی طرح سورۃ حدید آیت 12 میں ذکر ہوا ہے اور شَمَآئِلِهِمْ کا ذکر نہیں کیا ہے اس وجہ سے کہ اس طرف منافقین، کافر اور جہنم ہیں یا اس کو مقابلتہً چھوڑا ہے اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا: اس آیت میں اتباع رسول اور خالص توبے کا نور ہے چونکہ منافقین کی

روشنی ناقص ہوتی ہے اسی وجہ سے ایمان والے نور کے پورا ہونے کے لیے دعا مانگتے ہیں۔ وَ اغْفِرْ لَنَا: ہر وقت مغفرت کی دعا عبادت کے طور پر ہے اگر چہ ان کے گناہ معاف کیے گئے ہیں، یا مغفرت سے مراد چھوٹے گناہوں کا معاف کرنا ہے اس خوف واندیشے سے کہ کہیں نور کی تکمیل میں رکاوٹ نہ بن جائیں۔

تفسیر 9: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرا خطاب ہے پہلے خطاب سے اس کا ربط یہ ہے کہ اے نبی! مخلوق اور بیویوں کے راضی کرنے کی کوشش مت کرو بلکہ انہیں دعوت دو اور ان کافروں اور منافقین کے ساتھ جہاد کرو یہ بہت اہم ہے اسی طرح کمزور مخلوق کے ساتھ (جو کہ عورتیں ہیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی ذکر ہوئی تو ابھی ان کو برے لوگوں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم ہے۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ: اسی طرح سورۃ توبہ آیت 73 میں بھی ذکر ہوا ہے، جہاد، قتال سے عام ہے دین حق کے غلبے اور اشاعت کے لیے ہر قسم کی کوشش اور محنت صرف کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے۔ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ: یہ المنافقین کے ساتھ متعلق ہے اور اس سے مراد ان کے برے اوصاف ذکر کرنا ہے نیز ان کو ڈانٹنا اور ان پر حدود شرعیہ قائم کرنا ہے اور یہ امور واضح کافروں کے ساتھ نہیں ہیں، یا وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ دونوں کے ساتھ متعلق ہے تو اس سے دونوں گروہوں کے مقابلے میں دلیل و حجت قائم کرنے کے ذریعے اور وعیدات دنیاوی و اخروی سنانے کے ذریعے سے دین پر ڈٹ جانا اور مضبوط ہونا مراد ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

"اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ایک مثال بیان کی نوح علیہ السلام کی بیوی کی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں تو انہوں نے خیانت کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے ان سے کچھ دفع نہ کر سکے اور (ان عورتوں سے) کہہ دیا گیا داخل ہونے والوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ [10]۔

تفسیر 10: اس میں سورت کی ابتدا کی طرح عورتوں کو ایمان، توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ذریعے تنبیہ ہے یعنی اے عورتو! اگر تمہارا اپنا ایمان اور عمل صالح نہ ہو تو شوہروں کا عمل تمہیں فائدہ نہیں دے سکتا ہے اور اسی طرح یہ بھی جَاهِدِ اور وَ اغْلُظْ کی ایک تفسیر ہے اور وہم کا جواب ہے کہ کیا مشرک عورتوں اور مردوں کو موحدین کی رشتہ داری کچھ فائدہ دے سکتی ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب عقیدے اور عمل میں نیک لوگوں کی مخالفت ہو تو نیک لوگوں کی رشتہ داری

کچھ فائدہ نہیں دے سکتی ہے جیسے نوح علیہ السلام کی بیوی کو اور لوط علیہ السلام کی بیوی کو پیغمبروں کی بیویاں ہونے سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اِمْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ: زوجہ کا لفظ نہیں کہا اس لیے کہ ان کی پیغمبر کے ساتھ عقیدے کی موافقت نہیں تھی صرف نکاح تھا اور زوجہ اس مقام میں ذکر کیا جاتا ہے جب میاں بیوی کی موافقت ہو۔ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ: اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ ان کی ان کے ساتھ دن اور رات محبت تھی اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور خدمت اور نکاح کے فائدے لیتے تھے اور عَبْدَيْنِ. صَالِحَيْنِ دلالت کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا کمال بھی یہ ہے کہ ان میں پوری اطاعت کرنے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبدیت (بندگی) موجود تھی۔ فَخَانَتٰهُمَا: ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ خیانت سے مراد فحش کام اور بدفعلی کرنا نہیں ہے اس لیے کہ انبیاء کی بیویاں زنا سے پاک ہیں اگرچہ ان میں کفر، شرک یا منافقت تھی اور قرطبی نے کہا ہے کہ مفسرین کا اجماع ہے کہ ان دونوں کی خیانت یہ تھی کہ شوہروں سے چھپ کر کفر اور شرک کرتیں اور ان کے رازوں کو ان کے دشمنوں تک پہنچاتی تھیں۔ فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا: قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اطاعت کے ذریعے ٹلتا ہے وسیلوں کے ذریعے نہیں اور ان مشرکین کا رد ہے کہ جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری سفارش کریں گے۔ وَقِيْلَ: یہ قول اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف سے ہے اسی وجہ سے فاعل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ: اشارہ ہے کہ ان انبیاء کی طرف ان کی نسبت دوسرے مشرکین اور ان غیر لوگوں کی طرح ہے جو آگ میں داخل ہوں گے اور انبیاء کی سفارش ان کو کچھ فائدہ نہیں دی گی تو یہی حال ان بیویوں کا بھی ٹھہر گیا ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿11﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿12﴾

”اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی جب اس نے کہا اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے [11] اور (دوسری مثال بیان کی) عمران کی بیٹی مریم کی جس نے اپنی شرمگاہ کو بچایا ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے رب کے کلمات اور کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی [12]۔

تفسیر 11: یہ وہم کا جواب ہے کہ کیا نیک مردوں اور عورتوں کو مشرکین کی رشتہ داری ضرر دے سکتی ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ

ہے کہ جب انسان کا اپنا عمل صالح ہو تو مشرک کے ساتھ رشتہ داری اور نکاح وغیرہ مومن کو کچھ ضرر نہیں دے سکتے نیز یہ ایمان والوں کو سمجھانے کے لیے ایک مثال ہے اسی وجہ سے اس میں لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا: کہا گیا اور اسی طرح اس مثال میں ایمان والوں کو بہادری کا حکم ہے کہ فرعون کی بیوی نے دینِ حق اور موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کے لیے کتنی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور آخر کار شہید ہوگئی تو اے ایمان والو! تم پر بھی واجب ہے کہ توحید کے لیے ایسی شجاعت کا مظاہرہ کرو۔ اِمْرَاَتَ فِرْعَوْنَ: یہاں بھی گھر کے اندر عقیدے میں میاں، بیوی کا آپس میں مخالف ہونا ہے اسی وجہ سے زوجہ ذکر نہیں کیا ہے اور ان دونوں مثالوں میں عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو تعریض ہے پہلے میں ڈرایا کہ نبی ﷺ کی مخالفت سے اپنے آپ کو بچاؤ اور دوسرے میں فرعون کی بیوی کی طرح اطاعت کی طرف ترغیب ہے، فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا اور وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھیں اور فرعون نے ان کو طرح طرح کی سزائیں دی تھیں اور پھر آخر کار ان کے ہاتھ اور پاؤں کو باندھ لیا اور سخت گرمی میں ان کے جسم پر گرم پتھر رکھ دیے اور ہاتھوں اور پاؤں پر کیلیں ٹھونک دیں اور اس سخت حالت میں انہوں نے یہ دعا مانگی (تفسیر ابن کثیر، مستدرک حاکم 2 / 499 وقال صحیح علی شرط الشیخین ووافقه الذهبی شعب الایمان 2/244 مجمع الزوائد 9/218 وقال رجال الصحیح انظر سلسلة الصحیحة حدیث 2508) رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا: یہ دلیل ہے کہ کسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا زیادہ فائدہ دیتا ہے اور لفظ عِنْدَكَ: میں اس مشہور قول کی طرف اشارہ ہے کہ اُطْلُبِ الْجَارَ قَبْلَ الدَّارِ (گھر سے پہلے اچھے ہمسائے کی معلومات کر) وَعَمَلِهٖ: اس سے مراد اس کے کفر اور شرک کا عمل ہے یا اس کی سزا اور ظلم کرنا مراد ہے۔ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ: اس سے مراد فرعون کی قوم ہے اس لیے کہ وہ کفر اور شرک کے سبب سے ظالم تھے اور موحد بنی اسرائیل پر بڑا ظلم کرنے والے تھے یا اس سے مراد صرف وہ اشخاص ہیں جو فرعون کے حکم سے اس عورت کو سزا دیتے تھے۔

تفسیر 12: یہ اہل ایمان کے لیے دوسری مثال ہے اور اس میں بھی پہلا مقصد یہ ہے کہ دشمن (یہود) مریم علیہا السلام پر طعن کرتے تھے حالانکہ وہ پاکدامن تھی اور اللہ تعالیٰ کے کلمات پر یقین کرنے والی تھی تو دشمنوں کے طعنوں نے اس کو کچھ بھی ضرر نہیں دیا، اللہ کے پاس اس کے مقام و مرتبہ میں بھی کچھ بھی نقصان نہیں ہوا اسی طرح صالح مومن بندے پر اگر دین کے دشمن طعن اور بہتان لگائیں لیکن جب وہ پاکدامن ہو اور کتاب اللہ پر مضبوط ہو تو (دشمنانِ دین) اس کو کچھ بھی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں اسی طرح اس میں ایمان والوں کو ابھارا ہے کہ ایک عورت (بغیر شوہر کے) اللہ تعالیٰ کے دین کے

لیے اپنے اوپر مصائب کو سہتی ہے اور دین بیان کرتی ہے تو تمہیں اس سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے اس لیے کہ تم مرد ہو اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں ان مثالوں کی اچھی تشریح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں تین قسم کی عورتوں کا ذکر ہے: پہلی قسم وہ ہے کہ شوہر مومن ہو اور بیوی کافر تو اسکا ایمان اس بیوی کو فائدہ نہیں دے سکتا ہے دوسری قسم وہ عورت ہے جسکا شوہر کافر ہو اور یہ ایمان والی ہو تو شوہر کا کفر کرنا اس کو کچھ ضرر نہیں دے سکتا ہے۔ تیسری قسم وہ ہے کہ شوہر نہیں ہے نہ مومن اور نہ کافر تو ایسی عورت کو شوہر کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں دے سکتا ہے۔ الَّتِيٓ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا: اشارہ ہے کہ یہود نے ان پر بدکاری کی جھوٹی تہمت لگائی تھی وہ تو پاکدامن تھی بلکہ انہوں نے نکاح اور زنا دونوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھا تھا فَرۡج سے مراد ان کی قمیص کا گریبان ہے اس لیے کہ گریبان میں رُوح پھونکا گیا تھا۔ یا فَرۡج سے مراد معروف معنی ہے اور فِيۡهِ میں مضاف محذوف ہے یعنی فِيۡ جَيۡبِ دِرۡعِهَا (یعنی ان کی قمیص کے گریبان میں) اور اسی طرح سورہ الانبیاء آیت 91 میں گزرا ہے۔ سوال: سورۃ الانبیاء میں فِيۡهَا مونث کی ضمیر ذکر کی گئی ہے اور یہاں مذکر کی ضمیر ہے؟ جواب: فرج کا لفظ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے تو لفظ کے دونوں طرفوں کا حق ادا کیا گیا ہے جیسے نفس کا لفظ ہے نیز سورہ الانبیاء میں لفظ مریم اور بنت نہیں ذکر کیا تھا تو مذکر ہونے کا احتمال دور کرنے کے لیے مونث کی ضمیر ذکر کی اور اس آیت میں مریم اور بنت صراحتاً موجود ہیں تو مونث کی ضمیر کی ضرورت نہیں رہی۔ فَنَفَخۡنَا: اس سے پہلے فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا پوشیدہ ہے جس کے لیے سورۃ مریم آیت 17 قرینہ ہے۔ وَ صَدَّقَتۡ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا: امام فراء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام شرعیہ ہیں جو کلمات کے ذریعے سے تورات اور انجیل میں نازل کئے گئے ہیں اور جبرائیل کے کلمات جو سورۃ مریم آیت 19 اور 21، 24 میں ذکر ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں اور اس صفت کی وجہ سے مریم کو صدیقہ کہا جاتا ہے اور یہ ایمان کے کمال کا مقام ہے۔ وَ كَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِيۡنَ: یہ عمل کے کامل ہونے کے مرتبے کی طرف اشارہ ہے یعنی قوۃ علمیۃ ایمانیہ اور عملیہ ان میں تینوں کامل تھے۔ وَ كَانَتۡ: اپنے معنی میں ہے اور مراد یہ ہے کہ عمل کے لحاظ سے وہ قانتین میں سے تھیں اور مِنۡ: اس معنی میں تبعیضی ہے، یا كَانَتۡ ولادت اور نسب کے اعتبار سے ہے اور مِنۡ ابتدا کے معنی میں ہے اور اَلۡقَانِتِيۡنَ سے مراد ان کا خاندان ہے کہ ہارون علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل میں انتہائی تقوے اور قنوت سے مشہور تھی۔ سوال: الۡقٰنِتِيۡنَ: مذکر ذکر ہوا اسکی وجہ کیا ہے؟ جواب: لفظ قوم پوشیدہ ہے یعنی قَوۡمٍ قَانِتِيۡنَ یا اشارہ ہے کہ شجاعت اور حسن بیان میں ان کی

اطاعت اور اخلاص مردوں کی طرح تھا۔

سورۃ التحریم کی خصوصیات:

۱۔ اللہ تعالٰی کے حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دینا قسم ہے اور موجب کفارہ ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھ پیش آنے والے مسائل کی طرف اشارہ۔

۳۔ شوہروں کی بہترین صفات۔ ۴۔ عقیدے میں اختلاف کی صورت میں رشتہ داری اور زوجیت کے ذریعے نجات ممکن نہیں۔ ۵۔ فرعون کی بیوی کا بعد الایمان مصائب کی طرف اشارہ ہے۔

الحمد للہ سورۃ تحریم کی تفسیر مکمل ہوئی۔

آیاتها ۳۰ — ۶۷ سورۃ الملك مکیۃ ۷۷ — رکوعاتها ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِهِ الۡمُلۡكُ ۫ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوةَ لِیَبۡلُوَكُمۡ اَیُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ﴿۲﴾

"برکتوں والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے[1]۔ وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے اچھے عمل کرنے والا ہے اور وہ غالب معاف کرنے والا ہے"[2]۔

سورۃ الملک اس سورت کے دوسرے نام یہ ہیں:

سورۃ تبارك، المانعة، المنجية، المجادلة، الواقية، المنّاعة.

ربط: اس سورت کا ماقبل سے ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں انسانوں کے ایک دوسرے پر حقوق ذکر ہوئے تو اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق ذکر کرتا ہے جو کہ توحید فی البرکات اَلۡاَسۡمَآءِ وَالصِّفَاتِ ہے اور رسول، قرآن اور قیامت پر ایمان لانا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورت میں انبیاء کی دو بیویوں کے عذاب کا ذکر تھا اور مریم علیہا السلام اور فرعون کی بیوی کی تعریف ذکر ہوئی تو اس سورت میں فرق کا سبب ذکر کرتا ہے جو کہ توحید کا عقیدہ ہے
تیسری وجہ یہ ہے کہ گذشتہ سورت میں نبی ﷺ کی بیویوں اور فرعون کی بیوی اور مریم علیہا السلام پر برکات الٰہی ذکر ہوئے تو اس سورت میں توحید فی البرکات ذکر کرتا ہے چوتھی وجہ اس سورت میں جہنم کی آگ کی ہیبت ایک طریقے کے ساتھ ذکر ہوئی تو اس سورت میں وہ ہیبت دوسرے طریقے سے ذکر کرتا ہے پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس سورت کے آخر میں: كَلِمٰتُ رَبِّهٖ ذکر کیے تھے تو اس سورت میں بعض کلمات کی تفسیر (جو کہ اسماء اور صفات الٰہی اور احکام ہیں) ذکر کرتا ہے۔

سورت کا بنیادی مضمون: دلائل عقلیہ، انفسیہ اور آفاقیہ کے ذریعے سے اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کے ذریعے سے توحید فی البرکات کو ثابت کیا گیا ہے، دلائل بارہ ہیں اور اسماء دس ہیں اور اس میں آیت: 1، 19، 20، 21، 28، 30، شرک فی التصرف کا اور 13، 14، میں شرک فی العلم کا رد ہے۔ سورت کا خلاصہ: 1، 2، 3، میں توحید فی البرکات کا دعویٰ تین عام

دلائل سمیت ذکر کرتا ہے پھر نو عقلی دلائل ذکر کیے ہیں جن میں برکات خاصہ کا ذکر ہے ان برکات سے مراد آسمانوں کی برکات زمین کی برکات اور پرندوں اور انسانوں کی برکات ہیں تفصیل ان کی یہ ہے کہ آیت 4 میں آسمانوں کے متعلق دلیل ذکر کرتا ہے اور آیت 5 میں تاروں کے متعلق دو فائدے دلیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے پھر آیت 6 سے 11 تک ہیبت کی آٹھ قسموں کے ساتھ خوف آخرت ذکر کرتا ہے اور آیت 12 میں مختصر بشارت ہے اور آیت 13، 14 میں اللہ تعالیٰ کے علم کے عموم پر دلیل ہے اور آیت 15 میں بطور دلیل زمین کے احوال اور فائدے ذکر کرتا ہے پھر تین آیتوں میں تخویف دنیاوی ذکر ہے پھر آیت 19 میں پرندوں کے وسطی احوال ہیں پھر آیت 20 اور 21 میں مشرکین کا رد ہے پھر آیت 23 اور 24 میں انسانوں کے احوال کے دلائل ہیں پھر آیت 25، 26 اور 27 میں قیامت کے منکرین کا رد ہے پھر آیت 28، 29 اور 30 میں دو دلائل اعترافیہ ذکر کرتا ہے۔

تفسیر 1 اس آیت میں سورت کا بنیادی مضمون ہے اور اس پر دو عقلی عام دلائل ہیں: تَبٰرَكَ: یہ کلمہ سورۃ اعراف، مؤمنون، غافر، فرقان میں اور سورۃ رحمان اور سورۃ زخرف میں گزرا ہے، برکت اصل میں زیادت کو کہا جاتا ہے چاہے حسی ہو یا عقلی ہو نیز اچھائی کے زیادہ ہونے کو اور ہمیشگی کو کہا جاتا ہے اور باب تفاعل کا صیغہ مبالغے کے لیے ہے تو معنی یہ ہے کہ ذات اور صفات اور افعال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ بہت بڑائی والا ہے اور ہر خیر اور نفع کا پیدا کرنے والا اور دینے والا ہے اور آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس کلمہ کا استعمال غیر اللہ کے لئے منع ہے تو اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ انبیاء اور اولیاء وغیرہ کو نفع کے مالک، ضرر دور کرنے والے، اچھائی دینے والے اور مال اور اولاد میں برکت ڈالنے والے سمجھتے ہیں اور اسکو شرک فی البرکات کہا جاتا ہے: الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ: ید اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی معنی کے ساتھ ثابت ہے لیکن تمثیل اور مخلوق کے ساتھ تشبیہ کے بغیر اور قدرت اور نعمت کے ساتھ تاویل کرنا منع ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت سے انکار کے مترادف ہے، اسی طرح شرح فقہ اکبر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے" چونکہ امر اور نہی کا اختیار، تصرف اور تدبیر چلانا، دن اور رات پیدا کرنا، عزت اور ذلت دینا، زندہ کرنا اور مارنا اور مالداری اور غربت لانا سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو کسی دوسرے سے برکت لینا ممکن نہیں ہے" لہذا یہ عنوان کے لئے پہلی دلیل ہے۔ دوسری دلیل: وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: عام ہے برکت ڈالنا، خیر پیدا کرنا، مرض کو دور کرنا اور بندوں کے کام وغیرہ سب اس میں شامل ہیں مفسر شربینی نے کتاب سراج المنیر میں لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ کوئی تاثیر نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے ماده:

اور کسی چیز کی طبیعت موثر نہیں ہے جیسے دھری اور فلسفی کہتے ہیں اور اسباب بھی بذات خود موثر نہیں جیسے معتزلہ کہتے ہیں اور بندوں کے کام اللہ تعالیٰ کے مقدور اور مخلوق ہیں اور یہ اہل سنت کا مسلک ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی میں برکت ڈالنے کی قدرت نہیں ہے۔

تفسیر آیت 2: یہ عموم کے طریقے پر دعوے کی تیسری دلیل ہے معدوم ہونے کے بعد ہر موجود اس میں شامل ہے۔ سوال: خلق تو ایجاد ہے اور موت تو معدوم چیز ہے تو اس کے ساتھ خلق کی کس طرح مناسبت ہے؟ جواب: کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ عدم والملکہ کے ذریعے سے موت عدمی ہے جیسے بینا کے مقابلے میں نابینا ہے اور ایسی معدوم چیز کی طرف ایجاد کی نسبت ہو سکتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ خلق قدر کے معنی میں ہے اور تقدیر دونوں کو شامل ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ موت سے اولاً باپ کی پیٹھ میں پھر ماں کی رحم میں نطفہ مراد ہے۔ جیسے سورۃ بقرۃ آیت 28 میں اس کو اَمواتًا: کہا ہے چوتھی وجہ یہ ہے کہ موت اور حیاۃ دونوں وجودی ہیں اور انکے درمیان تقابل اور تضاد ہے اس وجہ سے قیامت کے دن موت کو مینڈھے کی صورت دی جائیگی اور پھر اسے ذبح کیا جائیگا اور یہ صحیح بخاری کتاب الدقاق حدیث 6548 اور صحیح مسلم باب فی صفۃ الجنہ و النار حدیث 2850 سے ثابت ہے۔ سوال: زندگی تو پہلے ہے اور موت اسکے بعد ہے تو یہاں کس وجہ سے موت کو پہلے ذکر کیا گیا ہے؟ جواب: کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ موت سے مراد پہلی حالت ہے جو کہ نطفہ ہے جیسے ابھی ذکر ہوا اور یہ حالت دنیاوی زندگی سے پہلے ہے نیز موت بھی حیاۃ اخروی پر مقدم ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ موت اور حیات سے مراد دو مرتبہ موت اور زندگی ہے اور یہ اشارہ یوں ہے کہ مفرد ذکر ہے اور اس سے مراد جنس ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ زندگی کی بہ نسبت قہر اور قدرت کی صفت موت میں خوب واضح ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ موت کو پہلے اس لئے ذکر کیا ہے کہ انسان پر زندگی کی حرص کی بہ نسبت موت کی فکر اور خوف غالب ہو جائے:

لِيَبْلُوَكُمْ: اسی طرح سورۃ ھود آیت 7 اور سورۃ کھف آیت 7 میں بھی گزرا ہے۔ سوال: ابتلاء اور امتحان تو افراد کے درمیان تمیز کے لئے ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر عالم ہے؟ جواب: ابتلاء بلاء سے ماخوذ ہے اور یہ اصل میں حقیقت معلوم کرنے کو کہا جاتا ہے تو معنی یہ ہے کہ اللہ تمہیں تمہارے اعمال کی حقیقت دکھائے گا جیسے سورۃ یونس آیت 30 میں مذکور ہے تو ابھی دنیا میں ہر انسان گمان کرتا ہے کہ میرا عمل اچھا ہے لیکن یہ حقیقت روز قیامت ظاہر ہو جائیگی اور اس توجیہ کی بناء پر الحیاۃ سے مراد اخروی زندگی ہے اور لِيَبْلُوَكُمْ: سے مراد آخرت میں دکھانا ہے تو عمل کی اچھائی آخرت میں واضح

ہو جائیگی دوسرا جواب عام مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ابتلاء سے مراد ایسا معاملہ ہے کہ جو آزمائش کے مشابہ ہے، اور دنیا میں زندگی اور موت کا خوف اس وجہ سے پیدا کیا ہے کہ تمہارے ساتھ امتحان کا معاملہ کرلے کہ کون اچھا عمل کرتا ہے: أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا: فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: أَكْثَرُ عَمَلًا: نہیں کہا ہے اسلئے کہ عمل کی زیادتی مقصود نہیں بلکہ اس کی اچھائی مطلوب ہے اور اچھائی کے لئے دو شرطیں ہیں: ایک اخلاص اور دوسرا سنت کے ساتھ موافق ہونا اگر ان دونوں میں ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو عمل اس کا برباد ہے اگرچہ زیادہ ہو یعنی اگر شرک جلی یا خفی ہو یا سنت کے مخالف ہو بدعت کے طریقے پر یا رسم ورواج اور فسق وفجور کے طریقے پر تو عمل برباد ہوگا: وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ان دونوں صفتوں کے جمع کرنے میں ترتیب کے ساتھ تخویف اور بشارت دونوں ہیں اسلئے کہ انسان اچھا عمل کرنے والا ہوگا تو اس کے لئے مغفرت کے ساتھ بشارت ہے یا برے اعمال والا ہوگا تو اس کے لئے: الْعَزِيزُ: کے ساتھ تخویف ہے۔

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۖ مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤

"وہ ذات جس نے تہہ بہ تہہ سات آسمانوں کو پیدا کیا تو رحمان کے پیدا کرنے میں کوئی نقصان نہیں دیکھے گا پس دوبارہ اپنی نظر کرلیں کیا تو کوئی شگاف دیکھتا ہے [3]۔ پھر دوبارہ اپنی نظر کو بار بار لوٹا دیں تو نظر آپ کی طرف ذلیل ہو کر تھک کر لوٹ آئے گی [4]۔ اور بے شک ہم نے دنیاوی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انکو ہم نے شیطانوں کے مارنے کے لئے ذریعہ بنایا اور ہم نے انکے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے" [5]۔

تفسیر 3: یہ دلیل عقلی برکات سماویہ کے سے متعلق ہے جو کہ چار حالتوں پر مشتمل ہے: (1) سات ہیں (2) تہہ بہ تہہ ہیں (3) ان میں کوئی تفاوت نہیں (4) نقصان سے محفوظ ہیں: طِبَاقًا: یہ سبع کی صفت ہے اور اس میں تین وجوہات ہیں: طبق کی جمع ہے، طبقت کی جمع ہے، طابق کی جمع ہے اور مضاف محذوف ہے ذات طباق اور مراد یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کے اوپر طبقہ بہ طبقہ ہیں یا مراد یہ ہے کہ یہ شکل اور اکثر صفات میں ایک دوسرے کے ساتھ موافق ہیں: خَلْقِ الرَّحْمٰنِ: اس سے مراد آسمانوں کا پیدا کرنا ہے یا عام پیدائش مراد ہے اور رحمان کا لفظ برکات کے مسئلے کے ساتھ مناسب ہے یعنی وہ دنیا کی برکات اور انعامات دینے والا ہے: مِنْ تَفٰوُتٍ: تفاوت عیب، اختلاف اور شگاف کو کہا جاتا ہے یعنی آسمانوں کی

پیدائش میں عیب، اختلاف اور شگاف نہیں دیکھو گے بلکہ یہ شگافوں کے بغیر مکمل ہموار ہیں جیسے سورۃ قٓ (6) میں مذکور ہے یا اس سے مراد حکمت کی رعایت اور خالق پر دلالت کرنے میں اختلاف ہے تو اس بناء پر خلق الرحمان سے تمام مخلوق کی پیدائش مراد ہے اسلئے کہ تمام مخلوق کا وجود یکساں طور پر خالق کے وجود اور توحید پر دلالت کرتا ہے: مِنۡ فُطُوۡرٍ : شگاف اور کمزوری کو کہا جاتا ہے: فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ : اس سے مراد فطور (شگاف) معلوم کرنے کے ارادے سے دیکھنا اور کوشش کرنا ہے۔

تفسیر 4: یہ ماقبل کے لئے تاکید ہے: كَرَّتَيۡنِ : یہ تثنیہ کثرت کے لئے ہے یعنی جتنی بار بھی دیکھو تو شگاف معلوم نہیں کر سکتے ہو اس میں اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت علم کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے ایسے مخلوق کو بنایا ہے جس میں کسی بھی طریقے سے فطور اور کمزوری نہیں ہے اور اسی طرح اس میں تمام انسانوں کے عاجز ہونے کی طرف اشارہ ہے: خَاسِئًا : خَسَأً : دور ہونے کو کہا جاتا ہے یعنی مقصد حاصل ہونے سے دور ہونگے نیز ذلیل اور عاجز کو بھی کہا جاتا ہے: وَّهُوَ حَسِيۡرٌ : فاعل یا مفعول کے معنی میں ہے یعنی تھکے ہوئے یا تھکائے ہوئے اور تحسیر: نادم ہونے کو بھی کہا جاتا ہے۔

تفسیر 5: یہ ایک اور دلیل عقلی ہے جو دیگر آسمانی برکات پر مشتمل ہے جو کہ آسمان کی تزیین (آرائش) ہے اور آسمان کی حفاظت کے لئے شیاطین کو مارنا ہے اور کاہنوں کی تلبیس سے وحی کی حفاظت ہے تو یہ دنیاوی اور دینی نیز ظاہری اور باطنی برکات ہیں چونکہ پہلے آسمانوں کی صفت سلبیہ ذکر کی تو ابھی صفات ثبوتیہ ذکر کرتا ہے: السَّمَآءَ الدُّنۡيَا : اس کی تفصیل سورۃ صافات کے شروع میں گزری ہے اور ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ تارے دوسرے آسمانوں میں نہیں ہیں صرف پہلے آسمان میں ہیں: بِمَصَابِيۡحَ : چھوٹے تاروں کو کہا جاتا ہے جو کہ ثوابت تارے ہیں اسی وجہ سے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ بڑے تارے (سیارات) آسمان کے نیچے اپنے فلک (مدار) میں ہیں اور ثوابت تارے آسمان میں ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ تمام تارے آسمان میں ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ سارے ستارے آسمان سے نیچے ہیں: وَجَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّيٰطِيۡنِ : رُجُوۡمًا : رجم کی جمع ہے اور رجم مصدر ہے مضاف اسکا محذوف ہے یعنی (ذَاتَ رُجُوْمٍ) اور مصدر جمع لایا ہے اشارہ ہے کہ پھینکنے کی بہت سی صورتیں ہیں یا مصدر مفعول کے معنی میں ہے یعنی: مَرۡجُوۡمًا بِهَا۔ لِّلشَّيٰطِيۡنِ : اس سے مراد جنات میں سے وہ شیاطین ہیں جو کاہنوں کے پاس ملائک کی باتیں لیکر آتے ہیں اور ان کے ساتھ جھوٹ ملاتے ہیں جیسے حدیث میں آیا ہے (صحیح بخاری کتاب الادب حدیث 6213)۔ سوال: جب یہ تارے مارے جائیں تو زینت تو خراب ہوجائیگی؟ جواب: تاروں میں سے ایک شعلہ نکلتا ہے جسکو شہاب کہا جاتا ہے اسکے ذریعے سے مارا جاتا ہے جبکہ تارے اپنی جگہ پر باقی رہتے

ہیں جیسے آگ سے دیا جلایا جاتا ہے اور آگ اپنی جگہ باقی رہتی ہے اور اس مارنے میں مقصود یہ ہے کہ وحی کے ساتھ شیاطین اور
کاہنوں کا جھوٹ خلط ملط نہ ہو جائے اور آسمان بھی محفوظ ہو جیسے سورۃ صافات کے شروع میں ذکر ہوا ہے: وَ اَعْتَدْنَا
لَهُمْ: یہ عذاب اُخروی ہے: سَعِيْرٍ: مَسْعُوْرٌ: کے معنی میں ہے تیز جلائی ہوئی۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٦ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝٧
تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝٨ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا
نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝٩ ''اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے
اپنے رب کا انکار کیا جہنم کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے [6]۔ جس وقت یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے اسکا شور سنیں گے
اور وہ جوش مار رہی ہوگی [7]۔ عنقریب مارے غصے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائیگا تو جہنم کے
نگہبان ان سے پوچھیں گے کیا ڈرانے والا تمہارے پاس نہیں آیا تھا [8]۔ وہ جواب دینگے ہاں بے شک ہمارے پاس ڈرانے
والا آیا تھا پھر ہم نے اسکی تکذیب کی اور ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم تو بڑی گمراہی میں ہو'' [9]۔

تفسیر 6، 7 ''وَاَعْتَدْنَا: سے آیت 11 تک آخرت کی آٹھ ہیبتیں ذکر کرتا ہے: وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ: سے مراد وہ لوگ ہیں جو برکات دینے میں شرک کرتے ہیں یعنی غیر اللہ کو برکات دینے والا مانتے ہیں: اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا: جہنم میں گرانا اس طرح ہوگا جیسے لکڑیاں (ایندھن) دور سے آگ میں پھینکی جاتی ہیں: سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا: سورہ ھود آیت 106 میں گزرا ہے کہ جہنم والوں کا زفیر اور شہیق ہوگا اور یہاں یہ ہے کہ جہنم کا شہیق ہوگا تو یہ دونوں حالتیں ہوں گی جہنم کا بھی شور ہوگا اور اہل جہنم کا بھی شور ہوگا لیکن جہنم کا شہیق اس طرح ہوگا جیسے خچر جو کہ خوراک کو دیکھ کر ہنہناتا ہے اسی طرح جہنم لوگوں کے طلب کرنے کے لئے ان کے سامنے ہنہنائے گی اور شہیق گدھے خچر گھوڑے کے سینے کی آواز ہے اور زفیر اسکے گلے کی آواز ہے اور چونکہ زفیر طلب کرنے کے وقت نہیں ہوتا ہے اسی وجہ سے جہنم کی صفت میں زفیر نہیں فرمایا: وَّهِيَ تَفُوْرُ: جیسے پتیلے (دیگچی) میں کچھ پکتا ہے تو وہ زیادہ گرمی کی وجہ سے جوش مارتی ہے یا مراد یہ ہے کہ غصہ کی وجہ سے جوش مارے گی۔

تفسیر 8 یہ سخت غصے سے کنایہ ہے اور جہنم کی یہ ساری صفات حقیقت پر محمول ہیں اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ آگ میں یہ صفات پیدا کرے: كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ: جہنم کے حال کے بعد اہل جہنم کا حال ذکر کرتا ہے اور یہ اشارہ ہے کہ انکا کوئی عذر نہیں ہے اور عذاب کا سبب موجود ہے کیونکہ ڈرانے والا آیا تھا مگر انہوں نے اسکو جھٹلایا تھا: فَوْجٌ: اشارہ ہے کہ اہل

جہنم کی مختلف جماعتیں ہوں گی جیسے سورۃ نبا آیت 18 میں: اَفْوَاجًا: فرمایا ہے اور سورۃ نمل آیت 83 میں بھی اس طرح ہے: سَاَلَهُمْ: یہ سوال حجت کے لازم کرنے کے لئے ہے جیسے سورۃ غافر آیت 50 میں گزرا ہے: نَذِيْرٌ: رسول اور نائبان رسول مراد ہیں اشارہ ہے کہ اللہ تعالی رسول یا اسکے نائب بھیجنے کے بغیر عذاب نہیں دیتا ہے۔

تفسیر 9 اس کلام میں جواب حذف ہے جو کہ: بَلٰى: ہے اور جواب تفصیلی: قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ: زیادہ افسوس اور حسرت کی وجہ سے جمع کیئے گئے ہیں، اور اس طرح سورۃ زمر آیت 71 میں بھی ذکر ہے: وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ: یہ جھٹلانے میں زیادہ مبالغہ ہے جیسے سورۃ انعام آیت 91 اور سورۃ یٰسٓ آیت 15 میں گزرا ہے اور یہ ضد اور عناد کی وجہ سے کہتے ہیں: اِنْ اَنْتُمْ: یہ بھی جھٹلانے کی زیادتی کے لئے کافروں کا قول ہے یا جہنم والوں کو ملائکہ کا قول ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ ع

"اور وہ یہ کہیں گے اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم جہنم والوں میں نہ ہوتے [10]۔ پس وہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے، پس آگ والوں کے لئے تباہی ہے [11]۔ بے شک جو لوگ اپنے رب سے غائبانہ طور پر ڈرتے ہیں اسے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے [12]۔ اور تم اپنی بات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو بے شک وہ تو سینوں کی باتوں کو جانتا ہے [13]۔ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک، باخبر ہے" [14]۔

تفسیر 10 یہ ایسے وقت میں ندامت اور پشیمانی کا اظہار ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں: لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ: حق کا علم حاصل کرنے کے لئے دو طریقے ہیں: ایک قرآن اور سنت کا سننا اور دوسرا عقل اور فکر کے ساتھ اجتہاد کرنا اور یہ دونوں کافروں نے چھوڑے ہیں۔ سوال: بعض علماء نے اس سے تقلید اور اجتہاد ثابت کیا ہے یعنی وہ: نَسْمَعُ: سے مراد تقلید لیتے ہیں؟ جواب: یہ باطل قول ہے اسلئے کہ: نَسْمَعُ: سے مراد: نَذِيْر: (ڈرانے والے) سے آیات اور دلائل سننا ہے اسلئے کہ پہلی آیت میں: نَذِيْر: اور: مَا اَنْزَلَ: کا ذکر گزرا ہے اور نصوص کو سننا اور ان کی پیروی کرنا یہ تو اتباع ہے اس پر تقلید کا اطلاق کرنا تقلید کے معنی سے غفلت کرنا ہے اور اسی وجہ سے مفسر ثیری نے کہا ہے کہ: نَسْمَعُ كَلَامَ الرُّسُلِ: اور قرطبی نے کہا ہے: نَسْمَعُ مِنَ النُّذُرِ یعنی: الرُّسُل: اور ابن کثیر نے کہا ہے کہ: نَسْمَعُ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْحَقِّ: اور جو قول سلف

صالحین کی تفسیر سے مخالف ہوتو وہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے۔ فائدہ: نَسْمَعُ: پہلے ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ دلیل سمعی یعنی وحی پہلی اور اول دلیل ہے اور عقل بعد میں ہے اور اسی طرح معلوم ہوا کہ دلیل عقلی تب معتبر ہوگی جب دلیل سمعی پر مبنی ہو اور لَوْ: شرطیہ ہے تمنا کے لئے نہیں ہے۔

تفسیر 11 یہ ماقبل کا خلاصہ ہے اور صراحت ہے کہ ایسے وقت میں اقرار کرنا اور نادم ہونا کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا ہے۔ بِذَنْۢبِهِمْ: مفرد سے مراد جنس ہے یعنی زیادہ گناہ مراد ہیں۔ جھٹلانا: مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ: کا انکار، رسولوں کو گمراہی کی نسبت کرنا، سمع اور تعقل نہ کرنا اور ان سب کا مرجع ایک ہے جو کہ تکذیب ہے اسی وجہ سے ذنب مفرد کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا: فَسُحْقًا: سُحق اصل میں ایک چیز کا رگڑنا ہے یہاں تک کہ ختم ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے میں استعمال ہوتا ہے اور لعنت اور ہلاکت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے فعل کے مقدر ہونے کے ساتھ منصوب ہے اور یہ جملہ خبریہ ہے یعنی دعائیہ ہے یعنی اے ایمان والو! اس طرح دعا انکے لئے مانگو۔

تفسیر 12 یہ تخویف کے بعد بشارت ہے: يَخْشَوْنَ: جس ذات سے ڈرا جائے اور اس کی تعظیم بھی ملحوظ ہو: بِالْغَيْبِ یہ غائب ہیں یعنی انہوں نے رب کو نہیں دیکھا ہے یا رب کا عذاب ان سے غائب ہے یا یہ ایسے حال میں ہیں کہ لوگوں سے غائب یعنی الگ ہیں یہ سارے معانی مراد ہوسکتے ہیں یہ صفت جھٹلانے والوں کی ان صفات کے مقابل ہے جو پہلے گزر گئیں اس لئے کہ اُن میں خوف کی جگہ تکبر اور تکذیب تھی اتابت کی جگہ ضد اور عناد تھا نیز اُن میں: لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ: کے قرینے کے ساتھ جہالت تھی اور ان میں کتاب اور سنت کا علم ہے اس لئے کہ: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا کے قرینے کے ساتھ خشیت علم کو مستلزم ہے۔

تفسیر 13، 14 یہ سورت کے دعوے پر دلیل ہے ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کے علم کو ثابت کرنے کے ذریعے سے چاہے وہ چیز پوشیدہ ہو یا ظاہر دلوں میں ہو یا باہر: وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ: حرف: اَوْ: جو اختیار اور برابری پر دلالت کرتا ہے قرینے سے یہ صیغہ خبر کے معنی میں ہے یعنی تمہاری خفیہ باتیں اور ظاہری باتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک جیسی ہیں جیسے سورۃ رعد آیت 10 میں بھی گزرا ہے اور: قَوْلَكُمْ: عام ہے خیر کی بات ہو یا شر کی ہو مخاطب ایمان والے ہوں یا کافر ہوں اور کافروں کو خطاب میں ڈانٹ کا معنیٰ ہے اور ایمان والوں کو خطاب میں تسلی ہے: مَنْ خَلَقَ: مَنْ يَعْلَمُ: کا مفعول ہے اسلئے کہ علم معرفت کے معنی کے ساتھ ایک مفعول چاہتا ہے تو: مَنْ خَلَقَ: سے مراد مخلوق ہے یا مَنْ: فاعل ہے اور مفعول کو تعمیم کی وجہ سے حذف

کیا ہے اور بِمَنْ خَلَقَ: سے مراد خالق ہے اور دونوں وجوہ میں اشارہ ہے کہ خلق علم کو مستلزم ہے اس لئے کہ بغیر علم کے بنانا نہیں ہوسکتا اور اسوجہ سے قرآن کریم عموماً تصرف اور قدرت کے دلائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کی دلیل کو یکجا ذکر کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ "اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع کر دیا پس تم اس کے راستوں میں چلو اور اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے [15]۔ کیا تم اسکا جو آسمان میں ہے اس بات سے خوف نہیں کرتے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے تو یکایک زمین جنبش کرنے لگے [16]۔ کیا تم اس کا جو آسمان میں ہے اس بات سے خوف نہیں کرتے کہ وہ تم پر پتھر برسائے عنقریب تم جان لوگے کہ میرا ڈرانا کیسا ہوا [17]۔ اور یقیناً ان لوگوں نے جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے تو میرا عذاب کس طرح سخت ہوا" [18]۔

تفسیر 15 اس آیت میں دوسری دلیل ہے یعنی آسمانی برکات کے بعد زمین کی برکات ذکر کرتا ہے: ذَلُوْلًا: اس چیز کو کہا جاتا ہے جو فائدے لینے کے لئے آسان اور تابع ہو کچھ انکار اس میں نہ ہو تو زمین بھی اسی طرح فصلوں اور چشموں اور نہروں اور کنووں کی کھدائی کے لئے مناسب ہے نہ زیادہ سخت ہے نہ زیادہ نرم ہے اور پہاڑوں کے ذریعے سے مضبوط کی گئی ہے: فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا: اس میں اسباب طلب کرنے، کمانے، تجارت کے لئے سفر کرنے اور طلب علم اور دعوت کی طرف اشارہ ہے۔ مَنَاكِب: منکب کی جمع ہے طرف اور انسان کے کندھے کو کہا جاتا ہے یہاں مراد اطراف، راہیں اور پہاڑ وغیرہ ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ زمین ایک مرکوبہ (سواری) ہے کہ انسان اسکے کندھوں پر سواری کرتا ہے: وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ: شہاب نے کہا ہے کہ اس سے مراد رزق کے حصول کے لئے اسباب تلاش کرنا اور کوشش کرنا ہے اور رزق کھانے پینے اور لباس وغیرہ سب کو شامل ہے لیکن چونکہ بڑا مقصد طعام ہے اسی وجہ سے طعام کی تخصیص کی ہے: وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ: یہ قیامت کو یاد دلایا ہے تا کہ انسان رزق تلاش کرنے میں قیامت سے غافل نہ ہو جائے۔

تفسیر 16 اس آیت اور اسکے بعد والی آیت میں تخویف دنیاوی ہے یعنی جب آسمان و زمین کی نعمتیں ذکر کیں تو ابھی ذکر کیا جا رہا ہے کہ شرک فی البرکات کے سبب سے یہ انعامات عذاب کا سبب ٹھہرتے ہیں، پہلی آیت میں زمین کا عذاب مذکور ہے اور دوسری آیت میں آسمانی عذاب اور تیسری آیت میں گزرے ہوئے جھٹلانے والوں کے عذاب کے نمونے

مذکور ہیں: مَّنۡ فِي السَّمَآءِ: قرطبی نے کہا ہے کہ (فی) فوق یا علی: کے معنی میں ہے اور یہ اور دوسرے کثیر دلائل اللہ تعالیٰ کے علو اور بلند ہونے پر دلالت کرتے ہیں اس سے انکار کرنے والا جاہل عنادی یا ملحد ہے تو: خَالِقُ مَنۡ فِي السَّمَآءِ: یا مُتَصَرِّفٌ فِي السَّمَآءِ: وغیرہ تاویل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ بہت بلند ذات ہے لہذا نیچے لوگوں کے عذاب پر قادر ہے ایسے طریقے پر کہ قارون کی طرح انکو زمین میں دھنسا دے: فَإِذَا هِيَ تَمُورُ: مور اضطراب کے ساتھ آنے جانے اور حرکت کرنے کو کہا جاتا ہے یعنی جب زمین میں انکو دھنسا دیا جائیگا اور پھر یہ زمین ہلے گی تو یہ مزید نیچے چلے جائینگے اور مور آسمان کی صفت میں بھی آیا ہے فناء کے وقت میں جیسے سورۃ طور آیت 9 میں ہے۔

تفسیر 17 یہ بھی تخویف دنیاوی ہے: حَاصِبًا: پتھر پھینکنے کو کہا جاتا ہے یعنی ایسی ہوا یا بارش یا دوسری چیز جو پتھر برسائے لوط علیہ السلام کی قوم کی طرح جیسے سورۃ قمر آیت 34 میں ہے یا اصحاب فیل کی طرح: كَيۡفَ نَذِيرِ: راء کی زیر کے ساتھ ہے اصل میں: نَذِيرِي: تھا وقف کی وجہ سے یا ساقط ہوگئی اسی طرح: نَكِيرِ: بھی ہے پھر نذیر انذار کے معنی کے ساتھ مصدر ہے یا اپنے معنی میں ہے یا مضاف محذوف ہے یعنی: عَاقِبَةُ إِنۡذَارِي: اور یاء کے حذف کرنے میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں پر ایسا عذاب آئے گا کہ انکی عاقبت (انجام) خراب ہو جائے گی۔

تفسیر 18 تخویف دنیاوی کی تاکید کے لئے گزشتہ اقوام کے عذاب کی طرف اشارہ کرتا ہے اور مشترک علت ذکر کرتا ہے جو کہ تکذیب ہے: نَكِيرِ: انکار سے ہے اور انکار کا معنی ناآشنا عذاب دینا ہے۔

أَوَلَمۡ يَرَوۡا إِلَى الطَّيۡرِ فَوۡقَهُمۡ صَٰٓفَّٰتٖ وَيَقۡبِضۡنَۚ مَا يُمۡسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحۡمَٰنُۚ إِنَّهُۥ بِكُلِّ شَيۡءِۭ بَصِيرٌ ﴿١٩﴾ أَمَّنۡ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٞ لَّكُمۡ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحۡمَٰنِۚ إِنِ الۡكَٰفِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿٢٠﴾ أَمَّنۡ هَٰذَا الَّذِي يَرۡزُقُكُمۡ إِنۡ أَمۡسَكَ رِزۡقَهُۥۚ بَل لَّجُّواْ فِي عُتُوّٖ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾

''کیا یہ اپنے پر کھولے ہوئے اور (کبھی) سمیٹے ہوئے اڑنے والے پرندوں کو نہیں دیکھتے نہیں تھامے رکھا انکو مگر رحمان نے بیشک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے [19]۔ تمہارا وہ کونسا لشکر ہے جو رحمان کے سوا تمہاری مدد کرے بلکہ کافر دھوکے میں ہیں [20]۔ بلکہ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک دے بلکہ یہ سرکشی اور نفرت میں ہیں'' [21]۔

تفسیر 19 وہ دوسری دلیل ہے پرندوں کے بارے میں جو کہ عقلی وسطی ہے یعنی برکات وسطیہ ذکر کرتا ہے اور پہلے کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جیسے (اللہ تعالیٰ نے) زمین کو انسانوں کے لئے ذلول (تابع) ٹھہرایا ہے اسی طرح ہوا (فضاء) کو

پرندوں کے لئے (تابع) ٹھہرایا ہے: الطَّيْرِ: جنس مراد ہے زیادہ شامل ہے اسلئے بعد میں جمع کی ضمیریں اس کی طرف راجع کی ہیں: فَوْقَهُمْ: اشارہ ہے کہ پرندے جب زمین پر ہوں یا درختوں پر بیٹھے ہوں تو یہ بعد والی صفت ان میں معلوم نہیں ہوتی یہ صفت اس وقت ہے جب یہ فضاء میں بلند ہوں: صَافَّاتٍ وَّيَقْبِضْنَ: یہ دو حالتیں ذکر کرتا ہے یعنی کبھی پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں اور اس میں فعل کا عطف اسم پر ہوا ہے اور یہ فصیح کلام میں جائز ہے بشرطیکہ فعل میں اسم کا معنیٰ مراد ہو پہلے اسم لیکر آیا اور دوسرا فعل ذکر کیا اس وجہ سے کہ پرندے فضاء میں زیادہ تر پروں کو پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں: مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ: لفظ رحمان دنیاوی برکات کے عموم پر دلالت کرتا ہے اور اس حصر میں واضح دلیل ہے کہ کوئی بھی نبی، ولی، ملائک، جن وغیرہ اس کام کا اختیار نہیں رکھتا ہے اس طرح سورۃ نحل آیت 79 میں بھی گزرا ہے لیکن فرق کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں صرف نعمت کی تذکیر (یاد دہانی) مقصود تھی اور اس سورت میں پرندوں کے حالات کا تفصیلی ذکر مقصود ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات ہیں۔

تفسیر 20 چونکہ مشرکین شرک فی البرکات کا عقیدہ دو امیدوں کی وجہ سے رکھتے ہیں ایک مدد و نصرت کی امید اور دوم رزق کی امید تو ان کا رد کرتا ہے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے اختیار اور قدرت میں نہیں ہیں تو کس وجہ سے یہ شرک فی البرکات کرتے ہیں؟! یہ مشرکین کے لئے زجر ہے: أَمَّنْ: اصل میں: أَمْ مَنْ: ہے استفہام الزام حجت کے لئے ہے اور: مَنْ: مبتدا ہے اور: هٰذَا: اس کے لئے خبر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر اس معبود کی طرف اشارہ ہے جس کو مشرکین برکات دینے میں شریک سمجھتے ہیں اور وہ ہر مشرک کے ذہن میں حاضر کی طرح محسوس ہوتا ہے اسی وجہ سے هٰذَا: کے ساتھ اشارہ کیا ہے: الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ: یہ جملہ: هٰذَا: سے بدل ہے: جُنْدٌ: سے حفاظت کرنے والا، مدد کرنے والا (سپاہی، فوجی، چوکیدار) مراد ہے اور یہ مشرکین کے عقیدے میں اسی طرح ہیں: يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ: یہ جملہ: جُنْدٌ: کی صفت ہے۔ اور چونکہ: جُنْدٌ: سے مقصود مدد کرنا ہے تو یہ صفت اس وجہ سے ذکر کی ہے اور یہ محل، استفہام کے لئے ہے اور استفہام انکاری ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ تم پر اپنی برکات بند کر لے اور تم پر مصائب لے آئے تو کیا یہ معبود تم سے وہ مصیبت دور کر سکتے ہیں اور کچھ برکت دے سکتے ہیں؟ جیسے اس طرح سوال اور جواب سورۃ زمر آیت 38 اور سورۃ مومنون آیت 88 میں بھی ذکر ہے: إِنِ الْكٰفِرُوْنَ إِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ: دھوکا یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ معبود انکے لئے نفع اور نقصان کے مالک ہیں اور انکی عبادت قرب الٰہی کے لئے سبب ہے۔

تفسیر 21 یہ شرک پر دوسری ڈانٹ ہے: اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ: اس کی جزا محذوف ہے اور اسکا ماقبل جزا پر دلالت کرنے والا ہے رزق کا روکنا یہ ہے کہ اسکے اسباب بند کر لے، بارش نہ برسائے، زمین کو سخت کردے پانی خشک کردے، آگ ختم کردے، منہ بند کردے، گلہ بند کردے، وغیرہ تو کوئی پیر، فقیر وغیرہ ہے جو روزی کے یہ اسباب پیدا کردے (نہیں ہے) تو انسان کی روزی انسان کی زندگی کا بڑا مقصد ہے انکے معبود اس سے عاجز ہیں تو وہ عبادت کا کچھ حق نہیں رکھتے ہیں اور یہ دلیل سورۃ عنکبوت 17 اور سورۃ نحل 83 میں ذکر ہے: بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ: بَلْ ڈانٹ کی ترقی کے لئے ہے یعنی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ناصر اور رازق نہیں ہے تو چاہیے تھا کہ یہ لوگ شرک سے توبہ کر لیتے لیکن یہ خود ضد اور عناد پر اڑ گئے ہیں: لَجُّوْا الجاج (زبر کے ساتھ) موانع کے باوجود زبردستی کسی چیز میں گھسنا اور لمبے عرصے تک ضد اور عناد کرنا اور اس پر مضبوط ہونا ہے: فِيْ عُتُوٍّ: فِيْ کا حرف انغماس (خوب گھسنے) پر دلالت کرتا ہے: عُتُوٍّ: سرکشی جو حد سے گزر جائے: نُفُوْرٍ: تکبر کی وجہ سے حق سے بھاگنا اور نفرت کرنا اور حق اور اہل حق کو حقیر سمجھنا۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ "کیا وہ شخص جو اپنے منہ کے بل اوندھا چل رہا ہے زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو راہِ راست پر چل رہا ہے [22]۔ آپ کہہ دیجئے وہی اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت کم شکر کرتے ہو [23]۔ کہہ دیجئے کہ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے" [24]۔

تفسیر 22 یہ بھی وعید ہے کہ مشرک بے دلیل چل رہے ہیں اور اسی طرح جاہلوں کے وہم کو دور کیا گیا ہے ان میں سے بعض موحد اور مشرک کو ایک طرح سمجھتے ہیں اور بعض مشرکین کو ہدایت والے اور ایمان والوں کو گمراہ سمجھتے ہیں تو اس آیت میں اس وہم کا رد کیا ہے: يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ: اس میں سالکین اور مسلکوں کی تمثیل ذکر کرتا ہے پہلا سالک (راہ پر چلنے والا) جو سر اور منہ کو نیچے کیے ہوئے ہو سامنے نہیں دیکھ رہا ہو اور چل رہا ہو اور راہ بھی دشوار ہو تو (ایسا سالک) گڑھوں اور جھاڑیوں وغیرہ سے نہیں بچ پائے گا بلکہ ایک گڑھے میں گر جائیگا اور اپنے مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ پائے گا اور دوسرا سالک جو سر اور منہ کو بلند کیے ہوئے ہو اور اس کی کمر بھی سیدھی ہو اور راہ بھی سیدھی ہو اور مقصود تک پہنچنے والی ہو تو یہ شخص اپنے مقصود

تک آسانی سے پہنچ جائے گا۔ تو پہلی مثال ایسے مشرک گمراہ مقلد کی ہے جو اندھی تقلید کرتا ہے اس نے سرنیچے کیا ہوتا ہے یعنی دلیل کو نہیں دیکھتا اور نہ دلیل والوں کے پیچھے چلتا ہے اور اس کا مسلک بھی حق کے خلاف ہے اور دوسری مثال ایسے موحد اور دلیل کے پیروکار کی ہے کہ وہ تحقیق اور دلیل پر عمل کرتا ہے اور اس کا مسلک بھی صحیح دلائل کے ساتھ ثابت ہے۔ تو یہ دونوں ایک جیسے نہیں ہوسکتے ہیں اور یہ دوسرا یقیناً ہدایت پر ہے اور پہلا شخص یقیناً گمراہ ہے اور یہ حالت دونوں گروہوں کی قیامت میں بھی ہوگی جیسے کافر کا حال سورۃ اسراء آیت 97 اور سورۃ فرقان آیت 34 میں بھی ذکر ہے۔

تفسیر 23 اس آیت میں انسان کے نفس میں جو برکات سمودی گئی ہیں ان کا ذکر ہے جو سورۃ کے دعویٰ کے لئے بطور دلیل عقلی ہے: أَنْشَأَكُمْ: اس لفظ میں انسان کی پیدائش کی طرف مختلف اطوار (نطفہ، علقہ، مضغہ، عظام، روح پھونکنے) کے ساتھ اشارہ ہے کیونکہ انشاء کا معنی آہستہ آہستہ سے ترقی دینا ہوتا ہے: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ: یہ تین نعمتیں بطور خاص ذکر کیں اس وجہ سے کہ یہ علم اور سمجھ کے حاصل کرنے کے لئے اسباب ہیں پھر محسوسات کا علم معقولات پر مقدم ہے اسوجہ سے سمع اور بصر: أَفْئِدَةً: سے پہلے ذکر کئے: قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ: یہ شرک کرنے پر زجر ہے اس لئے کہ بڑی ناشکری بدن اور ان اعضاء کا غیر اللہ کی تعظیم میں استعمال کرنا ہے اور اس طرح سورۃ مؤمنون آیت 78 میں اور سورۃ نحل آیت 78 میں گزرا ہے۔

تفسیر 24 یہ دوسری دلیل انفسی ہے ایک شخص کی نسل کو بڑے پیمانے پر پھیلانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکات میں سے ہے پہلی دلیل میں انسان کی ایجاد کو ذکر کیا اور اس میں فناء اور حشر کے ذکر کے ساتھ بقاء ذکر کرتا ہے جیسے سورۃ مؤمنون آیت 78 میں ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا
رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تَدَّعُونَ ﴿٢٧﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ
اللَّهُ وَمَن مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمَٰنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ
فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَاءٍ مَّعِينٍ ﴿٣٠﴾ ع

"اور یہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب (پورا ہوگا) اگر تم سچے ہو [25]۔ آپ کہہ دیجئے بیشک اس کا علم اللہ کے پاس ہے اور میں واضح ڈرانے والا ہوں [26]۔ جب اس کو قریب دیکھیں گے تو ان لوگوں کے چہرے سیاہ ہو جائینگے جنہوں نے کفر کیا اور

کہا جائے گا یہی ہے وہ جس کو تم طلب کرتے تھے [27]۔ آپ کہہ دیجئے کیا تم نے دیکھا ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے پس کون ہے جو کافروں کو دردناک عذاب سے پناہ دے [28]۔ کہہ دیجئے کہ وہ رحمان ذات ہے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم نے اس پر بھروسا کر لیا ہے پس عنقریب تم جان لوگے وہ کون ہے جو صریح گمراہی میں ہے [29]۔ آپ کہہ دیجئے کیا تم نے دیکھا ہے اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے پاس آب رواں لے آئے" [30]۔

تفسیر 25 یہ حشر کے انکار پر زجر ہے اور: إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ: کے متعلق ہے اور اسی طرح سورۃ یونس آیت 48، سورۃ نحل آیت 71 سورۃ سبا آیت 29 اور سورۃ یٰسٓ آیت 18 میں بھی ہے ان سب میں استفہام انکار اور استہزاء کے طور پر ہے اور ہر جگہ اسکا مناسب جواب ذکر کیا گیا ہے: صٰدِقِيْنَ: اس خبر میں سچے ہیں کہ: إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ۔

تفسیر 26 یہ اللہ تعالیٰ کے علم کی جانب سپردگی کے ذریعے سے ان کے سوال کا جواب ہے جیسا کہ سورۃ اعراف 187 میں گزرا ہے: نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ: یعنی میرا کام یقینی خبر دینا ہے اور دلیل کے ساتھ اسکو ثابت کرنا ہے ڈرانے کے وقت کا علم ہونا لازم نہیں ہے۔

تفسیر 27 یہ بھی جواب ہے مگر بطور خوف ہے: فَلَمَّا رَاَوْهُ: اس سے مراد زمانہ مستقبل ہے اور یقین کے لئے ماضی کا صیغہ لایا (هُ) کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے حشر اس پر دلالت کرتا ہے: زُلْفَةً: مصدر مفعول کے معنیٰ میں ہے یعنی قریب سِيْٓـَٔتْ: یہ سَآءَ سے غم کے معنی میں ہے بِئْسَ: کے معنی میں نہیں ہے یا: اِسْوَدَّتْ (سیاہ ہوجائینگے) کے معنی میں ہے تَدَّعُوْنَ: دعا سے باب افتعال ہے زیادہ طلب کرنے یا تمنا کیں کرنے یا جلدی مانگنے کے معنی میں ہے ادّعاء طلب اور جھوٹے دعوے میں استعمال ہوتا ہے یعنی مانتے نہیں اور طلب کرتے ہیں۔

تفسیر 28، 29 یہ دوسری دلیل عقلی اعترافی سکوتی ہے نیز اس میں منکرین کی ایک بات کے جواب میں تعلیم کے طریقے ذکر کیے ہیں کہ یہ نبی اور ایمان والے مرجائینگے اور ہم ان سے چھٹکارا حاصل کرلینگے جیسے سورۃ طور 30 میں ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ نبی اور اسکے صحابہ ہمارے معبودوں کی مخالفت کرتے ہیں تو ان پر عذاب آئیگا تو جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہماری فکر نہ کرو اپنی فکر کرو کہ تم پر عذاب آئے تو تمہیں کون بچائیگا ہم تو رحمان ذات یعنی صرف ایک اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں وہ ہمیں بچالے گا: اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ: اہلاک جلدی آنے والی موت کے معنی میں ہے اور رحم مہلت اور موت کے موخر ہونے

کے معنی میں ہے یا اہلاک عذاب کے معنی میں ہے اور رحم نصرت اور اسلام کے غلبے کے معنی میں ہے اور اس شرط کی جزاء پوشیدہ ہے بعد والا کلام اس پر دلالت کرتا ہے (ہمارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور اس کی مشیت کا عقیدہ رکھتے ہیں) فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ: اس کی شرط اصل میں پوشیدہ ہے یعنی جب کبھی اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے واضح کفر کی وجہ سے دنیا کا عذاب یا آخرت کا عذاب لے آئے تو اسے کافرو! تمہیں کون بچائے گا؟؛ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ: یہ جزاء مقدر کی دلیل ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی خلاصہ یہ ہے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی رحمانیت (کہ صرف وہ برکات دینے والا ہے کوئی اسکا شریک نہیں ہے) پر ایمان رکھتے ہیں اور اگر تکلیف آتی ہے تو اس پر توکل کرتے ہیں تو ہماری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب نہیں دے گا اور ہمیں تکالیف سے بچائیگا: اٰمَنَّا بِهٖ: اس سے مراد شرک فی البرکات کی نفی ہے اور اللہ کے لئے توحید فی الرحمانیت کا ثبوت ہے: وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا: اس میں شرک فی التصرف اور فی العلم کے رد کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ توکل شرعی کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہر نفع اور ضرر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور بغیر شرکت کے اس کو علم اور حکمت والا سمجھتے ہیں: فَسَتَعْلَمُوْنَ: یہ علم عذاب آنے کے وقت حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر 30 یہ بھی دلیل اعترافی سکوتی ہے اور عذاب کی ایک مثال ذکر کرنے کے ذریعے سے تخویف ہے جو کہ پانی کا خشک ہونا ہے: غَوْرًا: زمین میں اسی طرح اندر جائے اور خشک ہو جائے کہ زمین کھودنے سے بھی دوبارہ نہ نکلے اور اس سے مراد نہروں، چشموں اور کنووں کا پانی ہے: غَوْرًا: مصدر فاعل کے معنی میں ہے: مَّعِيْنٍ: عین سے مفعول کا صیغہ ہے یعنی ظاہری آنکھیں اس کو دیکھ لیں یا معن سے فعیل کا صیغہ ہے یعنی زیادہ پانی، جاری و آب رواں اور میٹھے پانی کو بھی کہا جاتا ہے اور اس سوال کا جواب مشرکین کی طرف سے بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ پانی نکال سکتا ہے اور اس پانی میں بہت سی برکات الٰہیہ ہیں تو لازماً معلوم ہوا کہ برکات دینے والا ایک اللہ تعالیٰ ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات

۱۔ عقلی دلائل کا کثرت سے ذکر۔ ۲۔ آخرت کی سخت وعید کا ذکر۔ ۳۔ مشرکین پر سخت ترین رد۔

۴۔ مختلف (16) نعمتوں کا فائدہ ذکر ہے۔ ۵۔ مقلد و متبع کے درمیان فرق۔

۶۔ وحی اور عقلی دلائل سے انحراف سبب عذاب ہے۔

الحمدللہ! سورۃ ملک کی تفسیر مکمل ہوئی

ایاتھا ۵۲ | ۶۸ سورۃ القلم مکیۃ ۲ | رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ ”اللہ تعالیٰ اس کی مراد کو جانتا ہے اور قسم ہے قلم کی اور ان چیزوں کی جو وہ لکھتے ہیں [1]۔آپ اپنے رب کی نعمت سے دیوانے نہیں ہیں [2]۔اور آپکے لئے بے انتہاء اجر ہے [3]۔اور بے شک آپ بڑے اخلاق کے مرتبے پر فائز ہیں“ [4]۔

سورت کا ربط: اس سورت کا دوسرا نام سورۃ نون ہے پہلی سورت کے ساتھ اس سورت کا ربط کئی طریقوں سے ہے: **پہلا طریقہ** یہ ہے کہ اُس سورت میں توحید کو ثابت کیا تھا تو اس سورت میں رسالت کو ثابت کیا ہے **دوسرا طریقہ** یہ ہے کہ سابقہ سورت میں دلائل کے ساتھ توحید کا ذکر تھا تو اس سورت میں توحید کی طرف دعوت دینے پر ترغیب اور بہادری ہے۔ **تیسرا طریقہ** یہ ہے کہ اُس سورت میں تخویف دنیاوی کو اجمالاً بیان کیا تو ابھی اس سورت میں مثال کے طور پر باغ والوں کا واقعہ ذکر کرتا ہے **چوتھا طریقہ** یہ ہے کہ اس سورت میں توحید پر دلائل ذکر ہوئے تو اس سورت میں ذکر کرتا ہے کہ منکرین کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ **سورت کا بنیادی مضمون:** دعوت دینے پر ابھارنا اور مداہنت (سستی) سے ڈرانا اور آیت 29 میں توحید ذکر ہے اور آیت 7 میں شرک فی العلم کا رد ہے اور دو اسمائے حسنیٰ ذکر ہوئے ہیں۔ **سورت کا خلاصہ:** اس سورت میں دو باب ہیں: پہلا باب آیت 34 تک ہے اس میں رسول کی سچائی پر شہادت ذکر کرتا ہے اور آیت 7 تک سچائی اور تسلی دینے کے لئے پانچ جملے ذکر کئے ہیں اور پھر مداہنت (سستی) سے ڈرایا گیا ہے اور آیت 15 تک مخالفت کرنے والے کی دس قبیح صفات ذکر کی ہیں اور پھر آیت 33 تک شرک فی البرکات کے سبب سے عذاب کے نزول پر (تخویف دنیاوی کے طور پر) باغ والوں کا واقعہ اور انکی توبہ ذکر کی گئی ہے۔ دوسرا باب آخر تک ہے اس میں 34 میں مختصر بشارت ذکر ہے پھر آیت 41 تک منکرین کے لئے زجر ہے کہ انکے پاس کوئی دلیل (دلیل عقلی ونقلی کتاب سے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ شرک کے جواز پر، بڑوں کی تقلید اور ان سے دلیل لانا پھر 42،43 میں تخویف آخروی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے اور منکرین کی تخویف۔

کے ذریعے سے تشجیع ہے کہ انکے پاس انکار کا کوئی عذر نہیں ہے نیز صبر کی تلقین ہے اور یونس علیہ السلام کے واقعے کے ذریعے سے مرتبہ اجتباء کے حصول کے لیئے اللہ کی طرف عاجزی کرنے کا ذکر ہے آیت 50 تک اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے ساتھ منکرین کے لیئے زجر ہے۔

تفسیر 1 (نٓ) حروف مقطعات میں سے ہے اس میں مقصود قرآن کے اعجاز کو ظاہر کرنے کے لئے تحدی (چیلنج) ہے یا یہ اس سورت کا نام ہے یا اس سے مراد دوات ہے۔ اسی طرح بہت سی روایات مفسرین نے ذکر کی ہیں لیکن ان میں اکثر اسرائیلیات ہیں: وَالْقَلَمِ: یہ قسم ہے اور قسم کی تحقیق سورۃ یٰسٓ کے شروع میں گزری ہے اور قلم کے بارے میں بھی مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں: راجح یہ ہے کہ جنس قلم مراد ہے کہ اس کے تحت تفسیر عزیزی میں بیس (20) قسمیں لکھی ہیں اور یہ اقسام لکھنے والوں کے سبب سے ہیں اور لکھنے والوں کی قسموں پر بھی قسم ہے: وَمَا يَسْطُرُوْنَ: میں وہ اقسام یہ ہیں: (1) قلم اعلام (2) قلم تقدیر (3) قلم اهل النجوم (4) قلم اهل التاریخ (5) قلم الملاء الاعلی (6) قلم کراما کاتبین (7) قلم الفقهاء (8) قلم الاطباء (9) قلم القضاة (10) قلم اهل الفتوی (11) قلم اهل الفرائض (12) قلم اهل الحساب (13) قلم الحکماء (14) قلم اهل الفصاحة والبلاغة (15) قلم الشعراء (16) قلم اهل العربیة (17) قلم الامراء (18) قلم اهل التجارة (19) قلم الکاتبین للحقوق (20) قلم المعلّمین۔

قلم پر قسم کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ہر قسم کے علوی اور سفلی کاتب، اہل حق یا اہل باطل جو انصاف اور عدل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھیں تو ضرور لکھدیں گے کہ یہ نبی سچا اور دانا ہے یعنی یہ سب ان کی سچائی کے دلائل ہیں۔

تفسیر 2 یہ پہلا جواب قسم ہے اور اس میں کافروں کے قول کا رد ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے اور ان پر جنات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے: بِنِعْمَةِ رَبِّكَ: یہ مجنون کے ساتھ متعلق ہے اور نعمت سے مراد قرآن اور وحی ہے یعنی قرآن بیان کرنے کے ذریعے سے اس رسول پر جنون نہیں آیا ہے اور قرآن دیوانہ ہونے کے لئے سبب نہیں ہوسکتا ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے یعنی آپ دیوانے نہیں ہیں یہ اللہ تعالی کی نعمتوں کا شکر ہے یا نعمت سے مراد عصمت ہے اور باء سببیہ ہے۔

تفسیر 3 اس میں دوسری تسلی ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ قرآن جنون کے لئے سبب نہیں ہے لیکن چونکہ قرآن کی طرف دعوت دینے میں مصائب زیادہ ہیں تو آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ یہ آپ کے لئے بے انتہا اجر کا سبب ہے: مَمْنُوْنٍ: مَنّ: قطع اور انتہاء کو کہا جاتا ہے حساب اور جتلانے کو بھی کہا جاتا ہے۔ سوال: اسی طرح سورۃ انشقاق 25 اور سورۃ تین 6 میں امت

کے لئے بھی آیا ہے تو نبی میں اسکا حصر نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہاں لَكَ کو مقدم ذکر کیا (جس سے حصر سمجھ میں آتا ہے) ؟ جواب: یہ ہے کہ یہاں دعوت اور تبلیغ کا اجر مراد ہے اور ان دونوں سورتوں میں اجر سے مراد جنت ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امت میں سب سے پہلے حق کی طرف دعوت دینے والے ہیں تو قیامت تک جتنے لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں تو ان کے ثواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ضرور حصہ ہے صحیح حدیث میں ہے کہ جو کوئی ہدایت وسنت کی طرف دعوت دے تو اس کے لئے بھی اتنا اجر ہے جتنا اس پر عمل کرنے والے کے لئے ہے (متفق علیہ)۔

تفسیر 4 یہ تیسری تسلی ہے اور یہ ان کافروں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ یہ نبی فسادی اور شریر ہے اور (باطل) معبودوں اور بڑوں کو برا بھلا کہتا ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے بڑے اچھے اخلاق ہیں ان کو یہ نسبتیں کرنا انتہائی غلط ہے: خُلُقٍ عَظِيْمٍ: عادت اور ادب نیز زندگی کے طریقے اور دین کو بھی کہا جاتا ہے اور صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین حدیث 746 کی حدیث میں ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا ابن کثیر نے کہا ہے کہ مطلب اسکا یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو اوامر اور نواہی ذکر ہوئے ہیں تو ان پر عمل کرنا ان کا خُلق اور عادت تھی اور حیاء، کرم، شجاعت، عفو ودرگذر، بردباری اور ہر اچھی عادت اور اسی طرح ایمان والوں کی وہ صفات جو قرآن کریم میں سورۃ احزاب 35 سورۃ مؤمنون 1 سے 9 تک اور آیت 57 سے آیت 61 تک اور سورۃ معارج 22 سے 34 تک ذکر ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اعلیٰ طریقے پر موجود تھیں اور اسی طرح محدثین نے ان کے شمائل میں بہت سارے احادیث صحیحہ نقل کی ہیں۔

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۪ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝

"پس عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لینگے [5]۔ کون تم میں دیوانہ ہے [6]۔ بیشک تمہارا پروردگار ہی جانتا ہے جو اس کی راہ سے ہٹ گیا اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو جانتا ہے [7]۔ پس تم تکذیب کرنے والوں کی بات نہ ماننا [8]۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم نرم ہو جاؤ تو وہ بھی نرم ہو جائیں" [9]۔

تفسیر 5، 6 یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور تسلی دی گئی ہے: فَسَتُبْصِرُ: سین قربت کے لئے ہے یعنی دنیا میں یا آخرت میں اس لئے کہ وہ قریب ہے جیسے سورۃ قمر 26 میں ہے اور اسکو فاء کے ساتھ ذکر کیا اسلئے کہ گزشتہ تسلیاں تو نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے تھیں اور یہ تو مستقبل کے بارے میں ان صفات پر تفریع ہے بِأَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ: اس میں بہت سی وجہیں ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ: الْمَفْتُونُ: مجنون کے معنی میں ہے تو باء تاکید کے لئے زیادہ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مصدر میمی ہے اور: فِتْنَةٌ: کے معنی میں ہے باء اپنی جگہ ہے اور فتنہ سے مراد جنون یا گمراہی ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ باء فِي: کے معنی میں ہے اور معنی یہ ہے کہ کونسے ایک گروہ میں دیوانہ ہے کافروں میں یا ایمان والوں میں اور مفتون معذب کو بھی کہا جاتا ہے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ: وَيُبْصِرُونَ: پر ایک کلام ختم ہوا اور اسکا مفعول محذوف ہے یعنی: فَسَتُبْصِرُ عَاقِبَةَ عَمَلِكَ وَيُبْصِرُونَ عَاقِبَةَ أَعْمَالِهِمْ: اور بِأَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ: سے پہلے فعل پوشیدہ ہے: سَتَعْلَمُونَ۔

تفسیر 7 یہ بھی تسلی ہے اور یہ علت ہے اور: فَسَتُبْصِرُ یا بِأَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ کے ساتھ متعلق ہے اسی وجہ سے حرف عطف ذکر نہیں کیا: ضَلَّ: فعل ماضی کے ساتھ اور: الْمُهْتَدِينَ: کو اسم فاعل کے ساتھ ذکر کیا اشارہ ہے کہ انسان میں اصل فطرت ہدایت ہے اور ضلال تو اس میں عارضی پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ خبر دینے میں جزا دینے کی طرف اشارہ ہے

تفسیر 8، 9 یہ دعوت پر بہادری پیدا کرنے کے ذریعے سے ماقبل پر تفریع ہے نیز اس میں سستی کرنے سے ڈرایا گیا ہے: فَلَا تُطِعِ: اطاعت کا محل حذف کیا ہے لیکن جھٹلانے والوں کا وصف اس کی تعیین پر دلالت کرتا ہے یعنی جو کام اور باتیں اور صفتیں جھٹلانے اور انکار کے قبیل سے ہیں تو ان میں انکی اطاعت نہ کرنا اور دوسری آیات میں: الْمُكَذِّبِينَ: کے دوسرے اوصاف ذکر کیے ہیں جیسے سورۃ کھف آیت 28، سورۃ احزاب آیت 48 اور سورۃ دھر آیت 24 میں ہے: وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ: یہ لَا تُطِعِ: کے لئے علت ہے اس وجہ سے حرف عطف ذکر نہیں کیا ہے تَوَدُّوا: محبت اور تمنا کرنے میں وسعت کرنے کو کہا جاتا ہے لَوْ: تمنا کے معنی کے ساتھ مصدریہ ہے: تُدْهِنُ: دہن سے ماخوذ ہے جبر دتے کہا ہے کہ ادھان اور مداہنت کا معنی ہے خیانت کرنا اور ایسی بات ظاہر کرنا جو باطن سے مخالف ہو اور بعض علماء نے کہا ہے کہ کلام اور طریقے میں نرمی چاہے خیر ہو یا شر ہو لیکن اکثر اسکا استعمال شر میں ہوتا ہے: فَيُدْهِنُونَ: اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی: فَهُمْ يُدْهِنُونَ اس وجہ سے (ن) کو برقرار رکھا گیا ہے حالانکہ جواب تمنا میں ان محذوف کی وجہ سے ن کا حذف ہونا ضروری تھا اور امام قرطبی نے اس جملے کی تفسیر میں بارہ اقوال لکھے ہیں لیکن ان سب کا حاصل ایک ہے وہ یہ کہ توحید کے مسئلے میں ایسی نرمی کی جائے کہ شرک کا رد نہ کیا جائے اور حق کو چھپایا جائے تو کافر اور مشرک بھی مخالفت نہیں کریں گے مقابلہ نہیں کریں گے گالی گلوچ اور برا بھلا نہیں کہیں گے اور اس کو موجودہ زمانے میں اکثر لوگ اتحاد یا حکمت کہتے ہیں اور یہ غلط بات ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ
زَنِيمٍ ﴿١٣﴾ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿١٤﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾

"اورتم ایسے آدمی کی بات نہ ماننا جو زیادہ قسم کھانے والا ہو ذلیل ہو[10]۔عیب گو چغل خور[11]۔نیکی سے منع کرنے والا حد سے گزر جانے والا گنہگار[12]۔بدزبان اسکے بعد بدنام بھی ہو[13]۔اس وجہ کہ سے وہ مال اور اولاد والا ہے[14]۔جب اسکے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے قصے ہیں"[15]۔

تفسیر 10، 11، 12، 13: اس میں بھی مخالفت کرنے والوں کی اطاعت سے ڈرایا ہے لیکن آیت 8 میں مداہنت کرنے میں جھٹلانے والے کی اطاعت سے منع کرنا تھا اور ان آیات میں اُن صفات قبیحہ میں جھٹلانے والے کی اطاعت کرنے سے منع ہے جو بعد میں ذکر کی گئی ہیں اور وہ دس قبائح یعنی بری صفات ہیں: **پہلی صفت: حَلَّافٍ**: بغیر ضرورت کے اور جھوٹ پر قسم کھانے والا **دوسری صفت: مَّهِينٍ**: یہ اہانت سے فعیل کا وزن ہے فاعل کے معنی میں یا مفعیل کے معنی میں اور مھان کے معنی میں ہے یعنی حقیر ذلیل کام کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے عزت اور: حَلَّافٍ مَّهِينٍ: ایک ساتھ ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں صفتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تلازم ہے **تیسری صفت: هَمَّازٍ**: منہ در منہ کا سامنے اور پیٹھ پیچھے عیب بیان کرنے والا الھمز اور لمز جب ایک ساتھ ذکر کیے جائیں جیسے سورۃ ھمزہ آیت 1 میں ہے تو انکے درمیان فرق ہوسکتا ہے اور جب الگ الگ ذکر کیے جائیں تو ایک طرح کا معنی رکھتے ہیں تو یہاں عام ہے غیبت کرنے والا بدنام کرنے والا طعن کرنے والا یہ سب اس میں شامل ہیں: مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ: یہ **چوتھی صفت** ہے یعنی ایسا شخص جو ایک کی بات دوسرے کو پہنچائے تا کہ انکے درمیان فساد اور اختلاف پیدا کرے اور اس کو نمام اور: قتات: بھی کہا جاتا ہے اور لفظ: مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ میں زیادہ مبالغہ ہے یعنی انکا پھرنا ہمیشہ فساد کے لئے ہے اور صحیح بخاری کتاب الوضوء حدیث 216 اور صحیح مسلم کتاب الطھارۃ حدیث 272 کی حدیث میں وارد ہے کہ ایک شخص کو عذاب قبر اسوجہ سے دیا جارہا تھا کہ وہ چغل خور تھا اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا حال واضح کیا چونکہ غیبت اور چغل خوری کرنا ذات البین (آپس) کے فساد کے لئے ہوتے ہیں اسی وجہ سے دونوں صفتیں ایک ساتھ ذکر کیں **پانچویں صفت: مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ**: خیر عام ہے دنیا اور آخرت کا خیر کو شامل ہے اور اسی طرح تعمیم کے لئے: مَّنَّاعٍ: کا مفعول حذف کیا ہے یعنی ہر دنیاوی اور دینی اور اخروی خیر ہر کسی سے منع کرتے ہیں تو ایمان اور قرآن سے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کو منع کرنا اس

میں داخل ہے چھٹی صفت: مُعْتَدٍ: عقیدے اور اعمال میں شریعت کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرنے والے ہیں ساتویں صفت: اَثِیْمٍ: یعنی گناہوں کے اسباب میں سے ہر سبب کا یہ ارتکاب کرتے ہیں اور فسق اور فجور کے گناہوں میں منہمک ہیں خیر سے منع کرنا دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنا ہے اور اعتداء بدعات کرنا اور: اَثِیْمٍ: فسق و فجور کرنا ہے اور ان صفات کی ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت ہے اسی وجہ سے ایک ساتھ ذکر کی ہیں آٹھویں صفت عُتُلٍّ: سخت جھگڑالو، بدزبان، زیادہ کھانے پینے والا، یہ سارے معانی امام ابن کثیر اور امام قرطبی نے ذکر کیئے ہیں: بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ: یہ نویں صفت ہے بَعْدَ مَعَ: کے معنی میں ہے: ذٰلِكَ مذکور کی تاویل کے ساتھ یہ ماقبل کی ساری صفات کی طرف اشارہ ہے یا عُتُلٍّ: کی طرف اشارہ ہے اور اس لفظ میں اشارہ ہے کہ یہ نویں صفت تمام قبائح سے زیادہ قبیح ہے: زَنِیْمٍ زَنَمَةٌ: سے لیا گیا ہے کسی بکری کے کان کے ساتھ کچھ گوشت لٹکا ہوا ہوتا ہے تو وہ بکریوں میں زیادہ مشہور ہوتی ہے اور شریر ہوتی ہے اور اس گوشت کا کچھ فائدہ بھی نہیں ہوتا تو اسی طرح: زَنِیْمٍ: بھی شر کے ساتھ مشہور ہے رذیل کام کرنے والا اور بے نسب جسکا باپ معلوم نہ ہو اور وہ (قوم لوط) کے مرض میں مبتلاء ہو یہ سارے معانی امام قرطبی اور امام شربینی وغیرہ مفسرین نے لکھے ہیں یہ دونوں صفتیں: عُتُلٍّ زَنِیْمٍ: تمام لوگوں کے نزدیک قباحت کے ساتھ مشہور ہیں یعنی اتفاقی قبیح ہیں اسی وجہ سے دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا۔

تفسیر 14، 15 "اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِیْنَ: اس میں بہت سی وجہیں ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ لام کی تقدیر کے ساتھ دسویں صفت کے لئے علت مقدمہ ہے جو کہ: اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ: ہے۔ یعنی تکبر اور سرمایہ کی وجہ سے قرآن کی مخالفت کرتے ہیں دوسری وجہ یہ: لَا تُطِعْ: کے ساتھ متعلق ہے یعنی جاہل لوگ اس موصوف شخص اور صفات قبیحہ رکھنے والے شخص کی اطاعت اور پیروی اسکی مالداری کی وجہ سے کرتے ہیں لیکن آپ اس کی اطاعت سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں تیسری وجہ یہ گزرے ہوئے تمام اوصاف کے لئے سبب ہے کیونکہ یہ ساری بری صفات مالداری اور غرور کی وجہ سے ہیں: قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ: یہ دسویں صفت ہے اساطیر اسطورۃ کی جمع ہے وہ قصے جو لکھے ہوئے ہوں اور یہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں تو مشرکین قرآن کی طرف یہ نسبت کرتے تھے اس وجہ سے کہ قرآن میں بھی قصے ہیں اور وہ تو سچے ہیں لیکن یہ ان کو جھوٹ کہتے ہیں یا اس وجہ سے کہ کہانیاں صرف مشغولیت اور وقت گزارنے کے لئے ہوتی ہیں تو یہ بھی اس طرح قرآن کو گپ شپ اور مشغلے کا سبب سمجھتے تھے یا اس وجہ سے کہ یہ کہتے تھے کہ قرآن تو صرف گزرے ہوئے لوگوں کے حالات اور قصے بیان کرتا ہے اور انکے عذاب

اور برے اوصاف ذکر کرتا ہے ہمارے بارے میں اس میں کچھ نہیں ہے جیسے آج کل بعض جاہل قرآن والوں پر اعتراض کرتے ہے کہ یہ قرآن تو پرانے مشرکین یہود ونصاریٰ اور بت پرستوں کے متعلق ہے تو آپ اسے ہم پر کیوں چسپاں کرتے ہیں؟۔

سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ﴿١٦﴾ إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾

"عنقریب ہم اس کی ناک پر داغ دینگے [16]۔ بیشک ہم نے انکی آزمائش کی ہے جس طرح ایک باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انہوں نے یہ قسم کھائی کہ یقیناً ہم اسکو صبح ہوتے کاٹ لینگے [17]۔ اور انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا" [18]۔

تفسیر 16 یہ زجر اور تخویف ہے اور اس میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں: پہلا یہ ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے اور دنیا میں یہ عذاب واقع ہوگا جیسا کہ ولید بن مغیرہ کی ناک جنگ بدر میں زخمی ہوئی اور اس پر عار اور ملامتی ہمیشہ کے لئے باقی رہ گئی، دوسرا یہ حقیقت ہے اور آخرت میں نشانی ہوگی جیسے ان کے چہرے سیاہ ہونگے اور آنکھیں سبز یا نیلی ہوں گی تو اسی طرح ناک پر داغ ہوگا اور قیامت کے دن یہ مجرمین کی نشانیاں ہوں گی تیسرا قول یہ ہے کہ ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ مجاز ہے اور مراد یہ ہے کہ اس شخص کی حالت دنیا اور آخرت میں لوگوں کو واضح ہوجائیگی اور یہ ذلت کی حالت ہے جیسے ناک پر داغ پورا نظر آتا ہے چوتھا قول قرطبی نے نقل کیا ہے کہ اس شخص کے ساتھ شرم وعار چمٹ جائینگے جیسے کسی کی ناک پر واضح اور بخت داغ ہو اور ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ اقوال سب مراد لیے جائیں تو بھی درست ہے۔

تفسیر 17، 18 یہ منکرین اور برکات دینے میں شرک کرنے والوں کے لئے تخویف دنیاوی کی مثال ہے خلاصہ یہ ہے کہ جیسے اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت (باغ) دی تھی لیکن انہوں نے ناشکری کی تو ان سے وہ نعمت چھین لی گئی اور ان پر عذاب آیا تو اسی طرح ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور رسول کی بعثت کی ایک بڑی نعمت دی ہے اور یہ ناشکری کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر دنیا میں عذاب لے آئیگا جس طرح اسکا ارادہ اور مشیت ہو: إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ: بلاء سے مراد امتحان اور آزمائش ہے جیسے اس کی تحقیق سورۃ ملک میں: لِيَبْلُوَكُمْ: کی تفسیر میں ذکر ہوئی ہے اور فعل ماضی اپنے معنی میں ہے تو ابتلاء سے مراد قرآن کی نعمت اور رسول کی بعثت ہے نیز دنیا کی دوسری نعمتیں امن کھانے وغیرہ ہیں یا بلاء سے مراد عذاب ہے اور فعل ماضی اپنے معنی میں ہے اور اس سے مراد قحط کا عذاب ہے جو کہ مکہ والوں پر آیا تھا جیسے سورۃ نحل آیت 112 میں گزرا ہے یا مستقبل کے معنی میں ہے یعنی بعد میں دنیا یا آخرت میں ان پر عذاب بھیجے گا: أَصْحَابَ الْجَنَّةِ: مشہور یہ ہے کہ یہ یمن میں صنعاء سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے اٹھائے جانے کے بعد تھے بَلَوْنَا:

کے ساتھ انکا عذابِ اجمالی ذکر ہوا جب یہ عذاب کے معنی میں ہو اور عذاب کی علت بعد والی آیت 18 اور 21 سے 25 تک ذکر کرتا ہے: إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا: صرم فصل کے کاٹنے کو کہا جاتا ہے اور صریم اس پٹھے یا کپڑے کو کہا جاتا ہے جو بکری یا بچھڑے وغیرہ (جو دودھ پینے والے ہوں) کے منہ پر باندھا جائے تاکہ ماں سے دودھ نہ پئے اور صرماء اس صحراء کو کہا جاتا ہے جس میں پانی خشک ہو جاتا ہے اور اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس کا دودھ سوکھ گیا ہو تو ان سب الفاظ میں منع کا معنی ہے تو اس لفظ: لَيَصْرِمُنَّهَا: میں اشارہ ہے کہ صبح کے وقت روکنے کی نیت سے کاٹنا تھا: وَلَا يَسْتَثْنُونَ: مشہور قول یہ ہے کہ ان شاء اللہ نہیں کہا دوسرا قول یہ ہے کہ مساکین کا حصہ الگ نہیں کیا تیسرا قول ابوصالح سے نقل ہے کہ سبحان اللہ نہیں کہا اور بعد والے قول کی دلیل آیت 28 میں ہے سوال: انشاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے یہ کس طرح اتنے بڑے گناہ کے مستحق ہو گئے یہ تو اتنا بڑا گناہ نہیں ہے؟ جواب: مشہور قول کی بناء پر یہ ہے کہ قصداً ان شاء اللہ نہ کہنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے انکار کرنا ہے اور یہ لوگ عقیدہ یہ رکھتے تھے کہ بندوں کے کام اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے نہیں ہیں جیسے اس امت میں قدریہ فرقے کا یہ عقیدہ ہے اور یہ انکار تو کفر ہے دوسرا جواب دوسرے قول کی بناء پر یہ ہے کہ اصل میں مساکین کا حصہ وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر دیا جاتا ہے اور دوسرا حصہ غیر اللہ کے نام پر ہوتا ہے (جو مشرکین دیتے ہیں جو انکے نزدیک پیروں قبروں کے مجاوروں یا پیر کے پوتوں کو دیا جاتا ہے دوسرے مسکینوں کو نہیں دیا جاتا ہے) اور یہ لوگ یہ دوسرا حصہ دیتے تھے تو ان لوگوں کا یہ دوسرا حصہ دینا تو خالص شرک ہے تیسرا جواب تیسرے قول کی بناء پر یہ ہے کہ کہ سبحان اللہ نہ کہنا اشارہ ہے کہ شرک سے اللہ تعالیٰ کو پاک نہیں سمجھتے تھے اور یہ یقیناً عذاب کا سبب ہے اگرچہ ان لوگوں نے بعد میں اس سے توبہ کر لی تھی۔

فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ
حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَ
غَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾

پس اس پر آپکے رب کی طرف سے رات کو آنے والا عذاب آیا اور وہ سوئے ہوئے تھے [19]۔ پس وہ مثل کٹے ہوئے (باغ) کے ہو گیا [20]۔ پس انہوں نے صبح کے وقت ایک دوسرے کو آواز دی [21]۔ کہ اپنی کھیتی کو صبح سویرے جاؤ اگر تم کاٹنے والے ہو [22]۔ پس وہ چل پڑے اور آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے [23]۔ آج کوئی مسکین تم پر اس

باغ میں داخل نہیں ہوگا[24]۔اور سویرے غصے سے چل دیے اپنے آپ کو قادر سمجھتے تھے"[25]۔

تفسیر 19، 20 یہ اس عذاب کی تفصیل ہے جس کی طرف: بَلَوْنَا: میں ایک معنی کے ساتھ اشارہ ہے طَآئِفٌ: امام فراء اور ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ اس مصیبت اور عذاب کے ساتھ خاص ہے جو صرف رات کو آتا ہے: مِّن رَّبِّكَ: طاف کے ساتھ متعلق ہے یا مقدر کی تقدیر کے ساتھ طَآئِفٌ: کی صفت ہے معلوم ہوا کہ: طَآئِفٌ: سے مراد وسوسے نہیں ہے اسلئے کہ وہ شیطان کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسے سورۃ اعراف آیت 201 میں ہے: نَآئِمُوْنَ فَأَصْبَحَتْ: یہ دونوں اس بات پر دلیلیں ہے کہ عذاب رات کو آیا تھا: كَالصَّرِيْمِ: اس میں مشہور تین قول ہیں: پہلا قول: وہ درخت جس سے پھل کاٹے جائیں یا فصل کٹی ہوئی، دوسرا قول: کالی رات، تیسرا قول: سیاہ راکھ یعنی جب وہ باغ گئے تو راکھ کی طرح بالکل سیاہ نظر آ رہا تھا۔

تفسیر 21، 22 یہ عذاب کے سبب کی تفصیل ہے یعنی ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ مساکین کو خبر نہ ہوجائے تو پہلی بات ایک دوسرے کو آواز دینے: تَنَادِيْ: کے ساتھ ایک دوسرے کو جمع کرتا ہے اور صبح سویرے کا وقت اسلئے مقرر کیا کہ مساکین سوتے ہوئے ہونگے یا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہونگے: أَنِ اغْدُوْا: أَنْ تَنَادِيْ: (ایک دوسرے کو آواز دینے) کی تفسیر ہے: عَلٰى حَرْثِكُمْ: فصل اور پھل جو درختوں میں ہوں یہ سب اس لفظ میں داخل ہیں اور اس لفظ میں اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ کاشت کاری ہم نے کی، ہم نے اس میں محنت کی ہے لہٰذا یہ سب کچھ ہمارا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا حصہ ہم پر واجب نہیں ہے اور لفظ: عَلٰى: میں بھی اشارہ ہے کہ ہم اس فصل کے کاٹنے پر اس طرح غالب ہے کہ کوئی بھی ہم سے یہ منع نہیں کرسکتا یا لفظ علی اقبال (متوجہ ہونے) کے معنی کے لئے ہے۔

تفسیر 23، 24 صبح ہونے کے بعد باغ کی طرف جانے کا طریقہ ایسا اختیار کیا گیا کہ کسی کو خبر نہ ہوجائے یعنی آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کررہے تھے: يَتَخَافَتُوْنَ: یہ خفت سے ماخوذ ہے چھپانے میں مبالغہ کرنے کو کہا جاتا ہے اور یہ طریقہ ایسے تھا جیسے چوری کے لئے جاتا ہو: أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا: یہ تخافت کرنے کی تفسیر ہے یعنی یہ بات چھپ کر کر رہے تھے یا لام اجلیہ مقدر ہے جو کہ آہستہ بات کرنے کی علت ہے اور یہ مسکین کے روکنے میں مبالغہ ہے یعنی مراد یہ ہے کہ مسکین کو داخل ہونے کی قدرت نہ دو اگرچہ وہ داخل ہونا چاہے۔

تفسیر 25 "عَلٰى حَرْدٍ: یہ لفظ قصد کرنے، حاجت، روکنے، غصہ کرنے اور اکٹھے ہونے وغیرہ ان تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حرد ان کے باغ یا اس مکان کا نام تھا: قٰدِرِيْنَ: یہاں: فِيْ زَعْمِهِمْ: پوشیدہ ہے اور یہ: غَدَوْا

کی ضمیر سے حال ہے یعنی یہ باغ کاٹنے پر اپنے آپ کو قادر سمجھتے تھے کسی بھی مانع کا خوف نہیں کرتے تھے یا تکبر کرنے کی وجہ سے مساکین کے رد کرنے پر اپنے آپ کو قادر سمجھتے تھے اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب باغ میں اللہ تعالیٰ کے نام کا حصہ نہیں مانتے تھے (جس کا مصرف مساکین ہیں) اور غیر اللہ کا حصہ مانتے تھے۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

"پس جب انہوں نے اس باغ کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یقیناً ہم راستہ بھول گئے [26]۔ بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی [27]۔ ان میں سے جو ہوشیار تھا اس نے کہا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کیوں بیان نہیں کرتے ہو [28]۔ تو سب نے کہا کہ ہمارا رب پاک ہے یقیناً ہم ظالم تھے [29]۔ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے۔

تفسیر 26، 27 "رَاَوْهَا: ھَا کی ضمیر سے وہ حالت مراد ہے جو صریم کی طرح تھی: قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ: یہ لوگ چونکہ زیادہ حیرت کی وجہ سے یہ دور سمجھتے تھے کہ ہمارا باغ ایسی حالت میں ہو تو کہا ہم راستہ بھول گئے ہیں: بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ: یعنی سوچ اور فکر کرنے کے بعد اپنے محروم ہونے کا اقرار کر لیا اور اس کی مناسبت سے امام قرطبی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ اسلئے کہ بندہ جب گناہ کر لیتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ تیار رزق سے محروم ہو جاتا ہے اور قرآن میں اسکی تائید یہ آیت ہے اور اسی طرح سورۃ رعد آیت 11 اس پر دلالت کرتی ہے اور امام ابن کثیرؒ نے، امام بیہقیؒ سے ایک روایت لائے ہے کہ نبی ﷺ نے رات کو فصل کاٹنے اور پھل کاٹنے سے منع کیا ہیں اس روایت کو محققین نے ضعیف کہا ہے (تخریج ابن کثیر) اور جزاء عمل کی جنس سے ہوتی ہے لہذا جب انہوں نے مساکین کو محروم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو محروم کر لیا۔

تفسیر 28 "قَالَ اَوْسَطُهُمْ: اوسط: اس سے عقل اور رائے میں بہتر شخص مراد ہے: اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ: دلیل ہے کہ اس شخص نے ان کو تسبیح پڑھنے کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے نہیں مانی تھی اور چونکہ اس نے بھی ان سے براءت نہیں کی تو اسکے حصے پر بھی عذاب آیا تسبیح، استثناء کے معنی میں ہے اور یہ دلیل ہے کہ یہ لوگ توحید فی البرکات سے انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو شرک فی البرکات سے پاک نہیں سمجھتے تھے تو ان پر شرک کرنے کے سبب سے عذاب آیا۔

تفسیر 29 یہ ان کی طرف سے اپنے ظلم کا اعتراف ہے اور ایسے حال میں توبہ ہے جو انکو فائدہ نہیں دے سکتی لیکن یہ توبہ آئندہ کے لئے فائدہ مند ہے: سُبْحٰنَ رَبِّنَآ: یعنی اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شریک اور ہر ظلم کی نسبت سے پاک ہے۔

تفسیر 30 یہ توبہ کرنے کے ساتھ زیادہ عاجزی وخشوع کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا: یَتَلَاوَمُوْنَ: یعنی ایک دوسرے سے کہتا کہ آپ نے یہ مشورہ دیا کہ مساکین کو روکو گے تو دوسرا کہتا کہ آپ نے کنجوسی کرنے کا حکم دیا تھا تو تیسرا کہتا کہ آپ نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے اولیاء اور بزرگوں کے نام پر دینا برکات کا سبب ہے یعنی سب ایک دوسرے کو ملامت کرتے تھے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾

"تو انہوں نے کہا کہ یقیناً ہم سرکش تھے [31]۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدل دے ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں [32]۔ اس طرح عذاب ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے کاش کہ وہ سمجھتے" [33]۔

تفسیر 31، 32 یہ جرم کے اقرار اور توبہ کرنے میں مبالغہ ہے، طغیان اور ظلم میں یہاں فرق یہ ہے کہ شرک کرنے کو ظلم کہا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ: اور مساکین کے روکنے کو طغیان کہا اسلئے کہ اس میں حد سے تجاوز کرنا ہے نیز اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری ہے: عَسٰى رَبُّنَا: یہ جملہ خبریہ ہے لیکن مقصود اس میں دعا کرنا ہے اور اس میں مستقبل میں توبہ کرنے کے فائدے ذکر ہیں: خَيْرًا مِّنْهَآ: دنیا یا آخرت میں، تبدیل اور ابدال میں فرق یہ ہے تبدیل کسی چیز کی اصل کو باقی رکھتے ہوئے اس کی صفت یا حالت میں تغییر کا نام ہے اور ابدال ایک چیز کو ہٹا کر اور اس کی جگہ دوسری چیز کا لانا ہے: اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ: حسن بصری سے روایت ہے کہ مجھے علم نہیں کہ یہ کلمہ ایمان لانا ہے اور توبہ کرنا ہے یا مشرکوں کے طرز پر صرف سختی میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے؟! اسی طرح قتادہ سے بھی انکے بارے میں توقف ثابت ہے اور دوسرے بہت سے اہل علم نے کہا کہ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ نے انکو اور باغات دیئے۔

تفسیر 33 یہ: اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ: کے متعلق ہے یعنی اہل مکہ کا عذاب صرف دنیا میں نہیں ہے بلکہ جب یہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں بھی عذاب ہے یا عام ہے یعنی جس طرح اصحاب الجنۃ (باغ والوں پر) شرک کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ روکنے اور مساکین پر بخل کرنے کی وجہ سے دنیا کا عذاب آیا تھا تو جو کوئی یہ عمل کرے تو اس کے لئے دنیا میں بھی عذاب ہے

اور آخرت میں بھی بشرطیکہ وہ توبہ نہ کرے، مفسر قاسمی نے اس قصے کے آخر میں ذکر کیا ہے کہ اسکے ذریعے سے ان لوگوں کا رد ہے جو زکوۃ ادا کرنے سے جو حیلوں کے ذریعے خود کو زکوۃ کی ادائیگی سے بچاتے ہیں جیسے بعض علماء نے اسقاطِ زکوۃ یا اسقاطِ شفعہ کے لئے حیلے لکھے ہیں اور ان کے جواز کی نسبت علماء احناف کی طرف کرتے ہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾
اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ
اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ ﴿۴۰﴾

"بیشک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنت ہے[34]۔کیا ہم مسلمانوں کو گنہگاروں کی طرح کر دیں[35]۔کیا دلیل ہے تمہاری تم کس طرح فیصلے کرتے ہو[36]۔کیا تمہارے لئے کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو[37]۔یقیناً تمہارے لئے اس میں وہ کچھ ہے جو تم چاہتے ہو[38] کیا تمہارے لئے ہم پر قسمیں ہیں قیامت تک پہنچنے والی کہ یقیناً تمہارے لئے وہ ہے جو تم فیصلہ کرتے ہو[39]۔ان سے پوچھو تم میں سے کون اس بات کا ضامن ہے"[40]۔

تفسیر 34 اس آیت سے دوسرا باب ہے اور اسکا خلاصہ ابتداء میں ذکر کیا گیا ہے تخویف کے ذکر کے بعد بشارت ذکر کرتا ہے اور فریقین کا فرق ذکر کرتا ہے: جَنّٰتِ النَّعِیْمِ: یعنی ایسے باغات کہ نعمتوں کے سوا اور کچھ ان میں نہیں ہوگا اور دنیا والوں کے باغ کی طرح وہ فنا بھی نہیں ہونگے۔

تفسیر 35 اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو ایمان والوں اور کافروں کے انجام میں فرق نہیں کرتے بلکہ مشرکوں کا حال دنیا پر قیاس کرتے ہیں کہ انکے پاس دنیا میں باغ وغیرہ ہیں تو آخرت میں بھی ہونگے: اَفَنَجْعَلُ: ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے اور اسی طرح سورۃ ص آیت 28 اور سورۃ جاثیہ آیت 21 میں گزرا ہے: كَالْمُجْرِمِیْنَ: مجرم وہ ہے جو ظاہراً گناہ کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے ہیں۔

تفسیر 36 بعد والی آیات میں مجرمین سے ان کی نجات پر دلیل کا مطالبہ ہے اور انکے دلائل کی نفی ہے اس میں دلیل عقلی کی نفی کی طرف اشارہ ہے: مَا لَكُمْ: یعنی تمہاری نجات پر کونسی دلیل عقلی ہے: كَیْفَ: بے دلیل بات پر زجر ہے۔

تفسیر 37، 38 اس میں دلیل نقلی کی نفی ہے تمہارے پاس ایسی کتاب نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور اس میں تمھارے شرک پر دلیل ہو تو ایسی کتاب تمہارے پاس نہیں ہے: اِنَّ لَكُمْ: یہ تَدْرُسُوْنَ کے لئے مفعول ہے تو چاہئے

تھا کہ: اِنَّ: کے ھمزہ پر فتح ہوتا لیکن بعد میں حرف لام ہے اس لئے اس کی وجہ سے: اِنَّ: زیر کے ساتھ لایا ہے یا یہ کہ مفعول محذوف ہے اور یہ جملہ مفعول: تَدْرُسُوْنَ: کی حکایت ہے: لَمَا تَخَيَّرُوْنَ: سے مراد شرک کرنا یا شفاعت شرکیہ کا عقیدہ رکھنا ہے اسی طرح سورۃ فاطر آیت 40 اور سورۃ روم آیت 35 میں بھی گزرا ہے۔

تفسیر 39 : 40 یہ دلیل وحی (وعداللہ) کی نفی ہے اَيْمَانٌ عَلَيْنَا :اللہ تعالی کی طرف سے قسم اور عہد جسکا پورا کرنا اس پر واجب ہے اسلئے کہ عَلٰی کا حرف وجوب پر دلالت کرتا ہے: بَالِغَةٌ :مضبوط اور پکی قسمیں اس میں لغو قسم سے احتراز ہے: اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ : اسکا متعلق پوشیدہ ہے یعنی: مُتَوَاصِلَةٌ: کہ یہ قسمیں قیامت تک پہنچنے والی ہیں یعنی یہ کہ قیامت تک تمہارے لئے آزادی اور معافی ہو کہ جو کچھ کرو گے تو جائز ہوگا یا: مُبَالِغَةٌ: پہنچنے کے معنی میں ہے اور: اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ بَالِغَةٌ کے ساتھ متعلق ہے: اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ: اس: اِنَّ: میں وہ توجیہات ہیں جو گزشتہ: اِنَّ: میں تھیں، پہلے: تَخَيَّرُوْنَ اور یہاں: تَحْكُمُوْنَ: ذکر ہے فرق یہ ہے کہ پہلے میں مسلک اور مذہب مراد ہے یعنی شرک کفر اور بدعات کرنا اور دوسرے میں مسلک کا حکم جواز اور عدم جواز اور حلال اور حرام مراد ہے: سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ : اس میں وعید ہے اور کفالت کی دلیل کی نفی ہے اور: ذٰلِكَ : میں: اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ: کے مضمون کی طرف اشارہ ہے یا قسم کے ثابت کرنے کی طرف اشارہ ہے: زَعِيْمٌ: ذمہ دار یا اس دعوے کے صحیح ہونے کا دعویدار یا اور مراد یہ ہے کہ کیا کوئی عالم یا بڑا تمہارے دعوی میں ہے؟۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿41﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿42﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿43﴾

"کیا انکے لئے شریک ہیں پس چاہئے کہ ان شریکوں کو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں [41] جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور وہ سجدے کے لئے بلائے جائینگے تو وہ طاقت نہیں رکھ سکیں گے [42]۔ انکی نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی اور یقیناً یہ سجدے کے لئے اس وقت بھی بلائے جاتے تھے جبکہ صحیح سالم تھے" [43]۔

تفسیر 41 یہ تقلید کی دلیل کی نفی ہے: شُرَكَآءُ: یعنی ایسے علماء اور پیر وغیرہ جو شرک اور کفر جائز کرا دیتے ہیں اور انہیں مانتے ہیں اور دلائل انکے پاس نہیں ہیں اور تم دلیل شرعی کے بغیر ان کی تقلید کرتے ہو اور اس طرح سورۃ شوری آیت 21 میں بھی ہے چونکہ اس طرح شریک انہوں نے بنا رکھے تھے تو اس وجہ سے فرمایا: فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ : لیکن ایسے شرکاء تو حجت

اور مناظرے کے میدان میں حاضر نہیں ہو سکتے اس طرح سورۃ انعام آیت 150 میں بھی گزرا ہے۔

تفسیر 42، 43 یہ انکے پاس دلیل کے نہ ہونے کے بعد تخویف اُخروی ہے :عَنْ سَاقٍ : مضاف الیہ محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ساق جیسا کہ صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4919 میں ہے کہ :یَکْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ : اور اس میں سلف صالحین کا مذہب ظاہر اور صحیح ہے کہ ساق حقیقی معنی میں ہے اور ساق کی کیفیت مجہول ہے اور اس کی تاویل اور تمثیل باطل مسلک ہے اور اگر مضاف الیہ محذوف مراد نہ لیا جائے تو پھر یہ :آیاتُ الصِّفَات : میں سے نہیں ہے اور اس میں سلف صالحین سے تاویلات منقول ہیں جیسے ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ :یَوْمَ کَرْبٍ وَشِدَّۃٍ (سختی اور غم کا دن) اور بعض نے :سَاقُ الْعَرْشِ : مراد لیا ہے لیکن جب صحیح مرفوع حدیث ہے تو موقوف روایات کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہے :یُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ : یہ دعوت توبیخ اور ملامت کرنے کے لئے ہے :تَعْجِیْزًا : نہیں ہے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہونگے جو دنیا میں ریاکاری اور نام کے لئے اللہ تعالیٰ کو سجدے کرتے اور نماز پڑھتے تھے تو وہ قیامت میں سجدہ کرنے کی کی کوشش کرینگے لیکن ان کی کمر بالکل سیدھی ایک تختہ ہو جائیگی :خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ : دل کی ذلت آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے اسی طرح وہ دنیا میں تکبر کی وجہ سے حق سے آنکھوں کو پھیرتے تھے تو قیامت کے دن انکی آنکھوں پر ذلت کا اثر ظاہر ہوگا :تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ : یعنی دنیا میں اپنے بدن کے تمام اعضاء کو اخلاص کے ساتھ سجدہ کرنے سے بچاتے تھے اور اسکو اپنی بے عزتی سمجھتے تھے تو آج قیامت کے دن تمام اعضاء ذلت میں پڑ گئے :وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ : سجود سے مراد اللہ تعالیٰ کو اخلاص کا سجدہ کرنا یا نماز پڑھنا ہے اور دعوت سے مراد اذان اور اقامت ہے لیکن یہ اس کا جواب نہیں دیتے تھے یا سجود سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام اور قرآن سننے کی طرف انقیاد ہے اور دعوت سے مراد عام دعوت اور تبلیغ ہے جیسے انہوں نے قبول نہیں کیا تھا۔

فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾

"پس مجھے اور اس کلام کے جھٹلانے والے کو چھوڑ دے ہم انہیں اس طرف آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہوگا [44]۔ اور میں انکو مہلت دیتا ہوں بیشک میرا پکڑنا سخت ہے [45]۔ کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے جس کے تاوان سے یہ دبے جاتے ہیں [46]۔ یا انکے پاس علم الغیب ہے تو یہ (اس سے) لکھتے ہیں" [47]۔

تفسیر 44، 45یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے اور اسکے ساتھ منکرین کو تخویف بھی ہے: فَذَرْنِي: یہ کنایہ ہے یعنی آپ ان سے بے فکر ہوجائیں انکے عذاب کی فکر چھوڑ دیں اور انکی پرواہ نہ کریں: وَالْحَدِيثِ: سے مراد قرآن ہے یا وہ مضمون ہے جو اس سورت میں ذکر ہوا ہے: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ: استدراج اصل میں آہستہ آہستہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نقل کرنے اور تنزل میں استعمال ہوتا ہے یعنی استدراج میں ایک شخص اعلیٰ درجے سے نیچے درجے کی طرف آہستہ آہستہ منتقل ہوتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ ترقی ہے اور اس کی تفصیل سورۃ مومنون آیت 55، 56۔ سورۃ انعام آیت 44 اور سورۃ آل عمران آیت 118 اور سورۃ اعراف 182 میں گزری ہے۔ وَأُمْلِي لَهُمْ: یعنی انکے لئے استدراج اکرام کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک مہلت دی ہے کہ انکے گناہ اور زیادہ ہوجائیں۔

تفسیر 46، 47 ان آیتوں میں منکرین کے عذروں کا رد ہے یعنی یہ عذر نہیں کر سکتے کہ ہم اس وجہ سے قرآن پاک کو جھٹلاتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ اجرت مانگتے ہیں یا اس وجہ سے کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے ہمیں تو قرآن کی حاجت نہیں ہے یہ دونوں باتیں نہیں ہیں اسلئے کہ استفہام: أَمْ تَسْأَلُهُمْ اور: أَمْ عِندَهُمُ میں انکار کے لئے ہے پہلی آیت میں اشارہ ہے کہ حق کی طرف دعوت دینے والے کے لئے جائز نہیں کہ وہ دعوت پر لوگوں سے اجرت کا مطالبہ کرے یا اجرت کی طمع سے دعوت دے اس لئے کہ اس سے آخرت کا ثواب ضائع ہوتا ہے اور اسی طرح مخاطب لوگوں پر بھی بوجھ آتا ہے اور دونوں آیتوں کی باقی تفسیر سورۃ طور آیت 40، 41 میں گزری ہے: الْغَيْبُ: سے مراد وحی ہے جو قرآن کے جھٹلانے پر دلالت کرتی ہو: فَهُمْ يَكْتُبُونَ: میں اشارہ ہے کہ اگر انکے پاس وحی ہو تو قرآن کے مقابلے میں لکھ دیں کہ مخلوق کو فرق واضح ہوجائے خلاصہ یہ ہے کہ انکے پاس دینی اور دنیاوی دونوں رکاوٹیں نہیں ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾

"پس آپ اپنے رب کے فیصلے تک صبر کریں اور مچھلی والے کی طرح نہ ہوجائیں جب انھوں نے پکارا اور وہ غم سے بھرے ہوئے تھے [48]۔ اگر اسے اسکے رب کی نعمت نہ پالیتی تو یقیناً وہ بری حالتوں میں چٹیل زمین میں ڈال دیا جاتا [49]۔ پس چن لیا اسکو اسکے رب نے اور اسے نیکوکاروں میں سے کردیا" [50]۔

تفسیر 48یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے اور اس میں منکرین کی ڈھیل کے زمانے میں دعوت اور تبلیغ کے مصائب اور منکرین

کے انکار پر صبر کرنے کا حکم ہے یہ مصائب گزشتہ آیت میں ذکر کیے گئے :لِحُكْمِ رَبِّكَ: حکم منکرین کو مہلت دینے کے طور پر رب کے فیصلے کے معنی میں ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اور صبر کے ساتھ اللہ تعالی کے حکم کے معنی میں ہے اور ان دونوں توجیہات میں لام اجلیہ ہے یا حکم نصرت کے معنی میں ہے اور :لام: اِلی: کے معنی میں ہے :وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ: یہ جلدی کرنے میں یونس علیہ السلام کی تشبیہ سے ممانعت ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو حکم نہیں دیا تھا کہ آپ اس قوم سے نکل جائیں لیکن وہ اپنے اجتہاد کے ساتھ ان سے چلے گئے اور اس کو انہوں نے اپنی دعا میں ظلم کہا ہے کہ: اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ : یہ گناہ نہیں ہے اس کی تفصیل سورۃ الانبیاء میں گزری ہے :اِذْ نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ندا سے مراد وہ دعا ہے جو سورۃ الانبیاء آیت 87 میں مذکور ہے یہ تشبیہ کی وجہ نہیں بلکہ صاحب الحوت کی یہ صفت اس وجہ سے ذکر کی گئی کہ وہ اپنی خطاء پر ڈٹے نہیں ہیں بلکہ ندامت ظاہر کی تھی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یونس علیہ السلام کی طرح عاجزی اور دعا کرنے کی طرف ترغیب ہے :مَكْظُوْمٌ : كَظْمٌ: اصل میں بند کرنے کو کہا جاتا ہے جیسے: اَلْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ : پھر :مَكْظُوْمٌ: سے مراد یہاں مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہونا ہے یا اس سے مراد غم سے اتنا بھرا ہوا ہوتا ہے کہ خوشی کی راہیں بند ہو جائیں۔

تفسیر 49 "تَدٰرَكَهٗ: مبالغے کے لئے باب تفاعل سے فعل ماضی مذکر ہے اور نعمت چونکہ مؤنث غیر حقیقی ہے اس وجہ سے فعل مذکر لایا :نِعْمَةٌ: نکرہ عظمت کے لئے ہے :مِّنْ رَّبِّهٖ: میں بھی تاکید ہے اور نعمت سے مراد ان کی نبوت اور ان کی دعاء کی قبولیت اور ان کی حفاظت ہے :وَهُوَ مَذْمُوْمٌ: یہ حال نبذ کے لئے قید ہے یعنی اگر اللہ تعالی کا احسان نہ ہوتا تو بری حالت میں ڈال دیا جاتا اور سورۃ صافات آیت 145 میں ان کا نبذ ذکر کیا گیا لیکن صرف مرض کی حالت تھی مذموم نہیں تھا۔

تفسیر 50 یہ نداء اور كَظِیْمٍ (غم) پر تفریع ہے یہ ندا اور :كَظْمٌ: ان کے چن لینے کے لئے سبب ٹھہرا تو دعاء کی طرف ترغیب دینے کے لئے یہ حالت ذکر کی کہ یہ :اِجْتِبَآء (چن لینے) کے لئے سبب ہے اور :اِجْتِبَآء: صالحیت کا سبب ہے اِجْتِبَآء اور صلاحیت سے مراد نبوت نہیں ہے اسلئے کہ وہ تو پہلے سے نبی تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ وحی ان کو دوبارہ شروع ہوئی اور انہیں صبر کی توفیق دی گئی اور ان کی توبہ قبول ہوئی اور ان کی قوم کو ایمان اور توبے کی توفیق دی گئی۔

وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾

"اور قریب ہے کہ کافر اپنی تیز نگاہوں سے آپکو (مصیبت) پہنچا دیں جب انہوں نے قرآن سنا اور کہتے ہیں کہ یہ تو ضرور دیوانہ ہے [51]۔ اور یہ تو صرف جہاں والوں کے لئے نصیحت ہی ہے" [52]۔

تفسیر 51 یہ منکرین کو زجر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرین کی آنکھوں سے حفاظت کے لئے تسلی ہے اور یہ آیت 44 کے ساتھ متعلق ہے اور: اِنْ مُخَفَّفْ مِنَ الْمُثَقَّلْ: ہے اصل میں: وَاِنَّہٗ: ہے: یَکَادُ: یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے کی وجہ سے یہ لوگ یہ کام نہیں کر سکتے ہیں: لَیُزْلِقُوْنَكَ: امام قرطبی نے اس کے معنی میں بارہ اقوال لکھے ہیں: زَلَقَ: اصل میں دور کرنے اور پھسلانے کو کہا جاتا ہے اور اسطرح نفوذ (داخل ہونے) کو کہا جاتا ہے اور اسکی تفسیر میں دو توجیہات مشہور ہیں ایک توجیہ یہ ہے کہ قرآن سننے کے وقت یہ بہت غصے میں ہوتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ غصے اور غضب کی آنکھوں سے آپکو دیکھتے ہیں آپ پر رعب اور دبدبہ ڈالتے ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپکو نظر لگانے والے لوگ لیکر آتے ہیں تاکہ آپکو بدنظر لگ جائے تو آپ بیمار ہو جائیں گے اور قرآن بیان کرنا چھوڑ دیں گے اور یہ دلیل ہے کہ نظر کا لگنا حق ہے اور اس کے بارے میں صحیح احادیث بھی بہت وارد ہیں ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نظر کے بارے میں بہت سی احایث جمع کی ہیں اور احادیث میں اسکا علاج بھی مذکور ہے جیسے رقیہ (دم کرنا) معوذتین (سورۃ فلق، سورۃ الناس) سورتوں کے ساتھ جیسے ابن ماجہ کی حدیث باب مَنِ اسْتَرْقٰی مِنَ الْعَیْنِ: میں ذکر ہے اور دوسرا دم مسند احمد میں ذکر ہے: بِاسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْكَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُؤْذِیْكَ مِنْ کُلِّ حَاسِدٍ وَعَیْنِ اللّٰہُ یَشْفِیْكَ: (صحیح مسلم کتاب السلام حدیث 2186 ترمذی کتاب الجنائز 972 ابن ماجہ 3523، 8408 شیخ البانی نے اس کو صحیح کہا ہے) اور اسی طرح اگر کسی کے بارے میں یہ گمان آجائے کہ اس شخص نے نظر لگائی ہے تو وہ اس کو حکم دے کہ وہ اپنے منہ ہاتھ اور گھٹنوں کو اور اپنی ازار کے داخل کو دھولے اور اس پانی کو اس شخص پر چھڑک دے جسکو نظر لگی ہو یہ بھی ابن ماجہ اور نسائی نیز صحیح ابو داؤد کتاب الطب حدیث 3880 میں ہے شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابن قتیبہ نے مختلف الحدیث میں لکھا ہے کہ نظر لگنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی آنکھوں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ جراثیم رکھے ہیں تو جب بھی یہ اپنی آنکھیں کسی چیز کے سامنے کر دیں اور اس چیز سے خوشی اور تعجب ظاہر کریں تو جراثیم اس بندے یا اس چیز کو پہنچ جاتے ہیں اور وہ بندہ بیمار ہو جاتا ہے یا وہ چیز متاثر ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ نظر لگنے کا عقیدہ صرف تعبدی نہیں ہے بلکہ اسباب محسوسہ کے اعتبار سے بھی علم طب کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے: وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّہٗ لَمَجْنُوْنٌ: یعنی جب بھی ان کی

نظر کا اثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہوتا تو پھر یہ حکم کرتے ہیں کہ یہ مجنون ہے اور اس بات کا جواب سورت کے شروع میں مذکور ہے

تفسیر 52 یہ قرآن کی سچائی کا ذکر ہے اور رسول کی سچائی کو مستلزم ہے: الْعَالَمِيْنَ: سے مراد جن وانس ہیں جیسے سورۃ فرقان آیت 1 میں تھا اور یہ احتمال بھی ہے کہ: هُوَ: کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو جائے اور ذکر فاعل کے معنی میں ہو جائے اور یہ انکے قول: اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ: کا جواب ہے۔

اس سورت کی خصوصیات:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شان و اخلاق کا ذکر۔ ۲۔ منکرین و مست لوگوں کی بداخلاقی کا ذکر۔

۳۔ باغ والوں کے حال کا ذکر۔ ۴۔ مچھلی والے کے حال کا ذکر۔

سورۃ القلم کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی۔

آیاتھا ۵۲ | ۶۹ سورۃ الحاقۃ مکیۃ ۷۸ | رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اَلْحَاۗقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَاۗقَّةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۗقَّةُ ۭ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾

"آفت یقینی آنے والی [1]۔ کیا ہے یقینی آنے والی آفت [2]۔ اور تجھے کیا معلوم ہے کہ یقینی آنے والی آفت کیا ہے [3]۔
اس کھٹکھٹا دینے والی کو ثمود اور عاد نے جھٹلا دیا تھا" ۔[4]۔

سورۃ الحاقۃ کا ربط: اس سورت کا ربط سورۃ القلم کے ساتھ بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی دونوں سورتوں میں توحید کا اور رسول کی سچائی کا اثبات ذکر ہوا تھا تو اس سورت میں منکرین کے لئے تخویف دنیاوی اور اُخروی ذکر کرتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے تین اصول: توحید، رسالت اور قرآن ذکر ہوئے تو ابھی چوتھا اصول ذکر کرتا ہے یعنی قیامت کو ثابت کرتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں تخویف دنیاوی کا ایک نمونہ ذکر ہوا تو اس سورت میں تخویف دنیاوی کے پانچ نمونے ذکر کرتا ہے چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں: وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ: کا ذکر تھا تو اس سورت میں تین ناموں الحاقہ، الواقعہ، القارعہ کے ذکر کرنے کے ذریعے سے اس کی ہیبت شان ذکر کرتا ہے پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں اولاً اور آخراً رسول اور قرآن کی سچائی ذکر ہوئی تو اس سورت کے آخر میں یہ دونوں ذکر کرے گا۔

سورت کا مرکزی مضمون: پانچ جھٹلانے والی قوموں کے ذکر کے ذریعے سے تخویف ہے نیز قیامت کی ہیبت اور احوال کے ذکر کے ذریعے سے بھی تخویف ہے، قیامت کے احوال کے بارے میں خبر دینے کے بارے میں رسول کی سچائی کو ثابت کیا گیا ہے۔ اور آیت 52 میں توحید کا دعویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے تین اسمائے حسنیٰ ذکر کرتا ہے: اللہ، رب، عظیم، اور آیت 49 میں شرک فی العلم کا رد ہے۔

سورت کا خلاصہ: 1، 2، 3 میں قیامت کی عظمت شان کا ذکر ہے نیز قیامت کے منکرین پر عذاب کے نزول کے ذریعے سے تخویف ہے جو کہ پانچ مشہور قومیں تھیں آیت 4 سے آیت 12 تک انکار ذکر ہوا اور پھر قیامت کے تین قسم کے احوال اور ہیبتیں ذکر کرتا ہے پہلی قسم آیت 16 تک عالم کے فناء کے حالات ہیں پھر دوسری قسم آیت 17 اور آیت 18 میں

قیامت کے قائم ہونے کے احوال ہیں پہلی قسم کے سات اور دوسری قسم کے تین احوال ہیں تو مجموعہ دس حالات ہوئے پھر تیسری قسم اور اس میں آیت 24 تک اصحاب الیمین کی دس حالتیں ہیں پھر بائیں ہاتھ والوں کے احوال آیت 37 تک ذکر کرتا ہے پھر آیت 33 اور آیت 34 میں عذاب کی علتوں کا ذکر ہے پھر ایک شہادت کے ذریعے سے کتاب اور رسول کی سچائی ذکر کرتا ہے اور پھر ان کی سات مزید صفات نفیاً اور ثبوتاً ذکر کرتا ہے اور آخر میں تسبیح کا حکم ہے جو توحید کا دعویٰ ہے۔

تفسیر 3،2،1 اس میں تین مرتبہ الحاقۃ کی صفت کے ذریعے سے قیامت کو ثابت کیا ہے تو یہ اسکی زیادہ ہیبت کی طرف اشارہ ہے قیامت کو الحاقۃ کہنے کے کئی وجہیں ہیں: پہلی وجہ: وہ وقت جو یقیناً بغیر کسی شک کے واقع ہونے والا ہے۔ دوسری وجہ وہ حالت کہ اس میں یقینی چیزیں واقع ہونے والی ہیں یعنی بعث، حشر، حساب، کتاب، میزان وغیرہ۔ تیسری وجہ وہ وقت کہ اس میں اعمال کی حقیقت پہچانی جائیگی چوتھی وجہ وہ حالت کہ کسی کو جنت کا حق دار کرے گی اور کسی کو جہنم کا حق دار کرے گی (ترکیب عربی) الحاقۃ مبتدا ہے اور ما دوسرا مبتدا ہے اور دوسرا الحاقۃ دوسرے مبتدا کی خبر ہے تو دوسرا مبتدا اپنی خبر کے ساتھ پہلے مبتداء کے لئے خبر ہوا اور: ما: استفہامیہ مبتدا ہے: أدرٰ: فعل ماضی ہے اور اس میں ضمیر فاعل پوشیدہ ہے اور (كَ) مفعول اول ہے اور: ما الحاقة: مبتدا اور خبر ہے اور یہ جملہ اسمیہ فعل کا مفعول ثانی ہے اور فعل فاعل دونوں مفعول: ما: کے لئے خبر ہے اور: ما: کا حرف پہلی اور تیسری جگہ عظمت اور ہیبت کے اظہار کے لئے ہے: وَمَا أَدْرٰكَ: یحیٰی بن سلام اور سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ جس جگہ قرآن میں: وَمَا أَدْرٰكَ: ذکر ہے تو اسکے بعد (جو کچھ بیان ہوتا ہے مخلوق کو اس کا) علم دیا گیا ہوتا ہے اور جس جگہ: وَمَا يُدْرِيكَ: ہے تو اسکا علم نہیں دیا گیا ہے۔

تفسیر 4 قیامت کو ثابت کرنے کے بعد تخویف دنیاوی کے نمونے ذکر ہو رہے ہیں کہ جھٹلانے کی وجہ سے ان لوگوں پر طرح طرح کے عذاب آئے تھے اس آیت میں دو قومیں ذکر ہوئیں: اَلْقَارِعَة: یہ بھی قیامت کا ایک نام ہے اس میں دو وجہیں ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ قارعۃ قرع سے ہے سخت کھڑکا دینے کو کہا جاتا ہے تو قیامت ہیبتوں کے سبب سے دلوں کو کھڑکائیگی، دوسری وجہ امام مبرد سے منقول ہے کہ یہ قرعۃ سے لیا گیا ہے یعنی قرعہ کی طرح کچھ لوگ کامیاب ہوجائینگے اور کچھ لوگ ناکام ہوجائینگے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ: اَلْقَارِعَة: سے مراد وہ عذاب ہیں جو ثمودیوں اور عادیوں پر دنیا میں آئے تھے تو جب بھی انکے انبیاء نے انکو ان عذابوں سے ڈرایا تو انہوں نے انکو جھٹلایا پھر ثمود اگرچہ عادیوں سے بعد کے زمانے اس وجہ میں تھے لیکن ان کا ملک عرب کے نزدیک تھا کہ اس کو حجر اور وادی القریٰ کہا جاتا ہے اور ابھی اس کو مدائن صالح کہا جاتا ہے اس

وجہ سے ان کو پہلے ذکر کیا تا کہ مشرکین انکے احوال سے خوب عبرت لیں۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ "پس ثمود تیز چیخ کے ساتھ ہلاک کیے گئے [5]۔ اور عاد حد سے نکل جانے والی تیز ہوا سے ہلاک کیے گئے [6]۔ جسے ان پر برابر لگا تار سات رات اور آٹھ دن تک چلایا پس آپ دیکھتے کہ اس میں اس طرح گر گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں [7]۔ پس کیا آپ کو ان میں سے کوئی بھی باقی بچا نظر آ رہا ہے" [8]۔

تفسیر 5 "بِالطَّاغِيَةِ: یہ موصوف محذوف کی صفت ہے جو کہ "اَلصَّيْحَةُ: ہے اور وہ حد سے نکلی ہوئی چیخ تھی جیسے سورۃ قمر آیت 31 میں ذکر ہے یا اسکا موصوف: اَلْفِعْلَةُ الطَّاغِيَةُ: ہے وہ کام جو حد سے نکل گیا ہو یعنی کفر اور شرک اور اونٹنی کو قتل کرنا اور قیامت کو جھٹلانا اور صالح علیہ السلام کو جھٹلانا وغیرہ اس میں (باء) سببیہ ہے۔

تفسیر 6، 7، 8 اس آیت میں عاد قوم کے عذاب کا ذکر ہے اور ان پر عذاب کی آٹھ حالتیں ذکر کرتا ہے: پہلی آیت میں تین احوال ہیں ریح: صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ: کے ساتھ ہلاک ہونا: صَرْصَرٍ :(صر سے برد (ٹھنڈک اور اولوں) سے ماخوذ ہے یعنی سخت ٹھنڈی ہوا کیونکہ یہ عذاب سخت سردی کے موسم میں آیا تھا یا سخت آواز کرنے والی ہوا یا جسم کے مسامات (رگوں) میں داخل ہونے والی ہوا: عَاتِيَةٍ: چلنے میں حد سے نکلی ہوئی تھی یا عادیوں کی طاقت سے باہر تھی کہ وہ کسی بھی طریقے سے اس سے بچ نہیں سکتے تھے جیسے سورۃ ذاریات آیت 42 میں گزرا ہے یا یہ ان ملائک کے قابو سے باہر تھی جو ہواؤں پر مقرر ہیں اور دوسری آیت میں چار احوال مذکور ہیں: (۱) سَخَّرَهَا (۲) حُسُوْمًا (۳) فَتَرَى الْقَوْمَ (۴) كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ سَبْعَ لَيَالٍ: بقاعی نے کہا ہے کہ شوال کے مہینے کے آخری آٹھ دنوں میں پیر سے شروع ہوئی تھی اور دوسرے پیر کی شام کو رک گئی تھی حُسُوْمًا: اس میں بہت سے اقوال ہیں: پے در پے، جڑ سے نکالنے والی، کاٹنے والی، ہمیشہ انکے بارے میں منحوس اور بے خیر اور حالت کی بناء پر یہ لفظ منصوب ہے یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یا مفعول لہ ہے: فِيْهَا صَرْعٰى: ضمیر راتوں کی طرف راجع ہے یا انکے گھروں یا ہوا کی طرف راجع ہے: صَرْعٰى: صریع کی جمع ہے زمین پر اوندھے منہ گرے ہوئے مراد یہ ہے کہ مر گئے: اَعْجَازُ نَخْلٍ: اعجاز عجز کی جمع ہے تنے کے نچلے حصے کو کہا جاتا ہے یعنی یہ جسامت میں کھجور کے تنوں کی طرح تھے: خَاوِيَةٍ: کھوکھلے کہ جس کے درمیان کو کیڑوں نے کھا لیا ہو یا زمین پر گرے ہوئے اور نخل کا لفظ مذکر اور مونث

دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اسی وجہ سے یہاں صفت مونث ذکر کی اور سورۃ قمر آیت 20 میں صفت مذکر ذکر کی اور تیسری آیت میں ان کی ایک حالت ذکر ہے کہ وہ کسی بھی شخص کا باقی نہ رہنا ہے یعنی انکی جڑیں کاٹ دی گئیں :بَاقِيَةٍ: بقا کے معنی میں مصدر ہے یا اسم فاعل ہے موصوف محذوف یعنی نفس کی صفت ہے اور اس سے ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کے ایمان والے مستثنیٰ ہیں اسلئے کہ وہ: كَذَّبَتْ: میں داخل نہیں ہیں اسی وجہ سے عبارت میں حرف استثناء کی ضرورت نہیں ہے۔

وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ وَ مَنْ قَبْلَهٗ وَ الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲

"اور آیا فرعون اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے اور جنکی بستیاں الٹ دی گئیں انہوں نے بھی خطائیں کیں[9]۔پس انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو ان کو سخت گرفت نے لے لیا[10]۔بیشک جب پانی میں طغیانی آگئی ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا[11]۔تاکہ ہم اسکو تمہارے لئے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں"[12]۔

تفسیر 9 اس آیت میں تخویف دنیاوی کے دو اور نمونے ذکر کرتا ہے قوم فرعون اور لوط علیہ السلام کی قوم کے:وَجَآءَ: اس لفظ میں اخطاء اور کذب کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے:وَمَنْ قَبْلَهٗ: گذشتہ جھٹلانے والے مراد ہیں کہ انکا علم اللہ تعالیٰ کو ہے یا صرف شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے:وَالْمُؤْتَفِكٰتُ: وہ بستیاں جو عذاب کے وقت الٹ دی گئیں جس طرح ان کے بارے میں پڑھا گیا ہے:جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا: اور یہ لوط علیہ السلام کی قوم کی پانچ بستیاں تھیں اور ابن کثیرؒ نے اس سے تمام جھٹلانے والے مراد لئے ہیں کہ ان کی آبادیوں پر عذاب آیا تھا:بِالْخَاطِئَةِ: مصدر ہے یا فعلۃ اور حصلۃ کی صفت ہے اور مفرد سے مراد جنس ہے یعنی کفر اور شرک کے زیادہ گناہ اور ہم جنس پرستی کرنا اور دوسرے وہ برے کام جن کو ہر صاحب عقل غلط کہتا ہے معلوم ہوا کہ خطاء کا اطلاق کبھی قصداً گناہ پر بھی ہوتا ہے۔

تفسیر 10 یہ تمام جھٹلانے والوں یعنی عادیوں،ثمودیوں فرعون اور لوط علیہ السلام کی قوم کے ساتھ متعلق ہے یا اس سے مراد صرف فرعون اور لوط علیہ السلام کی قوم ہے۔اور:رَسُوْلَ: جنس ہے اس سے مراد زیادہ رسول ہیں اشارہ ہے کہ ان لوگوں نے جھٹلانے اور گناہ کرنے میں صرف عقل کی مخالفت نہیں کی بلکہ یہ لوگ نقل اور وحی کے بھی نافرمان تھے:فَاَخَذَهُمْ: فاسببیہ ہے یعنی یہ نافرمانی انکے عذاب کے لئے سبب ٹھہر گئی:رَّابِيَةً: دوسرے عذابوں سے انکا عذاب زیادہ تھا اسلئے کہ انکے گناہ دوسروں سے زیادہ تھے یا رابیۃ سخت کے معنی میں ہے۔

تفسیر 12،11 ہ دنیاوی عذاب کا پانچواں نمونہ ہے اور اس میں نوح علیہ السلام کی قوم کے عذاب کی طرف اشارہ ہے: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ: یہ پانی عام پانی کی حد سے نکل گیا تھا یا ملائکہ کے قابو کرنے سے نکل گیا تھا یہاں تک کہ پہاڑ اس میں چھپ گئے: حَمَلْنٰكُمْ: اس سے مراد: اٰبَآءَكُمْ: ہے یعنی نوح علیہ السلام اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ سوار ہوئے لیکن آباؤ اجداد پر احسان اولاد پر احسان شمار ہوتا ہے اسلئے موجودہ انسانوں کو خطاب کیا گیا: لِنَجْعَلَهَا: ضمیر اس واقعے کی طرف راجع ہے یعنی منکرین کا غرق ہونا اور ایمان والوں کی نجات: تَذْكِرَةً: بعد والی کشتیوں کے ساتھ نوح علیہ السلام کی کشتی یاد ہوگی اور اسی طرح اس واقعے سے توحید کا مسئلہ یاد ہوگا اور اسی طرح اسکے ذریعے سے منکرین کا عذاب اور ایمان والوں کی نجات یاد ہوگی: وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ: یہ دلیل ہے کہ ھاء کی ضمیر پہلے جملے میں واقعہ اور قصہ کی طرف راجع ہے اسلئے کہ: وَعِیٌ: کشتی کی صفت نہیں ہوسکتی: وَّتَعِيَهَا: وعی سے لیا گیا ہے اور وعی نفس میں کسی چیز کو یاد کرنا اور: اِیْعَاءٌ: برتن میں کسی چیز کو جمع کرنا ہے: اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ: اس کان کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنے اور اس کو سمجھے اور محفوظ رکھے اور اس پر عمل کرے نکرہ اس وجہ سے ذکر کیا کہ نکرہ قلت پر دلالت کرتا ہے: اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ: کم ہوتے ہیں لیکن وہ تھوڑے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی جماعت کی طرح ہوتے ہیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾

"جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائیگی[13]۔ اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائینگے پھر ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کردیے جائینگے[14]۔ بس اس وقت واقع ہوگی واقع ہونے والی[15]۔ اور آسمان پھٹ جائیگا اور وہ اس دن کمزور ہو جائیگا[16]۔ اور ملائک اسکے کناروں پر ہونگے اور آپکے رب کا عرش اس دن آٹھ ملائک اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہونگے[17]۔ اس دن تم سب پیش کیے جاؤ گے کوئی چھپنے والا تم میں سے نہیں چھپ سکے گا"[18]۔

تفسیر 13 ابھی تک قیامت کی ہیبت اور عظمت ذکر ہوئی تو ابھی اس کی کیفیات اور احوال ذکر کرتا ہے جو تین قسم کے ہیں پہلی قسم فناء کے حالات ہیں اور آیت 17 تک سات حالات مذکور ہیں اس آیت 13 میں ایک حالت ذکر ہے جو صور پھونکنا ہے اور اس سے مراد عالم کے فناء ہونے کے لئے پہلی پھونک ہے: نَفْخَةٌ: یہ مؤنث غیر حقیقی ہے اسی وجہ سے اسکے ساتھ فعل مذکر

ذکر کیا ہے:وَّاحِدَةً: یہ اس وجہ سے کہا کہ اسوقت بار بار صور میں نہیں پھونکا جائیگا۔ہاں البتہ ایک روایت کے مطابق چالیس سال بعد دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا۔

تفسیر 14 اس آیت میں دو چیزوں (زمین، اور پہاڑوں) کی دو حالتیں ذکر کرتا ہے (ان کو) اپنی اپنی جگہ سے اٹھا کر ریزہ ریزہ کرکے ایک دوسرے کے ساتھ ہموار کرنا:دَكَّةً: توڑنے اور ریزہ کرنے کو کہا جاتا ہے یعنی یہ پہلے ریزہ ہو جائینگے پھر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہموار ہو جائینگے تو سب ایک میدان نظر آئیگا۔

تفسیر 15 اس آیت میں چوتھی حالت ہے اور قیامت کا ایک نام الواقعۃ رکھا گیا ہے جیسے سورۃ الواقعہ میں گزرا ہے يَوْمَئِذٍ میں تنوین جملے کے عوض ہے یعنی:يَوْمَ نُفِخَ وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَقَعَتِ الْقِيَامَةُ:تو معلوم ہوا کہ یہ پہلی گزری ہوئی علامات قیامت کے دن کی علامات تھیں نیز یہ دنیا کے فناء ہونے کے حالات تھے۔

تفسیر 16 اس آیت میں پانچویں اور چھٹی حالت ذکر ہے آسمان کا پھٹنا اور اسکا کمزور ہونا انشقاق سے مراد اسکا ٹکڑے ہونا اور پھٹنا ہے اور ابن جریج سے روایت ہے کہ زیادہ دروازوں کا بننا ہے جیسے سورۃ نبا آیت 19 میں مذکور ہے اور اس پھٹنے کے ساتھ آسمان سے ملائکہ اتریں گے جیسے سورۃ فرقان آیت 25 میں ہے اور:اَلسَّمَآءُ: مفرد اسم جنس ہے جمع کے معنی میں ہے:وَّاهِيَةٌ: کمزور یعنی خود قائم نہیں رہ سکے گا۔یا پھٹا ہوا اور بے کار ہوگا۔

تفسیر 17 اس آیت میں ساتویں حالت ذکر ہے کہ ملائکہ آسمان کے کناروں پر ہونگے وہ کنارے جو صحیح ہونگے اور:مَلَكُ: اسم جنس سے تمام آسمانی ملائکہ مراد ہیں،حسن بصری سے منقول ہے کہ:اَرْجَآءِ: آسمان کے دروازے ہیں اور ملائکہ کا یہ حال ظاہراً دلالت کرتا ہے کہ آسمانی ملائکہ مرنے سے مستثنیٰ ہیں سورۃ زمر آیت 68 اور سورۃ نمل آیت 87 میں ملائکہ استثناء میں داخل ہیں (واللہ اعلم):وَيَحْمِلُ عَرْشَ: جہاں سے دوسری قسم کے حالات شروع ہوئے اور وہ تین ہیں: پہلی حالت یہ ہے:فَوْقَهُمْ: یہ واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش کے اوپر ہے (اور:هُمْ: ضمیر اس تمام مخلوق کی طرف راجع ہے) جو آسمان کے کناروں پر کھڑی ہوگی:يَوْمَئِذٍ: اور احادیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بھی عرش اٹھانے والے ملائکہ کی یہ تعداد ہے اور اس دن بھی یہی تعداد ہوگی:ثَمٰنِيَةٌ: آٹھ افراد ہیں اور یہ صحیح مرفوع احادیث سے ثابت ہے اور ابو داؤد کتاب السنۃ حدیث 4727۔السلسلۃ الصحیحۃ 151 شیخ البانیؒ نے اس کو حسن کہا ہے۔کئی حدیث میں آیا ہے کہ عرش کے اٹھانے والے ملائکہ میں ایک ملک کی صفت یہ ہے کہ اس کے کان کی لو سے کندھے تک سات سو سالوں کی

مسافت ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت میں وارد ہے کہ ملائک کی آٹھ صفتیں ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ ملائک کی آٹھ قسمیں ہیں (واللہ اعلم)۔

تفسیر 18 اس آیت میں دو احالتیں ذکر کرتا ہے ایک پیشی اور دوم چھپ نہ سکنا: تُعْرَضُوْنَ: یہ پیش ہونا حساب کے لئے ہے اور سورۃ کہف آیت 48 کی دلیل کے ساتھ یہ پیش ہونا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے: خَافِيَةٌ: اس سے مراد نفس خافیہ اور خصلت خافیہ ہے یعنی کوئی بھی نفس اور انسانوں کا کچھ بھی عمل نہیں چھپ سکے گا بلکہ سب حساب کے لئے کھلے میدان میں ہونگے

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓــًٔـۢا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾

"پس جس کسی کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا وہ کہے گا آؤ میرا اعملنامہ پڑھو[19]۔ بیشک میرا عقیدہ تھا کہ میں اپنے حساب سے ملنے والا ہوں[20]۔ پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا[21]۔ اونچی جنت میں[22]۔ جسکے میوے جھکے ہوئے ہونگے[23]۔ خوشی سے کھاؤ پیو اسکے بدلے میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں کیا تھا" [24]۔

تفسیر 19 اس آیت سے قیامت کے دن کی تیسری قسم کے احوال شروع ہوتے ہیں جو کہ صحیفوں کی تقسیم ہے نیز لوگوں کا دو قسموں پر تقسیم ہے پہلی قسم اصحاب الیمین ہیں اور ان کی (بشارت کے) دس حالات ذکر کرتا ہے: فَیَقُوْلُ: یمین عرب کے نزدیک خوشی کی دلیل ہوتی ہے تو یہ بھی انتہائی خوشی کی وجہ سے جسکے سامنے آتا ہے تو یہ اس سے کہتا ہے: هَآؤُمُ اقْرَءُوْا: هَآؤُ: آؤ اور لے لو کے معنی میں ہے کسائی سے مروی ہے کہ ھاء لینے کے معنی میں ہے جیسے ابواب الرباء کی حدیث میں آیا ہے کہ اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ: اور جب میم اسکے ساتھ ہو اس میں مفرد تثنیہ اور جمع ایک جیسے ہوتے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ: هَاؤُمُ کا مجموعہ ایک کلمہ ہے جو عرب خوشی کے وقت ذکر کرتے ہیں اور ایک اور قول یہ ہے کہ: هَاءَ: تنبیہ کے لئے ہے اور اُمُّوْ سے: اَمَّ: ہے قصد کے معنی میں: كِتٰبِیَهْ: هَاؤُمُ: یا اِقْرَءُوْا: کے ساتھ منصوب ہے اور اس میں ہا سکتہ کے لئے ہے اور عام قراء کے نزدیک یہ ھا وصل اور وقف دونوں میں پڑھی جاتی ہے۔

تفسیر 20 یہ نجات اور خوشی کا سبب ہے یعنی قیامت کا عقیدہ اور حساب کا خوف نجات کے لئے سبب ہے: ظَنَنْتُ: ظن یقین کے معنی میں ہے اسلئے کہ گمان کے ذریعے سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا ہے اور مجاہد سے روایت ہے کہ ظن آخرت کے بارے میں استعمال ہو تو یقین کے معنی میں ہوتا ہے اور دنیا کے بارے میں شک کے معنی میں ہوتا ہے اور ضحاک نے کہا

ہے کہ قرآن میں ظن مومن کی طرف سے یقین ہے اور کافر کی طرف سے شک ہے۔

تفسیر 21 "رَّاضِيَةٍ: سوال راضی تو زندہ آدمی ہے تو زندگی کی صفت میں: رَّاضِيَةٌ: کس طرح کہا گیا؟ جواب کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ اسم فاعل: ذُوْ کَذَا: کے ساتھ مسمّٰی ہے جیسے: لَابِنٌ اَوْ تَامِرٌ ذُوْ لَبَنٍ یَا ذُوْ تَمْرٍ یعنی عِيْشَةً ذَاتَ رِضًا: دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ فاعل مفعول کے معنی میں ہے جیسے دافق مدفوق کے معنی میں ہے یعنی: عِيْشَةً مَّرْضِيَّةً: تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ اسناد مجازی ہے یعنی: عِيْشَةً رَّاضٍ صَاحِبُهَا: جیسے: عَذَابٌ اَلِيْمٌ: میں مشہور قول ہے اور اس زندگی کی خوشی حدیث میں ذکر ہے کہ ان پر موت، بیماری اور تنگی اور غم اور بڑھاپا نہیں آئیگا۔

تفسیر 22، 23 "عَالِيَةٍ: ایک معنی یہ ہے کہ اس میں بلند محلات اور درجے ہیں جیسے سورۃ زمر آیت 20 میں ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ جنت میں درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جیسے آسمان وزمین کے درمیان ہے صحیح بخاری کتاب الجهاد والسير حديث 2790، دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کی شان نفسوں اور دلوں میں بلند ہے قُطُوْف قِطْف: کی جمع ہے وہ میوے جو جمع کئے جاسکتے ہوں: دَانِيَةٌ: ہر حالت میں قریب ہوں گے لیٹے، بیٹھے، کھڑے اور ٹیک لگانے والوں سب کے لئے برابر ہونگے جیسے سورۃ رحمان آیت 54 میں ہے۔

تفسیر 24 یہاں: يُقَالُ لَهُمْ: پوشیدہ ہے اور تعمیم کے لئے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا: کا مفعول مقدر ہے: هَنِيْٓـئًا: وہ خوراک جس میں کچھ بھی نقصان اور ضرر نہ ہو اور فائدے اس میں زیادہ ہوں: بِمَآ اَسْلَفْتُمْ: سوال: حدیث میں آیا ہے کہ کوئی بھی اپنے عمل کے سبب جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے اور اس آیت میں عمل کو سبب ٹھہرایا گیا ہے؟ جواب: اس کی تفصیل سورۃ اعراف آیت 43 میں گزری ہے خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی سبب تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور سبب ظاہری عمل ہے اور قرآن کریم تو اکثر ظاہری اور بڑے امور بیان کرتا ہے تو سبب ظاہری کو ذکر کیا اور حدیث میں تو اکثر حکمتیں اور پوشیدہ امور ذکر کئے جاتے ہیں تو اس میں نفی اور حقیقی سبب ذکر کیا گیا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ
الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِيْ
سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿٣٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ

الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿٣٥﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿٣٦﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿٣٧﴾

"اور وہ جسکو اسکا عملنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا وہ کہے گا کاش! مجھے میرا عملنامہ نہیں دیا جاتا [25]۔ اور میں نہیں جانتا کہ میرا حساب کیا ہوگا [26]۔ اے کاش! موت (میرا کام) تمام کردیتی [27]۔ مجھے میرے مال نے کچھ فائدہ نہیں دیا [28]۔ میری زورآوری مجھ سے تباہ ہوئی [29]۔ (کہا جائے گا) اس کو پکڑو اسکو طوق پہناؤ [30]۔ پھر اسکو جہنم میں ڈالدو [31]۔ پھر اسکو ایک زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہوگی جکڑ دو [32]۔ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ بڑی شان والے پر ایمان نہیں رکھتا تھا [33]۔ اور مسکین کے کھلانے پر ترغیب نہ دیتا تھا [34]۔ پس آج اسکا کوئی مخلص دوست نہیں ہوگا [35] اور نہ خوراک ہوگی سوائے پیپ کے [36]۔ جس کو گنہگاروں کے علاوہ کوئی نہیں کھاتا" [37]۔

تفسیر 25، 26، 27 یہ دس طریقوں سے اصحاب الشمال کے احوال ذکر کرنے کے ذریعے سے تخویف ہے اور اس میں تین افسوس ذکر کئے گئے اسلئے کہ وہ حسرت کا دن ہے پہلا افسوس عملنامہ دینے پر اسلئے کہ وہ اسکے برے اعمال سے بھرا ہوا ہوگا تو یہ افسوس حقیقت میں ان برے اعمال پر ہوگا جو اس نے کئے تھے دوسرا افسوس برے اعمال کے انجام کے ظاہر ہونے پر ہے جس کو حساب کہا گیا ہے اور تیسرا افسوس دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں ہے یعنی کاش کہ موت کے ذریعے سے زندگی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوتا تو اس چیز کی تمنا کرینگے جو دنیا میں تمام چیزوں سے بری لگتی تھی۔

تفسیر 28، 29 یہ مالدار اور اقتدار والے کی حالت ہے کہ مال اور اقتدار دونوں نے کچھ فائدہ نہیں دیا۔ مَا: نافیہ یا استفہامیہ انکاریہ ہے: سُلْطٰنِيَهْ: دنیا میں غریبوں پر غلبہ اور حکمرانی یا اس سے مراد شرک اور بدعات کی حجتیں اور دلائل ہیں کہ ان کے ذریعے سے باطل پرست دنیا میں دھوکا کھاگئے ہیں۔

تفسیر 30، 31، 32 اس آیت میں بہت اہانت اور ذلت کے ساتھ باطل پرستوں کے عذاب کا ذکر ہے اور اس میں: يُقَالُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ: پوشیدہ ہے: خُذُوْهُ: اس سے زبردستی قید کرنا مراد ہے: فَغُلُّوْهُ: ہاتھ اور پاؤں کو گردن کے ساتھ باندھنا یا ان کی گردنوں میں طوق ڈالنا مراد ہے جیسے سورۃ غافر آیت 71 میں ہے: ثُمَّ الْجَحِيْمَ: اسکو تخصیص کے لئے پہلے ذکر کیا یعنی جہنم کے علاوہ انکی کوئی دوسری جگہ نہیں ہے یا یہ اس (جہنم) کی ہیبت شان کے لئے ہے: صَلُّوْهُ: صلی: سے ماخوذ ہے آگ میں جلانے کے لئے داخل کرنا: سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا: ذراع کا اندازہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور: سَبْعُوْنَ: بھی زیادتی کے لئے استعمال ہوتا ہے صرف 70 مراد نہیں ہے ترمذی صفۃ جہنم حدیث 2588 شیخ البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور احمد

2/197 کی حدیث (جو کہ حسن ہے) میں ہے کہ آسمان سے زمین کی طرف لوہے کا ایک بڑا ٹکڑا گرا دیا جائے تو رات سے پہلے زمین تک پہنچ جائیگا حالانکہ یہ مسافت پانچ سو سال کی ہے اور اگر یہ ٹکڑا اس زنجیر کے ایک سرے سے چھوڑا جائے تو چالیس سال کی مسافت طے کرنے کے باوجود زنجیر کے دوسرے سرتک نہیں پہنچیگا اس سے اس زنجیر کی لمبائی کا اندازہ ہوتا ہے۔فَاسْلُكُوْهُ: سلک وہ دھاگہ ہے جو موتی کے تنگ سوراخ میں مشقت کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔احمد کی روایت بھی اسی طرح ضعیف ہے۔

تفسیر 33، 34 اس آیت میں عذاب کی دو علتیں ذکر کرتا ہے پہلی علت کفر اور شرک کے ذریعے سے (چاہے کسی قسم کا شرک ہو) اللہ کے حق کو ضائع کرنا اور لفظ العظیم (اللہ تعالٰی کی صفت میں) کے ساتھ اشارہ ہے کہ کافر کا جرم بہت بڑا ہے اسلئے کہ وہ العظیم ذات کے حق میں کوتاہی کرتا ہے اور دوسری علت بندوں خاص کر مسکینوں کا حق برباد کرنا ہے اور یہ کافروں کی صفت ہے کہ وہ مساکین کا مذاق اڑاتے ہیں جیسے سورۃ یٰسین آیت 47 میں ہے اور اسی طرح مسکین کا حق وہ مال ہے جو اللہ تعالٰی کے نام پر دیا جائے اور غیر اللہ کا نام اس میں شریک نہ ہو لیکن مشرک ایسے کھانے پر نہیں ابھارتا بلکہ وہ غیر اللہ کی نذر ونیاز اور بدعات اور رسم رواج کے کھانوں کی ترغیب دیتا ہے۔وَلَا يَحُضُّ: یعنی اپنے آپ کو اور دوسرے کو ترغیب بھی نہیں دیتا اور اس طرح سورۃ ماعون آیت 3 میں بھی ہے۔طَعَامِ: اطعام کے معنی میں ہے یا اطعام مضاف کے طور پر محذوف ہے۔

تفسیر 35، 36، 37 یہ گزشتہ علتوں پر تفریع ہے یعنی اللہ تعالٰی اور بندوں کے حقوق کو ضائع کرنا اکیلے ہونے کے لئے سبب ہے کہ کوئی بھی دوست نہیں رہے گا نیز یہ رزق کے انقطاع کے لئے سبب ہے۔حَمِيْمٌ: وہ قریبی دوست جس پر دوست کی تکلیف کے وقت کی گرمی غم لے آئے یعنی اس کے خوف میں بے چینی سے گردش پیدا ہو جائے۔غِسْلِيْنٍ: وہ خون اور پانی جو جہنم والوں کے زخموں سے بہے گا۔ سوال: سورۃ غاشیہ آیت 6 میں انکے کھانے کا حصر ضَرِيْعٍ: میں ذکر کیا گیا ہے اور یہاں حصر غِسْلِيْنٍ: میں ذکر کیا گیا ہے؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ ضریع بھی غسلین کی قسموں میں سے ہے جیسے امام قرطبی نے ایک احتمال ذکر کیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مجرموں کی اقسام کے اعتبار سے الگ الگ حصر ہے تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ مختلف اوقات کے اعتبار سے ہے۔الْخَاطِئُوْنَ: یہ خطیئۃ سے ماخوذ ہے گناہ کو کہا جاتا ہے خطاء سے ماخوذ نہیں ہے اور الف لام عہد کے لئے ہے تو مراد مشرک اور کافر ہیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿٤٠﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٣﴾

”تو اس طرح نہیں ہے میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنکو تم دیکھتے ہو [38]۔ اور ان چیزوں کی جنکو تم نہیں دیکھتے ہو [39]۔ یقیناً یہ عزت والے رسول کا پیغام ہے [40]۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں بہت کم تم ایمان لاتے ہو [41]۔ اور نہ ہی کسی کاہن کا قول ہے بہت کم تم نصیحت لے رہے ہو [42]۔ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے“ [43]۔

تفسیر 38، 39 قسم کی تفسیر سورۃ یٰسٓ کی ابتداء میں گزرا ہے اور: لَآ اُقْسِمُ: کی تفسیر سورۃ واقعۃ میں گزری ہے: مَا تُبْصِرُوْنَ اور بِمَا لَا تُبْصِرُوْنَ: تمام مشاہدات اور مغیبات پر مشتمل ہیں چاہے امور دنیاوی ہوں یا اخروی ہوں اور چاہے محسوسات ہوں یا معقولات ہوں اور چاہے اجسام ہوں یا انسانوں کی ارواح ہوں اور چاہے جن وغیرہ ہوں اور ماقبل کے ساتھ اسکا ربط یہ ہے کہ قیامت پر یقین کے لئے قرآن پر ایمان ضروری ہے اور اسی طرح جھٹلانے والوں: خَاطِئُوْنَ: کے سوال کا جواب بھی ہے کہ وہ کہتے ہے کہ یہ شاعر یا کاہن کا قول ہے اور جواب قسم کے ساتھ اس قسم کی مناسبت چند وجوہ سے ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام کائنات ظاہری اور معنوی قرآن کی سچائی پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن میں دو قسم کی چیزیں ذکر ہیں: محسوسات اور مغیبات اور ان کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور یہ کام شاعر اور کاہن نہیں کر سکتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ جیسے چیزیں دو قسم کی ہیں بعض تمہیں نظر آتی ہیں اور بعض تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں لیکن تم اسے مانتے ہو تو اسی طرح قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے اگرچہ تم سے اس کی کیفیت غائب ہے لیکن چاہئے کہ تم اسے مان لو۔

تفسیر 40 یہ جواب قسم ہے: لَقَوْلُ: قول سے مراد تلاوت کرنا ہے یا وحی کے معنیٰ میں ہے اور مفعول کی طرف اضافت ہے اور رسول سے مراد بشری رسول ہے یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سورۃ تکویر آیت 19 میں بعد والے اوصاف کے قرینے سے رسول سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہے: كَرِيْمٍ: کرم ہر چیز کے لائق کمالات کے اجتماع کو کہا جاتا ہے جو اس میں ہوں تو بشریت کے تمام کمالات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کیے گئے تھے۔

تفسیر 41، 42 شعر وہ مقفّی کلام ہے جس میں مقصد وزن ہو اور یہ اکثر مبالغات یا جھوٹ پر مشتمل ہوتا ہے اور کہانت علم غیب کے دعوے کے ساتھ ستاروں یا حساب کے ذریعے سے غیب کی خبر دینا ہے اور اسکا سبب شیاطین ہوتے ہیں جیسے سورۃ شعراء میں ذکر ہوا ہے اور ان خبروں میں کثرت سے جھوٹ ہوتا ہے اور اس قرآن میں ساری باتیں سچی ہیں اور اسی طرح اس میں شیاطین کی قباحتیں بھی ذکر ہوئی ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ قرآن شعر اور کہانت نہیں تو نبی شاعر اور کاہن نہیں ہے۔ قَلِيْلًا مَّا: یہ موصوف کی تقدیر کے ساتھ بعد والے الفعل کے لئے مفعول مطلق ہے اور (مَا) قلت کی تاکید کے لئے ہے اور ظرف ہے اور

کم ایمان سے مراد ایمان لغوی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خالق سمجھتے ہیں اور کم وقت سے مراد یہ ہے کہ سختی میں اسکی طرف فریاد کرتے ہیں اور یہ ایمان شرعی نہیں ہے۔ فائدہ: پہلی آیت میں ایمان کی نفی اور دوسری آیت میں نصیحت کی نفی ذکر ہے وجہ یہ ہے کہ شاعر کے کلام پر عموماً عقیدہ اور یقین حاصل نہیں ہوتا ہے صرف ذہنی تفریح اس سے حاصل ہوتی ہے تو ایمان اس پر حاصل نہیں ہوتا ہے اور کاہن کی خبر پر لوگ یقین اور تصدیق تو کرتے ہیں لیکن اس میں وعظ ونصیحت مقصود نہیں ہوتی تو ہر ایک کے ساتھ اسکے مناسب لفظ ذکر کیے ہیں۔

تفسیر 43 یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے: رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ اس قرآن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان اور یقین حاصل ہوتا ہے نیز یہ تمام جہان والوں کے لئے کتاب ہے ایک قوم یا زمانے کے ساتھ خاص نہیں۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾ ع

"اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتا [44]۔ تو البتہ ہم اسکا دائیں ہاتھ پکڑ لیتے [45]۔ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے [46]۔ پھر تم میں سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا [47]۔ اور بیشک یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے [48]۔ اور یقیناً ہم جانتے ہے کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں [49]۔ اور یقیناً یہ (قرآن) کافروں پر افسوس ہے [50]۔ اور یقیناً یہ قرآن یقینی حق ہے [51]۔ پس تم اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کرو" [52]۔

تفسیر 44، 45، 46، 47 اس میں دوسرے طریقے سے رسول اور قرآن کی سچائی کو ثابت کیا گیا ہے: بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ: بَعْضَ: کا اطلاق ایک پر بھی ہوسکتا ہے اور: اَقَاوِيْلِ: لفظ میں تصغیر اور تحقیر ہے: لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ: اَخَذَ: انتقام کے معنی میں ہے اور: مِنْهُ: اپنے معنی میں ہے، اور: اَلْيَمِيْنِ: قوت اور قدرت کے معنی میں ہے یا: اَخَذَ: قطع کے معنی میں ہے اور بالیمین میں باء زائدہ ہے اور الیمین سے مراد دایاں ہاتھ ہے جیسے حکمران باغیوں کو سزا دیتے ہیں تو پہلے ان کے دائیں ہاتھ کاٹتے ہیں پھر سامنے گردن پر مارتے ہیں یا اس سے مراد دائیں ہاتھ کو کام کرنے سے باندھنا ہے: اَلْوَتِيْنَ: یہ اس رگ کا نام ہے جو سر سے لیکر دل تک پہنچی ہو یا یہ کمر کی رگ ہے: حٰجِزِيْنَ: مَا کی خبر ہے اور: مِنْ اَحَدٍ: اسکا اسم ہے یا: مِنْكُمْ خبر ہے اور: حَاجِزِيْنَ: جر کی حالت میں: مِنْ اَحَدٍ: کی صفت ہے اور یہ عبارت نفی کے استغراق پر دلالت کرتی ہے اور

خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر اللہ تعالیٰ پر ہر ایک بات بھی جھوٹی بنا لیتے تو اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دعوت تک ایسی حالت سے بچا کر رکھا اور اس کے جسم سے اس طرح کچھ بھی ٹکڑا جدا نہیں ہوا جس کے ذریعے سے ان کی موت آئی ہو اور نہ دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سچا نبی ہے اور یہ طریقہ استدلال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے لئے خاص ہے یہ نبوت کے کسی جھوٹے دعویدار کے بارے میں نہیں ہے اسی وجہ سے: تَقَوَّلَ: کی ضمیر صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اگر یہ دلیل عام ہوتی تو اس طرح فرمایا جاتا: وَلَوْ تَقَوَّلَ اَحَدٌ عَلَیْنَا: تو مرزا غلام احمد قادیانی کا اعتراض باطل ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوتا تو مجھے ایسے طریقے سے ہلاک کیا جاتا تو اسکا جواب یہ ہے کہ جو ذکر کیا گیا اور اسی وجہ سے مسیلمہ الکذاب اور اسود عنسی جھوٹے نبوت کے دعویدار تھے لیکن وہ بھی ایسے طریقے سے ہلاک نہیں کیے گئے تھے۔

تفسیر 48 ''اِنَّهٗ: ضمیر قرآن پاک یا رسول کی طرف راجع ہے اور پرہیزگاروں کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ فائدہ انکے ساتھ خاص ہے جس طرح: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ: کی تفسیر میں گزرا ہے۔

تفسیر 49 یہ قرآن کی سچائی ثابت کرنے کے بعد وعید ہے: مِنْكُمْ: میں اشارہ ہے کہ بعض: مُصَدِّقِيْنَ (تصدیق کرنے والے) ہیں: اِنَّا لَنَعْلَمُ: اللہ تعالیٰ کا یہ علم قرآن کے نزول سے پہلے اور بعد میں دونوں حالتوں میں ایک جیسا ہے

تفسیر 50، 51 ''وَاِنَّهٗ: کی ضمیر تکذیب کی طرف راجع ہے اور: حَسْرَةٌ: ندامت پشیمانی کے معنی میں ہے یا ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے یعنی جب کبھی قرآن والوں کے ثواب قیامت کے دن میں دیکھ لینگے۔ جیسے سورۃ انعام آیت 27 میں اور سورۃ حجر آیت 2 میں ہے: وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ: یہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے یا: حَسْرَةٌ: کی طرف راجع ہے اور حسرۃ تحسر کے معنی میں ہے: لَحَقُّ الْيَقِيْنِ: اس میں موصوف کی طرف صفت کی اضافت ہے یعنی امر یقینی واقعی اور ثابت ہے اور اس قید میں فائدہ یہ ہے کہ بعض اوقات انسان کو باطل چیز پر یقین آجاتا ہے تو اسکو حق الیقین نہیں کہا جا سکتا ہے اور یہ مرتبہ علم الیقین سے اعلیٰ اور عین الیقین سے کم ہے۔

تفسیر 52 اس طرح سورۃ واقعہ آیت 74، اور آیت 96 میں گزرا ہے اور: بِاسْمِ: میں (با) تاکید کے لئے زائد ہے اور اسم سے مراد جنس اسمائے حسنیٰ اور اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی ہر شریک اور ہر قسم کے عیوب سے پاکی بیان کرنا اور انہیں منزہ قرار دینا فرض ہے اور توحید کا یہ دعویٰ رسول کی سچائی اور قرآن کی سچائی ثابت کرنے پر تفریع ہے جو کہ اشارہ ہے کہ قرآن اور رسالت کا مقصد صرف توحید ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قیامت کے تین نام (۱) والحاقۃ (۲) الواقعۃ (۳) القارعۃ ۲۔ اصحاب الیمین وشمال کا حال۔

۳۔ رسول کی سچائی مع التاکید ذکر ہے۔

الحمدللہ! سورۃ الحاقۃ کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتها ٤٤ | ٧٠ سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ٧٩ | رکوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍۙ ۝١ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌۙ ۝٢ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِؕ ۝٣ تَعْرُجُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ
اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍۚ ۝٤ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝٥ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًاۙ ۝٦ وَّ
نَرٰىهُ قَرِيْبًاؕ ۝٧

"مانگا ایک مانگنے والے نے واقع ہونے والا عذاب [1]۔ کافروں کے لئے اسکا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے [2]۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آسمانوں والا ہے [3]۔ ملائکہ اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں اس دن میں جسکی مقدار پچاس ہزار سال ہے [4]۔ پس تم خوب صبر کرو [5]۔ بے شک یہ عذاب کو دور سمجھتے ہیں [6]۔ اور ہم اس کو قریب دیکھتے ہیں" [7]۔

ربط: اس سورت کا ربط ماقبل سورت سے بہت سی وجوہ سے ہے: **پہلی وجہ** یہ ہے کہ اُس سورت میں قیامت کے عذاب کی عظمتِ شان ذکر ہوئی تو اس سورت میں ان کا رد ہے جو اس عذاب کے بارے میں سوال کرتے ہیں **دوسری وجہ** یہ ہے کہ اُس سورت میں منکرین کے اوصاف ذکر ہوئے تو اس سورت میں ایمان والوں کے اوصاف ذکر کرتا ہے۔ **تیسری وجہ** یہ ہے کہ اس سورت میں عذاب کی بعض علتیں ذکر کی گئی ہیں تو اس سورت میں دوسری علتیں ذکر کرتا ہے۔ **سورت کا بنیادی مضمون** منکرین کے لئے زجر ہے اور قیامت کے احوال کے ذریعے سے تخویف اُخروی ہے اور ایمان والوں کی صفات کے ذریعے سے نجات کے ساتھ بشارت ہے۔ **سورت کا خلاصہ** پہلے عذاب کے استہزاء کرنے پر ڈانٹ ہے اسکے ساتھ پانچ طریقوں سے عذاب کی عظمت کا ذکر ہے اور آیت 5 تک تسلی ہے اور آیت 11 تک قیامت کے پانچ احوال کا ذکر ہے پھر آیت 14 تک پانچ چیزوں کے ذریعے سے فدیہ دینے کا ذکر ہے اور پھر آیت 21 تک آگ اور جہنم کی ہیبتِ شان کا ذکر ہے اور آگ والوں کے اوصاف مذکور ہیں جو دس ہیں پھر آیت 35 تک بشارت کے ساتھ موحدین کی دس صفات کا ذکر ہے پھر آیت 42 تک منکرین کے پانچ حالات ذکر کرنے کے ذریعے سے زجر ہے اور سورۃ کا اختتام پانچ حالات کے ذریعے کی جو

تخویف اُخروی ہے۔

تفسیر 1، 2 یہ عذاب کے جلدی مانگنے پر زجر ہے جیسے سورۃ حج آیت 47 اور سورۃ انفال آیت 32 میں ہے اور سوال سے مراد ان دو آیتوں اور بِعَذَابٍ میں باء کے قرینے کے ساتھ دعا مانگنا ہے: سَآئِلٌ: نکرہ میں اشارہ ہے کہ جو بھی یہ سوال کرتے ہیں تو زجر کے لائق ہیں: وَّاقِعٍ: یعنی آنے والا ہے یا تیار ہے: لِّلْكٰفِرِيْنَ: محذوف کے ساتھ متعلق ہے یعنی خاص لَهُمْ: یا واقع کے ساتھ متعلق ہے جب تیار کے معنی میں لیا جائے یا سائل کے متعلق ہے یہ عذاب کے پانچ احوال ذکر ہوئے: عَذَابٌ، وَّاقِعٌ، لِّلْكَافِرِيْنَ، لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ، مِّنَ اللّٰهِ۔

تفسیر 3 یہ سَأَلَ یا وَّاقِعٌ: کے ساتھ متعلق ہے یا دافع کے ساتھ متعلق ہے: الْمَعَارِجِ: مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کیے ہیں: (۱) آسمان (۲) ملائکہ کے مراتب (۳) بڑے درجات (۴) اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات (۵) عظمت اور بلندی۔

تفسیر 4 "وَ الرُّوْحُ: یہ خاص کا عام پر عطف ہے اور اس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہے اور یہ مشہور قول ہے یا اس سے مراد (نیک) مُردوں کی ارواح ہیں جو ساتویں آسمان تک چڑھتی ہیں: فِيْ يَوْمٍ: یہ تَعْرُجُ کے ساتھ متعلق ہے یا واقع کے ساتھ متعلق ہے: خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ: پہلی توجیہ کے مطابق یہ: اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ: سے عرش عظیم تک ملائکہ کے چڑھنے کے وقت کی مقدار ہے یہ قول امام ابن کثیر نے ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے اور سورۃ سجدۃ آیت 5 میں جو عروج کی مقدار مراد ہے تو وہ اس زمین سے پہلے آسمان تک عروج کی مقدار ہے اور دوسری توجیہ کے مطابق یہ قیامت کے دن کی مقدار ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور یہ مقدار صحیح مسلم کتاب الزکوۃ حدیث 987، ابوداؤد، اور نسائی میں صحیح مرفوع حدیث میں ذکر ہے اور سورۃ سجدۃ آیت 5 میں جب قیامت کے دن کی مقدار مراد ہو جائے تو تطبیق یہ ہے کہ قیامت کے دن کے پچاس مقامات ہیں اور ہر مقام ہزار سال کا ہے اور یہ خطیب شربینی نے السراج المنیر میں یمان سے نقل کیا ہے اور اس میں دو اور قول بھی ہیں لیکن وہ ضعیف ہیں۔

تفسیر 5 اس میں تسلی ہے اور یہ: سَأَلَ: کے ساتھ متعلق ہے یعنی انکا یہ سوال استہزا کے طریقے پر ہے تو اسکے مقابلے میں صبر کرنا چاہئے: صَبْرًا جَمِيْلًا: وہ صبر ہے کہ اس میں مخلوق کے سامنے شکوہ نہیں ہوتا تو مخلوق کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ مصیبت والا کون ہے یہ اچھے اخلاق میں سے ہے جہاد اور قتال کے منافی نہیں ہے لہٰذا یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔

تفسیر 6,7 "بَعِيدًا": اس سے مراد عقل سے دور ہونا ہے یعنی قیامت سے انکار کرتے ہیں یا زمانے کا دور ہونا مراد ہے اور قریب سے مراد عقل کے ساتھ مناسب یا زمانے کے لحاظ سے قریب ہے اسلئے کہ ہر آنے والا قریب ہوتا ہے۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾

"جس دن آسمان پگھلائے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائیگا [8]۔ اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائینگے [9]۔ اور نہ کوئی دوست کسی دوست کو پوچھے گا [10]۔ سب ان کو دکھائی دینگے گنہگار یہ خواہش کریگا کہ کاش! وہ اس دن کے عذاب سے اپنے بیٹوں کو فدیہ میں دے [11]۔ اور یہ اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے خاندان کو جو اس کو جگہ دیتے تھے [13]۔ اور تمام اہل زمین کو فدیہ میں دے پھر اسکو بچالے [14]۔ ہرگز نہیں یہ گرم شعلے ہیں [15]۔ کھال ادھیڑ دینے والی ہے [16]۔ اس شخص کو بلا رہی ہوگی جو پیچھے ہٹتا اور منہ پھیرتا ہے [17]۔ اور مال کو جمع کرتا ہے پھر اسکی حفاظت کرتا ہے" [18]۔

تفسیر 10,9,8 "يَوْمَ: تَرَاهُ": کے ساتھ متعلق ہے اور یہ قیامت کی ہیئتیں ہیں: السَّمَاءُ: اس سے مراد تمام آسمان ہیں: اَلْمُهْلِ: گرم تیل کی تلچھٹ اور پگھلائے ہوئے تانبے کو کہا جاتا ہے اور زخموں کی پیپ وغیرہ کو بھی کہا جاتا ہے اس طرح سورۃ کھف آیت 29 اور سورۃ دخان آیت 45 میں بھی گزرا ہے: كَالْعِهْنِ: وہ اون جو مختلف رنگوں پر مشتمل ہو پہاڑ بھی مختلف رنگوں والے ہیں تو فناء کے وقت رنگین اون کی طرح نظر آئینگے: وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا: یعنی ہر انسان اپنے آپ میں مشغول ہو جائیگا جیسے سورۃ زخرف آیت 27 اور اسی طرح سورۃ المومنون آیت 101 اور سورۃ عبس آیت 37 میں بھی ہے۔

تفسیر 11 "يُبَصَّرُونَهُمْ: نائب فاعل اور مفعول دونوں کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے اور اس سے انتہائی ہیبت شان کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ دوست ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے لیکن ایک دوسرے کا نہیں پوچھ سکیں گے حالانکہ ایک دوسرے کو نہیں پوچھیں گے یا نائب فاعل کی ضمیر ایمان والوں کی طرف راجع ہے اور مفعول کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے یا پہلی ضمیر پیروکاروں کی طرف راجع ہے (جنہوں نے گناہوں میں پیروی کی تھی) اور دوسری ضمیر متبوعین کی طرف راجع ہے: لَوْ يَفْتَدِي: عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ دیگا اور چونکہ بچنے میں جلدی کرنا مقصود ہوتا ہے تو پہلے فدیہ میں بیٹے پیش کریگے جو کہ زیادہ محبوب اور قریب ہیں تو: اَعَزَّ: الخ اور اَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ: ترتیب کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔

تفسیر 12، 13، 14 انسان طبعی طور پر عار محسوس کرتا ہے کہ بیوی کو فدیہ میں دے لیکن قیامت کی سختی اتنی زیادہ ہوگی کہ
مجبوراً اپنی بیوی کو بھی فدیہ میں دے گا۔ وَ اَخِيْهِ: سختی کے وقت بھائی بھی مدد کے لئے سبب ہے: وَفَصِيْلَتِهِ: فصیلہ اصل
میں جسم کے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے اور اس سے مراد قریبی خاندان ہے یا اس سے مراد ماں ہے: وَمَنْ فِي الْاَرْضِ: اس میں قبیلے
اور دوست سب داخل ہیں: ثُمَّ يُنْجِيْهِ: یہ يَفْتَدِيْ: پر معطوف ہے اور يَوَدُّ: کے جواب پر دلالت کرتا ہے یعنی:
فَيَفِيْدُهُ الْاِفْتِدَاءُ: جیسے وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ: میں جواب فاء کے ساتھ ہے۔

تفسیر 15، 16 "كَلَّا: حرف ردع ہے اس میں نجات کا انکار ہے: لَظٰى: وہ آگ جسکے شعلے زیادہ اور تیز ہونگے یہ جہنم کے
ایک طبقے کا نام ہے: نَزَّاعَةً: حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا اختصاص کے ساتھ منصوب ہے: لِلشَّوٰى: شَوَاةٌ: کی
جمع ہے یہ ہاتھ اور پاؤں اور سر اور چمڑے اور پیوندوں اور جوڑوں کو کہا جاتا ہے لہٰذا سارے بدن کو شامل ہے۔

تفسیر 17، 18 "تَدْعُوْا: دعاء آواز کے معنی میں مشہور معنی ہے اور ہلاک کرنے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے: اَدْبَرَ وَ
تَوَلّٰى: دونوں کے درمیان کئی وجوہ سے فرق ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ ادبار پیٹھ پھیرنا اور تولّٰی منہ پھیر دینا دوسری وجہ ادبار دل
کے ساتھ اور تولّٰی عمل کے ساتھ تیسری وجہ ادبار گناہ میں مشغول ہونا ہے اور تولّٰی اطاعت سے اعراض کرنا ہے چوتھی وجہ
ادبار توحید کے سننے سے پیٹھ پھیرنا جیسے سورۃ اسراء آیت 46 میں ہے اور تولّٰی رسول اور قرآن سے منہ پھیرنا جیسے سورۃ نساء
آیت 61 اور سورۃ نور آیت 47 میں ہے: وَجَمَعَ: مراد یہ ہے کہ انکی توجہ صرف دنیا کے مال اور اسکے جمع کرنے کی طرف
ہے کہ زیادہ ہوجائے جیسے سورۃ ھمزہ آیت 2 میں ہے: فَاَوْعٰى: برتن میں رکھنا اشارہ ہے کہ خزانہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ
میں خرچ نہ کرنے کی طرف یعنی یہ شخص دنیا کا حریص اور بخیل بھی ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿19﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿20﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿21﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿22﴾ الَّذِيْنَ
هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿23﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿24﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿25﴾ وَالَّذِيْنَ
يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿26﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿27﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿28﴾

"بے شک انسان حریص پیدا کیا گیا ہے[19]۔ جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو فریاد کرتا ہے[20]۔ اور جب خیر پہنچ جاتی
ہے تو منع کرتا ہے[21]۔ سوائے نمازیوں کے[22]۔ جو اپنی نمازوں پر ہمیشگی کرتے ہیں[23]۔ اور جنکے مال میں مقررہ حصہ
ہے[24]۔ مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی[25]۔ اور وہ لوگ جو جزاء کے دن کی تصدیق کرتے ہیں[26]

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں[27]۔ بے شک انکے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے[28]۔

تفسیر 19، 20، 21 یہ آگ والوں کی دوسری بری صفات ہیں: خُلِقَ: اشارہ ہے کہ یہ صفات اس انسان میں طبعی اور خلقی ہیں اور: اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ: کے قرینے کے ساتھ انسان سے مراد کافر ہے: هَلُوْعًا: هلع سے ہے سخت حریص کو کہا جاتا ہے جو خیر اور شر کی حالت میں نامناسب کام کرتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ هلوع کی تفسیر بعد والی دونوں آیتوں میں ہے: جَزُوْعًا: تکلیف اور غم میں ہر وقت فریادیں کرتا ہے اور روتا ہے کچھ صبر اور شکر اس میں نہیں ہے اور ایمان تو صبر اور شکر سے عبارت ہے۔

تفسیر 22 یہ صفات گذشتہ قبیح صفات کے مقابلے میں ہیں اور چونکہ صلاۃ توحید قولی اور عملی پر مشتمل ہے اور اسی طرح نماز کفر اور ایمان کے درمیان فرق کا سبب ہے اسی وجہ سے اس کو پہلے ذکر کیا۔ سوال: تعریف کی جگہ میں نماز کے ساتھ اقامت (نماز قائم کرنا) ذکر ہوتا ہے اور وہ یہاں ذکر نہیں؟ جواب: یہاں مابعد میں اقامۃ الصلوۃ کا معنی ذکر کیا گیا ہے اسی وجہ سے (صلوۃ) تعریف کے طور پر ذکر ہوئی ہے۔

تفسیر 23 دوام ہمیشگی کے معنی میں ہے کسی بھی وقت نماز قضاء نہیں کرتے نیز نماز اپنے وقت پر پڑھتے ہیں اور دوام کا معنی سکون بھی کیا گیا ہے۔ یعنی اپنی نماز میں بے جا حرکتیں نہیں کرتے ہیں۔

تفسیر 24، 25 عبادت بدنیہ کے بعد عبادت مالیہ ذکر کرتا ہے: مَّعْلُوْمٌ: اس سے مراد تقرر شرعی ہے خواہ فرض ہو یا واجب اور حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں ہو تو یہ عام ہے: لِّلسَّآىِٕلِ: وہ ہے جو اپنی ضرورت کو ظاہر کرتا ہے اور: الْمَحْرُوْمِ: وہ ہے جو اپنی ضرورت کو ظاہر نہیں کرتا ہے تو اکثر محروم کو نہیں دیا جاتا ہے اور اسی طرح سورۃ ذاریات آیت 19 میں گزرا ہے سورۃ ذاریات میں صرف حق ذکر کیا ہے تو نفلی صدقات اس میں شامل ہیں اور یہاں اسکے ساتھ معلوم ذکر کیا ہے تو مراد وہ ہے جو شریعت میں واجب ہو اور چونکہ واجب میں بہت اہتمام ہونا چاہیے اسی وجہ سے: حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ: کو: السَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ: سے الگ آیت میں ذکر کیا ہے۔

تفسیر 26 قیامت کے دن کی تصدیق مستلزم ہے کہ قیامت کے دن کی تیاری کے لئے نیک اعمال کو اور اسی طرح یہ صفت عبادت بدنیہ اور مالیہ میں اخلاص کو مستلزم ہے اسی وجہ سے اسکو ان عبادات کے بعد ذکر کیا ہے اور تصدیق یقین سے عام ہے یعنی خود بھی قیامت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور جو اسکے بارے میں انکو خبر دے تو بھی: اٰمَنَّا: اور: صَدَّقْنَا: کہتے ہیں اور یقین

تو صرف عقیدہ رکھنے کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر 27، 28 گزشتہ صفت میں قیامت کے دن کے یقین کی وجہ سے طاعات کی طرف اشارہ ہے اور اس صفت میں قیامت کے خوف کی وجہ سے گناہوں سے پرہیز کرنے کی طرف اشارہ ہے: مُّشْفِقُوْنَ: وہ خوف جسکا اثر ظاہر میں نظر آتا ہو اور ایسا خوف جو رغبت کو مستلزم ہو: اِنَّ عَذَابَ: یہ ماقبل کی علت ہے یعنی کسی کے لئے بھی مناسب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اطاعت کی وجہ سے بےغم اور بےفکر ہوجائے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کی اطاعت کرنے کا احسان نہیں آتا ہے ہاں! عذاب الٰہی سے بےفکری تو نقصان اٹھانے والوں کا کام ہے جیسے سورۃ اعراف 99 میں بھی ذکر ہوا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿29﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿30﴾ فَمَنِ
ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿31﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿32﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿33﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿34﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿35﴾

"اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے ہیں [29]۔ سوائے انکی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جنکے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں [30]۔ جس نے اسکے علاوہ تلاش کیا یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں [31]۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا لحاظ کرتے ہیں [32]۔ اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں [33]۔ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں [34]۔ یہی لوگ جنت میں عزت والے ہونگے" [35]۔

تفسیر 29، 30، 31 اس صفت اور استثناء کی تفصیل سورۃ المؤمنون آیت 5 میں ذکر کی گئی ہے پہلے دل کے اعمال ذکر ہوئے یعنی تصدیق اور خوف تو ابھی فرج کا عمل (حفاظت) ذکر کیا جاتا ہے اور حفاظت عام ہے پردہ کرنا اور بدکاری سے بچنا اس میں شامل ہیں اور: مَا مَلَكَتْ: کو الازواج پر عطف کیا ہے جو کہ دلیل ہے کہ اپنی لونڈی سے نکاح کے بغیر بھی فائدہ اٹھانا جائز ہے: غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ: یعنی ان پر شرعاً بھی کوئی ملامت عار اور گناہ نہیں ہے اور عادۃً بھی نہیں ہے: وَرَآءَ ذٰلِكَ: اس میں ہر قسم کی شہوت رانی جو بغیر شرعی نکاح اور مملوکیت سے ہو وہ داخل ہے جیسے زنا کرنا، مردوں کو استعمال کرنا متعہ کرنا، اور شغار کرنا وغیرہ: الْعٰدُوْنَ: عدوان سے ماخوذ ہے۔

تفسیر 32 اس طرح سورۃ مؤمنون آیت 8 میں گزرا ہے چونکہ قوت شہوانی ایک امانت ہے اور نکاح ایک عہد ہے تو ابھی عموم کے طور پر امانت اور عہد کا حکم ذکر کرتا ہے: اَمٰنٰتِ: ہر وہ ذمہ داری جو انسان پر عائد کی جائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ہو یا مخلوق کی طرف سے ہو اسکو امانت کہا جاتا ہے اور ہر عقد اور بات جس پر جانبین کو پابند کیا جائے تو اس کو عہد کہا جاتا ہے عہود اللہ تعالیٰ کے ہوں اور چاہے بندوں کے عہد ہوں۔

تفسیر 33 شہادات جمع ہے تو توحید اور رسالت کی شہادت کو شامل ہے اور اسی طرح بندوں کے حقوق میں گواہی صحیح طور پر ادا کرتا ہے اور اس میں رشتے دار اور اجنبی کی رعایت نہیں کرتے، نیز اس میں کمی اور زیادتی بھی نہیں کرتے اور اسے چھپاتے بھی نہیں اور یہ عبادت لسانیہ ہے جس طرح شرمگاہ کو محفوظ رکھتے ہیں اور امانت اور عہد کی حفاظت کرتا ہے تو اس طرح زبان کو جھوٹ سے بچائے رکھتے ہیں۔

تفسیر 34 نماز کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ اس کی تمام شرائط اور ارکان کی شرعی طریقے سے ادائیگی کی جائے وضو پورا کرنا سنن، آداب اور واجبات پورے ادا کرنا اور مفسدات اور مکروہات سے نماز کو بچانا یہ سب اس میں داخل ہیں ان اوصاف کے شروع اور آخر دونوں میں نماز کا ذکر کیا گیا اشارہ ہے کہ ایمان کے بعد اہم رکن نماز ہے اسی لئے مومن نماز (عشاء کے) بعد سوتا ہے اور نماز (صبح) کے ساتھ بیدار ہوتا ہے دن کی ابتداء نماز سے ہے تو دن کا اختتام بھی نماز (عصر) کے ساتھ ہے اور رات کی ابتداء بھی نماز سے (مغرب) ہے اور چونکہ رات کی انتہاء میں اٹھنا امت پر تکلیف دہ تھا تو عشاء کی نماز اس کی جگہ قائم کی گئی اور ظہر کی نماز ایسے وقت میں ہے کہ آدھے دن کی انتہاء اور آدھے کی ابتداء ہے۔

تفسیر 35 یہ ان اوصاف کے ذریعے سے بشارت ہے: جَنّٰتٍ: کو جمع اور نکرہ ذکر کیا چونکہ ان کی کثرت اور نا آشنا نعمتوں کی طرف اشارہ ہے: مُّكْرَمُوْنَ: اسم مفعول میں اشارہ ہے کہ انکی عزت اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف سے اور گھر میں ہر وقت ہوگی اور یہ کرامت حقیقی (عزت) ہے جو موت کے بعد ملے گی جیسے سورۃ یٰس آیت 27 میں ہے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ
يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا
لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا
يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً
اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

"پس کافروں کو کیا ہو گیا ہے تیری طرف دوڑ کے آتے ہیں [36]۔ دائیں اور بائیں طرف سے گروہ گروہ [37]۔ کیا ان میں سے ہر ایک شخص یہ طمع رکھتا ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائیگا [38]۔ ہرگز یہ بات نہیں ہم نے انکو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جنکو یہ جانتے ہیں [39]۔ پس مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم! یقیناً ہم قادر ہیں [40]۔ کہ بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے کر آئیں اور ہم کمزور نہیں ہیں [41]۔ پس انکو چھوڑ دو کہ وہ مشغول ہو جائیں اور کھیلیں یہاں تک کہ اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے [42]۔ جس دن وہ دوڑتے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ اپنے معبودوں کی طرف دوڑ تے ہیں [43]۔ انکی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ذلت ان پر چھا رہی ہوگی یہ وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے" [44]۔

تفسیر 36، 37 ایمان والوں کی حالت ذکر کرنے کے بعد اب یہاں منکرین کے لئے زجر ہے، ان کے پانچ حالات ذکر کرنے کے ذریعے: مُهْطِعِيْنَ: دوڑتے ہوئے، آپکی طرف گھور گھور کر دیکھنے والے، قصد کرنے والے، آپ سے منہ پھیرنے والے، یہاں یہ سارے معانی درست ہیں: عِزِيْنَ: گروہ گروہ ہوتے ہوئے یعنی سننے اور توجہ کے ارادے سے نہیں بیٹھتے ہیں بلکہ استہزاء اور مذاق کے ارادے سے بیٹھتے ہیں توجہ سے بیٹھنا اس طرح ہوتا ہے کہ صفوں کی صورت میں بیٹھ جائیں جیسے مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک مرتبہ گروہ گروہ بیٹھے ہوئے تھے تو نبی ﷺ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ: مَالِيْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ: صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث 430 اور صفوں میں کیوں نہیں بیٹھتے ہو ملائک کی صفوں کی طرح اور اگر حلقہ بنایا جائے تو بھی معلّم (استاد) کے سامنے اردگرد بیٹھیں جیسے یہ بھی دروس کے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ تھا اور جو لوگ سامنے نہیں بیٹھتے بلکہ ایک طرف اور دوسری طرف بیٹھتے ہیں تو یہ استہزاء ہے ایسے طریقے سے عملی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

تفسیر 38، 39 طمع اسکو کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایک چیز مانگتا ہے اور کچھ بھی اسباب اسکے پاس نہیں ہوتے یا اسکے پاس اسباب ہوتے ہیں لیکن پہلا طریقہ جنت کے بارے میں مشرکین کا ہے اور دوسرا طریقہ ایمان والوں کا ہے جیسے سورۃ مائدۃ آیت 34 میں ذکر ہے: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ: یعنی، انکا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ بہت قوت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن انکی کوئی قوت نہیں ہے انکی پیدائش کا مادہ جو کہ نطفہ ہے وہ کمزور ہے اور اس خلقت میں یہ دوسرے انسانوں کے ساتھ برابر ہیں تو کیوں اتراتے ہیں؟۔

تفسیر 40، 41 اَلْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ: سورج اور چاند اور ہر تارے کے لئے الگ الگ مشرق اور مغرب ہیں یا

سورج اور چاند کے لئے اپنی منزلوں میں مشرق اور مغرب ہیں اس وجہ سے جمع ذکر کیا ہے: خَيْرًا مِّنْهُمْ: یعنی بڑے جسم والے تو قیامت کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ انکے لئے بڑے جسم بنادے تو انکے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے یا تبدیلی بہتر صفت کے اعتبار سے ہے یعنی کافروں کی جگہ اطاعت کرنے والوں کو پیدا کردیگا جیسے سورۃ محمد آیت 38 میں مذکور ہے تو ان منکرین کی جگہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین کو پیدا کیا اور چونکہ انسانوں کے اجسام زیادہ ہیں اور اللہ ہر ایک کو (غروب کی طرح) فنا کرسکتا ہے اور ہر ایک کو (طلوع کی طرح) پیدا کرسکتا ہے تو اسی وجہ سے یہاں مشارق اور مغارب بھی جمع ذکر کیئے ہیں۔

تفسیر 42 اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے اور تخویف کے لئے قیامت کے پانچ احوال ذکر کرتا ہے اور چھوڑنے سے مقصود یہ ہے کہ اپنا کام جاری رکھو اور انکی تکذیب کی پرواہ نہ کرو۔ يَخُوضُوا: دین اسلام (توحید، رسالت، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم) پر اعتراضات کرنا اور اہل حق پر طعن کرنا خوض ہے۔ وَيَلْعَبُوا: دنیا کی محبت میں مشغول ہونا لعب ہے: يَوْمَهُمُ: یعنی يَوْمَ عَذَابِهِمْ: اور يَوْمَ لِقَآئِهِمْ مضاف محذوف ہے۔

تفسیر 43 یہ يَوْمِهِمُ: سے بدل ہے۔ اَجْدَاثِ: جدث کی جمع ہے قبر کو کہا جاتا ہے جیسے سورۃ یٰس آیت 51 میں گزرا ہے۔ سِرَاعًا: سریع کی جمع ہے یہ: يَخْرُجُونَ: کے فاعل سے حال ہے۔ نُصُبٍ: اللہ تعالیٰ کے سوا وہ معبود جس کی طرف صبح سویرے یہ دوڑتے ہیں کہ کون اسپر پہلے ہاتھ رکھے گا اور اس کو سجدہ کرے گا اس کام میں یہ ایک دوسرے سے آگے ہوتے ہیں اور اس کو برکت سمجھتے ہیں اور: نَصَبٌ: نون کے زبر کے ساتھ کھڑی کی ہوئی نشانی کو بھی کہا جاتا ہے۔

تفسیر 44 یہ انکی بری حالت ذکر کی ہے: خَاشِعَةً: تَرْهَقُهُمْ: ارھاق میں تنگی کے ساتھ احاطہ کرنے کا معنیٰ ہے اور یہ دنیا کی حالت کے مقابلے میں ان کی ذلت کی حالت ہے کہ (دنیا میں) یہ اپنے آپ کو عزت والے سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ سے قرآن کریم سے منہ پھیرتے ہیں۔

اس سورۃ کی خصوصیات:۔

۱۔ ایک تفسیر کے مطابق قیامت کے دن کی طوالت کا ذکر ہے۔ ۲۔ اہل توحید کے صفات کا ذکر۔

۳۔ منکرین کے برے صفات کا ذکر جو ان کے لئے سبب عذاب تھا۔

الحمد للہ! سورۃ المعارج کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکمل ہوئی

اٰیاتها ۲۸ ۷۱ سورۃ نوح مکیۃ ۷۱ رکوعاتها ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۳﴾ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾

"یقیناً نوح علیہ السلام کو ہم نے اُنکی قوم کی طرف بھیجا یہ کہ اپنی قوم کو ڈرائے پہلے اس سے کہ انکے پاس دردناک عذاب آئے [1]۔ اس نے کہا اے میری قوم میں تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں [2]۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو [3]۔ وہ تمہارے گناہ بخش دیگا اور تمہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دیگا، یقیناً اللہ تعالیٰ کا وقت جب آجاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوسکتا اگر تم جانتے ہو" [4]۔

ربط: اس سورت کا ربط پہلی سورت کے ساتھ کئی وجوہ سے ہیں: پہلا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تخویف اُخروی تھا تو ابھی اس سورت میں تخویف دنیاوی کا ذکر ہو رہا ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں ایمان والوں اور کافروں کی صفات میں تقابل تھا تو اس سورت میں انکے اختلاف کا سبب ذکر کرتا ہے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سورت ملک میں دعویٰ ذکر تھا اور رسول کی اتباع ذکر تھی اور پھر آخرت کا خوف ذکر ہوا تو ابھی دعوت کا طریقہ ذکر کرتا ہے چوتھا طریقہ یہ ہے کہ سورۃ ملک میں عقلی دلائل سے توحید کو ثابت کیا پھر رسالت کو ثابت کیا اور تخویف اُخروی تو ابھی نوح علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کرتا ہے۔ سورت کا بنیادی اور مرکزی مضمون: دعوت الی اللہ کے طریقے کی وضاحت، سیدنا نوح علیہ السلام کے واقعے کے ذریعے تخویف دنیاوی کے ساتھ ساتھ دعوت دینے پر حوصلہ افزائی کرنی ہے۔ سورت کا خلاصہ: اول نوح علیہ السلام کا تین اوامر کے ساتھ دعوت دینا ہے اور اسکے دو فائدے ذکر کیے گئے تو ان آیات 1، 2، 3، 4 میں پانچ امور ذکر ہوئے دوم آیت 6، 7 میں ان کی قوم کا پانچ طریقوں سے ان کی مخالفت کرنا ہے سوم آیت 5، 8، 9 میں وقت اور اوصاف کے اعتبار سے پانچ وجوہ سے دعوت کی کیفیت ذکر ہے چہارم آیت 10

12،11 میں توحید (استغفار) کی طرف پانچ نعمتوں کے ساتھ ترغیب دینا ذکر ہے۔ پنجم آیت 14 سے آیت 20 تک پانچ عقلی دلائل سے توحید کو ثابت کیا ہے۔ ششم آیت 21 سے آیت 24 تک ان کی قوم کا پانچ طریقوں سے ان کے ساتھ دشمنی کرنا مذکور ہے۔ ہفتم آیت 23 میں ان کی قوم کا (اللہ کے سوا) اپنے پانچ معبودوں کی عبادت کی طرف دعوت ہے۔ ہشتم قوم کو (بددعاء کرنا) جو پانچ امور پر مشتمل ہے اور یہ امور آیت 26، 27، 28 میں ہیں اور درمیان آیت 25 میں دنیاوی اور اخروی عذاب کا سبب ذکر ہوا نہم آیت 28 میں پانچ اشخاص کیلئے مغفرت کی دعا کرنا مذکور ہے۔

تفسیر 1 سیدنا نوح علیہ السلام وہ پہلے رسول ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مشرکین کے شرک کا رد کیا تھا اَنۡ: ارسال میں امر کے معنی میں ہے اور: اَنۡ: اس کی تفسیر ہے اسوجہ سے باء اس میں نہیں لایا: اَنۡذِرۡ: انذار توحید کے انکار کے سبب سے عذاب سے ڈرانا ہے تو انذار کا معنی یہ ہے کہ عذاب سے ڈرانے کے ساتھ توحید کی دعوت دو: عَذَابٌ اَلِیۡمٌ: عذاب دنیاوی اور اخروی دونوں کو شامل ہے اور عذاب کا آنا انکار کرنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

تفسیر 2، 3 اس میں اپنی رسالت کا اعلان ہے مُّبِیۡنٌ: واضح ڈرانا یہ ہے کہ (یہ ڈرانا) انکی زبان میں ہے اور اخلاص کے ساتھ ہے اور پھر ڈرانے کے تین مقاصد ذکر کئے اور اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دینا دوسرا دوام، شرک، کفر اور مخالفت کرنے سے بچنا تیسرا رسول کی اطاعت تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے بڑے مقاصد دو ہیں ایک توحید دوسرا سنت کی اتباع جیسے سورۃ شعراء میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں گزرا ہے۔

تفسیر 4 اس میں توحید اور سنت کے دو بڑے فائدے ذکر کرتا ہے ایک اخروی دوسرا دنیاوی: مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ: سوال: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا رہا ہے اور یہاں تو حرف مِن دلالت کرتا ہے کہ بعض گناہ معاف ہوتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ: یَغۡفِرۡ یُخۡرِجۡ: کے معنی میں ہے جیسے قرطبی نے ایک توجیہ یہ ذکر کی ہے یا: مِنۡ بَعۡضِیَّۃ ہے اسلئے کہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک قبل الاسلام اور ایک بعد الاسلام تو اسلام لانے سے پہلے کے تمام گناہ معاف ہوئے اور وہ کل میں سے بعض ہیں: وَیُؤَخِّرۡكُمۡ: مراد یہ ہے کہ موت تک عذاب سے امن دیگا اور دنیاوی فائدے بھی دے گا جس طرح سورۃ ھود آیت 3، 52: میں گزرا ہے یا مطلب یہ ہے کہ ایک مدت تک جو اللہ تعالیٰ چاہے تمہاری عمر زیادہ کردے گا اور یہ تقدیر معلق کے طور پر ہوگا۔ جیسے ابن کثیر نے طبرانی کبیر 8/312 الترغیب والترھیب 1/279 مجمع الزوائد 3/118 امام منذری۔ علامہ ہیثمی نے اس کو حسن کہا ہے سلسلۃ الصحیحۃ 1908 حدیث ذکر کی ہے کہ: صِلَۃُ الرَّحِمِ

تَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ : کہ صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہےاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ: اس میں ایک وہم کو دور کیا ہے وہ یہ ہے کہ یُؤَخِّرْ: سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت مقرر بدل سکتا ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ: یُؤَخِّرْ: سے جو بھی معنی مراد لیا جائے لیکن قطعی وقت مقرر میں تبدیلی نہیں آسکتی ہے:لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: اس میں وعید ہے کہ تمہیں دنیا پرستی نے اس قدر مغرور کیا ہے کہ تم موت اور اجل سے جاہل ہو گئے ہو۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًاۙ۝۵ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا۝۶ وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًاۚ۝۷ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًاۙ۝۸ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًاۙ۝۹ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاۙ۝۱۰ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًاۙ۝۱۱ وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًاؕ۝۱۲

"نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو دن اور رات دعوت دی[5]۔مگر ان کو میرے بلانے نے زیادہ نہیں کیا مگر بھاگنے میں[6]۔اور جب بھی میں نے ان کو (توحید کی طرف) بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور ضد پر ڈٹے رہے اور بڑا تکبر کیا[7]۔پھر بلاشبہ میں نے ان کو بلند آواز سے پکارا[8]۔پھر میں نے ان سے اعلانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی[9]۔پس میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بیشک وہ بخشنے والا ہے[10]۔وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا[11]۔اور تمہیں مال اور اولاد میں زیادہ کریگا تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لئے نہریں نکال دے گا"[12]۔

تفسیر 5 جب نوح علیہ السلام کی زیادہ عمر گزر گئی لیکن ان کی قوم (سوائے چند لوگوں کے) ایمان نہیں لائی تو نوح علیہ السلام نے انکے بارے میں اللہ تعالیٰ کو شکایات اور دعائیں شروع کیں اور ان دعاؤں کے ضمن میں انکے تمام حالات کی طرف اشارہ ہے چار مرتبہ:قَالَ: کا لفظ آیا ہے پہلے:قَالَ: سے جو کہ آیت 2 میں ہے سے یہاں تک نوح علیہ السلام کی دعوت ذکر ہوئی اور دوسرا:قَالَ جو کہ آیت 5 میں ہے سے آیت 20 تک اس میں دعوت کے طریقے اور انکی مخالفت کے طریقے ذکر کئے ہیں اور تیسرا:قَالَ جو آیت 21 میں ہے سے آیت 25 تک اس میں انکی طرف سے شرک کی طرف دعوت ذکر ہے اسکے ساتھ عذاب کا سبب بھی بیان ہوا ہے چوتھا:قَالَ: سے آخر تک اس میں قوم کے بارے میں بددعا کا ذکر ہے اور ایمان والوں کے

بارے میں دعائے خیر ہے تو اس آیت 5 میں اوقات کے عموم کے اعتبار سے ان کی دعوت کے دو طریقے یعنی دن اور رات ذکر کرتا ہے۔

تفسیر 6 اس میں انکی مخالفت کا ایک طریقہ ذکر کیا ہے: فِرَارًا: حقیقتاً بھاگنا مراد ہے یا انکے حق کے سننے سے اعراض کرنے اور نفرت کرنے سے کنایہ ہے جیسے سورۃ مدثر آیت 50، 51: میں آتا ہے۔

تفسیر 7 اس میں انکی مخالفت کرنے کے چار طریقے ذکر کیے ہیں: دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ: اس میں جس کی طرف دعوت دی گئی ہے محذوف ہے اور اسکا فائدہ ذکر ہے: دَعَوْتُهُمْ اِلَى الْاِيْمَانِ وَالتَّوْحِيْدِ: کہ میں نے انکو ایمان اور توحید کی طرف دعوت دی معاف کرنے کے فائدے کے لئے: جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ: اس طرح سورۃ بقرۃ آیت 20 میں ذکر ہوا ہے اور راجح یہ ہے کہ ظاہری معنیٰ مراد ہے: وَاسْتَغْشَوْا: یہاں بھی ظاہری معنیٰ مراد ہے کہ سر اور منہ اور کان کپڑوں میں چھپے ہوئے ہوں کہ سننے کے لئے بھی راہ نہ ہو یا اسلئے کہ نوح علیہ السلام کی طرف دیکھتے نہیں تھے یا یہ کہ نوح علیہ السلام ان کو نہ پہچانے: وَاَصَرُّوْا: اصرار الحمار سے ماخوذ ہے کہ حمار وحشی (یعنی جنگلی گدھا) کانوں کو بلند کر دیتا ہے اور مونث کے گردن پر منہ رکھ کر اسکو کاٹتا ہے اور اسکے ساتھ بھاگتا ہے یہ حال مشرک کا ہے کہ شرک کے ساتھ مضبوط چپکا ہوا ہے۔

تفسیر 8، 9 اس میں دعوت کے تین طریقے ذکر کیے ہیں: جِهَارًا: دور کے لوگوں کے لئے جو قریب نہیں آتے اور اعلان زیادہ لوگوں کے لئے ہے اور: اِسْرَارًا: ہر ایک شخص کے لئے الگ الگ ہے اور: ثُمَّ: کے لفظ میں اشارہ ہے کہ قوم کی طرف سے مخالفت زیادہ ہو جائے تو بھی ہر ممکن طریقے سے دعوت دینی چاہیے لیکن دعوت کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔

تفسیر 10، 11، 12 اس میں دعوت کا خلاصہ ذکر کیا ہے یعنی ہر قسم کے کفر، شرک اور گناہوں سے دل اور زبان اور عمل سے استغفار کرنا اور اسکے پانچ دنیاوی فوائد ذکر کئے ہیں: اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا: اس جملے میں استغفار کی طرف ترغیب ہے السَّمَآءَ: سے مراد مضاف کی تقدیر ماء السماء کے ساتھ بارش ہے یا سماء بارش کے معنیٰ میں ہے: مِّدْرَارًا: مراد یہ ہے کہ پے در پے بارش ایسے طریقے سے ہوتی ہے کہ درمیان خشک سالی نہیں آتی لیکن جب بارش کی ضرورت ہوتی ہے تو ضرورت کے مطابق برستی ہے اور اسکے ساتھ تباہی نہیں ہوتی ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ بارش کی دعا کے لئے صرف استغفار کیا اور واپس ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ نے تو بارش کی دعا نہیں مانگی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے بارش کو حقیقی اسباب کے ساتھ مانگا اور پھر اس آیت کی تلاوت کی: وَّيُمْدِدْكُمْ: یعنی

استغفار برکات کے نزول کے لئے سبب ہے جیسے سورۃ اعراف آیت 96 اور سورۃ مائدۃ آیت 66 اور سورۃ جن آیت 16 میں آیا ہے قشیری سے روایت ہے کہ جسکو اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی حاجت ہو اور وہ استغفار کرے تو اس کی حاجت پوری ہوگی اور ان آیات میں طبعی ترتیب کے ساتھ پانچ ضروریات ذکر کی ہیں پہلے ہر انسان بارش کی طرف محتاج ہے پھر مال کی طرف پھر بیٹوں کی طرف پھر باغوں کی طرف پھر نہروں کی طرف محتاج ہے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا عقیدہ نہیں رکھتے ہو [13]۔ اور یقیناً اس نے تمہیں مختلف حالات میں پیدا کیا ہے [14]۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کس طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو تہہ بہ تہہ پیدا کیا ہے [15]۔ اور چاند کو ان میں روشن بنایا اور سورج کو چراغ بنایا [16]۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے [17]۔ پھر تمہیں اس میں واپس کرے گا اور تمہیں پھر نکال دے گا [18]۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا [19]۔ تاکہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو" [20]۔

تفسیر 13 "لَا تَرْجُوْنَ": رجاء امید، اعتقاد، خوف اور علم کے لئے استعمال ہوتا ہے اس وجہ سے قرطبی نے اس جملے کے بارہ معانی لکھے ہیں اور "وَقَارًا": عظمت، عزت اور توحید کے اثبات کو کہا جاتا ہے۔ راجح معنی یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے عظمت کا عقیدہ نہیں رکھتے ہو جو کہ توحید ہے اور خطیب شربینی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توقیر یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر اپنا حق نہ سمجھتے ہو اور اسکے اختیارات میں دخل اور اعتراض نہ کرتے ہو اور اسکے امر اور نہی کے ساتھ معارضہ نہ کرتے ہو۔

تفسیر 14 یہ توحید کی پہلی دلیل عقلی انفسی ہے: "أَطْوَارًا": پیدائش کے مرتبوں اور حالات کی طرف اشارہ ہے پہلے عناصر پھر مرکبات غذائیہ پھر اختلاط (جسم میں خلط ملط ہوتا) پھر نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر ہڈیاں اور گوشت اور خون پھر روح ڈالنا پھر دنیا کی طرف نکالنا پھر بچپن پھر جوانی پھر بڑھاپا اور کبھی بیماری اور کبھی صحت کبھی مالداری کبھی غربت نیز اس میں اخلاق اور کاموں کے مختلف ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت کی واضح دلیل ہے۔

تفسیر 15 یہ دوسری عقلی آفاقی دلیل ہے: "أَلَمْ تَرَوْا": تنبیہ اور فکر و علم کے طلب کے لئے ہے آنکھوں کا دیکھنا مراد

نہیں ہے۔ طِبَاقًا: لہٰذا نیچے بعض، بعض کے اوپر ہے اور درمیان میں بہت فاصلہ ہے جیسے سورۃ ملک آیت 3 میں ہے۔

تفسیر 16 یہ تیسری عقلی آفاقی دلیل ہے روشنی میں مختلف ہونے کے ساتھ دو نعمتوں پر مشتمل ہے: فِيهِنَّ: جمع کا ذکر ہے مگر مراد اس سے مفرد ہے یعنی پہلا آسمان اور یہ تعبیر اس وجہ سے ہے کہ چاند کی روشنی جس طرح زمین والوں کے لئے ہے تو اوپر آسمانوں والوں کے لئے بھی ہے۔ اور فِي: ظرف کے لئے ہے: نُورًا: وہ ہے جو اندھیرے کے ساتھ ہو اور سِرَاجًا اندھیرے کا وجود نہیں چاہتا تو چاند کے وقت رات کا اندھیرا ہوتا ہے اور سورج کے وقت رات غائب ہو جاتی ہے نور بھی اس روشنی کو کہا جاتا ہے جو دوسری چیز سے لی گئی ہو اور سراج وہ ہے جس سے نور لیا جا سکتا ہو اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو سورۃ احزاب میں سراج کہا گیا ہے۔

تفسیر 17، 18 یہ چوتھی عقلی آفاقی دلیل ہے اور اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ثابت کرنے کے لئے موت اور دوبارہ زندگی ذکر کی ہے۔ أَنْبَتَكُمْ: اس سے مراد انسان کی پیدائش اور نشوونما ہے کہ (اللہ نے اسے) زمین سے پیدا کیا ہے اور بچپن کے بعد بڑا کیا ہے اور پست قد کے بعد اسے بلند قد و قامت دی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد: أَنْبَتَ لَكُمْ: ہے یعنی تمہارے لئے زمین سے پودے اگائے ہیں لیکن پہلی توجیہ بعد والے جملوں کے ساتھ خوب مناسب ہے اور انبات کے ذریعے سے خلق سے تعبیر کی ہے ایک تو اس میں آدم علیہ السلام کے حال کی تذکیر ہے دوسرا یہ ہے کہ یہ خوب حدوث پر دلالت کرتا ہے: إِخْرَاجًا: مفعول مطلق نکرہ اس وجہ سے ذکر کیا کہ دلالت کرے کہ یہ اخراج بہت نا آشنا ہے۔

تفسیر 19، 20 یہ پانچویں دلیل عقلی ہے، پہلے یہ بات ذکر کی کہ زمین انسان کی پیدائش کا مادہ ہے تو ابھی یہ بات ذکر کرتا ہے کہ یہ زمین انسانوں کی معیشت کی جگہ ہے: بِسَاطًا: یعنی اس سے فائدے لینا اور اس میں آرام کرنا ایسے آسان کیا ہے کہ جیسے بساط (بچھے ہوئے بستر) سے فائدہ لینا آسان ہے فِجَاجًا: سُبُلًا: کی صفت ہے یعنی کشادہ راہیں کہ وہ چلنے والے پر مشتبہ نہیں ہوتیں یا فجاج فج کی جمع ہے دو پہاڑوں کے درمیان درّے کو کہا جاتا ہے کہ اس کے سبب سے ایک ملک اور علاقے سے دوسرے ملک اور علاقے کی طرف منتقل ہونا آسانی سے ہوتا ہے اس توجیہ کے ساتھ فِجَاجًا: سُبُلًا: سے بدل ہے۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾ مِّمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا ﴿٢٥﴾

"نوح علیہ السلام نے فرمایا اے میرے پروردگار! بیشک انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان کی پیروی کی جو انکے مال و اولاد میں سوائے نقصان کے کچھ زیادہ نہیں کرتے [21]۔ اور انہوں نے بہت بڑی چالیں چلیں [22] اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ چھوڑنا وَدّ سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو [23]۔ اور یقیناً انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا اور ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دے [24]۔ پس وہ اپنی خطاؤں کے سبب غرق کیے گئے پس آگ میں داخل کیے گئے۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ماسوا مددگار نہ پائے" [25]۔

تفسیر 21 ان آیات میں پانچ طریقوں سے قوم کی مخالفت ذکر کرتا ہے اور وہ (مخالفت) اولاً شرک کی طرف دعوت دینا اور اپنی اولاد کو گمراہ کرنا ہے: عَصَوْنِیْ: عصیان میں وہ اوامر شامل ہیں جو آیت 3 اور 10 میں ذکر تھے: وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ: اشارہ ہے کہ ان کی قوم میں دو قسم کے لوگ تھے: ایک قسم سردار جو لوگوں کو اپنی تقلید کی طرف بلاتے تھے وہ تو انتہائی ضدی اور عنادی تھے انکا حال آیت 7 میں ذکر ہوا دوسری قسم انکے پیرو کار مقلد تھے کہ انہوں نے دلیل کو نہیں دیکھا کہ بڑوں کے پاس دلیل نہیں بلکہ انکی مالداری اور گروہ کو دیکھتے رہے کہ یہ حق پرستی کا سبب ہے حالانکہ استدراج کے طریقے پر وہ مال اور اولاد انکے نقصان کا سبب تھا تو اس آیت میں اشارہ ہے کہ ان میں: شرك فِي التَّشْرِيْعِ وَالْحُكْمِ موجود تھا۔

تفسیر 22 "مَكَرُوْا: کی ضمیر ان بڑے گمراہوں کی طرف راجع ہے اور مکر سے مراد دن اور رات تلبیس، تحریف اور شبہات کے ذریعے سے کفر اور شرک کی طرف دعوت دینا ہے۔ جیسے سورۃ سبا آیت 33 میں مذکور ہے اور: كُبَّارًا: تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ مبالغہ ہے لیکن تشدید میں زیادہ مبالغہ ہے اشارہ ہے کہ شرک کی اشاعت اور توحید کے مقابلے میں بہت کوشش کی تھی۔

تفسیر 23 اس میں اشارہ ہے کہ ان میں شرک فی الالوہیت موجود تھا اور یہ انکے مکر کی تفسیر ہے: اٰلِهَتَكُمْ: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا انکے بہت معبود تھے لیکن ان پانچ کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ وہ انکے عقیدے میں دوسروں سے بڑے شان والے تھے اور یہ تخصیص بعد التعمیم ہے جس طرح اس دور کے جاہلوں میں عقیدہ ہے کہ بہت سے اولیاء کے قبروں کی عبادت کرتے ہیں لیکن غوث اعظم ان میں عبدالقادر جیلانی ﷫ کو کہتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح شرک میں پڑے ہوئے ہیں: وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا: فصیح کلام میں لائے نفی ایک جگہ تین مرتبہ سے زیادہ استعمال نہیں ہوتا ہے اسی وجہ سے یعوق اور نسر میں صرف عطف پر اکتفاء کیا گیا ہے اور دوسری

وجہ یہ بھی ہے کہ ان پانچوں میں یہ وداکے عقیدے میں باقی تین سے مرتبے میں کم ہیں۔ فائدہ ۱: ابوبکر بقاعی نے کہا ہے کہ یہ نیک مردوں کی صورتیں تھیں، ان مشرکوں نے ان کی صفات کی وجہ سے انکی مختلف تصویریں بنائی تھیں یعنی: وَدًّا: رجلیت میں کامل تھے توانہوں نے انکی تصویر بھی مرد کی طرح بنائی تھی اور سُوَاعٌ: عورت تھی زیادہ عبادت گزار تھی توانہوں نے اسکا مجسمہ بھی عورت کی شکل میں بنایا تھا۔ اور رجال کا اطلاق اس پر تغلیباً کیا گیا ہے اور يَغُوثَ: بہادر اور دلیر تھے توانہوں نے انکی تصویر شیر کی شکل میں بنائی تھی: يَعُوقَ: بہت طاقتور اور نیک کاموں میں سبقت کرنے والا تھا توانہوں نے اس کا تصویر گھوڑے کی شکل میں بنائی تھی اور نسر کی عمر بھی زیادہ تھی اور یہ بڑی جسامت والا بھی تھا تو انکی تصویر گدھ کی طرح بنائی تھی تو اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ قول کہ یہ نام نیک مردوں کے نام تھے اور دوسرا قول جو کہ واقدی کی روایت میں ہے کہ انکی یہ مختلف شکلیں تھیں تو ان دونوں قولوں میں تعارض نہیں ہے۔ فائدہ ۲: ان صفات اور معانی کے لحاظ سے یہ مشرکین ان سے الگ الگ حاجت پوری کرنے کا عقیدہ رکھتے تھے وَدًّا: محبت کا مظہر تھا یعنی اسے دو شخصوں کے درمیان محبت پیدا کرنے کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ اور سُوَاعٌ: کو مضبوطی اور قیومیت کا مظہر سمجھتے تھے جس کو تصوف کی اصطلاح میں قطب بھی کہا جاتا ہے یعنی دنیا کا نظام وہ چلاتا ہے يَغُوثَ: کو فریادرسی کا مظہر سمجھتے تھے جس کو تصوف کی اصطلاح میں غوث کہا جاتا ہے يَعُوقَ: کو مصائب کے دور کرنے کا مظہر سمجھتے تھے یعنی مصائب کو دور کرنے والا اور اسکو دافع البلایا کہا جاتا ہے: نَسْرًا لمبی عمر کا مظہر تھا یعنی اسکو عمر کے زیادہ کرنے اور اس میں برکت ڈالنے کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ فائدہ نمبر ۳: امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم میں یہ نیک بزرگوں کے نام تھے جب وہ فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کو وسوسہ ڈالا کہ یہ بزرگ جن جگہوں میں رہتے تھے ان میں پتھر (نشانی کے طور پر) کھڑے کرو اور یہ نام انکے رکھدو تو ان لوگوں نے اس طرح کیا پھر جب لمبا زمانہ گزرا اور دوسرے لوگ پیدا ہوئے اور جہالت زیادہ ہوئی تو ان لوگوں نے انکی عبادتیں شروع کیں اور ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کی روایت کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ پہلے محبت کی وجہ سے ود کی قبر پر جمع ہوتے تھے پھر یادداشت کے واسطے شیطان نے انکے لئے اس کی تصویر بنائی پھر کچھ زمانہ بعد اس تصویر کی عبادت شروع کی گئی اس طرح سب کا حال اس طرح تھا تو معلوم ہوا کہ شرک اولیاء کی قبروں کی محبت سے شروع ہوا پھر تصویروں اور بتوں کی عبادت شروع ہوئی اسی وجہ سے اسلام کی ابتداء میں نبی ﷺ نے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا تاکہ شرک کے لئے سبب نہ بنے پھر جب صحابہ توحید میں مضبوط ہو گئے تو قبروں کی زیارت کی اجازت دی۔ صحیح مسلم کتاب الجنائز حدیث 977۔

فائدہ نمبر ۴: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بیان کے بعد ذکر کیا ہے کہ ان پانچ معبودوں کی عبادت شیطان نے مشرکین مکہ کی طرف بھی منتقل کی اور وہ مختلف قبیلوں میں تقسیم ہوئے: وَدّ: قبیلہ کلب کا تھا جو دومۃ الجندل مقام میں تھا اور سواع ہذیل قبیلے کا تھا اور یغوث سباء کے ساتھ مقام جرف میں قبیلہ مراد اور بنو غطفان کا تھا اور یعوق ہمدان قبیلے کا تھا اور نسر قبیلہ حمیر آل ذوالکلاع کے لئے تھا اور شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ ہندوستان کے ہندوؤں کی طرف بھی منتقل ہوئے ہیں لیکن انہوں نے انکے نام تبدیل کیے ہیں: وَدًّ: کا نام برہما رکھا ہے اور سواع کا نام بشن اور یغوث کا نام اندر اور یعوق کا نام شیو جی اور نسر کا نام ھنومان رکھا ہے۔

تفسیر 24 "أَضَلُّوا: کی ضمیر بڑوں کی طرف راجع ہے جس طرح: قَالُوا: میں انکی طرف راجع تھی یا اسنادِ مجازی کے ساتھ ضمیر اصنام کی طرف راجع ہے جیسے سورۃ ابراہیم آیت 36 میں ہے: كَثِيرًا: اس زمانے اور بعد کے زمانے میں عرب اور عجم میں جو شرک جاری ہے تو اس گمراہی کی بنیاد نوح علیہ السلام کی قوم نے رکھی ہے اور ان کا اس گناہ میں حصہ ہے حدیث میں دلیل ہے کہ: مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يُنْقَصُ مِنْ وِزْرِهِ شَيْءٌ: صحیح مسلم فی العلم حدیث 69 /1017 وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ: یہ اس قوم کے لئے بددعا ہے اس لئے کہ نوح علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے جس طرح سورہ ھود آیت 36 میں ذکر ہے: إِلَّا ضَلَالًا: مشہور معنی مراد ہے جس طرح کہ ایمان میں اضافہ ہوتا ہے تو اس طرح کفر اور گمراہی میں بھی اضافہ ہوتا ہے یا اس سے مراد نقصان ہے۔

تفسیر 25 اس میں اس قوم کے عذاب دنیاوی اور اخروی کا ذکر کرتا ہے اور اسکا سبب بھی (ذکر کرتا ہے) جو کہ انکے گناہ ہیں اس میں اشارہ ہے کہ عذاب کا سبب صرف بددعا نہیں تھی بلکہ اصلی سبب انکے گناہ تھے اور انکے گناہ پہلی آیتوں میں ذکر ہوئے عَصَوا: وَمَكَرُوا: وَقَالُوا: أَضَلُّوا: اور بڑا گناہ انکا شرک تھا: فَأُدْخِلُوا نَارًا: قرطبی نے نقل کیا ہے کہ یہ عذاب قبر کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح فرعونیوں کے بارے میں سورۃ غافر آیت 46 میں ہے: نَارًا: سے وہ آگ مراد ہے جو دریا میں ہے جیسے حدیث میں ذکر ہے کہ: إِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا: یہ روایت ضعیف سورۃ تکویر آیت 6 کے تحت ملاحظہ ہو یا اس سے مراد آخرت کی آگ ہے اور: أُدْخِلُوا: ماضی کا صیغہ اسلئے ذکر کیا ہے کہ یقین قوی پیدا ہو: مِنْ دُونِ اللَّهِ: اشارہ ہے کہ انکے ان پانچ بزرگوں میں کسی نے انکی مدد نہیں کی جیسے سورۃ احقاف آیت 28 میں ذکر ہے۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا

يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ

الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾

"اورنوح علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار زمین پر کسی کافر کے گھر کو آباد نہ چھوڑنا[26]۔ بے شک اگر تو انہیں چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور یہ نہیں جنیں گے مگر بدکار اور کافر[27]۔ اے میرے رب مجھے اور میرے والدین کو اور اس شخص کو جو مومن ہوکر میرے گھر میں آئے اور مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے اور ظالموں کو تباہی کے سوا کچھ نہ دے"[28]۔

تفسیر 26، 27 یہ اس قوم کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے بددعا ہے چونکہ پہلی آیت 24 میں بددعا کا ایک جملہ ذکر تھا اس وجہ سے قَالَ: پر واو عاطفہ داخل کیا۔ دَيَّارًا: فیعال کے وزن پر وہ جو گھر میں چلتے ہوں اور سکونت پذیر ہوں۔ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ: یعنی انکی مثال زہریلے سانپ کی طرح ہے جو دوسرے لوگوں کو ضرر پہنچاتا ہے تو انکا ہلاک کرنا ضروری ہے۔ سوال: نوح علیہ السلام کو کس طرح معلوم تھا کہ انکی اولاد فاجر اور بدکار پیدا ہوگی اور ان سے ہدایت کی امید نہیں ہے؟ جواب: وحی کے ذریعے سے معلوم ہوا جیسے سورۃ ہود آیت 36 میں مذکور ہے اور یہ دلیل ہے کہ وہ لوگ جو دین کو نقصان پہنچاتے ہیں اور ہدایت ظاہری کی امیدیں ان سے باقی نہ ہو تو ان کو بددعا کرنا جائز ہے جس طرح ہمارے پیارے نبی ﷺ قنوت نازلہ پڑھتے تھے اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعونیوں کو بددعائیں دی تھیں جن کا ذکر سورۃ یونس آیت 88 میں گزرا ہے

سوال: انکی اولاد تو گنہگار نہیں تھی تو وہ کیوں غرق ہوئی؟ جواب: ان کا غرق ہونا انکے لئے عذاب نہیں تھا بلکہ انکی موت کے لئے ایک سبب تھا جیسے دوسرے اسباب کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان پر موت لے آیا ہاں! اولاد کا ہلاک کرنا ماں باپ کے عذاب کو مزید بڑھاتا ہے کہ انکے سامنے انکی اولاد غرق ہوگئی تو انکے دلوں کو خوب درد پہنچا۔

تفسیر 28 (سیدنا نوح علیہ السلام) کافروں کو بددعا کرنے کے بعد ایمان والوں کے لئے عموماً اور خصوصاً دعا مانگتے ہیں اور یہ دعا کا ادب ہے کہ پہلے خاص ذکر کرتے ہیں تو پھر عام۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ: دعاء مغفرت گناہ کو مستلزم نہیں ہے بلکہ یہ عاجزی کے طور پر عبدیت کے حق کی ادائیگی میں قصور کا اعتراف ہے۔ وَلِوَالِدَيَّ: مفسرین نے نقل کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کے آباء و اجداد میں آدم علیہ السلام تک کوئی کافر نہیں تھا۔ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا: لفظ بیت میں امام قرطبی نے بہت احتمالات لکھے ہیں نوح علیہ السلام کا گھر، ان کی مسجد، ان کی کشتی، ان کا دین اور یہ سب صحیح ہیں اور لفظ مُؤْمِنًا: میں اشارہ ہے کہ

صرف داخل ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اسکے ساتھ دل کی تصدیق ضروری ہے اور اسکے ذریعے سے نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا اور اس کی بیوی دعاء سے خارج ہو گئے اسلئے کہ اگر چہ وہ نوح علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوتے رہتے لیکن وہ مسلمان نہیں تھے **وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ**: یہ قیامت تک ایمان والوں کے لئے عام ہے تو ہماری حیات بھی اس میں داخل ہے۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ: پہلی بددعا ان کی قوم کے ساتھ خاص تھی اور یہ بددعا ہر زمانے کے کافر اور مشرک کے لئے عام ہے:

تَبَارًا: ہلاکت اور خسران کو کہا جاتا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ دعوت کے اوقات میں تعمیم یعنی دن رات دعوت دینی چاہئے۔ ۲۔ دعوت کی مختلف کیفیات۔

۳۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے مخصوص بتوں کے ناموں کا ذکر۔ ۴۔ نوح علیہ السلام کی مخصوص دعاؤں کا ذکر۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ سورۃ نوح کی تفسیر مکمل ہوئی

اٰیاتھا ٢٨ ﴿٧٢﴾ سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ﴿٤٠﴾ رکوعاتھا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهْدِیْۤ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ
نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهُ كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ
شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾

"کہہ دو کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے سنا تو انہوں نے کہا کہ بیشک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا [1]۔ جو نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہرگز کسی کو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں بنائیں گے [2] اور بے شک ہمارے پروردگار کی شان بلند ہے نہ اس نے کوئی بی بی پکڑی اور نہ اولاد [3]۔ اور بے شک ہمارے بے وقوف اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہا کرتے تھے [4]۔ اور بے شک ہم گمان کرتے تھے کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں کہیں گے" [5]۔

سورۃ جن اور دوسرا نام سورۃ قُلْ اُوْحِیَ ہے۔ ربط: اس سورت کا ربط سورۃ نوح سے بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں توحید پر نوح علیہ السلام سے دلیل نقلی تھی تو اس سورت میں جنات سے دلیل نقلی ہے۔ دوسری وجہ اس سورت میں نوح علیہ السلام کے واقعے کے ذریعے سے توحید پر دلیری ہے تو اس سورت میں جنات کے واقعے کے ذریعے سے بہادری کی ترغیب ہے۔ تیسری وجہ گزشتہ سورت میں صرف دلیل نقلی تھی تو اس سورت میں دلیل نقلی کے ساتھ وحی بھی ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون عنوان: اس میں جنات کے واقعہ کا ذکر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل وحی کے ذریعے سے شرک کا رد ہے نیز اس میں شرک کا رد ہے عموماً اور اتخاذ الولد، شرک فی العلم، فی الدعاء، فی التصرف اور فی الاستعاذہ کا خصوصاً رد ہے۔

سورت کا خلاصہ: اس میں آٹھ دلائل وحی ہیں۔ پہلی وحی دلیل آیت 1 سے آیت 5 تک ہے اس میں جنات کے تیرہ اقوال نقل کیے گئے ہیں اور دوسری وحی دلیل آیت 16 میں رزق کی وسعت کے ذریعے سے اور اعراض کرنے پر تخویف کے ذریعے سے توحید کی طرف ترغیب ہے تیسری وحی دلیل آیت 18 میں ہے اس میں رد شرک فی الدعاء ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے

سجدہ کی تخصیص ہے۔ چوتھی وحی دلیل آیت 19 میں مشرکین کا دعوت دینے والے کی مخالفت کرنا ہے۔ پانچویں وحی دلیل آیت 20 میں ہے اس میں ردشرک فی الدعاء ہے۔ چھٹی وحی دلیل وحی آیت 21 میں ہے اس میں ردشرک فی التصرف ہے۔ ساتویں وحی دلیل آیت 22 میں ردشرک فی الاستعاذہ ہے پھر آیت 23،24 میں تخویف دنیاوی واُخروی کا ذکر ہے آٹھویں وحی دلیل آیت 25،26 میں ہے اس میں ردشرک فی العلم ہے اسکے ساتھ رسولوں کی عظمت کا ذکر ہے۔ جنات کے تیرہ اقوال کی تفسیر یہ ہے: پہلی آیت (۱) میں قرآن کی تصدیق ہے دوسری آیت (۲) میں شرک کی نفی ہے عموما تیسری آیت (۳) میں اللہ تعالیٰ سے صاحبہ اور اولاد کی نفی ہے۔ چوتھی آیت (۴) میں مشرکین کی طرف بے وقوفی کی نسبت ہے۔ پانچویں آیت (۵) میں صدق کے گمان کے ساتھ بڑوں کی تقلید ہے۔ چھٹی آیت (۶) میں شرک فی الاستعاذہ کا ذکر ہے۔ ساتویں آیت (۷) میں قیامت یا رسول کی بعثت سے انکار کا عقیدہ ہے آٹھویں اور نویں (۸،۹) میں قرآن کے نزول سے پہلے اور بعد میں جنات کا حال ذکر ہے دسویں آیت (۱۰) میں جنات کے پاس غیب کا نہ ہونا ذکر ہے گیارہویں آیت (۱۱) میں قرآن کے نزول سے پہلے انکا تفرق ذکر ہے اور بارہویں آیت (۱۲) میں انکے عاجز ہونے کا اظہار ہے اور اسکے ساتھ ردشرک فی التصرف ہے تیرہویں آیت (۱۳) میں قرآن پر انکا ایمان اور اسکے ساتھ بشارت ہے جنات کا تیرہویں قول آیت (۱۴،۱۵) میں قرآن کے نزول کے بعد انکا اختلاف ہے۔

تفسیر 1 "قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ": یہ دلالت کرتا ہے کہ قرآن کے سننے کے وقت نبی ﷺ نے جنات کو نہیں دیکھا تھا اور نہ ان کے بارے میں آپ کو خبر تھی بلکہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے آپ کو خبر دی اور اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔ سوال: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو خاص دعوت دی تھی اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی تھی اور ان کو دیکھا تھا؟ جواب: ملا علی قاری نے مرقاۃ میں لکھا ہے کہ جنات کا واقعہ چھ مرتبہ ہوا کبھی مکہ کبھی مقام نخلہ اور کبھی مدینہ میں۔ دو مرتبہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اور چار مرتبہ نہیں تھے اور بخاری اور مسلم کی روایت میں ثابت ہے کہ پہلی مرتبہ بطن نخلہ میں یہ واقعہ ہوا تھا کہ رسول ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی ایک جماعت کے ساتھ (دعوت کے لیے) عکاظ میلے کی طرف جا رہے تھے اور مقام نخلہ میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے تو جنات کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے قرآن کو سن لیا صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4921 (سورۃ علق یا سورۃ رحمان) تو جنات سمجھ گئے کہ یہ وہی ہستی ہے جس کی وجہ سے جنات آسمانوں سے روک دیئے گئے ہیں اور شعلوں سے

مارے جاتے ہیں اوران جنات نے اسلام قبول کرلیا پھر مفسرین کا اختلاف ہے کہ سورۃ احقاف اوراس سورت کا واقعہ ایک ہے یا الگ الگ ہے؟: اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ: انکے سننے کا طریقہ سورۃ احقاف آیت 29 میں ذکر ہے اور یہ جن نینوی مقام کے تھے اور سات افراد تھے یا نو تھے اور بعض نے کہا ہے کہ تین اہل حران کے تھے اور چار اہل نصیبین کے تھے اور اس واقعہ میں بہت سے فائدے ہیں: پہلا یہ کہ معلوم ہوا کہ محمد ﷺ جن وانس کے رسول ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ جنات بھی انسانوں کی طرح ہماری زبان کو سمجھتے ہیں۔ تیسرا یہ ہے کہ قرآن کریم ایسی معجز کتاب ہے کہ جنات سرکشی کے باوجود ایمان کی طرف مجبور ہوئے: فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا: مصدری معنی میں ہے یعنی: قِرَاءَةً جَامِعَةً: (جامع پڑھنا) یا قرآن اپنے معنی میں ہے کہ انہوں نے قرآن کا نام بھی سیکھا یا یہ ہے کہ پہلی آسمانی کتابوں کے سبب سے قرآن کو جانتے تھے جیسے سورۃ احقاف آیت 30 سے معلوم ہوتا ہے: عَجَبًا: قرآن اعلی درجے کی فصاحت اور بلاغت کی وجہ سے عجیب ہے یعنی اس کی مثل نہیں ہے یا اس وجہ سے تعجب تھا کہ اس میں ناآشنا مسئلہ (توحید) تھا جو انہوں نے اس زمانے میں یہود اور نصاری سے نہیں سنا جیسے مشرکین نے بھی اس کو: لَشَيْءٌ عُجَابٌ: کہا تھا سورۃ ص آیت 5 میں مذکور ہے۔

تفسیر 2 یہ: عَجَبًا: کی تفسیر ہے یعنی اسکا عجیب ہونا جھوٹ اور گمراہی کی وجہ سے نہیں ہے جیسے مشرکین نے گمان کیا ہے بلکہ ہدایت اور ارشاد کی وجہ سے ہے: رُشْدِ: وہ حق ہے جس پر عمل کرنے میں مقصد کو پہنچنا اور کامیاب ہونا ہے: فَاٰمَنَّا: فاء دلالت کرتی ہے کہ ہدایت اور رشد ایمان لانے کو مستلزم ہیں: وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ: اشارہ ہے کہ یہ جنات اس سے پہلے شرک فی الربوبیۃ (اطاعۃ ابلیس) اور شرک فی الالوہیت کے مرتکب تھے اور یہ دلیل ہے کہ قرآن کریم کی ہدایت کا خلاصہ شرکیات کا رد ہے اور جو شخص قرآن لفظاً اور معناً پڑھتا ہو اور پھر بھی شرک میں مبتلا ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن کے مقصد کو نہیں سمجھا۔

تفسیر 3 "وَ اَنَّهٗ: یہ لفظ اور اسکے بعد آیت 14 تک بعض قاریوں کے نزدیک: اَنَّ کے زبر کے ساتھ ہے لہذا: اَنَّهٗ اسْتَمَعَ: پر معطوف ہے تو اس بناء پر یہ بھی وحی ہے لیکن جنات کے قول کے نقل کرنے طور پر یا: اٰمَنَّا بِهٖ: میں ضمیر مجرور بہ پر معطوف ہے تو یہ سب جنات کے نُؤْمِنُ بِهٖ: ہیں اور بعض قراء کے نزدیک یہ زیر کے ساتھ: اِنَّا سَمِعْنَا: پر عطف ہے اور یہ معنی کے اعتبار سے ظاہر ہے تاویل کی ضرورت اس میں نہیں ہے اور اسکے علاوہ پہلی آیت اور آیت 16، 17، 18 میں قاریوں کا نصب میں اتفاق ہے اور اسی طرح آیت 1 اور 20 اور 23 اور 27 میں زیر پڑھنے پر قاریوں کا اتفاق ہے: جَدُّ رَبِّنَا: جد یہاں عظمت، غنا، قدرت، نعمت اور بادشاہت ہر ایک کے معنی میں صحیح ہے اور: جَدٌّ: دادا کو بھی کہا جاتا ہے لیکن یہ معنی مراد

نہیں ہے اگرچہ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ لفظ جَدُّ: موہم لفظ ہے تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں استعمال کرنا منع ہے لیکن یہ قول بھی غلط ہے اسلئے کہ اس آیت میں اور حدیث میں: وَتَعَالیٰ جَدُّكَ: نقل ہے اور جب کبھی شرع میں کسی لفظ کا اطلاق ہوجاتا ہے تو اس سے باطل معنیٰ کا وہم ختم ہوجاتا ہے۔ موہم لفظ اس وقت منع ہوتا ہے جب اسکے استعمال پر دلیل شرعی نہ ہو: مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا: یہ پہلے باطل عقائد سے رجوع کا ذکر ہے کیونکہ بعض جنوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سردار جنات کی بیٹیوں سے نکاح کیا ہے جیسے بعض مفسرین نے سورۃ صافات آیت 185 کی تفسیر میں لکھا ہے اور بعض عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی اور حکمی اولاد ہے بیوی بنانے سے ترکیب عقلی پیدا ہوتی ہے اسلئے کہ صاحبہ، صاحب کی نوع (قسم) سے ہوتی ہے اور جس کے لئے بیوی ہو تو اس میں ترکیب عقلی ہوتی ہے اور اتخاذ الولد کے ساتھ ترکیب حسی پیدا ہوتی ہے اسلئے کہ اولاد باپ کے اجزاء ہوتے ہیں اور اجزاء کے ساتھ ترکیب حسی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ترکیب عقلی اور حسی دونوں سے پاک ہیں اسلئے کہ ترکیب محتاج ہونے کو لازم ہے اور اللہ تعالیٰ محتاج ہونے سے پاک ہے۔

تفسیر 4 ''سَفِيهُنَا: اس سے مراد ہر وہ کافر اور مشرک ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے شریک، اولاد اور بیوی سمجھتا ہے اور دوسرے لوگوں کو اسکی دعوت دیتا ہے: شَطَطًا: اصل میں دوری کو کہا جاتا ہے تو جو بات صدق اور عدل سے دور ہو اسکو شطط کہا جاتا ہے تو عدوان اور جھوٹ اور حد سے گزرنا اس میں شامل ہیں جیسے سورۃ کہف آیت 14 میں ہے اور اس جگہ شطط سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف شریک اور اولاد اور بیوی کی نسبت کرنا ہے اور اس طرح یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ قرآن کریم کے ذریعے سے مخلوق کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ سفیہ (بیوقوف) ہے یا عقلمند ہے؟

تفسیر 5 یہ بھی دلیل ہے کہ قرآن کریم کے علم کے بغیر انسان کو ہر کوئی حق پرست اور سچا نظر آتا ہے اور وہ حق اور باطل کی تمیز نہیں کرسکتا ہے اور یہ تقلید نقصانات میں سے ہے: كَذِبًا: شریک، اولاد اور بیوی کی نسبت کذب ہے۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝۶ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ
يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا
مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ
اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ "اور یقیناً انسانوں میں سے بعض ایسے تھے جو بعض جنات سے پناہ طلب کرتے تھے پس

انہوں نے انکو سرکشی میں زیادہ کردیا[6]۔اور یقیناً وہ گمان کرتے جس طرح تم گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کریگا[7]۔اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو وہ سخت چوکیداروں اور سخت شعلوں سے بھر دیا گیا تھا[8]۔اور بیشک ہم آسمان کے ٹھکانوں میں سننے کے لئے بیٹھ جایا کرتے تھے پس جو کوئی اب سننے جاتا ہے تو اپنے لیے ایک تیار شعلہ پائے گا[9]۔اور یقیناً ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا انکے پروردگار نے ان کے ساتھ نیکی کا ارادہ کیا ہے"[10]۔

تفسیر 6 اس میں شرک فی الاستعاذہ کا رد ہے کہ یہ رھق یعنی سرکشی کا سبب ہے یعنی دور جاہلیت میں بعض انسان صحراء میں سفر کرتے تو جن انکے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور انکو ڈراتے تھے (اسلئے کہ انکے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر اور صحیح دین اور اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں تھی اور یہ جنات سے نجات کا ذریعہ ہے) تو انکا عقیدہ تھا کہ ہر صحراء کا ایک ذمہ دار جن ہے اور وہ مسافروں کو پناہ اور امن دے سکتا ہے تو یہ کہتے: اَعُوْذُ بِسَیِّدِ هٰذَا الْوَادِیْ مِنْ سُفَهَاءِ قَوْمِهٖ: تو وہ بڑے، چھوٹوں کو انسانوں کو ضرر دینے سے منع کرتے تھے تو یہ امن سے رات گزارتے تھے اور کبھی یہ جن انکو صحیح راہ بتاتے تھے اور گم شدہ چیزیں ان کو واپس کرتے تھے تو انسانوں کا عقیدہ پکا ہوا کہ یہ جن متصرف اور اختیار مند ہیں تو ان کے نام کی نذریں بھی دیتے اور اسی طرح ابن کثیر نے کردم بن ابی سائب کا واقعہ ذکر کیا ہے جس میں آیا ہے کہ آدھی رات ہوئی تو چیتا آیا اور دنبے کے ایک بچے پر حملہ کیا تو چرواہے نے چھلانگ لگائی اور آواز دی: یَا عَامِرَ الْوَادِیْ جَارَكَ: اے اس صحراء کے ذمہ دار اپنے ہمسایہ کو پناہ دو" تو ایک پکارنے والے نے آواز دی اور ہمیں نظر نہیں آرہا تھا کہ اے سرحان! چھوڑ دو تو اس چیتے نے دنبے کے بچے کو چھوڑ دیا اور وہ ہم تک صحیح سالم پہنچا طبرانی کبیر 191/19 اس کی سند میں عبدالرحمن بن اسحاق ضعیف ہے تو مقصد یہ ہے کہ یہ چیتا نہیں تھا بلکہ چیتے کی شکل میں جن تھا اور اسکا نام سرحان تھا تو جب چرواہے نے انکے بڑے کے ساتھ پناہ مانگی تو اس بڑے نے سرحان کو آواز دی کہ یہ بچہ چھوڑ دو تو اس طریقے سے جنوں پر مشرکین کا عقیدہ پختہ ہوتا گیا اور ان سے خوف زیادہ ہوتا رہا فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا: اس میں دو احتمالات ہیں پہلا یہ ہے کہ فاعل کی ضمیر جنوں کی طرف اور مفعول کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے اور رھق سے مراد گمراہی اور شرک ہے یا ضمائر برعکس راجع ہیں اور رھق سے مراد جنوں کی دلیری ہے۔

تفسیر 7 یہ بھی جنات کا قول ہے اور پہلی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے اور دوسری ضمیر میں جنوں کو خطاب ہے یعنی دونوں قسم کی مخلوق اس عقیدے میں شریک ہیں اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا: اس سے مراد موت کے بعد اٹھنا ہے یا اس سے مراد

رسول ﷺ کی بعثت ہے یعنی قیامت اور رسول کی بعثت سے دونوں گروہ اپنے گمان میں منکر ہیں لیکن قرآن سننے سے معلوم ہوا کہ دونوں کا یہ گمان باطل ہے۔

تفسیر 8، 9 یہ بھی جنات کے اقوال ہیں، یہ تین جملے ہیں: پہلے میں قرآن کے نزول کے وقت کا ذکر ہے اور دوسرے میں قرآن کے نازل ہونے سے پہلے انکا حال ذکر ہے اور تیسرا جملہ پہلے جملے کے ساتھ متعلق ہے: لَمَسْنَا: التماس سے ہے سابقہ عادت کے موافق خبر طلب کرنے کے معنی میں ہے: فَوَجَدْنٰهَا: وَجَدْنَا: ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور مُلِئَتْ: جملہ حالیہ ہے اور: حَرَسًا: تمیز ہے یا: مُلِئَتْ: کا مفعول ثانی ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ: وَجَدْنٰهَا: یا ہاں دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے اسلئے کہ وہ وِجْدَانِ قلبی کے معنی میں ہوتا ہے اور یہاں: وِجْدَانِ حسی مراد ہے: حَرَسًا شَدِيْدًا: حرس لفظا مفرد ہے اور معنوی طور پر جمع ہے تو: شَدِيْدًا: کو حرس کے لفظ کے اعتبار سے مفرد صفت لایا: مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ: یعنی قرآن کے نزول سے پہلے سرکش جن ملائک کی باتیں سننے کے لئے آسمان میں یا آسمان کے نیچے متعدد جگہوں میں بیٹھا کرتے تھے اور ملائک سے مستقبل کی کچھ باتیں سنتے تھے (بارش، طوفان، زلزلہ وغیرہ کے بارے میں) پھر اپنی طرف سے اسکے ساتھ اور جھوٹ ملاتے اور اس کو زمین میں کاہنوں کے کانوں تک پہنچاتے تھے تو لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ یہ کاہن غیب کو جانتے ہیں لیکن قرآن کے نزول کے وقت آسمان ملائک (چوکیداروں) کے ذریعے سے محفوظ کیا گیا تاکہ قرآن کریم کی سچائی میں التباس نہ آجائے۔ فائدہ: اہل علم کا اختلاف ہے کہ قرآن کے نزول سے پہلے شیاطین کو مارنے کے لئے چوکیدار تھے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ بالکل نہیں تھے لیکن راجح قول یہ ہے کہ پہلے بھی اس طرح حال تھا لیکن کم تھا اور قرآن کے نزول کے وقت زیادہ ہوا جیسے لفظ: مُلِئَتْ: اس پر دلالت کرتا ہے اسی طرح اختلاف ہے کہ آیا قرآن کے نزول کے بعد شیاطین: اِسْتِرَاقُ السَّمْعِ: کر سکتے ہیں؟ تو سورۃ شعراء آیت 222، 223 سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بھی یہ: اِسْتِرَاقُ السَّمْعِ: کرتے ہیں اور اکثر تو شعلہ سے قتل ہوجاتے ہیں یا زخمی ہوجاتے ہیں اور بعض بچ جاتے ہیں تو کاہن کے کان میں ایک بات ڈالدیتے ہیں اور اسکے ساتھ اپنی طرف سے سو باتیں ملادیتے ہیں جیسے حدیث شریف میں بھی اس پر دلیل ہے۔ صحیح بخاری کتاب الادب حدیث 6213

تفسیر 10 "شَرٌّ": سے مراد عذاب ہے اور: رَشَدًا: سے مراد رسول کو بھیجنا ہے یعنی قرآن کریم سے جنات کے روکنے میں ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے یا شر سے مراد لوگوں کا کفر کرنا ہے اور رشد سے مراد ایمان لانا ہے یعنی رسول کے بھیجنے

میں منکرین کا کفر کرنا یا ایمان والوں کا ایمان لانا ہے اور: لَا نَدْرِیْ: دلیل ہے کہ جنات علم غیب کو نہیں جانتے ہیں اشر کے ساتھ: اُرِیْدَ: مجہول صیغہ لایا ہے کیونکہ ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف شر کی نسبت نہیں کرنی چاہئے: وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ: صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین حدیث 770۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۟ۙ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ
نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۟ۙ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ۟ۙ وَّ اَنَّا مِنَّا
الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۟ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۟ۙ

"اور یقیناً بعض ہم میں نیک ہیں اور بعض اسکے علاوہ ہیں ہم مختلف قسم کے لوگ ہیں [11]۔ اور بے شک ہم یہ سمجھ گئے کہ زمین میں ہرگز اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے ہیں اور نہ بھاگ کر اس کو عاجز کر سکتے ہیں [12]۔ اور بلاشبہ جب ہم نے ہدایت کو سنا تو اس پر ایمان لے آئے پس جو کوئی اپنے پروردگار پر ایمان لیے آئیگا پس وہ نہیں ڈرے گا نقصان اور زیادتی سے [13]۔ اور یقیناً بعض ہم میں مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں پس جو مسلمان ہیں پس انہوں نے سیدھی راہ (ہدایت) پالی [14]۔ اور جو بے انصاف ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے" [15]۔

تفسیر 11 یہ بھی قرآن سننے سے پہلے جنوں کا حال ہے یعنی یہ سب کافر نہیں تھے بلکہ انسانوں کی طرح ان میں سے بھی بہت گروہ تھے کوئی مسلمان اور کوئی یہودی اور کوئی نصاریٰ اور کوئی مجوسی تھے اور حسن بصری سے منقول ہے کہ ان میں سے قدریہ، مرجیہ، خوارج، روافض، شیعہ، سنی وغیرہ سب ہیں ابن کثیر میں اعمش کی روایت ہے کہ اس نے ایک جن سے پوچھا کہ تم میں بدعتی ہیں؟ اس نے کہا ہاں! پھر اس سے پوچھا زیادہ برے تم میں کون ہیں اس نے کہا: روافض: وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ صَالِحُوْنَ سے مراد مسلمان ہیں اور: دُوْنَ: سے مراد کافر اور مشرکین ہیں یا: صَالِحُوْنَ: سے مراد کامل ایمان والے ہیں اور: دُوْنَ: سے مراد فاسق ہیں: طَرَآئِقَ: طریقت کی جمع ہے مذہب اور مسلک کے معنی میں ہے اور اس سے مضاف کے حذف کے ساتھ اہل طرائق مراد ہیں طوائف (گروہ) کے معنی میں ہے تو مضاف کی ضرورت نہیں ہے: قِدَدًا: قدۃ کی جمع ہے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے تیز سیرت کو کہا جاتا ہے تو یہ طرائق کی تاکید ہے اور تاکید میں اشارہ ہے کہ یہ گروہ عناد اور تعصب کی وجہ سے ایک دوسرے سے منقطع ہوئے ہیں۔

تفسیر 12 یہ قرآن کے سننے کے بعد کا حال ہے یا قرآن سننے سے پہلے انکے ایمان والوں کا حال ہے اسلئے کہ ان میں سے

بعض تورات پر ایمان لائے تھے جیسے سورۃ احقاف آیت 30 میں گزرا ہے: ظَنَنَّا: ظن مشترک ہے کبھی شک کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی گمان کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی علم اور یقین کے معنی میں ہوتا ہے یہاں آخری معنی مراد ہے یعنی دلائل اور غور وفکر کرنے کے ساتھ یا تورات کی آیتوں پر ایمان کی وجہ سے یا قرآن کے سننے کے ذریعے سے ہمیں یقین حاصل ہوا ہے کہ ہم عاجز ہیں اور قادر صرف اللہ تعالیٰ ہے اور شربینی نے ذکر کیا ہے کہ علم پر ظن کا اطلاق اس وجہ سے ہوا ہے کہ عاقل کو چاہئے کہ جس چیز میں ضرر اور نقصان کا گمان ہو تو اس سے اپنے آپکو بچانے رکھے: هَرَبًا: سے مراد آسمان کی طرف بھاگنا ہے تو: فِي الْأَرْضِ: کے ساتھ مقابلہ صحیح ہو جائیگا یا: فِي الْأَرْضِ: سے مراد اپنے مقام پر ٹھہرنا ہے اور ہرب سے مراد زمین میں بھاگنا ہے تو مقابلہ صحیح ہے یعنی کسی بھی حالت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں۔

تفسیر 13 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیتوں میں قرآن سننے سے پہلے کا حال تھا اور اس میں اسکے بعد کا حال ذکر کرتا ہے: الْهُدٰى: اس سے مراد آیت 2 کے قرینے سے قرآن ہے: اٰمَنَّا بِهٖ: یہ دلیل ہے کہ قرآن کریم انسان اور جنات دونوں کے لئے کتاب ہے اور یہ دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے اپنے ایمان کا اعلان ہے اس وجہ سے اسکے بعد: فَمَنْ يُّؤْمِنْ: سے بشارت ذکر کرتا ہے: بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا: نقصان نیکیوں میں اور زیادتی برائیوں میں یا رَهَق: سے مراد ایک شخص کے گناہوں کو دوسرے شخص پر ڈالنا ہے جیسے سورۃ طٰہٰ آیت 112 میں گزرا ہے: فَلَا يَخَافُ: یہ مَن: شرطیہ کی جزاء ہے اور اسے اس وجہ سے جزم نہیں دیا ہے کہ اس میں مخفی کلام ہے یعنی: فَاِنَّهٗ لَا يَخَافُ: اور بعض قراءتوں میں: فَلَا يَخَفْ: جزم کے ساتھ آیا ہے۔

تفسیر 14، 15 یہ قرآن کے نزول کے بعد انکے تفرق کی حالت کا ذکر ہے۔ سوال: آیت 11 میں ذکر تھا کہ ان کے گروہ زیادہ ہیں اور یہاں دو گروہوں کا ذکر کیا ہے؟ جواب: یہ سورۃ حج آیت 19 کی طرح ہے یعنی سب کا خلاصہ یہ دو ہیں الْقٰسِطُوْنَ: لسان العرب میں ہے کہ اسکا مصدر قسوط جور اور ظلم کے معنی میں آتا ہے اور اسکا استعمال صرف مجرد کے ساتھ ہوتا ہے اور: قَاسِطُوْنَ جَائِرُوْنَ: کے معنی میں ہے۔ اور قسط مصدر عدل کے معنی میں ہے اور اس میں اقسط اور قسط دونوں استعمال ہوتے ہیں: تَحَرَّوْا: تحری غور وفکر اور کوشش کے ساتھ کسی چیز کو طلب کرنا ہے اور اکثر خیر میں استعمال ہوتا ہے: رَشَدًا: ہدایت اور خیر عظیم یا نجات اور ثواب: لِجَهَنَّمَ حَطَبًا: سوال: جن تو آگ سے پیدا ہیں تو آگ کے ساتھ انکو کس طرح عذاب دیا جاتا ہے؟ جواب: اگر چہ انکا مادہ آگ کی پیدائش ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انکو ایسے جسم دیے ہیں کہ آگ ان پر اثر کر سکتی ہے

جیسے انسان مٹی سے پیدا ہے لیکن جب مٹی سے اس کو مارا جائے تو جسم درد کرتا ہے اور خطیب شربینی نے جواب دیا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ انکے جسموں کو گوشت اور خون سے بنا دیگا تو آگ ان پر اثر کریگی (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے) اس آیت میں بشارت اور تخویف دونوں ذکر ہوئیں اور اس پر جنوں کا کلام ختم ہوا ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿16﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿17﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿18﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿19﴾ "(اور یہ وحی آئی کہ) اگر یہ لوگ راہ پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت پانی پلاتے [16] تاکہ ہم اس میں انکی آزمائش کریں اور جو کوئی اپنے رب کی یاد سے اعراض کرتا ہے تو وہ اسکو سخت عذاب میں داخل کریگا [17]۔ (اور یہ وحی ہے) کہ مسجدیں خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں پس تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو [18]۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کی طرف دعوت دینے کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں" [19]۔

تفسیر 16، 17: یہ: اَنَّهُ اسْتَمَعَ: پر معطوف ہے یا آیت 2 کی بہ ضمیر مجرور پر عطف ہے اور یہ دوسری وحی ہے اور لَاَسْقَيْنٰهُمْ: متکلم کے صیغے کے قرینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جنوں کا قول ہے اور: اِسْتَقَامُوْا میں ضمیر قاسطین جنوں کی طرف راجع ہے اور: لَاَسْقَيْنٰهُمْ: اور لِنَفْتِنَهُمْ: میں اللہ تعالیٰ کے قول کی حکایت ہے لیکن یہ تاویل بعید ہے پھر اس آیت میں مفسرین کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ: اَلطَّرِيْقَةِ: سے مراد ہدایت توحید اور ایمان کا طریقہ ہے: مَّآءً غَدَقًا: اس سے مراد رزق کی وسعت ہے جیسے سورہ نوح آیت 11، 12 میں ذکر ہوا اور اسی طرح سورہ مائدہ آیت 66 اور سورۃ اعراف آیت 96 میں ذکر ہے: لِنَفْتِنَهُمْ: سے مراد دنیاوی نعمتوں کے سبب سے آزمائش اور امتحان ہے اس قول کی بناء پر یہ دنیاوی بشارت ہے: وَمَنْ يُّعْرِضْ: تخویف دنیاوی اور اخروی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اَلطَّرِيْقَةِ: سے مراد گمراہی کی راہ ہے اور: لَاَسْقَيْنٰهُمْ: سے مراد استدراج ہے جیسے سورۃ انعام آیت 44 میں ہے اور لِنَفْتِنَهُمْ: سے مراد عذاب کا فتنہ ہے: عَذَابًا صَعَدًا: یہ تخویف اخروی ہے لیکن قرطبی نے کہا ہے کہ اس میں پہلا قول حق کے قریب ہے اسلئے کہ استقامت ہدایت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے: صَعَدًا: صعد کے لفظ میں عذاب کی ترقی کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرح یہ جہنم میں ایک پہاڑ کا نام ہے اور اس میں مراد عذاب اخروی ہے اور عذاب دنیاوی بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی قحط مصائب وغیرہ جیسے مشرکین مکہ پر قحط کا عذاب آیا تھا اور ابھی بھی قحط، مہنگائی اور مصائب کا سبب قرآن سے

اعراض کرنا ہے۔

تفسیر 18 یہ تیسری وحی ہے سورت کی ابتداء پر معطوف ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ توحید کی طرف دعوت دینے کے طور پر جنوں کا قول ہے: اَلْمَسَاجِدَ: اس لفظ میں مساجد اور سجدے کے اعضاء جو زمین کے ساتھ لگتے ہیں اور سجدہ کرنے کی عام جگہیں اس میں شامل ہیں اور یہ اقوال مفسرین نے نقل کیے ہیں اور تین خاص مساجد، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ بھی اس میں شامل ہیں۔ لِلّٰهِ: یہ نسبت اللہ کی طرف تشریفاً اور اکراماً ہے تاکہ ان میں غیر کی ملکیت نہ ہو بلکہ وقف ہوں اور ان میں صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہو، اسی وجہ سے مسجد کو اللہ تعالیٰ کا گھر کہا جاتا ہے لیکن اس کی نسبت بندوں کی طرف مسجد کے تعارف کی حیثیت سے جائز ہے جیسے فلاں کی مسجد اور فلاں قبیلے کی مسجد وغیرہ جیسے امام بخاری نے اسکے لئے اپنی کِتَابُ الْجَامِعُ الصَّحِیْح میں مستقل باب رکھا ہے۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا: ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس میں یہود و نصاریٰ کا رد ہے، وہ اپنے عبادت خانوں میں شرک کرتے ہیں اور اس میں ردِ شرک فی الدعا بھی ہے اور اس سے مراد عام ہے بایں طور کہ ذکر خاص کا اور مراد اس سے عام ہے یعنی مسجد میں رکوع اور سجدہ اور غیر اللہ کے نام کا ذکر یہ سب حرام ہیں اور یہ حرمت عام ہے لیکن مساجد کی تخصیص مزید قباحت کی وجہ سے ہے اور اس زمانے میں جاہلوں نے مساجد میں بہت شرکیہ اعمال شروع کیے ہیں، کچھ لوگ مسجد میں اولیاء کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور کچھ مسجد میں یارسول اللہ کا وظیفہ اور یاشیخ عبدالقادر شیئاً للہ کا وظیفہ پڑھتے ہیں اور کچھ مسجد کی محراب اور دروازوں پر یا محمد اور یا غوث اعظم لکھتے ہیں یہ سب شرک کے اعمال ہیں اور اس آیت کی صریح مخالفت ہے، اور قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ مسجد میں تجارت نہ کرو اور گم شدہ چیزوں کے طلب کرنے کے لئے اعلان نہ کرو دنیاوی مجالس اس میں نہ کرو ہاں! مسجد میں دینی کتابوں کا درس اور فیصلے کرنا، قیدی بند کرنا اور دینی اشعار پڑھنا جائز ہیں ان احادیث کے سبب سے جو اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں ثمامہ کو قیدی بنانے کا واقعہ ذکر ہے اسی طرح حسان بن ثابت کے اشعار پڑھنا بھی مذکور ہے۔

تفسیر 19 اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ چوتھی وحی ہے اور سورت کے شروع پر معطوف ہے اور عَبْدُ اللّٰهِ: سے مراد محمد ﷺ ہے۔ یَدْعُوْا: عبادت کے معنی میں ہے نماز پڑھنا اور قرآن پڑھنا مراد ہیں۔ کَادُوْا: اس سے مراد جنات کی حالت ہے کہ نبی ﷺ پر قرآن پڑھنے یا نماز پڑھنے کے وقت بھیڑ کی صورت میں چل پڑتے سننے اور محبت کی وجہ سے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ: عَبْدُ اللّٰهِ: سے نبی ﷺ اور ہر زمانے میں توحید کی طرف

دعوت دینے والا موحد مراد ہے اور: یَدۡعُوۡا: سے مراد دعوت الی اللہ ہے اور: کَادُوۡا: سے مراد مخالفت کرنے والے ہیں جو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اور بے عزتی کرنے اور روکنے کے لئے اس پر پل پڑتے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ قول ان جنات کا ہے جنہوں نے قرآن سنا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حال کو دیکھا تھا تو عَبۡدُ اللّٰہِ سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور: کَادُوۡا: سے مراد صحابہ کرام ہیں جو شدید محبت کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے اور جمع ہوتے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ جنات کا قول ہے اور: عَبۡدُ اللّٰہِ: سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور: کَادُوۡا: سے مراد مخالفت کرنے والے ہیں۔ پانچواں احتمال یہ ہے کہ یہ قول اللہ تعالیٰ کا ہے اور: عَبۡدُ اللّٰہِ: سے مراد ہر حق کا داعی ہے اور: کَادُوۡا: سے مراد عام لوگ ہیں جو اسکی موت اور اسکی قبر پر عرس اور میلے لگاتے ہیں: لِبَدًا: یہ لِبۡدَۃٌ: کی جمع ہے وہ چیز جسکے اجزاء ایک دوسرے کے اوپر ہوں اور اس طرح وہ گھنے بال جو ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہوں اور ایک چوٹی اس سے بن جاتی ہو اور یہاں ایک جگہ پر لوگوں کا جمع ہونا مراد ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ اس میں مابعد کے قرینے سے دوسرا قول راجح ہے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ وَ لَاۤ اُشۡرِکُ بِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلۡ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ لَکُمۡ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلۡ اِنِّیۡ لَنۡ یُّجِیۡرَنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ ۬ۙ وَّ لَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مُلۡتَحَدًا ﴿ۙ۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِسٰلٰتِہٖ ؕ وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ﴿ؕ۲۳﴾ "آپ کہہ دیجئے میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا [20]۔ کہہ دیجئے بیشک میں تمہارے لئے کسی ضرر اور فائدے کا اختیار نہیں رکھتا [21]۔ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ سے ہرگز کوئی پناہ نہیں دے سکتا ہے اور اسکے سوا کوئی پناہ کی جگہ ہرگز نہیں پاتا [22] لیکن (میرا کام تو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا دینا ہے اور اسکے پیغام سنا دینا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اور اسکے رسول کی نافرمانی کرینگے بیشک ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے" [23]۔

تفسیر 20، 21 یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف امر کے ذریعے سے امور وحیہ ہیں یعنی اگر یہ لوگ مخالفت کریں تو آپ ان کو حقیقت حال بیان کر دیں اس میں رد شرک فی الدعاء ہے اور رد شرک فی الدعاء سے تمام عبادات میں شرک کی تردید ہوگی اسلئے کہ: اَلدُّعَاءُ ھُوَ الۡعِبَادَۃُ (دعا ہی عبادت ہے) ابو داؤد حدیث 1489 ترمذی 2969 نسائی فی الکبریٰ 11464 ابن ماجہ 3827: وَلَاۤ اُشۡرِکُ: یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ غیر اللہ سے دعا مانگنا شرک ہے: اَحَدًا: نفی کے سیاق میں نکرہ عموم کا فائدہ دیتا ہے: قُلۡ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ: یہ بھی وحی ہے اور اس میں ماقبل کے لئے علت ہے کہ شریک فی الدعاء

اس وجہ سے نہیں کہ شریک فی التصرف نہیں ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک فی التصرف کا رد ہے: ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا: یہ الفاظ عام ہیں ہر خیر اور شر اس میں شامل ہے چاہے مالی ہوں یا دنیاوی ہوں یا بدنی ہوں اور چاہے دینی ہوں اور اس طرح سورۃ اعراف آیت 188 اور سورۃ یونس آیت 49 میں بھی گزرا ہے لیکن وہاں اپنے لئے اختیار کی نفی تھی اور یہاں دوسرے کے لئے اختیار کی نفی ہے اور اس میں سورۃ اعراف اور سورۃ یونس کی طرح استثناء ذکر نہیں تو اشارہ ہے کہ وہ استثناء منقطع ہے لازم نہیں ہے کہ ہر جگہ ذکر کیا جائے اور نہ ذکر کرنے میں اشتراک کے وہم کا رد ہے۔

تفسیر 22، 23: یہ بھی وحی ہے اور اس میں شرک فی الاستعاذہ (پناہ طلب کرنے) کا رد ہے یعنی اگر بالفرض میں توحید اور قرآن بیان کرنا چھوڑ دوں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مجھے کوئی بھی نہیں بچا سکتا ہے: لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ: اس جملے اور مابعد والے کے درمیان بہت فرق ہے: پہلا فرق یہ ہے کہ طلب کے بغیر بھی کوئی پناہ نہیں دے سکتا ہے اور طلب اور کوشش کے باوجود بھی کوئی پناہ نہیں دے سکتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہو تو کوئی بھی اسے واپس نہیں کر سکتا ہے اور جو مصیبت آئی ہو تو اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ پہلے جملے میں پناہ دینے کی نفی روح والے کی طرف سے ہے اور دوسرے میں غیر ذی روح (مکان، غار، قبر، بت وغیرہ) سے پناہ دینے کی نفی ہے۔ مُلْتَحَدًا: لَحْدٌ: سے ماخوذ ہے مائل ہونے کو کہا جاتا ہے یعنی وہ جگہ جسکی طرف مصائب سے بچنے کے لئے میلان کیا جائے تو یہ ظرف کا صیغہ ہے: اِلَّا بَلٰغًا: اس استثناء میں تین اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہے اسلئے کہ بلاغ ما قبل کی جنس سے نہیں ہے تو اس میں فعل پوشیدہ ہے: لٰكِنْ اُبَلِّغُ بَلٰغًا: یا تقدیر یہ ہے: اِنْ بَلَّغْتُ عَنِ اللّٰهِ رَحِمَنِيْ دوسرا قول یہ مستثنیٰ متصل ہے اس بناء پر کہ بلاغ پناہ دینے کا سبب ہے تو حاصل معنی یہ ہوا کہ ہرگز پناہ دینے کی کوئی چیز نہیں پاتا مگر رسالت کی تبلیغ کرانے کے ذریعے سے عذاب سے امن حاصل ہوتا ہے۔ تیسرا قول یہ: لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ: سے استثناء ہے یعنی کفر اور ایمان اور شر اور خیر کا اختیار نہیں پاتا مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تبلیغ کرنے کا اختیار رکھتا ہوں: مِنَ اللّٰهِ: یہ بَلٰغًا: کی صفت ہے یعنی: بَلٰغًا كَائِنًا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ عَنْ: کے معنی میں ہے اور بَلٰغًا: کا صلہ ہے: وَرِسٰلٰتِهٖ: یہ: بَلٰغًا پر معطوف ہے اور بلاغ سے تبلیغ کا فعل مراد ہے اور رسالت سے تبلیغ کا نصاب مراد ہے یا لفظ اللہ پر معطوف ہے یعنی: بَلٰغًا عَنْ رِسٰلٰتِهٖ: وَمَنْ يَّعْصِ: یہ بَلٰغًا: کے بعد منکرین کو تخویف ہے: اَبَدًا: دلیل ہے کہ عصیان (نافرمانی) سے مراد کفر اور شرک ہے اسلئے کہ مطلق عصیان کی نسبت کامل جرم کی طرف ہوتی ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا
تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ
فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ
وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ "یہاں تک کہ جب وہ (عذاب) دیکھ لینگے جو ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو عنقریب جان لینگے کہ کون باعتبار مددگار کے کمزور تر ہے اور کم تر ہے عدد میں [24]۔ کہہ دیجئے میں نہیں جانتا آیا قریب ہے وہ (عذاب) جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو یا میرا رب اسکے لیے کوئی (لمبی) مدت مقرر کرتا ہے [25]۔ وہی عالم الغیب ہے چنانچہ نہیں وہ مطلع کرتا ہے اپنے غیب پر کسی کو بھی [26]۔ مگر جس کو رسالت کے لئے چن لے پس وہ اسکے آگے اور اسکے پیچھے محافظ مقرر کرتا ہے [27]۔ تاکہ وہ جان لیں کہ تحقیق انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور اس نے احاطہ کر رکھا ہے ان چیزوں کا جو انکے پاس ہیں اور اس نے ہر چیز کو گنتی کے اعتبار سے شمار کر رکھا ہے" [28]۔

تفسیر 24 یہ تخویف سے متعلق ہے: حَتّٰٓى: ابتدائیہ ہے یا حتیٰ غایہ کے لئے ہے عبارت کی تقدیر یہ ہے: لَا يَزَالُوْنَ عَلٰى عِصْيَانِهِمْ وَ كُفْرِهِمْ حَتّٰٓى: اور اس بناء پر مَا يُوْعَدُوْنَ: عام ہے چاہے دنیاوی عذاب ہو یا اخروی ہو: مَنْ اَضْعَفُ یعنی دنیا میں کافر اپنی دنیاوی قوتوں اور باطل معبودوں اور افراد کی کثرت پر فخر کرتے ہیں لیکن عذاب کے وقت انکی کمزوری اور کمی ظاہر ہو جائیگی اور جو حق پرست لوگ ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہیں اور اپنی کثرت پر فخر نہیں کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کی امیدیں رکھتے ہیں۔

تفسیر 25 یہ مشرکین کے پوشیدہ سوال کا جواب ہے کہ: مَا يُوْعَدُوْنَ: کے ذکر کرنے کے بعد یہ کہتے ہیں: مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: جواب کا خلاصہ نبی ﷺ سے علم الغیب کی نفی ہے یعنی عذاب کا آنا یقینی ہے اگرچہ اسکے قریب ہونے اور دور ہونے کا ہمیں علم نہیں ہے تو اس سے ضرور ڈرنا چاہئے۔ سوال: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ: صحیح بخار کتاب الدقاق حدیث 4936، صحیح مسلم 867 کتاب الجمعة یعنی نبی ﷺ نے درمیانی اور تسبیح والی انگلی کو ملایا اور فرمایا کہ میری بعثت کے بعد قیامت اتنی قریب ہے جیسے شہادت والی انگلی لمبائی میں درمیانی انگلی کے قریب ہے تو اسکا قریب ہونا تو معلوم تھا؟ جواب: آیت میں

قرب کی تعیین مقدار مراد ہے یعنی سو سال یا ہزار سال تو یہ ان کو معلوم نہیں تھا اور صرف قریب ہونا معلوم تھا جیسے سورۃ احزاب آیت 63 میں اور سورۃ شوریٰ آیت 17 میں ہے۔

تفسیر 26 "عٰلِمُ الْغَيْبِ: رَبِّيْ: کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اللہ عالم الغیب ہے یہ اللہ تعالیٰ کے لئے علم الغیب کی صفت کا اثبات ہے اور: فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى: اس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ سے علم الغیب کی نفی ہے اور: اَحَدًا: نکرہ نفی کے سیاق میں ہے پیغمبروں، اولیاء، کاہنوں، نجومیوں سب کو عام ہے: غَيْبِهٖٓ: اضافت تخصیص کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کا غیب حقیقی غیب ہے یعنی اسکے حاصل کرنے کے لئے کوئی سبب نہیں ہے۔ حواس، عقل اور وحی اور بغیر اسباب کے علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور مخلوق کے علم کے لئے ان تین اسباب میں سے کوئی ایک ضروری ہوتا ہے۔

تفسیر 27 یہ سورۃ آل عمران آیت 17 کی طرح ہے اور یہ مستثنیٰ منقطع ہے اسلئے کہ رسولوں کو جو علم دیا گیا ہے تو وہ وحی کے سبب سے ہے اور اس کو غیب حقیقی نہیں کہا جاتا ہے تو انبیاء علیہم السلام کے علم کو غیب نہیں کہا جاتا ہے اسی طرح ولی کی سمجھ جو الہام سے ہے تو وہ سبب سے ہے اسکو بھی علم نہیں کہا جاتا ہے اسلئے کہ علم یقین کو کہا جاتا ہے اور الہام کے ساتھ یقین حاصل نہیں ہوتا ہے اور غیب بھی اس کو نہیں کہا جاتا ہے اسی طرح کاہنوں اور نجومیوں کی باتوں کے لئے شیطانی اسباب اور تاروں کی حرکات اور اوصاف ہیں تو یہ بھی علم نہیں ہے اسلئے کہ علم یقین کو کہا جاتا ہے اور یہ ظنی امور ہیں اور اسکو غیب بھی نہیں کہا جاتا ہے اسلئے کہ یہ اسباب کی وجہ سے ہوتے ہیں تو جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے علم پر یا اولیاء کی باتوں پر یا کاہن و نجومیوں کی باتوں پر علم غیب کا اطلاق کرتے ہیں تو یہ شریعت کی اصطلاحات سے جاہل ہیں اور اگر انکے علم کو اللہ کے علم کے ساتھ بالکل مشابہ سمجھتے ہیں اور صرف ذاتی اور عطائی کے ساتھ فرق کرتے ہیں تو یہ صریح شرک ہے۔ فائدہ: مِنْ رَّسُوْلٍ: مفسر زمخشری نے کرامت سے انکار کیا ہے خطیب شربینی نے اس کا تفصیلی رد کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کرامت کی نفی اور اثبات کے ساتھ اسکا تعلق نہیں ہے اسلئے کہ الہام (جو کہ کرامت ہے) کے ساتھ جو خبر حاصل ہوتی ہے تو وہ شرعاً علم نہیں ہے اور غیب حقیقی نہیں ہے ہاں! انبیاء علیہم السلام کا علم وحی کے سبب سے علم ہے لیکن غیب نہیں ہے: فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ: اس میں سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب نبی علم الغیب نہیں رکھتا تو پھر اسکا کمال کیا ہے؟ نیز اسکی وحی کی حفاظت کس طرح ہو سکتی ہے؟ تو اس جملے کے ساتھ جواب دیا گیا ہے کہ کمال اسکا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی اور اسکی وحی کی حفاظت کرتا ہے ضحاک سے مروی ہے کہ ہر نبی کے ساتھ ملائک مقرر ہوتے ہیں جو شیطانوں سے ان کو بچاتے ہیں اگر شیطان اسکے لئے ملائک

کی شکل میں شیطان ظاہر ہو جائے تو ملائک اس کو خبر دیتے ہے کہ یہ شیطان ہے اور اگر ملائک آجاتے ہیں تو اس کو خبر دیتے ہیں کہ یہ فلاں ملک ہے اسی طرح وحی کے وقت ملائک ہر طرف سے اردگرد ہوتے ہیں ایسا نہ ہو کہ شیاطین اس میں تحریف و تلبیس کریں۔ رَصَدًا اس میں مفرد تثنیہ جمع مذکر و مؤنث ایک جیسے ہیں۔

تفسیر 28 اس میں حفاظت کا فائدہ ذکر کرتا ہے: لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا: اس میں کئی توجیہات ہیں: پہلی توجیہ یہ ہے کہ: لِيَعْلَمَ: ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہے اور: اَبْلَغُوْا: ضمیر رسولوں کی طرف راجع ہے اور اس سے پہلے عبارت پوشیدہ ہے: اَخْبَرْنَاهُ بِحِفْظِ الْوَحْيِ: ہم نے اس نبی ﷺ کو وحی کی حفاظت کی خبر دی تا کہ یقین کر لے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ: لِيَعْلَمَ: ضمیر نبی ﷺ اور: قَدْ اَبْلَغُوْا: ضمیر ملائک کی طرف راجع ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ: لِيَعْلَمَ: کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد علم اظہار اور تمیز ہے اور: اَبْلَغُوْا: ضمیر تمام رسولوں کی طرف راجع ہے۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ: لِيَعْلَمَ: کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور اس سے مراد علم اظہار اور تمیز ہے اور: اَبْلَغُوْا: اسکے علاوہ دیگر رسولوں کیطرف راجع ہے پانچویں توجیہ یہ ہے کہ: لِيَعْلَمَ: کی ضمیر جھٹلانے والے اور منکرین کی طرف راجع ہے اور: اَبْلَغُوْا: تمام رسولوں کی طرف راجع ہے: وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ: یہ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ: پر معطوف ہے یا: اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا: پر معطوف ہے یعنی رسولوں کو یقین آجائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ رسولوں کے تمام حالات پر احاطہ کیا ہے: بِمَا لَدَيْهِمْ: اس سے مراد احکام اور شرائع اور انبیاء علیہم السلام کے تمام احوال ہیں: وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا: اس میں پہلے جملے کی نسبت زیادہ تعمیم ہے اسلئے کہ: كُلَّ شَيْءٍ: خشکی اور دریاؤں کے ذرات اور بارش کی بوندوں کو شامل ہے اور یہ صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم جمیع مَا كَانَ اور مَا يَكُوْنُ پر اَزَلًا وَّ اَبَدًا: ہے اور یہ صفت کسی نبی اور بزرگ اور کاہن وغیرہ کی نہیں ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ مشرکین جنات کا شرک سے توبہ کا ذکر۔ ۲۔ انکا قرآن پر ایمان لانے کا اظہار ۳۔ جنوں سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی حفاظت کی ہے۔ ۴۔ مساجد صرف اللہ کی بندگی کے لئے ہے۔

۵۔ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے شرک کی قسموں پر رد ۶۔ رسول کی حفاظت

الحمد للہ! اللہ کی توفیق سے سورۃ جن کی تفسیر مکمل ہوئی

ایاتها ۲۰ ۷۳ سورۃ المزمل مکیۃ ۳ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝٣ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ
تَرْتِيْلًا ۝٤ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝٥ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۝٦

''اے (قرآن اور نبوت کے) ذمہ دار[1]۔ رات میں قیام کیجئے مگر تھوڑا سا[2]۔ رات کا نصف حصہ یا اس سے تھوڑا کم کیجئے[3]۔ یا اس پر زیادہ کیجئے اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے[4]۔ یقیناً ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالینگے[5]۔ بلاشبہ رات کا اٹھنا یہ زیادہ سخت ہے (نفس کے) کچلنے میں اور بات کو زیادہ درست رکھنے والا ہے''[6]۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت کے ساتھ ربط بہت سی وجوہ سے ہے: **پہلی وجہ** یہ ہے کہ ان سورتوں میں شرک کی اقسام کا تفصیلا رد تھا تو اس سورت میں توحید پر استقامت کے لئے قرآن پڑھنے کی طرف ترغیب ہے۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ پہلی دو سورتوں میں دعوت کے طریقے ذکر ہوئے تو اس سورت میں دعوت کے لئے تیاری ذکر کرتا ہے۔ **تیسری وجہ** یہ ہے کہ پہلی سورت میں معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے بہت سرکش مخلوق (جو کہ جن ہے) پر تاثیر کیا تو اس سورت میں ترغیب دیتا ہے کہ جب یہ تاثیر کرنے والی کتاب ہے تو یہ پڑھو اور دوسروں تک پہنچاؤ کہ ان پر اثر کرے۔ **سورت کا بنیادی اور مرکزی مضمون:** عقیدہ توحید کے ساتھ ساتھ توکل علی اللہ کے ذریعے سے اہل قرآن کو قرآن کے لئے قیام اللیل کی طرف ترغیب ہے ترغیب کے لئے امر کے سولہ صیغے ذکر کئے ہیں اور آٹھ مرتبہ حرف: إنّ: کے ساتھ تاکیدات ذکر کی ہیں اور ان سب میں مقصود قرآن اور توحید کی طرف دعوت ہے۔ مضمون کا ماخذ آیت 2، 4 اور 8 میں ہے۔ **سورت کا خلاصہ:** توقیت (وقت مقرر کرنے) کی تین قسموں کے ذریعے سے قیام اللیل کی طرف ترغیب دیتا ہے، تین امور کے لئے (رات میں قیام اور استثناء) تین علتوں کے ذکر کے ساتھ قیام کا مقصد آیت 4 میں ذکر کیا ہے اور اسکی علتیں ترتیب کے ساتھ آیت 5، 6، 7 میں ہیں پھر آیت 8 میں قرآن کا ادب ذکر کیا ہے اور قرآن کا مقصد آیت 9 میں ہے اور پھر آیت 10، 11 میں چار امور کے ساتھ جو مخالفین کے ساتھ متعلق ہیں اہل قرآن کے لئے تشجیع اور تسلی ہے پھر آیت 12، 13، 14 میں منکرین کے لئے

تخویف اُخروی ہے اور آیت 15، 16 میں واقعہ فرعون کے ذکر کے ذریعے تخویف دنیاوی کی مثال کے ساتھ عذاب کا سبب ذکر کیا ہے پھر آیت 17، 18 میں تخویف اُخروی ہے اور آیت 19 میں عذاب سے نجات کے لئے قرآن کی طرف ترغیب ہے اور پھر دوسرے رکوع میں رات کے قیام میں قراءت میں تخفیف ذکر کرتا ہے کہ رات کے قیام میں وقت کی حد بندی لازم نہیں ہے اور تخفیف کا سبب قرآن والوں میں معذور اور مجاہدین اور تاجروں کا وجود ہے اور یہ تینوں تخفیف کے محتاج ہیں پھر آیت 20 میں ایمان اور قرآن پر عمل کے مضبوط کرنے کے لئے پانچ امور ذکر کیے ہیں۔

تفسیر 1 یہ نبی ﷺ کو خطاب ہے اور یہ لفظ زمل سے لیا گیا ہے اسکا معنیٰ بوجھ (اٹھانا) ہے اور دوسرا معنیٰ کپڑے میں لپٹنا ہے تو اس میں دو قول ہیں: **پہلا قول:** یہ ہے کہ قرآن اور نبوت کی ذمہ داری اٹھانے والے اور مُزَّمِّل مُتَزَمِّل کے معنیٰ میں ہے یا: اَلْمُزَّمِّلُ نَفْسَهٗ: کے معنیٰ میں ہے اور مفعول کی تقدیر کے ساتھ **دوسرا قول:** یہ ہے کہ اپنے آپکو کپڑے میں چھپانے والے یہاں پہلا قول راجح ہے اسلئے کہ جو روایات آئی ہے کہ نبی ﷺ گھر آئے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا مجھ پر کپڑا اڑاؤ وہ سورۃ علق اور پھر سورۃ مدثر کے نزول کے وقت کی ہے۔ صحیح بخاری کتاب بدء الوحی حدیث 3 صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 160 سورۃ مزمل کے بارے میں صرف بزار کی ایک روایت ابن کثیر نے نقل کی ہے لیکن اس میں معلیٰ بن عبدالرحمان راوی منفرد ہے مسند بزار حدیث 2276 مجمع الزوائد 1443 مذکورہ راوی کے کذاب ہونے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے کسی نے ان کی موافقت نہیں کی تفسیر قاسمی میں پہلے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ امام قرطبی نے سہیلی سے نقل کیا ہے کہ جو کہتے ہیں مزمل نبی ﷺ کا نام ہے تو وہ غلط کہتے ہیں ہاں! یہ آپ کی صفت تھی پھر اس صفت کے ساتھ دو فائدوں کے لئے خطاب ہے: **پہلا فائدہ:** ملاطفت ہے۔ یعنی انسان جب ایک حال اور ایک کام میں مشغول ہو تو اسکے مناسب صفت اسکے لئے رکھی جائے اور وہ صفت راضی ہونے اور خوشی کی دلیل ہو۔ **دوسرا فائدہ:** تعمیم کی طرف اشارہ ہے یعنی جو قرآن کریم اور سنت کا داعی ہے تو وہ اس خطاب میں داخل ہے۔

تفسیر 2 قیام اللیل سے مراد شریعت کے عرف میں تہجد کی نماز ہے ویسے کھڑا ہونا یا بیدار ہونا مراد نہیں ہے نبی ﷺ پر قیام اللیل کے فرض ہونے میں اختلاف ہے لیکن امام قرطبیؒ نے راجح کیا ہے کہ پہلے وقت میں فرض تھی اسلئے کہ دعوت کی ابتداء میں بہت محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور بعد میں پھر تخفیف اسکی آئی یعنی اسکی فرضیت معاف ہوگئی سنت ہونا باقی رہ گیا جیسے سورت کی آخری آیت میں آئے گا۔ اِلَّا قَلِیْلًا: یہ اللیل سے استثناء ہے اللیل میں الف لام استغراق کے لئے ہے

اوراجزاء کا استغراق ہے یعنی پوری رات قیام کرو مگر کچھ حصہ چھوڑ دو یا جزیات (افراد) کا استغراق ہے یعنی ہر رات قیام کرو مگر کبھی کبھی عذر کی وجہ سے چھوڑ دو اور استثناء شفقت کے لئے ہے اسلئے کہ جسم کو آرام کرنے کا حق ہے اور قلیل اور ناقص میں فرق یہ ہے کہ قلیل کثیر کے مقابلے میں ہوتا ہے تو کسی چیز کے نصف حصے سے کم کو کہا جاتا ہے اور ناقص مطلق کم کو کہا جاتا ہے اگرچہ نصف سے زیادہ ہو اور یہ دونوں الفاظ کبھی کبھی ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

تفسیر 3، 4 اس میں تین چیزوں کا اختیار دینا ذکر ہوا ہے: رات کا نصف اور نصف سے کم یعنی ثلث (تہائی) اور نصف سے زیادہ یعنی ثلثان (دو تہائی حصے) اور اس پر قرینہ بعد والی آیت ہے جس میں نبی ﷺ اور صحابہ کرام کا عمل ذکر کیا ہے: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ: سوال: نِصْفَهٗ: قَلِيْلاً: سے بدل ہے لیکن دو وجوہات کی بناء پر یہ معنی کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ: قَلِيْلًا: آدھے سے کم کو کہا جاتا ہے تو نصف کی بدلیت صحیح نہیں ہے: دوسری وجہ یہ ہے کہ: زِدْ عَلَيْهِ: میں دو ثلث مراد ہیں یہ تو قلیل سے زیادہ ہوا تو اس سے بدلیت صحیح نہیں ہے؟ جواب: چار وجوہ سے ہے: پہلی وجہ اخفش نے کہا ہے کہ یہاں: اَوْ: مقدر ہے یعنی: اَوْ نِصْفَهٗ: تو یہ عطف ہے: قَلِيْلاً: پر، بدل نہیں ہے: دوسری وجہ زجاج نے کہا ہے کہ: نِصْفَهٗ: الليل سے بدل ہے: قَلِيْلًا: سے بدل نہیں ہے: اِلَّا قَلِيْلًا: استثناء ہے: نِصْفَهٗ: سے اور مستثنیٰ منہ کو مستثنیٰ پر مقدم کیا گیا ہے اور: مِنْهُ: اور: عَلَيْهِ: میں ضمائر نصف کی طرف راجع ہیں معنی یہ ہے رات کو قیام کرو یعنی آدھی رات مگر کم کرو اور نصف سے کمی کرو یا نصف پر ثلثین تک زیادہ کرو اس توجیہ پر اعتراض یہ ہے کہ اس توجیہ کے ساتھ: اِلَّا قَلِيْلًا: اور: اَوِ انْقُصْ: کے درمیان معنی میں تکرار آتا ہے۔ تیسری توجیہ شاہ ولی اللہ سے منقول ہے کہ: نِصْفَهٗ الَّيْلِ: سے بدل ہے اور الليل سے نِصْفَهٗ، مراد (افراد کا استغراق ہے) یعنی ہر رات اور: اِلَّا قَلِيْلًا: الليل سے استثناء ہے یعنی کبھی کبھی عذر کی وجہ سے قیام نہ کرو اور جب بھی قیام کرو تو نصف کرو یا اس سے کم کرو یا اس سے زیادہ کرو۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ نِصْفَهٗ الليل سے بدل ہے اور (الليل سے مراد اجزاء کا استغراق ہے، لیکن قلیل جو کثیر کے مقابل مراد نہیں ہے (کہ نصف سے کم کے ساتھ خاص ہو جائے) بلکہ مطلق نقصان و کمی مراد ہے معنی یہ ہے کہ ساری رات قیام کرو مگر پوری رات سے کم کر دو اور کمی کی تفصیل: نِصْفَهٗ: یا اَوِ انْقُصْ: ہے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ: اس میں قیام اللیل کے مقصد کا ذکر ہے کہ وہ قرآن کی ترتیل ہے ترتیل چند اوصاف سے عبارت ہے: ایک یہ ہے کہ ہر حرف اپنے مخرج سے ادا کیا جائے دوسرا یہ ہے کہ حرف اپنی صفت کے ساتھ ادا کیا جائے

یعنی مجہورہ، مہموسہ، شدیدہ وغیرہ۔ تیسرا یہ ہے کہ آرام آرام کے ساتھ ادا کیا جائے جلدی جلدی نہ پڑھا جائے۔ چوتھا معنی میں غور وفکر کیا جائے۔ پانچواں یہ ہے کہ مد کی جگہ مد ہو اور قصر کی جگہ قصر کیا جائے۔ چھٹا معنی یہ ہے کہ وقف کی جگہ وقف کیا جائے اور اس سے علم تجوید اور قراءت کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے اس طرح یہ دلیل ہے کہ غور وفکر اور ترتیل کے ساتھ تھوڑی تلاوت کرنا اس قراءت سے افضل ہے جو جلدی کی جائے اسلئے کہ قرآن کا مقصد معانی میں غور وفکر کرنا ہے تو خلاصہ یہ ہے کہ داعی حق کو چاہئے کہ دعوت کی تیاری کے لئے قیام اللیل میں قرآن کو غور وفکر سے پڑھے جیسے کوئی عالم کل کے درس کے لئے مطالعہ اور مراجعہ کرتا ہے: تَرْتِيلًا اس آیت کی تفسیر میں خطیب شربینی نے قرآن کے بیس آداب لکھے ہیں ایک یہ ہے کہ جیسے پڑھنے میں وضاحت چاہئے تو اسی طرح قرآن کا لکھنا بھی واضح انداز سے ضروری ہے۔

تفسیر 5 یہ قُمِ: (قیام کے وجوب) کے لئے علت ہے یعنی بھاری چیز کے اٹھانے کے لئے قیام (کھڑا ہونا) ضروری ہے بیٹھنے اور سستی سے کام نہیں چلتا: ثَقِيلًا: ثقل بہت سے وجوہ سے ہے: (1) نزول میں ثقل چنانچہ سخت سردی کے دوران میں رسول اللہ ﷺ کو پسینہ آتا تھا (صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی حدیث 2 صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث 2333) (2) عمل کرنے میں ثقل (3) دعوت دینے میں ثقل اسلئے کہ قرآن کی دعوت میں جان اور مال اور وقت کی قربانی ضروری ہے۔ (4) اکرام اور عزت کے اعتبار سے بھاری ہونا۔ (5) ترازو میں اجر وثواب کا بھاری ہونا (6) منافقین اور مشرکوں پر بھاری ہونا۔ (7) کثرت علوم اور احکام کے اعتبار سے بھاری ہونا، چنانچہ ایک عقل اسکے ادراک کے لئے کافی نہیں ہوسکتی امام شربینی نے کہا ہے کہ لفظ ثقل میں یہ سارے معانی شامل ہیں۔

تفسیر 6 یہ الَّيْلِ: کے لئے علت ہے یعنی رات میں قیام کی تخصیص اسوجہ سے ہے کہ سوچ وفکر خوب برابر ہوتی ہے امام سیوطی نے جاحظ سے نقل کیا ہے کہ رات کے وقت قرآن سے معانی نکالنا دن کی بنسبت زیادہ مؤثر اور حق کے موافق ہوتا ہے۔ نَاشِئَةَ: نَشَاءَ: سے ماخوذ ہے اور مصدر ہے قیام کے معنی میں یا رات کے اوقات کے معنی میں ہے: إِنَّ سَاعَاتِ اللَّيْلِ النَّاشِئَةَ: کی تقدیر کے ساتھ پھر موصوف حذف ہوا اور صفت اس کی جگہ قائم ہوئی: أَشَدُّ وَطْأً: معانی میں غور و تدبر کے لئے دل اور عقل کا ایک دوسرے کے ساتھ موافق ہونا یا کسی دوسرے سے سننے کے لئے دل کا کانوں کے ساتھ موافقت وَأَقْوَمُ قِيلًا: الفاظ کے پڑھنے کے لئے زبان کو برابر کرنے والا دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا وصف حکمتوں اور معانی کا استخراج ہے اور دوسرا وصف الفاظ اور حروف کی تصحیح ہے چونکہ معانی اہم ہوتے ہیں اسوجہ سے ان کو پہلے

ذکر کیا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلا دوسرے سے سننے کے لئے ہے: اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ: اور دوسرا بیان کرنے کے لئے ہے اور چونکہ دوسرے سے سیکھنا بیان کرنے سے پہلے ہوتا ہے اس وجہ سے: اَشَدُّ وَطْاً: کو پہلے ذکر کیا اور یہ دلیل ہے کہ رات کی تلاوت میں دن کی تلاوت سے اجر وثواب زیادہ ہے۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝

"یقیناً تمہارے لئے دن میں بڑا شغل ہے [7]۔ اور اپنے رب کے نام کو یاد کرو اور ہر چیز سے اس کی طرف الگ ہو جاؤ [8]۔ مشرق اور مغرب کا رب ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے اسکو کارساز پکڑو [9]۔ اور ان باتوں پر صبر کرو جو یہ کہتے ہیں اور ان سے اچھے طریقے سے الگ تھلگ رہو [10]۔ اور مجھے اور ان تکذیب کرنے والے مالداروں کو چھوڑ دو اور ان کو تھوڑی مہلت دو" [11]۔

تفسیر 7 یہ اِلَّا قَلِيْلًا: کے لئے علت ہے یعنی ساری رات اسوجہ سے قیام نہیں کر سکتے ہیں کہ آپ کی دن میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ سَبْحًا: دینی ضروریات (جیسے دعوت ہے) اور دنیاوی ضروریات جو تجارت وغیرہ کے لئے چلنا ہے یا: سَبْحًا: فراغ کے معنی میں ہے یعنی اگر رات میں قیام اور قراءت کا کچھ کام پورا نہ کیا جائے تو دن کے کسی وقت میں اس کو پورا کرلیں۔ طَوِيْلًا: صبح کی نماز سے ظہر تک پھر ظہر کی نماز سے عصر کی نماز پھر عصر کی نماز سے مغرب تک لمبا وقت ہے۔

تفسیر 8 اس میں قرآن کی طرف دعوت کے دو آداب ذکر کرتا ہے: پہلا: وَاذْكُرِ: یعنی اپنے رب سے مدد مانگو اور اسی طرح بسم اللہ سے شروع کرو اور ہر وقت دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو یہ داعی کے لئے ضروری ہے دوسرا ادب: وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ: جس سے ماخوذ ہے قطع اور کاٹنے کو کہا جاتا ہے یہاں مراد شرک، ریاکاری، اور شہرت سے انقطاع ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہر عمل کا اخلاص ہے۔ سوال: حدیث میں تبتل سے منع کیا گیا ہے؟ جواب: وہ تبتل نصاریٰ کا ہے یعنی مخلوق سے اس طرح الگ ہوا جائے کہ ان کو دعوت بھی نہ دی جائے اور انکی جماعتوں میں بھی حاضر نہ ہوا جائے اور نکاح بھی نہ کیا جائے اور اپنے تلذذ ذات مباحہ کو حرام کر دیا جائے اور اسکو رہبانیت بھی کہا جاتا ہے تو یہ تبتل اور ہے اور قرآن کا تبتل (الگ ہونا) الگ ہے۔

تفسیر 9 اس میں تیسرا ادب ذکر کرتا ہے اور اسی طرح قرآن کی ترتیل کا مقصد ذکر کرتا ہے جو کہ توحید ہے نیز شرک فی

الربوبیت اور فی الالوھیت اور فی الوکالت اور شرک فی التصرف کا رد ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ: مشرق اور مغرب کی ربوبیت کے ساتھ سورج کے طلوع اور غروب ہونے کا انتظام بھی اور دن کے پیدا کرنے کا انظام بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف میں داخل ہے: وَكِيلًا: وہ ذات کہ تمام اسباب وغیرہ کا اختیار اور تصرف اسکے ہاتھ میں ہے تو ہر کام میں اس پر توکل کرو یہ معنیٰ ہے کارساز پکڑنے کا اللہ تعالیٰ کی وکالت اور مخلوق کی وکالت میں جہت فرق ہے انسانی وکیل کا اختیار موکل کی طرف سے ہوتا ہے، موکل جب چاہے تو اس سے اختیار واپس لے سکتا ہے اور انسانی وکیل جب کام کر لیتا ہے تو مزدوری اور بدلہ چاہتا ہے نیز وہ موکل کا مال خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وکالت کی صفت ان تمام حالات سے برعکس ہے اور یہ مسئلہ تورات کا خلاصہ ہے جیسے سورۃ اسراء آیت 2 میں ذکر ہے: وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا: سورۃ نسآء آیت 81، 132، 171 اور سورۃ احزاب آیت 3، 48 میں ہے: وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا: نیز سورۃ اسرآء آیت 65 میں ہے اور نبی ﷺ سے وکالت کی نفی سورۃ انعام آیت 66، 101 سورۃ زمر آیت 41، سورۃ شوریٰ آیت 6 سورۃ اسرآء آیت 54 اور سورۃ فرقان آیت 43 میں ہے کہ نبی ﷺ کے لئے یہ صفت نہیں ہے لہٰذا دوسری مخلوق اس صفت کے ساتھ کبھی بھی متصف نہیں ہوسکتی ہے۔

تفسیر 10 اس آیت میں قرآن کی طرف دعوت کے دو مزید آداب ذکر کرتا ہے: پہلا ان کی گالی گلوچ اور استہزا کے مقابلے میں صبر کرنا اور دعوت پر ڈٹے رہنا دوسرا منکرین کا ہجران یعنی انکی قرابت اور مالداری کی پرواہ نہ کرنا تو اسی طرح ان کی گالی گلوچ کی وجہ سے انکو دعوت دینا نہ چھوڑنا لیکن انکے شرک، بدعات، فسق وفجور، اجتماعات اور مجالس سے اپنے آپ کو بچانا: جَمِيلًا: جمیل (اچھا) ہجران وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو نفس کی خواہش اور دنیاوی اغراض کی وجہ سے نہ ہو اور اس کو بغض فی اللہ کہا جاتا ہے اسی طرح سورۃ حجر آیت 88 میں اور سورۃ مدثر آیت 5 میں بھی ہے۔

تفسیر 11 اس میں داعی کے لئے دوسرا ادب ہے اور منکرین کے لئے زجر کے ساتھ ساتھ نبی ﷺ کو تسلی ہے: ذَرْنِي اس میں اشارہ ہے کہ بذات خود بدلہ لینے کا ارادہ نہ کرو اللہ تعالیٰ کے انتقام کے لئے چھوڑ دو اور یہ حکم سورۃ انعام آیت 137,91,70 اور سورۃ قلم آیت 44 اور سورۃ حجر آیت 3 اور سورۃ مؤمنون آیت 54 اور سورۃ زخرف آیت 83 اور سورۃ طور آیت 45 اور معارج آیت 42 میں بھی آیا ہے ان آیات میں ان جھٹلانے والوں کے حالات بھی ذکر کیے ہیں: أُولِي النَّعْمَةِ: نون کے نصب کے ساتھ زندگی کی فراخی اور مالداری کو کہا جاتا ہے اور نون کے کسرہ کے ساتھ انعام کو کہا جاتا ہے اور نون کے ضمہ کے ساتھ خوشی کو کہا جاتا ہے: وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا: قلیل سے مراد انکا وقت مقرر ہے اور دنیا کی زندگی کم ہے

اور مہلت سے مراد یہ ہے کہ انکے عذاب کو جلدی نہ مانگو تا کہ یہ دنیا کے مال اور نعمتوں کے فائدے عذاب کے وقت تک بطور استدراج لیتے رہے۔

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾

"یقیناً ہمارے ہاں بیڑیاں ہیں اور گرم آگ [12]۔ اور کھانا جو حلق سے نہ اترے گا اور دردناک دینے والا عذاب [13]۔ جس دن زمین اور پہاڑ کانپ اٹھیں گے اور پہاڑ بھربھری ریت کے ٹیلے کی طرح ہوجائینگے" [14]۔

تفسیر 12، 13 اس میں تخویف اُخروی ہے اور اس عذاب کی طرف اشارہ ہے جو: ذَرْنِیْ: اور: مَهِّلْهُمْ: میں ہے۔ یہ دنیا کے مال کی کشادگی کے مقابلے میں عذاب کی چار قسمیں ہیں دنیا میں اُن کو آزادی تھی اور آخرت میں انکال (بیڑیاں) ہیں یعنی پاؤں میں بھاری بیڑیاں ہیں کہ ان کی وجہ سے حرکت نہیں کرسکیں گے اور انکال عذاب کی قسموں کو بھی کہا جاتا ہے اور دنیا میں ٹھنڈک کے اسباب تھے اور آخرت میں جحیم (گرم آگ) ہوگی اور دنیا میں پاکیزہ اور نرم اور اچھے کھانے کھاتے تھے اور آخرت میں ایسی خوراک ہوگی جو حلق میں پھنسے گی۔ گرم، کڑوی سخت اور گندی جو کہ غسلین، زقوم، ضریع وغیرہ ہوں گے اور دنیا میں کشادگی اور خوشی اور نعمتوں کی زندگی تھی اور آخرت میں ایسے عذاب اور تکلیفیں ہونگی کہ دل انکے درد کرینگے۔

تفسیر 14 یہ لَدَيْنَا: سے متعلق ہے اور اس میں جھٹلانے والوں کے عقیدے کے رد کی طرف اشارہ ہے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ زمین بہت بڑی ہے اور پہاڑ بہت سخت ہیں تو معلوم ہوا کہ ان میں تبدیلی نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کا حال ذکر کرتا ہے: تَرْجُفُ: ایسے ہلنا کہ اسکے سارے اجزاء ہلیں گے اور پھر نہ رکیں گے۔ جیسے سورۃ النازعات آیت 6 میں ہے کَثِیْبًا مَّهِیْلًا: کَثِیْب: ریت کے ٹیلے کو کہا جاتا ہے: مَّهِیْلًا: ایسی باریک ریت جو پاؤں کے نیچے سے بھاگتی ہو تو انسان اس میں سفر نہیں کرسکتا ہے زمین کی حالت دوسری سورتوں میں ذکر ہے جیسے سورۃ طٰہٰ آیت 107 میں ہے اور یہاں صرف پہاڑوں کی تبدیلی ذکر کی ہے کیونکہ وہ سخت اور بڑے مشکل نظر آتے ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۭ

كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾

"بیشک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تمہیں بیان کرنے والا ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا[15]۔ پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی پس ہم نے اسے سخت پکڑا[16]۔ پس اگر تم انکار کرو گے تو اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے کہ بچے بوڑھے ہو جائینگے[17]۔ اس دن آسمان پھٹ جائے گا یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے پورا ہونے والا[18]۔ بیشک یہ ایک نصیحت ہے پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راہ لے"[19]۔

تفسیر 15، 16: اس میں تخویف دنیاوی کا ذکر ہے اور اس عذاب کا بیان ہے جس کی طرف: مَهِّلْهُمْ: میں اشارہ تھا اگر یہ عبارت غائب سے مخاطب کی طرف التفات کے طور پر ہے یعنی پہلے جھٹلانے والوں کو غائب کے طور پر ذکر کیا تو ابھی ان کو خطاب کرتا ہے۔ اِلَيْكُمْ: چونکہ آپ پہلے مکے والوں کی طرف بھیجے گئے تھے اگرچہ آپ کی رسالت عام تھی اس وجہ سے خطاب اِلَيْكُمْ: ذکر کیا ہے: شَاهِدًا عَلَيْكُمْ: اس طرح سورۃ احزاب آیت 45 اور سورۃ فتح آیت 8 میں گزرا ہے اور چار مرتبہ شہید رسول اللہ ﷺ کی صفت میں آیا ہے: بقرۃ آیت 143، سورۃ نساء آیت 41 نحل آیت 89 اور حج 78 میں، اس صفت کا مصداق یا دنیا میں ہے یا آخرت میں دنیا میں تو شہادت سے مراد حق کی تبلیغ اور بیان ہے اور: عَلٰی: کا صلہ مخلوق پر حجت قائم کرنے کے لئے ہے یعنی یہ رسول اللہ ﷺ تمہیں حق بیان کرتا ہے کہ تم پر حجت قائم ہو جائے اور آخرت میں شہادت سے مراد منکرین کے انکار پر گواہی دیتا ہے اور ایمان والوں کا تزکیہ کرتا ہے لیکن سورۃ مائدۃ آیت 117 کی دلیل کے ساتھ جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے یہ گواہی حاضرین کے ساتھ خاص ہے۔

صحیح بخاری، کتاب التفسیر حدیث 4626 میں یہ شہادت ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں بھی ذکر ہے اور جو شہادت اللہ تعالیٰ کی صفت میں آئی ہے تو اسکے ساتھ: كُلِّ شَيْءٍ: کا لفظ آیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور رسول کی صفت میں فرق واضح ہو جائے: اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا: فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کی مثال اسوجہ سے ذکر کی کہ اسوقت اہل مکہ یہود کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کی سچائی اور فرعون کی ہلاکت سے خوب واقف تھے دوسری قوموں کے واقعات سے بعد میں واقف ہوئے: اَلرَّسُوْلَ: یہ الف لام عہد کی ہے اس سے موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں: وَّبِيْلًا: سخت، بھاری، ہلاک کرنے والا اور برے انجام والا یہ سارے معانی اسکے صحیح ہیں اور اس سے مراد وہ سارے عذاب تھے جو فرعونیوں پر آتے تھے یعنی طوفان، جراد (ٹڈیاں) قمل، ضفادع (مینڈکوں کا عذاب) خون اور آخر میں غرق ہونا۔

تفسیر 17، 18: اس میں تخویف أخروی کے ساتھ زجر بھی ہے اور فرعون کے عذاب پر تفریع ہے یعنی فرعون جو کسی قسم کی قوت وطاقت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچ سکا تو تم کس طرح بچ سکو گے: فَكَيْفَ: استفہام انکاری ہے یعنی کسی بھی طریقے سے تم بچ نہیں سکتے ہو: تَتَّقُوْنَ: اسکا مفعول محذوف ہے: اَلْعَذَابَ: یعنی کس طرح عذاب سے بچ سکو گے؟ اور: يَوْمًا كَفَرْتُمْ: کا مفعول ہے یعنی اگر قیامت کے دن سے انکار کرتے ہو اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ: يَوْمًا تَتَّقُوْنَ: کا مفعول ہے عذاب کی تقدیر کے ساتھ اور: اِنْ كَفَرْتُمْ: درمیان میں جملہ شرطیہ معترضہ ہے تیسری توجیہ یہ ہے کہ: تَتَّقُوْنَ: کا مفعول محذوف ہے جیسے پہلی توجیہ میں گزرا ہے اور: يَوْمًا يَجْعَلُ: کے لئے مفعول فیہ ہے: يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ: اس میں دو طریقوں سے اس دن کی ہیبت ذکر کرتا ہے: يَجْعَلُ: کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور: فِيْهِ: پوشیدہ ہے یا یہ ضمیر: يَوْمًا: کی طرف راجع ہے اور اسناد مجازی ہے اور اس جملے میں تین احتمالات ہیں: پہلا یہ ہے کہ انتہائی ہیبت کی وجہ سے پہلے بچوں کے بال سفید ہو جائینگے اور حقیقتاً کمزور ہو جائینگے پھر اللہ تعالیٰ انکو اپنی اپنی حالت کی طرف واپس کر دینگے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اس دن کی انتہائی ہیبت کی مثال ہے یعنی بالفرض اگر اس وقت میں بچے ہوں اور ان پر ھیبت آجائے تو بوڑھے ہو جائینگے تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مثال کے طور پر اس دن کے لمبے ہونے کی طرف اشارہ ہے: اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ: یہ اس دن کی دوسری ھیبت شان ہے اور حقیقت پر محمول ہے جیسے: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ: اور: بِهٖ: میں باء سببیہ ہے یا: فِيْ: کے معنی میں ہے اور ضمیر یوم کی طرف راجع ہے سوال: سماء مؤنث ہے تو مُنْفَطِرٌ کس طرح مذکر لایا ہے؟ جواب: سماء اسم جنس ہے کبھی مذکر آتا ہے اور کبھی مؤنث دوسرا جواب: سقف کی تاویل کے ساتھ ہے تیسرا جواب: مُنْفَطِرٌ ذَاتُ انْفِطَارٍ: کے معنی میں ہے: كَانَ وَعْدُهٗ: ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور اضافت فاعل کی طرف ہے یا یوم کی طرف راجع ہے اور مفعول کی طرف اضافت ہے۔

تفسیر 19 یہ قرآن کی طرف اور اس سورت کے عنوان کی طرف ترغیب ہے اسلئے کہ: هٰذِهٖ: قرآن کی تمام آیات کی طرف اشارہ ہے یا اس سورت کی طرف اشارہ ہے: تَذْكِرَةٌ: توحید کا بیان اور تمام ایمانیات کا کامل دلائل کے ساتھ تفصیلاً بیان مراد ہے: اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ: یہ: شَآءَ: کے مفعول کی جگہ میں ہے اور: مَنْ: کی جزاء محذوف ہے: فَلْيَتَذَكَّرْ بِهٰذِهٖ. یا: شَآءَ: کے مفعول کی ضمیر محذوف ہے: فَمَنْ شَآءَ الْاِهْتِدَآءَ: اور: اتَّخَذَ: مَنْ: کی جزاء ہے: اِلٰى رَبِّهٖ: رب کی رضا کی طرف، اس کی قربت کی طرف اور اس کی توحید کی طرف یہ سارے معانی مراد ہو سکتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ
مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ
فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ
مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع

"یقیناً آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں اور کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی رات اور ایک گروہ بھی ان لوگوں میں سے جو آپ کے ساتھ ہیں اور اللہ تعالی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے اس نے جان لیا کہ تم اس کا نباہ ہرگز نہ کر سکو گے پس اس نے تم پر آسانی کی پس تم پڑھو جو قرآن میں سے آسان ہو اس نے جان لیا کہ ضرور کچھ تم میں سے بیمار ہونگے اور کچھ دوسرے وہ چلیں گے زمین میں اللہ تعالی کا فضل تلاش کرینگے اور کچھ اور اللہ کی راہ میں لڑینگے تو تم پڑھو جو قرآن میں سے آسان ہو اور تم نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور تم اللہ تعالی کو قرض حسن دو اور جو کچھ تم اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو کوئی بھلائی تو تم اسکو اللہ تعالی کے ہاں بہت بہتر پاؤ گے اور اللہ تعالی سے بخشش مانگو بیشک اللہ تعالی بخشنے والا نہایت رحم والا ہے" [20]۔

تفسیر 20 سورت کی ابتداء میں قیام اللیل کے ساتھ نصف اور اس پر زیادتی اور کمی ذکر ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس پر عمل کیا لیکن اس میں بہت مشقت تھی ایک اسوجہ سے کہ انسان سو جائے تو رات کے حقیقی نصف اور ثلث کو نہیں سمجھ سکتا ہے دوسرا یہ ہے کہ انسانوں میں مریض مسافر بھی ہیں وہ بھی انکی مقدار کی پوری رعایت نہیں کر سکتے ہیں تو اللہ تعالی نے اس آیت میں آسانی کی یعنی پورا نصف اور رات کی تہائی کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر انسان اپنی استطاعت کے مطابق قرآن کی تلاوت اور قیام کرے: اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ: دو تہائی کے قریب اس وجہ سے کہا کہ سورت کے شروع میں: اَوْ زِدْ عَلَيْهِ: فرمایا تھا اور نصف پر زیادت عین دو تہائی نہیں ہے بلکہ اس کے قریب ہے وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ: پورا نصف اور ثلث معلوم کرنا اور قیام کرنا اگرچہ اس میں مشقت ہے لیکن دو تہائی کی بنسبت یہ آسان تھا اس وجہ سے یہاں ادنی نہیں کہا ہے: وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ: یعنی صحابہ کرام بھی اپنا اپنا قیام اپنے گھروں یا مسجد میں کرتے

تھے اور انہوں نے دو یا تین راتیں رمضان میں نبی ﷺ کے ساتھ قیام اللیل جماعت کے ساتھ بھی کیا تھا۔ صحیح بخاری کتاب الاذان حدیث 731 صحیح مسلم کتاب الصلوۃ حدیث 213: وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ: اس کی دو توجیہات ہیں: پہلی یہ ہے کہ اللہ تعالی رات اور دن کے حقیقی وقتوں کو جانتا ہے کہ یہ نصف ہے اور یہ ثلث ہے اور انسان اسکو اجتہاد سے سمجھتے ہیں تو اس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالی دن اور رات میں مختلف چیزوں کی تقدیر کرتا ہے ایک ان میں سے تحدید معین کے ساتھ قیام اللیل ہے اور پھر اس میں تخفیف کرتا ہے: عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ: توبہ سے مراد حکم میں تخفیف ہے یعنی نصف اور ثلث کی پوری تحدید تم پر واجب نہیں کی اور عَلِمَ: اس کی علت ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ: اس سے مراد نماز ہے ذکر جزء کا ہے اور مراد اس سے کل ہے اور صرف نماز میں قرآن پڑھنا اور نماز سے باہر قراءت مراد لینا بھی صحیح ہے اور نیز مَا تَيَسَّرَ: اوقات کے اعتبار سے ہے یعنی ایک گھنٹہ ہو یا دو گھنٹے ہو اور چاہے نصف ہو یا کم ہو یا زیادہ ہو انسان کو اپنی طاقت کے اعتبار سے جس قدر آسان ہو عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ: چونکہ تخفیف کے لئے دو علتیں تھیں جیسے ہم نے آیت کے شروع میں ذکر کیا ایک علت: اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ: کے ساتھ ذکر کی تو ابھی دوسری علت ذکر کرتا ہے: اَنْ مُخَفَّفٌ مِنَ الْمُثَقَّلِ: ہے اصل میں: اَنَّهُ تھا: وَ اٰخَرُوْنَ تجارت کے لئے سفر کرنا بھی اطاعت ہے لیکن اسکے ساتھ قیام اللیل اور اس کی تحدید کی طاقت نہیں رکھ سکتے ہیں: وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ: ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت قتال فی سبیل اللہ نہیں تھا تو معلوم ہوا کہ اس کے موجود ہونے سے پہلے اسکا ذکر نبی ﷺ کی سچائی کے لئے بڑی نشانی ہے اور اللہ تعالی کی راہ میں لڑنے والا بھی قیام اللیل اور اس کی تحدید کی پوری طاقت نہیں رکھ سکتا ہے اس وجہ سے تخفیف کے لئے فرمایا: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ: یہاں: تَيَسَّرَ: سے مراد آیات اور سورتوں کے پڑھنے کی مقدار ہے یعنی ایک سورت دو سورتیں یا ایک پارہ یا دو پارے اپنی طاقت کے مطابق پڑھے اس فرق سے معلوم ہوا کہ: فَاقْرَءُوْا: دونوں جملوں میں تکرار نہیں ہے۔

وَ اَقِيْمُوْا: اس سے مراد پانچوں نمازیں ہیں اشارہ ہے کہ قیام اللیل عشاء کی نماز کے علاوہ کے لئے ہے: وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ: یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جنہوں نے کہا ہے کہ زکوۃ مکہ میں فرض کی گئی ہے لیکن اسکا نصاب مدینہ میں مقرر کیا گیا ہے۔

وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ: اس سے مراد حلال مال سے خیر کے مصارف میں احسان اور تکلیف کے بغیر اخلاص کے ساتھ مال دینا ہے اور اس کا بڑا فرد دعوت اور جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنا ہے: وَ مَا تُقَدِّمُوْا: یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے اسلئے کہ: مِنْ

خَيْرٍ: لفظ ہر اس اطاعت بدنی اور مالی کو شامل ہے جو کتاب وسنت کے موافق ہو: هُوَ: ضمیر فعل تاکید کے لئے لایا ہے اور اشارہ ہے کہ اس خیر کے عمل میں تبدیلی اور نقصان نہیں آتا: خَيْرًا: یہ اس مال سے بہتر ہے جو موت تک ذخیرہ کیا جائے بلکہ دنیا کے تمام سامان سے بہتر ہے: وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ چونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر پر اللہ تعالیٰ کی شان کے موافق پورا عمل کرنا مشکل کام ہے تو اس وجہ سے اختتام میں اپنی کوتاہی کا اقرار کرنا چاہئے اور یہ استغفار کا مقصد ہے یہ گناہ کو مستلزم نہیں ہے جیسے نماز سے فارغ ہونے کے بعد تین مرتبہ استغفار کرنا

(اے اللہ ہماری تمام کوتاہیاں اور گناہ کبیرہ اور صغیرہ اسمائے حسنیٰ کے واسطے سے معاف کر دے۔ یا غفور یا رحیم)

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ اس سورۃ میں (17) احکام ذکر ہیں۔ ۲۔ قیام اللیل کی ترغیب ۳۔ قیامت والے دن کی ہیبت کا ذکر۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے سورۃ مزمل کی تفسیر مکمل ہوئی!

اٰیاتھا ۵۶ ۷۴ سُورَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَکِّیَّۃٌ ۴ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالٰی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۙ﴿۳﴾ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ۙ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ۙ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ۙ﴿۶﴾ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ؕ﴿۷﴾

"اے کپڑا اوڑھنے والے [1]۔ اٹھ اور ڈرا [2]۔ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کر [3]۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ [4]۔ اور ناپاکی کو چھوڑ دے [5]۔ اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر [6]۔ اور اپنے پروردگار کے لئے صبر کر" [7]۔

ربط: اس سورت کا سورۃ مزمل سے ربط کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ: یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالٰی کی طرف عاجزی کے لئے اور قرآن کے علم کے لئے رات کے اوقات میں قرآن کی تلاوت کا حکم تھا جبکہ اس میں قرآن کے بیان کرنے کا حکم ہے یعنی رات کو علم اور دن کو عمل ہے۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ پہلی سورت میں جھٹلانے والے عام اور مطلق ذکر کیئے تو اس سورت میں جھٹلانے کے خاص حالات ذکر کرتا ہے۔ تیسری وجہ: اُس سورت میں اہل قرآن کی تین اقسام ذکر کیں تو اِس سورت میں قرآن کے منکرین کی تین اقسام ذکر کرتا ہے یعنی کافر، اہل کتاب، منافق۔ سورت کا دعوٰی یعنی بنیادی مضمون: اللہ تعالٰی کی بڑائی کے اظہار کے لئے توحید کے بیان کے ذریعے سے قرآن پہنچانے کا حکم دینا اور اس پر ابھارنا ہے اور دعوے کا ماخذ آیت 2،3 میں ہے اور اسکے ساتھ دعوت کے آداب ذکر کیے گئے ہیں نیز اللہ تعالٰی کی معرفت کے لئے چار اسماء وصفات ذکر کئے ہیں: اللہ، رب، اھل التقوٰی، اھل المغفرۃ: سورت کا خلاصہ: سورت کا خلاصہ یہ ہے: پہلے دعوت کے آداب کے ساتھ اس پر دلیری ذکر کی اور آیت 7 تک چھ اوامر اور ایک نہی کے ذریعے سے ہے پھر تین آیتوں میں تخویف اُخروی ہے پھر مختصر تسلی ہے اور جھٹلانے والے کے لئے زجر ہے نیز مکذب جھٹلانے والے کی چھ صفات کا بھی ذکر ہے اسی طرح قرآن سننے کے وقت اسکے دس حالات کا ذکر آیت 25 تک ہے پھر آیت 30 تک سقر کے چھ حالات کے ذریعے سے تخویف اُخروی ہے اور پھر آیت 31 میں عدد کے مصداق اور اسکے فائدے کے ذکر کے ذریعے سے ایک شبہ کا جواب ہے اور پھر آیت 37 تک قرآن کی سچائی اور سقر کی عظمت پر شواہد ہے اور پھر آیت 47 تک بشارت

اور (عذاب کے اسباب) کے ذریعے سے فریقین کے لئے زجر کا ذکر ہے اسکے ساتھ آیت 48 میں شفاعت کی نفی کے ذریعے سے زجر ہے پھر آیت 53 تک منکرین کے چھ حالات ذکر کرنے سے انکو وعید ہے اور آخر میں آیت 56 تک قرآن کی طرف ترغیب ہے۔

تفسیر 1 ''یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ: صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ کی صریح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت، سورۃ علق کے بعد نازل ہوئی ہے تو جن روایات میں آیا ہے کہ نزول میں یہ پہلی سورت ہے تو اس سے مراد اولیت اضافی ہے یعنی سورۃ علق کے نزول کے بعد کافی عرصے تک وحی بند تھی بعد میں یہ سورت نازل ہوئی تو فترت وحی کے بعد یہ پہلی ہے اور اس طرح قول امام احمد رحمہ اللہ سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے اور بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو ایک تخت پر ہوا میں دیکھا تو رعب کی وجہ سے ان پر سخت لرزہ طاری ہوا تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے اور کہا: دَثِّرُوْنِیْ، دَثِّرُوْنِیْ وَصُبُّوْا عَلَیَّ مَاءً بَارِدًا: صحیح بخاری بدء الوحی حدیث 3 صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 160 اور دوسری روایت میں: زَمِّلُوْنِیْ: آیا ہے (لیکن دونوں کا مطلب ایک ہے شاید یہ روایت بالمعنی ہے) تو المدثر کے ذریعے سے خطاب صفت کے اعتبار سے شفقت کے لئے ہے نا اَلْمُدَّثِّرُ: اصل میں مُتَدَثِّرٌ: تھا تو تاء دال سے بدل گئی اور دال کو دال میں مدغم کیا گیا اور اس میں مبالغے کا معنی ہے اور اسکا لازم استراحت کرنا ہے یعنی اے آرام کرنے والے آپ آرام کا وقت نہیں ہے بلکہ یہ قیام کا وقت ہے اور اسکے ساتھ یہ اعتراض بھی دور ہوا کہ ٹھنڈا پانی ڈالنے میں اور گرم کپڑا پہننے میں منافات ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کپڑا پہننا صرف استراحت کے لئے ہے یا جب ٹھنڈا پانی ڈالا تو ٹھنڈ لگنے کے بعد پھر کپڑا اوڑھ لیا اور وحی آئی: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔

تفسیر 2 ''قُمْ: اس سے مراد نیند اور آرام سے بیدار ہونا ہے اور تیاری کرنا اور کام شروع کرنا ہے صرف پاؤں کے ساتھ کھڑا ہونا مراد نہیں ہے: فَاَنْذِرْ: یہ قیام کا مقصد ہے یعنی ڈرانے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور انذار اعلام (خبر دینے) کے ساتھ تخویف ہے یعنی توحید کا ان کو ایسے بیان کرو کہ خوب واضح ہو کیونکہ اسکے نہ ماننے سے بڑا عذاب آنے والا ہے اور تبشیر کا ذکر نہیں کیا اسلئے کہ بشارت کے اہل اس وقت موجود نہ تھے دوسرا یہ کہ بشارت کی نسبت انذار خوب تاثیر کرتا ہے۔

تفسیر 3 اس میں انذار کی تفسیر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کے ساتھ اظہار توحید ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ اس سے مراد شرک، تشبیہ، ولد اور صاحبہ سے اللہ تعالیٰ کو پاک ثابت کرنا ہے اسکے سوا دوسرا ولی نہ پکڑو، دوسرا معبود نہ بناؤ اور

کسی دوسرے کا فعل (اختیار کلی) نہ مانو نیز کسی دوسرے کا احسان اور نعمت اس کی مقابل نہ مانو۔ اور اس حکم کے امتثال سے اللہ اکبر کا لفظ ماخوذ ہے نماز کے شروع میں ہو یا دوسری حالتوں میں ہو اور فاء شرط مقدر پر دلالت کرتی ہے یعنی اگر آپ کسی کی بڑائی ذکر کرتے ہیں تو صرف اللہ تعالیٰ کی بڑائی ذکر کریں۔

تفسیر 4 یہ دعوت کا ادب ہے اور اس میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اسلئے کہ ثیاب اور تطہیر سے حقیقی معنیٰ مراد ہے یا دونوں سے مجازی معنیٰ مراد ہے یا ایک سے حقیقی اور دوسرے سے مجازی معنیٰ مراد ہے، اس میں ترتیب یہ ہے کہ اگر دونوں سے حقیقی معنیٰ مراد ہو جائے تو معنیٰ یہ ہے کہ اپنے کپڑے گندگی سے صاف رکھ اسلئے کہ داعی تو نماز ضرور پڑھتا ہے اور اسکے کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا فرض ہے لیکن عام اوقات میں بھی مومن کے لئے صاف کپڑے ہونے چاہئیں اور جب دونوں سے مراد مجازی معنیٰ ہو تو اس میں پھر توجیہات ہیں: پہلی توجیہ یہ ہے کہ اپنا عمل شرک اور ریاکاری اور شہرت سے پاک رکھو دوسری توجیہ یہ ہے کہ اپنا ذمہ پاک کرو اور دعوت اور تبلیغ کے ذریعے سے اپنی گردن چھڑاؤ۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک کردو۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ اپنا دل غیر اللہ کی توجہ سے پاک کردو اور جب ثیاب سے مراد معنیٰ حقیقی اور تطہیر سے مراد معنیٰ مجازی لیا جائے تو معنیٰ یہ ہے کہ اپنے کپڑوں کو پاک رکھو یعنی حرام مال سے کپڑے نہ بناؤ اس طرح ریشم کے کپڑے استعمال نہ کرو نیز پنڈلیوں سے نیچے کپڑا نہ لٹکاؤ چاہے تہبند ہو یا شلوار، قمیص وغیرہ ہو اس سے احادیث میں واضح منع کیا گیا ہے (صحیح بخاری کتاب اللباس حدیث 5788) اور جب: ثِيَابَ: سے معنیٰ مجازی اور: تَطْهِيْر: سے معنیٰ حقیقی مراد ہو جائے تو معنیٰ یہ ہے کہ اپنے دین کو شرک اور بدعات وغیرہ سے صاف رکھو۔

تفسیر 5 یہ دوسرا ادب ہے: رُجْز: اصنام کے معنیٰ میں ہے تو مراد اس سے انکی عبادت ہے یا رجز شرک کے معنیٰ میں ہے یا گناہ کے معنیٰ میں ہے یا عذاب کے معنیٰ میں ہے مضاف کے حذف ہونے کے ساتھ تو معنیٰ یہ ہے کہ عذاب کے لباس سے اپنے آپ کو بچاؤ یا اس سے مراد اہل الرجز ہیں جیسے سورۃ مزمل آیت 10 میں ان سے ہجران کا حکم دیا ہے اور اس کو براء کہا جاتا ہے تو ایمان میں شرعی طور پر ولاء اور براء (مسلمانوں سے وفاداری اور کفار سے بیزاری) ضروری ہے اور اشارہ ہے کہ داعی کو چاہئے کہ ہر قسم کے برے دوستوں اور بری مجالس اور نافرمانی کے اسباب سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

تفسیر 6 یہ ایک اور ادب ہے اس جملے کی تفسیر میں امام قرطبی نے گیارہ اقوال ذکر کیے ہیں اسلئے کہ: لَا تَمْنُنْ: مَنّ: سے ماخوذ ہے اور من عطیہ دینے کو کہا جاتا ہے اور احسان جتانے کو بھی کہا جاتا ہے اور ضعیف ہونے کو بھی کہا جاتا ہے اور قطع

کرنے اور ختم کرنے کو بھی کہا جاتا ہے۔تَسۡتَكۡثِرُ: یہ مرفوع ہے حال کے معنی میں ہے بعض معانی اس طرح ہیں (1) دعوت دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر احسان نہ جتاؤ اسکو زیادہ سمجھتے ہوئے۔یعنی حق کا داعی اللہ تعالیٰ پر احسان نہ جتائے اور ایسے کبھی نہ کہے کہ میں نے بہت کام کیا ہے اور بس ہے (2) مخلوق پر دعوت دینے کا احسان نہ کرو تاکہ زیادہ مال اور عزت طلب کرو (3) کوئی بھی چیز کسی کو اس ارادے سے نہ دو کہ اس سے بدلہ مانگو (4) دعوت کے کام سے کمزور مت ہو اس وجہ سے کہ اس کو کافی سمجھو (5) دعوت کے کام سے اس وجہ سے بس نہ کرو کہ اس کو زیادہ سمجھنے لگو،اور تَسۡتَكۡثِرُ: میں سین طلب کے لئے ہے یا گننے اور وجدان کے لئے ہے جیسے ان معانی سے ثابت ہوا ہے۔

تفسیر 7 یہ ایک اور ادب ہے:لِرَبِّكَ: اخلاص کے لئے اسکو پہلے ذکر کیا ہے اور صبر عام ہے اطاعت کرنے کے ذریعے سے ہو یا مصائب پر ہو۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝ فَذَٰلِكَ يَوۡمَئِذٍ يَوۡمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الۡكَافِرِينَ غَيۡرُ يَسِيرٍ ۝ ذَرۡنِي وَمَنۡ خَلَقۡتُ
وَحِيدًا ۝ وَجَعَلۡتُ لَهُ مَالًا مَّمۡدُودًا ۝ وَبَنِينَ شُهُودًا ۝ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمۡهِيدًا ۝ ثُمَّ يَطۡمَعُ أَنۡ أَزِيدَ ۝
كَلَّآ ۖ إِنَّهُ كَانَ لِأٓيَٰتِنَا عَنِيدًا ۝ سَأُرۡهِقُهُ صَعُودًا ۝

"پس جب صور میں پھونکا جائیگا [8]۔پس وہ ایک سخت دن ہے [9]۔کافروں پر آسان نہ ہوگا [10]۔تم چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسکو میں نے اکیلا پیدا کیا [11]۔اور اسکو بہت مال دیا [12]۔اور بیٹے حاضر رہنے والے [13]۔اور میں نے اس کو بہت کشادگی دے رکھی ہے [14]۔پھر وہ چاہتا ہے کہ اور دوں [15]۔ہرگز نہیں بیشک وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے [16]۔عنقریب میں اسے ایک دشوار گھاٹی پر چڑھاؤں گا" [17]۔

تفسیر 8، 9، 10 اس میں آخرت کا خوف ہے، پہلے کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ لوگوں کو ڈرانا اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ قیامت کی سختی سے بچ جائیں:النَّاقُورِ: نقر سے ماخوذ ہے آواز دینے کو کہا جاتا ہے تو ناقور آواز دینے کا آلہ ہے اس سے مراد پہلا نفخہ ہے یا دوسرا:فَذَٰلِكَ: صور پھونکنے کے وقت کی طرف اشارہ ہے:يَوۡمَئِذٍ: یہ ذَٰلِكَ سے بدل ہے یا عَسِيرٌ کے لئے ظرف ہے:عَلَى الۡكَافِرِينَ: یہ دلالت کرتا ہے کہ ایمان والوں پر (یہ دن) آسان ہے:غَيۡرُ يَسِيرٍ: اس قید لگانے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ بعض چیز ایک وجہ سے سخت ہوتی ہے لیکن دوسری وجہ سے آسان ہوتی ہے تو اس قید کے ساتھ یہ وہم دور کر دیا اور بتادیا کہ وہ دن ہر اعتبار سے سخت ہے۔دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ اس دن کی سختی ایمان والوں پر بھی ہے

جیسے بعض دلائل سے ثابت ہے لیکن انکی سختی پھر آسانی میں تبدیل ہوجائیگی اور کافروں کی سختی آسانی میں تبدیل نہیں ہوگی تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں ایک چیز کو ثابت کیا ہے اور اس کی ضد کی نفی اس دن کی سختی کی تاکید کے لئے کی ہے۔

تفسیر 11، 12، 13، 14، 15 یہ آیات اگرچہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں جیسے امام ابن جریر اور امام ابن کثیر نے ذکر کیا ہے لیکن اعتبار ان صفتوں کے عام ہونے کا ہے یعنی آنے والی نعمتیں جو ایک انسان پر ہوئی ہوں اور وہ ان صفات کے ساتھ موصوف ہو لیکن (اس کے باوجود) وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ دشمنی اور عناد کرتا ہے تو ان آیتوں میں ہر ایسا شخص بھی شامل ہے اور پہلی آیتوں کے ساتھ مناسبت اس کی یہ ہے کہ دعوت اور انذار قیامت کے آنے سے پہلے گزشتہ آداب کے ساتھ ضروری ہے اسلئے کہ اس دعوت کا دشمن بہت سخت ہے اور اسکے ساتھ مقابلہ کرنا بھی سخت ہے وَحِيدًا: مفعول کی پوشیدہ ضمیر سے حال ہے یعنی: خَلَقْتُهُ وَحِيدًا: اور یہ وحید حقیقتاً اس شخص کی صفت ہے یعنی پیدائش کے وقت اس کے پاس مال اور اولاد نہیں تھے یا اسکے گمان کے اعتبار سے صفت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں وحید (بے مثال) ہوں یا وحید خلقت کے فاعل سے حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یا ذَرْنِي: کی یاء متکلم جو کہ مفعول سے حال ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے: مَالًا مَّمْدُودًا: کشادگی کے ساتھ بہت مال جسکا فائدہ جاری ہو۔ اونٹ، گھوڑے، دوسرے جانور، غلام، لونڈیوں، باغات اور نقد مال سب کو شامل ہے: وَّبَنِينَ شُهُودًا: باپ کے ساتھ ہر مجلس میں حاضر ہوتے تاکہ تجارت کرنے کے لئے سفر کرنے کی ضرورت نہ ہو: وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيدًا: تمہید عرب کے نزدیک آرام اور آسانی کے لئے سامان تیار کرنا ہے یعنی زندگی کی وسعت اور آسانی کے لئے اسکو بہت اسباب اور سامان دیئے ہیں زیادہ نعمتوں اور مال کی اقسام کی طرف اشارہ ہے: ثُمَّ يَطْمَعُ: یعنی قرآن اور رسول کو جھٹلانے کے بعد زیادہ ہونے کی طمع رکھتا ہے حالانکہ ناشکری کرنے سے نعمتیں کم ہوتی ہیں: اَنْ اَزِيْدَ: دنیا میں مزید نعمتیں دینا یا اسکے گمان سے آخرت میں جنت دینا۔

تفسیر 16 یہ (کلا) پہلے کے ساتھ متصل ہے تو یہ ردعیہ ہے اس کی امیدوں کو ختم کرتا ہے یا: كَلَّا حَقًّا: کے معنی میں ہے اور کلام کی ابتداء ہے: عَنِيْدًا: مبالغے کا صیغہ ہے عناد سے ہے یعنی عناد اور دشمنی اسکا کسب اور عادت ٹھہری ہے اور توحید کے ساتھ عناد رکھتا ہے اور رسالت کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ اور قیامت کی خبر کے ساتھ عناد رکھتا ہے اور ہر ایک حق بات سے عناد کرتا ہے اور علم کے باوجود انکار کرتا ہے۔

تفسیر 17 یہ اس عنادی کے لئے خوف ہے: سَاُرْهِقُهٗ: ارہاق سے لیا گیا ہے اور ارہاق مشقت کے ساتھ انسان کو کسی

کام میں مبتلا کر دینا ہے: صَعُوۡدًا : ایسے عذاب کی مشقت کہ اسکے ساتھ کبھی بھی راحت نہ ہوگی اور مسند احمد اور ترمذی کی حدیث میں آیا ہے کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے کہ ستر سال اس پر چڑھینگے اور پھر اسی طرح اس کو نیچے گرا دینگے لیکن یہ حدیث منکر اور غریب ہے ابن کثیر نے اس طرح فرمایا ہے۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَاسۡتَكۡبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ يُّؤۡثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصۡلِيۡهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبۡقِىۡ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿۲۹﴾

"یقیناً اس نے سوچا اور اندازہ لگایا [18]۔ پس یہ ہلاک ہو جائے اس نے کس طرح اندازہ لگایا [19]۔ پھر ہلاک ہو اس نے کس طرح اندازہ لگایا [20]۔ پھر اس نے دیکھا [21]۔ پھر تیوری چڑھائی اور اسکا رنگ بدلا [22]۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا [23]۔ پس کہا نہیں ہے یہ مگر جادو نقل کیا ہوا [24]۔ نہیں ہے یہ مگر انسان کی بات ہے [25]۔ عنقریب اس کو آگ میں داخل کرونگا [26]۔ اور تجھے کس چیز نے بتلایا کہ سقر کی (آگ) کیا ہے [27]۔ نہ وہ باقی رکھتی ہے اور نہ چھوڑتی ہے [28]۔ کھال کو جھلسا دیتی ہے" [29]۔

تفسیر 18، 19، 20 یہ عنادکی تفسیر ہے جو: عَنِيۡدًا : میں ذکر ہوا اور ڈانٹ کے طور پر قرآن اور رسول کے جھٹلانے والے کے دس احوال ہیں: اِنَّهٗ : کی ضمیر: عَنِيۡدًا : کی طرف راجع ہے: فَكَّرَ : مراد یہ ہے کہ جب بھی اس سے قرآن اور نبی کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے ان پر طعن کرنے کے لئے سوچا: وَقَدَّرَ : یعنی طعن کرنے کے لیے دل میں کوئی منصوبہ بنایا فَكَّرَ : کلام کے مقدمات کی ترتیب ہے اور تقدیر، کلام بنانے کے لئے اس پر نتیجہ مرتب کرنا ہے: فَقُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ : یہ بطور بددعا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سے مراد ہلاک کرنا اور لعنت کرنا ہے: كَيۡفَ : اللہ تعالیٰ کے تعجب کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ تعجب (تعجب دلانے) کے لئے ہے: ثُمَّ قُتِلَ : اس میں تکرار لعنت کی کثرت کی طرف اشارہ ہے یا پہلا اشارہ لعنت اور دنیا کی ہلاکت کی طرف ہے اور دوسرا اشارہ لعنت اور برزخ میں ہلاکت کی طرف ہے اور: قَدَّرَ : دو مرتبہ ذکر کیا اسلئے کہ طعن کرنے والوں نے دو قسم کے کلمات بنائے ہیں: ایک جادو اور دوسرا: قَوۡلُ الۡبَشَرِ : یعنی کلام الٰہی کو انسان کا کلام قرار دیا ہے۔

تفسیر 21، 22، 23 یہ فَكَّرَ : پر معطوف ہے: ثُمَّ نَظَرَ : اور نَظَرَ : میں اشارہ ہے کہ سوچنے کے وقت آنکھیں بند کی

تھیں یا اٹھا، نیچے کی تھی تو سوچنے کے بعد آنکھوں کو گھمایا اور لوگوں کو دیکھا یا نظر سے مراد ان طعنوں میں نظر عقلی ہے جو اس نے دل میں بنائے تھے یعنی یہ اسکے لیے دلیلیں سوچ رہا تھا: عَبَسَ : جب بھی انسان ایک چیز میں فکر کرتا ہے اور پورے نتیجے ونہ پہنچے تو اسکا دل تنگ ہو جاتا ہے اور وہ تیوری چڑھا دیتا ہے آنکھوں کے درمیان ماتھے پر بل آتے ہیں اسکو عبس کہا جاتا ہے اور عبس اصل میں ہمیشگی اور اس گوبر کو جو جانور کی دم کے ساتھ خشک ہو جائے اس کو کہا جاتا ہے اور کبھی عبس صرف ماتھے پر ناراضی ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے جیسے سورۃ عبس آیت 1 میں ہے: وَبَسَرَ : ماتھے پر بل آنے کے بعد چہرے پر ناراضی کے آثار آتے ہیں تو چہرہ مرجھا جاتا ہے اور بدل جاتا ہے اور اس کو بسور کہا جاتا ہے فرق یہ ہے کہ عبوس باتیں کرنے کے بعد ہوتا ہے اور بسور باتیں کرنے سے پہلے ہوتا ہے اور یہ دونوں چہرے پر ہوتے ہیں لیکن یہاں پہلا قول صحیح ہے: ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ : اس ثُمَّ میں اشارہ ہے کہ طعن کرنے کے لئے اس کو کچھ ثبوت نہیں ملا اور تنگ ہوا تو چاہئے تھا کہ تصدیق کر لیتا لیکن عناد کی وجہ سے پیٹھ پھیر لی یعنی جھٹلایا اور یہ جہالت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ وَ اسْتَكْبَرَ : تکبر کی وجہ سے تھا اور استکبار حق بات اور حق پرست انسان کو حقیر سمجھنا ہے نیز حق سے ضد کی وجہ سے انکار کرنا ہے جیسے حدیث میں آیا ہے اور: اِسْتَكْبَرَ : میں سین دلیل ہے کہ یہ بڑائی کا حق نہیں رکھتا لیکن زبردستی تکبر کرتا ہے۔ (صحیح مسلم حدیث 91 ابو داؤد حدیث 4091 ترمذی حدیث 1998)

تفسیر 24، 25 اس میں: قَدَّرَ : کی تفصیل ہے جو دومرتبہ ذکر تھا: اِنْ هٰذَآ : یہ بطور حصر فرمایا ہے یعنی کسی نے کہا کہ یہ دیوانہ ہے کسی نے کہا یہ شاعر ہے اور قرآن شعر ہے کسی نے کہا کہ یہ کاہن ہے تو اس جھٹلانے والے نے اس کی تردید کی کہ یہ حکم غلط ہے بلکہ یہ صرف جادو ہے (اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسکے ذریعے سے اولاد کو ماں باپ سے اور بھائیوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے یعنی ایک شخص ایمان لاتا ہے تو دوسرے کے ساتھ اسکی دشمنی پیدا ہوتی ہے: يُؤْثَرُ : اس میں اشارہ ہے کہ یہ پرانا جادو ہے پہلے جادوگروں سے نقل کیا ہوا ہے یعنی مجرب ہے: اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ : سوال: دونوں جملوں میں حصر ہے حالانکہ حصر ایک میں صحیح ہوگا یا جادو ہوگا یا انسان کی بات ہوگی؟ جواب نمبر 1: یہ منکر کا کلام ہے تو وہ منکر (انکار کرنے والا) اس میں مضطرب ہے کبھی ایک طعن کرتا ہے تو کبھی دوسرا طعن کرتا ہے۔ جواب نمبر ۲: پہلا حصر کہانت اور شعر کی نسبت سے تھا اور یہ حصر اللہ تعالیٰ کے قول کی بہ نسبت ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا قول نہیں ہے۔

تفسیر 26، 27 یہ سقر کے ذریعے تخویف ہے اور پانچ حالات سے اس کی ہیبت شان ذکر کرتا ہے: سَاُصْلِيْهِ صَلٰى :

سے ماخوذ ہے اسکا معنیٰ جلانے کے لئے پورا داخل کرتا ہے، یہ ادخال سے خاص ہے: سَقَرُ: لغت میں پگھلانے اور بدصورت کرنے کو کہا جاتا ہے ابن عباس سے رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ جہنم کے ساتویں طبقے کا نام ہے۔

تفسیر 28 دونوں میں فرق چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو باقی نہیں چھوڑ یگی (جو اس میں داخل ہوجائے) مگر اس کو ہلاک کردیگی اور ہلاک کرنے کی حالت میں بھی نہیں چھوڑ یگی یہاں تک کہ (وہ چیز) دوبارہ بن جائے اور اس طرح ہمیشہ ہوگا دوسری وجہ یہ ہے کہ نہ گوشت چھوڑ یگی اور نہ ہڈی چھوڑ یگی تیسری وجہ یہ ہے کہ نہ عذاب کے بغیر چھوڑ یگی اور نہ عذاب کی حالت میں چھوڑ یگی۔ چوتھی وجہ نہ زندہ چھوڑ یگی اور نہ مردہ۔

تفسیر 29 لَوَّاحَةٌ: یہ لاح سے ہے ایسے جلانا کہ صورت بدل جائے: لِلْبَشَرِ: اس سے مراد ظاہری چمڑا ہے یعنی جہنمی کا سارا چمڑا اس طرح جل جائیگا کہ کالا کوئلہ ہوجائیگا اور دوسرا قول یہ ہے کہ بشر سے مراد انسان ہے۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا
لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ
وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَ
يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾

"اس پر انیس ملائک مقرر ہیں [30] اور ہم نے جہنم کے نگہبان ملائک بنائے ہیں اور ہم نے انکی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کی ہے تا کہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں اور تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے (وہ) اور کافر کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیان سے کیا مراد لی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور تمہارے رب کے لشکروں کو اسکے سوا کوئی نہیں جانتا یہ صرف انسانوں کے لئے نصیحت ہے" [31]۔

تفسیر 30 یہ جہنم کے داروغوں کی تعداد ہے اور ان میں مالک (انکا سردار) داخل ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سب سردار اور نقیب ہونگے اور انکے تحت اور بے شمار ملائک ہونگے جیسے بعد میں آتا ہے: وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ: یہ عدد بہت سی حکمتوں سے بھرا ہوا ہے: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ: کے حروف انیس ہیں: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلَٰهَ

اَنَا اللّٰہ: کے حروف بھی انیس ہیں اور نماز پڑھنے سے فارغ گھنٹے انیس ہیں نیز یہ عدد جمع کثرت (دس) اور جمع قلت (نو) پر مشتمل ہے یعنی جمع قلت کی انتہاء اور جمع کثرت کی ابتداء اس میں ذکر ہے اس طرح وہ اسم عدد ہے جو حرف عطف کے بغیر مرکب ہے کہ اس سے اوپر دوسرا عدد اس صفت کے ساتھ نہیں ہے نیز یہ ایسا عدد ہے کہ جو مرکب حالت میں تضعیف اور تثنیث اور ترجیح وغیرہ قبول نہیں کرتا ہے یعنی ترکیب کے باوجود مجرد عدد ہے تو اس عدد میں اللہ تعالیٰ کی بہت سے حکمتیں ہیں (واللہ اعلم)۔

تفسیر 31 اس آیت میں گزشتہ اسم عدد کے مصداق کا ذکر ہے یعنی وہ ملائکہ ہیں اور اس عدد کی حکمتوں کا ذکر ہے۔ اَصْحٰبَ: صاحب کی جمع ہے اور محافظ اور چوکیدار کے معنی میں ہے اور کافروں کو جو اصحاب النار کہا جاتا ہے وہ صحبت رہنے کے لازمہ سے ہے: اِلَّا مَلٰٓئِكَةً: یعنی انسان اور جن نہیں ہیں (تمہاری جنس سے نہیں ہیں) تو ان کے ساتھ مقابلہ بھی نہیں ہو سکتا ہے اسلئے کہ لفظ ملائکہ بہت قوت پر دلالت کرتا ہے اور اسی طرح جنس کے مخالف ہونے کی وجہ سے ان سے شفقت اور رحم کی امید بھی نہیں ہو سکتی: وَ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً: یہ خاص عدد تِسْعَةَ عَشَرَ کا پہلا فائدہ ہے: فِتْنَةً: امتحان کے معنی میں ہے یا گمراہی کے معنی میں یا عذاب کے معنی میں ہے اور سبب (مضاف) محذوف ہے وہ امتحان اور گمراہی کا سبب بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ انیس ہیں تو بیس کیوں نہیں ہیں حالانکہ یہ اعتراض تو ہر ایک عدد پر ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور ہے کہ اسکے صرف انیس نوکر ہیں لیکن اس کے بعد فرمایا: وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ: تیسری وجہ یہ ہے کہ کافر مذاق کرتے ہیں کہ بے شمار کافر ہیں تو انیس ملائکہ کس طرح انکو جہنم میں ڈالینگے اور اس میں ان کو گھیرینگے حالانکہ ایک مَلَک (جبرائیل) ایک ایک پہاڑ اور بستی کو اٹھا سکتا ہے اور یہ اعتراضات گمراہی کے اسباب ہیں اور عذاب کے سبب کا یہ معنی ہے کہ آخرت میں ملائکہ انکو عذاب دینے پر مقرر ہونگے اور ان کو زبانیہ ملک کہا جاتا ہے: لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ: یہ جَعَلْنَا: کے ساتھ متعلق ہے اور اس میں اس عدد کا دوسرا فائدہ ذکر کر رہے ہیں یعنی کافر اہل کتاب بھی اس عدد کے سننے سے رسول اور قرآن کی سچائی پر پھر یقین کر لینگے اسلئے کہ تورات اور انجیل میں بھی یہ عدد ذکر ہے: لِيَسْتَيْقِنَ: سین مبالغے کے لئے ہے یعنی انکا نفس یقین پہلے سے موجود ہے لیکن انکی یقین زیادہ ہو جائیگا لیکن یہ یقین ایمان نہیں ہے جب تک ایمان کا اقرار نہ کیا ہو: وَيَزْدَادَ: یہ تیسرا فائدہ ہے یعنی اہل کتاب میں سے مسلمان جن کا پہلے سے قرآن اور رسول کی سچائی پر یقین اور اقرار تھا اور یہ عدد سننے سے (تورات اور انجیل کی موافقت

سے) انکا ایمان مزید بڑھے گا اور یہ دلیل ہے کہ ایمان میں اضافہ ہوسکتا ہے یہ بہت سے محدثین کا مسلک ہے اور اس کو زیادت اس وجہ سے کہا کہ چونکہ زبان اور عمل سے یقین کا اظہار بار بار ہوتا ہے تو دوسرے لوگوں کو اسکا علم حاصل ہوتا ہے اور صرف یقین تو پوشیدہ ہے اسکے زیادہ ہونے کا پتا نہیں لگتا ہے: وَّ لَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ: یہ چوتھا فائدہ ہے: **سوال:** لِیَسْتَیْقِنَ: کے بعد: وَّ لَا یَرْتَابَ: کیا فائدہ رکھتا ہے نیز: وَ الْمُؤْمِنُوْنَ: کو دوبارہ کیوں ذکر کیا؟ **جواب:** کبھی کبھی ایک انسان کو یقین آتا ہے لیکن پھر وسوسوں اور شبہات کے سبب سے اس میں شک پیدا ہوتا ہے تو یقین زائل ہوجاتا ہے اس وجہ سے یہاں شک کی نفی کی ہے کہ یہ ایسی بات ہے کہ اس میں شک شبہ بھی نہیں آسکتا ہے اور یہاں: اُوْتُوا الْکِتٰبَ: سے تورات اور انجیل کے عالم مراد ہیں اور پہلے عوام مراد تھے: وَ الْمُؤْمِنُوْنَ: سے مراد اس امت کے ایمان والے ہیں اور پہلے اہل کتاب کے ایمان والے مراد تھے: لِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ: یہ پانچواں فائدہ ہے **سوال:** اس سورت کے نزول کے وقت تو منافق موجود نہیں تھے؟ جواب: پہلا یہ ہے کہ یہ سچی پیشگوئی ہے اشارہ ہے کہ آنے والے زمانے میں منافق پیدا ہونگے اور یہ اعتراض کرینگے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ مرض سے مراد شک ہے اور اس وقت مکہ معظمہ میں کافروں میں بعض لوگ صرف شکی تھے اسوجہ سے سورۃ یونس آیت 104 میں انکو خطاب کیا گیا ہے: وَّ الْکٰفِرُوْنَ: اس سے مراد راسخین (عنادی) ہیں یعنی عوام کافر مراد ہیں: مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ: مَا اَیُّ شَیْءٍ: کے معنی میں ہے اور: ذَا الَّذِیْ: کے معنی میں ہے اور اسکا مابعد صلہ ہے یا مَاذَا اَیُّ: کے معنی میں ہے اور نذا: شَیْءٍ: کے معنی میں ہے اور استفہام کے ساتھ مقصود انکار ہے یعنی یہ بے مراد اور بے فائدہ ہے: مَثَلًا: حدیث (بات) کے معنی میں ہے یا انکے گمان میں مثال کے معنی میں ہے یعنی انکا گمان تھا کہ اس سے ظاہری معنی مراد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر ذکر کیا ہے لیکن مثال کے ساتھ کیا مقصد ہے: کَذٰلِكَ: یہ قول: مَاذَا: کا جواب ہے اور: کَذٰلِكَ: مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی: اَلْاَمْرُ كَذٰلِكَ: یعنی اسکا مقصود ظاہری معنی ہے اور اس میں فائدہ بعض لوگوں کا اضلال (گمراہ کرنا) اور بعض کی ہدایت ہے جیسے سورۃ بقرہ آیت 26 میں ذکر ہے یا یہ انکے قول کا جواب نہیں ہے بلکہ یہ پہلے تاکید کے لئے ایک مستقل جملہ ہے یعنی جیسے اس کلام میں دو فائدے ہیں اضلال اور ہدایت تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیگر اقوال اور افعال بھی ان دو فائدوں کے لئے ہیں اور چونکہ بعد والا احتمال سورۃ بقرۃ میں نہیں تھا اس وجہ سے وہاں لفظ: کَذٰلِكَ: نہیں لایا ہے اور یہ آیت صریح دلیل ہے کہ ضلال (گمراہی) اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے: وَ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ: یہ مشرکوں کے اعتراض کا تحقیقی جواب ہے کہ وہ

کہتے تھے کہ انیس اشخاص کیا کام کرینگے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انیس تو انکے سردار ہیں اور دیگر ملائک انسان کے شمار سے باہر ہیں اور اسی طرح یہ فلاسفہ اور یونانیوں وغیرہ کا رد ہے جنہوں نے کہا تھا کہ انیس میں دس عقول عشرہ ہیں اور نو نفوس ہیں اور انکا یہ قول ملائک سے انکار پر مبنی ہے۔ **وَمَا هِيَ**: اس ضمیر میں تین توجیہات ہیں: **پہلی توجیہ** یہ آیات قرآنیہ اور دلائل کی طرف راجع ہے تو قرآن کی طرف ترغیب ہے **دوسری توجیہ** ضمیر آگ کی طرف راجع ہے یعنی سقر کے ذکر کرنے میں مقصود تخویف اخروی ہے **تیسری توجیہ** یہ جنود کی طرف راجع ہے یعنی ان لشکروں کے ذکر کرنے میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کی تذکیر اور یاد دہانی ہے اور یہ مرجع نزدیک ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾

"یقیناً اسی طرح ہے قسم ہے چاند کی [32]۔ اور رات کی جب وہ جانے لگے [33]۔ اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے [34]۔ کہ یقیناً یہ بڑی چیزوں میں سے ایک ہے [35]۔ لوگوں کو ڈرانے والی ہے [36]۔ اس شخص کو جو آگے بڑھنا چاہے اور جو پیچھے رہے [37]۔ ہر شخص اپنے عمل میں گروی ہوگا" [38]۔

تفسیر 32، 33، 34 "كَلَّا حرف ردع ہے یعنی منکرین (منافق اور کافروں) کے انکار کا رد ہے یا: حَقًّا: کے معنی میں ہے اور جلال الدین محلی نے کہا ہے کہ یہ تنبیہ کے لئے: أَلَا: کے معنی میں ہے: **وَالْقَمَرِ**: قسم کی تحقیق پہلے ذکر ہوئی ہے **أَدْبَرَ**: یہ لفظ اضداد میں سے ہے یعنی پیٹھ پھیرنے اور آنے دونوں کو کہا جاتا ہے تو ایک معنی یہ ہے کہ رات پیچھے ہٹ جاتی ہے دوسرا یہ کہ رات دن کے پیچھے آتی ہے: **وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ**: اور چونکہ ادبار گزرنے پر دلالت کرتا ہے تو: **إِذْ**: کا حرف (جو ماضی پر دلالت کرتا ہے) لایا جبکہ صبح رات کے بعد روشن ہوتی ہے اور استقبال کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو: **إِذَا**: کا حرف لایا (جو مستقبل کے لیے آتا ہے): **أَسْفَرَ**: اسکا معنی کشف اور خروج کا ہے یعنی صبح رات کے اندھیرے سے نکلتی ہے اور روشنی کرتی ہے: **قَمَرِ**: میں تو چاند کی روشنی اور رات کے اندھیرے کا اختلاط ہوتا ہے اور رات کے اندر تو صرف اندھیرے ہیں اور صبح میں تو صرف روشنی ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور اسکی عظیم قدرت ہے۔

تفسیر 35، 36، 37 یہ قسم کا جواب ہے: **إِنَّهَا**: ضمیر قرآن کے دلائل اور آیتوں کی طرف راجع ہے جیسے سابقہ ضمیر ھِیَ: میں یہ توجیہ تھی اور بعد والے جملوں کے ساتھ اسکی پوری مناسبت ہے یا ضمیر سقر کی طرف راجع ہے یا خصلت کی

تاویل کے ساتھ نبی ﷺ کی تکذیب کی طرف راجع ہے یا قیامت کی طرف راجع ہے: لَاِحْدَى الْكُبَرِ: اِحْدَى: کا
معنی یہ ہے کہ بڑی اور ہیبت ناک چیزیں تو بہت سی ہیں لیکن ان میں سے یہ ایک اسکی بڑی چیز ہے کہ جس کی نظیر نہیں ہے:
نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ: یہ قرآن اور رسول کی صفت ہے اور سَقَرَ: کے آگ اور قیامت کی صفت بھی ہوسکتی ہے اور حال ہونے
کی بناء پر منصوب ہے یا یہ مصدر کے معنی میں ہے اور تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہے: لِمَنْ شَآءَ: یہ: لِلْبَشَرِ: سے بدل
ہے یا نَذِيْرًا: کے ساتھ متعلق ہے: اَنْ يَّتَقَدَّمَ: اس سے مراد ایمان لانا ہے اسلئے کہ یہ دنیا میں خیر کی طرف اور آخرت
میں جنت کی طرف تقدم ہے: اَوْ يَتَاَخَّرَ: اس سے مراد کفر اور شرک کرنا ہے کہ اسکے ذریعے سے (کافر) دنیا کی خیر سے
پیچھے رہ گئے اور جنت سے محروم رہے اور یہ دو قسمیں سورۃ حجر آیت 24 میں ذکر ہیں اور یہ مشیت وعید کے طریقے پر ذکر ہے
جیسے سورۃ کہف آیت 29،38 میں: يَتَاَخَّرُ: والوں کو خوف دلایا گیا ہے: كُلُّ نَفْسٍ: مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل
ہے: بِمَا كَسَبَتْ: اسکو تخصیص کے لئے مقدم کیا ہے یعنی صرف اپنے گناہوں کے ذریعے سے نہ کہ غیر کے گناہ کی وجہ سے
اسلئے کہ: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى: کا قانون موجود ہے: رَهِيْنَةٌ: مرہونت کے معنی میں ہے یعنی عذاب میں بند اور
گھیرے ہوئے ہونگے۔ سوال: رَهِيْنَةٌ: مفعول کے معنی میں ہے اور اس میں مذکر اور مؤنث ایک جیسے ہیں تو مؤنث
کیوں ذکر کیا؟ جواب: امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ یہاں وصفی معنی مراد نہیں ہے بلکہ: رَهِيْنَةٌ: رھن کا اسم ہے اور تانیث
نفس کے اعتبار سے ہے۔ سوال: سورۃ طور آیت 21 میں فرق کی کیا وجہ ہے؟ جواب: لفظی فرق یہ ہے کہ وہاں: اِمْرِئٍ
: لفظ مذکر ہے تو اسکی خبر کو بھی مذکر ذکر کیا اور یہاں نفس میں تانیث کا معنی ہے اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ طور میں جنت
والوں کا ذکر ہے تو شرافت کی وجہ سے مذکر کا لفظ انکے ساتھ مناسب ہے اور یہاں مراد جہنم والے ہیں اسلئے کہ جنت
والوں کو بعد میں ان سے مستثنیٰ کیا ہے اور وہاں رھن کا معنی ہم نے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور رھن کا استعمال
دونوں جگہوں میں استعارہ اور تشبیہ کے طریقے پر ہے۔

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ
الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾
حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾

"سوائے داہنے ہاتھ والوں کے [39]۔ جنتوں میں ہونگے پوچھیں گے [40]۔ گنہگاروں سے [41]۔ کس چیز نے

تمہیں سقر (آگ) میں داخل کیا ہے[42]۔وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے[43]۔اور مسکین کو کھانا نہ کھلاتے تھے[44]۔اور بحث کرنے والوں کے ہمراہ بحث کرتے تھے[45]۔اور قیامت کی تکذیب کیا کرتے تھے[46]۔یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی[47]۔تو انکو سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہ دیگی''[48]۔

تفسیر 39، 40، 41 یہ: كُلُّ نَفْسٍ: سے مستثنیٰ متصل ہے یعنی: اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ: نے ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے حق ادا کیا ہے تو اپنے آپکو چھڑوا یا جیسے قرضدار قرض والے کو اسکا حق ادا کردے تو اپنی گروی چیز کو آزاد کردیتا ہے: فِيْ جَنّٰتٍ يَّكُوْنُوْنَ: مخفی کے متعلق ہے مستقل وصف ہے اور: يَتَسَآءَلُوْنَ: مستقل وصف ہے اور: يَتَسَآءَلُوْنَ: کو مطلق ذکر کیا ہے یعنی آپس میں ایک دوسرے کا حال دریافت کرینگے جیسے سورۃ طور آیت 25 اور سورۃ صافات آیت 50 میں ہے: عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ: یہ مستقل سوال کرنا ہے [سوال]: سورۃ مومنون آیت 101 میں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی سوال نہیں کرسکے گا؟ [جواب]: وہ حال فیصلے سے پہلے میدان محشر میں ہوگا اور یہ حال جنت کے اندر ہے: اَلْمُجْرِمِيْنَ: وہ لوگ ہیں جنہوں نے پوشیدہ کفر اور شرک اپنے اعمال کے ذریعے سے ظاہر کیا ہے اسی وجہ سے بعد میں وہ اعمال ذکر کیے ہیں جن کے ذریعے سے انکا کفر واضح ہوا ہے اگرچہ وہ اعمال مطلقاً کفر نہیں ہے۔

تفسیر 42 ''سَلَكَ: کا لفظ: سَقَرَ: کے بہت تنگ ہونے سے کنایہ ہے جیسے تنگ سوراخ میں بڑا دھاگہ یا کوئی چیز داخل کی جائے۔

تفسیر 43 اس میں اشارہ ہے کہ نماز کا چھوڑنا جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے اور اسی طرح کافروں کو انکے کفر کے ساتھ فروع کے چھوڑنے پر عذاب ہوگا: مُصَلِّيْنَ: جمع کے صیغے کے ساتھ اشارہ ہے کہ انکی نماز صحابہ کی طرح نہیں تھی اور اسی طرح یہ انکی جماعت سے نفرت کرتے تھے اور نماز کا چھوڑنا تمام عبادات کے چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 44 اس سے مراد عبادت مالیہ کا چھوڑنا ہے کہ اسکا مصرف شریعت میں مساکین پر خرچ ہے جیسے زکوٰۃ اور اللہ تعالیٰ کے لئے نذر اشارہ ہے کہ یہ غیر اللہ کی نذر مانتے تھے جس کا مصرف انکے مجاور اور پیر وفقیر تھے۔

تفسیر 45 ''نَخُوْضُ: باطل بحث کرنا اور عمل کرنا ہے یعنی ہر باطل مجلس اور باطل جماعت اور گمراہ لوگوں کے ساتھ ہم خوب دوستی کرتے تھے شرک اور کفر کی مجالس میں بیٹھتے تھے اور فسق اور گناہ کے کاموں میں شرکت کرتے تھے جیسے عرس اور میلے (بدعات کے رنگ میں) سینما وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔مفسر آلوسی نے ذکر کیا ہے کہ جن جلسوں اور اجتماعات اور

مجالس میں صحابہ کرام کے عیب بیان کیے جائیں تو وہ بھی اس میں داخل ہیں۔

تفسیر 46 ان سب جرموں کا منشا یہ ہے کہ قیامت کا عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ واضح انکار کرتے ہیں یہ سارے صیغے: لَمْ نَكُ.
وَ كُنَّا: دلالت کرتے ہے کہ یہ کام ان کی عادت بن گئے تھے۔

تفسیر 47 ''اَلْيَقِيْنُ: موت کے معنی میں ہے جیسے سورہ حجر آیت 99 میں ہے اسلئے کہ عقل والے بلکہ مطلق شعور والے موت پر یقین کرتے ہیں موت میں اختلاف نہیں ہے اگرچہ اسکے اسباب اور اسکے مابعد حالات میں اختلاف ہے اور اس جملے میں اشارہ ہے کہ موت تک انہوں نے گناہوں سے توبہ نہیں کی ہے۔

تفسیر 48 حرف: فَا ء: دلالت کرتا ہے کہ ماقبل گناہ شفاعت سے محروم ہونے کا سبب ہیں۔ فَمَا تَنْفَعُهُمْ: هُمْ: کی ضمیر کے ساتھ تخصیص دلالت کرتی ہے کہ اس قسم کے گنہگاروں کے علاوہ دوسرے گنہگار ایمان والوں کے لئے سفارش ہو سکتی ہے یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور نفع کی نفی سے مراد نفس سفارش کی نفی ہے یعنی ان گنہگاروں کے لئے شفاعت ہی نہیں ہے تو نفع کس طرح دیگی۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

''پس کیا وجہ ہے کہ یہ قرآن کی نصیحت سے منہ موڑتے ہیں [49]۔ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں [50]۔ جو شیر سے بھاگتے ہوں [51]۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اُسے کھلے ہوئے اوراق دیئے جائیں [52]۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا ہے بلکہ یہ قیامت سے بے خوف ہیں [53]۔ یقیناً یہ قرآن نصیحت ہے [54]۔ جو چاہے نصیحت حاصل کرے [55]۔ اور وہ نصیحت نہیں لیتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے وہی لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور لائق ہے کہ بخشے'' [56]۔

تفسیر 49، 50، 51 یہ زجر ہے اور گذشتہ جرائم کا سبب ذکر کرتا ہے کہ وہ قرآن کریم سے اعراض ہے: فَمَا لَهُمْ فائدے اور دلیل کا استفہام ہے یعنی قرآن سے اعراض کے لئے انکے پاس کیا دلیل ہے اور کیا فائدہ ہے: كَاَنَّهُمْ: انکے اعراض کی تشبیہ وحشی گدھوں کے ساتھ دی ہے اسلئے کہ وہ نفرت کرنے اور بھاگنے میں معروف ہیں: مُّسْتَنْفِرَةٌ: باب استفعال میں اشارہ ہے کہ نفرت ان کی طبیعت کا تقاضا ہے گویا کہ اسکا ارادہ کرتے ہیں: قَسْوَرَةٍ: اسکے دو معنی مشہور ہیں ایک اسد

(شیر) کہ وحشی گدھے اس سے بہت ڈرتے ہیں دوسرا مارنے والا (شکار کرنے والا) انسان اور قسورۃ مفرد اور جمع دونوں استعمال ہوتا ہے قَسْوَرَةٍ شور کرنے کو بھی کہا جاتا ہے۔ اشارہ ہے کہ قرآن بیان کرنے والا شجاعت میں شیر کی طرح ہے اور لوگوں کو دعوت دینے میں شکار کرنے والے کی طرح ہے اور اس سے اعراض کرنے والے وحشی گدھوں کی طرح ہیں۔

تفسیر 52 یہ بھی انکے قبیح قول پر وعید ہے اور اس میں بہت سے احتمالات ہیں پہلا یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو اس قرآن کی طرح واضح کتاب دی جائے جیسے سورۃ انعام آیت 124 میں ہے دوسرا یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نبی کی سچائی پر پیغام ہے تیسرا یہ ہے کہ ہر شخص کو آگ سے براءت نامہ بھیجا جائے۔ چوتھا یہ ہے کہ ہر شخص کو اسکے گناہوں اور اس کے کفارے کی فہرست دی جائے اور یہ سب انکے عناد کی باتیں ہیں۔

تفسیر 53 "كَلَّا": ردعیہ ہے یعنی انکا یہ ارادہ پورا نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اسکا سبب آخرت سے انکار کرنا ہے۔

تفسیر 54 تا 55 یہ: كَلَّا حقًا: اور: اِسْتِفْتَاحِيَة: کے معنی میں ہے اس جملے میں سورت دعویٰ یعنی مضمون کی تاکید ہے: تَذْكِرَةٌ: تنکیر تعظیم کی وجہ سے ہے یعنی تذکیر کے ہر شعبے اور ہر مناسب طریقے پر مشتمل ہے کسی کا بھی عذر نہیں چھوڑا اسی وجہ سے اسکے بعد حرف: فَا: کے ساتھ تفریع کیا: فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ: مِنۡهُ: نہیں کہا یعنی یہ قرآن پڑھے اور اسکی درس و تدریس کرے اور اس پر عمل کرے: شَآءَ: لفظ میں اشارہ ہے کہ قرآن سے وعظ حاصل کرنے کے لئے پورا ارادہ اور توجہ کرنا ضروری ہے اور مفسر شربینی نے کہا ہے کہ اسکی مثال میٹھے سمندر کی طرح ہے جو چاہے تو چلو اس سے بھرتا ہے اور اس میں نقصان نہیں آتا ہے۔

تفسیر 56 اس میں صراحت ہے کہ بندے کے کام اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ہیں اسی طرح سورۃ تکویر آیت 29 میں بھی ہے لیکن اُس سورت میں مشیت کے متعلق کلام ہے تو انسان کی مشیت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف کیا ہے اور اس سورت میں تذکیر (نصیحت) کے متعلق بحث ہے تو انسان کی تذکیر کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر مشروط کیا ہے: هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى: یعنی قرآن سے نصیحت لینے کے ذریعے سے شرک اور کفر سے تقویٰ (بچاؤ) حاصل ہوتا ہے اور تقویٰ کے ذریعے سے مغفرت حاصل ہوتی ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اسوجہ سے اہل فرمایا اور احمد اور ترمذی نے حدیث نقل کی ہے کہ تمہارے رب نے فرمایا ہے "کہ میں اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے (لوگ) میرے ساتھ دوسرا الٰہ نہ بنائیں گے تو میں اسکا اہل ہوں کہ ایسے لوگوں کو معاف کردوں لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ مسند احمد 3-243 ترمذی

کتاب التفسیر حدیث 3328 شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قرآن مجید کے ذریعے انذار کیلئے تاکیدات کا ذکر ہے۔ ۲۔ عذاب کے ملائک کی خاص تعداد کا بیان۔

۳۔ قرآن کی مخالفت کے متعلق مکذبین کے احوال کا ذکر۔ ۴۔ جہنم میں داخل ہونے کے اسباب کا ذکر۔

۵۔ ہر ایک کام و چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت پر مبنی ہے۔

سورۃ مدثر کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

رکوعاتها ۲ | ۷۵ سورۃ القیامۃ مکیۃ ۳۱ | ایاتها ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴿۵﴾ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ؕ﴿۶﴾

"میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی [1]۔ اور قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی [2]۔ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو ہرگز نہ جمع کریں گے [3]۔ کیوں نہیں ہم اس بات پر قادر ہے کہ اسکے پوروں کو برابر کر دیں [4]۔ بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ آگے حالات سے انکار کر دے [5]۔ پوچھتا ہے کہ قیامت کب ہوگی" [6]۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے چند وجوہ سے ربط ہے: **پہلی وجہ** یہ ہے کہ پہلے قرآن سے اعراض کرنے والوں کو وعید تھی تو اس سورت میں ان کے لئے تخویف اُخروی ہے۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ پہلے قرآن کی تبلیغ پر ابھارنا تھا اور اس سورت میں قرآن سیکھنے کا ادب ہے۔ **تیسری وجہ** یہ ہے کہ پہلی سورت میں حشر کے جھٹلانے والوں کا رد تھا تو اس سورت میں حشر کا اثبات ہے واضح رہے کہ اس سورت سے سورت الاعلیٰ تک سب سورتوں میں شواہد اور دلائل کے ذریعے سے قیامت کا اثبات ہے اور قیامت کے حالات تفصیل سے ذکر ہیں اور ہر سورت میں الگ الگ عنوان ہے۔ **سورت کا بنیادی اور مرکزی مضمون:** آیت 3 میں ہڈیوں کے جمع کرنے کے ذکر کے ذریعے سے قیامت کا اثبات ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک نام (رب) مکرر ذکر ہوا ہے۔ **سورت کا خلاصہ:** پہلے دو شواہد ذکر کیے اور آیت 4 تک سورت کا دعویٰ یعنی مضمون ہے اور پھر آیت 5 اور 6 میں حشر کے انکار پر وعید ہے پھر آیت 15 تک آخرت کا خوف ثابت کرنے کے لئے قیامت کے دن کے حالات ذکر کرتا ہے اور پھر جلدی نہ کرنے کے ذریعے سے اور قرآن کی اتباع کے ذریعے سے قرآن کا ادب ذکر کرتا ہے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کے بارے میں قرآن کا جمع کرنا، پڑھنا، بیان کرنا اور اس میں مقصود قیامت کی یادداشت کے لئے قرآن میں مشغول رہنا یہ آیت 19 تک ہے پھر آیت 23 تک دنیا کی محبت اور آخرت کے چھوڑنے پر زجر ہے اور اہل آخرت کو بشارت ہے پھر آیت 30 تک دنیا پرست لوگوں کو نزع کی حالت کے ذکر سے خوف دلایا ہے پھر چار اُمور

قیامت، توحید، رسالت اور قرآن سے انکار پر وعید ہے اس کے ساتھ قیامت کے انکار پر سخت وعید ہے اور دلیل کے ساتھ قیامت کا اثبات ہے۔

تفسیر 1، 2 "لَآ": کو قسم کے مقام میں لانا عربوں کی عادت ہے اکثر کلام کے درمیان آتا ہے اور کبھی کبھی کلام کے شروع میں بھی آتا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو پہلے کلام کے ساتھ ربط اور ترتیب کی صورت میں ذکر کیا ہے جیسے پہلی سورت میں قیامت کی تکذیب ذکر کی تو یہاں فرمایا کہ: لَآ: یعنی تکذیب جائز نہیں ہے تو اس میں انکار سابق کی نفی ہے اور ابن کثیر قاری کی قراءت میں: لَاُ: الف کے بغیر ہے تو اس میں تاکید کا معنی ہے اس طرح بحث سورۃ الواقعۃ کی تفسیر میں گزری ہے: اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ: یوم القیامہ سے مراد اسکے احوال ہیں جو پہلی سورتوں میں ذکر ہوئے اور کچھ بعد والی سورتوں میں ذکر کرے گا یہ حالات شاہد ہیں کہ قیامت اور ہڈیوں کو جمع کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا یقینی ہے: وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ: لا قسم کی تکرار تاکید کے لئے ہے اور اسی طرح دوسری حالت جو: نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ: ہے اس کو ثابت کرنا بھی مقصود ہے: النَّفْسِ اللَّوَّامَةِ: وہ مومن ہے جو دنیا میں ہر وقت اپنے آپ کے ساتھ حساب کرتا ہے کچھ گناہ کرلیتا ہے تو توبہ کرتا ہے اور اگر کچھ کھا پی لیتا ہے تو اپنے آپ سے کہتا ہے کہ یہ میں نے کس مقصد کے لئے کیا ہے؟ اور کیا میں نے شکر ادا کیا ہے؟ اور اسکا ذکر سورۃ آل عمران آیت 135 میں بھی ہے چونکہ قیامت کا دن سب کے ساتھ حساب کا وقت ہے اور نفس لوامہ اپنے ساتھ حساب کرنے والا ہے اسی وجہ سے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا ہے اور قسم کا جواب محذوف ہے یعنی: لَتُبْعَثُنَّ بِجَمْعِ الْعِظَامِ (ضرور تمہاری ہڈیوں کے جمع کرنے کے طور پر تم زندہ کیے جاؤ گے) اور قسموں کی مناسبت جواب کے ساتھ یہ ہے کہ رب العالمین کے آگے ایک دن کھڑا ہونا یقینی ہے تو معلوم ہوا کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس (اللہ) کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے اور مومن کا نفس گناہ سے توبہ کرتا ہے اور اپنے ساتھ حساب کرتا ہے تو یہ ضروری ہے کہ حساب کے لئے ہڈیوں کو جمع کیا جائے اور دوبارہ زندہ کیا جائے اور دوسری مناسبت یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہت سی چیزوں کے جمع کرنے پر قادر ہے (جسم اور روح کے جمع کرنے پر، تمام انسانوں کا ایک میدان میں جمع کرنے پر، انسان کے سامنے تمام اعمال کے جمع کرلے پر وغیرہ) تو ہڈیوں کے جمع کرنے بھی قادر ہے اور چونکہ اللہ نے ایک نفس میں گناہ کرنے کا خیال اور توبہ کرنے کا اخلاص و محبت دونوں جمع کیے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ ہڈیوں کے جمع کرنے اور پوروں کے برابر کرنے پر قادر ہے۔

تفسیر 3 یہ زجر ہے اور سورت کے دعویٰ یعنی مضمون پر مشتمل ہے ہمزہ استفہام توبیخی کا ہے۔ اَلۡاِنۡسَانُ: الف لام عہدی ہے اس سے مراد قیامت کا منکر انسان ہے اور اس طرح انکار سورۃ یٰسٓ آیت 78 اور سورۃ اسرآء آیت 49 اور 98 اور سورۃ مؤمنون آیت 35 اور 82 اور سورۃ صافات آیت 16 اور 53 اور سورۃ واقعہ آیت 47 اور سورۃ النازعات آیت 11 میں بھی ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 4 " بَلٰی: اس پر وقف کرنا چاہئے یہ گزشتہ نفی کا اثبات ہے: قٰدِرِیۡنَ: یہ فعل مقدر کی ضمیر متکلم سے حال ہے یعنی: نَجۡمَعُهَا قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ: اس میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ جس طرح ہم پوروں کے فناء کرنے پر قادر ہیں اور یہ تو باریک جوڑ اور چھوٹی ہڈیاں ہیں تو معلوم ہوا کہ بڑی ہڈیوں کے جمع کرنے پر تو ضرور قادر ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہم ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے ہموار کرنے پر قادر ہیں کہ اونٹ کے پاؤں کی طرح اس کو کر دیں (چنانچہ لوگ) پھر اس سے کوئی کام نہیں کر سکیں گے اور یہ سورۃ واقعہ آیت 61 کی طرح ہوا لیکن پہلا قول راجح ہے۔

تفسیر 5، 6 یہ بھی زجر ہے اور یہ پہلے استفہام پر معطوف ہے تو اس میں بھی استفہام توبیخی مقدر ہے اور اس کا قرینہ یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ: کا لفظ ہے یا بَلۡ پہلے استفہام کا جواب ہے یعنی سوال کرنا اس انسان کا مقصود نہیں ہے بلکہ اس نے فجور اور انکار کا ارادہ کیا ہے اور یَسۡـَٔلُ: مستقل وعید ہے: لِیَفۡجُرَ: فجور سے مراد انکار اور تکذیب ہے: اَمَامَهٗ: ضمیر انسان کی طرف راجع ہے اور آنے والے سے مراد قبر کا عذاب پھر قیامت اور حساب اور میزان ہے یا ضمیر: یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ: کی طرف راجع ہے اور یَفۡجُرَ: کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی: لِیَفۡجُرَ بِالۡحَقِّ: (قیامت کے آنے سے پہلے حق سے انکار کرتا ہے) اَیَّانَ یہ استفہام استبعاد (عقل سے دور سمجھنے) کی جگہ میں انکار کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ ﴿7﴾ وَ خَسَفَ الۡقَمَرُ ﴿8﴾ وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ﴿9﴾ یَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍ اَیۡنَ الۡمَفَرُّ ﴿10﴾ كَلَّا
لَا وَزَرَ ﴿11﴾ اِلٰی رَبِّكَ یَوۡمَئِذِ الۡمُسۡتَقَرُّ ﴿12﴾ یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ﴿13﴾

"پس جس وقت آنکھیں پتھرا جائیں گی اور چاند سیاہ پڑ جائے گا اور سورج اور چاند کو جمع کیا جائے گا تو [7]۔ اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے [8]۔ ہرگز نہیں نہیں ہے پناہ کی جگہ [11]۔ آج تیرے پروردگار کی طرف قرارگاہ ہے [12]۔ آج انسان کو اسکے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے (اعمال) سے آگاہ کیا جائے گا" [13]۔

تفسیر 7، 8، 9 یہ قیامت کے دن کی ہیبتوں کے ذکر کے ذریعے سے خوف دلانا ہے اور یہ خوف کے طور پر: اَیَّانَ: کا

جواب ہے: بَرِقَ: حیرت اور دہشت کے معنی میں ہے یا اوپر ہونے اور آنکھوں کا ایک جگہ پر رک جانے کے معنی میں ہے جیسے سورۃ ابراہیم آیت 43 میں ہے اور یہ حالت موت اور قیامت دونوں کے وقت ہے: وَ خَسَفَ الْقَمَرُ: یہ خسوف (گرھن) ہمیشہ کے لئے ہے اور دنیا میں چاند کا خسوف ایک وقت کے لئے ہوتا ہے: وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ: جمع سے مراد دونوں کا بے نور ہونا ہے۔ یعنی دونوں ایک جیسے بے نور ہو جائینگے یا مراد یہ ہے کہ دونوں ایک ساتھ مغرب کی طرف سے بے نور ظاہر ہو جائینگے اور یہ قول ابن عباس اور ابن مسعود (رضی اللہ عنہم سے روایت ہے) یا یہ ہے کہ قیامت کے دن دونوں جمع کیے جائینگے اور جہنم کی آگ میں ان لوگوں کو ملامت کرنے کے لئے ڈالے جائینگے جو انکی عبادت کرتے تھے؟ واضح رہے کہ ان کو عذاب کے لئے جہنم میں نہیں ڈالینگے **سوال:** الشمس مؤنث ہے تو: جُمِعَتْ: کیوں نہیں کہا؟ **جواب** اسکا جواب کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ: وَ جُمِعَ بَيْنَهُمَا: کے معنی میں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں مذکر (قمر) کو مؤنث پر غالب کیا گیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ شمس مؤنث غیر حقیقی ہے تو اسکے ساتھ تذکیر جائز ہے۔ **فائدہ** ان آیتوں میں مقصود ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے طریقے پر روشنیوں کا زائل کرنا ہے یعنی پہلے بصر ذکر کیا کہ اسکی روشنی کم ہے پھر قمر ذکر کیا جو بصر سے زیادہ روشنی والا ہے پھر شمس (سورج) ذکر کیا ہے جو سب سے زیادہ روشنی والا ہے۔

تفسیر 10، 11، 12 یہ بھی قیامت کے مصائب کا ذکر ہے: الْإِنسَانُ: ہر انسان مراد ہے چاہے مؤمن ہو یا کافر، سب ہیبت کی وجہ سے اس طرح کہیں گے یا اس سے مراد صرف کافر ہے: أَيْنَ الْمَفَرُّ: یہ مصدر ہے فرار کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ سے راہ فرار اختیار کریں گے شرم کی وجہ سے یا جہنم سے بھاگیں گے خوف کی وجہ سے: كَلَّا: ردعیہ ہے یعنی فرار نہیں ہو سکتا اور: لَا وَزَرَ: كَلَّا: کی تفسیر ہے یا کلام میں ترقی ہے یعنی پناہ کی جگہ نہیں ہے تو کہاں فرار کر سکو گے: وَزَرَ: لغت میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے سے پناہ حاصل ہوتی ہو چاہے قلعہ ہو یا پہاڑ ہو: إِلَىٰ رَبِّكَ: کو تخصیص کے لئے مقدم کیا ہے: الْمُسْتَقَرُّ: رجوع کرنے کی جگہ یا آخری فیصلے کی جگہ جیسے سورۃ نجم آیت 42 ہے۔

تفسیر 13 یہ بھی حساب کے وقت یا اعمال کے وزن کے وقت یا صحیفے تقسیم کرنے کے وقت آخرت کا حال ہے: بِمَا قَدَّمَ وَ أَخَّرَ: اس میں (مختلف) توجیہات ہیں: (۱) قَدَّمَ: موت سے پہلے نیک یا برے اعمال کیے ہیں: وَ أَخَّرَ: موت کے بعد اچھا طریقہ یا برا طریقہ چھوڑا ہے (۲) قَدَّمَ: گناہ کیا ہے: أَخَّرَ: اطاعت کو چھوڑا ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کا حق برباد کیا ہے (۴) قَدَّمَ: اپنے لئے صدقات کیے ہیں: وَ أَخَّرَ: کچھ اموال وارثوں کے لئے چھوڑے ہیں

رؤ اشروع عمر میں کئے اور آخری عمر میں کیے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ الفاظ ان تمام معانی پر مشتمل ہیں ان میں کچھ منافات نہیں ہے۔

بَلِ الْإِنسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿١٤﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿١٥﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا
جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾

"بلکہ انسان اپنے نفس کو دیکھنے والا ہے [14]۔ اگر چہ وہ اپنے عذروں کو پیش کرے [15]۔ آپ اس قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ جلدی کرلیں [16]۔ یقیناً ہمارے ذمے ہے اسکا جمع کرنا اور اسکا پڑھنا [17]۔ پس جب ہم اسے پڑھ لیں تو آپ پیروی کیجئے اسکے پڑھنے کی [18]۔ پھر یقیناً ہمارے ذمے اس کا واضح کرنا ہے" [19]۔

تفسیر 14، 15: بَلْ: یُنَبَّؤُا: سے ترقی کے لئے ہے یعنی خبر دینے کی ضرورت نہیں ہے انسان بذات خود اپنے اوپر گواہ ہے: بَصِيْرَةٌ: یعنی اسکا نفس اور اعضاء اسکے اعمال پر گواہ ہیں جیسے سورۃ اسراء آیت 14 اور سورۃ نور آیت 24 میں ہے۔ سوال: بصیرۃ تو مؤنث ہے اور انسان تو مذکر ہے؟ جواب: پہلا (جواب) یہ ہے کہ اس سے مراد اعضاء ہیں دوسرا (جواب) یہ ہے کہ بَصِيْرَةٌ: میں تا مبالغے کے لئے ہے نہ کہ تانیث کے لئے۔ تیسرا: اَلْاِنْسَانُ: میں لام جارہ پوشیدہ ہے: لِلْاِنْسَانِ عَلٰى نَفْسِهٖ: جوارح بصیرۃ: مَعَاذِيْرَهٗ: معذار کی جمع ہے پردے کے معنی میں ہے یعنی اگرچہ اپنے اوپر پردے ڈالے اور شرم کی وجہ سے اپنے اعمال چھپائے یا اسکا مفرد مصدر میمی ہے جیسے سورۃ غافر آیت 52 میں اور سورۃ نحل آیت 28 میں اور سورۃ مرسلات آیت 36 میں ہے۔

تفسیر 16، 17، 18، 19: ان آیتوں میں جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے کے وقت اور نبی ﷺ کے پڑھنے کے وقت کا ادب ذکر ہے۔ اسلئے کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ثابت ہے کہ نبی ﷺ وحی کے ابتدائی زمانے میں بہت تکلیف برداشت کرتے تھے۔ جب بھی جبرائیل علیہ السلام وحی پڑھتے تو نبی ﷺ اپنے ہونٹوں کو اسکے ساتھ ہلاتے تھے اور اس کو پڑھتے اور اپنے اوپر مشقت برداشت کرتے تاکہ بھول نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں پہلا ادب سکھایا کہ اس طرح جلدی مت کرو پھر تین ذمہ داریاں ذکر کیں: (۱) نبی ﷺ کے سینے میں قرآن کو جمع کرنا (۲) اور اسکے پڑھنے کو آسان کرنا کہ یہ زبان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور (۳) اور اسکے پڑھنے کے بعد اسکے مقاصد کی وضاحت اور تفسیر اور تیسری آیت میں دوسرا ادب سکھایا کہ جبرائیل علیہ السلام کے پڑھنے کے وقت پورے کان لگاؤ اور اس پر عمل شروع کرو: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ: یہ نہی (ممانعت) شفقت کے لئے ہے اسلئے کہ جبرائیل علیہ السلام کے پڑھنے کے وقت نبی

صلی اللہ علیہ وسلم زبان اور ہونٹوں کو ہلاتے تھے اور یہاں لسان ذکر کیا اور (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4927) میں شفتین ذکر کیے ہیں نکتہ یہ ہے کہ پڑھنا تو اصلاً زبان سے ہوتا ہے اور ہونٹ تو صرف بعض حروف میں زبان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں تو قرآن نے اصل ذکر کیا اور حدیث میں فرع اور معاون ذکر کیا ہے پھر صحابہ کرام تو پڑھنے کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کو نہیں دیکھتے تھے بلکہ ہونٹوں کو دیکھتے تھے تو حدیث میں ہونٹوں کا ذکر ہوا اور اللہ تعالیٰ تو پوشیدہ پر عالم ہے یعنی وہ تو دیکھ رہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زبان کو ہلاتے ہیں تو قرآن میں زبان کا ذکر کیا۔ لِتَعْجَلَ بِهٖ: امام شربینی نے ذکر کیا ہے کہ قرآن پڑھنے کے وقت تعجیل منع ہے تو معلوم ہوا کہ دوسرے کاموں میں مناسب نہیں ہے اور امام شعبی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی محبت اور اس کی مٹھاس کی وجہ سے زبان پر عجلت کرتے تو منع ہوا کہ اسکے ذریعے سے کلام اللہ میں ایک دوسرے سے کلمات کا الگ ہونا آتا ہے حالانکہ قرآن کے کلمات ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں اور یہ آیت، سورۃ طٰہٰ آیت 114 کی طرح ہے۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ: جمع سے مراد سینے میں جمع کرنا ہے یعنی بھولنے سے بچانا جیسے سورۃ الاعلیٰ آیت 6 میں ہے اور یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے جمع کرنے کا ذمہ دار ہے تو اس طرح ایک مصحف میں قرآن جمع کرنے کا بھی ذمہ دار ہے تو معلوم ہوا کہ یہ قرآن جو ابھی مجموع (جمع کیا ہوا ہے) ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا جمع کردہ ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو سبب بنایا (صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن حدیث 87-4986) وَقُرْاٰنَهٗ: یہاں مصدری معنیٰ مراد ہے یعنی قرآن کا پڑھنا اور اسکو آپ کی زبان پر جاری رکھنا جیسے سورۃ مریم آیت 97 اور سورۃ دخان آیت 58 میں ذکر ہے۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ: قَرَاْنٰهُ: سے مراد جبرائیل علیہ السلام کا پڑھنا ہے اسلئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام پڑھتے تھے۔ فَاتَّبِعْ: مراد یہ ہے کہ اس کے لئے کان لگاؤ پھر اس طریقے سے پڑھو جس طرح آپ پر پڑھا گیا ہے اور قرآن کے احکام اور شرائع کی اتباع کرو: اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ: قرآن کے الفاظ اور معانی کا بیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صحابہ کرام اور پھر انکے واسطے سے رفتہ رفتہ تمام لوگوں کو قرآن پہنچانا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے بَيَانَ: کبھی تفسیر القرآن بالقرآن کے طریقے پر ہوتا ہے اور کبھی قرآن کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے اور کبھی صحابہ کرام کے اقوال سے اور کبھی تابعین کے اقوال سے ہوتی ہے اور اسکو بیان تفسیر کہا جاتا ہے۔ ثُمَّ: ماقبل اور مابعد کے تفاوت کے لئے ہے یا تراخی کے لئے ہے اسلئے کہ اکثر مخاطب کی ضرورت کی وجہ سے تفسیر کا بیان بعد میں واقع ہوتا ہے **تنبیہ**: ان آیتوں

کا ماقبل اور مابعد کے ساتھ ربط چند وجوہ سے ہے: ایک وجہ وہ ہے جو ہم نے خلاصہ میں ذکر کی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ہڈیوں کے جمع کرنے اور سورج اور چاند کے جمع کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اسلئے کہ قرآن کے جمع کرنے پر قادر ہے تو انسان میں کچھ بھی ہڈیاں اور ذرہ باقی نہیں رہ سکتا ہے جیسے قرآن کریم میں کوئی بھی حرف ضائع نہیں ہو سکتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حساب کے دن کے لئے بڑا اصلاحی عمل قرآن کا مشغلہ ہے شرعی آداب کے ساتھ اور چونکہ قرآن سے غافل کرنے والی چیز دنیا کی محبت ہے اسوجہ سے بعد والی آیتوں میں اس پر وعید ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوهٌ
يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ
الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾

"ہرگز یہ بات نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت کرتے ہو [20]۔ اور آخرت کو چھوڑتے ہو [21]۔ بعض چہرے اس وقت تروتازہ ہونگے [22]۔ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہونگے [23]۔ اور کچھ چہرے اس دن (بے رونق) ہونگے [24]۔ یہ گمان کرینگے کہ انکے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائیگا [25]۔ ہرگز یہ بات نہیں جب روح ہنسلی تک پہنچے گی [26]۔ اور کہا جائیگا کوئی دم کرنے والا ہے [27]۔ اور یہ گمان کریگا کہ یقیناً یہ جدائی کا وقت ہے [28]۔ اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے مل جائیگی [29]۔ آج تیرے رب کی طرف چلنا ہے" [30]۔

تفسیر 20، 21: اس میں دنیا کی محبت پر وعید ہے جو کہ انسان کو قرآن سے غافل کرتی ہے۔ كَلَّا حقاً کے معنی میں ہے یا ردع ہے ان لوگوں کا جو قرآن کی تفسیر اور بیان پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ تُحِبُّونَ: محبت کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا اور اسکے مال اور عزت کو آخرت کے کاموں پر ترجیح دیتے ہیں۔ الْعَاجِلَةَ: اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ قرآن اور دین کے کاموں کے ساتھ عجلت مناسب نہیں ہے اسلئے کہ عجلت دنیا کی محبت کی نشانی ہے اور دنیا کو عاجلہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جلدی فنا ہوتی ہے یا آخرت کی بہ نسبت عاجل ہے کہ وہ بعد میں ہے۔ وَتَذَرُونَ اشارہ ہے کہ دنیا کی محبت آخرت کے چھوڑنے کے لئے سبب ہے اسلئے کہ امام شربینی نے لکھا ہے کہ دنیا و آخرت کی مثال دو سوکنوں (عورتوں) کی ہے دونوں کو راضی کرنا مشکل ہے اور اسی طرح سورۃ دھر آیت 27 میں ذکر ہے اور تُحِبُّونَ اور تَذَرُونَ خطاب کافر کو ہے اور وہ مسلمان جو دنیا میں منہمک ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں۔

تفسیر 22، 23 یہ بشارت ہے اہل جنت کو وُجُوْہٌ: ذکر کیا اسلئے کہ تازگی کے آثار پہلے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں تو یہ ذکر جزء اشرف کا ہے اور مراد اس سے پورا جسم ہے نَّاضِرَۃٌ: تازہ اور سفید وروشن ہونگے سورۃ آل عمران آیت 106 اور سورۃ عبس آیت 38 کی دلیل کے ساتھ اِلٰی رَبِّہَا: یہ تقدیم اسوجہ سے ہے کہ انکا بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ نَاظِرَۃٌ: نظر سے ہے اور جب کبھی نظر کے صلہ میں اِلٰی ہو تو صرف دیکھنے کے معنی میں ہوتا ہے انتظار کے معنی میں نہیں ہوتا ہے اور یہ بہت سی آیتوں میں ہے جیسے سورۃ توبہ آیت 127 سورۃ یونس آیت 43 سورۃ عبس آیت 24 اور سورۃ احزاب 19 میں اور جب کبھی اسکے صلہ میں فِیْ آجائے تو سوچ وفکر کے معنی میں ہوتا ہے جیسے سورۃ اعراف آیت 185 میں ہے اور جب بغیر صلہ کے آئے تو کبھی انتظار اور مہلت کے معنی میں آتا ہے یہاں صلہ اِلٰی دلیل ہے کہ ناظرۃ کا معنی "دیکھتے ہونگے" ہیں تو یہ آیت صریح دلیل ہے کہ جنت میں ایمان والے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرینگے اور اسی طرح محدثین نے سورۃ تطفیف آیت 15 سے استدلال کیا ہیں اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ صحیح احادیث میں متواتر طریقوں سے ثابت ہے اسکا جواب اور انکار ممکن نہیں ہے اور بحث کے آخر میں کہا ہے کہ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین رحمہم اللہ، سلف صالحین اور اسلام کے ائمہ کا اجماع ہے اور اس مسئلے سے معتزلہ اور اباضیہ نے انکار کیا ہے اور وہ انہوں نے سورۃ انعام آیت 103 سے دلیل پکڑی ہے اُسکا ایک جواب امام قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ یہ دنیا کے ساتھ خاص ہے جس کی دلیل یہ آیت اور احادیث متواترہ ہیں اسوجہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے معراج کی رات رؤیت کی نفی کے لئے یہ آیت پیش کی ہے کہ وہ دنیا میں دیکھتا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ادراک احاطے کے معنی میں ہے۔ جیسے فَلَمَّآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ یعنی انسانوں کی آنکھیں اللہ تعالیٰ پر احاطہ نہیں کرسکتی ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا مخلوق کے دیکھنے کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا ہے اور صحیح بخاری حدیث 554 صحیح مسلم حدیث 211، 633 ابو داؤد 4729 ابن ماجہ حدیث 117 اور ترمذی 2551 میں جو سورج اور چاند کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو اسکے ساتھ انکی وجہ شبہ ذکر کی ہے کہ ازدحام کی وجہ سے ایک دوسرے کو دھکے نہیں دینگے ہر مومن بندہ مستقل دیدار کریگا۔ انکی دوسری دلیل (اس آیت کے جواب کے طور پر) یہ ہے کہ ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ثواب اور رب کی نعمتوں کا انتظار کرینگے تو اس کا ثعلبی اور ازہری نے رد کیا ہے اور قرطبی نے نقل کیا ہے کہ یہ قول چند وجوہ سے غلط ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ قانون عربیت کے خلاف ہے جیسے ہم نے ذکر کیا ہے کہ نظر کے صلہ میں اِلٰی آجائے تو انتظار کے معنی میں نہیں آتا ہے۔ دوسری وجہ یہ

ہے کہ جنتیوں کو اتنے انعامات حاصل ہیں جتنے انکے دل اور نفس چاہتے ہیں جو سورۃ زخرف آیت 71 کے قرینے سے ثابت ہے، ان کو انتظار نہیں ہے کسی چیز کا بلکہ انتظار تو ایک وجہ سے عذاب ہے جیسے عرف میں مشہور ہے کہ انتظار قتل سے زیادہ سخت ہے انکی تیسری دلیل وہ احادیث ہیں جن میں حِجَابُ النُّوْرِ یَا الرِّدَاءَ الْکِبْرِیَاءِ عَلٰی وَجْهِهٖ آیا ہے ان کا دقیق جواب یہ ہے اور یہ جواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی فصاحت اور بلاغت پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ حجاب اور رداء کا لفظ عارضی امور پر دلالت کرتا ہے کہ جو ہمیشہ نہ ہوں تو اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰی جنت میں حجاب اور رداء (چادر) کو ہٹا دیگا اور ایمان والوں کو اپنے دیدار کرنے کی طاقت دے گا اور اس مسئلے میں امام دارقطنی کا رسالہ ہے کہ جس کا نام رؤیۃ اللہ ہے اور اہل السنت والجماعت کے عقیدے کی تمام کتابوں نے یہ مسئلہ تفصیل سے لکھا ہے مزید بحث اُن میں دیکھ لیجئے۔

تفسیر 24، 25 یہ تخویف اخروی ہے۔ بَاسِرَةٌ: بسر کا ایک معنٰی سورۃ مدثر کی تفسیر میں گزرا ہے دوسرا معنٰی یہ ہے کہ انکے رنگ بدلے ہوئے ہونگے یعنی سیاہ ہونگے جیسے سورۃ آل عمران آیت 106 سورۃ یونس آیت 27 اور سورۃ عبس آیت 40 میں ہے۔ تَظُنُّ یقین کے معنی میں ہے لیکن چونکہ چہروں پر اثر ہوا تو اس سے انکو یہ معلوم ہوا کہ: تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا اور علامات کے ذریعے سے جو چیز معلوم ہوتی ہے تو اس میں ظن بھی استعمال ہوتا ہے۔ فَاقِرَةٌ: اصل میں یہ ہے کہ اونٹ کی ناک پر گرم سلاخ سے داغ لگایا جائے یہاں تک کہ ہڈی تک پہنچ جائے اور یہ انتہائی ذلت کو مستلزم ہے اور اسی طرح فَاقِرَةٌ فَقَارُ الظَّهْرِ سے ماخوذ ہے یعنی کمر کی ہڈی تو فَاقِرَةٌ وہ مصیبت ہے کہ جو کمر کی ہڈی کو توڑ دے اور اس سے جہنم کی آگ میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونے کے سبب سے بڑا عذاب اور ہلاکت مراد ہے۔

تفسیر 26 یہ نزع کی حالت ذکر کرنے کے ساتھ تخویف ہے۔ کَلَّا ردعیہ ہے یعنی ہرگز کافر قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تو یا عاجلہ (دنیا) کے ساتھ ہرگز محبت نہیں ہونی چاہئے یا کَلَّا حَقًّا کے معنی میں ہے۔ اِذَا بَلَغَتِ: ضمیر نفس کی طرف راجع ہے اگرچہ ذکر نہیں ہے لیکن قرینے سے معلوم ہوتا ہے۔ التَّرَاقِیَ: تَرْقُوَة کی جمع ہے اور ترقوے (ہنسی) دو ہیں نحر (حلق) کے ارگرد وہ ہڈیاں ہوتی ہیں اور جمع ذکر کرنے میں مبالغہ ہے کہ حلق کی ہر طرف پر روح نکلنے کی مصیبت ہوگی۔

تفسیر 27 "رَاقٍ: رقیہ سے ماخوذ ہے۔ رقی یرقی دم کرنے کے معنی میں ہے۔ تو قِیْلَ: سے مراد یہ ہے کہ حاضرین نزع کی حالت میں یہ کہتے ہیں کہ کوئی ہے جو دم کرے اس گمان سے کہ یہ بیمار ہے یا کوئی سورۃ یٰس پڑھے اور تلقین کردے (اس خیال سے کہ یہ مر رہا ہے) یا رقی سے ماخوذ ہے۔ رقی یرقی اوپر چڑھنا یعنی ملائک آپس میں کہیں گے کہ کون اسکی

روح کو روحوں کے مستقر وقرارگاہ کی طرف لے کر چڑھے گا چونکہ اس کے فاعل زیادہ ہیں ایک معلوم نہیں ہے اسوجہ سے قِیْلَ مجہول کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور مَنْ: پر سکتہ پہلی توجیہ کی بناء پر حاضرین کے ناراض ہونے کی وجہ سے اور دوسری توجیہ کی بناء پر راقٌ کے ابہام کی وجہ سے ہے۔

تفسیر 28 یہاں بھی ظن یقین کے معنی میں ہے اور اس پر قرینہ بعد والا اَلَتِّ تاکید ہے اور اِنَّہٗ کی ضمیر اس وقت کی طرف راجع ہے یا ضمیر شان ہے۔ اَلْفِرَاقُ: جسم سے روح کی جدائی یا دنیا اور اہل اور مال سے جدائی مراد ہے اور مفسر امام رازی نے کہا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ روح ایک جوہر قائم بالذات ہے جسم سے الگ ہونے کے بعد ایک مستقل وجود رکھتی ہے۔

تفسیر 29، 30 یہ بھی نزع کی سختی کا حال ہے اور سَاقٌ: حقیقی معنی میں ہے تو مراد یہ ہے کہ ایک پنڈلی سختی کی وجہ سے دوسری پنڈلی کو گرا دیگی یا دونوں پنڈلیاں کفن میں ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھی کردی جائینگی یا مجازی معنی میں ہے سختیوں سے کنایہ ہے یعنی ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ مل جائیگی دنیا کی جدائی اور موت کے احوال کی ملاقات کہ وہ آخرت کا پہلا دن ہے یا دو کام ہیں انسانوں کا کام جو جسم کو سنبھالتے ہیں اور ملائکہ کا کام جو روح کو سنبھالتے ہیں۔ اِلٰی رَبِّكَ : یہ روح نکالنے کے وقت ملائکہ کا کلام ہے یا انسانوں کو عام خطاب ہے کہ انکا آخری مرجع رب العالمین کی طرف ہے۔ اَلْمَسَاقُ یہ مصدر میمی ہے سوق (ہانکنے) کے معنی میں ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۝ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی ۝ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ۝ ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ۝ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی ۝ ''تو نہ اس نے تصدیق کی ہے اور نہ نماز پڑھی ہے [31]۔ لیکن اس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا ہے [32]۔ پھر اپنے گھر والوں کی طرف اتراتا ہوا گیا [33]۔ تباہی ہے تیرے لئے تباہی ہے [34]۔ پھر تیرے لیے تباہی ہے پھر تباہی ہے [35]۔ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑا جائیگا'' [36]۔

تفسیر 31، 32 یہ اس انسان کو زجر ہے جو اس سورت کی آیت 3 میں ذکر تھا اُسے چار امور کے ساتھ وعید ہے۔ فَلَا صَدَّقَ: یعنی رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کسی بھی طریقے سے نہیں کی ہے اور اس تعمیم کے لئے مفعول حذف کیا گیا ہے اور لَا فعل ماضی میں لَمْ کے معنی میں آتا ہے۔ دوسرا وَلَا صَلّٰی: اللہ تعالیٰ کے لئے نماز نہیں پڑھتا ہے یعنی توحید کو نہیں مانتا ہے اور اس طرح فَلَا صَدَّقَ میں ایمان کی نفی ہے اور لَا صَلّٰی میں عمل صالح کی نفی ہے تیسرا وَلٰكِنْ كَذَّبَ: لٰكِنْ کا لفظ اسوجہ سے لایا کہ تصدیق کی نفی تکذیب کو مستلزم نہیں ہے اسلئے کہ تصدیق کی نفی کبھی کبھی شک اور تردد کی وجہ سے ہوتی ہے۔

چوتھا وَ تَوَلّٰی: اسکا فرق یہ ہے قیامت کی تکذیب کی اور قرآن کریم سے اعراض کیا دوسرا فرق یہ ہے کہ زبان سے تکذیب اور چہرے اور باقی جسم کے ساتھ اعراض کیا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایمان کے چار اصول (توحید، رسالت، آخرت، قرآن) سے خالی ہے اسی طرح ظاہرا اور باطنا دونوں طرح کافر ہے۔

تفسیر 33، 34 اس میں اسکا انتہائی عناد ذکر ہے یعنی ان چار کفریات پر کچھ ناراضگی اور ندامت ظاہر نہیں کرتا ہے بلکہ الٹا تکبر اور فخر کرتا ہے۔ اِلٰٓى اَهْلِهٖ اس سے مراد اسکے پیروکار، شاگرد اور مرید ہیں جیسے سورۃ تطفیف آیت 34 اور سورۃ انشقاق آیت 13، 14 میں ہے یَتَمَطّٰى: اصل میں تمطط ہے لمبے ہونے کو کہا جاتا ہے یعنی تکبر کی وجہ سے اپنی گردن اور کمر کو لمبا کرتا ہے اور اپنے قدموں کو لمبا لمبا رکھتا ہے یا مطا سے ماخوذ ہے پیٹھ کو کہا جاتا ہے یعنی تکبر کی وجہ سے پیٹھ کو مروڑتا ہے اور رفتار کے وقت ہاتھوں کو مارتا ہے۔

تفسیر 34، 35 جب چار گناہوں کو ذکر کیا تو اسکے بدلے میں چار ہلاکتیں ذکر کرتا ہے۔ امام قرطبی نے چاروں کا فرق اس طرح ذکر کیا ہے کہ وَيْلٌ (ہلاکت) ہو تیرے لئے زندگی کے حال میں پھر تیرے لئے موت کی حالت میں ہلاکت ہو پھر قیامت کے دن میں پھر آگ میں داخل ہونے کے وقت۔ سوال: پہلے تو پانچویں خصلت یَتَمَطّٰى بھی ذکر تھی؟
جواب: یہ اسکی عادت کا ذکر ہے یعنی تکذیب اور اعراض کرنے سے پہلے کی عادت تھا اسلئے اسکا عوض ذکر نہیں کیا ہے۔ اَوْلٰى: وَيْلٌ (ہلاکت) کے معنی میں ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ اَوْلٰى خوب لائق کے معنی میں ہے اور مبتداء محذوف ہے یعنی اَلْعَذَابُ اَوْلٰى لَكَ۔ تیسرا معنی اَوْلٰى اعلی کے معنی میں ہے خبر اسکی محذوف ہے اَوْلٰى لَكَ الْهَلَاكُ مِنْ غَيْرِهٖ تمہارے لئے سلامتی کے بجائے ہلاکت ہی بہتر ہو۔

تفسیر 36 یہ بھی حساب اور قیامت کے انکار پر وعید ہے اور یہ سورت کی ابتداء کے ساتھ متعلق ہے یعنی اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ، سُدًى: مہمل کہ دنیا میں احکام الٰہی کے مکلف نہیں ہونگے اور نہ قبر میں سوال اور جواب ہوگا اور نہ قیامت ہوگی اور نہ حساب کتاب ہوگا یہ خیال ان کا غلط ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ ظالم اور مظلوم اور مطیع اور نافرمان کے درمیان کچھ فرق نہ کرے۔

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾
اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْـِۧيَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ " کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو رحم میں ٹپکایا جاتا تھا [37]۔ پھر خون کا لوتھڑا ہو ع

کیا اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے اور برابر کر دیا [38]۔ پھر اس سے جوڑے نر اور مادے بنائے [39]۔ کیا وہ ذات اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کرے [40]۔

تفسیر 37، 38، 39 یہ ابتدائی اور پہلی پیدائش پر قیاس کرتے ہوئے قیامت کے اثبات کی دلیل ہے اور اسکے ساتھ منکر انسان کی تحقیر کا ذکر ہے۔ نُطْفَةً: قطرہ تھوڑا پانی۔ مِّن مَّنِيٍّ: وہ جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے میں ہے یُّمْنٰی: یہ قید اس وجہ سے ذکر کی کہ صرف منی کے نطفے سے انسان نہیں بنتا جب تک شہوت سے رحم میں نہ ڈالی جائے جبکہ انسان شہوت کے وقت بے اختیار ہوتا ہے اسوجہ سے یُّمْنٰی مجہول ذکر کیا۔ ثُمَّ كَانَ صار کے معنی میں ہے۔ فَخَلَقَ: عام ہے یعنی علقے (خون کے لوتھڑے) کے بعد اسکے اعضاء ہڈیاں اور گوشت وغیرہ بنائے۔ فَسَوّٰى: شکل اور قد و قامت کو برابر کرنا۔ مِنْهُ: ضمیر منی یا انسان کی طرف راجع ہے۔ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى: انسان کی یہ دو قسمیں کبھی ایک ساتھ پیدا کرتا ہے اور کبھی الگ الگ اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ یہ دونوں اوصاف اس میں جمع ہوتے ہیں اور وہ مخنث ہے تو آیت میں وہ بھی شامل ہے لہٰذا اسکے ذکر کی ضرورت نہیں ہے جیسے قرطبی نے کہا ہے۔

تفسیر 40 یہ پہلی دلیل کا نتیجہ ہے۔ ذٰلِكَ: اللہ تعالیٰ کی ذات جو بڑی صفات سے موصوف ہے اور آگے صفت خالقیت سے موصوف ہے۔ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى: دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت پہلے کے مساوی ہے یا زیادہ آسان ہے ان دو توجیہات کی بناء پر جو سورۃ روم آیت 27 میں مذکور ہیں ابوداؤد اور احمد اور ابن جریر کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسکے جواب میں کہتے سُبْحَانَكَ فَبَلٰى اور سُبْحَانَكَ وَبَلٰى اور صرف بَلٰى اور بَلٰى، صحیح ابو داؤد باب الدعاء حدیث 884 کی حدیث میں بلیٰ کہنے کا حکم ہے تو یہ کہنا ضروری ہے چاہے نماز کے دوران ہو یا نماز کے علاوہ ہو (لیکن بلند آواز سے پڑھنا سنت سے ثابت نہیں جیسا کہ بعض لوگ پڑھتے ہیں۔)

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قرآن کا جمع ہونا چاند، سورج اور انسان کی ہڈیوں کا جمع ہونا اس سورۃ میں ذکر ہے۔

۲۔ آدابِ القرآن۔ ۳۔ روح نکلتے وقت کے حالات۔

الحمدللہ! سورۃ القیامۃ کی تفسیر مکمل ہوئی

ایاتها ۳۱ | ۷۶ سورة الدهر مدنية ۹۸ | رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝

"یقیناً انسان پر ایک وقت زمانے میں ایسا بھی گزرا ہے کہ یہ کوئی قابل ذکر نہ تھا [1]۔ یقیناً ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا تو اس کو سننے اور دیکھنے والا بنایا [2]۔ یقیناً ہم نے اسے راہ دکھائی یا شکر کرنے والا ہوگا یا ناشکری کرنے والا [3]۔ یقیناً ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور بھڑکی ہوئی آگ تیار کی ہے" [4]۔

سورۃ الدھر اور اس کو سورۃ الانسان، سورۃ الابرار، سورۃ امشاج اور سورۃ ھل اتیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

ربط: اس سورت کا ربط پہلی سورت کے ساتھ بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ اُس سورت کے آخر میں قیامت کو ثابت کرنے کے لئے دلائل تھے تو اس سورت میں قیامت کے اثبات کے لئے وہی دلائل ہیں اور اسکو تشابہ الاطراف کہا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں قرآن کا ادب ذکر کیا تھا تو اس سورت میں قرآن کی نعمت ذکر کرتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں ایمان والوں کے لئے بشارت اجمالیہ تھی تو اس سورت میں بشارت تفصیلیہ ہے۔

سورت کا بنیادی اور مرکزی مضمون: سورت کا بنیادی مضمون بعث بعد الموت ہے، انسان کی پہلی پیدائش پر قیاس کرتے ہوئے، اور ساتھ ساتھ دس بشارتیں ذکر کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے چار اسماء حسنیٰ ذکر کیے ہیں۔ (اللہ، رب، علیم، حکیم)

سورت کا خلاصہ: بعث بعد الموت کے استدلال کے طور پر پہلے انسان کی خلقت کے پانچ حالات ذکر کیے ہیں اور ساتھ ساتھ مختصر طور پر تخویف اُخروی ہے پھر آیت 10 تک ایمان والوں کو تفصیلی بشارت ہے اور ان کی پانچ صفات ذکر کی ہیں اور آیت 22 تک انکی دس جزائیں ذکر کی ہیں اور سورت کے آخر میں قرآن کی نعمت کا ذکر ہے اور آیت 26 تک اسکے شکر کے لئے

پانچ خطابات ذکر ہیں اور پھر دنیا کی محبت پر زجر ہے اور اس سورت کے اختتام میں قرآن کریم کی طرف ترغیب ہے۔

تفسیر 1، 2 ان آیتوں میں انسان کی ابتدائی حالت ذکر کرتا ہے اور ان سے مراد دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال ہے کہ اللہ تعالٰی ان حالات پر قادر ہے تو دوبارہ زندہ کرنے پر تو ضرور قادر ہے۔ هَلْ: قَدْ کے معنی میں استفہام تقریری ہے اسلئے کہ ہر عاقل انسان اس ابتدائی حال کا اقرار کرتا ہے۔ الْإِنْسَانِ: اس سے مراد دوسری آیت کے قرینے سے جنس انسان ہے اگرچہ احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے مراد آدم علیہ السلام ہے حِيْنٌ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حِيْنَ لمبے عرصے کو کہا جاتا ہے جسکی خاص مقدار معلوم نہ ہو اور بعض اہل علم نے اسکی تخصیص کی ہے چالیس سال، سات سال، دو سال چھ مہینے اور دو مہینے کے ساتھ لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ مِّنَ الدَّهْرِ: دھر دنیا کے تمام وقت کو کہا جاتا ہے۔ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا: سوال جب کوئی چیز نہیں تھا یعنی معدوم تھا تو معدوم کی طرف زمانے کے گزرنے کی نسبت نہیں ہوسکتی ہے؟ جواب: یہاں مطلقاً چیز کی نفی نہیں ہے بلکہ قید کی نفی مراد ہے جو مَذْكُوْرًا ہے سوال: جب مذکور نہ تھا تو اسکو الانسان کس طرح کہا ہے؟ جواب اَلْإِنْسَانَ مَا يَؤُوْلُ إِلَيْهِ کے اعتبار سے کہا (سوال): یہ تو باپ کی پیٹھ اور ماں کے رحم میں نطفہ ہے تو کس طرح کہا گیا کہ مذکور نہیں تھا؟ (جواب) پہلا جواب یہ ہے کہ مذکور معین کے معنی میں ہے یعنی خاص علَم (نام) کے ساتھ اور نطفہ تو اسم جنس ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ مذکور عزت کے ساتھ ذکر کیے گئے کے معنی میں ہے۔ تیسرا جواب مراد یہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک مذکور نہیں تھا اگرچہ اللہ تعالٰی کے علم میں معین اور مذکور تھا۔ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ: یعنی مرد اور عورت کا نطفہ مل جل گیا اور یہ نطفہ مختلف اخلاط اور طبائع سے بنایا گیا اور یہ دلیل ہے کہ عورت کا بھی نطفہ ہے اور صحیح احادیث بھی اس پر دلیل ہے۔ (صحیح بخاری فی الطهارة حدیث 282 صحیح مسلم حدیث 313) (سوال): نطفہ مفرد ہے اور امشاج جمع تو یہ صفت کس طرح صحیح ہوئی؟ (جواب) پہلا جواب یہ ہے کہ نطفہ معنی میں جمع ہے تو اسکی صفت جمع کے ساتھ جائز ہے۔ دوسرا جواب: زمخشری نے کہا ہے کہ امشاج جمع نہیں ہے مفرد ہے جیسے بُرْمَةٌ أَعْشَارٌ اور ابو حیان نے اس قول کا رد کیا ہے کہ یہ سیبویہ کے قول کے خلاف ہے۔ نَّبْتَلِيْهِ: ضمیر انسان کی طرف راجع ہے اور ابتلاء سے مراد اوامر اور نواہی شرعیہ کے ساتھ مکلف کرنا ہے یعنی انسان کی پیدائش ابتلاء کے لئے ہے مہمل نہیں ہے یا ضمیر نطفے کی طرف راجع ہے ماء (پانی) کے اعتبار سے یعنی اس کو ماں کے رحم میں مختلف حالات کی طرف پھیرتے ہیں (علقہ، مضغہ، عظاماً وغیرہ) فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا: دوسرے احتمال کی بناء پر (کہ ضمیر نطفے کی طرف راجع ہو) فا تعقیب کے لئے صحیح

ہے یعنی ان انقلابات کے بعد سمع (کان) اور بصر (آنکھیں) دی گئیں اور پہلے احتمال کی بناء پر علت غایت (جو کہ ابتلاء ہے) مقدم ذکر کی گئی ہے اگر چہ اصل میں بعد میں ہے لیکن مقصود اور اہم آزمائش ہے یا سمیع وبصیر سے مراد پوری عقل دینا ہے تاکہ مسموعات اور مبصرات سے استدلال کرے اور ابتلا تو نفس بلوغ کے ساتھ ہے اور عقل کامل کا اعطاء اسکے بعد متصل ہے اس وجہ سے (فاء) ذکر کی اور سَمِيْعًۢا کو بَصِيْرًا پر مقدم کیا ہے اسلئے کہ سماعت اور آیات مسموعہ بنسبت دیکھنے اور مشاہدات کے زیادہ فائدہ دیتی ہیں اسلئے کہ مشاہدے کے ساتھ استدلال کرنا پھر بھی عقل کی طرف محتاج ہوتا ہے۔

تفسیر 3 چونکہ ہدایت کے لئے صرف اعضاء اور قوت عقلیہ کافی نہیں ہے، ہدایت تو وحی پر موقوف ہے اس وجہ سے اس آیت میں فرمایا: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ: اس سے مراد انبیاء علیھم السلام اور نازل شدہ کتابوں کے واسطے سے ہدایت ہے۔ اَلسَّبِيْلَ: صرف خیر اور حق کی راہ مراد ہے یا خیر اور شر دونوں کی راہ مراد ہے۔ جیسے سورۃ بلد آیت 10 میں ہے۔ اِمَّا شَاكِرًا: فعل پوشیدہ ہے: اِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ شَاكِرًا یا هَدَيْنٰهُ کی ضمیر سے یا اَلسَّبِيْلَ سے حال ہے اور مراد شاکر مؤمن ہے اور کفور مشرک ہے۔ شاکرین کم ہیں اور کفر کرنے والے زیادہ ہیں اسوجہ سے شاکر اسم فاعل اور کفور کو مبالغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تفسیر 4: یہ کفور کے لئے آخرت کا خوف ہے۔ سَلٰسِلَا۟: اس میں تنوین لانے پر قرطبی نے تفصیلی بحث کی ہے اور یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف اور نیچے سے اوپر کی طرف ترقی ہے اسلئے کہ سَلٰسِلَ عذاب پاؤں میں ہے اور اَغْلٰلًا گردن میں ہے اور ہاتھ اسکے ساتھ بندھے ہوئے ہونگے اور سعیر کا اثر تمام بدن پر ہے اور اس طرح سورۃ غافر آیت 71 میں بھی گزرا ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝
يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا
وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝

"بیشک نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی [5]۔ وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے پئیں گے اسے خوب جاری کرینگے [6]۔ اور وہ اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے خوف کرتے ہیں جس کی سختی ہر طرف پھیل جائیگی [7]۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں [8]۔ ہم تم کو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں ہم نہ تم سے کچھ بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ" [9]۔

تفسیر 5.6 یہ شکر کرنے والوں کو بشارت ہے، انکے پانچ اوصاف اور دس بشارتیں ذکر کی ہیں۔ الْأَبْرَارَ: بَرّ کی جمع ہے مخلوق کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے والا جیسے اللہ تعالیٰ کے حق کو پورا ادا کرنے والے بھی ابرار ہیں اور ابرار وہ لوگ ہیں جو کسی کو بھی تکلیف نہیں پہنچاتے ہیں۔ مِنْ كَأْسٍ: اس برتن کو کہا جاتا ہے جس میں مشروب موجود ہو خالی کو کأس نہیں کہا جاتا ہے۔ كَانَ مِزَاجُهَا: جیسے دنیا والے مشروبات کے ساتھ لذت کے لئے دوسری چیزیں ملاتے ہیں كَافُورًا: یہ ٹھنڈک اور خوشبو میں مشہور ہے لیکن یہ دنیا کا کافور نہیں ہے اسلئے کہ اس میں ضرر بھی ہے بلکہ یہ صورت اور شکل میں کافور کے ساتھ تشبیہ ہے اور اس کی حقیقت بعد والی آیت میں ذکر ہے عَيْنًا: یہ كَافُورًا: سے بدل ہے بِهَا: (با) مِنْ کے معنی میں ہے یا با سببیہ ہے معنی بسبب مزاجھا ہے۔ عِبَادُ اللَّهِ: قرآن میں عبد یا عباد کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ایک نام کی طرف کی جائے تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو اور ہر قسم کے شرک سے اپنے آپکو بچایا ہو اور یہ ایمان والے ہیں اور جب ضمیر کی طرف اضافت ہو تو بھی موحد مراد ہوتے ہیں جیسے إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ اور کبھی عام معنی مراد ہوتا ہے جیسے وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ۔ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا: یعنی اسکا جو رخ کرنا اور چلانا انکی مرضی سے ہوگا۔

تفسیر 7 اس میں نیک لوگوں کی دو صفتیں ذکر ہو رہی ہیں: يُوفُونَ: اس سے پہلے كَانُوا پوشیدہ ہے یہ فراء اور جرجانی نے کہا ہے۔ یا یہ استیناف ہے یعنی پوشیدہ سوال کا جواب ہے: اگر کوئی پوچھے کہ کس وجہ سے انکو یہ نعمتیں دی جاتی ہیں تو یہ وجہ ذکر ہوئی۔ النَّذْرِ: نذر شرعی اسکو کہا جاتا ہے کہ مکلف شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے اپنے اوپر کوئی چیز لازم کردے اگر اس نے لازم نہ کی ہوتی تو اس پر واجب نہ ہوتی اور نذر غیر شرعی وہ ہے کہ جو غیر اللہ کے لئے ہو یا گناہ کی نذر ہو اور اس آیت میں نذر سے عام معنی مراد ہے یعنی ہر وہ چیز جس کا پورا کرنا بندے پر واجب ہو عقود، عھود، نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور عمرہ وغیرہ وَيَخَافُونَ يَوْمًا: پہلے وصف میں حکموں کے امتثال کی طرف اشارہ ہے تو اس وصف میں منہیات سے اجتناب کی طرف اشارہ ہے یعنی قیامت کے خوف کی وجہ سے اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتے ہیں سبب کا ذکر ہے اور اس سے مراد مسبب ہے شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا: شر سے مراد وہ سختی ہے جو قیامت کے روز واقع ہوگی یعنی آسمانوں کا پھٹنا تاروں کا بے نور ہونا زمین پر زلزلہ آنا اور پہاڑوں کا فنا ہونا وغیرہ۔ مُسْتَطِيرًا: لمبے اور پھیلے ہوئے کو کہا جاتا ہے اور یہ سب عالم کو عام ہے۔
كَانَ: فعل ماضی مستقبل کے معنی میں ہے۔

تفسیر 8 ابرار و متقین کی دوسری صفت ہے پہلے حقوق اللہ کا ذکر تھا اور یہ حقوق العباد کا ذکر ہے اَلطَّعَامَ: کم ہو یا زیادہ طاقت کے موافق عَلٰی حُبِّہٖ: اس ضمیر میں تین اقوال ہیں: پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی ریاکاری اور شہرت کے لئے نہیں ہے دوسرا قول یہ ہے کہ کھانا کھلانے کی طرف راجع ہے یہ فضیل بن عیاض کا قول ہے کہ صدقات دینے کے ساتھ انکی محبت ہے تیسرا یہ ہے کہ کھانے کی طرف راجع ہے اور کھانے کی محبت کے دو مطلب ہیں: ایک یہ ہے کہ کھانا محبوب اور قیمتی ہو۔ دوسرا یہ ہے کہ موت سے پہلے دیا جائے اسلئے کہ نزع کی حالت میں انسان کی اپنے مال سے محبت ختم ہو جاتی ہے مِسْكِيْنًا: اس میں فقیر بھی شامل ہے اسلئے کہ یہ دو لفظ جب ایک دوسرے سے الگ ذکر ہو جائیں تو دونوں کا معنیٰ ایک ہوتا ہے اور جب اکٹھے ذکر ہوں تو پھر انکے درمیان فرق ہوسکتا ہے۔ اَسِيْرًا: قیدی اگرچہ کافر ہو اور لونڈی، غلام اور بیوی یہ سب اس میں شامل ہیں ان تینوں کی تخصیص اور ترتیب اس وجہ سے ہے کہ یہ سب کمانے سے عاجز ہیں مسکین توبفات خود کسب سے عاجز ہے اور یتیم توبذات خود بھی عاجز ہے اور اسکے لئے کوئی ایسا بھی نہیں ہے جو کما کر دے اور اسیر (قیدی) کو کسی بھی طریقے سے قدرت نہیں ہے، کمانے کے ہر قسم کے دروازے اسکے لئے بند ہیں تو اس طرح محتاجوں کو کھانا دینا ایمان والوں کی بڑی صفت ہے اور یہ آیت دلیل ہے کہ مشرک بھی نفلی صدقے کا مصرف ہے البتہ اس پر فرضی صدقہ نہیں ہوسکتا ہے۔

تفسیر 9 یہ یَقُوْلُوْنَ کی تقدیر کے ساتھ ایک اور صفت ہے اور یہ زبان سے کہنے کے ساتھ یا زبانِ حال کے ساتھ ہے۔ لَا نُرِيْدُ: اس میں مقصود اخلاص کا اظہار اور محتاج کی طبیعت پر وسعت لانا ہے یعنی اس کہنے کے سبب سے وہ محتاج شخص خوب آزادی کے ساتھ وہ کھانا قبول کرے گا۔ شُكُوْرًا: اس میں ثناء اور دعا بھی داخل ہے جو کھلانے والا محتاج سے چاہے اسلئے کہ اسکے ذریعے سے ثواب میں نقصان آتا ہے اور اس آیت کی تفسیر میں قرطبی نے علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے اور اول اور آخر میں اس کا سخت رد کیا ہے کہ یہ موضوع روایت ہے۔

إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾ وَ
جَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۖ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ﴿١٥﴾

قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ⑯

"بے شک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو اداسی اور سختی والا ہوگا[10]۔پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچالیا اور انکو تازگی اور خوشی دی[11]۔اور انہیں انکے صبر کے بدلے جنت اور ریشم عطا فرمائی[12]۔یہ اس میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہونگے اور نہ اس میں گرمی دیکھیں گے اور نہ سردی[13]۔ان جنتوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہونگے اور انکے گچھے نیچے لٹکائے ہوئے ہونگے[14]۔اور ان پر چاندی کے برتنوں اور جاموں کا دور کرایا جائیگا جو شیشے کے ہونگے[15]۔شیشے بھی چاندی کے بنے ہوئے ہونگے اسکا اندازہ کیا ہوگا خاص انداز ے کے ساتھ"[16]۔

تفسیر10 یہ پرہیزگاروں کی ایک اور صفت ہے اور یہ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ کی تاکید ہے۔اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا: پہلے توصرف قیامت کے دن سے خوف تھا اور یہ خوف اللہ تعالیٰ سے ہے تاکہ وہ اپنے رحم اور کرم سے انکو قیامت کی ہیبتوں سے بچائے رکھے۔يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا: یہ کافر کے حال کے اعتبار سے يَوْمًا کی صفتیں ہیں یا عبوس متعدی ہے اور یوم کی بالذات صفت ہے۔عَبُوْس ہونٹوں کو اداس کرنے والا اور چہروں کو خاک آلود کرنے والا دن تنگ یعنی سخت قَمْطَرِيْرًا: لمبا سخت ماتھے اور بھنووں پر تیوری چڑھائے گا۔

تفسیر11 اس آیت سے بشارت کی تفصیل شروع ہوئی۔فَوَقٰهُمْ: گزرے ہوئے اعمال مابعد کے لئے سبب ہے تو فاء لایا اور فَوَقٰهُمْ کو لَقّٰهُمْ پر مقدم کیا ہے اس وجہ سے کہ ضرر کا دور کرنا فائدہ حاصل کرنے پر مقدم ہوتا ہے۔وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً: تازگی اور چہروں میں رونق، یہ ظاہری نعمت ہے وَّسُرُوْرًا: دل میں خوشی،یہ باطنی نعمت ہے دل کی خوشی چہرے کی تازگی کے لئے سبب ہے لیکن یہاں چہرے کی تازگی مقدم کی اسلئے کہ وہ جلدی اور ہر کسی کو معلوم ہوتی ہے اور یہ دنیا کی زندگی میں انکی محنت اور خوف کے بدلے میں ہے۔

تفسیر12 "بِمَا صَبَرُوْا: یعنی پہلے ذکر شدہ صفات پر صبر کیا ہے اور اس صبر کو ثبات علی الدین کہا جاتا ہے۔جَنَّةً: یہ انکے مسکن کا ذکر ہے۔وَّحَرِيْرًا: یہ لباس کا ذکر ہے اور دونوں کو نکرہ ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ اس کی حقیقت مخلوق سے مجہول اور نا آشنا ہے:لَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (کسی نفس کو آنکھوں کی وہ ٹھنڈک معلوم نہیں جو اس کے لئے محفوظ کر کے رکھی گئی ہے (الم سجدۃ)

تفسیر13 "مُّتَّكِـِٕيْنَ:جَزٰىهُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔الْاَرَآئِكِ:اَرِيكَه کی جمع ہے دلہن کے مسہری پالنگ کو کہا جاتا

ہے مطلق تخت یا چارپائی کو نہیں کہا جاتا ہے۔ شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا: اس سے مراد گرمی اور انتہائی سردی ہے اور یہ دونوں حالات اس میں (جنت) نہیں ہیں یا زَمْهَرِيرَ: چاند کو کہا جاتا ہے تو اس سے مراد رات اور دن کا آنا ہے یعنی ایک روشنی ہمیشہ ہوگی دنیا کی رات اور دن کی طرح نہیں بدلے گی۔

تفسیر 14 "وَدَانِيَةً: یہ مُتَّكِئِينَ بِالْاَرَائِكِ پر معطوف ہے۔ ظِلَالُهَا: جنت میں سایہ سورج کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس طرح سایہ ہوگا جو دنیا میں صبح شروع ہونے کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک ہوتا ہے اور هَا ضمیر درختوں کی طرف راجع ہے۔ وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا: یعنی بیٹھے ہونے اور کھڑے ہونے اور لیٹنے کی حالت میں اسکے اشارے کے پیچھے چلیں گے اور کانٹے اور دوری رکاوٹ نہیں ہوں گے۔ اور اس طرح سورۃ رحمان آیت 54 اور سورۃ حاقہ آیت 23 میں بھی گزرا ہے۔ قُطُوفُ: قَطْف کی جمع ہے وہ پھل جو درخت میں پک جائیں اور پھر کھانے کے لئے اکٹھے کیے جائیں اور پھلوں کے گچھوں کو بھی کہا جاتا ہے۔

تفسیر 15، 16 یہ کھانے پینے کے حالات ذکر کرتا ہے۔ وَيُطَافُ: مجہول صیغے کے ساتھ اشارہ ہے کہ خادموں کی بہت قسمیں ہوں گی غلمان، ولدان اور حور وغیرہ۔ بِاٰنِيَةٍ: اناء کی جمع ہے اور پھر اس کی جمع اوانی آتی ہے۔ مِنْ فِضَّةٍ: یہ جنت کی ایک قسم ہے کہ جس میں ہر چیز چاندی کی بنی ہوئی ہوگی اور دوسری قسم کی جنت وہ ہے جس کی نعمتیں سونے سے بنی ہوئی ہوں گی جیسے زخرف آیت 71 میں ہے یا دونوں قسمیں ایک جنت میں ہوں گی لیکن وَذَهَبٌ یہاں محذوف ہے عرب اپنے محاورے میں ایک چیز ذکر کرتے ہیں اور اسکے بالمقابل کو حذف کردیتے ہیں جیسے سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ تو الْبَرْدَ کو حذف کیا ہے۔ وَّاَكْوَابٍ: پینے کا ایسا برتن جسکے پکڑنے کی جگہ نہیں (کڑے) نہ ہوں اور یہ گلاسوں کی طرح ہیں۔ كَانَتْ قَوَارِيرَا: یعنی صفائی اور شفافیت میں شیشے کی طرح ہیں قَارُوْرَةٌ اس برتن کو کہا جاتا ہے جو شیشے سے بنا ہوا ہو اور اسے کھانے، پینے میں استعمال کیا جاتا ہو اور یہاں اس سے مراد شیشے ہیں۔ قَوَارِيرَا مِنْ فِضَّةٍ: اس میں وہم کا جواب ہے کہ یہ شیشے ہیں پھر تو جلدی ٹوٹ جائینگے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ شیشے اصل میں سیاہی ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی اصل چاندی سے ہے تو اس میں سیاہی نہیں ہے اگرچہ صفائی اور شفافیت شیشے کی طرح ہے یعنی دو متضاد صفتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس میں جمع ہوئی ہیں۔ قَدَّرُوْهَا: فاعل کی ضمیر خادموں یا جنتیوں کی طرف راجع ہے اور تقدیر سے مراد یہ ہے کہ ان سے زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی اور نہ وہ برتن زیادہ بھاری ہیں اور نہ بہت ہلکے ہیں انکے ارادے اور سیر ہونے کی

مقدار سے ہونگے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ عَالِيَهُمْ

ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ

لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾

"اور انہیں وہاں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی آمیزش زنجبیل (ادرک) کی ہوگی [17]۔ جنت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے [18]۔ اور ان کے ارد گرد گھومتے پھرتے ہونگے وہ لڑکے جو ہمیشہ رہیں گے جب تو انہیں دیکھے تو گمان کرے گا کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں [19]۔ تو وہاں جہاں کہیں بھی نظر ڈالے گا سراسر نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا [20]۔ انکے جسموں پر سبز باریک اور موٹے ریشمی کپڑے ہونگے اور انہیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا جائیگا اور انہیں انکا رب صاف شراب پلائے گا [21]۔ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے اور تمہاری کوشش قبول کی گئی" [22]۔

تفسیر 18,17 ملے کھانے کے برتن ذکر ہوئے تو ابھی پینے کی نعمت ذکر کرتا ہے۔ زَنْجَبِيلًا: اصل میں ادرک (سونٹھ) کو کہا جاتا ہے اور یہ طبیعت میں گرم ہے جیسے کافور طبعاً ٹھنڈا ہے۔ یعنی جس طرح دنیا میں مشروبات کے اندر بھی کافور اور زنجبیل استعمال ہوتا ہے تو جنت میں بھی اس طرح ہوگا اگرچہ کافور اور زنجبیل جنت میں چشمے ہیں اور ان میں بے شمار فائدے اور بہت لذتیں ہیں۔ عَيْنًا: كَأْسًا یا زنجبیل سے بدل ہے۔ سَلْسَبِيلًا: وہ مشروب جو زیادہ اچھے ذائقے، لذت اور صاف ہونے کی وجہ سے حلق سے آسانی سے گزرتا ہو اور ابو العالیہ سے روایت ہے کہ سلسبیل اسکو اسوجہ سے کہا جاتا ہے کہ جنت کی راہوں اور گھروں میں وہ آسانی سے بہے گا۔

تفسیر 19 کھانے پینے کی نعمتوں کے ذکر کرنے کے بعد خدمتگاروں کا ذکر کرتا ہے۔ وَيَطُوفُ: طواف سے مراد ہر وقت خدمت کے لئے آنا جانا اور حاضر رہنا ہے۔ وِلْدَانٌ: یعنی انکے خادم نابالغ عمر میں ہونگے اور وِلْدَانٌ کے ساتھ اس کی تعبیر اسوجہ سے ہے کہ جنتیوں کو اس طرح محبوب ہونگے جیسے اپنی اولاد، صرف خدمت کرنا مقصود نہیں ہوگا۔ مُخَلَّدُونَ: تبدیلی، مرض، بڑھاپا اور فنا ان پر نہیں آئیگے۔ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا: حسن، صفائی، کثرت اور جنت میں خدمت کے لئے پھیلنے

میں تشبیہ ہے۔ انکی صفت منثور کے ساتھ ذکر کی ہے اسلئے کہ یہ خدمت کے لئے ظاہر ہیں اور حور کی صفت میں لُؤلُؤ اور بیض مکنون کہا ہے اسلئے کہ وہ خدمت کے لئے استعمال نہیں ہوتیں۔

تفسیر 20، 21 خاص تفصیلی نعمتوں کے بعد اجمالی اور عام نعمتوں کی طرف اشارہ ہے کہ انکی گنتی مخلوق کو معلوم نہیں ہے اسی وجہ سے نَعِيمًا نکرہ ذکر کیا ہے۔ ثَمَّ: مکان کے معنی کے ساتھ رأیت کے لئے مفعول ہے۔ نَعِيمًا: یعنی ہر طرف طرح طرح کی نعمتیں ہیں اور نا آشنا ہیں کہ بیان کرنے سے باہر ہیں۔ وَّ مُلْكًا كَبِيرًا: اسکی حد بھی صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور بعض مفسرین نے اسکا ذکر کیا ہے۔ ملائک کا جنت والوں کو سلام کرنا، انکے سروں پر تاج، بے شمار محلات اور اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا اور بے شمار خدمتگار اور باغ وغیرہ عٰلِيَهُمْ: ضمیر جنتیوں کی طرف راجع ہے چاہے خادم ہوں یا مخدوم ہوں اگر چہ ان کے لباس کے درجات میں فرق ہے سندس ہلکے ریشم کو کہا جاتا ہے اور یہ اس لباس کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اوپر اوڑھتے ہیں۔ وَّاِسْتَبْرَقٌ: موٹے ریشم کو کہا جاتا ہے جس میں چمک ہوتی ہے اسلئے کہ برق سے ماخوذ ہے اور یہ کپڑوں کے استر میں استعمال ہوتا ہے جیسے سورۃ رحمان آیت 54 میں گزرا ہے اور یہ ثیاب کی تقدیر کے ساتھ ثیاب پر عطف ہے اور یہ دونوں قسم کے کپڑے انکے جسموں کے اوپر ہونگے یا بَطَآئِنُهَا سورۃ رحمان کے قرینے کے ساتھ مقدر ہے اور یہ پھر عَالِيَهُمْ پر عطف ہے۔ مِنْ فِضَّةٍ: اور سورۃ فاطر آیت 33 اور سورۃ حج آیت 23 میں ذھب جنتیوں کی دو قسموں پر تقسیم ہونے کے اعتبار سے ذکر کیا ہے ذھب مقربین اور فِضَّةُ ابرار کے لئے یا یہ ہے کہ انکے ہاتھوں کو دونوں قسموں کے کنگن پہنائے جائینگے: ذھب (سونا) اور فضہ (چاندی) دونوں یا ذھب (سونا) عورتوں کے لئے ہوگا اور چاندی مردوں کے لئے ہوگی یا سونا جنتیوں کے لئے ہوگا اور چاندی ولدان کے لئے ہوگی۔ طَهُوْرًا: دنیا کی شراب کی طرح ناپاک نہیں ہوگی اور میل سے بھی صاف ہوگی اور اس سے چھوٹا پیشاب اور بڑا پیشاب نہیں بنے گا۔ شَرَابًا طَهُوْرًا: معلوم ہوتا ہے کہ یہ کافور اور زنجبیل کے علاوہ نا آشنا مشروبات ہیں جو ان کے بعد دیئے جائینگے اسوجہ سے نکرہ ذکر کیا ہے۔

تفسیر 22 یہاں يُقَالُ پوشیدہ ہے یعنی ملائک یا اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا۔ اِنَّ هٰذَا: ماقبل تمام مذکورہ نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ كَانَ: كَانَ کا لفظ اس سورت میں نعمتوں کے ساتھ بار بار ذکر کیا گیا ہے جو ان کے باقی اور ثابت رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ مَّشْكُوْرًا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعمال کا شکر ان کی قبولیت اور ان کی تعریف کرنا ہے۔ وَّكَانَ: واؤ ماقبل (كَانَ لَكُمْ جَزَآءً) کی علت کے لئے ہے یا یہ وقتاً فوقتاً بدلے کی زیادتی کی طرف اشارہ ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾

"بیشک ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے تھوڑا تھوڑا نازل کرنا [23]۔ پس اپنے رب کے حکم کے لئے صبر کیجئے اور ان میں سے گنہگار کافر کی بات نہ مانئے [24]۔ اور اپنے رب کا نام صبح اور شام یاد کریں [25]۔ اور رات میں اسکے لیے سجدے کریں اور لمبی رات تک اسکی پاکی بیان کریں" [26]۔

تفسیر 23 اس آیت میں قرآن کی سچائی کا ذکر ہے پہلی آیتوں کے ساتھ اسکا ربط یہ ہے کہ جب قیامت کے احوال ذکر ہوئے تو ابھی ذکر کرتا ہے کہ یہ تفصیلات قرآن سے حاصل ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق نازل شدہ کتاب ہے اور اس میں نبی ﷺ کو تسلی بھی ہے کہ اس برحق کتاب کے پہنچانے میں مصائب آئیں گے ان کو برداشت کروگے۔ تَنْزِيلًا: اس میں اشارہ ہے کہ قیامت کے حالات قرآن میں نصیحت کے لئے الگ الگ مختلف سورتوں میں ذکر ہوتے ہیں۔

تفسیر 24 اس آیت میں دشمنانِ دین کے مقابلے میں دعوت دینے والے کے لئے پانچ اوامر اور ایک نہی ذکر کرتا ہے پہلا: صبر (دین حق پر ڈٹے رہنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنا جو کہ مدد اور فتح ہے) دوسرا مخالفین کی اطاعت سے اپنے آپکو بچانا۔ آثِمًا: منافق یا جو گناہ کے کام کرتے ہیں أَوْ كَفُورًا: ظاہرا کافر اور مشرک اور وہ جو دل میں کفر رکھتے ہیں ایسے لوگ قرآن سے روکتے ہیں شرک، اور مداہنت کی طرف بلاتے ہیں تو ان کی بات نہ ماننا۔ سوال: واؤ کیوں ذکر نہیں کیا یعنی آثِمًا وَ كَفُورًا کیونکہ دونوں کی اطاعت حرام ہے؟ جواب: اگر واؤ لایا ہوتا تو یہ وہم پیدا ہوتا کہ دونوں کی ایک ساتھ اور ایک مرتبہ اطاعت منع ہے الگ الگ اطاعت جائز ہے اور یہ صحیح نہیں ہے اور جبکہ أَوْ ذکر کیا تو معنیٰ یہ ہے کہ ہر ایک کی اطاعت نہی کے ساتھ مستقل ہے یعنی ہر ایک کی اطاعت نہ کرو نہ منفرداً اور نہ مستقلاً۔ دوسرا جواب فراء سے منقول ہے کہ أَوْ لا کے معنیٰ میں ہے۔

تفسیر 26,25 اس میں حق پر ثابت رہنے کے لئے تین اوامر ذکر کرتا ہے جب گنہگار اور کافر کی مخالفت کی جائے تو انکی طرف سے ضرور دشمنی کا اظہار ہوتا ہے تو ان کے شر سے بچنے کے لئے یہ علاج ہے: ذکر، تسبیح، سجدہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ: اس میں نماز کے اوقات کی طرف اشارہ ہے بُكْرَةً: صبح کی نماز أَصِيلًا: ظہر اور عصر کی نماز وَمِنَ اللَّيْلِ: مغرب اور عشاء کی نماز وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا: تہجد کی نماز اور نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح پر مشتمل ہے یا ذکر سے مراد عام ہے نماز کے

دوران میں ہو یا نماز کے بغیر ہو اور ہر وقت یا اللہ اور یا رحمان اور اللہ کے اور نام یاد کرنا اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا مانگنا یہ سب وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ: میں داخل ہیں اور بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا: دن کے دونوں طرفوں کا ذکر ہے اور اس سے مراد دن کے تمام اوقات ہیں۔ وَمِنَ الَّيْلِ: مِن کے حرف میں اشارہ ہے کہ ساری رات نماز اور ذکر نہیں ہے بلکہ رات کے کسی حصے میں نیند کرنا بھی ہے۔ وَسَبِّحْهُ: اس سے مراد سجدہ میں تسبیح پڑھنا ہے یا عام ہے۔ تسبیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ اسکی سلبی صفتیں (جو قرآن اور سنت میں ذکر ہیں) عقیدے میں رکھنا اور زبان سے یاد کرنا اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے اور آخرت کی یادداشت کی دلیل ہے۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۖ وَإِذَا
شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا
أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا
أَلِيمًا ﴿٣١﴾ ع

"یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بھاری دن چھوڑتے ہیں [27]۔ ہم نے انہیں پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑوں کو مضبوط کیا ہے اور جب ہم چاہیں ان کی مثل اور لوگوں کو لے آئیں [28]۔ یقیناً یہ ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ لے لے [29]۔ اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے [30]۔ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے" [31]

تفسیر 27 جب ذکر اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح آخرت اور جنت کی محبت کی دلیل ہے تو وہ پہلے ذکر ہوئے ابھی دنیا سے محبت کرنے والوں کے لئے زجر بیان ہو رہی ہے اور دنیا سے محبت کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور آخرت سے غافل ہونے والوں کو بھی وعید ہے۔ وَرَاءَهُمْ: یہ لفظ اضداد سے ہے یعنی آگے اور پیچھے دونوں کے معنی میں آتا ہے اور یہاں دونوں معانی صحیح ہیں۔ ثَقِيلًا: اسکا ذکر سورۃ اعراف آیت 187 میں ہے اور ثقل انتہائی سختی کے معنی میں ہے۔

تفسیر 28 سورت کی ابتداء کی طرح یہ قیامت ثابت کرنے کے لئے کرنے پر دلیل ہے نیز دنیا پرست لوگوں کے لئے زجر بھی ہے۔ اَسْرَهُمْ: یہ اِسار سے لیا گیا ہے اس رسے کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے سے اونٹ کے پالان کو باندھا جائے اسیر

(قیدی) بھی اس سے لیا گیا ہے اور آسرٌ : سے مراد اعضاء اور پیوندوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھا کرنا اور چادر کے ساتھ باندھنا ہے۔ اَمۡثَالَهُمۡ : یعنی انکو ہلاک کر دینگے اور انکی جگہ اور انسانوں کو پیدا کرینگے جو پیروی کرنے والے ہونگے جیسے سورۃ نساء آیت 133 اور سورۃ ابراہیم آیت 19، 20 اور سورۃ فاطر آیت 16، 17 میں ذکر ہے یا مطلب یہ ہے کہ انکی شکلیں بری شکلوں میں مسخ کی جائینگی جیسے سورۃ یٰس آیت 68 میں ہے تو اس بناء پر امثال اشکال کے معنی میں ہے۔

تفسیر 29 یہ سورۃ مزمل آیت 19 کی طرح ہے تو وہاں دنیاوی عذاب کی یاددہانی کے ساتھ ساتھ دعوت کے آداب کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہاں دعوت کے آداب کے ساتھ ساتھ قیامت اور اس کے احوال کے اثبات کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 30، 31 یہ سورۃ مدثر آیت 56 اور سورۃ تکویر آیت 29 کی طرح ہے۔ وَمَا تَشَآءُوۡنَ : مفعول محذوف ہے۔ یعنی اَلۡاِیۡمَانَ وَالطَّاعَةَ یا تعمیم کے لئے حذف کر دیا گیا ہے۔ فَمَنۡ شَآءَ اور مَا تَشَآءُوۡنَ : دلیل ہے کہ انسان کی مشیت بھی ہے محض مجبور نہیں ہے۔ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ : اشارہ ہے کہ انسان کو اپنے کاموں میں مستقل قدرت حاصل نہیں ہے تو اس میں جبریہ اور قدریہ دونوں کا رد ہے اور مفسر شربینی نے اس آیت کی تفسیر میں خوب تشریح کی ہے۔ عَلِيۡمًا : ہدایت کے اہل پر عالم ہے تو ان کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے۔ حَكِيۡمًا : کسی کے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس میں بھی حکمتیں ہیں يُّدۡخِلُ اس میں ہدایت والوں کا ذکر ہے۔ رَحۡمَتِهٖ : اس سے دنیا میں ہدایت اور آخرت میں جنت مراد ہے۔ وَالظّٰلِمِيۡنَ دوسرے فریق کی طرف اشارہ ہے کہ انکی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا ہے اور عامل ناصب حذف ہے۔ وَيُعَذِّبُ الظّٰلِمِيۡنَ اور اس عامل کی تفسیر بعد میں موجود ہے اور اس کو اضمار علی شریطۃ التفسیر کہا جاتا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ انسانیت کی ابتداء کا ذکر۔ ۲۔ مومنین کے خاص صفات کا تذکرہ۔

۳۔ جنت کی خاص نعمتوں کا تذکرہ۔ ۴۔ جنت کے دو چشموں سلسبیل اور کافور کا ذکر۔

سورۃ الدھر کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۵٠ ۔ ۷۷ سورۃ المرسلٰت مکیۃ ۳۳ ۔ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝١ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝٢ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝٣ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝٤ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝٥ عُذْرًا
اَوْ نُذْرًا ۝٦

قسم ہے ہواؤں کی جو نرمی سے (پے در پے) چلتی ہیں [1]۔ پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم [2]۔ پھر انکی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں [3]۔ تو جدا کرتی ہیں جدا کرنا [4]۔ قسم ہے انکی جو وحی نازل کرتے ہیں [5]۔ عذر کے لئے اور ڈرانے کے لئے [6]۔

سورۃ المرسلات اور اسکا دوسرا نام سورۃ العرف ہے۔

ربط: اس سورت کا ماقبل سورت کے ساتھ دو وجوہ سے ربط ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں منکرین پر تھوڑی زجر تھی تو اس سورت میں زجر لفظ ویل کے ساتھ دس مرتبہ ذکر کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں ایک دلیل کے ساتھ موت کے بعد اٹھائے جانے کا اثبات تھا تو اس سورت میں متعدد شواہد اور بہت سی عقلی دلیلوں سے اسکا اثبات ذکر کرتا ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: شواہد اور دلائل کے ساتھ جزاء کے دن کو ثابت کیا ہے اور دعویٰ آیت 7 میں ہے اس سورت میں اسمائے حسنیٰ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی گیارہ صفات فعلیہ ذکر کیے گئے ہیں۔

سورت کا خلاصہ: سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے آیت 7 تک سورت کے بنیادی مضمون کے لئے پانچ شواہد ہیں پھر آیت 11 تک عالم کے فناء ہونے کے وقت کے چار احوال ہیں اور پھر آیت 15 تک یوم الفصل کا ذکر ہے اور اس کی ہیبتوں کے ساتھ تخویف اُخروی ہے پھر آیت 19 تک تخویف دنیاوی ہے پھر آیت 27 تک منکرین کو زجر کے ساتھ تین دلائل عقلیہ ذکر کیے ہیں پھر آیت 40 تک آگ اور قیامت کے دن کے دس حالات کے ذکر کے ساتھ آخرت کا خوف ہے پھر آیت 44 تک سات حالات کے ذکر کے ساتھ پرہیزگاروں کو بشارت ہے اور آخر میں تین زواجر ہیں پہلی زجر آیت 46 میں گناہوں کے باوجود دنیا کی نعمتیں دوسری زجر توحید کے عمل سے اعراض کرنے پر ہے اور یہ آیت 48 میں ہے تیسری زجر آیت 50 میں

قرآن سے اعراض کرنے پر ہے۔

تفسیر 1 اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ اس سے اور مابعد سے مراد ہوائیں ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ملائک ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام مراد ہیں اور موصوف محذوف ہے یعنی والنفوس المرسلات اور ایک اور احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن کی سورتیں اور آیتیں ہیں ۔وَالْمُرْسَلٰتِ: یہ صفت ماقبل کی چار چیزوں میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہیں عُرْفًا: یہ معروف کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی یا متتابع (پے در پے) کے معنی میں ہے تو پہلے معنی کی بناء پر حرف جر کی تقدیر کے ساتھ منصوب ہے یعنی بالعرف اور دوسرے کی بناء پر حال ہے۔

تفسیر 2 یہ صفت بھی ان مذکورہ چار امور میں موجود ہے اسلئے کہ عاصفات عصف سے ہے ہلاک کرنے اور توڑنے کے معنی میں ہے تو بعض تیز ہوائیں درختوں کو توڑ دیتی ہیں، ملائک بھی کافروں کو ہلاک کرتے ہیں، رسول بھی اہل باطل کے دلائل کو توڑتے ہیں اور آیات بھی مشرکین کی حجتوں کو باطل اور ہلاک کر دیتے ہیں اور عَصْفًا: یہ تاکید کے لئے مفعول مطلق ہے یعنی پورا اور کامل عصف۔

تفسیر 3 یہ صفت بھی ان تمام امور میں ہے یعنی ہوائیں بادلوں کو پھیلاتی ہیں اور ملائک بھی بادلوں کو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو پھیلاتے ہیں اور رسول اور اللہ تعالیٰ کی آیتیں دعوت کے ساتھ دین حق کی نشر واشاعت کرتے ہیں۔

تفسیر 4 ہوائیں بادلوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں، ملائک اور رسول اور آیتیں حق اور باطل کے درمیان فرق کرتے ہیں اور شہر بینی نے اس آیت کی تفسیر میں قرآن کی آیتیں بھی لکھی ہیں جو ہم نے لکھ دی ہیں۔

تفسیر 5 ملائک اور رسول اور آیات اللہ تعالیٰ کی وحی (احکام) پیش کرتے ہیں اور ہوائیں بارش کو برساتی ہیں اور ذکر کا اطلاق بارش پر بھی ہوسکتا ہے اسلئے کہ اسکے ذریعے سے بعض انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تفسیر 6 یہ مصادر ہیں اور الملقیات سے متعلق ہیں اور مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا ذِکْرًا: سے بدل ہے یعنی وحی بھیجنے میں مقصود لوگوں کا عذر دور کرنا اور انکو ڈرانا ہے اور جب ذکر بارش کے معنی میں ہو تو بارش کے ذریعے سے لوگوں سے عذر (خشک سالی اور قحط سالی) زائل ہوتی ہے اور کسی کے لئے (انذار ڈرانے) کا سبب ٹھہر جاتی ہے فائدہ: تیسری آیت میں واؤ ذکر کیا ہے اور باقی سب میں فاء ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عصف نشر کو مستلزم نہیں ہے اسلئے کہ عصف کے ساتھ تباہی اور ہلاکت آتی ہے تو معلوم ہوا کہ نشر مستقل وصف ہے اور ارسال کے بعد عصف اور نشر کے بعد فرق آتا ہے اور فرق کے بعد ذکر کا

تو لازمی ہوتا ہے تو فاء لایا جو سببیت اور لزوم پر دلالت کرتی ہے۔

اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ۝٧ فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۝٨ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۝٩ وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ۝١٠ وَ اِذَا
الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ۝١١ لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ۝١٢ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۝١٣ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۝١٤ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ
لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۝١٥

• بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً واقع ہونے والا ہے[7]۔ پس جب تارے بےنور کر دیئے جائیں[8]۔ اور جب آسمان کھول دیا جائیگا[9]۔ اور پہاڑ اڑا دیئے جائینگے[10]۔ اور جب رسولوں کا وقت پورا کر دیا جائیگا[11]۔ کس دن کے لئے یہ مؤخر کیے گئے[12]۔ فیصلے کے دن کے لئے[13]۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے[14]۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے[15]۔

تفسیر 7 یہ جواب قسم ہے۔ تُوۡعَدُوۡنَ: اس سے مراد وہ سارے احوال ہیں جن کے بارے میں قرآن وسنت میں قیامت کے حوالے سے وعدہ کیا گیا ہے: صور میں پھونکنا، جسموں کو دوبارہ پیدا کرنا، تمام مخلوق کا جمع کرنا، اعمال ناموں کی تقسیم، جہنم کے احوال، حساب کرنا، ہر ایک کو خیر اور شر کا بدلہ دینا، اعمال کا وزن، جنت کے اور جہنم کے احوال وغیرہ یہ سب مراد ہیں قسموں اور جواب قسم کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ یہ تمام امور واقع اور محسوس ہونے والے ہیں تو ان امور پر اللہ تعالیٰ کا قادر ہونا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے امور پر قادر ہے اور جب اس سے مراد قرآن کی آیتیں اور رسول مراد ہوں تو مناسبت واضح ہے کہ انہوں نے جو خبریں دی ہیں وہ بالکل واقع ہونے والی ہیں۔ یہ بعض آیت 8، 9، 10، 11 مَا تُوۡعَدُوۡنَ کی تفصیل ہے کہ یہ چار بڑے بڑے امور ہیں اور اسی طرح اس میں مَا تُوۡعَدُوۡنَ کے واقع ہونے کا وقت ذکر کرتا ہے۔ طُمِسَتۡ: طمس: مٹانے اور خراب کرنے کو کہا جاتا ہے اس کی مراد سورۃ تکویر آیت 2 اور سورۃ انفطار آیت 2 میں مذکور ہے یعنی پہلے ان سے روشنی مٹادی جائیگی تو پھر یہ جھڑ جائیں گے اور ختم کیے جائینگے۔ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ اَلسَّمَآء اسم جنس ہے سارے آسمان مراد ہیں۔ فُرِجَتۡ فرج لغت میں پھٹنا ہے یعنی آسمانوں میں انفطار اور انشقاق آئیگا اور ان میں دروازے بن جائینگے جیسے سورۃ انفطار آیت 1 اور سورۃ انشقاق آیت 1 اور سورۃ نبا آیت 19 میں ہے۔ وَاِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ الجبال میں الف لام استغراق کے لئے ہے نُسِفَتۡ: نسف دانوں سے بھوس کا اڑانا اور ایک چیز کے اجزاء کا ایک دوسرے سے الگ ہونا ہے نیز جلدی سے اچک لینا اور جڑ سے نکالنا یہ سارے معانی صحیح ہیں اسطرح سورۃ طٰہٰ آیت 105 میں بھی ہے۔

أُقِّتَتْ: اصل میں وُقِّتَتْ ہے وقت سے ماخوذ ہے یعنی وقت مقرر میں رسول جمع کیے جائنگے جیسے سورہ مائدہ آیت 109 میں ہے اور اس میں وقت مقرر کی طرف تاخیر کا معنی ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کی تاجیل (مؤخر ہونے) کا استفہام ذکر کیا ہے۔

تفسیر 12، 13 اس میں یُقَالُ مقدر ہے۔ لِاَيِّ يَوْمٍ: یہ استفہام اس دن کی ہیبت اور عظمت کے لئے ہے اور یہ جملہ اِذَا کے لئے جواب ہے یا یہ أُقِّتَتْ کی ضمیر سے حال ہے اور اِذَا کا جواب مقدر ہے یعنی وَقَعَ مَا تُوْعَدُوْنَ۔ أُجِّلَتْ ضمیر رسولوں کی طرف راجع ہے یا گذشتہ تمام احوال کی طرف راجع ہے۔ لِيَوْمِ الْفَصْلِ: یہ أُجِّلَتْ کی تقدیر کے ساتھ جواب ہے اور یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسلئے کہ اس دن مخلوق کی ایک دوسرے سے جدائی آئیگی اور فیصلے کیے جائینگے۔

تفسیر 14، 15 اس دن کی عظمت کی وجہ سے دوبارہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ کے ساتھ اسکی عظمت ذکر کرتا ہے اور تیسری مرتبہ وَيْلٌ: کے ساتھ (اس کی عظمت) ذکر کرتا ہے اور یہ آیت اس سورت میں دس مرتبہ لایا اسلئے کہ حق چیزیں زیادہ ہیں اور ہر ایک کی تکذیب مستقل ذیل کا سبب ہے تو ان چیزوں کے حقوق میں سے دس ذکر کیے ہیں پہلے اس آیت میں یوم الفصل کی تکذیب مراد ہے (ذیل) مبتدا نکرہ ہے اسلئے کہ یہ بددعا ہے اور وہ ابتداء کے جواز کا سبب ہو سکتی ہے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٦ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝١٧ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝١٨ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٩
اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝٢٠ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝٢١ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝٢٢ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝٢٣
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٢٤

"کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا [16]۔ پھر ہم انکے بعد پچھلوں کو لائے [17]۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں [18]۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے [19]۔ کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا [20]۔ پھر ہم نے اسے مضبوط و محفوظ جگہ میں رکھا ہے [21]۔ ایک مقررہ وقت تک [22]۔ پس ہم قادر ہیں پس خوب قدرت رکھتے ہیں [23]۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے" [24]۔

تفسیر 16، 17، 18 یہ جھٹلانے والوں کے لئے تخویف دنیاوی خوف ہے۔ اَلْاَوَّلِيْنَ: جیسے نوح علیہ السلام کی قوم، عاد، ثمود یعنی صالح علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم، اصحاب مدین، تُبَّعْ کی قوم اور قوم فرعون کہ یہ قرآن میں ذکر ہیں الْاٰخِرِيْنَ: اس سے مراد مشرکین مکہ اور بعد کے زمانے کے منکرین ہیں اسلئے کہ یہ سب تکذیب میں شریک ہیں تو جزاء میں

بھی شریک ہونگے۔ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ: سے بعد والے زمانوں کے مجرم مراد ہیں تا قیامت۔

تفسیر 19 یہاں مکذبین سے وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے مجرمین کی ہلاکت کے واقعات نہیں مانتے ہیں اور دوسرے مجرمین کی تخویفات کی تصدیق نہیں کرتے ہیں جو پہلی تین آیتوں میں ذکر ہوئے۔

تفسیر 20، 21، 22، 23 یہ قیامت کو ثابت کرنے کے لئے انسان کی پیدائش کی پہلی عقلی نفسی دلیل ہے۔ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ: یہ نطفہ ہے جو کہ کمزور اور حقیر پانی ہے یعنی اس سے نفرت کی جاتی ہے برابر بات ہے کہ پاک ہو یا ناپاک ہو اس سے منی کے ناپاک ہونے کی دلیل نہیں لی جا سکتی ہے مَّآءٍ: سے مراد جنس پانی ہے یعنی مرد اور عورت کا پانی اسلئے کہ باقی دلائل سے ثابت ہے کہ بچے کی پیدائش دونوں کے پانی سے ہوئی ہے۔ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ: اس سے مراد ماں کا رحم ہے کہ حمل کے بھاری ہونے کے باوجود رحم میں محفوظ ہوتا ہے۔ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ: اس سے پیدائش کا وقت مراد ہے جو عام طور سے بناء پر چھ مہینے یا نو مہینے ہوتا ہے اگرچہ کبھی کبھی اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ مَّعْلُوْمٍ یعنی عورتوں کی عادت اور عرف کے اعتبار سے معلوم ہے یا یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی مکمل ایام اور بچے کی پیدائش کے تفصیلی احوال سے باخبر ہے جیسے وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ اور اسی طرح سورۃ رعد آیت 8 میں ہے۔ فَقَدَرْنَا: بعض اہل لغت نے تخفیف اور تشدید کے درمیان فرق کیا ہے یعنی قدرت سے مخفف ہے تو یہ ماقبل کی تاکید ہے یعنی اس مذکور طریقے سے انسان کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت ہے دوسرا کوئی بھی اس طرح پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے اور بعض اہل لغت نے مخفف اور مشدد کا ایک معنیٰ کیا ہے یعنی تقدیر (اندازہ) کرنا یعنی اللہ تعالیٰ نے پیدائش کے وقت اور اس بچے کے احوال اور اسکے خوش قسمت یا بد قسمت ہونے کا اندازہ اور تقرر کیا ہے تو قَادِرُوْنَ: مُقَدِّرُوْنَ کے معنیٰ میں ہے تو اس معنیٰ کے ساتھ تقدیر کے مسئلے کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ تقدیر تو ملائکہ کی کتاب میں ہوتی ہے اور تقدیر کی اصل تو بہت پہلے ہے جیسے یہ مسئلہ اپنی جگہ میں واضح ہوا ہے۔

تفسیر 24 یہاں جھٹلانے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس طریقے سے انسان کی پیدائش کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نہ مانیں اور اس کی تقدیر کا بھی انکار کرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ کے لئے اس طرح قدرت ثابت کرتے ہیں تو انکے لئے تباہی ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝25 اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝26 وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝27
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝28 اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝29 اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝30 لَّا

ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾

"کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا[25] ۔زندوں اور مردوں کے لئے[26] ۔اور ہم نے اس (زمین) میں بلند پہاڑ بنائے اور تمہیں میٹھا پانی پلایا[27] ۔اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے[28] اس چیز کی طرف جاؤ جسکی تم تکذیب کرتے تھے[29] ۔تین شاخوں والے سایہ کی طرف جاؤ[30] ۔جو نہ سایہ دیتا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے"[31]۔

تفسیر 25، 26 اس میں ایک اور دلیل عقلی آفاقی سفلی ہے۔ كِفَاتًا: یہ اسم جنس ہے یعنی ہر جمع کرنے والے کے لئے برتن ہوتا ہے یا دوسری کوئی چیز، یا اسم آلہ ہے یا مصدر بمعنی للفاعل ہے یا كَافِتٌ اور كِفْتٌ کی جمع ہے أَحْيَآءً وَّ أَمْوَاتًا: یہ کفات کا مفعول ہے جب کہ کفات جمع یا مصدر ہو اور اگر اسم آلہ ہو تو پھر اسکے لیے فعل ناصب پوشیدہ ہے (تَجْمَعُ) زندوں کو پیٹھ پر جمع کرتی ہے، وہ اسکے ذریعے سے آباد ہیں، کاشت کاری کرتے ہیں، چلتے ہیں اور دوسرے فائدے اس سے لیتے ہیں اور دفن کرنے کے ذریعے سے مردوں کو جمع کرتی ہے اور یہ دلیل ہے کہ مردوں کو دفن کرنا ضروری ہے اور امام قرطبی نے کہا ہے کہ اس طرح اپنے بال اور تراشے گئے ناخنوں کو بھی زمین میں دفن کرنا چاہیے۔نوٹ یہ عمل ثابت نہیں ہے (مترجم)

وتفسیر 27 یہ ایک اور دلیل عقلی آفاقی وسطی ہے۔ رَوَاسِيَ: پہاڑ کو کہا جاتا ہے مراد اس سے ایسے پہاڑ ہیں جن کی چوٹیوں پر چڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ فُرَاتًا: وہ پانی جو پیاس بجھاتا ہے اور فصلوں کو فائدہ دیتا ہے اور یہ دریاؤں، نہروں اور چشموں کا پانی ہے۔ فائدہ: ان تین دلائل (انسان کی پیدائش اور زمین کے پیدا کرنے اور پہاڑوں کے پیدا کرنے) میں مناسبت ہے وہ یہ ہے کہ نطفے سے انسان کی پیدائش ہے اور زمین سے پودوں کی پیدائش ہے اور پہاڑوں سے درختوں اور پودوں اور معدنیات اور پانی کی پیدائش ہے تو وہ اللہ تعالیٰ جو ان تین قسم کی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو قیامت کے دن اٹھانے پر ضرور قدرت رکھتا ہے اور اس طرح وصف آسمان میں ظاہر نہیں ہے اسوجہ سے یہاں آسمانی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔

تفسیر 28 اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو زمین کی پیدائش اور فائدوں سے اور پہاڑ اور پودوں کی پیدائش سے انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا نہیں کیا ہے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی پیدائش میں شریک (سمجھتے) ہیں تو اس طرح جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے۔

تفسیر 29 اس میں تخویف اُخروی ہے اور یہاں يُقَالُ پوشیدہ ہے مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ: اس سے مراد جہنم کی آگ کا عذاب ہے اور مَا موصولہ ہے یا مَا مصدریہ ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی إِلٰى جَزَآءِ تَكْذِيْبِكُمْ یعنی اس سے پہلے

چار مرتبہ تکذیب ذکر کی ہے تو اسکی سزا ذکر کرتا ہے۔

تفسیر 30، 31 یہ پہلے مجمل کی تفصیل ہے ظِلٍّ ذِي ثَلٰثِ :ظِلّ سے مراد جہنم کی آگ کے دھوئیں کا سایہ ہے جیسے سورۃ واقعہ آیت 43 میں ذکر ہے اور چونکہ دھواں زور سے نکلتا ہے تو وہ تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہے اشارہ ہے کہ یہ دھواں بہت زور سے نکلے گا اور سیوطی نے اتقان میں کہا ہے کہ یہ اصل میں جہنم والوں کے ساتھ استہزا (مذاق) ہے اسلئے کہ جب مثلث صورت کی تین لکڑیاں اور تین کونے ہوں تو وہ جس لکڑی پر بھی کھڑی کی جائے تو اس سے سایہ پیدا نہیں ہوتا یعنی ظاہر میں سایہ اور حقیقت میں سایہ نہیں ہے جیسے لَّا ظَلِيلٍ نہ سورج سے سایہ دینے والا ہے اور نہ یہ سایہ سورج کی گرمی سے فائدہ دینا ہے۔ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ :غنا دفع کرنے کے معنی میں ہے اشارہ ہے کہ ایمان والوں کے سائے کے خلاف ہے اسلئے کہ وہ ظِلًّا ظَلِيلًا ہے۔

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۳۲ كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۳۳ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۳۴ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ ۳۵ وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ۳۶ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۳۷ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْأَوَّلِينَ ۳۸ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ ۳۹ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۴۰ ع

"بیشک وہ آگ محل کی طرح چنگاریاں پھینکتی ہے [32]۔ گویا کہ وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں [33]۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے [34]۔ یہ وہ دن ہے کہ کافر بول نہ سکیں گے [35]۔ اور نہ انہیں اجازت دی جائیگی کہ وہ عذر کر سکیں [36]۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے [37]۔ یہ فیصلے کا دن ہے اسی کے لئے ہم نے تم کو اور اگلوں کو جمع کیا ہے [38]۔ پس اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو تو مجھ سے کرو [39]۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے [40]۔"

تفسیر 32، 33 'اَنَّهَا' کی ضمیر آگ کی طرف راجع ہے اور لَهَب آگ پر دلالت کرتا ہے شَرَرٍ :وہ ٹکڑے جو آگ سے ہر طرف اڑتے ہیں اور ان کو چنگاری کہا جاتا ہے یعنی دنیا کی آگ کی چنگاریاں باریک ہوتی ہیں اور جہنم کی چنگاریاں كَالْقَصْرِ : بڑے بنگلے یا کاٹی گئی لکڑیوں یا بڑے درختوں کی جڑوں اور پہاڑوں کی طرح ہیں یہ لفظ ان تمام معانوں کے لئے آتا ہے تشبیہ بڑے ہونے میں ہے اور دوسری تشبیہ رنگ میں ذکر کرتا ہے اس قول کے ساتھ كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ: جِمَالَةٌ ایک قراءت میں فِعَالَةٌ کے وزن پر ہے اور اجمل کی جمع ہے جیسے حِجَارَةٌ حجر کی جمع ہے اور دوسری قراءت

میں فَعَالَاتٌ کے وزن پر ہے اور یہ جمع الجمع ہے اونٹوں اور کشتی کی بڑی رسی کو کہا جاتا ہے۔ صُفْرٌ: زرد یا سیاہ اسلئے کہ عرب کبھی صفرہ کو سواد (سیاہ) کے معنی میں استعمال کرتے ہیں یا لگاموں سے خالی اور اس میں دوسری تشبیہ بھی ہے یعنی اونٹوں کے ساتھ تشبیہ بڑے ہونے میں ہے یا بے لگام ہونے کے وقت زیادہ بکھرے ہوئے ہوں اسی طرح چنگاریاں بھی بکھری ہوئی ہوں گی اور رسیوں کے ساتھ تشبیہ لمبے ہونے میں ہے کہ یہ چنگاریاں رسیوں کی طرح لمبی ہوں گی۔

تفسیر 34 اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو جہنم کی آگ اور سایہ کے ان مذکورہ حالات سے انکار اور تکذیب کرتے ہیں۔

تفسیر 35، 36 یہ بھی قیامت کی مختلف قسم کی ہیبتوں کے ذکر کرنے کے ذریعے سے تخویف اخروی ہے لَا يَنْطِقُوْنَ: بولنے کی طاقت نہیں رکھ سکیں گے سوال: دوسری آیتوں میں يَخْتَصِمُوْنَ يَتَكَلَّمُوْنَ يَتَسَاءَلُوْنَ، تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا یہ تعبیرات دلالت کرتی ہیں کہ یہ باتیں کرسکیں گے؟ جواب 1: یہ ہے کہ قیامت کا دن کافی طویل ہوگا مختلف حالات ہوں گے بعض حالات میں باتیں کرسکیں گے، جھوٹے بہانے کفر اور شرک سے انکار نیز پیر اور مرید ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑیں گے، لیکن دوسری حالت میں ان پر ایسی ہیبت آئیگی کہ کوئی بھی بات نہیں کرسکے گا جواب 2: یہ ہے کہ یہاں مراد بولنے کی نفی مقید ہے یعنی حجت اور فائدہ مند دلیل کے ساتھ باتیں نہیں کرسکیں گے۔ فَيَعْتَذِرُوْنَ: سوال: یہ نفی کا جواب ہے تو چاہیے تھا کہ نون کے حذف کے ساتھ مجزوم ہوتا؟ جواب یہ لَا يُؤْذَنُ پر معطوف ہے، جواب نہیں ہے یعنی نہ اجازت ہے اور نہ عذر پیش کرنا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ فَوَاصِلُ الْاٰيَاتِ کی رعایت کی وجہ سے نون حذف نہیں کیا گیا ہے اور یہ ضرورت کے تحت جائز ہے۔

تفسیر 37 جو یہ حالت نہیں مانتے اور اسکو جھٹلاتے ہیں تو یہاں وہ جھٹلانے والے مراد ہیں۔

تفسیر 38، 39 یہ دوسری قسم کی تخویف ہے پہلے فرمایا کہ عذروں کے ذریعے سے نہیں بچ سکتے ہیں اور نہ انکو اجازت ہے یہاں فرمایا کہ مکرو بہانوں سے بھی نہیں بچ سکتے ہیں اور یہاں بھی يُقَالُ (کہا جائیگا) شروع میں مقدر ہے هٰذَا میں پہلی صفتوں کے ساتھ موصوف کی طرف اشارہ ہے۔ وَالْاَوَّلِيْنَ: سوال: وَالْاٰخِرِيْنَ: کیوں ذکر نہیں کیا؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ یہاں پہلے انبیاء اور آخری نبی کے جھٹلانے والے مراد ہیں اور بعد میں تو اور نبی نہیں آئیں گے تو مُكَذِّبِيْنَ اٰخِرِيْنَ نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ لَكُمْ: کے ساتھ خطاب آخری نبی ﷺ کی امت کو ہے اور وہ قیامت تک ہے۔ كَيْدٌ: اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ ہے جیسے سورۃ رحمان آیت 33 میں ہے۔

تفسیر 40 جو تمام لوگوں کے جمع ہونے اور حساب کو نہیں مانتے تو یہاں یہ جھٹلانے والے مراد ہیں۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا
كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾ كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ
بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾ ع

"بیشک پرہیزگار سایوں اور چشموں میں ہونگے [41]۔ اور ان پھلوں میں جو یہ چاہیں گے [42]۔ کھاؤ پیو مزے سے اپنے کیے ہوئے اعمال کے بدلے [43]۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اس طرح بدلہ دیتے ہیں [44]۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے [45]۔ کھاؤ اور مزے لو تھوڑی مدت بیشک تم گنہگار ہو [46]۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے [47]۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو یہ نہیں کرتے [48]۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے [49]۔ اس قرآن کے بعد کس بات پر یہ ایمان لائیں گے" [50]۔

تفسیر 41، 42 یہ پرہیزگاروں کو آخرت کی خوشخبری ہے کہ وہ جھٹلانے والوں کے برخلاف ہیں تو انکی جزاء بھی انکے برخلاف ہیں۔ ظِلَالٍ: یہ درختوں اور محلوں کا سایہ ہے اور حقیقی ہے اور یہ جہنم کے سائے کہ مقابلے میں ہے۔ وَّعُيُوْنٍ: جمع ذکر کیا اسلئے کہ دنیا کی نہروں کی طرح اس کی قسمیں زیادہ ہیں۔ وَّفَوَاكِهَ: یعنی ان کی ہر طرف پھل موجود ہونگے۔

تفسیر 43 یہاں شروع میں يُقَالُ (کہا جائیگا) پوشیدہ ہے كُلُوْا اور اشْرَبُوْا کا مفعول حذف کیا ہے اشارہ ہے کہ مَأْكُولَاتُ اور مشروبات بے شمار ہیں۔ هَنِيْٓـًٔا: وہ کھانا پینا جو مبارک اور فائدوں سے بھرا ہوا ہو کچھ مرض اور عیب نہ پیدا کرتا ہو۔ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ: یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظاہری سبب ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخلہ نہیں ہو سکتا ہے (صحیح بخاری) صحیح مسلم کتاب صفة القيامة حديث 2816 صحيح ابن ماجه حديث 4201 صحیح ابن حبان کتاب البر حديث 351 اشارہ ہے کہ عمل تو سبب ہے لیکن احسان کی شرط کے ساتھ اور احسان اخلاص اور اتباع سنت سے عبارت ہے۔

تفسیر 45 جو پرہیزگاروں کے لئے جنت کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور ان کو جھٹلاتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے تباہی ہے۔

تفسیر 46 یہ وعید ہے جو جھٹلانے والوں کے حال کے ساتھ متعلق ہے یعنی پرہیزگاروں کو آخرت میں كُلُوا وَاشْرَبُوا کہا جائیگا اور جھٹلانے والوں کو دنیا میں کہا جائیگا كُلُوا قَلِيلًا: موصوف حذف ہے یعنی زَمَانًا قَلِيلًا اور دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی کی بہ نسبت کم ہے اگرچہ دنیا میں جھٹلانے والوں کی خوراک اور مزے متقیوں کی بہ نسبت زیادہ ہیں لیکن حقیقت میں آخرت کی بہ نسبت کم ہے۔ قَلِيلًا میں اشارہ ہے کہ آخرت میں یہ ان مزوں سے محروم ہونگے اور اس کی علت اس قول إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ کے ساتھ ذکر کی یعنی ظاہراً گناہ کرتے تھے۔

تفسیر 47 وہ لوگ جو دنیا کے فائدے کو کم نہیں سمجھتے بلکہ دنیا کے غرور کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں یہاں وہ جھٹلانے والے مراد لیں۔

تفسیر 48 یہ دوسری وعید ہے رکوع توحید کا عمل ہے تو یہ جزء کا ذکر ہے اور مراد اس سے کل ہے یعنی صلاۃ یا رکوع توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف خشوع وخضوع کے معنی میں ہے تو یہ عام ہے نماز اور نماز سے باہر سب کو شامل ہے۔ اور یہ مُجْرِمُونَ کا تفسیر ہے یعنی ایک جرم یہ ہے کہ یہ وہ نماز نہیں پڑھتے جس میں رکوع ہے یعنی صحابہ کرام کی نماز اور اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب کافروں نے اپنی نمازوں میں رکوع کو چھوڑ دیا تھا تو نماز بغیر رکوع کے پڑھتے تھے۔

تفسیر 49 رکوع اور نماز نہ پڑھنا یہ مُكَذِّبِينَ کی علامت ہے اسی وجہ سے یہاں بھی کہا کہ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ

تفسیر 50 دس مرتبہ جھٹلانے والوں کی تکذیب ذکر کی تو آخری وعید یہ ہے کہ یہ تکذیب اصل میں قرآن کی تکذیب ہے تو جو اسکو جھٹلاتے ہیں تو دوسرا کونسا ایسا کام ہوگا جس پر یہ ایمان لائینگے حَدِيثٍ: وہ باتیں جن کی نقل ہو سکتی ہو اور یہ صفت قرآن میں ہے اسلئے اسکو حدیث کہا جاتا ہے بَعْدَهُ: اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کے بعد وحی کا سلسلہ ختم ہوا ہے لہذا دوسرا کلام اللہ نہیں ہو سکتا ہے اور پہلے چونکہ کتابیں بھی تھیں اسلئے قَبْلَهُ نہیں ذکر کیا ہے ابن کثیر نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ جو یہ آیت پڑھے تو اسکے بعد جواب کے طور پر یہ پڑھے: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ۔

اس سورۃ کی خصوصیات: ۱۔ خاص شہادتوں کا تذکرہ۔ ۲۔ جھٹلانے والوں کیلئے (10) مرتبہ ویل کا ذکر اس سورۃ میں ہوا ہے۔ ۳۔ قیامت کی ہیبت کا ذکر اور اسے یوم الفصل نام سے موسوم کیا ہے۔ ۴۔ جہنم کی ہیبت شان کا ذکر۔

الحمد للہ! سورۃ مرسلات کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مکمل ہوئی

آیاتھا ۴۰ ۔ ۷۸ سورۃ النبا مکیۃ ۸۰ ۔ رکوعاتھا ۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِيۡمِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِىۡ هُمۡ فِيۡهِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۙ﴿۷﴾ وَّخَلَقۡنٰكُمۡ اَزۡوَاجًا ۙ﴿۸﴾

"کس چیز کے بارے میں یہ سوال کرتے ہیں [1]۔ بڑی خبر کے بارے میں [2]۔ وہ جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں [3] ہرگز نہیں عنقریب یہ جان لیں گے [4]۔ پھر یقیناً انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا [5]۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا [6]۔ اور پہاڑوں کو میخیں [7]۔ اور تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے" [8]۔

سورۃ النبا ہے اور اس کو سورۃ عم، سورۃ عم یتساءلون اور سورۃ التساءل اور سورۃ المعصرات بھی کہا جاتا ہے۔

ربط: اس سورت کا ربط پہلی سورت سے چند طریقوں سے ہے: پہلا طریقہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں تکذیب پر زجر تھی تو اس سورت میں اختلاف اور تساؤل (سوال کرنے) پر زجر ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اُس سورت میں قیامت کا نام یوم الفصل تھا تو اس سورت میں دس دس طریقوں سے جھٹلانے والوں اور پرہیزگاروں کے درمیان فصل اور فرق ذکر کرتا ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اُس سورت میں تین عقلی دلائل ذکر تھے تو اس سورت میں دلائل کے طور پر دس انعامات ذکر کرتے ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون: منکرین بعث کے لئے زجر ہے اور بعث بعد الموت کا اثبات ہے منکرین اور متقین کے احوال ذکر کرنے کے ذریعے تخویفاً و بشارۃً اور دو اسماء حسنیٰ رب، رحمان اور چودہ صفات فعلیہ مذکور ہیں۔

سورت کا خلاصہ: پہلی آیت سے 5 تک تساؤل اور اختلاف کے طور پر قیامت کے انکار پر زجر ہے پھر آیت 16 تک بعث بعد الموت پر قادر ہونے کی دلیل کے ساتھ دس انعامات ذکر کیے ہیں پھر منکرین کے لئے دس طریقوں پر تخویف اُخروی ہے اور پرہیزگاروں کے لئے دس وجوہ سے بشارت ہے۔

تفسیر 1، 2، 3: یہ قرآن اور قیامت کے انکار پر زجر ہے۔ عَمَّ اصل میں عَنۡ مَا تھا نون کو میم میں مدغم کیا گیا اور اختصار کے لئے نیز ما استفہامیہ اور خبریہ میں فرق کے لئے آخر میں الف حذف کر دیا گیا ہے۔ یَتَسَآءَلُوۡنَ باب تفاعل ہے کثرت کی طرف اشارہ

ہے اور تساؤل سے مراد بے فائدہ بحثیں کرنا ہے جس میں اپنے آپکو سمجھانا مقصود نہ ہو۔ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ: یہ مقدر يَتَسَاءَلُونَ سے متعلق ہے اور استفہام کا جواب ہے بڑی خبر سے مراد بعث بعد الموت کے بعد جی اُٹھنا ہے اسلئے کہ قیامت کی خبر بہت بڑی ہے اور آسمانوں وزمین میں بھاری ہے یا اس سے مراد قرآن اور توحید ہے جیسے سورۃ ص آیت 67 میں ہے۔ مُخْتَلِفُونَ: کچھ تصدیق کرتے ہیں اور کچھ انکار اور کچھ کہتے ہیں کہ روحیں صرف اٹھائی جائینگی اور کچھ کہتے ہیں کہ تھوڑے وقت کے لئے اٹھنا ہوگا اور قرآن کے بارے میں اختلاف یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے، کہانت ہے، شعر ہے، مجنون کا کلام ہے خواب ہیں اور اختراع ہے۔

تفسیر 4، 5 اس میں زجر کے ساتھ تخویف ہے اور دونوں كَلَّا: ردعیہ ہیں اور مرجع انکا الگ الگ ہے پہلا كَلَّا: ردع سوال کرنے کا ہے اور دوسرا ردع اختلاف کا ہے۔ سَيَعْلَمُونَ: کا تکرار عذاب کی کثرت کے لئے ہے یا پہلا دنیاوی عذاب کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا عذاب اخروی کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ كَلَّا حَقًّا کے معنی میں ہو۔

تفسیر 6، 7، 8 اور اس جگہ میں دس انعامات ذکر کرتا ہے اور اس میں مقصود قیامت پر قادر ہونے کا اثبات ہے اسلئے کہ ان امور پر قدرت دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت سے بڑی ہے۔ پہلا انعام یہ ہے: أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا: آرام اور سکون کے لئے بچے کی مہد (گود) کی طرح تیار کی گئی ہے دوسرا انعام: وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا: یہ بھی تشبیہ کے طور پر ہے یعنی کیلوں کی طرح جن کے ذریعے سے زمین کو مضبوط کیا ہے تاکہ اضطرابی حرکتیں نہ کرے اور جیسے کیل کا کچھ حصہ باہر ہوتا ہے اور کچھ اندر ہوتا ہے تو اسی طرح پہاڑوں کا بھی کچھ حصہ باہر ہے اور کچھ حصہ زمین کے اندر ہے تیسرا انعام: وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا: ازواج مختلف قسمیں اور مختلف شکلیں یا جوڑے مذکر اور مؤنث کو کہا جاتا ہے۔

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾
وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ﴿١٣﴾ وَأَنزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَجَنَّاتٍ
أَلْفَافًا ﴿١٦﴾ "اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا[9]۔ اور رات کو ہم نے لباس بنایا[10]۔ اور دن کو ہم نے تمہارے لئے وقت معاش بنایا[11]۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے[12]۔ اور ہم نے ایک چراغ روشن بنایا[13]۔ اور ہم نے بھرے بادلوں سے خوب برسنے والا پانی نازل کیا[14]۔ تاکہ ہم نکالیں اسکے ذریعے سے دانہ اور سبزہ [15]۔ اور باغات گھنے"[16]۔

تفسیر 9، 10، 11 چوتھا انعام: وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا: سبت اصل میں قطع کو کہا جاتا ہے نیند کو سبات اس وجہ سے کہا ہے کہ یہ کاموں اور مشغولیت سے قطع کرتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ لمبے ہونے کو کہا جاتا ہے اور اس سے مراد راحت ہے اور آرام کرنے کے وقت انسان اپنی ٹانگوں کو پھیلاتا ہے اور اس راحت (نیند کرنے) سے یعنی راحت کے بعد انسان دوسرے کاموں اور عبادت کرنے کی طاقت پاتا ہے تو یہ اسلئے نعمت ہے اور چونکہ جنت میں کام اور محنت نہیں ہے تو تھکاوٹ بھی نہیں ہے تو نیند کی ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ وہاں نیند کرنا نعمتوں سے محروم ہونے کا سبب ٹھہرتا ہے اسی وجہ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جنت میں نیند نہیں ہے (السلسلة الصحيحة حديث 1087) پانچواں انعام: وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا: چونکہ انسان بہت سے کاموں میں اکٹھا ہونے اور لوگوں سے پردہ کرنے کا محتاج ہے اور وہ رات میں ہوتا ہے اسی وجہ سے اسکو لباس کہا اور یہ لباس آرام کو بھی کہا جاتا ہے چھٹا انعام: وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا: معاش ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے سے زندگی گزرتی ہو کھانا پینا وغیرہ تو مضاف محذوف ہے یعنی وَقْتَ مَعَاشٍ یا معاش ظرف زمان کا صیغہ ہے اور ان دونوں میں اصل وصف پوشیدہ ہے یعنی رات اندھیرے والی اور دن روشنی والا اور ان پر دوسرے فائدے مرتب کیے جاتے ہیں۔

تفسیر 12 ساتواں انعام: وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا: بنانے کے اعتبار سے محکم اور مضبوط جیسے سورۃ ملک آیت 3 میں ہے نیز گرنے اور شیطانوں سے حفاظت کے اعتبار سے مضبوط جیسے سورۃ انبیاء آیت 33 اور سورۃ حجر آیت 17 اور سورۃ حج آیت 65 میں ہے اور یہ آیت صریح دلیل ہے کہ آسمان مضبوط اجسام والے ہیں ویسے ہوا کیں نہیں ہیں۔

تفسیر 13 یہ آٹھواں انعام ہے: وَّهَّاجًا: زیادہ چمکنے والا جسکی طرف دیکھا نہیں جا سکتا ہے اور چونکہ سورج کی روشنی بھی زیادہ ہے اور فائدے بھی تو چاند کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں آئی۔

تفسیر 14 یہ نواں انعام ہے الْمُعْصِرٰتِ: ہوائیں جو بادلوں کو نچوڑتی ہیں اور ان سے بارش برساتی ہیں یا وہ بادل جو برسنے کے قریب ہوتے ہیں لیکن ابھی تک ان سے بارش نہ برسی ہو یا آسمان لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

تفسیر 15، 16 یہ دسواں انعام ہے اور یہ انزلنا سے متعلق ہے بارش کے فائدے ہو رہے ہیں وَّنَبَاتًا: اس سے مراد سبزہ گھاس ساگ وغیرہ ہیں جانوروں کے لئے اور انسانوں کے لئے بھی۔ اَلْفَافًا: درخت جو ایک دوسرے کے قریب ہوں اور شاخیں بھی ان کی زیادہ ہوں تو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں اسکو الفاف کہا جاتا ہے الفاف کا مفرد نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ لف کی جمع ہے۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿٢٢﴾ لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿٢٣﴾

"بیشک فیصلے کا دن وقت مقرر ہے [17]۔ جس دن صور میں پھونکا جائیگا تو تم فوج در فوج آؤگے [18] اور آسمان کھول دیا جائیگا تو وہ دروازے دروازے ہوجائیگا [19]۔ اور پہاڑ چلائے جائینگے تو وہ سراب جیسے ہوجائینگے [20]۔ بیشک جہنم گھات کی جگہ ہے [21]۔ سرکشوں کے لئے ٹھکانا ہے [22]۔ وہ اس میں لمبی مدت ٹھہریں گے" [23]۔

تفسیر 17، 18، 19 یہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کے ذکر کرنے اور جہنم کے احوال کے ذکر کرنے کے ذریعے تخویف اخروی ہے كَانَ: اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور علم میں مِيقَاتًا: ثواب اور عذاب کے لئے نیز دنیا کی انتہاء کے لئے وقت مقرر کیا گیا۔ فِي الصُّورِ: اس سے دوسرا نفخ مراد ہے أَفْوَاجًا: بہت گروہ ہر ایک گروہ اپنے امام کے ساتھ ہوگا جیسے سورۃ اسراء 71 میں مذکور ہے أَبْوَابًا: یہ حرف تشبیہ کے حذف ہونے کے ساتھ ہے یعنی كَالْأَبْوَابِ یا مضاف محذوف ہے: ذَاتَ أَبْوَابٍ اور یہ ملائکہ کے اترآنے کے لئے ایسا ہوجائیگا جیسے سورۃ فرقان آیت 25 میں مذکور ہے سَرَابًا: یہ بھی تشبیہ کے ساتھ ہے یعنی كَالسَّرَابِ: جیسے سراب آنکھوں سے نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہوتا ہے تو اس طرح پہاڑ بھی ہوجائینگے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں پہاڑوں کے وہ حالات جو عالم کے فناء ہونے کے وقت ہونگے ترتیب سے اس طرح لائے ہیں: پہلے اندکاک (ہموار ہونا) جیسے سورۃ الحاقۃ آیت 14 میں ہے دوسری حالت رنگین اون کی طرح ہونا جیسے سورۃ القارعۃ آیت 5 میں ہے۔ تیسری حالت ریت کی طرح ہونا جیسے سورۃ واقعۃ آیت 6 میں ہے۔ چوتھی حالت نسف (اڑنا) جیسے سورۃ طٰہٰ آیت 105 میں ہے۔ پانچویں حالت سراب کی طرح ہوجانا جیسے اس سورت میں ہے۔

تفسیر 21، 22، 23 اس میں جہنم کی دس حالتوں کے ذکر کرنے کے ذریعے تخویف اخروی ہے مِرْصَادًا: ظرف کا صیغہ ہے یا مصدر میمی بمعنی للمفعول ہے پہلی توجیہ کی بناء پر مطلب اس کا یہ ہے کہ جہنم کے ملائکہ جہنم میں یا جہنم کے اوپر صراط پر کافروں کا انتظار کرینگے۔ اور دوسری توجیہ کی بناء پر معنی یہ ہے کہ جہنم عذاب کے لئے تیار کی گئی ہے۔ لِلطَّاغِينَ مَآبًا: ہر وہ شخص جو عقیدے یا عمل میں شرعی حدود سے تجاوز کرتا ہے تو وہ طاغی ہے اس میں ہر مشرک، کافر، فاسق اور منافق شامل ہے مَآبًا: یہ مِرْصَادًا سے بدل ہے اور لِلطَّاغِينَ اسکے متعلق ہے أَحْقَابًا: حقب کی جمع ہے زمانے کے ایک ٹکڑے کو کہا

جاتا ہے اور ایام شہور یا سنۃ کا لفظ نہیں کہا ہے اسلئے کہ اس لفظ میں بہت ہیبت ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ احقاب کی انتہاء معلوم نہیں ہے اور دن اور مہینوں اور سال کی انتہاء تو معلوم ہے۔ اور اسکی مقدار میں مختلف اقوال ہیں: ایک یہ ہے کہ اسی سال حقب ہے۔ دوسرا قول چالیس سال۔ تیسرا قول ستر سال۔ چوتھا قول ہزار مہینے۔ پانچواں قول ستر ہزار سال۔ چھٹا قول تیس ہزار سال صحیح یہ ہے کہ اسکی مقدار معلوم نہیں ہے اور اسکی انتہاء بھی معلوم نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ ہمیشہ ہونے سے کنایہ ہے فائدہ بعض اہل علم نے اس سے ثابت ہے کہ کیا جہنم فناء ہوگی لیکن انکا یہ قول ایک لغزش ہے اسلئے کہ پہلے تو حقب کی مدت میں اختلاف ہے صحیح سند سے ایک بھی مرفوع حدیث اس میں ثابت نہیں ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس میں متعارض اقوال موجود ہیں بغیر کسی وجہ کے کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ تیسرا یہ ہے کہ جمع (احقاب) کے لیے بھی انتہاء معلوم نہیں ہے چوتھا یہ ہے کہ انکا یہ قول صریح دلائل کے خلاف ہے جیسے فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا اور خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اور رہنے والے کا ہمیشہ رہنا مکان کے ہمیشہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے اہل علم نے بھی اس کی تفصیل اس کی مناسب جگہوں میں کی ہے۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾
وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ ع

"وہ اس میں نہ ٹھنڈک اور نہ کوئی مشروب چکھیں گے [24]۔ مگر کھولتا پانی اور بہتی پیپ [25]۔ پورا بدلہ ہے [26]۔ بیشک وہ حساب کی امید نہیں رکھتے تھے [27]۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے بہت جھٹلانا [28]۔ ہر چیز کو ہم نے کتاب میں ضبط کر رکھا ہے [29]۔ پس چکھو تم پس ہرگز نہیں ہم زیادہ کریں گے تمہیں مگر عذاب ہی میں" [30]۔

تفسیر 24، 25، 26 بَرْدًا: اس میں بہت سے اقوال ہیں: نیند، ٹھنڈا پانی، ٹھنڈی ہوا، اور دل کی راحت۔ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا: پہلا بَرْدًا سے استثناء ہے اور دوسرا شَرَابًا سے اور مستثنیٰ منقطع ہے اور غساق کی تفسیر سورۃ ص میں ذکر ہوئی ہے جَزَآءً فعل محذوف کے لئے مصدر ہے۔ وِّفَاقًا: ایک موافقت یہ ہے کہ شرک بہت بڑا گناہ ہے اور یہ عذاب بھی بڑا ہے دوسرا انکے اعمال بھی گندے تھے تو عذاب بھی انکا بڑا ہے اور یہ مشرک بھی گندے ہیں۔

تفسیر 27، 28 یہ اس عمل کا بیان ہے جس کے ساتھ جزاء موافق ہے اور اسی طرح یہ عذاب کی علت کا ذکر ہے اور یہ دونوں مذکورہ اعمال تمام کفریات اور گناہوں کے لئے اصل منشاء ہے۔ لَا يَرْجُوْنَ: رجاء عقیدہ رکھنا، ڈرنا اور امید رکھنا۔ اگرچہ ایمان نہیں ہے لیکن امید کی نفی یقین کی نفی کو مستلزم ہے۔ كِذَّابًا: امام فراء نے کہا ہے کہ یہ مصدر فصیح لغت میں مبالغے کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی

انہوں نے بڑی تکذیب کی ہے۔ بِاٰيٰتِنَا: اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیتیں اور توحید کے دلائل نیز قیامت کے اثبات کے دلائل۔

تفسیر 29 یہ جملہ معترضہ ہے اور سوال کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ اعمال تو انہوں نے کیے ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ انکار کرلیں؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انکے پورے اعمال اللہ تعالیٰ نے لکھے ہیں کِتٰبًا: اس سے مراد اعمال کے صحیفوں میں ملائکہ کا لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اس وجہ سے ہے کہ انکے حکم سے ہے یا اس سے مراد تقدیر میں لکھنا ہے کہ انکی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور کِتٰبًا اَحْصَيْنٰهُ کے لئے مفعول مطلق ہے اسلئے کہ دونوں معنی میں شریک ہے یا فی کی تقدیر سے ظرف ہے۔

تفسیر 30 یہ پہلے لکھے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہے نیز یہ اعمال عذاب کے لئے سبب ہیں۔ فَذُوْقُوْا یعنی عذاب کا ذائقہ (درد) چکھو تو مفعول مقدر ہے فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا: اس میں بہت تاکید ہے ایک حرف لَنْ کے ساتھ دوسرا غائب سے مخاطب کی طرف التفات کے ساتھ تیسرا حصر کے لئے نفی اور اثبات اور یہ دلیل ہے کہ کافروں کا عذاب منقطع نہیں ہوگا تو جہنم فناء نہیں ہوگی اور اس زیادت کی کیفیت سورۃ النساء آیت 56 اور سورۃ اسراء آیت 97 میں مذکور ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

"بیشک پرہیزگاروں کے لئے کامیابی کی جگہ ہے [31]۔ باغات اور انگور ہیں [32]۔ اور لڑکیاں ہوں گی ہم عمر [33]۔ اور ابھرے ہوئے جام [34]۔ وہ نہ اس میں لغویات سنیں گے اور نہ جھوٹ [35]۔ بدلہ ہے آپکے رب کی طرف سے جو کافی انعام ہوگا [36]۔ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے رحمان ذات ہے اس سے بات کرنے کی طاقت نہیں رکھ سکیں گے" [37]۔

تفسیر 31، 32، 33، 34 ان آیاتوں میں تخویف کے بعد بشارت کا ذکر ہے اور یہ بھی دس طریقوں سے ہے مَفَازًا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے مراد سیر وتفریح کی جگہ ہے اور بعد میں اسکا بیان ہے اسلئے حرف عطف ذکر نہیں کیا ہے اور نجات کی جگہ اور کامیابی کی جگہ کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ حَدَآئِقَ: حَدِيْقَةٌ کی جمع ہے جس باغ کی چار دیواری ہوئی ہو تو اسکو حدیقہ کہا جاتا ہے جو چار دیواری کے بغیر ہو اسکو حدیقہ نہیں کہا جاتا ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہ

بات ذکر کی ہے اور یہ لفظ پھلوں کی بے شمار قسموں، پودوں اور درختوں کو شامل ہے۔ وَّ اَعْنَابًا: یہ تخصیص بعد التعمیم ہے اور یہ جمع ذکر کیا ہے اشارہ ہے کہ انکی بھی بے شمار قسمیں ہیں۔ وَّ كَوَاعِبَ: کعب کی جمع ہے وہ عورت جو نئی بالغ ہوئی ہو اور ابھری ہوئی چھاتیوں والی یعنی کسی نے چھوئی نہ ہوگی اسلئے کہ مس کرنے (چھونے) کے بعد وہ (چھاتیاں) نیچے کو لٹک جاتی ہیں اور یہ دوسری بیماریوں سے بھی محفوظ ہوگی۔ اَتْرَابًا: اسی طرح سورۃ واقعۃ آیت 12 میں گزرا ہے۔ وَّ كَاْسًا دِهَاقًا: دھاق کا ایک معنی بھرے ہوئے تو یہ کَاْسًا کے لئے تاکید ہے اسلئے کہ کَاْس بھی بھرے پیالے کو کہا جاتا ہے دوسرا معنی نچوڑے ہوئے تو كَاْس سے مراد شراب ہے تیسرا معنی پے در پے چوتھا معنی مزیدار ہونگے۔

تفسیر 36 ''لَغْوًا: ہر بے فائدہ بات اگرچہ اور نقصان اس میں ہو یا نہ ہو اور یہ جملہ استراحت اور آرام سے کنایہ ہے اسلئے کہ جو کوئی دوسرے کی طرف سے لغویات بے فائدہ باتیں سنتا ہے یا انکی کسی بات کی تکذیب اور انکار ہو سکتا ہو تو ایسا شخص ناراض اور غمگین ہوتا ہے اور جنت میں یہ دونوں (لغو اور تکذیب) نہیں ہیں ہاں دنیا میں حق پرستوں نے یہ دونوں باتیں منکرین سے سنی ہیں۔

تفسیر 36 ''جَزَآءً: یہ فعل محذوف (جَازَاهُمُ اللّٰهُ) کے لئے مفعول مطلق ہے۔ مِّنْ رَّبِّكَ: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان ہے اس پر واجب نہیں ہے جب کہ لفظ عطاء بھی اس پر دلیل ہے۔ حِسَابًا: کافی اور زیادہ کو کہا جاتا ہے یا انکی نیکیوں کی مقدار کے معنی میں ہے۔

تفسیر 37 ''رَّبِّ: زیر کے ساتھ رَبِّكَ سے بدل ہے یا صفت ہے اور الرَّحْمٰنِ بھی بدل ہے یا صفت ہے اس سورت کی ابتداء میں دس دنیاوی انعامات ذکر ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت اور ربوبیت پر دلیل ہیں۔ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا: خطاب سے مراد مطلق باتیں کرنا ہے یا کسی کے لئے سفارش کی بات کرنا ہے یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا امر اور حکم ہے اس میں کوئی بھی کسی بھی بات کی طاقت اور اختیار نہیں رکھتا ہاں اس سے شفاعت بالاذن مستثنیٰ ہے جیسے سورۃ بقرۃ آیت 255 میں اور سورۃ ہود آیت 105 میں ہے اور اس آیت میں توحید ربوبیت ہے اور شفاعت شرکیہ (قہریہ) کا رد ہے لَا يَمْلِكُوْنَ: ضمیر تمام اَهْلُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی طرف راجع ہے اور مِنْهُ: کا لفظ دفع کرنے کے معنی کو متضمن ہے یعنی اس طرح بات نہیں کر سکتے کہ اپنے سے کسی تکلیف کو دور کر دیں۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ

الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝

"جس دن روح اور ملائکہ صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے تو کوئی کلام نہیں کر سکے گا مگر جسے رحمان اجازت دے دے اور وہ حق بات کہے گا[38]۔ یہ دن حق ہے پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے [39]۔ یقیناً ہم نے تمہیں قریب عذاب سے ڈرایا جس دن انسان دیکھ لے گا جو اسکے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہوتا" [40]۔

تفسیر 38 'یَوْمَ: یہ ظرف ہے لَا يَمْلِكُوْنَ کے یا آنے والے لَا يَتَكَلَّمُوْنَ: کے متعلق ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت شان ذکر ہے اور اسکے ساتھ قیامت کی ہیبت بھی ذکر ہے۔ الرُّوْحُ: اس میں امام قرطبی نے آٹھ اقوال نقل کیے ہیں (1) بنی آدم کی ارواح، (روح) اسم جنس ہے مراد اس سے جمع ہے (۲) جبرائیل علیہ السلام کہ ان کو روح القدس اور روح الامین بھی کہا گیا ہے (۳) ملائکہ میں ایک ملک ہے جس کے زیادہ بڑے ہونے کی وجہ سے اس کا مستقل وصف ہوگا (۴) تمام بنی آدم مراد ہیں (۵) یہ ملائکہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں ایک مستقل لشکر ہے (۶) قرآن مراد ہے جیسے سورۃ شوریٰ آیت 52 میں ہے (۷) ملائکہ کے اشراف (۸) بنو آدم کی شکل میں مستقل مخلوق ہیں لیکن انکے علاوہ ہیں ابن جریر نے اس میں توقف کیا ہے اور ابن کثیر نے چوتھا قول راجح قرار دیا ہے اور اکثر مفسرین نے دوسرا قول راجح قرار دیا ہے۔ صَفًّا: مصدر ہے جمع کے معنی میں ہے یعنی صُفُوْفًا یا حال کے معنی میں ہے مصطفین پھر اس میں دو احتمال ہیں: پہلا یہ ہے کہ ہر ایک مستقل صف ہوگی تو بہت صفیں ہوں گی دوسرا یہ ہے کہ سب ایک صف ہو جائینگے۔ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ: یہاں مراد دوسرے کے لئے سفارش کرنا ہے اور لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا میں عام مراد تھا یا اپنے لیے کوئی بات کرنی مراد تھی اور اس طرح سورۃ ہود آیت 105 میں بھی گزرا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسولوں کے علاوہ کوئی بھی بات نہیں کر سکے گا (صحیح بخاری کتاب الاذان حدیث 806 صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 182)۔ وَقَالَ صَوَابًا: اس سے مراد حق بات کہنا ہے تو دنیا میں توحید کا کلمہ کہنا اور صرف مومن کے لئے آخرت میں شفاعت کرنا یہ صواب میں داخل ہے تو سفارش کے لئے دو شرطیں ذکر کیں: پہلی شرط اللہ تعالیٰ کی اجازت، دوسری شرط حق بات کہنا کہ دنیا میں توحید بیان کی ہو یا صرف مومن کے لئے سفارش ہوگی۔

تفسیر 39 "مَاٰبًا: اپنے رب کی طرف واپس ہونے کی جگہ اور وہ اس دن کی تصدیق سے حاصل ہوتی ہے اور اس دن کے لئے عمل صالح کے ساتھ تیاری کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور اس آیت میں انسان کے لئے مشیت ثابت کی ہے اگرچہ سورۃ مدثر آیت 56 سورۃ دھر آیت 30 سورۃ تکویر آیت 29 میں یہ مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ مقید ہے۔

تفسیر 40 یہ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ کی تاکید ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اس وجہ سے کہ عذاب قریب آنے والا ہے۔ عَذَابًا قَرِیْبًا: اس سے مراد قیامت کا عذاب ہے یا مابعد کی دلیل کے ساتھ قبر کا عذاب مراد ہے دنیا کا عذاب مراد نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہوتی ہے قریب ہوتی ہے اور قیامت کو سورۃ معارج آیت 7 میں قریب کہا گیا ہے۔ اَلْمَرْءُ: اس سے مراد ہر شخص ہے مؤمن ہو یا غیر مؤمن ہر ایک اپنے اعمال کو دیکھ لے گا جیسے سورۃ زلزال آیت 7، 8 میں اور سورۃ کہف آیت 49 اور سورۃ قیامہ آیت 13 میں ہے۔ وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ: یعنی جب عذاب کو اور اپنے برے اعمال کو دیکھ لے گا تو ایسی حسرتیں کرے گا۔ کُنْتُ تُرٰبًا: اس میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ کاش! ہم دنیا میں مٹی ہوتے اور مکلف انسان بھی نہ ہوتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مٹی کے ساتھ مٹی ہوتے یعنی دوبارہ زندہ نہ ہوتے اور اسکی تائید سورۃ نساء آیت 42 میں گزری ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ عام نعمتوں کا تفصیلی بیان۔ ۲۔ خاص خوشخبری کا تذکرہ۔ ۳۔ کفار کی تمنا کہ ہم مٹی ہوتے۔

۴۔ پہاڑوں کے فنا ہونے کی آخری کیفیت اس میں ذکر ہے۔

الحمد للہ سورۃ النباء کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتہا ۴۶ ۷۹ سورۃ النّٰزعٰت مکیۃ ۸۱ رکوعاتہا ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ﴿۵﴾

''ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم [1] ۔اور قسم ہے ان ملائکہ کی جو آسانی سے مؤمن کی روح کھولتے ہیں [2] ۔اور قسم ہے ان ملائکہ کی جو تیرتے ہیں تیرنا [3] ۔پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم [4] ۔پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم'' [5] ۔

سورت النازعات اور اسکے دیگر نام سورۃ الساھرۃ اور سورۃ الطامۃ ہیں۔

ربط: اس سورت کا ماقبل سے ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ سابقہ سورت میں قیامت کے منکرین کے لئے سخت زجر تھی تو ابھی اس سورت میں فرعون کے واقعہ کے ذریعے سے تخویف دنیاوی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں قیامت کو ثابت کرنے کے لئے عقلی دلائل تھے تو اس سورت میں دلائل کے ساتھ شواہد ذکر کرتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں سرکشوں اور پرہیزگاروں کو تخویف اور بشارت ترتیب سے ذکر تھی تو اس سورت میں ترتیب سے سرکش اور پرہیزگار کی تعریف ذکر کرتا ہے چوتھی وجہ یہ ہے کہ اُس سورت کے شروع میں سوالات کرنے پر زجر تھی اور اس سورت کے آخر میں اس طرح زجر ہے۔

سورت کا بنیادی مضمون: اثبات قیامت ہے، شواہد، ہیجوں تخویف دنیاوی اور دلائل کے ذریعے اور اس میں تین اسمائے حسنیٰ اور دس صفات فعلیہ ذکر کی ہیں۔

سورت کا خلاصہ: سورۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے پانچ شواہد ذکر کیے پھر آیت 10 تک حشر (قیامت) کے دس احوال ذکر کئے پھر پانچ آیتوں میں زواجر ہیں پھر دس آیتوں میں فرعونیوں کے واقعے کے ذریعے سے تخویف دنیاوی ہے پھر آیت 33 تک دس عقلی دلائل ہیں پھر قیامت کے چار احوال کے ذریعے تخویف اُخروی ہے اور اس کے ساتھ سبب ذکر ہے جو کہ طغیان (سرکشی) ہے پھر خوشخبری اور اس کے اسباب آیت 41 تک مذکور ہے۔پھر سورت کے آخر میں چار طریقوں

سے سوال اور جواب کے ساتھ زجر ہے۔

تفسیر 1 تا 5 یہ آیت 1 تا 5 شہادت کے لئے ہیں اور مقسم بہ وہ چیزیں ہیں جن کی یہ پانچ صفات ہیں اور صفات، موصوف کی جگہ پر قائم کی گئی ہیں اور صفات اسوجہ سے ذکر کی ہیں کہ شہادت میں ان صفات کا دخل ہے صرف ذوات کا دخل نہیں ہے پھر مفسرین کا اختلاف ہے بعض کا کہنا ہے کہ یہ صفات ایک موصوف کے لئے ہیں اور صفت کو صفت پر عطف کرنا مشہور ہے تو اس بناء پر قسم ایک ہے یعنی پہلا واؤ قسمیہ ہے اور بعد کے دو واؤ اور دو فاء عطف کے لئے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صفات الگ الگ موصوف کی ہیں تو پانچ قسم ہوئے پھر پہلے قول کے مطابق (کہ موصوف ایک ہوجائے) تو اس میں مشہور پانچ اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یہ ساری صفات ملائک کی ہیں جو روح کے قبض کرنے پر مقرر ہیں دوسرا یہ ہے کہ یہ صفات العادیات کی طرح حملہ کرنے والے گھوڑوں کی ہیں۔ تیسرا یہ ہے کہ یہ صفات نیک لوگوں کی ہیں جو دین حق کی دعوت اور تبلیغ کرتے ہیں چوتھا یہ تاروں کی صفات ہیں۔ پانچواں یہ نیک لوگوں کی ارواح کی صفتیں ہیں اور اسکے علاوہ دوسرے غیر مشہور اقوال بھی ہیں مفسر ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ کسی ایک موصوف کی تعین پر دلیل قطعی نہیں ہے تو یہ صفات جس موصوف کے ساتھ مناسب ہوں اور وہ قرآن کی شان سے (دور نہ ہوں) تو وہ سب مراد ہو سکتی ہیں اور مفسر ابن عطیہ سے آلوسی نے نقل کیا ہے کہ اس بات میں مجھے کوئی اختلاف معلوم نہیں کہ اس سے مراد ملائک ہیں۔ اور آلوسی نے کہا ہے کہ کہ یہ اقوال اکثر قرآن کی عظمت شان کے لائق نہیں ہیں اور قرآن کے ساتھ اسکی پوری مناسبت نہیں ہے خصوصا ان صفات کو ستاروں پر محمول کرنا نجومیوں اور فلاسفہ کے باطل قول کی تائید کرتا ہے کیونکہ اس سے وہ ستاروں کی تاثیر ثابت کرتے ہیں اور اسی طرح نیک بزرگوں کی روحوں پر اس کو محمول کرنا کم عقل لوگوں کے غلط عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ وہ عقیدہ رکھتے ہے کہ اولیاء کرام موت کے بعد بھی عالم میں تصرف کرتے ہیں یعنی بیماروں کو تندرست کرتے ہیں غرق ہونے والوں کو نجات دیتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرتے ہیں اس عقیدے کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تصرفات انکے حوالے کئے ہیں اور بعض یہ پانچ اولیاء کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور یہ سب جہالت ہے (بلکہ صریح شرک ہے اسلئے کہ یہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں حق دار بناتا ہے) سوال (۱) امام رازی نے تفسیر کبیر میں کہا ہے کہ بزرگوں کی یہ روحیں جب جسموں سے الگ ہوجاتی ہیں تو انکے آثار اور احوال دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں بلکہ کبھی ایک مرا ہوا مرشد اپنے زندہ مرید کو نفع دیتا ہے جواب: امام رازی کا یہ قول بے دلیل ہے اور قرآن کریم کی توحید کے ان دلائل کے صریح خلاف ہے جو دلالت کرتے ہیں

ہے کہ پیغمبر اور اولیاء موت کے بعد دنیا والوں کے حال سے بے خبر ہیں جیسے سورۃ مائدۃ آیت 109 میں ہے اور ان کی روحیں دنیا کی طرف واپس نہیں آسکتی ہیں جیسے سورۃ انبیاء آیت 95 اور سورۃ یٰسٓ آیت 31 میں ہے نیز اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جو غیر اللہ سے تصرف اور ملکیت کی نفی پر صریح ہیں تو ان نصوص کی مخالفت میں کسی امام اور مفسر کا قول صحیح نہیں ہے چاہے رازی ہو، یا غزالی ہو اور چاہے کوئی اور ہو اور عجیب بات یہ ہے کہ رازی نے اسکی تائید میں جالینوس کا قول اور یہ قول ''إِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُورِ فَاسْتَعِينُوا بِأَصْحَابِ الْقُبُورِ'' ذکر کیا ہے جالینوس یونانی حکیم تھا اس کے مسلمان ہونے کا ثبوت بھی نہیں ہے اور یہ حدیث موضوع ہے اس پر میں نے التبیان میں بحث کی ہے جیسے مجموعۃ الفتاویٰ میں مولانا عبدالحیٔ اور البلاغ المبین میں شاہ ولی اللہ اور بہت سے دوسرے اہل علم نے اس کو موضوع کہا ہے اور جب روایت موضوع ہے تو اسکی تاویل کرنا بھی ناجائز ہے اور اسی وجہ سے مفسر آلوسی نے اس کا رد کیا ہے جیسے پہلے ذکر ہوا۔

سوال 2: مفسر آلوسی کی عبارت کا معنی یہ ہے کہ توقف (شک) اس بات میں نہیں کرنا چاہئے کہ کبھی اللہ تعالیٰ موت کے بعد بعض اولیاء کو کرامت دیتا ہے تو وہ مریض کو صحت یاب کرتے ہیں اور غرق ہونے سے بچاتے ہیں اور بارش برساتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور کبھی اللہ تعالیٰ کسی ولی کے مشابہ شکل ظاہر کرتا ہے تو وہ (متشابہ) کرتا ہے جو اس شخص نے اس ولی کی حرمت سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے۔ جواب: اس کا بھی پہلا جواب وہی ہے جس طرح پہلے سوال کے جواب میں گزرا ہے کہ علامہ آلوسی نے اس پر کوئی شرعی دلیل ذکر نہیں کی ہے اور انہوں نے اس کے خلاف بات سورۃ مائدۃ کی تفسیر وسیلہ کی بحث میں کہی ہے کہ آپ کو یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ مخلوق سے فریاد رسی کرنے والے کی جب کبھی ضرورت پوری کی جائے اور اسکا مقصد پورا کیا جائے تو یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان ہے اور کبھی شیطان ولی کی شکل میں مدد مانگنے والے کو ظاہر ہوتا ہے تو وہ شخص یہ گمان کرتا ہے کہ یہ اسکی کرامت ہے نہیں، نہیں شیطان نے اس کو گمراہ کیا ہے (جلد 7 صفحہ 129) روح المعانی میں دیکھو کہ یہ عبارت بالکل پہلی عبارت کے متضاد ہے تو معلوم ہوا کہ اس مقام میں مفسر صاحب نے لغزش کی ہے یا ان کی کتاب میں بعض باغیوں نے خلط ملط کی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر بات صحیح ہو جائے تو اسی طرح بت پرستوں کی ضرورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ پورا کرتا ہے تو بت پرست بھی کہے گا یہ اس بت کی کرامت ہے العیاذ باللہ اسکے ذریعے سے شرک کے دروازے کھلتے ہیں۔ پہلے قول کی بناء پر کہ یہ ملائک کی صفات ہیں ان آیات کا معنی یہ ہے کہ ان ملائک کی قسم جو سختی کے ساتھ کافروں کی روحیں کھینچتے ہیں تو غَرْقًا مِنْ غَيْرِ لَفْظِهِ مفعول مطلق ہے اور ان ملائک کی قسم

جو آسانی کے ساتھ ایمان والوں کی روحیں کو کھولتے ہیں اور ان ملائک کی قسم جو آسمان وزمین کے درمیان آتے جاتے ہیں آسانی سے (پانی میں تیرنے کی طرح) تو نَشْطًا اور سَبْحًا بھی مفعول مطلق ہیں پس ان ملائک کی قسم جو رب کے حکم کے لئے سبقت کرتے ہیں سبقت کرنا (سَبْقًا بھی مفعول مطلق ہے) پس ان ملائک کی قسم جو بعض کاموں کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تدبیر کرتے ہیں تو اَمْرًا مفعول بہ یا مفعول لہ ہے اور ملائک کی تدبیر اس طرح ہے کہ جن کاموں پر مقرر ہوئے ہیں تو وہ کام پورا پورا ادا کرتے ہیں جیسے ایک شخص نوکر کو کوئی ایک کام حوالے کردے اور وہ ادا کرے واضح رہے کہ تدبیر سے مراد الوہیت کے تصرفات نہیں ہے۔ فائدہ: پہلی تین صفات واؤ کے ساتھ ذکر کی تھیں انکا ایک دوسرے سے ربط اور قرب نہیں ہے اور بعد والی دونوں میں فاء لایا ہے کہ وہ دونوں حالتیں ماقبل سے پیوست ہیں اور سرعت کے ساتھ ہیں اسکا جواب قسم پوشیدہ ہے، بعد والی آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں: (لَتُبْعَثُنَّ وَلَتُحَاسَبُنَّ) یعنی ملائک کی طرف سے روحوں کے ساتھ یہ کام دلیل ہے کہ یہ روحیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں جب بھی چاہے گا تو جزاء اور حساب کے لئے جسم کی طرف ان کو واپس کردے گا۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝٨ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩ يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝١٠ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝١١ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۝١٣ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤

"جس دن کانپنے والا کانپے گا[6]۔ اسکے بعد ایک پیچھے آنے والا آئے گا[7]۔ اس دن دل دھڑکتے ہونگے[8]۔ انکی نگاہیں نیچی ہوں گی[9]۔ وہ کہیں گے کیا ہم پرانی حالت کی طرف واپس لوٹائے جائیں گے[10]۔ کیا اس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجائیں گے[11]۔ کہتے ہیں پھر تو یہ لوٹنا نقصان ہوگا[12]۔ پس بے شک یہ تو ایک چیخ ہے[13]۔ پس اس وقت وہ ایک میدان میں جمع ہوجائیں گے"[14]۔

تفسیر 6، 7 "الرَّاجِفَةُ: جب تَرْجُفُ متعدی ہوجائے اور مفعول اسکا پوشیدہ ہو تو راجفہ پہلے صور پھونکنے کے معنی میں ہے کہ وہ ساری زمین اور تمام چیزوں کو ہلا دیگا اور جب تَرْجُفُ لازمی ہو تو اَلرَّاجِفَةُ سے مراد زمین ہے کہ اس میں بڑا زلزلہ آئے گا۔ اَلرَّادِفَةُ قیامت کے لئے دوسرا صور ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا

چونکہ انکے درمیان اور کچھ نہیں ہے اسی وجہ سے دوسرے صور کو رادفہ کہا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4814)

تفسیر 8، 9 اشارہ ہے کہ اس دن کی ہیبت کا اثر دل اور آنکھوں دونوں پر ہوگا قُلُوْبٌ: نکرہ ہے اس سے مراد بعض دل ہیں یعنی کافروں کے دل وَّاجِفَةٌ: ڈرتے ہونگے، اپنی جگہ سے دور ہونے والے، بھاگنے والے۔ اَبْصَارُهَا ضمیر قلوب کی طرف راجع ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی اَبْصَارُ اَصْحَابِهَا۔ خَاشِعَةٌ: نیچے، ذلیل، عاجزی کرنے والے۔

تفسیر 10 یہ قیامت کے انکار پر زجر ہے نیز یہ دلوں اور آنکھوں کی ہیبت کا سبب ہے جو پہلے ذکر ہوا۔ الْحَافِرَةِ: پہلی حالت، دنیا میں جس میں قبریں کھودی جاتی ہیں، جہنم کی آگ، پہلا قول راجح ہے۔

تفسیر 11 یہ بھی زجر ہے اور ماقبل کی بہ نسبت زیادہ تعجب ہے۔ نَّخِرَةً: پرانی، ریزہ ریزہ کھوکھلی اور خالی۔ خَاسِرَةٌ: واپس ہونا نقصان دہ ہے یہ استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ جب دنیا کی طرف واپس آئیں گے تو ہمارے مال اور گھر وغیرہ نہیں ہونگے یہ تو ہمارا نقصان ہوگا یا یہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے یہ نقصان دہ ہوگا کہ جو بھی اسکو جھٹلاتے ہیں یا آگ کی طرف واپس ہونا نقصان دہ ہے یا خَاسِرَةٌ كَاذِبَةٌ بَاطِلَةٌ کے معنی میں ہے۔

تفسیر 13، 14 اس میں آسان طریقے سے قیامت کو ثابت کرنے کے ساتھ زجر ہے زَجْرَةٌ: ڈانٹ کے ساتھ آواز اس سے مراد دوسرا صور (پھونکنا) ہے اور اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ اس آواز کے ساتھ ساری مخلوق کھڑی ہو جائے گی اور چھپے نہیں چل سکے گی اور میدان محشر میں جمع ہوگی۔ وَّاحِدَةٌ: یعنی دوبارہ ضرورت نہیں ہے جیسے سورۃ نحل آیت 77 اور سورۃ قمر آیت 50 میں ذکر ہوا ہے بِالسَّاهِرَةِ: زمین کے اوپر صاف میدان ہوگا یعنی زمین کے پیٹ سے باہر میدان کی طرف نکلیں گے کہ نہ پہاڑ اور نہ ٹیلے ہونگے اور نہ گڑھے ہونگے جیسے سورۃ کہف آیت 47 اور سورۃ طٰہٰ آیت 107 میں ذکر ہوا ہے۔

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝١٥ إِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٦ اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهٗ طَغٰى ۝١٧
فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلٰٓى أَنْ تَزَكّٰى ۝١٨ وَأَهْدِيَكَ إِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝١٩ فَأَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝٢٠ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝٢١
ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعٰى ۝٢٢ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝٢٣ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى ۝٢٤ فَأَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْأُوْلٰى ۝٢٥ إِنَّ فِيْ

ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝٢٦

یقیناً آپکے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر آئی ہے[15]۔جب ان کو ان کے رب نے پاک میدان میں آواز دی جو کہ طویٰ ہے[16]۔فرعون کی طرف جاؤ یقیناً اس نے سرکشی کی ہے[17]۔پس کہو کیا تم چاہتے ہو کہ تم پاک ہو جاؤ[18]۔اور میں تمھیں تمھارے رب کی طرف راہ دکھاؤں پس تم ڈر جاؤ گے[19]۔پس اسکو بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں[20]۔پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی[21]۔پھر پیٹھ پھیری کوشش کرتے ہوئے[22]۔پس (جادوگروں کو) جمع کیا تو آواز دی[23]۔پس کہا کہ میں تمہارا بلند رب ہوں[24]۔پس اللہ تعالیٰ نے اسکو دنیا اور آخرت کی سزا سے پکڑا[25]۔بیشک اس میں انکے لئے عبرت ہے جو ڈرتے ہیں"[26]۔

تفسیر 15، 16 اس واقعہ کے ذکر کرنے میں بعد کے منکرین کے لئے فرعون اور اس کی آل کے ہلاک کرنے کے ذریعے تخویف دنیاوی اگرچہ وہ بہت طاقتور تھا۔یعنی یہ منکرین اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے جیسے فرعون نہیں بچ سکا اس طرح اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے اور اسی طرح یہ قیامت کو ثابت کرنے کے لئے دوسرا طریقہ ہے۔ھَلْ استفہام تقریری تاکید کے لئے ہے اور قد کے معنی میں ہے یعنی اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے یہ قصہ بار بار بیان ہوا ہے۔ اِذْ لفظ حدیث کے ساتھ متعلق ہے۔نَادٰىهُ: ندا اور کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى: جیسے سورۃ طٰهٰ آیت 12 میں مذکور ہے طویٰ اسکا نام تھا کہ اس میں برکات رکھیں گئی ہیں۔

تفسیر 17، 18، 19 یہ نداء کی تفصیل ہے۔فِرْعَوْنَ: اور ساتھ میں انکی قوم بھی مراد ہے لیکن انکی تخصیص اسوجہ سے کی کہ وہ متشدد تھا اور اس نے لوگوں کو اپنے دین کے سوا ہر دین سے روک رکھا تھا اور یہ انکی سرکشی تھی جو اِنَّهٗ طَغٰى: میں مذکور ہے، اس نے کفر اور شرک کے ساتھ حد سے تجاوز کیا تھا اور لوگوں پر ظلم کیا تھا، نیز حق دین سے منع کرنے کے ساتھ حد سے تجاوز کیا تھا۔فَقُلْ هَلْ لَّكَ: یہ نرم لہجے سے دعوت کا طریقہ ہے هَلْ: کا لفظ ترغیب اور حق کی اجابت کے مطالبے کے لئے ہے۔اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى: الی کا لفظ ترغیب اور دعوت کی تضمین پر دلالت کرتا ہے یعنی اُرَغِّبُكَ وَاَدْعُوْكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى تزکیہ باطنی پاکی کو کہا جاتا ہے اور یہ توحید سے حاصل ہوتی ہے اشارہ ہے کہ شرک اور کفر گندگی ہے اور اس سے ایمان اور توحید سے پاکی حاصل ہوتی ہے اور یہ تزکیہ عذاب سے بچنے کو مستلزم ہے وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ: اشارہ ہے کہ فرعون شرک فی الربوبیت میں مبتلا تھا۔اسکو توحید ربوبیت کے دلائل پیش کرنے ضروری تھے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت خشیت کو مستلزم ہوتی

ہے اس وجہ سے فَتَخْشٰى: کو لماء کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اس بات پر دلیل ہے، تو تزکیہ اور ہدایت کی ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ تزکیہ میں تخلیہ کی طرف اشارہ ہے اور ہدایت میں تحلیہ کی طرف اشارہ ہے یعنی پہلے شرک کے عقیدے سے نکالنا ہے اور پھر توحید کے ذریعے سے مزین کرنا ہے اور اسکے بعد خشیت کا مرتبہ ہے اور خشیت سارے دین پر استقامت کو مستلزم ہے اسلئے کہ اس میں نیکیوں کا کرنا اور گناہوں سے اجتناب داخل ہے۔

تفسیر 20 اس آیت سے فرعونیوں کے دس حالات کا ذکر ہو رہا ہے، الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى: یہ اسم جنس ہے اور اس سے مراد وہ سارے نو معجزات ہیں جو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے اور بعض مفسرین نے اس کو لاٹھی کے معجزے کے ساتھ خاص کیا ہے کہ وہ ظاہر میں ایک معجزہ تھا اور اصل میں بہت سے معجزوں پر مشتمل تھا یعنی جنس کا بدلنا، جمادات میں حیات اور اجزاء کا زیادہ ہونا، زیادہ چیزوں کا نگلنا، بڑی قوت اور غلبہ حاصل ہونا تو معلوم ہوا کہ یہ بڑا معجزہ تھا اور یہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلیل ہے۔

تفسیر 21، 22، 23 ''فَكَذَّبَ وَعَصٰى: زبان سے جھٹلایا اور عملاً نافرمانی کی یا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ثُمَّ اَدْبَرَ: اپنی گمراہی کے بعد لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنے لگا خود بھی گمراہ تھا اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہا تھا اَدْبَرَ: حق کی طرف پیٹھ کی یا موسیٰ علیہ السلام کی طرف پیٹھ پھیری یعنی ان کے ساتھ باتیں کرنا چھوڑ دیں اور مقابلے کا ارادہ کیا یا ثعبان (اژدھا) کے خوف کی وجہ سے پیٹھ پھیری۔ يَسْعٰى: (اَدْبَرَ) میں پہلی دو توجیہات کے ساتھ معنیٰ یہ ہے کہ مقابلے کرنے کے لئے کوشش کی اور تیسری توجیہ کی بناء پر مراد یہ ہے کہ سانپ سے بچنے کے لئے بھاگنے لگا فَحَشَرَ: یعنی آواز سنانے کے لئے لوگوں کو جمع کیا یا جادو کرنے کے لئے جادوگروں کو جمع کیا یا لشکر جمع کئے۔

تفسیر 24 امام ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ سورۃ قصص آیت 41 میں جو کلمہ مذکور ہے فرعون نے یہ بات اس کے چالیس سال بعد کہی ہے۔ اس کلمے کا مطلب یہ تھا کہ فرعون شرک فی الالوہیت کا مرتکب تھا۔ اور اس کلمہ سے مراد یہ ہے کہ یہ مشرک فی الربوبیت تھا اور رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى: سے مراد یہ تھا کہ دنیا تو صرف مصر ہے اور اسکے تمام تصرفات اور انتظامات میرے اختیار میں ہیں میرے علاوہ کوئی دوسرا تدبیر کرنے والا نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے تصرف اور تدبیر کرنے سے انکار کیا اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مراد اس کی یہ تھی کہ ''اور بھی معبود اور رب ہیں ہر ایک ضرورت پوری کرنے کے یا خاص مصیبت دور کرنے کا ذمہ دار ہے اور میں (فرعون) تو تمام ضروریات کے پورا کرنے کا ذمہ دار ہوں لہٰذا باقی سے اعلیٰ ہوا'' یہ اس بات

کی دلیل ہے کہ فرعون خالق کا منکر تھا تو دہری تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے (تصرف اور تدبیر کرنے کے معنی میں) منکر تھا اور خود اپنے لئے یہ دعویٰ کرتا تھا۔

تفسیر 25 فرعون کے مذکورہ اقوال اور افعال اسکے مواخذے کے لئے سبب بن گئے اور آخَذَ: فعل ماضی دلیل ہے کہ فرعون غرق ہونے سے نہیں بچا اور اسی طرح سورۃ ذاریات آیت 40 میں مذکور ہے نَكَالَ: اس سزا کو کہا جاتا ہے جو مستقبل میں اس گناہ کے کرنے سے منع کرتی ہو اسی وجہ سے یہ محسوس ہونے والے عذاب میں استعمال ہوتا ہے۔ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰی: بعد والے کلمے سے مراد اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ہے اور پہلے کلمے سے مراد مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ ہے یا آخرت سے مراد قیامت ہے اور اَلْاُوْلٰی سے مراد دنیا ہے اور ابن کثیر نے صرف اس معنی کو صحیح قرار دیا ہے، سورۃ ہود آیت 99 اور سورۃ قصص آیت 41 اس کے لئے دلیل ہے لیکن نکال کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ پہلا معنی راجح ہے اور اسی طرح لفظ عبرت پہلے معنی پر دلالت کرتا ہے۔

تفسیر 26 اس میں بعد والے لوگوں کے لئے اس واقعہ کا فائدہ ذکر کرتا ہے کہ فرعون کے عذاب میں منکرین کے لئے عبرت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور صبر کرنے کے ذریعے سے عبرت ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

"کیا تم سخت پیدائش والے ہو یا آسمان جو اس نے بنایا ہے [27]۔ اس کی چھت کو بلند کیا پس برابر کیا اس کو [28]۔ اور اسکی رات کو تاریک کیا اور اسکے دن کو نکالا [29]۔ اور اسکے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا ہے [30]۔ اس سے پانی اور چارہ نکالا [31]۔ اور پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے گاڑھ دیا ہے [32]۔ تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے" [33]۔

تفسیر 27، 28، 29 ان آیتوں میں قیامت کو ثابت کرنے کے لئے دس دلائل ذکر کیے گئے ہیں یعنی فرعون کا واقعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل تھی تو یہ عالم بھی اور پیچھے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے لہٰذا وہ قیامت کو قائم کر سکتا ہے۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ: استفہام توبیخ اور زجر کے لئے ہے اور انکاری ہے یعنی تمہاری پیدائش تو سخت نہیں ہے بلکہ آسمانوں کی پیدائش بڑی ہے جیسے سورۃ غافر آیت 57 میں ہے۔ رَفَعَ سَمْكَهَا: یہ بنانے کی تفسیر ہے۔ سَمْكٌ: بلند کو کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد

آسمان کی چھت ہے فَسَوّٰىهَا: یعنی بغیر تفاوت، نقصان اور ٹیڑھے پن کے ہموار کیا ہے۔ وَ اَغْطَشَ: رات اور چاشت کی اضافت آسمان کی طرف کی ہے اسلئے کہ ان دونوں کا تعلق سورج اور چاند سے ہے اور وہ دونوں آسمان کی طرف منسوب ہیں۔ ضُحٰىهَا: اس سے مراد دن ہے لیکن چاشت کے وقت میں روشنی زیادہ ہوتی ہے اسی وجہ سے یہ تعبیر کی ہے اور چونکہ رات کا بڑا فائدہ اندھیرا ہے تو اغطش ذکر کیا اور دن کا بڑا فائدہ روشنی ہے اور باہر نکلنا ہے اور ظاہر ہونا ہے تو ضُحٰی اور اَخْرَجَ ذکر کیا ہے۔

تفسیر 30 علوی دلیل کے بعد سفلی دلیل ذکر کرتا ہے۔ دَحٰىهَا: دَحْو بچھانے کو کہا جاتا ہے اور رہنے کے لئے برابر کرنے کو بھی کہا جاتا ہے بَعْدَ ذٰلِكَ: سوال: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمانوں کے بعد بنایا ہے اور سورۃ بقرۃ آیت 29 اور سورۃ حٰم سجدۃ آیت 9 سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو پہلے پیدا کیا ہے۔ جواب: اس کی بعض تحقیق سورۃ بقرۃ اور سورۃ حٰم سجدۃ کی تفسیر میں گزری ہے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ بقرۃ کی تفسیر میں کہا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہے اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے (اجماعی بات ہے) سوائے اسکے جو ابن جریر نے قتادہ سے روایت کیا ہے اور امام قرطبی نے اس میں توقف کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسکے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ''زمین آسمان سے پہلے پیدا کی گئی ہے لیکن آسمان کے بعد بچھائی گئی ہے اور امام قرطبی نے یہاں دوسری توجیہ یہ کی ہے کہ بَعْد مع کے معنی میں ہے اور معیت کا معنی یہ ہے کہ پیدائش میں دونوں ساتھ ہیں اگرچہ ایک پہلے اور دوسرا بعد میں ہے اور اس کو تعقیب ذکری بھی کہا جاتا ہے۔

تفسیر 31، 32، 32 حرف عطف ذکر نہیں کیا ہے اشارہ ہے کہ یہ دَحٰوٰا کی تفسیر ہے یعنی اس میں نہریں اور پہاڑ بنائے اور یہ مخلوق کے فائدے کے لئے تیار کی گئی ہے۔ مَآءَهَا: اس سے چشموں اور کنوؤں وغیرہ کا پانی مراد ہے یہ پانی زمین میں امانت ہے اور اصل میں آسمانی پانی ہے۔ مَرْعٰىهَا: اس سے مراد وہ درخت اور پودے ہیں جن پر انسانوں کے فائدے موقوف ہیں یعنی ہر قسم کے دانے، ہر قسم کے پھل، لکڑیاں، کپڑے اور آگ جو زمین کی لکڑیوں سے پیدا ہوتی ہے اور نمک جو پانی سے پیدا ہوتا ہے۔ وَ الْجِبَالَ: یہ تفسیر کی شرط کے ساتھ منصوب ہے یعنی اسکا فعل مقدر ہے اور بعد والا فعل اس کی تفسیر کرتا ہے یعنی اَثْبَتَ الْجِبَالَ۔ اَرْسٰىهَا: 2 سے مضبوط کرنا یعنی کیلوں کی طرح زمین میں مضبوط گاڑھ دیئے ہیں جیسے وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا میں ذکر ہوا۔ مَتَاعًا: یہ ماقبل دونوں فعلوں (اَخْرَجَ وَاَرْسٰىهَا) کا مفعول لہ ہے اشارہ ہے کہ

زمین، پانی، درختوں اور پودوں میں انسانوں اور انکے جانوروں کے لئے زندگی گزارنے کے بے شمار اسباب ہیں۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾ فَأَمَّا مَن
طَغَىٰ ﴿٣٧﴾ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ
الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾

"پس جب بڑا ہنگامہ آئیگا [34]۔ جس دن انسان یاد کریگا جو اس نے عمل کیا ہے [35]۔ پس وہ جس نے سرکشی کی [36]۔ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی [38]۔ پس بیشک جہنم اسکا ٹھکانا ہے [39]۔ اور وہ جو رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکدیا [40]۔ پس بیشک جنت اسکا ٹھکانا ہے" [41]۔

تفسیر 34، 35، 36 اس آیت سے 39 تک قیامت کی ہیبتوں کے ذکر کے ذریعے سے آخرت کا خوف مذکور ہے۔ الطَّامَّةُ: یہ اصل میں پانی کے اس سیلاب کو کہا جاتا ہے جو کنووں اور وادیوں کو بھردے۔ طَمَّ: دفن کرنے اور اوچھائی کو کہا جاتا ہے تو یہ قیامت کا نام ہے یعنی ایسی مصیبت جو ہر چیز کا احاطہ کرلےگی اور ہر مصیبت سے اونچی ہوگی۔ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ: یہ جاءت کے لئے ظرف ہے اور یہ سورۃ فجر آیت 23 کی طرح ہے۔ مَا سَعٰى: مَا موصولہ ہے یا مصدریہ ہے۔ يَتَذَكَّرُ میں اشارہ ہے کہ انسان دنیا میں کوئی عمل کرلیتا ہے تو وہ بھلا دیتا ہے جیسے سورۃ مجادلہ آیت 6 میں ہے۔
وَبُرِّزَتِ: یہ بھی یادداشت کا سبب ہے لِمَنْ يَّرٰى: اس سے ہر دیکھنے والا مراد ہے چاہے مومن ہو یا کافر ہو اسکے بعد دونوں فریقوں کی تفصیل ہے نیز مومن جب جہنم کو دیکھ لیگا تو جنت کی نعمت کی قدر اور بڑھ جائیگی۔

تفسیر 37، 38، 39 "فَأَمَّا مَنْ طَغٰى: یہ فَإِذَا: کے لئے جواب ہے اور دو قسموں پر لوگوں کی تقسیم ہے: سرکش کافر اور کامل مومن اور اکثر آیتوں میں فاسق کا ذکر مخفی رکھا ہے اسکے خوف اور امید کے لئے طَغٰى: حقوق اللہ اور حقوق العباد میں حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا اور طغیان میں انتہائی درجہ مراد ہے جو کہ کفر اور شرک ہے۔ وَآثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا: یعنی دنیا کی محبت میں اس قدر منہمک ہوا کہ آخرت کو بالکل بھلا دیا ہے اور یہ سبب کا مسبب پر عطف ہے۔ هِيَ الْمَأْوٰى: هِيَ ضمیر فصل حصر اور تاکید کے لئے ہے اور یہ قرینہ ہے کہ سرکش سے مراد کافر اور مشرک ہے۔

تفسیر 40، 41 یہ دوسری قسم کے لوگوں کے لئے بشارت ہے مَقَامَ رَبِّهٖ: مقام مصدر میمی ہے قیام کے معنی میں، اور یہ اضافت الی المفعول یا الی الفاعل ہے پہلے کی بناء پر آخرت میں مراد ہے یعنی حساب کے دن میں رب کے سامنے

کھڑا ہونا یا دنیا میں مراد ہے یعنی گناہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف پیش ہونے سے ڈرتا ہے اور گناہ کو چھوڑتا ہے اور دوسرے (فاعل کی طرف اضافت) کی بناء پر رب کا قیام مخلوق پر قدرت اور علم کے معنی میں ہے یعنی ڈرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سر پر حاضر ہے اور قادر ہے تو گناہوں سے اپنے آپکو بچاتا ہے۔ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى: یہ مسبب کا سبب پر عطف ہے یعنی خوف گناہوں سے منع کرنے کا سبب ہے یعنی نفس امارۃ بالسوء کو خواہش کی اتباع بلکہ خواہشات کی سوچ اور ارادے سے منع کرتا ہے سہل تستری نے کہا ہے کہ خواہشات کا چھوڑنا جنت کی چابی ہے تو اس طرح خواہشات کی اتباع گناہوں کی چابی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿42﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿43﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿44﴾ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿45﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿46﴾

"یہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اسکا واقع ہونا کب ہے [42]۔ آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق ہے [43]۔ اسکے علم کی انتہا تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے [44]۔ یقیناً آپ ان کو ڈرانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتے ہیں [45] جس روز یہ اس کو دیکھ لیں گے (گمان کریں گے) کہ وہ دن کا آخری حصہ یا اول حصہ (دنیا میں) رہے ہیں" [46]۔

تفسیر 42 یہ قیامت کے احوال کے ذکر کرنے کے بعد قیامت کے انکار پر زجر ہے مُرْسٰىهَا: مصدر میمی یا ظرف ہے۔

تفسیر 43 اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کے طور پر جواب دیا گیا ہے فِيْمَ: یہ خبر مقدم ہے اور اَنْتَ مبتداء موخر ہے اور استفہام انکاری ہے۔ ذِكْرٰىهَا: قیامت کے معین وقت کو ذکر کرنا اور بیان کرنا یعنی آپکے پاس اسکے علم کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ذِكْرٰىهَا: مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور فاعل اسکا پوشیدہ ہے یعنی ذِكْرُكَ اِيَّاهَا۔

تفسیر 44، 45 "اِلٰى رَبِّكَ: اس کو تخصیص اور حصر کے لئے پہلے لایا مُنْتَهٰىهَا: مُنْتَهٰى عِلْمِهَا یعنی جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کرتا ہے اور اسکا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جیسے سورۃ حم سجدۃ آیت 47 اور سورۃ اعراف آیت 187 میں ذکر ہوا ہے۔ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ: اور ڈرانے والے کی شان کے لئے دلائل کے ساتھ قیامت کے آنے کا نفس علم کافی ہے اور وقت معینہ کا علم تو ڈرانے والے کے لئے ضروری نہیں ہے۔ مَنْ يَّخْشٰىهَا: انکی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ انذار سے خشیت کا فائدہ لیتے ہیں جیسے سورۃ یٰس آیت 11 میں ہے۔

تفسیر 46 یہ دوسرے طریقے پر جواب ہے یعنی یہ تو قیامت کے بارے میں اس وجہ سے پوچھتے ہیں کہ دنیا کی زندگی ان کو

بہت لمبی نظر آتی ہے لیکن جب یہ قیامت کو دیکھ لینگے تو فیصلہ کرینگے کہ دنیا کی زندگی تو آدھا دن ہے۔ كَأَنَّهُمْ: يَظُنُّوْنَ کے معنی میں ہے اور اسکا مدخول لَمْ يَلْبَثُوْا : ہے۔ عَشِيَّةً: ظہر سے سورج کے غروب ہونے تک کے وقت کو کہا جاتا ہے۔ أَوْ ضُحٰهَا : هَا ضمیر عَشِيَّةً کی طرف راجع ہے۔ سوال: ضحا دن کا ٹکڑا ہے سورج کے طلوع ہونے سے لیکر سورج کے ڈھلنے تک ہے تو عَشِيَّةً کی طرف اسکی اضافت کیوں ہوئی؟ جواب: یہ اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے اور اشارہ ہے کہ ضحی کا وقت (تقریبا) عَشِيَّةً کے وقت کے ساتھ برابر ہے یعنی آدھا دن ہے اور اسی طرح سورۃ احقاف آیت 35 میں بھی گزرا ہے اور ساعۃ (جو سورۃ احقاف میں آیا ہے) عام ہے عَشِيَّةً اور ضُحٰی دونوں پر مشتمل ہے تو انکے (مابین) کچھ منافات نہیں ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ خاص شہادتوں کا تذکرہ۔ ۲۔ قیامت کو طامۃ الکبریٰ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

۳۔ سرکشوں کے لئے وعید اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے خوشخبری کا تذکرہ۔

سورۃ النازعات کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۴۲ | ۸۰ سُوْرَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ ۲۴ | رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۙ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۭ اَمَّا

مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۭ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۭ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ

" ناراض ہوا اور منہ موڑ لیا[1]۔ اسوجہ سے کہ اسکے پاس ایک نابینا آیا[2]۔ اور تجھے کیا خبر شاید کہ وہ پاک ہوجائے[3]۔ یا نصیحت لے اور اسے نصیحت فائدہ پہنچائے"[4]۔

سورۃ عبس اس کو سورۃ السفرۃ اور سورۃ الاعمٰی اور سورۃ الصاخۃ بھی کہا جاتا ہے

سورت کا ربط: اس سورت کا پہلی سورت کے ساتھ ربط بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں منکرین کے لئے تخویف دنیاوی تھا اور اس سورت میں ان کے لئے سخت زجر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں فریقین کا ذکر ہوا تو اس سورت میں قرآن سے فائدے لینے اور اس کے برعکس قرآن سے عناد کرنے والوں کا ذکر کرتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں قیامت کا نام الطامۃ الکبریٰ ذکر تھا جس کا اثر زبان اور سارے جسم پر ہوگا تو اس سورت میں اسکا دوسرا نام ذکر کرتا ہے جو کہ الصاخۃ ہے جس کا اثر کانوں پر ہوگا۔

سورت کا بنیادی مضمون: آخرت میں دو طریقوں کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے کہ اس فرق کا اثر انکے چہروں میں ظاہر ہوگا اسلئے کہ دنیا میں قرآن کے بارے میں ان میں فرق تھا اور اسی طرح آخرت میں انکا ایک دوسرے سے فرار ذکر کرتا ہے اسلئے کہ دنیا میں ایک دوسرے کے حقوق ضائع کیے تھے اس سورت میں اسمائے حسنیٰ ذکر نہیں کیے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ گیارہ ذکر کی ہیں۔

سورت کا خلاصہ: شروع میں دعوت الی القرآن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ذکر کی ہے کہ وہ دعوت کی ہر قسم رکاوٹ پر ناراض ہوتے ہیں پھر آیت 10 تک دعوت کے ادب کا ذکر کیا ہے جو کہ رجوع کرنے والے اور عنادی کے درمیان فرق کرنا ہے۔ پھر آیت 16 تک پانچ وجوہ سے عموم کے طریقے پر (کہ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں ہوسکتی ہے)

قرآن کی طرف ترغیب ہے پھر آیت 23 تک قیامت کے دس احوال کے ذکر کے ذریعے سے قیامت کے منکرین کے لئے سخت زجر ہے پھر آیت 34 تک دس طریقوں سے قیامت کو ثابت کرنے کے لیے کھانے کے متعلق دس عقلی دلائل ہیں پھر پانچ وجوہ سے قیامت کی سختیوں کے ذکر کے ذریعے تخویف ہے اور پھر فریقین کے چہروں کا فرق ذکر ہے۔

تفسیر 1، 2 ان آیتوں سے آیت 10 تک عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ نبی ﷺ مشرکین کے سرداروں کو دعوت دینے میں مشغول تھے اس امید کے ساتھ کہ یہ اسلام کی طرف آئیں اور انکی وجہ سے اور لوگ بھی اسلام لیے آئینگے تو اس وقت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے (جو پیدائشی نابینا تھے) اور نبی ﷺ کے ساتھ دینی باتیں شروع کیں جسکی وجہ سے نبی ﷺ کی دعوت مشرکین سے منقطع ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ آنا ناگوار گزرا، اور مشرک بھی غصہ ہو گئے کہ ہماری باتیں اس اندھے فقیر نے کیوں منقطع کیں تو اسکے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوگئیں۔

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی: امام رازی نے کہا ہے کہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ ضمائر نبی ﷺ کی طرف راجع ہیں اور اعمٰی سے مراد ابن ام مکتوم ہے لیکن قاضی عیاض نے شفاء میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ عبس وتولی ضمائر اس کافر کی طرف راجع ہیں جس کے ساتھ نبی ﷺ باتیں کررہے تھے اور بعد والے خطابات نبی ﷺ کو ہیں۔ فائدہ 1: اس کو عتاب اور ڈانٹ کہنا مناسب نہیں ہے بلکہ دعوت کی تعلیم کا ادب ہے اور اس کے ضمن میں نبی ﷺ کی مدح ہے، مدح یہ ہے کہ نبی ﷺ دعوت دینے میں اتنے زیادہ حریص تھے کہ اپنے ساتھی صحابی کے مخل ہونے پر ناراض تھے اسلئے کہ اس صحابی نے تو ویسے ہی ایمان لایا تھا ضرورت یہ تھی کہ یہ دوسرے لوگ ایمان لائیں اسی وجہ سے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اصل میں بے ادبی ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے کی تھی لیکن چونکہ وہ معذور تھے اسی وجہ سے وہ ڈانٹ کے حقدار نہیں تھے اور دعوت کے ادب کی تعلیم یہ ہے کہ جب اسی حالت میں تعارض آجائے یعنی ایک طرف مالدار اور عنادی مشرکین کو دعوت دینا ہو اور دوسری طرف ایک معذور مسکین رجوع کرنے والے ساتھی کی رہنمائی ہو تو اس رجوع کرنے والے کو ان عنادیوں پر مقدم کیا جائیگا اور انکے ناراض ہونے کی کچھ پرواہ نہیں کی جائیگی فائدہ 2: اگر عبس اور تولی ضمائر نبی ﷺ کی طرف راجع ہوجائیں تب بھی ادب کی رعایت اور نبی ﷺ کی عزت کی رعایت کی وجہ سے ان کو (براہ راست) خطاب نہیں کیا گیا بلکہ غائب کے صیغے کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا۔ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى: لفظ اعمٰی کی تعبیر کے ساتھ اشارہ ہے کہ وہ معذور تھے اور معذور پر ملامت نہیں ہوتی ہے۔

تفسیر 3، 4 ان آیتوں میں رجوع کرنے والے اور عنادی کی صفتوں کا مقابلہ کرتا ہے اسلئے کہ رجوع کرنے والے کی رعایت کرنی چاہئے۔ لَعَلَّهٗ: ضمیر اعمیٰ کی طرف راجع ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر اس کافر کی طرف راجع ہے۔ وَمَا يُدْرِيكَ اس جگہ استعمال ہوتا ہے کہ جہاں بعد والی بات کا علم نہ دیا گیا ہو تو اسی طرح کسی کے ایمان حقیقی کا علم نبی ﷺ کو نہیں دیا گیا ان لوگوں کے سوا جن کو جنت کی بشارت سنائی گئی تھی۔ يَزَّكّٰى: اور يَذَّكَّرُ میں فرق یہ ہے کہ تزکیہ حرام سے نفس کی طہارت ہے اور تذکر اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنا ہے اور اسی طرح تزکیہ نصیحتوں اور دلائل کی طرف محتاج ہوئے بغیر ایمان لانا ہے اور تذکیر وعظ اور دلائل کے لئے کان لگانا ہے اور پھر اس پر عمل کرنا ہے۔ پہلے فرق کی بناء پر اَوْ: مانعۃ الخلو کے لئے ہے یعنی دونوں حالتوں کا جمع ہو سکتا ہے اور دوسرے فرق کی بناء پر اَوْ انفصال حقیقی کے لئے ہے یا مانعۃ الجمع کے لئے ہے۔ فَتَنْفَعَهُ: تو پہلے فرق کی بناء پر تفریع دونوں فعلوں پر ہے اور دوسرے کی بناء پر دوسرے فعل پر ہے۔

وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝

"لیکن جو بے پرواہ ہے [5] تم انکی (ہدایت کے) درپے ہو [6]۔ اور تم پر اس بات کا کچھ گناہ نہیں کہ وہ پاکیزہ نہ ہو [7]۔ اور لیکن جو شخص تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا [8]۔ اور وہ ڈر رہا تھا [9]۔ تو تم اس سے غفلت کرتے ہو [10]۔ نہیں بیشک یہ تو ایک نصیحت ہے [11]۔ پس جو چاہے اسے یاد کرلے [12]۔ پاکیزہ ورقوں میں ہے [13] بلند پاک صاف تھیں [14]۔ لکھنے والے ملائکہ کے ہاتھوں میں ہیں [15]۔ جو عزت والے نیکوکار ہیں" [16]۔

تفسیر 5، 6، 7 یہ معاند کا ذکر ہے۔ اِسْتَغْنٰى: مال کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے دین سے اپنے آپ کو بے پرواہ کردے، باب استفعال اس وجہ سے لایا کہ انسان اصل میں غنی نہیں ہو سکتا ہے (غنی بے حاجت ہوتا ہے) لیکن اپنے آپ کو قصداً بے پرواہ ظاہر کرتا ہے۔ تَصَدّٰى: تصدی اصل میں کسی کی بات سننے کے لئے کان لگانا ہے اور تصدی اصل میں تصدد ہے صدد سے لیا گیا ہے ایک چیز کے سامنے ہونا اور پیش ہونا۔ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى: یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے یعنی اسکا تزکیہ آپ پر واجب نہیں ہے اور تزکیہ قبول نہ کرنے کا گناہ آپ پر نہیں ہے آپ تو صرف دعوت اور تبلیغ کریں چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

تفسیر 8، 9، 10 یہ انابت کرنے والے کی صفات ہیں۔ يَسْعٰى: ہدایت اور علم طلب کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

وَهُوَ يَخْشٰى: یعنی یہ کوشش خشیت الٰہی کی وجہ سے ہے دنیاوی غرض کے لئے نہیں ہے۔ تَلَهّٰى: اصل میں تتلهّٰى ہے

اپنے آپ کو قصداً دوسرے کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے غافل کرنا۔

تفسیر 11، 12 ان آیتوں میں قرآن کی طرف ترغیب ہے۔ کَلَّآ: ردعیہ ہے یعنی ضد وعناد کی وجہ سے انابت کرنے والے سے منہ نہیں پھیرنا چاہئے یا کَلَّا حقًا کے معنی میں ہے۔ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ: ھا ضمیر سورت کی طرف راجع ہے یا قرآن کی طرف راجع ہے اور امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ گزشتہ خصلت کی طرف راجع ہے یعنی مالدار اور فقیر، ادنیٰ اور اعلیٰ کی برابری کرنا یہ تذکرہ ہے اور تنکیر تعظیم کے لئے ہے۔ ذَكَرَهٗ: قرآن سے نصیحت لے یا قرآن کو یاد کرلے اور اسکے اوامر اور نواہی اور نصیحتوں کو یاد کرلے اور ھُوَ ضمیر مذکر یا قرآن یا وحی کی تاویل کے ذریعے سے تذکرۃ کی طرف راجع ہے۔ مَنْ شَآءَ: عام ہے چاہے مالدار ہو یا فقیر، رجوع کرنے والا ہو یا ضدی۔

تفسیر 13، 14، 15، 16 اس میں قرآن کی عظمت کا ذکر ہے کہ وہ تذکرہ ہونے کے لئے سبب ہے اور اس میں صحیفوں کی تین صفات ہیں نیز ان ملائکہ کی تین صفات ہیں جو قرآن کے حاملین ہیں۔ فِيْ صُحُفٍ: یعنی یہ قرآن لوح محفوظ سے منقول ہے اور ملائکہ کے صحیفوں میں لکھا گیا ہے یا صحیفوں سے مراد سورۃ اعلیٰ آیت 18، 19 کے قرینے کے ساتھ ابراہیم اور موسیٰ علیہا السلام کے صحیفے ہیں۔ مُّكَرَّمَةٍ: اس کی کرامت (عزت) نازل کرنے والے کے کرامت کی وجہ سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کریم ہے تو اسکی وحی بھی کرامت والی ہے اور کرامت یہ ہے کہ یہ صحیفے علوم اور حکمتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ مَّرْفُوْعَةٍ: ان کی قدر ومنزلت بلند ہے یا ساتویں آسمان میں بلند رکھے ہوئے ہیں۔ مُّطَهَّرَةٍ: شکوک اور شبہات اور شیطانوں کے ہاتھوں اور کمی زیادتی سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ سَفَرَةٍ: سافر کی جمع ہے اور سفر کتابت کو کہا جاتا ہے یعنی ملائکہ ان صحائف یا بندوں کے اعمال کو لکھتے ہیں یا سفیر کی جمع ہے تو ملائکہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سفیر ہیں اور قتادہ اور وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ سفرہ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور قرآن کے قاری ہیں لیکن پہلا قول صحیح ہے اور لفظ کے عموم کی وجہ سے صحابہ کرام بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ كِرَامٍ: انکے رب کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو اپنے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھتا ہو اور اپنے فائدوں پر دوسرے کے فائدے کو ترجیح دیتا ہو یہ سب کرامات ہیں۔ بَرَرَةٍ: بار کی جمع ہے اللہ تعالیٰ کی پوری اطاعت کرنے والا اور اعمال میں سچا ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حامل قرآن کو چاہئے کہ اسکے تمام اعمال اور اقوال رشد کے طریقے پر ہوں یعنی سنت کے بالکل موافق ہوں۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ

أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٢١﴾ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿٢٢﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٢٣﴾

"انسان ہلاک ہوجائے کتنا بڑا کافر ہے [17]۔ کس چیز سے اس کو پیدا کیا [18]۔ نطفے سے پیدا کیا پس اسکا اندازہ کیا [19] پھر اسکے لئے راستہ آسان کیا [20]۔ پھر اسے موت دی پھر قبر میں دفن کیا [21]۔ پھر جب چاہے گا اسے زندہ کردے گا [22]۔ ہرگز نہیں اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا نہیں کیا" [23]۔

تفسیر 17 قرآن کی عظمت کے ذکر کے بعد قرآن سے عناد کرنے والے مخالفین کے لئے سخت زجر ہے قُتِلَ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اخبار ہے لُعِنَ (لعنت کیا گیا) کے معنی میں ہے یا بندوں کو تعلیم کے طور پر بددعا ہے۔ الْإِنْسَانُ: وہ انسان جو جھٹلانے والا اور عنادی ہے۔ مَا أَكْفَرَهُ: فعل تعجب کا صیغہ ہے اور اس سے مراد بندوں کو تعجیب (تعجب میں ڈالنا) ہے یعنی اے انسانو! اسکے کفر پر تعجب کر دیا ما استفہامیہ ہے یعنی کس چیز نے اسکو کافر کیا ہے؟ اور استفہام زجر اور توبیخ کے لئے ہے۔

تفسیر 18، 19 یہ انسان کی پیدائش کی تفصیل ہے اور کفر کو چھوڑنے کی دلیل ہے تو اسکا کفر کرنا عجیب ہے۔ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ: انسان کی تحقیر کے لئے استفہام تقریری ہے پہلے انسان کو اپنی پیدائش کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ابہام ذکر کیا ہے مِنْ نُطْفَةٍ: اسکا فعل پوشیدہ ہے یعنی خلقہ اور دوسرا لفظ خَلَقَهُ: علقے اور مضغے سے اس کی پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔ فَقَدَّرَهُ: اسکے قد و قامت و اعضاء کو برابر کرنا اور نیک بخت اور بدبخت اور اسکے وقت اور رزق کی تقدیر یہ سب اس لفظ میں شامل ہیں جیسے سورۃ کہف آیت 37 اور سورۃ انفطار آیت 7 میں ہے۔

تفسیر 20 "السَّبِيلَ: اس سے مراد ماں کے پیٹ سے بچے کے نکلنے کی راہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ نے آسان کی ہے شرنبی نے لکھا ہے کہ ماں کے رحم میں بچے کا سر اوپر اور پاؤں نیچے کی طرف ہوتے ہیں لیکن پیدائش کے وقت سر پہلے اور ٹانگیں بعد میں ہوتی ہیں یہ آسان کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا سبیل سے مراد ہدایت اور گمراہی کی راہ ہے جیسے سورۃ بلد آیت 10 اور سورۃ الدہر آیت 3 میں ہے یا فقط خیر کی راہ ہے جیسے سورۃ اللیل آیت 7، 10 میں ہے اور اور آسانی بیان کے طریقے پر دلائل کے ساتھ ہے یا توفیق اور استطاعت دینے کے ساتھ ہے۔

تفسیر 21 "ثُمَّ: دلیل ہے کہ پیدائش اور موت کے وقت اکثر فاصلہ ہوتا ہے اور فَأَقْبَرَهُ فا میں اشارہ ہے کہ دفن متصل ہونا چاہئے یعنی غسل، تجہیز و تکفین اور جنازے اور دفن کے کاموں میں جلدی کرنی چاہئے جیسے حدیث شریف میں ہے أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ (صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1315)۔ أَمَاتَهُ: یہ دلیل ہے کہ موت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور

اختیارات سے ہے طبعی امر نہیں ہے جیسے دہری کہتے ہیں۔ فَأَقْبَرَهُ: قَبَرَ اور أَقْبَرَهُ میں فرق یہ ہے کہ پہلا اپنے ہاتھوں سے دفن کرنے کے معنی میں ہے اور دوسرا دفن کرنے کا حکم دینے اور دفن کے لئے تیار کرنے کے معنی میں ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فَأَقْبَرَهُ کا حکم ہے اور قبر کے لئے تیار کرنا ہے اسی وجہ سے اقبرہ فرمایا اور قبر میں دفن کرنا اس میں اکرام ہے بہ نسبت اسکے کہ باہر پھینک دے اور پرندے اور درندے اسکو کھا جائیں۔

تفسیر 22 اس میں دوبارہ زندہ کرنے کے ساتھ تذکیر ہے۔ شَآءَ: اشارہ ہے کہ قیامت کا مقرر وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہے۔ أَنْشَرَهُ: دفن کرنے میں چھپانے کا معنیٰ تھا تو اس مناسبت سے لفظ أَنْشَرَ ذکر کیا جو چھپانے کے بعد ظاہر کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

تفسیر 23 یہ زجر ہے اور كَلَّا حَقًّا کے معنیٰ میں ہے اور بعید ہے کہ ردعیہ ہو۔ لَمَّا يَقْضِ: لما کے لفظ میں لم کی بہ نسبت نفی کی زیادہ تاکید ہے۔ مَآ أَمَرَهُ: اس سے مراد توحید اور ایمان تفصیلی ہے جو قرآن میں ذکر ہے نیز دوسرے احکام الٰہی جو کتاب اور سنت میں مذکور ہیں۔ يَقْضِ: قضاء سے ہے پورا حق ادا کرنے کو کہا جاتا ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَ
عِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَّزَيْتُونًا وَّنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَّفَاكِهَةً وَّأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾ فَإِذَا
جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ
يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾
تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

"پس چاہئے کہ انسان اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے [24]۔ یقیناً ہم نے خوب پانی برسایا [25]۔ پھر زمین کو اچھی طرح پھاڑا [26]۔ پس ہم نے اس میں سے دانے اگائے [27]۔ اور انگور اور ترکاری [28]۔ اور زیتون اور کھجور [29] اور گھنے باغات [30]۔ اور پھل اور (گھاس) چارہ [31]۔ تمہارے فائدے کے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے [32]۔ اور جب کان بہرے کر دینے والی آجائے گی [33]۔ جس دن انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا [34] اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے [35]۔ اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے [36] ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک

فکر ہوگی جس نے اس کو مشغول کر رکھا ہوگا [37]۔ اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے [38]۔ ہنستے ہوئے خوش ہو نگے [39]۔ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہونگے [40]۔ ان کو سیاہی نے ڈھانپ رکھا ہوگا [41] یہ لوگ کافر نافرمان ہیں" [42]۔

تفسیر 24 دلیل انفسی کے بعد اس آیت میں دلیل آفاقی کا ذکر ہو رہا ہے جو ان انعامات پر مشتمل ہے اور اس میں اللہ تعالی کی ربوبیت ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کے پالنے کا اصل مادہ (جو کہ خوراک ہے) اور اسکے اسباب پیدا کئے ہیں اور اس میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے اور اسی طرح اس میں قیامت کو ثابت کیا ہے کہ کس طرح اللہ تعالی نے زمین سے یہ مختلف چیزیں نکالی ہیں لہذا وہ قادر ہے کہ اس زمین سے دوبارہ انسان کو پیدا کردے۔ فَلْيَنظُرِ: اس کو نظر قلبی کہا جاتا ہے یعنی فکر کرنا اگرچہ آنکھوں کا دیکھنا بھی اسکے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

تفسیر 25، 26 یہ الٰی طَعَامِهِ سے بدل اشتمال ہے اور یہاں بھی الی پوشیدہ ہے۔ صَبَبْنَا: اس سے بہت بارش مراد ہے کہ اسکے ساتھ پودے پیدا ہوتے ہوں۔ ثُمَّ شَقَقْنَا: یعنی مضبوط زمین کو ایک کمزور کونپل سے پھاڑ دیتا ہے اور اس سے اس کونپل کو نکال دیتا ہے۔

تفسیر 27، 28، 29، 30 "قَضْبًا: گھاس چارہ یا تازہ کھجوریں اسلئے کہ قضب کاٹنے کو کہا جاتا ہے اور یہ بھی زمین اور درخت سے بار بار کاٹے جاتے ہیں وَحَدَآئِقَ: یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے اور عام باغوں پر مشتمل ہے۔ غُلْبًا: جس میں درخت زیادہ ہوں اور بڑے لمبے اور گنجان ہوں أَبًّا: وہ پودے جو پھلوں کے علاوہ ہیں اور زمین سے نکلتے ہیں جیسے جانوروں وغیرہ کا چارہ اور مفسرین نے یہاں دو روایات نقل کی ہیں: پہلی روایت یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں توقف کیا تھا اور دوسری یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسکو تکلف کہا تھا لیکن سند کے لحاظ سے پہلی روایت منقطع ہے اور دوسری روایت صحیح متصل ہے لیکن دونوں میں مقصود (واللہ اعلم) ان کا رد ہے کہ جو الفاظ کی تحقیق میں وقت صرف کرتے ہیں اور قرآن کریم کے مقصد کے متعلق فکر نہیں کرتے ہیں۔ مَّتَاعًا: اسی طرح سورۃ نازعات آیت 33 میں گزرا ہے۔

تفسیر 32 دنیاوی امور کے ذکر کے بعد قیامت کا حال ذکر کرتا ہے تاکہ دنیا آخرت کی تیاری میں صرف کی جائے۔ الصَّآخَّةُ اس سے مراد دوسرا صور پھونکنا ہے کہ اسکی آواز کانوں کو بہرا کرتی ہے اور دور کے ساتھ سنائی دیتی ہے اور یہ

قیامت کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے اور اسکی جزاء محذوف ہے یعنی ہر انسان اپنے آپ میں مشغول ہوگا، اور بعد والی آیت اس پر قرینہ ہے۔

تفسیر 33، 34، 35، 36، 37 یہ اس وجہ سے بھاگتے ہوں گے کہ انہوں نے دنیا میں حقوق ضائع کئے تھے تاکہ ان کا مطالبہ نہ کیا جائے اور ترتیب کی وجہ یہ بھی ہے کہ زیادہ حقوق بھائی کے کھائے جاتے ہیں پھر ماں کے اسلئے کہ وہ کمزور ہے پھر باپ کے کہ ان کے حقوق زیادہ ہیں اور بڑھاپے کی حالت میں وہ بہت ضائع کیے جاتے ہیں پھر بیوی کے کہ محبت کی وجہ سے حقوق تو ادا کرتے ہیں لیکن اسکے کمزور ہونے کی وجہ سے یا دوسری بیوی کی وجہ سے اسکے حقوق برباد کیئے جاتے ہیں اور پھر بیٹوں کے حقوق برباد کئے ہوتے ہیں کیونکہ انکو دینی تربیت نہیں دی ہے اس طرح یہ فرار اس وجہ سے ہوگا کہ ہر انسان اپنے غم میں اتنا مشغول ہوگا کہ جتنے محبوب رشتے ہیں وہ انہیں بھول جائے گا اور یہ ان کو کچھ بھی فائدہ دینے سے عاجز ہوگا تو بھاگے گا بعد والا جملہ اس کی علت ہے شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مرفوعاً ہے کہ قیامت کے روز لوگ بغیر جوتوں، لباس اور بلا ختنہ جمع کیے جائینگے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھیں گے تو نبی ﷺ نے فرمایا وہ حالت زیادہ مشغول کرنے والی ہے اور پھر یہ آیت تلاوت کی (صحیح بخاری کتب الرقاق حدیث 6527 صحیح مسلم صفۃ القیامۃ حدیث 2859)۔

تفسیر 38، 39 قیامت کے دن لوگ دو قسموں میں تقسیم ہونگے ان آیتوں میں پہلی قسم (سورۃ نازعات میں جن کی صفت میں مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ کہا تھا) کے لئے بشارت کا ذکر ہے۔ مُّسْفِرَةٌ: روشن ہونگے اور اس کا ایک سبب احسن طریقے سے وضو کرنا ہے جیسے صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے اور سورۃ آل عمران آیت 106 میں بھی ہے۔ ضَاحِكَةٌ: اصل میں ضحک خوشی کے معنی میں ہے مسبب کا ذکر ہے اور مراد اس سے سبب ہے۔ مُّسْتَبْشِرَةٌ: یعنی خوشی کے آثار چہرے پر صاف اور واضح ہونگے۔

تفسیر 40، 41، 42 اس میں ان لوگوں ذکر کرتا ہے جن کی صفت سورۃ نازعات میں اَمَّا مَنْ طَغٰى کے ساتھ ذکر کی تھی، انکے لئے تخویف دنیاوی ہے عَلَيْهَا غَبَرَةٌ: یہ سفرۃ کے مقابل ہے۔ قَتَرَةٌ: سیاہی کو کہا جاتا ہے جب غبار اور سیاہی ان کے چہروں میں جمع ہوں گے تو بہت قبیح نظر آئینگے اور دوسرا قول یہ ہے کہ قترہ بھی غبار کو کہا جاتا ہے، وہ غبار جو زمین سے آسمان کی طرف جاتا ہو وہ قترہ ہے اور جو اوپر سے زمین کی طرف آتا ہو تو وہ غبرہ ہے یعنی دونوں قسموں کا غبار ان پر پڑا ہوگا۔

الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ یعنی عقیدے کے اعتبار سے کافر اور عمل کے اعتبار سے فاجر ہیں، جس طرح انہوں نے کفر کے ساتھ فجور جمع کیا ہے تو انکی سزا میں بھی قترہ کے ساتھ غبرہ ملایا گیا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔نابینا صحابیؓ کا واقعہ۔ ۲۔طعام کے ذریعے انسان کی تربیت کا تفصیلی ذکر۔

۳۔قیامت کو صَاخَّۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۴۔قیامت میں چہرے دو قسم کے ہوں گے۔

۵۔ایک دوسرے سے قیامت کے دن فرار۔

سورۃ عبس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکمل ہوئی

آیاتها ۲۹ ۸۱ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ۷ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝٢ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَإِذَا
الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝٥ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝٧

"جب سورج لپیٹ لیا جائیگا[1]۔اور جب ستارے بے نور ہو جائینگے[2]۔اور جب پہاڑ چلائے جائینگے[3]۔اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں آزاد چھوڑی جائینگی[4]۔اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائینگے[5]۔اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے[6]۔اور جب روحیں جسموں سے ملادی جائینگی"[7]۔

سورۃ التکویر اور اسکا دوسرا نام اذا الشمس کورت ہے۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت کے ساتھ ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں قیامت کو ثابت کیا تھا تو اس سورت میں اسکے حالات ذکر کرتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورت میں صاخہ (قیامت) کا آنا ذکر ہوا تو اس سورت میں قیامت کا مقصد ذکر کرتا ہے کہ وہ انسان کا اپنے اعمال سے ملنا ہے۔تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں قیامت کے منکرین کو زجر تھی اور اس سورت میں رسول اور قرآن کے منکرین کو زجر ہے چوتھی وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں ذکر ہوا کہ قرآن سفرہ کے ہاتھوں میں ہے تو اس سورت میں ان میں سے بڑے سفیر کا ذکر کرتا ہے جو قرآن کو لاتا ہے یعنی جبرائیل علیہ السلام۔

سورت کا بنیادی مضمون: قیامت کے احوال کے ذریعے تخویف ہے،ساتھ ساتھ قیامت کے مقصد کا بھی ذکر ہے جو کہ انسان کا اپنے اعمال سے ملنا ہے،اور انکار کا سبب اللہ کی اس عظیم کتاب قرآن کریم کا انکار ہے جس کو جبرائیل امین اس پیغمبر پہ لاتے ہیں جو غیب بیان کرنے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیتا ہے،اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام ذکر ہے یعنی رب العالمین۔

سورت کا خلاصہ: یہ ہے کہ قیامت کے بارہ حالات ذکر کرتا ہے ان میں چھ قیامت سے پہلے فناء ہونے کے وقت کے ہیں اور چھ دوبارہ زندہ ہونے کے وقت کے ہیں اور پھر آیت 14 تک قیامت کا مقصد ذکر کیا ہے اور پھر قرآن اور رسول کی سچائی پھر جبرائیل علیہ السلام کی چھ صفات اور رسول ﷺ کے تین حالات کے ساتھ تین شواہد ہیں یہ آیت 24 تک ہے پھر آیت 25، 26، 27 میں قرآن کی تین صفات مذکور ہیں درمیان آیت 26 میں زجر ہے اور انسان کی عاجزی ذکر کرتا ہے کہ اسکی مشیت بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے اور یہ زجر سے متعلق ہے اور (ترمذی) کی حدیث میں آیا ہے کہ جو چاہتا ہو کہ قیامت کے دن کو اس طرح دیکھ لے جیسے آنکھوں کا دیکھنا تو وہ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ اور إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ پڑھ لے۔ (صحیح ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3333 مسند احمد 2-27 سلسلة الصحيحة حديث 1081)

تفسیر 1 " كُوِّرَتْ: تکویر سے ہے ایک چیز کے اجزاء کو جمع کرنا اور لپیٹنا جیسے پگڑی کو سر پر لپیٹا جاتا ہے تو اسی طرح سورج کو لپیٹ لیا جائیگا اور اسکی روشنی زائل کی جائیگی اور پھر اسے گرا دیا جائے گا۔

تفسیر 2 یہ دوسرا حال ہے انْكَدَرَتْ: انکدار اور روشنی ختم ہونا اور گرانا اور جھڑ جانا تینوں معانی صحیح ہیں۔ نُجُوْمُ: نجوم کو اس وجہ سے نجوم کہا جاتا ہے کہ آسمان کی طرف میں ان کی روشنی ظاہر ہوتی ہے تو فناء اسکے مقابل ہے۔

تفسیر 3 یہ تیسری حالت ہے پہلے احوال علویہ ذکر کیے تو اب احوال وسطیہ اور سفلیہ ذکر کرتا ہے۔ سُيِّرَتْ: اپنی جگہوں سے روانہ کیے جائینگے تو ان کے پتھر ریت بن جائینگے تو پھر روئی ہو جائینگے تو پھر غبار ہو جائینگے تو پھر سراب ہو جائینگے جیسے سورۃ نباء میں ذکر ہوا ہے اور سورۃ کہف آیت 47 میں بھی مذکور ہے۔

تفسیر 4 یہ چوتھی حالت ہے وَإِذَا الْعِشَارُ بعشار عشراء کی جمع ہے وہ اونٹنی جسکے حمل کے دس ماہ گزر گئے ہوں تو یہ مالک کے نزدیک بہت محبوب مال ہوتا ہے اور وہ اس سے ذرا بھی غفلت نہیں کرتا ہے اور اسکے بچہ پیدا ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ عُطِّلَتْ: یعنی مالک اسکے پالنے اور پانی دینے اور چارہ دینے سے انتہائی ہیبت کی وجہ سے غافل ہو جائینگے اشارہ ہے کہ قیامت کے رعب کی وجہ سے دنیا کی چیزوں کی محبت منقطع ہو جائے گی۔ عشار کے لفظ میں اور اقوال بھی ہیں: بادل، زمین لیکن پہلے قول کے سوا یہ (دیگر) اقوال سلف سے منقول نہیں ہیں۔

تفسیر 5 یہ پانچویں حالت ہے۔ وَإِذَا الْوُحُوشُ: وہ جانور جو انسانوں سے بھاگتے ہیں یعنی صحرائی جنگلی جانور لیکن یہ

انتہائی ہیبت کی وجہ سے انسانوں کے قریب جمع ہو جائیں گے حُشِرَتْ: حشر جمع ہونے کو کہا جاتا ہے جیسے حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا سورۃ انعام آیت 111 اور اَلطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً اور اسی طرح سورۃ انعام آیت 38 میں ہے تو معنی یہ ہے کہ ہیبت کی وجہ سے یہ صحرائی جانور ان کی موت سے پہلے اکٹھے کیے جائینگے پھر مارے جائینگے اور یہی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول میں مراد ہے کہ جنگلی جانوروں کا اکٹھے ہونا انکی موت ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ موت کے بعد یہ دوبارہ زندہ کیے جائینگے اور انکے درمیان بھی جزاء وسزاء ہوگی لیکن یہ صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ (صحیح مسلم حدیث 2582 ترمذی حدیث 2420 ادب المفرد للبخاری 183 احمد 2-223)

تفسیر 6 یہ چھٹی حالت ہے۔ سُجِّرَتْ: پانی سے بھر دیے جائینگے اور پانی ایک دوسرے سے مل جائیگا اور انکے درمیان سے پردہ (برزخ) ہٹا لیا جائیگا تو پھر زمین کے اوپر بہا دیے جائینگے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ دریاؤں میں آگ جلائی جائیگی اسلئے کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ إِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا (ضعیف جامع الصغیر حدیث 6343 ضعیف ابو داؤد حدیث 2400 / 2489 سلسلۃ الضعیفۃ 478)۔ سمندر کے نیچے آگ ہے (یعنی پیٹرول ہے یہ سب آگ ہو جائیگا) اور سورۃ طور آیت 6 میں بھی اس طرح گزرا ہے۔

تفسیر 7 یہاں سے وہ چھ احوال ذکر کرتا ہے جو موت کے بعد اٹھائے جانے کے وقت کے ہیں تو یہ پہلی حالت ہے۔ زُوِّجَتْ: تین قسموں میں تقسیم کئے جائینگے: (۱) السابقون (۲) اصحاب الیمین (۳) اصحاب الشمال جیسے سورۃ واقعہ آیت 7 میں ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ ہر صفت اور عمل والے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے ہو جائینگے نیک، نیک کے ساتھ فاجر فاجر کے ساتھ یہودی، یہودی کے ساتھ نصاریٰ، نصاریٰ کے ساتھ مجوسی، مجوسیوں کے ساتھ اور منافق، منافقوں کے ساتھ جمع کئے جائینگے تیسرا معنی یہ ہے کہ روحیں جسموں کے ساتھ ملائی دی جائینگی اور یہ بعث کا معنی ہے اور یہ قول ابن کثیر نے بہت سے سلف سے نقل کیا ہے اور یہ دلیل ہے کہ اس وقت سے پہلے برزخ میں روح جسم میں ایسے طریقے سے داخل نہیں کی گئی ہے کہ حقیقی زندگی اس سے بنائی جائے اور اسکی تحقیق سورۃ زمر آیت 42 میں گزری ہے۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾

"اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کے بارے میں سوال کیا جائیگا [8]۔ کہ وہ کس گناہ سے قتل کی گئی [9]۔ اور جب

عملنامے کھولے جائینگے[10]۔اور جب آسمان کی کھال اتار دی جائیگی[11]۔اور جب جہنم بھڑکائی جائیگی[12]۔
اور جب جنت قریب کردی جائیگی[13]۔ہر نفس اس عمل کو جان لے گا جو اس نے حاضر کیا ہوگا''[14]۔

تفسیر 8، 9 یہ دوسری حالت ہے۔اَلْمَوْءٗدَةُ:(صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث 1442 ابو داؤد کتاب الطب حدیث 3882 نسائی کتاب النکاح حدیث 3328 ترمذی فی الطب حدیث 2076) اہل جاہلیت شرم کی وجہ سے اور بھوک کے خوف سے اپنی بیٹیوں کو زندہ زمین میں درگور کرتے تھے بعض پیدائش کے وقت اس طرح کرتے کوئی چھ سال کی عمر میں ایسا کرتا اور یہ بڑا ظلم ہے اور مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ عزل کرنا بھی وَأْدِ خَفِيٌّ ہے یعنی اولاد کی پیدائش کو روکنا خواہ عزل سے ہو یا دوسرے ذریعے سے ہو بغیر عذر شرعی یہ حرام کام ہے اور خصوصا وہ لوگ جو رزق کی تنگی کے خوف سے یہ عمل کرتے ہیں تو یہ یقیناً حرام ہیں۔سُئِلَتْ: یہ سُئِلَتْ عَنْهَا کے معنی میں ہے یعنی اسکے بارے میں اسکے والدین سے حساب ہوگا کہ کس گناہ سے تم نے اس کو قتل کیا تھا یا معنی یہ ہے کہ زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائیگا لیکن اس سے سوال کرنا اصل میں قاتلوں کو زجر ہے جیسے عیسی علیہ السلام سے ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ کے ساتھ سوال کرنا اصل میں مشرک نصاریٰ کو زجر ہے اور اس کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کے والدین کہتے ہیں کہ یہ ہماری اپنی بیٹی ہے ہم اسکے ساتھ جو بھی کریں ہماری مرضی ہے اسکے بارے میں ہم سے کوئی نہیں پوچھ سکتا ہے تو اسکا ذکر ہوا اور اس میں اشارہ ہے کہ قیامت میں شرک اور کفر کے علاوہ دوسرے گناہوں اور ظلموں کا حساب بھی ہوگا اور امام قرطبی نے کہا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے کہ عذاب بغیر جرم کے نہیں ہوگا اور اسی طرح مشرکین کے چھوٹے بچوں کے لئے عذاب نہیں ہے۔

تفسیر 10 یہ تیسری حالت ہے۔وَاِذَا الصُّحُفُ: اس سے مراد اعمال کے صحیفے ہیں جو ملائک نے لکھے ہیں۔نُشِرَتْ: کھول دیئے جائینگے، انسان کی موت کے ساتھ اسکا صحیفہ لپیٹ لیا جاتا ہے تو قیامت کے دن کھول دیا جائیگا، دوسرا معنی یہ ہے کہ اعمال نامے تقسیم کیے جائینگے کسی کو دائیں ہاتھ میں اور کسی کو بائیں ہاتھ میں (عمل نامہ) دیا جائیگا۔

تفسیر 11 یہ چوتھی حالت ہے۔وَاِذَا السَّمَآءُ: جنس سماء سے مراد سارے آسمان ہیں کُشِطَتْ: کشط اور قشط اصل میں اونٹ وغیرہ سے زور سے کھال اتارنا ہے تو مراد یہ ہے کہ آسمان کی موجودہ صورت بدل دی جائیگی اگرچہ اسکی اصل باقی ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ سورۃ ابراہیم آیت 48 میں ہے۔

مراد یہ ہے کہ آسمان اپنی جگہ سے ہٹائے جائینگے۔

تفسیر 12 یہ پانچویں حالت ہے۔ سُعِّرَتْ: اسکی آگ اور گرمی اور تیزی میں زیادتی ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا (سورۃ اسرآء آیت 97) یعنی اس میں کمی نہیں آئیگی۔

تفسیر 13 یہ چھٹی حالت ہے تو بارہ حالات پورے ہوئے۔ أُزْلِفَتْ: پرہیزگاروں کے قریب کی جائیگی جیسے سورۃ ق آیت 31 میں مذکور ہے یعنی ایمان والے بھی جنت کی طرف روانہ ہونگے جیسے سورۃ زمر آیت 73 میں ہے اور جنت بھی انکے قریب کی جائیگی۔

تفسیر 14 یہ إِذَا الشَّمْسُ سے بارہ حالات کا جواب ہے۔ نَفْسٌ: نکرہ عموم کے لئے ہے ہر نفس مراد ہے۔ مَّا أَحْضَرَتْ خیر اور شر دونوں عمل مراد ہیں جیسے سورۃ آل عمران آیت 30 اور سورۃ قیامہ آیت 13 اور سورۃ زلزال آیت 7، 8 میں مذکور ہے اور إِحْضَار: سے مراد دنیا میں اعمال کا کرنا ہے تو اسکی نسبت (انسان کی طرف) حقیقتاً ہے یا اس سے مراد اعمال ناموں اور حساب میں اعمال کا حاضر ہونا ہے تو انسان کی طرف نسبت مجازی ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾ ع

"پس میں قسم کھاتا ہوں چھپنے والے تاروں کی [15]۔ جو چلنے پھرنے والے ہیں جو رات کو ظاہر ہوتے ہیں [16]۔ اور رات کی جب جانے لگے [17]۔ اور صبح کی جب سانس لے [18]۔ یقیناً یہ عزت والے رسول کا پیغام ہے [19]۔ جو قوت والا ہے عرش والے کے نزدیک مرتبے والا ہے [20]۔ جسکی اطاعت کی جاتی ہے وہاں امانتدار ہے [21]۔ اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے [22]۔ اور یقیناً اس نے اسکو کھلے کناروں پر دیکھا ہے [23]۔ اور یہ وحی بیان کرنے میں بخیل نہیں ہے [24]۔ اور یہ شیطان مردود کا کلام نہیں ہے [25]۔ پس تم کہاں جارہے ہو [26]۔ یہ تو تمام جہاں والوں کے لیے نصیحت ہے [27]۔ انکے لئے جو تم میں سے چاہیں کہ برابر راہ پر چلیں [28]۔ اور تم نہیں چاہتے ہو مگر جب

اللہ تعالیٰ چاہے جو تمام جہانوں کا رب ہے"[29]۔

تفسیر15، 16 یہ حصول اور قرآن کی سچائی پر ستاروں کے ظاہر ہونے، چلنے اور غروب ہونے کے حالات کے ذریعے سے قسم ہے۔ لَآ اُقْسِمُ: کی تحقیق سورۃ واقعہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ الْخُنَّسِ: خانس کی جمع ہے ظاہر ہونے کے بعد چھپنا یعنی رات کو ظاہر اور دن کو چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ الْجَوَارِ: جاریہ کی جمع ہے یعنی ستارے جو آسمان میں چلتے ہیں۔ الْكُنَّسِ: کانس کی جمع ہے اپنے مکان میں ایسے طریقے سے داخل ہونا کہ اس مکان میں ظاہر ہوتے ہیں یعنی تارے رات کو اپنی منزلوں میں ہوتے ہیں اور ظاہر ہوتے ہیں اور راجح یہ ہے کہ اس سے مراد سارے تارے ہیں اور یہ تینوں صفات سارے ستاروں کے ہیں اسلئے یہ کہنا کہ سات تارے چلتے ہیں اور باقی جگہ پر ٹھہرے ہوتے ہیں اس کے لئے کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس سے ہرن اور وحشی گائے مراد لیے ہیں لیکن ابن قیم نے بدائع التفسیر جلد 5 صفحہ 132 میں اس کا کئی طریقوں سے رد کیا ہے اور تاروں کے ان حالات کی مناسبت قرآن کی سچائی کے ساتھ بعد میں ذکر کی جاتی ہے۔

تفسیر17، 18 یہ بھی قسمیں ہیں اور پہلے کے ساتھ ان کی مناسبت ہے اسلئے کہ رات تاروں کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اور دن ان کے چھپنے کا وقت ہے اِذَا عَسْعَسَ: اکثر اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے یعنی جانے اور سامنے ہونے دونوں کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں جانے کا معنی بہتر ہے اسلئے کہ یہ بعد والے جملے کے ساتھ اور سورۃ مدثر آیت 33 کے ساتھ موافقت رکھتا ہے اور ابن جریر نے بھی یہ معنی راجح قرار دیا ہے۔ اِذَا تَنَفَّسَ: اصل میں لیے سانس لینے کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے سے طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے اور خوش ہو جاتی ہے گویا کہ رات غم اور پریشانی کی مثل ہے اور صبح خوشی کا سانس لینا ہے اور مراد یہ ہے کہ صبح نمودار ہوتی ہے اور لمبی ہوتی ہے تو دن ہو جاتا ہے۔

تفسیر19 یہ جواب قسم ہے اور اس میں مقصود قرآن کی سچائی کو ثابت کرنا ہے اور قسم اور جواب قسم کی مناسبت یہ ہے کہ جیسے تارے چھپتے ہیں اور ظاہر ہوتے ہیں اور چلتے ہیں اسی طرح قرآن کی آیتیں اور سورتیں ہیں جو تدریج سے دنیا والوں کی طرف وحی ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم میں چھپ جانے کے بعد ظاہر ہوتی ہیں نیز جب سیاہ رات چلی جاتی ہے اور دن روشن ہو جاتا ہے تو اسی طرح قرآن کریم کے آنے سے کفر اور شرک اور جہالت کے اندھیرے جاتے رہتے ہیں اور اسلام اور ایمان کی روشنی قائم ہوتی ہے اور یہ مثالیں یقینی اور محسوس ہیں تو اسی طرح قرآن بھی یقینی ہے۔ رَسُوۡلٍ: اس سے

مراد رسول ملکی ہے یعنی جبرائیل علیہ السلام اور قول پیغام اور تبلیغ کے معنی میں ہے اسلئے کہ لفظ رسول دلالت کرتا ہے کہ اسکا کام پیغام پہنچانا اور بتانا ہے اور سورۃ الحاقۃ آیت 40 میں بشری انسان مراد ہے۔ کَرِیْمٍ: اس میں شرافت ظاہری اور باطنی صفات جمع ہیں شیطان کی طرح خبیث اور ذلیل نہیں ہے اور جبرائیل علیہ السلام کی کرامت پر قرآن کے الفاظ دلیل ہے۔

تفسیر 20 ''ذِیْ قُوَّۃٍ: اس میں اشارہ ہے کہ شیاطین اسکے قریب نہیں آسکتے ہیں، وحی لانے میں اسکا مقابلہ نہیں کرسکتے ہیں عِنْدَ: یہ عند قربت اور مرتبے کے اعتبار سے ہے اور مکین کے متعلق ہے اور اس کے مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ مرتبہ دوسرے ملائکہ کو حاصل نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا دلیل ہے کہ یہ جھوٹا اور گھڑنے والا نہیں ہے۔

تفسیر 21 ''ثَمَّ: ظرف کے لئے ہے اس سے مراد آسمانوں کا بالا عالم ہے اور یہ صفت دلالت کرتی ہے کہ جس طرح جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والے ہیں تو اسی طرح تمام ملائکہ کے نزدیک بھی معزز ہیں اسلئے کہ سب ان کی اطاعت کرتے ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ عنقریب یہ رسول بھی زمین میں مطاع (اطاعت کیا ہوا) بن جائیگا جسطرح آسمانوں میں جبرائیل امین کی بات مانی جاتی ہے۔ اَمِیْنٍ: یعنی وحی میں کچھ کمی زیادتی نہیں کی ہے، اس کو پورا ادا کیا ہے۔

تفسیر 22، 23 یہ رسول ملکی کے تزکیے کے بعد انسانی رسول کا تزکیہ ہے اور قرآن کریم کی سند کی توثیق اور تصحیح ہے وَمَا صَاحِبُكُمْ: صاحب خیر خواہ اور ناصح کے معنی میں ہے یا وہ جو تمہاری قوم میں سے ہے۔ بِمَجْنُوْنٍ: اس میں مشرکین کے قول کا رد ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہا تھا حالانکہ ان کو خوب معلوم تھا کہ وہ تمام عقلاء سے زیادہ عاقل تھے۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ: مفعول کی ضمیر جبرائیل علیہ السلام کی طرف راجع ہے اشارہ ہے کہ مجنون وہ ہوتا ہے جو جنات کو دیکھے اور اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جبرائیل علیہ السلام کو اسکی اصلی شکل میں دیکھا ہے کہ اسکے چھ سو پر تھے (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ النجم حدیث 4856)۔ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ: مشرقی اطراف کے ظاہری کنارے، تو مراد مشرقی اطراف ہیں یا سارے اطراف بھی اس سے مراد ہوسکتے ہیں۔ عَلَی الْغَیْبِ: اس سے مراد قرآن کی وحی ہے اور اس کو غیب اضافی کہا جاتا ہے اسلئے کہ حواس اور عقل سے اسکا ادراک نہیں ہوسکتا ہے بلکہ یہ قرآن وحی کے سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ بِضَنِیْنٍ: ضاد کے ساتھ بخیل کے معنی میں ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کو نہیں چھپاتے ہیں بلکہ ہر کسی کے سامنے پورا بیان کرتے ہیں یعنی بہت سخی ہیں اور کاہن کی طرح نہیں ہیں جو لوگوں میں عزت اور اجرت طلب کرنے کے لئے بعض خبریں چھپاتا ہے اور ظاء کے ساتھ متہم ہونے کے معنی میں ہے جس کا یقین نہ ہو لیکن اس رسول پر جھوٹ اور خیانت کی تہمت

نہیں ہے اور اسی طرح یہ اس خبر دینے میں کاہنوں کی طرح گمان پر کام نہیں کرتے بلکہ یقینی خبر دیتے ہیں [تنبیہ] زمخشری اور شربینی وغیرہ نے اس مقام پر ضاد اور ظاء کا فرق بیان کیا ہے بعض صفات میں انکے مشابہ ہونے کے باوجود اور یہ علم تجوید کا مسئلہ ہے جس میں حرفوں کی صفات اور مخارج بیان کیئے جاتے ہیں اور یہ ضروری علم ہے۔

تفسیر 25 یہ آیت 19 پر معطوف ہے اور مشرکین کے قول کا رد ہے کہ وہ کہانت کی طرف قرآن کی نسبت کرتے ہیں ہر کا خلاصہ یہ ہے کہ کاہن پر شیطان آتا ہے اور اس طرح کاہن خود بھی شیطان ہوتا ہے اور قرآن شیطان کا قول نہیں ہے۔ جیسے سورۃ شعراء آیت 210، 212 میں گزرا ہے۔

تفسیر 26 یہ زجر ہے یعنی اللہ تعالٰی کے رسول اور کتاب سے دوسرے کس شخص اور کتاب کی طرف تم جاتے ہو یعنی اس سے زیادہ برحق کونسی راہ ہے؟ فَاَیْنَ رائی کے ساتھ اور بغیر رائی استعمال ہوتا ہے تو اس میں انکی گمراہی کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 27 یہ قرآن کی طرف ترغیب ہے ھُوَ ضمیر قرآن یا اس سورت کے دعویٰ یعنی مضمون کی طرف راجع ہے۔ ذِکْرٌ قیامت سے ڈرانے کے لئے توحید اور اللہ تعالٰی کے احکام اور وعظ نصیحت کا یاد کرنے والا ہے۔

تفسیر 28، 29 پہلی آیت میں ذکر کی شرط لایا جو کہ حق کا ارادہ اور طلب ہے یعنی قرآن میں ہدایت کے لئے فائدہ طلب کرنے والے اور لِمَنْ شَآءَ جبریہ کا رد ہے یعنی انسان کے لئے مشیت اور ارادہ اور فعل ہے اور دوسرے میں قدریہ ومعتزلہ کا رد ہے کہ وہ انسان کا ارادہ مستقل مانتے ہیں امام قرطبی نے وہب بن منبہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس نے اپنی طرف مشیت کی ایک چیز کی نسبت کی تو اس نے کفر کیا اس سے مراد مشیت اور قدرت مستقلہ ہے اور اس باب (کہ ہر چیز اللہ تعالٰی کی مشیت سے ہے) میں آیتیں بہت زیادہ ہیں۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قیامت کے احوال کا تفصیلی ذکر۔ ۲۔ جبرائیل علیہ السلام کی صفات کا بیان۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا بیان۔ ۴۔ اللہ تعالٰی کی مشیت کا تذکرہ۔

الحمدللہ! سورۃ تکویر کی تفسیر مکمل ہوئی

رکوعها ۱ ۸۲ سورۃ الانفطار مکیۃ ۸۲ ایاتها ۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَ إِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَ إِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳ وَ إِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ أَخَّرَتْ ۝۵

"جب آسمان پھٹ جائیگا [1]۔ اور جب تارے جھڑ جائینگے [2]۔ اور جب دریا بہادیے جائینگے [3]۔ اور جب قبر والے اٹھائے جائینگے [4]۔ ہر شخص جان لے گا جو اس نے پہلے بھیجا ہے اور جو پیچھے چھوڑا ہے" [5]۔

سورۃ الانفطار اور اس کو سورۃ انفطرت اور اذا السماء انفطرت اور سورۃ المنفطرۃ بھی کہا جاتا ہے

ربط: اس سورت کا سابقہ سورت سے ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں أَيْنَ تَذْهَبُوْنَ سے زجر تھی اور اس سورت میں مَا غَرَّكَ سے زجر ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں قیامت کے بارہ احوال مذکور تھے اور اس سورت میں چار حالات کے ساتھ اسکو مختصر ذکر کرتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں قرآن اور رسول کی سچائی کو ثابت کیا تھا تو اس سورت میں انکے منکرین کے لئے زجر ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: انسان کو اپنے کیے ہوئے اعمال سے سامنے ہونے کے ذریعے، اور گناہوں کے انکار کے ذریعہ اللہ کے احسانات اور یوم آخرت کو بھولانے پر زجر ہے، اور اس سورۃ میں تین اسمائے حسنیٰ اور اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات فعلیہ ذکر کی ہیں۔

سورت کا خلاصہ: خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت سے 5 تک قیامت کے چار احوال اور سورۃ کا مضمون ذکر ہو رہا ہے پھر انسان کا اپنے رب کی نعمتوں میں آخرت سے غفلت برتنے کا ذکر ہے اور اس کی پانچ صفات ذکر کی ہیں یہ آیت 8 تک ہے پھر قیامت کے جھٹلانے پر دوسری زجر ہے پھر آیت 16 تک كِرَامًا كَاتِبِيْنَ کے وجود اور ان کی پانچ صفات کا ذکر ہے پھر قیامت کی خوشخبری اور زجر کا ذکر ہے نیز منکرین کے تین حالات ذکر کئے ہیں اور قیامت کے بھی تین حالات کا ذکر ہے اور

آخر میں رد شرک فی التصرف ذکر کیا ہے۔

تفسیر 1، 2 یہ پہلا اور دوسرا حال ہے۔ اِذَا السَّمَآءُ: سارے آسمان مراد ہیں۔ انْفَطَرَتْ: فطر تازہ پھٹنے کو کہا جاتا ہے
یعنی پہلی دفعہ پھٹ جائینگے کہ اس سے پہلے اس میں فطور نہیں تھا جیسے اونٹ کے بچے کا پہلا دانت نکل آتا ہے تو عرب کہتے 26/16
ہیں فَطَرَنَابُ الْبَعِيْرِ۔ انْتَثَرَتْ: اس میں پہلی سورت سے ترقی ہے وہاں انکدار (بے نور ہونا) ذکر کیا تھا اس کے بعد
نثار ہے یعنی تاروں کا بے ترتیب جھڑنا کہ آسمان ان سے خالی ہو جائیگا۔

تفسیر 3 اس میں تیسرا حال ہے اور پہلے سے اس میں ترقی ہے اُس میں سُجِّرَتْ بھر دیئے جانے کا ذکر تھا اور یہاں تفجیر ہے
یعنی زمین کے اوپر بہا دیئے جائینگے اور ایک دوسرے کے ساتھ بھی خلط ملط ہو جائینگے۔

تفسیر 4 اس میں چوتھا حال ہے، وہ تین احوال فناء کے وقت کے تھے اور یہ دوبارہ زندہ ہونے کا ذکر ہے اور اس میں بھی
ماقبل سے ترقی ہے وہاں صرف زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کا ذکر تھا اور یہاں تمام اہل قبور کا اٹھنا ذکر کیا گیا ہے۔ بُعْثِرَتْ:
اکھیڑ دیئے جائینگے اور اوپر نیچے کئے جائینگے اور ان سے مردے زندہ نکال دیئے جائینگے اور اسی طرح سورۃ عادیات آیت
9 میں بھی ہے۔

تفسیر 5 یہ پانچواں حال ہے اور اِذَا کا جواب ہے اور سورت کا مضمون بھی ہے۔ عَلِمَتْ نَفْسٌ: سورۃ تکویر آیت 14
اور اس آیت میں فرق یہ ہے کہ وہاں علم تفصیلی مراد ہے اسلئے کہ وہاں صحیفوں کا تقسیم ہونا اور کھولنا ذکر تھا اور اس کے ذریعے
سے علم تفصیلی حاصل ہوتا ہے اور یہاں علم اجمالی مراد ہے یعنی قبروں سے اٹھنے کے وقت اجمالی علم حاصل ہو جاتا ہے
دوسرا فرق یہ ہے کہ اس سورت میں علم سے مراد ان اعمال کی حقیقت کا علم ہے جو انسان نے کیے ہیں چاہے وہ اچھے یا برے
ہوں اور یہاں علم سے مراد جزاء اور حساب اور اعمال کی عاقبت کا علم ہے۔ مَا قَدَّمَتْ: نیک اعمال کی طرف اشارہ ہے۔ وَ
اَخَّرَتْ: برے اعمال مراد ہیں یا پہلے سے اعمال کرنا مراد ہے چاہے اچھے ہوں یا برے اور اَخَّرَتْ سے اعمال کا چھوڑنا
مراد ہے چاہے اچھے ہوں یا برے۔ ٥ ع

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝
كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

''اے انسان! تجھے کس چیز نے دھوکا دیا تیرے رب کے بارے میں جو عزت والا ہے [6]۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے

برابر کیا اور تجھے معتدل بنایا[7]۔جس صورت میں اس نے چاہا تجھے جوڑ دیا[8]۔ہرگز نہیں تم لوگ قیامت کو جھٹلاتے ہو [9]۔اور بیشک تم پر حفاظت کرنے والے ملائک مقرر ہیں[10]۔باعزت لکھنے والے ملائک[11]۔وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو"[12]۔

تفسیر 6 اس میں سخت زجر ہے اور یہ قیامت کے دن اس سے کہا جائیگا جو اپنے اعمال کی جزاء سے باخبر ہوجائے گا اور افسوس کریگا تو اس سے کہا جائیگا کہ مَا غَرَّكَ یعنی فِي الدُّنْيَا یا یہ خطاب دنیا میں ہر گنہگار انسان کو ہے چاہے کافر ہو یا گنہگار مسلمان مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ: دھوکا ہونے سے مراد کفر، شرک تکذیب اور گناہ کرنا ہے اس گمان سے کہ اللہ تعالیٰ جلدی عذاب نہیں دیتا یا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت غفور و رحیم ہے یا اس گمان سے اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم نہیں ہے یا اس گمان سے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا ہے یا اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ ہر ضرورت کو بذات خود پورا نہیں کرسکتا ہے یا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے الْكَرِيمِ: ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ لفظ زیادہ تنبیہ اور زجر کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کرم اور رحم کیا ہے اور اے انسان تم اسکی نافرمانی کرتے ہو؟! اور فراء نحوی نے کہا ہے کہ اس لفظ میں جواب تلقین ہے لیکن صرف مومن گنہگار کے لئے، وہ کہے گا غَرَّنِي كَرَمُكَ: جیسے فضیل بن عیاض سے منقول ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے روز کھڑا کردے اور مجھ سے پوچھے مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ: تو میں کہونگا کہ تیری پردہ پوشی نے مجھے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اسلئے کہ تو کریم وستار ہے

تفسیر 7، 8 ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے کرم کی تفصیل ہے۔خَلَقَكَ: اس سے مراد مٹی اور نطفے سے پیدا کرنا ہے جیسے سورۃ عبس میں گزرا۔فَسَوَّاكَ: پورے اعضاء، ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں برابر بنائی ہیں۔فَعَدَلَكَ: تخفیف کے ساتھ معنیٰ یہ ہے کہ (اے انسان) آپ کو اس شکل وصورت کی طرف پھیر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی چاہت تھی یا تخفیف تشدید کے معنی میں ہے یعنی قد وقامت اور اعضاء معتدل بنائے ہیں نہ بہت لمبے اور نہ بہت پست بنائے ہیں۔فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ: یہ فَعَدَلَكَ کی تفسیر ہے اسی وجہ سے اسکے ساتھ حرف عطف ذکر نہیں کیا ہے۔فِي أَيِّ صُورَةٍ: خوبصورت یا بدصورت سیاہ، سفید، یا گندمی رنگ، مذکر یا مونث ماں یا باپ کے ساتھ مشابہ۔مَّا شَاءَ: مَا نکرہ کی تاکید کے لئے ہے یا ما موصولہ ہے۔

تفسیر 9 یہ دوسری زجر ہے اور مَا غَرَّكَ: کے لئے تفسیر ہے یعنی دھوکے میں پڑنا یہ ہے کہ تم جھٹلاتے ہو كَلَّا: حقًا کے معنی میں ہے یا ردع کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کرم پر غرور نہ کرو اسلئے تم تکذیب کرتے ہو۔بِالدِّينِ: اس سے مراد

اعمال کا بدلہ ہے یعنی حساب کا دن یا اس سے مراد دین اسلام ہے۔

تفسیر 10، 11، 12 یہ زجر میں مبالغہ ہے کہ باجود اسکے کہ تم پر ایسے ملائک مقرر ہیں تم جھٹلاتے ہو۔ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ وا؛ حالیہ ہے۔ لَحٰفِظِيْنَ: اس سے مراد انسانوں کے اعمال کی حفاظت کرنے والے ہیں یا عموی حفاظت کرنے والے ہیں کِرَامًا اللہ تعالی کے نزدیک عزت والے ہیں جیسے سورۃ عبس میں ذکر ہوا۔ كَاتِبِيْنَ ہمارے اعمال اچھے یا برے صحیفوں میں لکھتے ہیں تاکہ قیامت کے دن حساب اور جزاء کا معاملہ کیا جائے۔ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کام دل کرنے میں نہیں آتے ہیں جیسے پوشیدہ ارادے اور نیتیں تو ملائک ان کا علم نہیں رکھتے اور عام خطاب (عَلَيْكُمْ) پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ملائک کافروں اور انبیاء علیہم السلام پر بھی مقرر ہیں۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ وَ مَا هُمْ عَنْهَا
بِغَآئِبِيْنَ ۝ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ
ع نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَ الْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝

"یقیناً نیک لوگ نعمتوں میں ہونگے [13]۔ اور بدکار لوگ جہنم میں ہونگے [14]۔ جزاء کے دن اس میں داخل ہونگے [15] اور وہ اس سے کبھی غائب نہ ہو پائیں گے [16]۔ اور تجھے کیا معلوم کہ بدلے کا دن کیا ہے [17] پھر تجھے کیا معلوم کہ جزاء کا دن کیا ہے [18]۔ جس دن کوئی نفس کسی نفس کے لئے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھے گا اور سارے اختیارات اس دن اللہ تعالی کے ہونگے" [19]۔

تفسیر 13، 14، 15 اعمال کے لکھنے کے ذکر کے بعد عمل کرنے والوں کی دو قسمیں ذکر ہو رہی ہے: ایک قسم کے لئے خوشخبری ہے اور دوسری قسم کے لئے زجر ہے۔ الْاَبْرَارَ: وہ لوگ جنکے صحیفے نیک اعمال سے بھرے ہوں۔ لَفِيْ نَعِيْمٍ: جنت کے بے شمار انعامات ہیں اور ابن قیم نے بدائع التفسیر میں لکھا ہے کہ یہ حالت دنیا اور برزخ اور قیامت تینوں میں ہے دنیا میں نعیم سے مراد دل کی تسلی اور قناعت ہے اور اسی طرح یہ دونوں قول لَفِيْ جَحِيْمٍ: میں بھی ہیں۔ الْفُجَّارَ وہ لوگ جن کی نافرمانی ان کے عقیدے اور عمل میں واضح ہے اور ان کے صحیفے بداعمال سے بھرے ہوئے ہیں۔ يَوْمَ الدِّيْنِ: یہ دلیل ہے کہ لَفِيْ جَحِيْمٍ سے مراد جہنم ہے دنیا پر اسکو محمول کرنا درست نہیں ہے بِغَآئِبِيْنَ مراد یہ ہے کہ جہنم سے ایک لمحے کے لئے بھی باہر نہیں ہوسکیں گے اور نہ ان پر موت اور راحت آسکتی ہے اور خطیب شربینی نے کہا ہے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ

برزخ میں یہ جہنم سے غائب نہیں ہونگے تو اس میں عذاب قبر کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 17، 18 ان آیتوں میں تخویف اُخروی کی تاکید کے لئے جزاء کے دن کی عظمت ذکر کرتا ہے۔ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ یعنی اسکی ہیبتوں اور طوالت کی کیا عظیم شان ہے۔ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ: یہ تکرار زیادہ تاکید کے لئے ہے یا فرق یہ ہے کہ پہلا تو اس دن کے لمبے ہونے کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا اس کی زیادہ ہیبتوں اور عذابوں کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 19 یہ اس دن کی بعض عظمتِ شان کا ذکر ہے۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ: اس جملے میں غیر اللہ سے اختیار اور تصرف کی نفی ہے اور دوسرے جملے میں خاص اللہ تعالیٰ کے لئے اس کو ثابت کیا ہے اور یہ مکمل توحید ہے۔ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ: اس سے مراد عام ہے یا نفس اول سے غیر مجرم اور دوسرے سے مجرم مراد ہے۔ شَيْئًا: کسی بھی قسم کا نفع پہنچانا اور کسی بھی قسم کے ضرر سے بچانا۔ وَالْاَمْرُ: امر بادشاہی سے عام ہے۔ يَوْمَئِذٍ: ابھی دنیا میں بھی اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے سورۃ اعراف آیت 54 اور سورۃ قصص آیت 68 کی دلیل سے لیکن آخرت کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ دنیا میں بعض لوگ شرکت کے دعوے کرتے ہیں اور آخرت میں یہ بھی نہیں کر سکتے ہیں۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قیامت کے خاص احوال کا ذکر۔ ۲۔ انسان کا دھوکے میں پڑا رہنا۔

۳۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کچھ بھی اختیارات نہیں ہوں گے۔

الحمدللہ! سورۃ انفطار کی تفسیر مکمل ہوئی

اٰیاتہا ۳۶ | ۸۳ سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْنَ مَکِّیَّۃٌ ۸۶ | رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ۖ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ ۝۳ اَلَا
یَظُنُّ اُولٰٓىِٕكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۙ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶

"ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لئے[1]۔ وہ لوگ جو لوگوں سے ناپ تول کر کے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں[2]۔ اور جب انکے لئے ناپتے ہیں یا تولتے ہیں تو کمی کرتے ہیں[3]۔ کیا یہ لوگ گمان نہیں کرتے کہ بیشک یہ دوبارہ زندہ کیئے جائینگے[4]۔ بڑے دن میں[5]۔ جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے"[6]۔

سورۃ التطفیف اور دوسرا نام سورۃ المطففین ہے راجح یہ ہے کہ یہ سورت مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئی ہے اسکی وجہ سے بعض قراء کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورت میں دھوکا کھانے پر زجر تھی تو اس سورت میں تطفیف (نقصان) پر زجر ہے جو کہ دھوکے کا نتیجہ ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں یَوْمَ لَا تَمْلِكُ سے قیامت کی عظمتِ شان ذکر کی تھی تو اس سورت میں یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے شان بیان کرتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ وہاں فرمایا کہ دنیا کی زندگی میں اعمال نامے ملائک کے پاس ہوتے ہیں اور یہاں ذکر کرتا ہے کہ موت کے بعد اعمال نامے علیین یا سجین میں ہونگے۔

سورت کا بنیادی مضمون: تطفیف اور قیامت کے دن سے بے خوف ہونے پر زجر ہے۔ اور آیت 26 میں آخرت کی طرف ترغیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے صرف رب العالمین ذکر ہے۔

سورت کا خلاصہ: پہلے زجر ہے اور تین آیتوں میں تطفیف کی تعریف ہے پھر تین آیتوں میں تخویف اُخروی ہے پھر آیت 17 تک تخویف کے لئے گنہگاروں کے دس احوال ذکر کیئے ہیں پھر آیت 28 تک نیک لوگوں کے دس احوال ذکر

کیے ہیں پھر 33 تک پانچ طریقوں سے گنہگاروں کو زجر ہے پھر تین آیتوں میں ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے اور مُطَفِّفِيْنَ کو اَلْفُجَّارَ اَلْمُكَذِّبِيْنَ وَالْكُفَّارَ اور مُعْتَدٍ اور اَثِيْمٍ کے ناموں سے پکارا ہے۔

تفسیر 1 تطفیف اصل میں تھوڑے سے نقصان کو کہا جاتا ہے پھر تطفیف کی دو قسمیں ہیں: ایک تطفیف ظاہری جو معروف ہے یعنی ناپ تول میں دھوکا دینے کے لئے کمی کرنا اور یہ حرام ہے اور اسکی آمدنی بھی حرام ہے اگرچہ اسکا کرنے والا اس کو تجارت قرار دیتا ہو اور دوسرا تطفیف معنوی ہے جیسے امام قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ تطفیف ناپ تول میں اور نماز پڑھنے اور وضو کرنے اور باتوں میں بھی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ہر چیز کے لئے وفاء اور تطفیف ہے تو مقصود یہ ہے کہ مطففین جس طرح ناپ و تول میں کمی کرتے ہیں اور وہ تباہی کا سبب ہے تو اسی طرح شریعت کی میزان میں بھی نقصان کرتے ہیں کہ اپنے اعمال (وضوء، نماز، روزے وغیرہ) عبادات و معاملات میں حدود شرعیہ میں نقصان کرتے ہیں اور دوسروں سے پورا پورا عمل چاہتے ہیں اور اسی طرح دوسروں پر تنقید کرتے ہیں اور خود تنقید برداشت نہیں کر سکتے ہیں اور خود بے دلیل باتیں کرتے ہیں اور دوسروں سے دلیل اور حجت مانگتے ہیں اور دوسروں کا حق پورا ادا نہیں کرتے اور اپنا حق پورا مانگتے ہیں تو یہ بھی ہلاکت کا سبب ہے اور دوسرے کے عیب کو دیکھتے ہیں اور اپنے عیوب کو نہیں دیکھتے اس معنی کے بناء پر مطفف ہر مشرک، مبتدع اور عنادی وغیرہ ہے۔

تفسیر 2، 3 اس میں تطفیف کی مشہور تفسیر ہے۔ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ: باب افتعال استفعال کے معنی میں ہے تو عَلٰی مِنْ کے معنی میں ہے یعنی لوگوں سے ناپ تول کریں تو پورا لیتے ہیں اس میں کمی برداشت نہیں کرتے ہیں۔ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ: یہ دونوں بغیر لام کے متعدی استعمال ہوتے ہیں اور کبھی لام کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو معنی یہ ہے۔ كَالُوْلَهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں فعلوں میں هُمْ فاعل کی ضمیر کی تاکید ہے لیکن پہلا قول راجح ہے۔

تفسیر 4، 5، 6 اس میں تخویف اُخروی سمیت ایک اور زجر ہے اَلَا يَظُنُّ: استفہام تعجب کے لئے ہے اور ظن کی نفی سے یقین کی نفی التزاما آئی ہے یعنی قیامت پر یقین تو دور کی بات ہے گمان بھی نہیں کرتے ہیں۔ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ: لام فِيْ کے معنی میں ہے یا لام اجلیہ ہے لِيَوْمٍ: مَبْعُوْثُوْنَ کے لئے ظرف ہے یا اَعْنِي پوشیدہ ہے۔ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ: تمام لوگوں کا کھڑا ہونا مراد ہے لیکن ایمان والوں اور کافروں کے درمیان آسانی اور سختی میں فرق ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ

(یہ دن) مومن پر اس طرح گزرے گا جیسے دنیا میں اس کی فرض نماز تھی۔ (مشکوٰۃ حدیث 5496)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ
اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ
يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝

"ہرگز نہیں بیشک گنہگاروں کا اعمال نامہ سجین میں ہوگا [7]۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا چیز ہے [8]۔ ایک لکھا ہوا دفتر ہے [9]۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے [10]۔ وہ لوگ جو قیامت کو جھٹلاتے ہیں [11]۔ اور اس دن کی تکذیب نہیں کرتے مگر وہی جو حد سے گزرنے والا گنہگار ہو [12]۔ اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلوں کے قصے ہیں [13]۔ ہرگز نہیں بلکہ انکے اعمال کے سبب سے انکے دلوں پر زنگ آ گیا ہے [14]۔ یقیناً اس طرح ہے کہ وہ اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن پردے میں ہونگے [15]۔ پھر بیشک وہ جہنم میں داخل ہونگے [16]۔ پھر ان سے کہا جائیگا یہ ہے جسکی تم تکذیب کرتے تھے" [17]۔

تفسیر 7 "كَلَّا: روع کے لئے ہے یعنی قیامت کی تطفیف اور تکذیب نہیں کرنی چاہئے اسلئے کہ یہ گناہ کا سبب ہے اور فاجر کا حال اس کے بعد ذکر کرتا ہے یا حقًّا کے معنی میں ہے اور مابعد کی تاکید کے لئے ہے۔ كِتٰبَ الْفُجَّارِ: یعنی شیاطین، کفار اور فاسقوں کے اعمال کی کتاب ان کی موت کے بعد سجین میں ہے اسی طرح کافر کی روح سجین میں لکھی جاتی ہے جیسے مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے۔ (صحیح جامع الصغیر للالبانی حدیث 1676 صحیح ترغیب 2-219) سِجِّيْنٍ: سِجْنٌ سے لیا گیا ہے یعنی وہ جگہ بہت تنگ ہے اور تمام عالم سے نیچے ہے اور اس کو اَسْفَلَ السّٰفِلِيْنَ بھی کہا جاتا ہے تو وہ ایک دفتر کا نام ہے جس میں گنہگاروں کے اعمال نامے رکھے ہوئے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے مطابق اس میں گنہگاروں کی روحیں بھی ہیں۔

تفسیر 8، 9 پہلی آیت میں سجین کی ہیبت شان کی طرف اشارہ ہے اور معلوم ہوا کہ قرآن کے نزول سے پہلے نبی ﷺ اور ان کی قوم سجین کو نہیں جانتے تھے، دوسری آیت میں سجین کی تفسیر ہے۔ مَّرْقُوْمٌ: پکی لکھائی جو خراب نہیں ہوتی ہو اور نہ

اس میں زیادتی کمی ہوسکتی ہو اور اس پر مہر لگائی گئی ہو۔ سوال: سجین کی تفسیر جو کہ مکان ہے کتاب سے کس طرح صحیح ہوسکتی ہے اسی وجہ سے ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ سجین کی تفسیر نہیں ہے؟ جواب: کتاب مکتوب کے معنی میں ہے یا مضاف محذوف ہے یعنی مَحَلُّ كِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ یعنی سجین گنہگاروں کے اعمال ناموں کے لئے دفتر ہے۔

تفسیر 10، 11 یہ بھی تخویف (ڈرانے) میں شامل ہے۔ يَّوْمَئِذٍ: یعنی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کا دن لِّلْمُكَذِّبِيْنَ: یہ مُطَفِّفِيْنَ کی تیسری تعبیر ہے اَلَّذِيْنَ: یہ مکذبین کی تفسیر ہے اور خاص کے ساتھ عام کی تفسیر ہے اشارہ ہے کہ قیامت کی تکذیب ہر تکذیب کا سبب ہے۔

تفسیر 12، 13 یہ حصر کے طریقے پر جھٹلانے والے کی صفات ہیں یعنی ہر کوئی جو ان تین صفات سے موصوف ہے وہ قیامت کو جھٹلانے والا ہوگا مُعْتَدٍ: یہ افعال میں حلال اور حرام کا فرق نہیں کرتا اَثِيْمٍ: یہ باتوں میں جھوٹ بولتا ہے اور حق پرستوں کو برا بھلا کہتا ہے اور شربینی نے کہا ہے کہ معتدی وہ ہے جو نظر اور فکر کرنے سے تجاوز کرتا ہے، تقلید کے ساتھ غلو کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کو دوبارہ زندہ کرنے سے قاصر مانتا ہے۔ اور اَثِيْمٍ: شہوات میں اس قدر منہمک ہے کہ قیامت پر یقین کرنے سے غفلت میں ہے قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ یہ شخص انتہائی جاہل ہے کہ فصیح اور بلیغ کلام اور عام قصوں کا فرق نہیں کرسکتا ہے اور یہ قول سورۃ نحل آیت 24 اور سورۃ فرقان آیت 5 میں گزرا ہے۔ اَسَاطِيْرُ: بنائے گئے قصے جو اگلوں سے نقل کئے گئے ہیں۔

تفسیر 14 یہ بھی زجر ہے اور كَلَّا ردعیہ ہے یعنی قرآن اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ نہیں ہے بلکہ انکے دلوں پر زنگ ہے تو قرآن کریم کی فصاحت، بلاغت، صدق اور لذت معلوم نہیں کرسکتے ہیں۔ رَانَ: رین سے ہے گناہ کے اوپر گناہ کرنا یہاں تک کہ دل پر گناہوں کا پردہ آجاتا ہے یہ کافروں کے دلوں کے ساتھ خاص ہے اور اَلْغَيْمُ نیک لوگوں کے دلوں پر آسکتا ہے اور اَلْغَيْنُ مقربین کے دلوں پر آسکتا ہے اور ابن قیم نے کہا ہے کہ پہلے رین ہے پھر جب زیادہ ہوجاتا ہے تو طبع ہے پھر اسکے بعد اقفال (تالے) ہیں اور یہ کافروں کے دلوں کی صفات ہیں۔ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ: یعنی انکے برے اعمال رین (زنگ) کے لئے سبب ہیں اور خالق اللہ تعالیٰ ہے تو عمل کی طرف بھی نسبت ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہوسکتی ہے۔

تفسیر 15 كَلَّا حقًا کے معنی میں ہے یعنی انکے گناہ دنیا میں رین کے لئے سبب ہے اور آخرت میں حجاب کے لئے سبب ہے اور حجاب بھی بڑا عذاب ہے عَنْ رَّبِّهِمْ: مضاف محذوف ہے یعنی عَنْ رُؤْيَةِ رَبِّهِمْ اور مفعول کی طرف اضافت ہے

اور معتزلہ عَنْ رَحْمَةِ رَبِّهِمْ کے ساتھ اسکی تاویل کرتے ہیں لیکن وہ غلط ہے اسلئے کہ لفظ حجاب رحمت کے بارے میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ حجاب نظر اور دیدار کے مقام میں استعمال ہوتا ہے۔ لَّمَحْجُوبُونَ: حجاب (پردے) میں ہونگے یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے اسلئے کہ محجوب اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ کافروں کی صفت ہے اور اسی طرح اس آیت کے مفہوم سے امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے دلیل لی ہے کہ ایمان والے قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کرینگے اسلئے کہ اگر ایمان والے بھی محجوب ہوں تو کافروں کی تخصیص کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے اور یہ بحث سورۃ القیامہ کی تفسیر میں بھی گزری ہے اور امام شافعی کا قول ابن کثیر نے تفسیر میں اور ابن قیم نے بدائع التفسیر میں طبرانی کی سند سے ذکر کیا ہے۔

تفسیر 16، 17 حجاب کے علاوہ یہ اور عذاب ہے یعنی صاحب حرمان اور صاحب نیران ہونگے هٰذَا الَّذِي: یعنی تم اس عذاب کو جھٹلاتے تھے ابھی یقین آیا ہے یا مضاف محذوف ہے هٰذَا اجْزَاءُ الَّذِي كُنْتُمْ آه۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾
إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ
رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۚ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا
يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾

"یقیناً اسی طرح ہے کہ بیشک نیک لوگوں کا اعمال نامے علیین میں ہے[18]۔ اور تجھے کیا معلوم کہ علیین کیا ہے[19]۔ لکھا ہوا دفتر ہے[20]۔ مقرب (ملائک) اس کو حاضر ہوتے ہیں[21]۔ بیشک نیک لوگ البتہ نعمتوں میں ہونگے[22]۔ تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہونگے[23]۔ تو (مخاطب) انکے چہروں میں نعمتوں کی تازگی جان لے گا[24]۔ یہ لوگ مہر شدہ خالص شراب پلائے جائیں گے[25]۔ جس پر مشک کی مہر ہوگی رغبت کرنے والوں کو اسی کی رغبت کرنی چاہیے[26]۔ اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی[27]۔ ایک چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ پئیں گے"[28]۔

تفسیر 18 یہ نیک لوگوں کے حال کے ذکر کرنے کے ذریعے سے خوشخبری ہے۔ كَلَّا حَقًّا کے معنی میں ہے ردعیہ صحیح نہیں ہو سکتا ہے كِتٰبَ الْأَبْرَارِ: وہ صحیفہ جس میں صالحین کے اعمال صالحہ لکھے گئے ہیں انکے مرنے کے بعد علیین میں ہے۔ عِلِّيِّيْنَ: علو سے ماخوذ ہے اور یہ خاص مقام کا نام ہے اکثر روایات میں آیا ہے کہ ساتویں آسمان میں اور عرش

کے نیچے ہے تو زیادہ بلندی پر مشتمل ہے اسی وجہ سے جمع کے صیغے کے ساتھ اسکا نام رکھا گیا ہے۔

تفسیر19، 20، 21اس میں عِلِّیِّیْنَ کی عظمتِ شان ذکر ہوئی ہے زجاج نے کہا ہے کہ اس لفظ کا اعراب جمع کے اعراب کی طرح ہے اگرچہ یہ مفرد کا نام ہے۔ اَلْمُقَرَّبُوْنَ: اس سے مراد خاص ملائک ہیں اور یہ احتمال رکھتا ہے کہ نیک بندے مراد ہوں اور مضاف محذوف ہے یعنی أعمالُ المقربین (اس میں نیک لوگوں کے اعمال حاضر ہوتے ہیں)۔

تفسیر22، 23 کتاب الاعمال کے حال کے ذکر کے بعد اصحاب الکتاب کا حال ذکر کرتا ہے۔ اَلْاَرَآئِكِ: اَرِیْکَۃٌ کی جمع ہے دلہن کے اس پالنگ کو کہا جاتا ہے جو بہت خوبصورت اور آرام دہ ہو۔ یَنْظُرُوْنَ: اس سے مراد نظر الی وجہ اللہ ہے یا عام نظر مراد ہے یعنی جنت کی نعمتیں اور دشمنوں کا حال اور عام میں بھی نظر الی اللہ داخل ہے اور چونکہ گنہگاروں کے احوال میں مَحْجُوْبُوْنَ ذکر کیا تھا تو نیک لوگوں کے احوال میں تقابل کے لئے نظر الی اللہ ذکر کیا ہے اور اس طرح تحقیق ابن قیم نے کی ہے۔

تفسیر24 یعنی جنت کی نعمتیں اتنی زیادہ ہوں گی اور ان کے ساتھ کچھ بھی غم فکر اور مرض نہیں ہوگا تو خوشی اور تازگی انکے چہروں میں ظاہر ہوگی۔

تفسیر25، 26 "رَّحِیْقٍ": وہ شراب جو گندگی، نشے اور ملاوٹ سے صاف ہو۔ مَّخْتُوْمٍ: مہر لگانے میں اشارہ ہے کہ ان سے پہلے کسی نے اسے نہیں چھوا ہے نیز مہر لگانا اکرام کے لئے ہے، یہ شراب کی ایک قسم ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو نہروں میں جاری ہوگی۔ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ: ختام آخر کے معنی میں ہے یعنی آخری گھونٹ کے ساتھ مشک کی خوشبو ہوگی یا مہر کے معنی میں ہے تو مضاف محذوف ہے یعنی خِتَامُ اَوَانِیْهِ "اسکے برتنوں کا مہر" وَفِیْ ذٰلِكَ: یہ مذکورہ جنت کی نعمتیں، اراءک اور اللہ تعالیٰ کا دیدار اور مشروبات فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ: تنافس نفس سے ماخوذ ہے۔ وہ چیز کہ نفس اسکے حصول کا حرص کرتا ہو تو تنافس یہ ہے کہ ہر ایک انتہائی رغبت کی وجہ سے یہ حرص کرتا ہے کہ یہ میرے لئے خاص ہو جائے۔ اَلْمُتَنَافِسُوْنَ: یعنی انسانوں کی طبیعت میں تنافس ہے تو چاہئے کہ وہ یہ تنافس جنت کی طرف متوجہ کریں اور تنافس سے مراد ساری زندگی میں اخلاص اور وہ اتباع سنت ہے جس کے ذریعے سے جنت کی ساری نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور اس طرح سورۃ صافات آیت 61 میں بھی مذکور ہے۔

تفسیر27، 28 "وَمِزَاجُهٗ": مفعول کے معنی میں ہے اور رحیق کی طرف راجع ہے ایک چشمے کا نام ہے جو بلند ہوگا اور اس سے برتنوں میں پانی بہے گا اور یہ جنت کے چشموں میں انتہائی اعلیٰ چشمہ ہے۔ یَشْرَبُ بِهَا: بَاءِ مِنْ کے معنی میں ہے لیکن

اس میں (یُرْوٰی) کے معنی کی تضمین ہے یعنی اس سے سیر ہونگے۔ اَلْمُقَرَّبُوْنَ: مقرب بندے خالص تسنیم سے پانی پئیں گے اور دوسرے نیک لوگوں کے لئے اس کی آمیزش ہوگی اور اسی طرح نیک لوگوں کے لئے کافور کی آمیزش ہوگی جیسے سورۃ دھر آیت 5 میں گزرا ہے اور زنجبیل کی ملاوٹ ہوگی جیسے سورۃ دھر آیت 17 میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۝ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ
انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝
فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ع

"بیشک وہ لوگ جنہوں نے گناہ کئے ایمان والوں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے [29]۔ اور جب ان پر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے [30]۔ اور جب یہ ان کو دیکھتے تو کہتے بیشک یہ لوگ گمراہ ہیں [32]۔ اور یہ ان پر نگہبان نہیں بھیجے گئے [33]۔ تو آج ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے [34]۔ پلنگوں پر ہونگے دیکھ رہے ہونگے [35]۔ کیا کافروں کو بدلہ دیا گیا جو وہ کرتے تھے" [36]۔

تفسیر 29 یہ مجرمین کو ان کی چار صفات قبیحہ کے ذریعے سے زجر ہے کہ یہ اسباب ویل اور دلوں کے رین کا سبب ہے الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا: وہی مطففین اور فجار ہیں مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: مراد مسکین موحد ہیں۔ يَضْحَكُوْنَ: یہ کہتے تھے اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا جیسا کہ سورۃ انعام آیت 53 میں اور اسی طرح سورۃ مؤمنون آیت 110 میں ہے اور ہنسی سے مراد مذاق اور مسخرے کرنا ہے کہ صحابہ کرام کی غربت کی وجہ سے انکا مذاق اڑاتے تھے اور اسکے باوجود توحید کو بھی نہیں مانتے تھے۔

تفسیر 30 وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ: ضمیر مرفوع ایمان والوں کی طرف راجع ہے اور ضمیر مجرور کافروں کی طرف راجع ہے اور اسکے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔ يَتَغَامَزُوْنَ: انکی تحقیر کے لئے ایک دوسرے کو آنکھیں مارتے ہیں یا ان پر طنز کرتے ہیں۔

تفسیر 31 اس سے مراد انکے پیروکار اور مقلدین تھا۔ فَكِهِيْنَ: اس ہنسی مذاق پر خوش ہوتے ہیں جو یہ ایمان والوں کے ساتھ کرتے ہیں یعنی اپنے پیروکاروں کو اپنی بہادری ذکر کرتے ہیں کہ ہم نے ایمان والوں کو ذلیل کیا ہے۔

تفسیر 32، 33 یہ صحابہ کرام کو گمراہ کہتے اسلئے کہ وہ انکے طریقے کے خلاف تھے جیسے نوح علیہ السلام کی قوم نے نوح علیہ السلام کو گمراہ کہا تھا جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 60 میں ہے اور یہ شیعوں کا حال ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گمراہ، مرتد اور

کافر کہتے ہیں اسلئے کہ یہ خود گمراہ ہیں۔ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ: یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ان کا رد ہے جو صحابہ کرام کو گمراہ کہتے ہیں یعنی یہ مجرم تو ایمان والوں اور صحابہ کرام پر چوکیدار اور ذمہ دار مقرر نہیں کیے گئے کہ یہ ان پر فتوے لگاتے ہیں یا یہ قول بھی ایمان والوں کے بارے میں کافروں کا ہے یعنی جب ایمان والے انکو توحید کی دعوت دیتے ہیں اور ان کو شرک سے منع کرتے ہیں تو یہ کہتے کہ تم ہم پر مقرر نہیں کیے گئے ہو اور ذمہ دار بھی نہیں ہو۔

تفسیر 34 یہ جزاء عمل کی جنس سے ہے وہ دنیا میں انکا مذاق اڑاتے تھے تو ایمان والے آخرت میں ان پر ہنسیں گے اور ہنسی کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کی عزت اور تکبر کے بعد آج ذلت اور عذاب میں پڑے ہوئے ہیں۔

تفسیر 35، 36 یہاں يَنْظُرُوْنَ سے مراد کافروں کے حال کی طرف دیکھنا ہے۔ بعد والی آیت اس کی دلیل ہے اور آیت 33 میں نظر سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جیسے پہلے گزرا۔ هَلْ ثُوِّبَ: یہ يَنْظُرُوْنَ کا مفعول ہے یا ،،يَقُوْلُ بَعْضُ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْضًا،، کی تقدیر کے ساتھ مستقل جملہ ہے اور یہ استفہام تقریری ہے ثُوِّبَ: ثواب مطلق جزاء اور عقوبت کو بھی کہا جاتا ہے جیسے خیر کے اجر کو بھی کہا جاتا ہے مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ: یعنی انکے اعمال پر ضرور سزا دی جائیگی معافی نہیں ہوسکتی ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ ناپ تول میں کمی یعنی تطفیف کا تذکرہ۔ ۲۔ نیک اور برے لوگوں کے اعمال ناموں کا تذکرہ۔

۳۔ سجین و علیین کا تذکرہ۔ ۴۔ جنت کا چشمہ تسنیم کا ذکر۔

اللہ کے فضل سے سورۃ المطففین کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتها ۲۵ ۸۴ سورۃ الانشقاق مکیۃ ۸۳ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝١ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝٢ وَإِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝٣ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝٤ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝٥

"جب آسمان پھٹ جائیگا [1]۔ اور اس نے اپنے رب کے حکم پر کان لگایا ہے اور یہ اسکے لائق ہے [2]۔ اور جب زمین کھینچ کر پھیلا دی جائیگی [3]۔ اور اس میں جو ہے اسے اُگل دے گی اور خالی ہو جائیگی [4]۔ اور اس نے اپنے رب کے حکم پر کان لگایا ہے اور یہی اسکے لائق ہے" [5]۔

سورۃ الانشقاق اور اسکا دوسرا نام انشقت ہے

ربط: اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں تطفیف اور تکذیب پر زجر تھی تو اس سورت میں نیک (اچھی) محنت کی طرف ترغیب دیتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں موت کے بعد اعمال ناموں کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں قیامت کے دن ان کا حال ذکر ہو رہا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں انکے بعض اعمال پر زجر تھی تو اس سورت میں انکے دوسرے قبائح پر وعید ہے۔

سورۃ کا بنیادی مضمون: آسان حساب اور دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ لینے کے لئے کوشش کی طرف ترغیب ہے اور سخت حساب اور بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ لینے سے بچنے کے لئے بری کوشش سے ڈرایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے چار اسمائے حسنیٰ ذکر کیے ہیں: رب، اللہ، بصیر، اعلم

سورۃ کا خلاصہ: پہلے حشر کے بعض احوال کا ذکر ہے پھر آیت 6 تک سورۃ کا مضمون ہے پھر آیت 9 تک نیک کوشش کے لئے تین حالات بیان کرنے کے ذریعے سے بشارت ذکر کرتا ہے اور آیت 5 تک برے کام وکسب والوں کے لئے تین حالات کے ذکر کے ذریعے سے اور عذاب کی تین علتوں کے ذکر کے ساتھ زجر ہے پھر آیت 19 تک قیامت پر تین شواہد ذکر کئے ہیں

پھر آیت 24 تک چار امور کے ساتھ تخویف اور زجر ہے اور آخر میں خوشخبری ہے۔

تفسیر 1 اس میں عالم کے فناء ہونے کے وقت کے حالات ہیں اور عمارت کا مسمار کرنا اکثر اوپر کی طرف سے شروع ہوتا ہے اسی وجہ سے آسمان کا ذکر پہلے کیا۔ اِنْشَقَّتْ: یہ آسمان کی چوتھی حالت ہے اول فتح، فرج اور دروازے ہوجائیگا پھر دوم کُشِطَتْ یعنی اسکا رنگ ہٹادیا جائیگا سوم انفطار چہارم انشقاق اس میں انفطار سے زیادہ مبالغہ ہے۔ اِذَا: شرطیہ ہے اسکی جزاء مقدر ہے یا اِذَا ظرفیہ ہے اور اُذْکُرْ مقدر ہے وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا: کان لگانا مطلق اطاعت کرنے سے کنایہ ہے جیسے سورۃ حٰم سجدۃ آیت 11 میں گزرا ہے۔ وَحُقَّتْ: حق لائق اور مناسب کے معنی میں ہے یا واجب اور لازم کے معنی میں ہے اور حق کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکا خالق و مالک ہے اور خالق اور مالک کی اطاعت کرنا واجب ہے اور آسمان میں بھی اللہ تعالیٰ نے شعور اور اطاعت کو رکھا ہے۔

تفسیر 3، 4، 5 "مُدَّتْ: ایسے طریقے سے کھینچی جائے گی کہ اس میں پہاڑ اور وادیاں ختم ہوجائیں گی اور (حدیث شریف) میں آتا ہے کہ اس طرح کھینچی جائے گی جیسے کھال کھینچی جاتی ہے یہ اسلئے کہ سارے لوگ اس پر حساب کے لئے کھڑے ہوجائیں گے اور یہ مدّ (کھینچنا) اس مدّ (کھینچے) سے الگ ہے جو دنیا میں ہے جیسا اس آیت میں ہے وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا: دونوں میں فرق ہے مَا فِيْهَا: اسکے اندر مردے ہیں اور اسی طرح خزانے اور معدنیات ہیں جیسے سورۃ زلزال میں وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا: ہے۔ وَتَخَلَّتْ: یعنی اسکا باطن (پیٹ) مردوں اور خزانوں سے خالی ہوجائیگا اور اسکا ظاہر پہاڑ ٹیلوں وغیرہ سے خالی ہوجائیگا اور اس میں انتہائی سختی کی طرف اشارہ ہے جیسے سختی کی وجہ سے حاملہ عورت اپنا حمل گرادیگی اس طرح زمین بھی خالی ہوجائیگی۔ اِذَا: شرطیہ ہوجائے تو اس کی جزاء میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ اسکا جواب يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ فاء کی تقدیر کے ساتھ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ جواب ہے اور تیسرا یہ ہے کہ جواب اسکا پوشیدہ ہے یعنی جب کبھی یہ کام ہوجائیں گے تو قیامت واقع ہوجائیگی اور اگر اذا ظرفیہ ہوجائے تو اُذْکُرْ لفظ پوشیدہ ہے یعنی ایسے حالات یاد کرو جو قیامت کے دن واقع ہونگے۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ

حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴿۸﴾ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۭ﴿۹﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا

ثُبُوْرًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۭ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۭ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۚ﴿۱۴﴾ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ

یَصۡبِیۡرًا ﴿۱۵﴾ "اے انسان! تو اپنے رب کی طرف (پہنچنے میں) مشقت کرنے والا ہے مشقت کرنا تو اس سے ملاقات کرنے والا ہے[6]۔ پس جسکو دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائیگا[7]۔ تو عنقریب اسکا حساب بڑی آسانی سے لیا جائیگا[8]۔ اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئیگا[9]۔ اور وہ جس کو اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائیگا[10]۔ تو عنقریب وہ اپنی ہلاکت چاہے گا[11] اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا[12]۔ یقیناً یہ اپنے گھر والوں میں بڑا خوش تھا[13]۔ بیشک اسکا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر ہی نہ جائیگا"[14]۔ "بلکہ اسکا رب اس کو دیکھنے والا ہے"[15]۔

تفسیر6 یہ سورۃ کا مضمون ہے اَلۡاِنۡسَانُ: سے مراد جنس انسان ہے چاہے نیک شخص ہو یا برا۔ کَادِحٌ: کدح لغت میں خوب مشقت سے عمل اور کسب کرنا ہے چاہے خیر ہو یا شر۔ اِلٰی رَبِّکَ: مضاف محذوف ہے یعنی اِلٰی لِقَاءِ رَبِّکَ اور اس سے مراد موت ہے اس لیے کہ موت کے ساتھ عمل کرنے کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے کَدۡحًا: یہ عموم اور تاکید کے لیے مفعول مطلق ہے فَمُلٰقِیۡهِ: ضمیر کدح کی طرف راجع ہے یا رب کی طرف راجع ہے اور پہلے کی بناء پر کدح سے مراد مابعد کے قرینے سے کتاب الاعمال کی ملاقات ہے اور اس جملہ خبریہ سے مقصود اچھی مشقت کی طلب اور انشاء ہے اور بری مشقت سے منع کرنا ہے اسی وجہ سے بعد میں خوشخبری اور زجر ذکر کرتا ہے۔

تفسیر7، 8، 9 یہ اصحاب کدح (مشقت والوں) کی دونوں قسموں کی تفصیل ہے اور ان آیتوں میں بشارت ہے۔ حِسَابًا یَّسِیۡرًا: اور (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث4939) میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جسکے ساتھ حساب کیا گیا تو وہ ہلاک ہو گیا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ دائیں ہاتھ والوں کے ساتھ بھی حساب ہوگا جواب ہوا کہ اس سے مراد عرض ہے یعنی اعمال اس کے سامنے پیش کیے جائینگے تو یہ ڈر جائیگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیگا میں نے آپکو یہ سب معاف کر دیئے اور محاسبہ اصل میں مناقشے کو کہا جاتا ہے وہ تو تباہی کا سبب ہے اور مناقشہ یہ ہے کہ چھوٹے اور بڑے عمل کا حساب کیا جائے اور لِمَ (وجہ، علت) اور کیفیت کا سوال کیا جائے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث4939صحیح مسلم کتاب الجنہ حدیث2876) وَّیَنۡقَلِبُ: انقلاب ایسے حال کی طرف واپس ہونا جو پہلی حالت کے علاوہ ہو۔ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ: اس سے مراد اہل جنت ہیں یعنی حور وغلمان نیز وہ دنیاوی اہل بھی مراد ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے مَسۡرُوۡرًا: یہاں مشقتوں اور غموں کے بدلے میں ہے جو دنیا میں ان پر گزر رہے ہیں

تفسیر10، 11، 12، 13 دوسری قسم کے لوگوں کے لئے اس میں زجر ہے اور یہ دلیل ہے کہ پہلی قسم کو اعمال نامے آگے کی

طرف سے دئے جائینگے اور دوسری قسم کو پیچھے کی طرف سے بائیں ہاتھ میں دئے جائینگے اسی طرح سورۃ الحاقۃ آیت 25 میں ذکر ہوا ہے اور پیچھے سے دینے میں انکی انتہائی تذلیل اور توہین ہے۔ فائدہ: اس کو اکتفاء کہا جاتا ہے یعنی ہر قسم میں ایک چیز کو ذکر کرنا اور دوسرے چیز کو حذف کرنا تو بِيَمِينِهِ سے أَمَامَهُ حذف کیا ہے اور وَرَآءَ ظَهْرِهِ: سے بِشِمَالِهِ حذف کیا ہے پھر پہلی قسم میں بِيَمِينِهِ مقصود تھا اسلئے کہ اشارہ تھا کہ ایمان والے خیر کے اعمال دائیں ہاتھ سے کرتے تھے اور قرآن کریم کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے اور دوسری قسم میں مقصود وَرَآءَ ظَهْرِهِ تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پیچھے کی طرف پھینک دیا تھا جیسے فرمایا نَبَذُوا كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ تو ہر جانب میں امر مقصود پر اکتفاء کیا ہے۔ يَدْعُوا ثُبُورًا: جیسے سورۃ فرقان آیت 13، 14 میں ذکر ہے یعنی بطور بددعا اپنے لئے ہلاکت اور تباہی چاہے گا یا فریاد کے طور پر کہے گا ہائے افسوس! ہلاکت اور تباہی ہو۔ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا: یعنی دنیا میں ان پر غم اور تکالیف نہیں آئے تھے، انہوں نے عبادت، دعوت اور جہاد وغیرہ میں اپنے آپکو نہیں تھکایا تھا تو اسکی وجہ سے آخرت میں تباہی اور تکالیف میں پڑ جائینگے۔

تفسیر 14، 15 یہ عذاب کا سبب ذکر کرتا ہے۔ لَّن يَحُورَ: حور واپس ہونے کو کہا جاتا ہے تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے یا اس سے مراد قیامت ہے اور مقصد ایک ہے یعنی یہ شخص قیامت سے منکر تھا اور اس میں صرف گمان کا تابع تھا۔ كَانَ بِهِ بَصِيرًا: یعنی اسکے تمام حالات اور جسم کے سارے ذرات سے باخبر ہے یا اسکی سعادت اور شقاوت کو جاننے والا ہے۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا
يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا
يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾ ع

"پس میں شفق کی قسم کھاتا ہوں [16]۔ اور رات کی اور اسکی جس کو رات سمیٹتی ہے [17]۔ اور چاند کی جب وہ پورا ہوجائے [18] کہ بیشک تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت کی طرف پہنچو گے [19]۔ پس ان کو کیا ہوا کہ یہ ایمان نہیں لاتے [20] اور جب انکے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو یہ سجدہ نہیں کرتے [21]۔ بلکہ کافر اسکی تکذیب کرتے ہیں [22]۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے جو یہ دلوں میں چھپاتے ہیں [23]۔ پس انکو درد دینے والے عذاب کی بشارت دو [24]۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے انکے لئے بے انتہاء ثواب ہے" [25]۔

تفسیر 16، 17، 18 یہ چار چیزوں کی قسم ہے، شفق، اللیل، وما وسق، والقمر اور یہ ترتیب کے ساتھ مختلف حالات ہیں پہلے شفق ہوتی ہے جو رات کی ابتداء ہے اور پھر پوری رات ہو جاتی ہے تو اس میں عام حیوانات اپنی جگہوں کی طرف جمع ہوتے ہیں اور رات میں چاند ہوتا ہے کہ وہ بھی تدریجاً کمال کو پہنچتا ہے۔ شَفَقٌ لغت اور شریعت دونوں میں مغرب کی سرخی کو کہا جاتا ہے جو مغرب کا اختتام ہوتا ہے اور اس کے غائب ہونے سے عشاء کی ابتداء ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک اس سفیدی کو کہا جاتا ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے یعنی شفق اضداد میں سے ہے وَمَا وَسَقَ: وسق جمع کرنے کو کہا جاتا ہے یعنی رات میں وہ چیزیں جمع ہوتی ہیں جو دن کو پھیلی ہوئی ہوتی ہیں اسی طرح اس میں تارے ایک ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وسق چھپانے کو کہا جاتا ہے یعنی رات کے اندھیرے سے ساری چیزیں چھپ گئی ہیں تو یہ ساری مخلوقات کی قسم ہوگئی جو رات کو اپنی جگہوں میں جمع ہوتی ہیں یا وہ رات کی تاریکی کے ساتھ چھپتی ہیں۔ اتَّسَقَ: یہ بھی وسق سے ہے یعنی چودھویں رات میں چاند جمع ہو جاتا ہے اور بھر جاتا ہے پہلے چھوٹا ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ پورا ہو جاتا ہے۔

تفسیر 19 یہ جواب قسم ہے اور یہ نبی ﷺ کو یا ان کی ساری امت کو یا ساری مخلوقات کو خطاب ہے۔ طَبَقًا: وہ حالت جو دوسری حالت کے ساتھ مطابق ہے۔ عَنْ بعد کے معنی میں ہے یعنی ایک حالت کے بعد دوسری حالت۔ اس بناء پر جب خطاب نبی ﷺ کو ہو تو ایک معنی یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ پر سابقہ انبیاء کی طرح مختلف حالات یعنی سختیاں اور تکالیف آئیں گی دوسرا معنی یہ ہے کہ فتوحات اور ترقی کے مختلف ادوار آئیں گے تیسرا معنی یہ ہے کہ ایک آسمان کی طرف چڑھو گے پھر دوسرے آسمان کی طرف پھر تیسرے کی طرف یعنی معراج کی رات میں چوتھا معنی یہ ہے کہ آپ پر موت آئیگی پھر دوبارہ زندہ ہونا ہوگا پھر میدان محشر ہوگا پھر جنت ہوگی اور جب خطاب امت کو ہو تو معنی یہ ہے کہ تم پر یہود و نصاریٰ کے مشابہہ حالات آئینگے جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام 7320 احمد 17130 ابن عساکر 546)۔ اور جب سارے لوگوں کو خطاب ہو جائے تو معنی یہ ہے کہ تم جوانی کی حالت کی طرف جاؤ گے پھر بڑھاپے پھر موت پھر برزخ پھر دوبارہ زندگی پھر حساب، میزان، وقوفِ صراط پھر جنت یا جہنم کی طرف پہنچو گے عام مفسرین نے یہ بعد والا معنی راجح قرار دیا ہے اور اس میں مقصود قیامت کا اثبات ہے اور قسم و جواب قسم کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ جیسے رات اور دن اور چاند میں مختلف حالات آتے ہیں تو اس سے عبرت لو کہ تم پر بھی مختلف حالات آئینگے اور آخری حالت قیامت کی ہے۔

تفسیر 20، 21 یہ منکرین کے چار حالات کے ذکر کے ذریعے سے زواجر ہیں یعنی قیامت کے حالات کے ذکر کے ذریعے سے اور قسموں کے ذریعے سے یقینی معلوم ہوا کہ قیامت آئیگی تو کیوں یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے ہیں؟ پہلی آیت میں کفر اور شرک اعتقادی کی طرف اشارہ ہے اور دوسری میں کفر اور شرک عملی کی طرف اشارہ ہے۔ لَا یَسْجُدُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ خاص نہیں کرتے ہیں بلکہ اسکے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں یا سجود سے مراد نماز پڑھنا ہے یعنی ذکر جزء کا ہے اور اس سے مراد کل ہے یا اس سے مراد قرآن کریم کے احکام کے لئے انقیاد ہے اور ہر ایک تفسیر سجدہ کرنے کو شامل ہے اسی وجہ سے اکثر اہل علم اس میں سجدے کے قائل ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ نہ کرنے والوں کو وعید وتنبیہ کی ہے لہذا مؤمن کو چاہئے کہ ایسی جگہ میں سجدہ کرے۔

تفسیر 22، 23 یہ بھی منکرین کے حالات ہیں۔ یُکَذِّبُوْنَ: مفعول کو حذف کیا ہے تاکہ اس میں عموم آجائے یعنی قرآن وحدیث کی کوئی بھی بات نہیں مانتے ہیں۔ یُوْعُوْنَ: اِیْعَاءٌ سے ہے جو دعاء سے ماخوذ ہے برتن میں رکھنا اور جمع کرنا اور اس سے مراد حق کا انکار ہے، انکے دلوں میں ایمان والوں کے ساتھ حسد، بغض اور دشمنی پڑی ہے۔

تفسیر 24، 25 پہلی آیت میں تخویف ہے جو فاء کے ساتھ پہلے اعمال پر متفرع ہے اور اس کو بشارت استہزاءً کہا ہے۔ اور دوسری آیت میں بشارت ہے۔ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ: مَنٌّ سے ہے ضعیف اور ناقص کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مَنٌّ سے احسان کے معنی میں ہے یعنی جنتیوں پر احسان نہیں جتایا جائیگا ابن کثیر نے اس توجیہ کو رد کیا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قیامت والے دن اعمال ناموں کی تقسیم کا ذکر۔ ۲۔ قیامت والے دن کے خاص احوال کا تذکرہ۔

۳۔ خاص شہادتوں کا تذکرہ۔ ۴۔ منکرین کے برے صفتوں کا تذکرہ۔

سورۃ انشقاق کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

ایاتها ۲۲　۸۵ سورۃ البروج مکیۃ ۲۷　رکوعها ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ﴿۱﴾ وَالۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ۙ﴿۲﴾ وَشَاہِدٍ وَّمَشۡہُوۡدٍ ؕ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ﴿۵﴾ اِذۡ ہُمۡ عَلَیۡہَا قُعُوۡدٌ ۙ﴿۶﴾ وَّہُمۡ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ شُہُوۡدٌ ؕ﴿۷﴾

"برجوں والے آسمان کی قسم[1]۔وعدہ کیئے ہوئے دن کی قسم[2]۔اور حاضر ہونے والے اور حاضر کیے گئے کی قسم[3]۔ خندقوں والے ہلاک کیے گئے[4]۔آگ تھی ایندھن والی[5]۔جبکہ وہ لوگ اسکے پاس بیٹھے ہوئے تھے[6]۔اور وہ جو ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے اس پر تماشبین تھے"[7]۔

ربط: اس سورۃ کا پہلی سورۃ کے سے چند طریقوں سے ہے: پہلا طریقہ یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں منکرین کے لئے تخویف اُخروی تھی تو اس سورۃ میں اصحاب الاخدود اور فرعون اور ثمودیوں کے واقعات کے ذریعے سے تخویف دنیاوی ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے نیک مشقت کی طرف ترغیب تھی اور بری مشقت والوں کے لئے زجر تھی تو اس سورۃ میں دنیاوی اور اخروی عذاب کے ساتھ بری مشقت کی عاقبت ذکر کرتا ہے۔تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اُس سورۃ میں یُوۡعُوۡنَ فرمایا تھا تو اس سورۃ میں وہ دشمنی ذکر کی ہے جو کافروں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی ہے۔

سورۃ کا بنیادی مضمون: آیت 4 اور 12 میں منکرین کے لئے تخویف دنیاوی ہے اور آیت 9 اور 16 میں شرک فی التصرف کا رد ہے نیز آیت 9 میں رد شرک فی العلم ہے اور اللہ تعالیٰ کے دس اسمائے حسنیٰ ذکر کیے ہیں۔

سورۃ کا خلاصہ: سورۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے آیت 3 تک سورۃ کے مضمون پر شواہد ہیں پھر اصحاب اخدود کے واقعہ کے ذریعے سے مضمون کی مثال ہے اور آیت 8 تک انکے پانچ احوال قبیحہ ذکر کیئے ہیں پھر آیت 9 میں سورۃ کے مضمون کے لئے بطور دلیل اللہ تعالیٰ کے تصرف اور شہادت (علم) کو ذکر کیا ہے پھر آیت 10، 11 میں تخویف اُخروی خوف اور بشارت ہے پھر آیت 16 تک اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات کے ذریعے سے سورت کے مضمون کی تاکید اور اثبات ہے پھر آیت 17، 18 میں سورۃ کے مضمون کے لئے دو مثالیں ہیں پھر آیت 19 میں عذاب کا ذکر زجر کے طور پر ہے پھر اللہ تعالیٰ کے

احاطے کی صفت ہے اور آیت 20 میں سورۃ کے عنوان کی تاکید ہے اور آیت 21، 22 میں عذاب سے بچنے کے لئے سورت کا اختتام قرآن کی طرف ترغیب پر ہے

تفسیر 1 "اَلْبُرُوْجِ: برج اصل میں ظاہر ہونے کو کہا جاتا ہے تاروں اور تاروں کے ظاہر ہونے کی جگہوں کو یہ لفظ شامل ہے اور بروج اچھی پیدائش کو بھی کہا جاتا ہے اور سورج اور چاند کی منزلوں کو بھی کہا جاتا ہے سورج کی بارہ منازل اور چاند کی اٹھائیس منازل ہیں اور اسی طرح سورۃ فرقان آیت 61 میں اور سورۃ حجر آیت 16 میں گزرا ہے۔

تفسیر 2 یہ بھی قسم ہے اور اس سے مراد مفسرین کے اتفاق سے قیامت کا دن ہے اسلئے کہ قرآن میں مخلوق کے ساتھ اسکا وعدہ کیا گیا ہے اور اسکو المیعاد بھی کہا جاتا ہے۔

تفسیر 3 اس میں کئی اقوال ہیں: (1) یہ ہے کہ شاہد جمعے کا دن ہے اور مشہود عرفے کا دن ہے اور یہ حدیث میں آیا ہے اور اس حدیث کے مرفوع ہونے میں ضعف ہے اور موقوف صحیح ہے یہ روایت موقوف بھی ضعیف ہے تفصیل کے لئے ابن کثیر مع التخریج ملاحظہ ہو (2) انسان کے اعضاء شاہد ہیں اور انسان مشہود ہے (3) انسان شاہد ہے اور قیامت کا دن مشہود ہے جیسے سورۃ ہود آیت 103 میں ہے (4) ہر نبی اپنی امت پر شاہد ہے اور اس کی امت مشہود ہے (5) قرآن کی تلاوت کرنے والے اور ملائک شاہد ہیں اور قرآن کا پڑھنا مشہود ہے جیسے فرمایا اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت 78) (6) ہر کافر دنیا میں ایمان والوں (موحدین) کو سزائیں دیتا ہے تو وہ شاہد ہے اور مومن مشہود ہیں۔ جیسے اصحاب الاخدود کو مشہود کہا ہے اور (7) اسکے برعکس ہے یعنی قیامت کے دن ہر مومن شاہد ہے اور ہر کافر مشہود ہے بہتر یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ مطلق ہوتو ان سب کو شامل ہو جائیں گے ان کی تخصیص صرف مثال کے طور پر ہے۔ فائدہ: ان قسموں کے جواب میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ جواب مقدر ہے یعنی اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُعَذَّبُوْنَ بعض کا قول یہ ہے کہ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ہے فراء کا قول یہ ہے کہ قُتِلَ میں لَقَدْ پوشیدہ ہے اور یہ اسکا جواب ہے اور قسم کی جواب کا قسم سے مناسبت یہ ہے کہ آسمان اور سورج چاند، تاروں میں عذاب کے نمونے ہیں کہ سابقہ بعض قوموں پر ان کے ذریعے عذاب آئے تھے اور یوم موعود تو منکرین کے عذاب کے لئے ہے اور ہر شاہد (دیکھنے والے) نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھا ہے اور ہر مشہود پر عذاب کی نشانیاں ہیں یہ سب دلالت کرتے ہیں کہ منکرین کو اللہ تعالیٰ دنیا میں عذاب دے گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جس نے آسمان کو پیدا کیا ہے اور اس میں برج لگائے ہیں اور مخلوق کو فناء کریگا اور پھر دوبارہ زندہ

کریگا اور مخلوق کو شہادت کی صفت کے ساتھ پیدا کیا ہے یا شاہد ہوگی یا مشہود ہوگی تو اسی طرح منکرین کے عذاب پر بھی قادر ہے۔

تفسیر 4، 5، 6، 7 یہ تخویف دنیاوی کی مثال ہے جو کہ سورۃ کا مضمون ہے اور اصحاب اخدود کا عذاب ذکر ہورہا ہے اور انکے پانچ حالات ذکر کیے جارہے ہیں قُتِلَ: ابن عباس رضی اللہ عنھما کے نزدیک قرآن میں قتل (دعا کے محل میں) لعنت کے معنی میں آتا ہے اُخْدُوْدِ: مفرد ہے لمبی خندق جو زمین میں کھودی جائے اور اسکی جمع اخادید ہے النَّارِ: الاخدود سے بدل اشتمال ہے یا مضاف کے حذف سے بدل کل ہے یعنی اخدود النار الْوَقُوْدِ: واؤ کے زبر کے ساتھ آگ جلانے کے ایندھن کے معنی میں ہے یعنی یہ بڑی آگ تھی جو بہت ایندھن سے بھری ہوئی تھی اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ: اذ قُتِلَ سے متعلق ہے عَلَيْهَا: عَلٰى، عِنْدَ کے معنی میں ہے یعنی آگ کے گڑھے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے قُعُوْدٌ: قاعد کی جمع ہے وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ: اس میں ان کے انتہائی تشدد، جبر اور بے رحمی کی طرف اشارہ ہے یعنی باوجود اسکے کہ یہ بیٹھے ہوئے تھے یعنی اپنی جگہ سے نہیں ہل رہے تھے اور ایمان والوں کے جلنے کا تماشا کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں کچھ بھی رحم اور ترس پیدا نہیں ہورہا تھا اور اس واقعہ کے بارے میں ابن کثیر نے مسند احمد سے اور صحیح مسلم کتاب الذھد حدیث 3005 اور جامع ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3340 اور محمد بن اسحاق سے روایات نقل کی ہیں اور اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نجران کے علاقے میں یہ واقعہ فترۃ (عیسیٰ علیہ السلام اور نبی ﷺ کی بعثت کے درمیان) کے زمانے میں ہوا ہے جب اکثر یہود اور نصاریٰ نے توحید کے دین کو چھوڑ دیا تھا اور شرک، سحر اور کہانت میں پڑ گئے تھے اور بعض موحد راہب خوف کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گئے تھے تو ایک راہب کی وجہ سے عبداللہ بن تامر نامی لڑکے کی توحید کے ساتھ تربیت کی گئی اور اس کو اللہ تعالیٰ نے بعض کرامات بھی دی تھیں، اس نے اور اسکے ساتھیوں نے توحید کی دعوت شروع کی تو اس دور کے بادشاہ اور بہت سے لوگوں نے انکی مخالفت شروع کی اور راہب کو آری کے ساتھ کاٹ کر شہید کر دیا۔ اور عبداللہ بن تامر کو اسکے تیر کے ذریعے سے مار کر شہید کیا گیا اور باقی موحدین کو آگ کے گڑھوں میں پھینک دیا گیا لہذا اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور ان پر لعنت کی گئی اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ کہ وہ آگ بلند ہوئی اور ان کافروں کو اسی وقت جلا دیا اور وہ مر گئے اور امام قرطبی نے کہا ہے کہ اس واقعہ میں اس امت کے دعوت دینے والوں کے لئے عبرت ہے کہ حق بیان کرنے پر ڈٹ جائیں اور اس نوجوان کی طرح تکالیف اور مصیبتوں

کو برداشت کریں یہاں تک کہ اپنا سر بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کردیں۔ (اللّٰھم وفقنا لھذا العمل)

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۝

"یہ ان سے بدلہ نہیں لے رہے تھے سوائے اسکے کہ وہ اللہ تعالیٰ غالب اور قابلِ ستائش ذات پر ایمان لائے تھے [8]۔ وہی جس کے لئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے [9]۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو تکلیفیں دی تھیں پھر توبہ بھی نہ کی پس انکے لئے جہنم کا عذاب ہے اور انکے لیے جلنے کا عذاب ہے [10]۔ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیا انکے لئے باغات ہیں جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی یہی بڑی کامیابی ہے [11]۔ یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے" [12]۔

تفسیر 8، 9 یہ بھی اصحاب الاخدود کا حال ہے اور مسلمانوں کے ساتھ انکی دشمنی کا سبب ذکر ہے اور اس حصر میں ان لوگوں کی زیادہ برائی بیان ہوئی ہے کہ کوئی دوسرا دشمنی کا سبب نہیں تھا سوائے ایمان کے اور ایمان والوں کی تعریف ہے کہ ان میں کوئی ایسی صفت نہیں تھی جو کافروں کے نزدیک عیب ہو سوائے ایمان کے اور ایمان تو عیب نہیں ہے اور یہ جیب سورۃ مائدۃ آیت 59 اور سورۃ اعراف آیت 126 اور سورۃ حج آیت 40 میں ہے اور یہ حال تمام اہل باطل کا ہے کہ حق پرستوں کے ساتھ دشمنی حق کی وجہ سے کرتے ہیں جیسے ابن قیم نے بدائع التفسیر صفحہ 171 جلد 5 میں لکھا ہے کہ مشرکین خالص توحید پر موحدین کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں اور اہل بدعت سنت کے پیروکاروں کے ساتھ اتباع سنت پر دشمنی کرتے ہیں اور معطلہ اہل سنت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات پر دشمنی کرتے ہیں اور روافض سنیوں کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کی وجہ سے دشمنی کرتے ہیں اور اہل رائے (مقلدین) اہل حدیث اور حزب الرسول کے ساتھ صرف اس وجہ سے دشمنی کرتے ہیں کہ یہ حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ تو ان سب میں من وجہ اصحاب اخدود کی مشابہت ہے۔ أَنْ يُؤْمِنُوا: اس سے مراد ایمان شرعی ہے جو شرک کی ملاوٹ اور انکار سے خالی ہے۔ بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ الَّذِي لَهُ: اس میں اللہ تعالیٰ کی دو

صفات ذکر کرتا ہے جو ایمان کا سبب ہیں اور اسی طرح اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ انکے ساتھ دشمنی کرتے ہیں جو اس اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ عزت والا ہے قوت والا ہے اور آسمان وزمین کا بادشاہ ہے اور ہر چیز سے باخبر اور عالم ہے اور اس میں رد شرک فی التصرف والعلم ذکر ہوا۔ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ نبی کی صفت میں بھی شہید آیا ہے بلکہ سارے ایمان والوں کی صفت شہداء کے ساتھ آئی ہے لیکن اسکے ساتھ كُلِّ شَيْءٍ نہیں آیا ہے اللہ تعالیٰ کی صفت اور مخلوق کی صفت میں بہت بڑا فرق ہے صرف اشتراک لفظی ہے اور وہ بھی تقیید کے ساتھ شرکت کے وہم کو زائل کرتا ہے۔

تفسیر 10 یہ بھی سورۃ کے مضمون کی تاکید ہے اور ان کے لئے تخویف ہے ان کے لئے جو اصحاب اخدود کی طرح موحدین کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں اور آیت عام ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوْا: فَتَنَ جلانے کو کہا جاتا ہے اور اسی طرح فَتَنَ پھیرنے کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی ارادہ اور کوشش کرتے ہیں کہ ایمان والوں کو ایمان سے پھیردیں اور اسی طرح فَتَنَ: عذاب اور تکلیف دینے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے تُفْتَنُوْنَ فِیْ قُبُوْرِكُمْ یعنی یہ ایمان والوں کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا: اشارہ ہے کہ کافر کی توبہ کے ساتھ سارے گناہ یعنی بندوں کے حقوق بھی معاف ہوتے ہیں اور ثُمَّ: کے لفظ میں اشارہ ہے کہ توبہ تاخیر سے کردے اس شرط کے ساتھ کہ نزع کی حالت سے پہلے ہو تو وہ توبہ قبول ہوتی ہے حسن بصری ؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس کرم کو دیکھو کہ دشمن اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو آگ سے جلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انکو توبہ کی ترغیب دیتا ہے فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ: کفر کی وجہ سے۔ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ: ایمان والوں کے جلانے کی وجہ سے اسلئے کہ جزاء عمل کی جنس سے ہوتی ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملے کی تفسیر ہے یعنی جہنم کا عذاب حریق (جلانے) سے ہوگا یا پہلا عذاب دیگر قسموں سے ہے اور دوسرا عذاب آگ کے ذریعے سے ہے۔

تفسیر 11 بیان ایمان والوں کو بشارت ہے جن کی آزمائش پہلی آیت میں ذکر کی گئی ہے۔ ذٰلِكَ: مذکور کی تاویل کے ساتھ مذکر لایا یعنی جنت اور نہروں کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا خبر دینا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مستلزم ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر 12 یہ سورۃ کے مضمون پر تاکید ہے یعنی اللہ تعالیٰ انکو سخت عذاب دیگا اسلئے کہ اسکا پکڑنا سخت ہے۔ بَطْشَ: سے مراد زور سے پکڑنا ہے اور شَدِیْدٌ: سے مراد ایسا پکڑنا ہے کہ کوئی نہیں بچا سکتا ہے اور اسی طرح سورۃ ہود آیت 102 میں ہے اور یہاں تعبیر بطش کے ساتھ کی ہے اشارہ ہے کہ اصحاب الاخدود کا عذاب بہت سخت تھا۔

إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتٰكَ
حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللّٰهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ
هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾ ع

"بیشک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی پیدا کریگا[13]۔اور وہ بخشنے والا محبت کرنے والا ہے[14]۔عرش والا بڑی شان والا ہے[15]۔جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے[16]۔یقیناً آپکے پاس لشکروں کی خبر آگئی ہے[17]۔فرعون اور ثمودیوں کی[18]۔بلکہ کافر تکذیب میں مشغول ہیں[19]۔اور اللہ تعالیٰ انکے پیچھے سے احاطہ کیئے ہوئے ہے[20]۔ بلکہ یہ قرآن بڑی شان والا ہے[21]۔جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے"[22]۔

تفسیر 13، 14، 15، 16 ان آیتوں میں سورۃ کے مضمون کی تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے اور یہ پہلی آیت اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ کے لئے دلیل ہے اسلئے کہ ان صفات سے موصوف ہے۔يُبْدِئُ وَيُعِيدُ: اس سے مراد پہلی پیدائش اور پھر دوسری پیدائش ہے اور طبری نے کہا ہے کہ دنیا میں عذاب دیتا ہے اور پھر قیامت میں بھی دیگا۔ اَلْوَدُودُ: فاعل کے معنی میں ہے اپنے دوستوں کے ساتھ محبت کرنے والا ہے یعنی بخشتا بھی ہے اور محبت بھی کرتا ہے، اسی طرح رحم کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور مفعول کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے یعنی ایمان والوں کو محبوب ہے اور مبرد نے کہا ہے کہ وَدُودُ وہ ہے جسکی اولاد نہ ہو۔اَلْمَجِيدُ: پیش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور دوسری قراءت میں زیر کے ساتھ ہے تو عرش کی صفت ہے اور مجد کا معنی کرم اور فضل کرنے میں انتہاء کرنا ہے۔فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ: مبالغے کا صیغہ کاموں کی کثرت کی وجہ سے ہے یا مبالغہ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھی مانع نہیں ہے اور یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں ہے اور بندوں کے تمام کام اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں مفسرین نے روایت ذکر کی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار تھے، دوست واحباب عیادت کے لئے آئے انہوں نے کہا کہ ہم آپکے لئے طبیب لیکر آئے ہیں تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا طبیب نے مجھے دیکھا ہے انہوں نے پوچھا کہ آپ سے کیا کہا ہے؟ تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس نے کہا ہے: فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ

تفسیر 17-18 اس میں بھی عذاب ونیاوی کے دوسرے نمونوں کے ذریعے سے سورۃ کے عنوان کی تاکید ہے هَلْ، قَدْ کے معنی میں ہے۔حَدِيثُ: اسم جنس جمع کے معنی میں ہے اَلْجُنُودِ: انبیاء علیہم السلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں کافروں کے لشکر فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ: فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَثَمُودَ کی تقدیر کے ساتھ الجنود سے بدل ہے تو یہ بھی جمع ہوا اور جمع

سے بدل صحیح ہوگا یا اعنی کی تقدیر کے ساتھ منصوب ہے اور مراد یہ ہے کہ آپکو انکی ہلاکت کی خبریں پہنچی ہیں تو اسی طرح یہ موجود لوگ جو تکذیب کرتے ہیں انکی طرح ہلاک ہوجائینگے اور فرعون اور ثمود کی تخصیص میں اشارہ ہے کہ فرعون کی طرح بادشاہی ہوتو وہ بادشاہی نہیں بچاسکتی ہے اور ثمودیوں کی طرح مال اور فیکٹریاں اور ہنر ہوتو وہ بھی نہیں بچاسکتے ہیں تو عرب میں بادشاہی ہو یا ہنر ہوتو وہ بھی ان منکرین کو فائدہ نہیں دے سکتے ہیں۔

تفسیر 19، 20 یہ زجر ہے اور عذاب کے لئے سبب ہے۔ بَلِ محذوف سے اضراب کے لئے ہے یعنی فرعون اور ثمود نے بھی تکذیب کی ہے لیکن موجودہ لوگ ان سے تکذیب میں زیادہ ہیں اسلئے کہ انہوں نے عذاب کے نمونوں کو دیکھا ہے اور سنا ہے اور پھر بھی تکذیب کرتے ہیں فِیْ تَكْذِیْبٍ یہ فی انغماس کے لئے ہے تَكْذِیْبٍ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بہت بڑی تکذیب میں داخل ہوئے ہیں جس سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں۔ مِنْ وَّرَآىٕهِمْ: ہر جانب کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ لفظ وَرَآء کا بھی سارے اطراف پر اطلاق ہوتا ہے۔ مُّحِیْطٌ یعنی اسکا علم اور قدرت گھیرنے والا ہے اور یہ معنی سلف صالحین سے منقول ہے اور عرف میں احاطہ بھی اس کو کہا جاتا ہے جس کا تسلط اور قدرت ہر طرف ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے احاطے سے کسی بھی طریقے سے نہیں نکل سکتے ہیں۔

تفسیر 21، 22 یہ تکذیب کرنے والوں کا رد کرنے کے لئے قرآن کریم کی سچائی کا ذکر ہے تو بَلْ تکذیب سے اضراب کے لئے ہے۔ مَّجِیْدٌ: اس قرآن کے الفاظ اور معانی میں انتہائی شرافت اور عظمت ہے، کوئی اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے تو پھر یہ لوگ کیوں تکذیب کرتے ہیں؟ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ: یہ زیر کے ساتھ لوح کی صفت ہے اور اس لوح کی حقیقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اسلئے کہ اسکی کیفیت کے علم کے لئے صحیح صریح دلیل نہیں ہے مَّحْفُوْظٍ تغییر اور تبدیل اور شیاطین کے لمس سے محفوظ ہے۔ اور اس کو ام الکتاب بھی کہا جاتا ہے اور سورۃ الواقعہ آیت 18 میں اس کو کتاب مکنون بھی کہا گیا ہے تو جب اس طرح محفوظ ہے تو اسکی تکذیب نہیں ہونی چاہئے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ اصحاب اخدود کے واقعے کا ذکر۔ ۲۔ دنیاوی عذاب کی وعید پر تاکیدات کا ذکر۔

۳۔ ایمان والوں کے آزمائش میں ڈالنے والوں کا انجام۔

اللہ کے کرم سے سورۃ بروج کی تفسیر مکمل ہوئی

ایاتھا ۱۷ ۸۶ سُوْرَۃُ الطَّارِقِ مَکِّیَّۃٌ ۳۶ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝۳ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝۴ فَلْيَنْظُرِ
الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝۷

"قسم ہے آسمان کی اور رات میں آنے والے کی [1]۔ اور تجھے کیا معلوم کہ رات میں آنے والی چیز کیا ہے [2]۔ تارا ہے چمکتا ہوا [3]۔ کوئی نفس نہیں ہے مگر اس پر نگہبان ہے [4]۔ پس چاہیے کہ انسان دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے [5]۔ وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے [6]۔ جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے" [7]۔

ربط: اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے ایک ربط یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں سابقہ قوموں پر عذاب کے نزول کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں مہلت دینے کے ساتھ منکرین پر عذاب ہے دوسرا ربط یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں جھٹلانے والوں کو تخویف تھی تو اس سورۃ میں اس طرح کے انسان کی تحقیر اور ذلت ذکر کرتا ہے۔ تیسرا ربط یہ ہے کہ اس سورت میں الیوم الموعود ذکر تھا تو اس سورۃ میں اسکے اثبات کے لئے شواہد اور دلائل ذکر ہو رہا ہے۔ چوتھا یہ ہے کہ اس سورۃ میں عام بروج (تارے) ذکر کئے ہیں تو اس میں ایک قسم کے ستاروں کا ذکر ہو رہا ہے۔

سورت کا بنیادی مضمون: آیت 17 میں موجودہ منکرین پر عذاب کے نزول کے ذریعے سے تخویف ہے اور اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کی ہیں: حافظ، قادر، خالق۔

سورت کا خلاصہ: خلاصہ یہ ہے کہ دو شواہد کا ذکر ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کا حافظ ہے بعض کی حفاظت عفو کے ذریعے ہے اور بعض کی حفاظت مہلت دینے کے ذریعے کرتا ہے یہ آیت 4 تک ہے قیامت کو ثابت کرنے کے لئے دلیل نفسی ذکر کی ہے پھر آیت 9-10 میں قیامت کے حال کے ذریعے سے تخویف ہے کہ اس دن راز ظاہر ہو جائینگے اسکے ساتھ انسان کی عاجزی کا ذکر ہے پھر آیت 14 تک آفاقی دلائل کا ذکر ہے پھر انسان کی چالوں کا ذکر ہے جو کہ عذاب کا سبب ہے اور آخر میں سورت کا مضمون ذکر ہو رہا ہے جو عذاب کے استحقاق کے باوجود مہلت ہے۔

تفسیر 1، 2، 3: اس میں آسمان اور طارق پر دو قسمیں ہیں اور طارق جواب قسم میں زیادہ مفید ہے جیسے بعد میں ذکر ہوگا اسی وجہ سے پہلے مبہم ذکر کیا پھر اسکی تفصیل ذکر کی اور قتادہ اور مجاہد نے کہا ہے کہ الطَّارِقِ: سے مراد جنس تارے ہیں جو رات کو ظاہر ہوتے ہیں اور دن کو غائب ہوتے ہیں ایک تارے کے ساتھ تخصیص صحیح نہیں ہے۔ النَّجْمُ الثَّاقِبُ: ثَقْبٌ سوراخ کرنے کو کہا جاتا ہے تو یہ تارے روشنی کے ساتھ اندھیرے میں سوراخ کر دیتے ہیں نیز مارنے کے ساتھ شیطانوں میں سوراخ کر دیتے ہیں۔

تفسیر 4 یہ جواب قسم ہے إِنْ ثقیلہ سے مخفف ہے اصل میں إِنَّ ہے۔ لَمَّا تاکید کے لئے ہے یا إِنْ نافیہ ہے اور لَمَّا إِلَّا کے معنی میں ہے اور لَمَّا مشدد میں یہ توجیہ متعین ہے، حافظ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے جیسے سورۃ یوسف آیت 64 اور سورۃ انبیاء آیت 42 میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر کسی کی حفاظت کرنے والا ہے اور وہ جسکی حفاظت نہیں کرتا تو دوسرا کوئی اسکی حفاظت نہیں کر سکتا ہے جیسے سورۃ مؤمنون آیت 88 میں ہے یا حافظ سے مراد ملائک کی جنس ہے یعنی ہر نفس پر بہت ملائک مقرر ہیں جو اسکی حفاظت کرتے ہیں جیسے سورۃ رعد آیت 11 میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو مہمل نہیں چھوڑا ہے بلکہ اسکی حفاظت اور اسکے اعمال کے لئے ملائک مقرر کئے ہیں قسم اور جواب قسم کے درمیان (مناسبت) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو محفوظ کیا ہے (سَقْفًا مَّحْفُوْظًا) اور الطَّارِقِ کے ذریعے سے شیطان سے آسمان کی حفاظت کرتا ہے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ خود اور ملائک کے ذریعے سے ہر انسان کی حفاظت کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ انسان کی پیدائش مہمل (بے کار) نہیں ہے بلکہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کا مکلف ہے، اسی طرح آسمان اونچی مخلوق ہے اور الطارق شیطان سے دفاع کرنے کے لئے روشنی پر مامور ہے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی بلندی اور شیطان سے حفاظت کے لئے کتاب کو نازل کیا ہے معلوم ہوا کہ انسان مہمل نہیں ہے۔

تفسیر 5، 6، 7 جب معلوم ہوا کہ انسان احکام کے ذریعے سے محفوظ اور مکلف ہے اور اس کے لئے جزاء اور سزاء ضروری ہے اور اس کے لئے اعادے کا دن ضروری ہے تو انسان کے دوبارہ پیدا کرنے کے لئے انسان کی ابتداء بطور دلیل ذکر کی ہے اور اس طرح استدلال قرآن کریم میں بہت سی آیتوں میں ہے جیسے سورۃ اعراف آیت 29 اور سورۃ یٰسٓ آیت 79 میں ہے فَلْيَنْظُرِ: اس سے مراد عبرت اور غور فکر کا دیکھنا ہے اسی وجہ سے صلہ میں مِنْ آیا ہے الیٰ نہیں لایا۔ مَّآءٍ دَافِقٍ: انسان سے مراد آدم اور حواء علیہما السلام کے علاوہ ہیں۔ مَّآءٍ: اسم جنس ہے اس سے مراد دو قسم کا پانی ہے۔ دَافِقٍ: مدفوق کے معنی میں ہے یا ذُوْ دَافِقٍ کے معنی میں ہے اس میں اشارہ ہے کہ جو نطفہ شہوت (دفق) کے بغیر نکلتا ہے تو اسکے استعمال سے حمل نہیں

بتاہے۔ التَّرَآئِبِ: زجاج سے روایت ہے کہ ترائب سینے کے دائیں طرف چار پسلیاں ہیں اور سینے کے بائیں طرف چار پسلیاں ہیں اور اس سے مراد عورت کے ترائب ہیں یہ قول اکثر مفسرین کا ہے اور صحیح احادیث کے مطابق ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مرد کے ترائب مراد ہیں لیکن یہ قول شاذ ہے۔ صحیح مسلم حدیث 313 صحیح بخاری 282 فی الطھارۃ۔

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَ الْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ ع

"یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو لوٹانے پر قادر ہے [8] جس دن راز کھول دیے جائیں گے [9] تو اسکے پاس نہ کوئی طاقت ہوگی اور نہ مددگار [10] اور مینہ برسانے والے آسمان کی قسم [11] اور پھٹنے والی زمین کی قسم [12] بے شک یہ فیصلہ کرنے والا کلام ہے [13] اور یہ مذاق نہیں ہے [14] بیشک یہ کافر چال چلتے ہیں [15] اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں [16] پس کافروں کو مہلت دو انکو تھوڑی مدت کے لئے مہلت دو [17]۔

تفسیر 8 یہ دلیل کا نتیجہ ہے۔ رَجْعِهٖ: ضمیر انسان کی طرف راجع ہے اور رجع سے مراد دوبارہ زندہ کرنا ہے اور یہ قول اس قول کی بہ نسبت راجح ہے کہ ضمیر مَآءٍ کی طرف راجع ہو جائے اگر چہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔

تفسیر 9، 10 "یَوْمَ" یہ رَجْعِهٖ کا ظرف ہے یا اُذْكُرْ کا لفظ مقدر ہے اور اس سے قیامت کا دن مراد ہے تُبْلَى: بلاء سے ماخوذ ہے اور بلاء حقیقت ظاہر ہونے کو کہا جاتا ہے السَّرَآئِرُ: عقیدہ نیتیں اور پوشیدہ اعمال چاہے اچھے ہوں یا برے ہوں بغض، حسد، دشمنی، محبت وغیرہ سب اس میں داخل ہے فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ: اس میں انسان کی عاجزی کا ذکر ہے قُوَّةٍ: اپنی مالی اور بدنی طاقت مراد ہے اور نَاصِرٍ: خارجی مددگار مراد ہے اور اس میں معبودان باطلہ کی نفی داخل ہے کہ وہ بھی کچھ مدد نہیں کر سکتے ہیں نیز شفاعت قہریہ کے عقیدے کا بھی رد ہے۔

تفسیر 11، 12 یہ بھی قسم کے طور پر قیامت ثابت کرنے کے لئے شواہد کا ذکر ہے اور تمام باتوں اور خصوصاً دوبارہ زندگی میں قرآن کی سچائی کا بیان ہے۔ ذَاتِ الرَّجْعِ: آسمان کی حرکت یا آسمان میں سورج، چاند اور تاروں کی حرکت اور بارش اور ملائک کا آنا جانا اور نفع دینا یہ سب معانی اس میں شامل ہیں۔ الصَّدْعِ: بمعنی زمین کا پھٹنا ہے کہ اس سے پودے اور معدنیات اور چشمے اور پانی نکلتے ہیں۔

تفسیر 13، 14 یہ جواب قسم ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ: ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور فصل سے مراد حلال و حرام اور حق

اور باطل کی تفصیل ہے یا ضمیر دوبارہ زندگی کی خبر کی طرف راجع ہے اس قول میں: اِنَّهٗ عَلٰی رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ یعنی دوبارہ زندہ کرنے کی یہ خبر حق اور یقینی ہے۔ فَصۡلٌ: حق اور عدل کے معنی میں ہے۔ بِالۡهَزۡلِ: ہزل باطل اور لعب اور ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی حقیقت نہیں ہوتی تو یہ فصل کے مقابل ہے جو کہ حق اور کلام مفید کے معنی میں ہے تو فصل اور ھزل کے درمیان تقابل دونوں معنوں کے ساتھ صحیح ہے اور دوسرا جملہ پہلے کی تاکید کے لئے ہے۔

تفسیر 15-16 یہ سزا کے ساتھ زجر ہے یعنی قول فصل کی مخالفت میں یہ مختلف چالیں چلتے ہیں اعتراضات، طعن کرنے اور شبہات ڈالنے کے ذریعے نیز حق پرستوں کے مغلوب کرنے اور قتل کرنے وغیرہ کے ذریعے سے چالیں چلتے ہیں۔

وَّاَكِيۡدُ كَيۡدًا: کید اللہ تعالٰی کی طرف سے مختلف طریقوں کے ساتھ استدراج کے طور پر ہے جیسے سورۃ اعراف آیت 182 میں ہے اور ان کی چالوں کے ناکام کرنے کے طور پر ہے جیسے سورۃ طور آیت 42 میں ہے نیز حق والوں کی امداد کے طریقے پر ہے۔

تفسیر 17 یہ سورت کا مضمون ہے یعنی انکے لئے عذاب ہے لیکن تھوڑی دیر بعد ہے۔ فَمَهِّلِ الۡكٰفِرِيۡنَ: یعنی انکے ساتھ دعوت میں نرمی کرو اور انکے ایمان لانے کی امید رکھو انکو جلدی بددعائیں نہ دینا۔ اَمۡهِلۡهُمۡ: جب کبھی یہ نہ مانیں تو انکے عذاب کا انتظار کرو تھوڑی مدت اور چونکہ دعوت اور نرمی کرنا تدریجی ہیں تو باب تفعیل ذکر کیا اور چونکہ انتظار کے ساتھ جلدی بھی ہوتی ہے تو اسکے ساتھ باب افعال مناسب ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ چار خاص شواہد کا ذکر۔ ۲۔ خلقت انسانی کی ابتداء کا ذکر۔

۳۔ اسکی وضاحت دو صفتوں کے ساتھ کی گئی ہے۔

اللہ کے فضل سے سورۃ طارق کی تفسیر مکمل ہوئی

اٰیاتہا ۱۹ | ۸۷ سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ ۸ | رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝٤ فَجَعَلَهٗ
غُثَاۗءً اَحْوٰى ۝٥ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝٦ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝٧

"اپنے رب کے نام کی پاکی بیان کرو جو بلند ہے [1] جس نے پیدا کیا پس برابر کیا [2] اور وہ ذات جس نے اندازہ کیا تو پھر راہ دکھائی [3] اور وہ ذات جس نے گھاس پیدا کی [4] پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا [5] یقیناً ہم آپ کو قرآن پڑھائینگے پس آپ نہ بھولیں گے [6] مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے یقیناً وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے [7]۔

سورۃ اعلیٰ اور اسکا دوسرا نام سورۃ سبح ہے۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے کئی وجوہ سے ربط ہے: پہلی سورت میں ذکر کیا کہ انسان مہمل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول مذاق نہیں ہے اور منکرین پر عذاب جلدی نہیں آئے گا تو اس سورت میں اس پر تفریع ہے کہ اس طرح کے نقصانات سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں مہلت دینے کا حکم تھا تو اس سورت میں مہلت کے وقت قرآن کی تذکیر اور تسبیح کا حکم ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں تخویف ذکر ہوئی تو اس سورت میں عذاب سے نجات کا طریقہ ذکر ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں انسان کی پیدائش اور اسکی حفاظت ذکر ہوئی تو اس سورت میں تسویہ، تقدیر اور ہدایت کا ذکر ہے۔

سورت کا بنیادی مضمون: آیت 1 میں توحید کو ثابت کیا گیا ہے اور آیت 9 میں قرآن کی طرف ترغیب ہے اور آیت 16 میں دنیا کی محبت پر زجر ہے اور اس میں رد شرک فی التصرف اور رد شرک فی العلم ہے اور تین اسمائے حسنیٰ اور دس صفات فعلیہ ذکر کی ہیں۔

سورت کا خلاصہ: پہلی آیت سے آیت 7 تک تسبیح (توحید) کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ذریعے جو کہ نو ہیں اور آیت 16 اور آیت 8 میں توحید کی دعوت کے ساتھ دو بشارتیں ہیں پھر دوسرا مضمون ہے یعنی قرآن کے ذریعے سے نصیحت

کرنا اور تین صفات کے ذریعے سے بشارت ہے نیز لوگوں کے دو گروہ ہیں آیت 15 تک پھر آیت 16، 17 میں سورۃ کا تیسرا مضمون یعنی زجر کے طریقے پر دنیا سے بے رغبتی ہے اور آیت 18، 19 میں دلیل نقلی کے ساتھ سورت کا اختتام ہے۔

تفسیر 1 "سَبِّحِ: معنیٰ یہ ہے کہ (عقیدہ) پاک رکھو اور زبان سے پاکی بیان کرو اور دعوت اور تبلیغ کے ذریعے ہر قسم کے شریک اور ولد اور عیب اور عجز سے پاکی بیان کرو نیز ہر اس چیز سے پاکی ذکر کرو جو اس کی ذات اور اسماء وصفات اور اسکے کاموں اور حکموں کے لائق نہیں ہے اور یہ توحید ہے۔ اسْمَ رَبِّكَ: اسم یہاں عین مُسمّٰی ہے یعنی رب کی پاکی بیان کرو لیکن جب پاکی بولی جاتی ہے تو لازمی تلفظ چاہتی ہے رب کے نام سے اسی وجہ سے اسم ذکر کیا ہے۔ اور اس سے مراد جنس ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہر نام مراد ہے۔ فائدہ: تسبیح کبھی متعدی بالذات ذکر ہوتی ہے جیسے یہاں ہے اور کبھی باء کے ساتھ متعدی ہوتی ہے پہلے کی بناء پر دل کے ساتھ ساتھ زبان سے خالص تسبیح پڑھنا مراد ہوتی ہے اور دوسرے کی بناء پر تسبیح لسانی میں تسبیح عملی (نماز) کا اقتران (ملاپ) مراد ہوتا ہے تو باء مصاحبت کے لئے ذکر ہوئی ہے اور اسی طرح الْأَعْلَى: علو (بلندی) چاہتا ہے تو اسکے ساتھ باء جارہ (زیر والی) لانا مناسب نہیں ہے اور عظیم تو عظمت شان پر دلالت کرتا ہے تو اسکے ساتھ باء لانا مناسب ہے الْأَعْلَى: یہ وصف تسبیح پر دلیل ہے یعنی اسکا زیادہ اعلیٰ (بلند) ہونا ہر قسم کے نقصانات سے پاکی کا تقاضا کرتا ہے حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کو پڑھا تو اسکے بعد کہا: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى اور یہ دوسری موقوف احادیث میں بھی منقول ہے۔ (ابوداؤد حدیث 883 کتاب الصلوۃ، مسند احمد 1/ 232 شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) اور مقتدیوں کا پڑھنا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے)۔

تفسیر 2، 3 یہ تسبیح (مضمون) کے لئے دلائل ہیں، ان کو ایجادی دلیل کہا جاتا ہے اور اس میں چار امور ذکر کیے ہیں پہلے خلق اور ظاہر یہ ہے کہ مفعول کے حذف کی وجہ سے ساری مخلوق مراد ہے دوسرا فَسَوّٰى: پیدائش کو برابر کرنا اسکا احسان ہے جو سورۃ سجدۃ آیت 9 میں مذکور ہے اور احسان سے مراد ہر ایک چیز کے جسم اور اعضاء اور اجزاء اسکے مناسب بنانا ہے اور کبھی عدم تناسب نظر آتا ہے تو وہ دوسری حکمتوں کے لئے خلاف عادت ہوتا ہے تیسرا وَالَّذِي قَدَّرَ: ہر چیز میں اسکی مقدار اور کیفیات اور صفات اندازے کے ساتھ مقرر کرنا یا ملائک کے پاس تقدیر میں لکھنا اگرچہ اصل تقدیر تو پیدا کرنے سے پہلے ہے چوتھا فَهَدٰى: یہ ہدایت عامہ ہے یعنی ہر ایک چیز کو زندگی گزارنے کے اور کھانے پینے وغیرہ کے طریقے بتائے ہیں ان کاموں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح واجب ہوئی۔

تفسیر 5،4 یہ ایجاد کے بعد تربیت کے آفاقی دلائل ہیں۔ اَلْمَرْعٰى: ہر قسم کے پودے اور گھاس جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک کے لئے ہیں۔ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً: اس میں دنیا سے بے رغبتی کی طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز فناء ہوگی تو اس پر غرور جائز نہیں ہے۔ غُثَآءً: وہ گھاس اور پودے جن کو سیلاب گڑھے کے کنارے پھینک دیتا ہے نیز خشک اور ریزہ ریزہ بے فائدہ پودوں کو بھی کہا جاتا ہے اگرچہ سیلاب کی طرف سے نہ ہو۔ اَحْوٰى: حوّۃ سے لیا گیا ہے، ہونٹوں کی وہ سرخی جو سیاہی کی طرف مائل ہو یعنی یہ غثاء پرانا ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوجاتا ہے اس لئے کہ گیلی گھاس جو پانی کے کنارے پر خشک ہوجاتی ہے تو سیاہ ہوجاتی ہے اور گندی صورت اختیار کرلیتی ہے۔

تفسیر 6، 7 اس میں بشارت ہے اور سَبِّحِ پر تفریع ہے اور اس میں دو خوشخبریاں ہیں: ایک قرآن پورا سکھانا اور دوسرا اسکے یاد کرنے کی قوت دینا ہے۔ سَنُقْرِئُكَ: یہ سورت مکے کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس میں یہ وعدہ ہوا تھا اور یہ وعدہ قرآن کے اختتام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے پورا کیا۔ فَلَا تَنْسٰى: یہ نفی ہے یہ خبر ہے کہ نبی ﷺ سے قرآن نہیں بھولے گا ہمیشہ ان کے سینے میں محفوظ تھا یا نسیان چھوڑنے کے معنی میں خبر ہے یعنی نبی ﷺ قرآن نہیں چھوڑیں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نفی نہی کے معنی میں ہے اور نسیان ترک اور غفلت کے معنی میں ہے یعنی اسکے پڑھنے اور عمل کرنے سے غفلت نہ کرو یا نسیان سے مراد اسکے اسباب سے نہی ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ: اخبار (نفی) کے معنی کی بناء پر نسخ کی ایک قسم کی طرف اشارہ ہے کہ جس کو انساء کہا جاتا ہے جیسے سورۃ بقرہ آیت 106 میں ہے یا استثناء تبرک کے لئے ہے اور دوسرے معنی (نہی) کی بناء پر استثناء منقطع ہے یعنی آپ نہ بھولیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ آپ سے منسوخ کے طریقے بھلادے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں سے ہے، کچھ بھلادے تو یہ معصیت نہیں ہے۔ اِنَّهٗ يَعْلَمُ: یہ ماشاء اللہ کی علت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت اسکے ہر چیز کو جاننے کی وجہ سے ہے یا قرآن کی تلاوت کی طرف ترغیب کے طریقے پر فَلَا تَنْسٰى کے متعلق ہے کہ چھپ کر (اپنے لئے تلاوت کرے) اور ظاہر میں لوگوں کو بیان کرے یعنی قرآن کو نہ چھوڑنا چاہے چھپ کر پڑھو یا ظاہر پڑھو اللہ تعالیٰ ثواب دیگا۔ یا یہ سَبِّحِ کے متعلق ہے تو اس جملے میں رد شرک فی العلم ہے اور (سورت کے عنوان) سبح کے لئے دلیل علمی ہے۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝٨ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝٩ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝١٠ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝١١ الَّذِيْ
يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝١٢ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝١٣ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝١٤ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥ بَلْ

تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝ ع

"اور ہم آپکے لئے آسانی کی راہ آسان کرتے ہیں [8] پس قرآن کو بیان کریں یقیناً اسکا بیان کرنا فائدہ دیتا ہے [9] عنقریب نصیحت قبول کریگا جو کوئی ڈرتا ہو [10] اور اس سے گریز کرے گا بدبخت [11] وہ جو بڑی آگ میں داخل ہوگا [12] پھر نہ اس میں مریگا اور نہ زندہ ہوگا [13] یقیناً وہ کامیاب ہے جس نے اپنے آپ کو پاک کیا [14] اور اپنے رب کا نام یاد کیا پس نماز پڑھی [15] بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو [16] اور آخرت بہتر ہے اور ہمیشہ ہے [17] یقیناً یہ پہلی کتابوں میں ہے [18] جو ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی کتابیں ہیں [19]۔

تفسیر 8 یہ سَنُقْرِئُكَ پر عطف ہے اور دوسری بشارت ہے جو کہ سَبِّحِ پر متفرع ہے۔ وَنُيَسِّرُكَ: تیسیر توفیق دینے، خیر کے اسباب پیدا کرتے اور قرآن کی طرف دعوت دینے کے اسباب پیدا کرنے کے معانی میں ہے۔ لِلْيُسْرٰى: موصوف محذوف ہے اَلطَّرِيْقَةُ وَالشَّرِيْعَةُ الْيُسْرٰى اَوِ الْحَالَةُ الْيُسْرٰى اس سے خیر کے اعمال مراد ہیں جو جنت کے لئے ذریعہ ہیں اور ان میں توحید کی دعوت اور قرآن کی طرف دعوت دینا داخل ہے اشارہ ہے کہ محنت کے ساتھ کام آسان ہوتا ہے۔

تفسیر 9 یہ سورت کا دوسرا مضمون ہے جو کہ پہلے مضمون پر تفریع ہے یعنی تذکیر، وعظ اور تدریس کے طور پر قرآن کی دعوت دینا جیسے سورۃ ق آیت 45 اور سورۃ ذاریات آیت 55 اور سورۃ طور آیت 29 میں گزرا ہے۔ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى اِنْ شرطیہ اپنے معنی میں ہے اور مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم و تذکیر ان لوگوں کو نہیں دینی چاہئے یعنی وہ جو ضد اور عناد کرتے ہیں یا دنیا کے مقصد کے لئے دین کا علم سیکھتے ہیں اور ان کے ساتھ یہ قید ایجاب کے لئے ہے یعنی تذکیر نفع کی شرط کے ساتھ جو کہ انابت الی اللہ ہے واجب ہے یعنی ضدی عنادی اور دنیا پرست کو تذکیر دینا واجب نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اِنْ قد کے معنی میں ہے پانچواں یہ ہے کہ اِنْ شرطیہ ہے لیکن دوسری جانب مقابلے محذوف ہے اِنْ نَّفَعَتِ اَوْلَمْ تَنْفَعْ

تفسیر 10، 11 نصیحت کے بعد دو گروہوں کا ذکر ہے: پہلا گروہ وہ ہے جس کو نصیحت فائدہ دیتی ہے (اور یہ گروہ) اس قول میں (ہے): سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى: یعنی وعظ اور ذکر قبول کرنا اللہ تعالیٰ سے خشیت یا حساب کے دن سے ڈرنے پر موقوف ہے اور سَيَذَّكَّرُ: میں حرف سین میں اشارہ ہے کہ خشیت (خوف) کے ساتھ نصیحت لینا متصل طور پر لازم نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی غور و فکر کے بعد نصیحت لے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خشیت علم پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں: اِنَّمَا

يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اور اسکی تفسیر سورۃ فاطر میں گزری ہے اور دوسرا گروہ جس کو نصیحت فائدہ نہیں دیتی یہ ہے وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى: اور اس میں اشارہ ہے کہ نفع نہ دینا قرآن کا نقصان نہیں ہے بلکہ یہ لوگوں کا قرآن سے دور رہنے کے سبب سے ہے الْأَشْقَى: اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر میں بدبخت ہے اور اسکی علامت قرآن سے دور رہنا ہے۔ أَشْقَى: عنادی کافر ہے اور شقی فاسق ہے یا یہ اسم تفضیل شقی کے معنی میں ہے۔

تفسیر 12، 13 اس میں دوسرے گروہ کے لئے تخویف اُخروی ہے۔ الْكُبْرٰى: صغریٰ کے مقابل ہے حسن بصری سے روایت ہے کہ صغریٰ دنیا کی آگ ہے اور کبریٰ جہنم کی آگ ہے اور فراء نے کہا ہے کہ نار صغریٰ ایمان والے گنہگاروں کے لئے ہے کہ وہ اس سے پھر نکلیں گے نیز یہ ہمیشہ نہیں ہے اور کبریٰ کافروں کے لئے ہے اور الاشقی کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى: سوال یہ تو تناقض کی نفی ہے جو کہ عقل کے خلاف ہے؟ جواب: پہلے میں نفی مطلق ہے اور دوسرے میں قید کی نفی ہے یعنی سورۃ فاطر آیت 36 کے قرینے سے موت تو یقیناً نہیں ہے جیسے سورۃ ابراھیم آیت 17 میں بھی ہے اور زندگی ہے لیکن فائدے دینے والی زندگی نہیں ہے اور ثُمَّ: سے سختی کے درجات میں تراخی (تاخیر) کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 14، 15 یہ تین صفات کے ذکر کے ذریعے سے کامیابی کے ساتھ پہلے گروہ کو بشارت ہے۔ تَزَكّٰى: توحید کے ذریعے سے عقیدے کا تزکیہ اور ریاکاری اور شہرت سے پاک ہونا اور وضوء کرنے کے ذریعے سے جسم کا تزکیہ اور زکوۃ کی ادائیگی اور صدقہ فطر اور نفلی صدقہ کے ذریعے سے مال کا تزکیہ یہ لفظ ان تمام معانی پر مشتمل ہے۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ: یعنی سَبِّحِ پر عمل کرنے کے لئے توحید اور تسبیح کے ساتھ زبان سے اور نماز کے شروع کرنے میں تکبیر کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرتا ہے اس کو تکبیر افتتاح کہا جاتا ہے اور راستے اور عیدگاہ اور مُصَلّٰی میں عید کی تکبیرات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے یہ سب معانی اس میں شامل ہیں۔ فَصَلّٰى: صلاۃ نماز کے معنی میں ہے اور پانچ نمازیں اور عیدین کی نماز اور تمام نفلی نمازوں کے لئے عام ہے یا دعا کے معنی میں ہے چونکہ اعتبار نصوص کے الفاظ کا ہے، نزول (مورد) کی تخصیص کا اعتبار نہیں اسی وجہ سے اس آیت سے افتتاحی تکبیر اور عیدین کی تکبیرات کا استدلال صحیح ہے خلاصہ یہ ہوا کہ نماز کے لئے پہلے دو شرطیں ہیں: ایک شرک اور ریاکاری سے عقیدے کا تزکیہ اور دوسرا تکبیر افتتاحی فقہاء بھی چونکہ عقیدے کی بحث نہیں کرتے ہیں تو اسی وجہ سے انہوں نے تزکیے کی شرط نماز کی شرطوں میں ذکر نہیں کی ہے البتہ انہوں نے تکبیر اولیٰ سے قبل اخلاصِ نیت ذکر کی ہے۔

تفسیر 16، 17 یہ سورت کا تیسرا مضمون ہے جو کہ دنیا کی محبت پر زجر ہے۔ بَلْ: اس میں ترقی ہے يَتَجَنَّبُهَا سے یا تزکیہ

سے اضراب ہے یعنی تم تزکیہ نہیں کرتے ہو بلکہ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو اور اس کو آخرت پر مقدم کرتے ہو نیز اسکے لئے محنت کرتے ہو اور آخرت کے لئے محنت نہیں کرتے ہو اور دنیا کا مال جمع کرتے ہو اور آخرت کے لئے ایمان اور عمل صالح جمع نہیں کرتے ہو۔ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی: مضاف محذوف ہے یعنی ثواب الْاٰخِرَةِ اس سے مراد جنت ہے اور افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ آخرت سعادت بدنی اور روحانی پر مشتمل ہے اور دنیا اس طرح نہیں ہے اور نیز دنیا کے مزے مصائب کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور آخرت کے مزے خالص ہیں اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ ہیں اور دنیا کا فائدہ فانی ہے۔

تفسیر 18، 19 یہ پہلی کتابوں سے دلیل نقلی ذکر کی ہے ھٰذَا: ابو العالیہ کے قول کے مطابق ساری سورت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے اور ابن جریر کے قول کے مطابق قَدْ اَفْلَحَ کے مضمون کی طرف اشارہ ہے اور ضحاک کے قول میں قرآن کے مضمون کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ مضمون پہلی کتابوں میں ہے سابقہ چھوٹی اور بڑی کتابیں بہت ہیں صحیح سند کے ساتھ ان کی تعداد ثابت نہیں ہے صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی: اسی طرح سورۃ نجم آیت 36، 37 میں بھی مذکور ہے اور ان کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اہل مکہ تو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا دعویٰ کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی امت اس وقت نزدیک موجود تھی اور نصاریٰ اور صابئین ان سے دور تھے یا تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ تسبیح اور تذکیر ان دونوں کی کتابوں میں بہت ذکر ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں سے مراد تورات ہے جو بہت سے صحیفوں پر مشتمل ہے یا اس سے مراد دوسرے صحیفے ہیں جو تورات سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیے گئے تھے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ تقدیر کا ذکر۔ ۲۔ سابقہ صحیفوں کا خلاصہ ۳۔ کامیابی کے اسباب کا ذکر۔

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ اعلیٰ کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتها ۲٦ ﴿۸۸﴾ سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ﴿٦٨﴾ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷

"یقیناً آپکے پاس چھا لینے والی آفت کی خبر آئی ہے[1] اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے[2] محنت کرنے والے تھکے ہوئے ہونگے[3] سخت گرم آگ میں داخل ہونگے[4] اور انہیں نہایت گرم چشمے کا پانی پلایا جائے گا[5] ان کے لئے کانٹے دار درختوں کے سوا اور کچھ کھانا نہ ہوگا[6] جو نہ موٹا کریگا اور نہ بھوک سے فائدہ دیگا[7]۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ سورۃ اعلیٰ میں یَخْشٰی ذکر کیا تو اس سورت میں ان کو بشارت اور تخویف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں تسبیح کے ساتھ توحید کو ذکر کیا تو اس سورت میں اس کو ثابت کرنے کے لئے چار شواہد ذکر ہوئے ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں تذکیر کا حکم تھا بشرطیکہ نفع بخش ہو تو اس سورت میں علت کے ساتھ تذکیر ذکر ہے جو اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ہے یعنی یہ آپکی ذمہ داری ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں اَلنَّارَ الْكُبْرٰى ذکر تھا تو اس سورت میں اَلْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ذکر کیا ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: منکرین کو تخویف ہے اور ایمان والوں کو بشارت ہے اور قیامت کی یاددہانی کے لئے قرآن کے ذریعے سے تذکیر ہے اور اسماء حسنیٰ میں صرف "اللہ" ذکر کیا ہے اور دو صفتیں تعذیب اور حساب کرنا ذکر ہے۔

سورت کا خلاصہ: پہلے آیت 7 تک منکرین کو دس طریقوں کے ساتھ تخویف اُخروی ہے۔ پھر آیت 16 تک دس طریقوں سے ایمان والوں کو بشارت ہے پھر توحید پر چار دلائل ہیں اور ان میں مُذَكِّرٌ (داعی) کی چار صفات (القیاد، نفع، استقلال، تواضع) کی طرف اشارہ ہے پھر قیامت اور توحید کی یاددہانی کے لئے قرآن کے ذریعے سے نصیحت کرنے کا حکم ہے اور پھر آیت 22 میں تسلی ہے اور سورت کا اختتام سورت کی ابتداء کی طرح تخویف پر ہوا ہے۔

تفسیر 1 اس میں قیامت کے بارے میں تذکیر ہے هَلْ، قَدْ کے معنی میں ہے لیکن تشویق (شوق دلانے) کے لئے استفہام کی

صورت میں لایا ہے۔ الْغَاشِيَةِ: وہ آفت جو ہیجوں اور گھبراہٹوں کے ساتھ لوگوں کو ڈھانپ لے اور یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ یا جہنم کی آگ کا نام ہے جو جہنمیوں کے سارے جسموں کو چھپا ئیگی۔

تفسیر 2، 3 اس آیت میں دو قسم لوگوں کی تقسیم ہے: تو ان آیتوں میں ایک قسم کا ذکر ہے جس کو اشقیٰ کہا گیا اور انکو دس طریقوں سے تخویف ہے وُجُوْهٌ کا ذکر ہے جبکہ مراد چہروں والے ہیں اور چہرے کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے کہ تکلیف اور خوشی کی پہلی نشانی چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ خَاشِعَةٌ: خشوع ذلت کے معنی میں ہے یعنی آخرت میں ندامت اور رسوائی اور عذاب سے خوف کی وجہ سے ذلیل ہونگے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ دنیا میں عبادات میں خشوع کرنے والے ہیں (لیکن یہ مشرک ہیں) عَامِلَةٌ: دنیا میں عمل کرنے والے ہیں لیکن عمل شرک کے عقیدے کے ساتھ ہے یا بدعت کے طریقے پر ہے یا فسق اور فجور کے طریقے پر ہے۔ نَّاصِبَةٌ: یہ بھی دنیا میں ہے یعنی اپنے آپ کو نمازوں، روزوں اور دوسری عبادات وغیرہ کے ساتھ تھکایا ہے یا آخرت میں مراد ہے یعنی جہنم کی آگ میں تھکاوٹیں اور تکلیفیں سہیں گے، امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ نصاریٰ (رھبان) کے بارے میں ہے۔ اور حسن بصری نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے شام میں ایک راہب کو دیکھا کہ بہت بوڑھا تھا اور اسکے کپڑے میلے تھے، انتہائی عبادت کی وجہ سے اپنی صفائی کرنے کے لئے بھی فارغ نہیں تھا تو عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے، کسی نے کہا یا امیر المؤمنین! آپکو کس چیز نے رلایا؟ انہوں نے فرمایا یہ مسکین ایک مقصد کا متلاشی ہے لیکن اسکو نہیں پاتا ہے اور اس نے امید رکھی ہے لیکن اس کو دھوکا ہوا ہے اور پھر یہ آیت تلاوت کی (قرطبی) اور علی رضی اللہ عنہ سے شربینی نے روایت نقل کی ہے کہ خوارج بھی اس میں داخل ہیں، وہ لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہیں، مزید وہ روزے رکھتے ہیں لیکن دین سے نکلیں گے جیسے حدیث الخوارج وغیرہ میں آیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ آیت الفاظ کے عموم کی وجہ سے ہر بدعتی کو شامل ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب 3610 صحیح مسلم حدیث 1063)

تفسیر 4، 5 "تَصْلَىٰ: آگ کے اندر جلنے اور داخل ہونے کو صلی کہا جاتا ہے۔ حَامِيَةً: سخت اور انتہائی گرم۔ سوال: آگ تو ویسے بھی گرم ہوتی ہے تو حَامِيَةً صفت ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ جواب: اس سے مراد وہ آگ ہے جو ہمیشہ گرم ہوگی اور دنیا کی آگ کی طرح بجھے گی نہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کی گرمی کی وجہ سے گرم ہوگی۔ عَيْنٍ آنِيَةٍ: اِنی سے ماخوذ ہے انتہائی گرمی کو کہا جاتا ہے اور مراد یہ ہے کہ گرم ہونے میں انتہاء کو پہنچے ہیں یعنی یہ چشمے انتہائی گرم ہیں جیسے سورۃ رحمان آیت 44 میں ہے اور گرم ہونے کی حالت سورۃ کہف آیت 29 اور سورۃ محمد آیت 15 میں مذکور ہے۔

تفسیر 6، 7 مشروب کے ذکر کے بعد طعام کا ذکر ہے اور ہر ایک مستقل عذاب ہے۔ ضَرِيْع: کانٹے دار پودے جو زمین کے ساتھ پیوست ہوتے ہیں جب گیلے ہوں تو ان کو شبرق کہا جاتا ہے اور جب سوکھ جاتے ہیں تو ان کو ضریع کہتے ہیں اور کوئی بھی جانور ان کے قریب نہیں جاتا ہے زیادہ کڑواہٹ اور بدبو کی وجہ سے اور یہ زہر قاتل ہے اور ضریع اس وجہ سے ذکر کیا جب یہ پودے سبز ہوتے ہیں جن کو شبرق کہا جاتا ہے تو ان کو عرب میں اونٹ کھاتے ہیں لیکن ضریع سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں

سوال: سورۃ الحاقۃ آیت 36 میں کھانے کا حصر غِسْلِيْن میں ہوا ہے اور یہاں ضریع میں اور دونوں الگ الگ چیزیں تھیں؟ جواب: یہ حصر جہنمیوں کی مختلف اقسام کے اعتبار سے ہے یا پھر مختلف اوقات کے اعتبار سے ہے لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ: طعام کے دو فائدے ہیں: بڑا فائدہ یہ ہے کہ جسم کو ترقی دے اور ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ بھوک کو روک لے اور جہنم کے کھانے میں یہ دونوں فائدے نہیں ہیں اور اس میں تکلیفیں اور نقصانات ہیں تو خالص عذاب ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾
فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ
اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ
سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ
الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾ "بعض چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے [8]
اپنے عمل کی وجہ سے خوش (راضی) ہوں گے [9] بلند جنت میں ہوں گے [10] اس میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے [11] اس
میں ایک چشمہ رواں ہوگا [12] اس میں اونچے تخت ہوں گے [13] اور آبخورے رکھے ہوئے ہوں گے [14] اور تکیے قطار در
قطار لگے ہوں گے [15] اور قالین بچھے ہوئے ہوں گے [16] پس کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا
ہے [17] اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسا بلند کیا گیا ہے [18] اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کیسے کھڑے کئے گئے ہیں [19] اور
زمین کی طرف کہ وہ کیسی بچھائی گئی ہے [20] پس آپ (قرآن) بیان کریں بیشک آپ بیان کرنے والے ہیں [21] آپ
ان پر داروغہ نہیں ہیں [22] مگر وہ جس نے اعراض کیا اور کفر کیا [23] پس اللہ تعالیٰ اس کو بڑا عذاب دے
گا [24] بیشک ان کا رجوع ہماری طرف ہے [25] پھر ان کا حساب لینا ہمارے ذمے ہے [26]

تفسیر 8، 9 یہ دس طریقوں سے بشارت ہے جو دوسری قسم کے لوگوں کو دی گئی ہے۔ نَّاعِمَةٌ: نعمتوں کے سبب سے تازہ اور خوبصورت ہونگے جیسے سورۃ تطفیف آیت 24 میں ذکر ہوا ہے یا یہ ہے کہ نعمتوں اور کرامتوں میں ہونگے وُجُوْهٌ: اسکے ساتھ حرف عطف نہیں لایا ہے اشارہ ہے کہ اس کی پہلی قسم سے کوئی مناسبت اور شرکت نہیں ہے لِسَعْيِهَا: لام اجلیہ ہے اور اس کوشش سے مراد ایمان اور سنت کی اتباع ہے۔ رَاضِيَةٌ: آخرت میں خوش ہونگے یہ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ کے مقابلے میں ہے لِسَعْيِهَا میں مضاف محذوف ہے یعنی لِثَوَابِ سَعْيِهَا۔

آیت 10، 11 "عَالِيَةٍ: آسمانوں پر بلند ہے یا انکی قدر منزلت آسمانوں پر بلند ہے۔ لَّا تَسْمَعُ: یہ مؤنث کا صیغہ ہے اسکی ضمیر وُجُوْهٌ کی طرف راجع ہے یا مخاطب (جو کہ ہر جنتی ہے) کا صیغہ ہے۔ لَاغِيَةً: موصوف کی صفت کَلِمَةً پوشیدہ ہے اور لَاغِيَةً مصدر ہے یعنی ذات لغو ہے یا اسم فاعل ہے ذُوْ لَغْوٍ کے معنی میں ہے اور یہ لفظ ہر لغو کلام، جھوٹ، غیبت، بہتان، شرک اور کفر کے کلمات، گالی دینے اور معصیت کی ہر بات کے لئے عام ہے اور لغو اس وجہ سے نہیں سنیں گے کہ سارے جنتی حکمت کی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور سچی باتیں کرینگے اور اس طرح سورۃ مریم آیت 62 اور سورۃ طٰہٰ آیت 23 اور سورۃ واقعۃ آیت 25 میں بھی مذکور ہے۔

تفسیر 12 "عَيْنٌ: جنس ہے اس سے مراد بہت چشمے ہیں: کافور، سلسبیل، تسنیم۔ جَارِيَةٌ: زمین کے اوپر بغیر گڑھوں کے رواں ہونگے ہر جنتی کے گھر کی طرف اسکے ارادے کے موافق چلیں گے۔

آیت 13 "مَّرْفُوْعَةٌ: انکی قدر و شان بلند ہوگی یا ہوا میں بلند ہوں گے اور جب جنتی اس پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ تخت نیچے ہو جائیں گے اور پھر بلند ہو جائیں گے۔

تفسیر 14 "مَّوْضُوْعَةٌ: ایک معنی یہ ہے کہ نہروں اور چشموں کے کناروں پر تیار رکھے ہوئے ہونگے دوسرا معنی یہ ہے کہ انکی خوشی کے لئے انکے آگے رکھے ہوئے ہونگے، تیسرا معنی یہ ہے کہ درمیانے ہونگے نہ بہت بڑے ہونگے اور نہ بہت چھوٹے ہونگے۔

تفسیر 15 "نَمَارِقُ: نَمْرِقَةٌ کی جمع ہے تکیے یا چھوٹے تکیے جو قطار میں رکھے ہوئے ہونگے۔

تفسیر 16 "زَرَابِيُّ: زَرْبِيَّةٌ کی جمع ہے وہ مسندیں اور قالین جن کے کناروں پر چھوٹے پھول لگے ہوئے ہوں۔ مَبْثُوْثَةٌ ہر طرف پھیلے ہوئے ہونگے جمع کرنے اور پھر پھیلانے کی تکلیف نہیں ہوگی ان چار نعمتوں میں اشارہ ہے کہ جیسے مالداروں کی مجلسوں میں ایک طرف مسندیں ہوتی ہیں دوسری طرف گلاس اور جگ ہوتے ہیں تیسری طرف تکیے ہوتے ہیں اور قالین ہوتے

ہیں تو جنت کی مجلسیں ان سے بہت بلند اور بہتر ہوں گی۔

تفسیر 17 اس میں اور بعد والی آیت میں جزاء اور سزا دینے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہیں یعنی جب مخلوق کی چار عجیب اجناس پر قادر ہے تو جزاء وسزا دینے پر اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے اور اسی طرح اس میں اس وہم کا جواب ہے جو سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ سے تعلق رکھتا ہے وہم یہ ہے کہ جنت کے وہ تخت بلند ہونگے تو جنتی کس طرح اس پر چڑھینگے؟ تو جواب دیا کہ اونٹوں کی طرف دیکھو کہ کس طرح بلند ہیں لیکن سوار ہونے کے لئے نیچے ہوجاتے ہیں اور اسی طرح یہ بعد والی آیت فَذَكِّرْ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے چونکہ آپ مُذَكِّر اور داعی ہیں تو آپ میں چار اخلاق ہونے چاہئیں چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ نرمی کے ساتھ انقیاد اونٹ کی طرح۔ كَيْفَ خُلِقَتْ: كَيْفَ اونٹ کی خلقت کی تعجب کے لئے ہے یعنی حیوانات میں یہ عجیب پیدائش اور عجیب صفات والا حیوان ہے اسلئے کہ حیوانات چار قسم کے ہیں دودھ والے، سواری کے لئے، کھائے جانے والے، (جن کا گوشت کھایا جاتا ہو) اور بوجھ لے جانے والے اور اونٹ میں یہ چار صفات ہیں اور ہاتھی اگر چہ انتہائی عجیب ہے لیکن یہ فائدے اس میں نہیں ہیں اور ہاتھی عرب کے قریب موجود بھی نہیں تھا۔

تفسیر 18 یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی دلیل ہے اور وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے یعنی آسمان میں سورج، چاند، اور تارے جو اچھی ترتیب سے رکھے گئے ہیں تو یہ گلاسوں کی مثال ہے جو جنت میں ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔ كَيْفَ رُفِعَتْ: اسکا ستونوں کے بغیر اس طرح بلند ہونا کہ کوئی بھی انسان اس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ نہیں پہنچ سکتا ہے یہ دونوں اسکی طرف اللہ تعالیٰ نے زندہ پہنچائے اور اس طرح سورۃ ق آیت 6 میں مذکور ہے۔

تفسیر 19 یہ قدرت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی تیسری دلیل ہے اور نمارق مصفوفۃ کے لئے مثال ہے۔ كَيْفَ نُصِبَتْ مختلف صورتوں اور رنگوں اور قطاروں کے ساتھ مختلف فائدوں پر مشتمل کھڑے کیے گئے ہیں۔

تفسیر 20 یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی چوتھی دلیل ہے اور مثال کے طور پر زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ کے متعلق ہے اور ان چاروں میں الگ الگ صفات ہیں جو داعی کے لئے ضروری ہیں اونٹوں میں بڑے ہونے کے باوجود انقیاد اور فرمان برداری ہے اور آسمانوں میں بلند ہونے کے ساتھ فائدے ہیں اور پہاڑوں میں ترتیب کے ساتھ استقلال اور استقرار ہے اور زمین میں تواضع ہے تو اسی طرح داعی میں اللہ تعالیٰ کے لئے یہ چار صفات ضروری ہیں جن کی وجہ سے آخرت میں جنت کی نعمتیں حاصل کی جاسکتی ہیں اور دنیا میں دعوت اور تذکیر کی جاسکتی ہے اور اسی طرح یہ چار باتیں عرب اور دیہاتیوں کے لئے بہت قریبی دلائل

تھے کہ وہ ان چاروں کو ہر وقت دیکھ سکتے تھے لیکن عبرت کی نظر سے دیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

تفسیر 21، 22 یہ دعوت دینے کے لئے ترغیب اور دلیری ہے اور فاء ذکر کی یعنی نعمتوں اور توحید کے دلائل ذکر کرنے کے بعد غفلت کرنے والوں کو ان کی تذکیر کرنی چاہئے اور اسی طرح (اشارۃ) داعی کے اخلاق اور صفات کے ذکر کے بعد دعوت کا حکم ہے۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ: یہ ذکر (نصیحت) کی علت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپکے ذمہ صرف تذکیر کرنا ہے اور اگر یہ لوگ دلائل میں غور وفکر نہیں کرتے اور ایمان نہیں لاتے تو آپ پر کوئی وبال نہیں ہے۔ بِمُصَيْطِرٍ: اس کو کہا جاتا ہے جو امیر کی طرف سے کسی چیز پر اسکی نگہبانی اور انتظام کرنے کے لئے اور اسکے احوال لکھنے کے لئے مقرر ہو اور اس میں کوئی بھی تجاوز و کمی نہیں کرتا ہو جیسے لکھائی سطر سے تجاوز نہیں کرتی ہے اور جب (ایسا شخص) اپنی ذمہ داری میں نقصان کرلے تو اس پر تاوان ہوتا ہے یعنی نبی ﷺ اس مخلوق کے ایمان لانے اور تذکیر قبول کرنے پر ذمہ دار ہے اور نہ زور آور ہے جیسے سورۃ ق آیت 45 میں ہے۔

تفسیر 23، 24 یہ مستثنیٰ منقطع ہے متصل اسلئے نہیں ہوسکتا کہ نبی ﷺ تو کافروں پر مسلط نہیں تھے اس معنی کے ساتھ جو گزر گیا ہے اور اگر مسلط سے مراد جہاد اور قتال کا تسلط ہو جائے تو استثناء متصل ہوسکتا ہے لیکن پہلا قول راجح ہے۔ مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ: پہلا عمل کے اعتبار سے ہے اور دوسرا عقیدے کے اعتبار سے ہے۔ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ: آخرت کا عذاب اکبر ہے اور دنیا کا عذاب اصغر اور ادنی ہے تو منکرین کے لئے دنیا میں بھی عذاب ہے لیکن آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے۔

تفسیر 25، 26 یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے اور فَذَكِّرْ سے متعلق ہے يُعَذِّبُهُ اللّٰهُ کے لئے علت ہے یعنی رجوع اور حساب کے بعد عذاب اکبر ہے اور ان دونوں جملوں میں ظروف (اِلَيْنَا، عَلَيْنَا) مبالغہ، تاکید اور حصر کے لئے مقدم کئے گئے ہیں اسلئے کہ آخرت اور حساب میں رجوع اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے اور حساب علم محیط اور قدرت کاملہ پر موقوف ہے اور یہ اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے سیوطی نے درمنثور میں قتادہ سے روایت کیا ہے کہ وہ اسکے آخر میں کہتے تھے: اِلَى اللّٰهِ الْاِيَابُ وَعَلَى اللّٰهِ الْحِسَابُ۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام غاشیہ کا ذکر۔ ۲۔ چہروں کی تقسیم۔ ۳۔ مخلوق میں فکر ونظر کی طرف ترغیب۔

اللہ تعالی کے فضل سے سورۃ غاشیہ کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتها ۳۰ ۸۹ سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالْفَجْرِ ۝١ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝٢ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝٣ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝٤ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝٥ اَلَمْ
تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝٧ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝٨ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا
الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝٩ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝١٠ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝١١ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝١٢ فَصَبَّ
عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝١٣ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝١٤

صبح کے وقت کی قسم[1] اور دس راتوں کی[2] اور جفت اور طاق کی قسم[3] اور قسم ہے رات کی جب وہ چلنے لگے[4] یقیناً اس میں عقل والوں کے لئے پورا حصہ ہے[5] کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا[6] جو ارم تھیں ستونوں والے[7] وہ جنکی مثل شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے[8] اور ثمود کی جو وادیوں میں پتھر تراش کر عمارتیں بناتے تھے[9] اور فرعون کیلوں والا[10] وہ لوگ جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی[11] پس ان میں بہت فساد پھیلایا تھا[12] پس آپکے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا پھینکا[13] بیشک آپ کا رب گھات میں ہے[14]۔

ربط: اس سورت کا ربط پہلی سورت سے چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلے آخرت کے عذاب کے ذریعے سے تخویف ہوا تو اس سورت میں عذاب سے بچنے کا طریقہ ذکر کرتا ہے اور وہ اوقات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے عذاب اخروی ذکر ہوا تو اس سورت میں عذاب دنیاوی کے نمونے ذکر کرتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت کے آخر میں دوبارہ زندگی ذکر کی تو اس سورت کی ابتداء میں پانچ مختلف حالات ذکر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیلیں ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں آخرت کا ذکر تھا تو اس میں توحید فی الدنیا ذکر کرتا ہے۔

سورت کا بنیادی مضمون: اوقات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرنے کی ترغیب اور مرض اور سبب مرض سے اجتناب کا ذکر ہے مضمون کا ماخذ آیت 5 میں ہے اور آیت 11، 12 میں مرض مذکور ہے اور آیت 17، 18، 19 میں اسباب مرض

ہیں اور توحید ربوبیت کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے رب آٹھ مرتبہ ذکر کیا ہے۔

سورت کا خلاصہ: پانچ اوقات مبارکہ پر قسم کا ذکر ہے اور آیت 5 تک سورت کا عنوان ہے پھر جھٹلانے والی تین قوموں کے ذریعے سے ان کے لئے تخویف دنیاوی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی نہیں کرتے ہیں ان میں سے عادی تھے جو جسموں کی قوت پر تکبر کرتے تھے اور ثمودی تھے جو مکانات اور صنعتوں پر تکبر کرتے تھے اور فرعون تھا جو بادشاہی کی قوت پر تکبر کرتا تھا۔ یا آیت 10 تک ہے پھر آیت 11، 12 اور آیت 13، 14 میں عذاب کے ساتھ مرض ذکر ہوا جو کہ سرکشی اور فساد ہے پھر آیت 16 تک دنیا کی محبت پر زجر ہے جس کو لوگ کرامت اور اہانت کا سبب سمجھتے ہیں اور اس دنیاوی محبت کی وجہ سے چار اوصاف قبیحہ (جو کہ مرض ہے) ذکر کیے ہیں آیت 20 تک پھر آیت 26 تک آٹھ طریقوں سے تخویف دنیاوی کا ذکر ہے اور پھر آخر تک چھ طریقوں پر بشارت ہے۔

تفسیر 1، 2 یہ پہلی قسم ہے اور فَجْرِ تو معلوم ہے جو صبح کو کہا جاتا ہے لیکن اس کی مراد میں بہت اقوال ہیں: (۱) ہر دن کی فجر (۲) یوم النحر کی فجر (۳) یوم عرفہ کی فجر (۴) فجر کی نماز (۵) سارا دن یعنی جزء کا ذکر ہے اور مراد اس سے کل ہے لیکن پہلا قول اور دوسرا قول زیادہ صحیح ہے وَلَيَالٍ عَشْرٍ: یہ دوسری قسم ہے اور مراد یوم النحر کی فجر سے پہلے ذوالحجہ کے مہینے کی دس راتیں اور دن ہیں یا اس سے مراد رمضان کے آخری دن ہیں۔ پہلا قول ابن کثیر نے راجح قرار دیا ہے اگرچہ احادیث مبارکہ میں ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کی فضیلت ذکر ہے (صحیح بخاری کتاب الصید حدیث 969) لیکن رات کا اطلاق دن پر ہو سکتا ہے اور جب دوسرا قول مراد ہو جائے تو مراد اس سے راتیں ہیں اسلئے کہ رمضان کی آخری راتوں کی فضیلت بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔

تفسیر 3 "وَّ الشَّفْعِ: وہ عدد ہے جو پورا پورا تقسیم ہو سکتا ہے جیسے دو، چار (جفت) اور وَ الْوَتْرِ: وہ ہے جو پورا تقسیم نہیں ہوتا ہے جیسے ایک، تین وغیرہ (طاق) اور انکی مراد میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں: پہلا یہ ہے کہ حج کے مکانات مراد ہیں یعنی بیت اللہ، جمرات، عرفہ، منیٰ اور مزدلفہ سارے طاق ہیں اور صفا و مروہ جفت ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ حج کے اعمال دو قسم کے ہیں: طواف، سعی، جمرات کی رمی طاق ہیں اور طواف کی دو رکعت جفت ہیں تیسرا یہ کہ حج کا زمانہ یعنی عرفہ کا دن طاق ہے اور یوم النحر شفع (جفت) ہے (دسواں ہے) چوتھا یہ ہے کہ نمازیں مراد ہیں یعنی دو اور چار رکعتیں جفت ہیں اور تین اور ایک رکعت طاق ہیں پانچواں یہ ہے کہ ساری مخلوق جفت ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ کی دلیل کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ وتر

ہے (ایک ہے) چھٹا سارے اعداد کہ بعض جفت ہیں اور بعض طاق ہیں اور بھی کئی اقوال ہیں ان میں سے بہتر چوتھا قول ہے چونکہ جفت نمازیں زیادہ ہیں اسی وجہ سے اَلْوَتْرِ پر وَالشَّفْعِ کو مقدم کیا ہے اور یہ دو قسمیں ہیں۔

تفسیر 4 یہ پانچویں قسم ہے اس سے مراد ہر رات ہے جو گزرتی ہے اور (اس میں) تہجد کا وقت (ہوتا ہے) یا اس سے مراد مزدلفہ کی رات ہے یا لیلۃ القدر کی رات ہے لیکن یسر کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ پہلا قول راجح ہے۔ یَسْرِ: اصل میں یسری ہے خلیل نے کہا ہے کہ یا آیتوں کی موافقت کے لئے حذف ہوتی ہے اور فراء نے کہا ہے کہ عرب ایسی جگہوں میں یاء حذف کرتے ہیں اور کسرہ (زیر) پر اکتفاء کرتے ہیں۔

تفسیر 5، 6 یہ جواب قسم ہے اور ھَلْ: اِنَّ کے معنی میں ہے ذٰلِكَ: میں مذکورہ کی تاویل کے ساتھ پانچوں قسموں کی طرف اشارہ ہے قَسَمٌ: حلف کے معنی میں ہے اور خازن نے کہا ہے کہ مُكْتَفِي کے معنی میں ہے یعنی یہ قسمیں عقل والوں کو فائدہ دیتی ہیں وہ ان قسموں پر اکتفاء کرتے ہیں یا قسم: قِسم یعنی حصے کے معنی میں ہے یعنی ان مبارک اوقات میں عقل والے حصہ پاسکتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ یہ پانچ اوقات دعاء کی قبولیت اور عبادت کے لئے مبارک اوقات ہیں اور یہ قسمیں ان کی عظمت اور برکت پر دلالت کرتی ہیں تو عقل والے ان قسموں کا اعتبار کرتے ہیں اور ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرتے ہیں۔ حِجْرٍ اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جو منع کرتی ہے اور عقل کو اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عقل بھی قبائح اور بے فائدہ وقت گزارنے اور دنیائے فانی کی محبت سے منع کرتی ہے۔

تفسیر 7، 8، 9 عاجزی کرنے والوں کے حال کے ذکر کے بعد تخویف دنیاوی کے طور پر متکبرین کا حال ذکر کرتا ہے اور انکے تین نمونے ذکر کرتا ہے پہلے وہ ہے جن کو مال اور جسموں کی قوت کی کثرت پر تکبر تھا یعنی عادی كَيْفَ فَعَلَ: میں انکے بڑے عذاب سے تعجیب ہے جو سورۃ الحاقۃ آیت 7، 8، 9، 10 میں ذکر ہے عَادٍ: یہ انکے ایک دادا کا نام تھا پھر یہ ایک قبیلے کا نام ٹھہر گیا۔ اِرَمَ: یہ عاد کا عطف بیان ہے اشارہ ہے کہ یہ عاد اولیٰ ہے اسلئے کہ عاد، ارم کا بیٹا اور ارم، عوص کا بیٹا اور عوص، سام کا بیٹا اور سام، نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا۔ اور انکا نام عاد اولیٰ سورۃ نجم آیت 50 میں ذکر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ارم انکے شہر کا نام تھا۔ ذَاتِ الْعِمَادِ: چونکہ ارم قبیلے کا نام ہے تو ذات العماد ارم کی صفت ہے اور معنی یہ ہے کہ انکی اکثریت ایسے خیموں میں رہائش پذیر تھی جو ستونوں پر کھڑے تھے یا یہ ہے کہ انکے جسم بڑے ستونوں کی طرح قد آور تھے الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ: یہ دوسری صفت ہے۔ مِثْلُهَا: جسموں کی قوت اور قد آوری میں (کوئی ان کا مثل نہ تھا) اور مؤنث کی ضمیر

قبیلے کی تاویل کے ساتھ ارم کی طرف راجع ہے فائدہ: بعض تفسیروں میں شداد کے باغ کا واقعہ ذکر کیا ہے اس کا ابن کثیر
نے رد کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ عادیوں کے قد پانچ سو گز تھے تو اس کا قرطبی نے رد کیا ہے۔

تفسیر 9 یہ دوسرا نمونہ ہے۔ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ: اس میں انکی صنعت کاری کی طرف اشارہ ہے یعنی پتھروں کو تراشتے تھے
اوران سے آبادی مختلف صورتیں اور نقش بناتے تھے تو یہ مالداری اور صنعت کاری ہے تو اس وجہ سے حق سے تکبر کرتے تھے۔
بِالْوَادِ: اس سے مراد خصوصی طور پر وادی القریٰ ہے یا عام مراد ہے یعنی پہاڑوں کے کنارے جن میں یہ رہتے تھے

تفسیر 10 اس میں تیسرا نمونہ ہے یعنی فرعونی جو بادشاہی قوت پر تکبر کرتے تھے ذِي الْأَوْتَادِ: یہ انتہائی فوج، پولیس اور لشکر
سے کنایہ ہے جن کے ساتھ اپنی حکومت کو مضبوط کیا تھا یا مراد یہ ہے کہ کسی کو سخت سزا دیتے تو اسکے ہاتھوں اور پاؤں پر کیل
ٹھونکتے تھے جیسے آسیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا تھا۔

تفسیر 11، 12 اس میں ان جھٹلانے والوں کے امراض ذکر ہوئے ہیں: طغیان، فساد، پہلا دوسرے کے لئے سبب ہے۔
طَغَوْا: ضمیر تینوں قوموں کی طرف راجع ہے طغیان عمل اور عقیدے میں حد شرعی سے تجاوز ہے۔ الْفَسَادَ: قتل، کفر اور تمام
نافرمانیوں کو شامل ہے امام شربینی نے کہا ہے کہ جس نے اللہ کے حکم کے مقابل کسی اور کے حکم کے ساتھ بندوں پر حکومت کی تو وہ مفسد
ہے اور یہ مرض عام منکر بندوں کا ہے۔

تفسیر 13، 14 یہ عذاب اور اسکے اسباب پر تفریع ہے۔ فَصَبَّ: کثرت اور مبالغے کے ساتھ نازل کرنے کو صب کہا جاتا
ہے۔ سَوْطَ عَذَابٍ: سوط چابک اور کوڑے کو کہا جاتا ہے جس سے مار اور سزا دی جاتی ہے تو اس سے مراد عذاب کی بہت
سے قسمیں ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ سوط خلط ملط کو کہا جاتا ہے یعنی ایسا عذاب جو گوشت اور خون کو خلط ملط کردے۔ إِنَّ رَبَّكَ
اس جملے میں عذاب دینے کی تاکید ہے لَبِالْمِرْصَادِ: مرصاد اس مکان کو کہا جاتا ہے جس میں دشمن کو گھیرنے کے لئے چوکیداری
کی جاتی ہو اس کو گھات کہا جاتا ہے تو یہ کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے عمل کو دیکھتا ہے اور انکی باتیں سنتا ہے اس سے کچھ بھی
پوشیدہ نہیں ہے انکو مناسب سزا دے سکتا ہے اس سے کسی بھی طریقے سے بچا نہیں جا سکتا ہے۔

فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ
رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ
التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ

صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٢٣﴾ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ
لِحَيَاتِي ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾
ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿٣٠﴾ ع

"پس انسان جب اسکا رب اس کو آزماتا ہے پس اسکو عزت دیتا ہے اور اسکو نعمت دیتا ہے پس یہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت دی[15] اور جب اسکو آزماتا ہے پس اس پر اسکی روزی تنگ کر دیتا ہے پس وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا [16] ہرگز یہ بات نہیں بلکہ تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے ہو[17] اور مسکین کے کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے ہو[18] اور میراث کا مال خوب کھاتے ہو[19] اور مال سے بہت محبت کرتے ہو[20] ہرگز یہ بات نہیں جب زمین مکمل ہموار ہونے کے ساتھ ہموار ہو جائیگی[21] اور آپکا رب آئے گا اور ملائکہ صف باندھے ہونگے[22] اس دن جہنم لائی جائے گی، اس دن انسان نصیحت قبول کرے گا اور کہاں سے اسکے لئے نصیحت ہوگی[23] یہ کہے گا اے کاش! میں اپنی زندگی کے لئے کچھ عمل پہلے بھیجتا[24] پس اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہیں دے سکے گا[25] اور نہ اسکے قید کرنے کی مانند کوئی قید کریگا[26] اے یقین کرنے والے نفس![27] اپنے رب کی طرف جا وہ تجھ سے راضی تو اس سے خوش[28] پس میرے بندوں میں داخل ہو[29] اور میری جنت میں داخل ہو جا[30]۔

تفسیر 15، 16 ان آیتوں میں ان جھٹلانے والوں کے لئے زجر ہے جو دنیا کی فراخی کو وسعت سمجھتے ہیں اور غریبی اور رزق کی تنگی کو اہانت سمجھتے ہیں اور اس سے مراد دنیا کی محبت ہے جو کہ مرض ہے فَأَكْرَمَهُ: اس سے مراد دنیاوی کرامت (عزت) ہے کہ لوگ اسکے دنیاوی جاہ و جلال اور مال کی وجہ سے عزت کرتے ہیں۔ وَنَعَّمَهُ: اس سے مراد دنیا کی زندگی ہے جو دنیاوی نعمتوں کی فراخی اور زیادتی ہے أَكْرَمَنِ سوال: اللہ تعالیٰ نے اسکو اکرام کہا ہے تو انسان کو اس بات (أَكْرَمَنِ) پر کیوں زجر کی؟ جواب ۱: مراد یہ ہے کہ اسکا یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر نہیں ہے بلکہ اپنے آپکو اسکا مستحق سمجھتا ہے جیسے قارون کا قول سورۃ قصص آیت 78 اور اسی طرح سورۃ زمر آیت 49 میں ہے۔ جواب ۲: دنیاوی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے بغیر کرامت (عزت) نہیں ہیں اور انسان آخرت کے عقیدے کے بغیر ان کو کرامت کہتا ہے۔ أَهَانَنِ: یعنی غریبی کو اہانت سمجھتا ہے اور اسی وجہ سے عادی، ثمودی اور فرعونی اپنے زمانے میں غریب مسلمانوں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے جیسے انکے واقعات مختلف سورتوں میں ذکر کیے گئے ہیں فائدہ: مالداری آزمائش ہے چاہے انسان شکر کرتا ہو یا ناشکری کرتا ہو اور غریبی بھی آزمائش ہے چاہے

انسان صبر کرتا ہو یا جزع فزع کرتا ہو۔ سوال: نَعَّمَہٗ: کے ساتھ اَکْرَمَہٗ کہا ہے اور قَدَرَ عَلَیْہِ رِزْقَہٗ کے ساتھ اَھَانَہٗ نہیں کہا ہے؟ جواب: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ظاہراً ضرور اکرام ہیں اگرچہ استدراج ہو اور رزق کی تنگی اہانت نہیں ہے اسی وجہ سے اکثر صالح بندوں کا رزق تنگ ہوتا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والے ہوتے ہیں۔

تفسیر 17، 18 تو تین کے چار اسباب کا ذکر ہو رہا ہے: دو سلبی اور دو ایجابی اور یہ دنیا پرست کافر اور غافل مسلمان کے اخلاق ہیں کَلَّا: ردعیہ ہے یعنی مالداری اور فقیری اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرام اور اہانت کا معیار نہیں ہے۔ [سوال]: دنیاوی نعمتوں کو اس قول (اَکْرَمَہٗ وَنَعَّمَہٗ) میں اکرام کہا گیا ہے تو کَلَّا کے ساتھ ان کی نفی کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ جواب: اکرام مقید کی نفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرام ہے اور اکرام مطلق کا اثبات ہے تو منافات نہیں ہے اور فراء نے کہا ہے کہ یہاں کَلَّا لَمْ یَکُنْ یَنْبَغِیْ کے معنی میں ہے یعنی انسان کے لئے یہ اقوال اَکْرَمَنِ اَوْ اَھَانَنِ مناسب نہیں ہیں اسکو مالداری کے وقت شکر اور فقیری کے وقت صبر کرنا چاہئے بَلْ: اضراب کیلئے ہے یعنی فقیری اہانت کا سبب نہیں ہے بلکہ یہ چار خلاق اہانت کے اسباب ہیں بَلْ ترقی کے لئے ہے یعنی پہلے اقوال سے زیادہ انکے دیگر برے اعمال بھی ہیں اول: لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ: یتیم کا اکرام اسکے حق سے مدافعت کرنا اسکے مال سے اپنے آپکو بچانا اسکی تربیت کرنا اور اسکے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا ہے (دوسرا) وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ: یہ عام ہے ایک دوسرے کو اور اپنے اہل اور اپنے آپکو رغبت دینا ہے۔ عَلٰی طَعَامِ طعام اطعام کے معنی میں ہے۔ الْمِسْكِیْنِ: اس میں اشارہ ہے کہ اپنے لئے صدقے کے مال کی کوشش کرتا ہے یا قبروں کے مجاوروں کو نذرانے پیش کرنے یا مالداروں کو ریاکاری اور شہرت کے لئے کھانا دینے کی کوشش کرتا ہے۔

تفسیر 19، 20 اس میں باقی دو اسباب ثبوتی وایجابی ہیں (سوم) وَتَاْكُلُوْنَ: کھانے سے مراد لینا ہے۔ اَكْلًا: بڑا مقصد ہے اسی وجہ سے ذکر کیا ہے التُّرَاثَ: وہ مال جو مردے سے رہ جائے۔ اَكْلًا لَّمًّا: یعنی حلال وحرام کو جمع کرتا ہے حلال اور حرام کی تمیز نہیں کرتا ہے یعنی میراث میں اپنا حصہ لیتا ہے اور کمزور ورثاء (جیسے بیٹی، بہن اور بیوی) کا حصہ بھی اپنے لیئے لیتا ہے اور اسی طرح مرنے والے کے گھر سے تین شام جمعے کی رات کو اور چہلم اور اسقاط کے حیلے کے ذریعے سے مال کھانا بھی اس میں داخل ہے (چوتھا) حُبًّا جَمًّا: طبعاً تو نفس محبت عام انسانوں میں ہے لیکن غالب اور کثیر محبت جس کی وجہ سے آدمی حلال اور حرام کا فرق نہیں کرتا ہو اور دین کو وقت نہیں دیتا ہو اور ہر وقت مال کی حفاظت اور جمع کرنے میں مشغول ہو تو ایسی محبت قبیح ہے۔

تفسیر 21 اس آیت سے قیامت کے احوال کی تذکیر شروع کرتا ہے یہ گزرے ہونے مرض کے لئے علاج ہے۔ کَلَّا ردعیہ ہے یعنی ان گذشتہ برے اخلاق سے خود کو بچالے اسلئے کہ یہ قیامت کے دن بڑے نقصان کے لئے سبب بن جائینگے۔ دُكَّتِ: دک اصل میں توڑنے کو کہا جاتا ہے اور ہموار ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی پہاڑ، ٹیلے محلات وغیرہ زمین کے اوپر سے توڑ دیئے جائینگے اور (زمین) ہموار کردی جائیگی۔ دَكًّا دَكًّا: تکرار کثرت اور مبالغے کے لئے ہے اور یہ ساری زمین کے زلزلے سے کنایہ ہے۔

تفسیر 22 "وَّجَآءَ رَبُّكَ: سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ مجیئ تشبیہ اور تمثیل اور تاویل کے بغیر اپنے معنی میں ہے جب اللہ تعالی کی صفات مخلوق کی صفات کے ساتھ کچھ بھی مشابہت نہیں رکھتی ہیں تو یہ اعتراضات نہیں ہوسکتے کہ اللہ تعالی کے لئے آنا ثابت ہوجائے تو مکان اور جہت اور انتقال اسکے لئے ثابت ہوجائے گا اور وہ اس سے پاک ہے اسلئے کہ یہ اعتراضات تو اسوقت ہوسکتے ہیں جب اللہ تعالی کا آنا مخلوق کے آنے کی طرح ہوجائے تو جَآءَ: کی تاویل میں ان تقدیرات اور کنایات کی ضرورت نہیں ہے ہیں جو قرطبی وغیرہ نے لکھی ہیں صَفًّا صَفًّا: یہ تکرار بھی صفات کی کثرت کی طرف اشارہ ہے اور ہر آسمان کے ملائک کی الگ الگ صفیں ہونگی۔

تفسیر 23 یہ بھی تذکیر کے لئے قیامت کے احوال ہیں۔ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ: صحیح مسلم حدیث 2842 اور ترمذی 2573 کی حدیث میں وارد ہے کہ جہنم کو اس طرح لایا جائیگا کہ اس کی ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار ملائک کھینچیں گے۔ يَتَذَكَّرُ: اسکا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اپنے اعمال اور گناہوں کو یاد کرینگے۔ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى: سوال يَتَذَكَّرُ اور وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى کے درمیان تو منافات معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے ہے کہ یاد کریگا اور پھر ہے کس طرح یاد کرے گا جواب اس میں مضاف محذوف ہے یعنی اَنّٰى لَهُ مَنْفَعَةُ الذِّكْرٰى یعنی گناہوں کا یاد کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

تفسیر 24 یہ ماقبل سے ترقی ہے یعنی نفع دینا تو دور کی بات ہے بلکہ (یہ لوگ) افسوس اور حسرت کرینگے۔ قَدَّمْتُ مفعول مقدر ہے یعنی عَمَلًا صَالِحًا۔ لِحَيَاتِيْ: حیاۃ سے مراد دنیاوی زندگی ہے تو لام فِي کے معنی میں ہے یا حیاۃ سے مراد آخرت کی زندگی ہے کہ وہ حقیقی زندگی ہے اور نجات کے معنی میں ہے تو لام اپنے معنی میں ہے یا مضاف محذوف ہے یعنی لِحُصُوْلِ حَيَاتِيْ

تفسیر 25، 26 اس میں عذاب کی شدت اور ہیبت کا ذکر ہے اور عَذَابَهٗ اور يُوْثِقُ ضمائر اللہ تعالی کی طرف راجع ہیں یعنی اللہ تعالی جہنمیوں کے عذاب اور وثاق کو انسانوں میں سے کسی کے حوالے نہیں کرتا ہے اور خود اور زبانیہ ملائک کے واسطے سے

دیتا ہے یا حروف تشبیہ محذوف ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اسکے باندھنے کی طرح کوئی بھی دوسرا عذاب نہیں دے سکتا ہے اور نہ اسکی طرح باندھ سکتا ہے یا عذاب اور وثاق کی ضمیریں جہنمی انسان کی طرف راجع ہیں۔اس میں بھی پہلے دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔

تفسیر 27، 28، 29 یہ اہل جہنم کے حال کے بعد ایمان والوں کے حال کا ذکر ہے۔یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ: یہ نزع کے وقت کہا جاتا ہے اور قیامت میں بھی کہا جائیگا الْمُطْمَئِنَّةُ: اس میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں لیکن ان کا مرجع ایک ہے کامل ایمان والا ہر قسم کے شرک سے اپنے آپکو بچانے والا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تسلی حاصل کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر یقین اور اس کے فیصلے پر راضی ہونے والا یہ ساری صفات اس میں موجود ہوں۔اِلٰی رَبِّكِ: رب سے مراد دونوں توجیہات میں مراد اللہ تعالیٰ ہے پہلی توجیہ (نزع کے وقت) میں رب سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور دوسری توجیہ (قیامت) میں رب سے مراد اس (بندے) کا جسم ہے ابن کثیر نے یہ دونوں ذکر کی ہیں۔رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً: رضا زیادہ نعمتوں کے اعتبار سے ہے اور مرضیہ اسکے اعمال کے اعتبار سے ہے یا مرضیۃ عنہا کے معنیٰ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا۔فَادْخُلِي فِي عِبَادِي: پہلی توجیہ کی بناء پر مطلب یہ ہے کہ برزخ کے عالم میں ایمان والوں کی ارواح کو مستقر میں داخل کیا جائیگا اور دوسری توجیہ کی بناء پر مطلب یہ ہے کہ بندوں کے جسموں میں داخل کیا جائیگا یا قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد صالح بندوں کی جماعت میں داخل کیا جائے گا۔وَادْخُلِي جَنَّتِي: اور امام شربینی نے قفال سے نقل کیا ہے کہ یہ جملے اگرچہ امر کے ہیں لیکن خبر کے معنیٰ میں ہیں۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قبولیت عبادت کے اوقات کا ذکر۔

۲۔ مرض کا ذکر 11-12-16 میں اور سبب مرض کا ذکر 17-18-19-20 میں اور علاج کا ذکر آیت 21 میں ہیں۔

۳۔ دنیا والوں کے نزدیک عزت صرف مال میں ہے۔

سورۃ الفجر کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

ایاتها ۲۰ ۹۰ سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۳۵ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝١ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝٢ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۝٤
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۝٥ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝٦ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝٧ اَلَمْ نَجْعَلْ
لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۝٨ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ۝٩ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۝١٠

"اس طرح نہیں ہے، میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں [1] اور اس شہر میں آپ کے لئے لڑائی حلال ہونے والی ہے [2] اور قسم ہے باپ اور اولاد کی [3] یقیناً ہم نے انسان کو محنت کرنے میں پیدا کیا ہے [4] کیا یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھ سکے گا [5] کہتا ہے میں نے بہت کچھ مال خرچ کیا ہے [6] کیا یہ گمان کرتا ہے کہ اسکو کوئی نہیں دیکھتا ہے [7] کیا ہم نے اسکی دو آنکھیں نہیں بنائیں [8] اور ایک زبان اور دو ہونٹ [9] اور اسکو دو راستے دکھائے ہیں [10]۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں قبولیت کے اوقات میں عاجزی کرنے کی ترغیب تھی تو اس سورت میں نیک (اچھی) محنت کی طرف ترغیب ہے اور بری محنت سے تحذیر (ڈراوا) ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں یتیم کی عزت نہ کرنے اور مسکین کو کھانا نہ کھلانے پر زجر تھی تو اس سورت میں ایمان کے ساتھ یتیم کے کھلانے اور اکرام پر ترغیب ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں سابقہ جھٹلانے والوں کے ذریعے سے تخویف تھی تو اس سورت میں اس امت کے جھٹلانے والے کے ذکر کے ذریعے سے تخویف ہے۔

سورت کا مضمون: نیک (اچھے) طریقے پر محنت کرنے اور بری محنت سے اجتناب کرنے کی آیت 4 تک ترغیب ہے اور اس میں اللہ تعالی کی تین صفات فعلیہ ذکر کی ہیں انسان کا پیدا کرنا، اعضاء کا بنانا اور ہدایت دینا۔

سورت کا خلاصہ: آیت 4 تک سورت کے مضمون پر دو شہادتیں ذکر ہو رہی ہے پھر آیت 6 میں بری مشقت پر زجر ہے اسکے ساتھ آیت 5، 6، 7 میں انکے غلط عقائد میں سے پہلے عقیدے کا ذکر ہے: اللہ تعالی کی قدرت سے انکار اور دوسرا عقیدہ اللہ تعالی

کے علم سے انکار اور یہ بڑی مشقت کرنے کے لئے منشا ہے۔ پھر آیت 8، 9، 10 میں چار انعامات کا ذکر ہے کہ ان کے ذریعے سے نیک اور بری مشقت کے درمیان فرق کیا جاتا ہے پھر آیت 18 تک بشارت اور چھ امور کے ساتھ مشقت صالحہ کا ذکر ہے۔ اور اسکا نام عقبہ رکھا ہے پھر آیت 19، 20 میں بری مشقت کرنے والوں کو تخویف اخروی ہے۔

تفسیر 1 "لَآ اُقْسِمُ: کی تفسیر سورۃ واقعۃ میں گزری ہے یہاں لَآ کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ گمان نہ کرے کہ یہ کچھ بھی محنت اور مشقت نہیں کریگا مہمل ہوگا یا مشقت کرنے میں آزاد ہوگا۔ بِهٰذَا الْبَلَدِ: مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے کہ وہ ام القریٰ اور ام البلاد ہے اور اس سے ساری زمین پھیلا دی گئی ہے اور اسکے اور بھی بہت سے فضائل ہیں اور اسکا ذکر سورۃ بقرہ آیت 126 اور سورۃ ابراہیم آیت 35 اور سورۃ التین آیت 3 اور سورۃ نحل آیت 91 میں بھی آیا ہے۔ بَلَدٌ: ملد کرہ ہے جنس مکان کو کہا جاتا ہے اور مکہ اسکے ساتھ مسمیٰ ہوا ہے تعظیماً جو اسم جنس کے ذریعے سے خاص کا تسمیہ ہے اور بَلْدَۃٌ ایک خاص ٹکڑے کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر 2 یہ قسم اور جواب قسم کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور یہ جملہ اسوجہ سے ذکر کیا کہ بلد حرم کی قسم کھاتے میں (جواب قسم کی مناسبت کے ساتھ) اسکو دخل ہے جیسا کہ بعد میں واضح کیا جائیگا۔ حِلٌّ: مفسرین نے اس کی بہت سی وجوہات لکھی ہیں ایک یہ ہے کہ یہ مستقبل کے معنی میں ہے اور ہجرت کرنے کے بعد فتح مکہ کی بشارت ہے یعنی آپکے لیئے اس شہر میں قتال کرنے کی اجازت دی جائیگی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حل حرمت کے استحلال کو کہا جاتا ہے جیسے لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ میں ہے یعنی مشرکین اس شہر میں آپکی بے عزتی کرتے ہیں قتل نکالنے اور سب وشتم کے ارادے پر تیسری توجیہ یہ ہے کہ آپ اس شہر میں بے گناہ مقیم ہیں اور مشرکین اس میں ہر قسم کے گناہ کرتے ہیں۔

تفسیر 3 یہ دوسری قسم ہے اور وَالِدٍ سے مراد آدم علیہ السلام ہے اور وَمَا وَلَدَ سے ان کی ساری اولاد مراد ہے اور یہ مجاہد اور حسن بصری کا قول ہے اور اسے اکثر مفسرین نے راجح قرار دیا ہے اور مَا بڑی شان اور اولاد کی کثرت کی طرف اشارہ ہے جیسے اس قول وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ میں مَا ہے یا اسوجہ سے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں عقل والے اور کم عقل اور بے عقل بھی ہیں ان سب کی طرف اشارہ ہے فائدہ: لَآ اُقْسِمُ کے تحت دونوں قسمیں داخل کیں کیونکہ دونوں میں پوری مناسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ هٰذَا الْبَلَدِ اصلی مسکن ہے اور آدم علیہ السلام اور اسکی اولاد اسکے رہائشی ہیں اور اسی مسکن سے ساری زمین پھیلا دی گئی ہے تو ساری زمین پر آدم علیہ السلام کی اولاد پھیل گئی اور وہ محنت اور مشقت کرتی ہے۔

تفسیر 4 یہ جواب قسم ہے۔ كَبَدٍ: اصل میں شدت کو کہا جاتا ہے اور اس سے مراد سختی جھیلنا ہے چاہے بدنی ہو یا مالی ہو، اختیاری سختی ہو یعنی خیر اور شر کے اعمال یا غیر اختیاری ہوں اور قرطبی نے وہ مکابدات (سختیاں) تقریباً پچیس ذکر کی ہیں تو انسان پیدائش سے عاقبت تک مشقت اور تکلیف میں ہے معلوم ہوا کہ یہ قادر علی کل شئی اور قادر مطلق اور عالم بکل شئی نہیں ہے بلکہ اسکے اوپر قادر اور عالم اور ہے جو کہ اللہ تعالیٰ ہے تو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت محنت اور مشقت کرے اور آزادی نہ کرے اور قسم اور جواب قسم کی مناسبت یہ ہے کہ مکہ کی سرزمین خصوصاً زیادہ مشقتوں کی زمین ہے یہاں تک کہ جو تمام مخلوق سے اللہ کو محبوب ہے جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس پر بھی اس میں بہت تکلیفیں گزری ہیں اور عموماً ساری زمین مشقت اور محنت کی جگہ ہے بغیر مشقت کے اسمیں معیشت نہیں ہو سکتی ہے اور اسی طرح اسکے رہائشی جو کہ آدم علیہ السلام اور ان کی نسل ہے ہر وقت مشقت اور تکالیف میں ہیں کسی کی نیک مشقت ہے اور کسی کی بری مشقت ہے جیسے حدیث شریف میں وارد ہے کہ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوا فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا ہر ایک شخص صبح ہوتے ہی یا تو اپنی آپ کو ہلاک یا نجات دلاتی ہے۔ صحیح مسلم کتاب الطہارۃ حدیث 223 تو یہ دلیل اور شاہد ہے کہ انسان کی زندگی میں ضرور محنت اور مشقت ہے لیکن اسکے لئے ضروری ہے کہ خیر کی مشقت کرے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وعلم سے اپنے آپکو آزاد نہ سمجھے۔

تفسیر 5 اس آیت سے سورت کے آخر تک لوگوں کی دو قسمیں ذکر ہو رہی ہے: ایک شقی جو بری مشقت کرتا ہے اور دوسرا سعید جو صحیح مشقت کرتا ہے اس آیت میں بدبخت انسان کے عقیدے پر زجر ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انکار کرتا ہے اسی وجہ سے اسکے حاموں کے تحت زندگی نہیں گزارتا ہے اور یہ عقیدہ چونکہ یقینی نہیں ہے اس وجہ سے يَحْسَبُ ذکر کیا ہے۔

تفسیر 6 یہ دوسری زجر ہے اور یہ يَحْسَبُ کی علت ہے اور بری مشقت کے لئے مثال ہے۔ يَقُولُ: اسکا یہ قول تکبر اور فخر کے طور پر ہے۔ أَهْلَكْتُ: اس سے مراد وہ ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی میں بہت مال خرچ کیا ہے جیسے سورۃ انفال آیت 36 میں ہے اور اس جملہ میں ہر اس مال کا خرچ کرنا شامل ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف خرچ ہوتا ہے اور شرک اور کفر کی اشاعت میں اور بدعات میں اور رسم و رواج میں اور فسق اور فجور اور فحاشی میں خرچ ہوتا ہے۔

تفسیر 7 یہ بدبخت انسان کے عقیدے پر دوسری زجر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیب دان نہیں سمجھتا ہے اور اسی وجہ سے بری مشقت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو قادر اور غیب دان نہیں مانتا ہے اسلئے حساب کتاب کو بھی نہیں مانتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی بھی نہیں کرتا ہے۔

تفسیر 8، 9، 10 اس میں انعامات کے ساتھ تذکیر ہے اور وہ ایسی نعمتیں ہیں کہ جن کے ذریعے سے صحیح اور باطل مختوں میں فرق بھی کر سکتے ہیں پہلی نعمت اس کی آنکھیں ہیں جسکے ذریعے سے حق اور باطل کے دلائل دیکھے جا سکتے ہیں دوسری نعمت زبان اور تیسری نعمت ہونٹ ہیں کہ اس مجموعے کے ساتھ باتیں کر سکتا ہے تو حق اور باطل کو جاننے کے لئے سوالات بھی کر سکتا ہے اور دیگر بھی بہت سے فائدے ہیں چوتھی نعمت دو راہوں کی ہدایت ہے۔ هَدَيْنَهُ: ہدایت سے مراد وحی کے ذریعے سے بیان ہے یا عقل دینے کے ذریعے سے ہدایت ہے۔ النَّجْدَيْنِ: نجد اصل میں بلند جگہ کو کہا جاتا ہے اور اس سے مراد خیر اور شر، حق اور باطل کی راہ ہے کہ عقل سلیم اور وحی دونوں سے ان کے درمیان واضح فرق کیا جا سکتا ہے نجدین اسوجہ سے کہا گیا کہ دونوں کی راہیں ایسا واضح فرق رکھتی ہیں جیسے زمین میں دو ٹیلے الگ الگ نظر آتے ہیں اور ایک قول میں اس سے مراد ماں کی چھاتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ ان نعمتوں کے ذریعے سے حق اور باطل کے درمیان تمیز ہوتی ہے تو کیوں یہ (بدبخت) انسان بری محنت میں مشغول ہے؟

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعٰمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِنَا هُمْ أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝ ع

"تو یہ گھاٹی میں داخل نہ ہوا [11] اور تجھے کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے [12] گردن آزاد کرنا ہے [13] یا بھوک والے دن کھانا کھلانا ہے [14] کسی رشتہ دار یتیم کو [15] یا خاکسار مسکین کو [16] پھر ان لوگوں میں سے ہوا جنہوں نے ایمان لایا اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں [17] یہ لوگ اچھی قسمت والے ہیں [18] اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا وہ بری قسمت والے ہیں [19] ان پر آگ ہوگی ہر طرف سے بند کی ہوئی [20]۔

تفسیر 11 اس میں صحیح مشقت کرنے کی طرف ترغیب ہے اور گزشتہ اعمال اور عقیدوں کا رد ہے کہ ان کے ذریعے سے کامیابی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اقْتَحَمَ: اقتحام زور یا بے فکری کے ساتھ ایک جگہ میں داخل ہونے کو کہا جاتا ہے اور یہاں کسی کام کرنے میں سختی جھیلنے کے معنی میں ہے۔ الْعَقَبَةَ: پہاڑی راہ جو سخت ہو اور اس میں بلندی بھی ہو جسکو گھاٹی کہا جاتا ہے اور یہ تشبیہ کے طور پر ہے یعنی ایمان اور نیک اعمال اور صحیح مصارف میں مال خرچ کرنا صحیح مشقت ہے اور پہاڑ کی گھاٹی کی طرح ہے جس پر گزرنا مشکل ہوتا ہے لیکن انسان اسکے ذریعے سے ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچ جاتا ہے اور یہ اکثر مفسرین

کے نزدیک جملہ خبریہ ہے اور بعض کے نزدیک یہ شر کے لئے دعائیہ جملہ ہے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ اس سے مراد دنیا میں عقبہ ہے اور لاَ بمعنی لَمْ ہے اسلئے کہ لَا ماضی پر تکرار چاہتا ہے اور یہاں تکرار نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ عربیت کے قانون کے لئے قرآن کی تاویل نہیں کرنی چاہئے۔

تفسیر 12 اس جملے کے ساتھ عقبہ کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے اور اسکے ذریعے سے تشبیہی معنی کے ذریعے سے عقبہ کی تعلیم ہے۔

تفسیر 13 (6) چھ امور کے ذریعے سے عقبہ کی تفسیر ہورہی ہے پہلا فَكُّ رَقَبَةٍ: رقبہ سے مراد پورا انسان ہے اور غلامی سے اس کو چھڑانا، گناہوں سے، جہالت سے اور مظلومیت سے چھڑانا یہ لفظ ان تمام کاموں کے لئے عام ہے اور اسے پہلے ذکر کیا اشارہ ہے کہ یہ عمل تمام صدقات سے افضل عمل ہے۔

تفسیر 14، 15، 16 ان آیتوں میں دوسری اور تیسری خصلت ذکر ہورہی ہے مَسْغَبَةٍ: سَغَبٌ بھوک اور کھانے کی چاہت کو کہا جاتا ہے اور کھانا کھلانا فضیلت اور ثواب کا کام ہے لیکن بھوک کے وقت زیادہ ثواب ہے تو یہ قید مزید فضیلت کے لئے ہے اشارہ ہے کہ محتاج کو غیر محتاج پر مقدم کیا جائیگا۔ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ: یعنی ایسا وقت جس میں انسان بھوکا ہو یا ایسا زمانہ جس میں قحط ہو نیز ایسے دن میں کہ کسی گھر میں میت ہوئی ہو تو وہ گھر والے کھانے تیار نہیں کرسکتے ہوں اسلئے کہ غم میں مشغول ہوتے ہیں تو انکے لئے کھانا دینا بھی ثواب ہے اور اس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو نبی ﷺ اپنے گھر آئے تو فرمایا: اِصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ آل جعفر کے لئے کھانے کا انتظام کرو اس لئے کہ ان کو (غم) نے مشغول کررکھا ہے (ابو داؤد 3132 ترمذی 998 ابن ماجہ 1610 امام ترمذی و شیخ البانی نے اس کو صحیح کہا ہے) يَتِيمًا: یتیم اور مسکین کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ یہ زیادہ محتاج اور مستحق ہیں ذَا مَقْرَبَةٍ: اسکی تخصیص زیادہ اجر اور زیادہ حق کی وجہ سے کی اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ مسکین پر صدقہ ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار پر دو ہیں صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے (صحیح بخاری کتاب الزکوۃ حدیث 1466) أَوْ مِسْكِينًا: یہاں فقیر اور مسکین ایک چیز ہے ہر محتاج کو کہا جاتا ہے لیکن ذَا مَتْرَبَةٍ: کی قید کے ساتھ تخصیص زیادہ ثواب کے لئے ہے اس سے مراد ایسا مسکین ہے جسکا گھر نہیں، بستر نہیں اور اہل وعیال اس کے زیادہ ہوں یعنی دوسرے فقراء اور مساکین کی بہ نسبت زیادہ محتاج ہے۔

تفسیر 17 اس میں تین اور خصلتیں ذکر کرتا ہے۔ سوال: ایمان تو صدقہ اور انفاق پر مقدم ہے تو یہاں کیوں ثُمَّ کے ساتھ ذکر کیا؟ جواب ثُمَّ تعقیب ذکری کے لئے ہے اور ایمان تو اعمال کے لئے شرط اور قید ہے تو یہ کبھی پہلے ذکر ہوتا ہے اور کبھی درمیان اور کبھی بعد میں لیکن چونکہ اس سورت میں مقصود مخلوق کے احسان کا ذکر ہے اسی وجہ سے اسکو ایمان سے پہلے ذکر کیا ہے اور کَانَ: لفظ دلیل ہے کہ ایمان عمل کرنے سے پہلے ہوگا اور مستمر وہمیشہ ہوگا۔ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ: مشقت اور محنت میں تکلیفیں ہوتی ہیں ان پر صبر کرنا ضروری ہوتا ہے اسی وجہ سے اس خصلت کی تخصیص کی اور تواصی دوسروں کو مستلزم ہے اور خود تو ضرور صبر کرے گا اور صبر سے مراد دین اور خیر کے اعمال پر مصائب کے باوجود ڈٹے رہنا ہے وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ: چونکہ سورت میں مقصود مخلوق کے ساتھ احسان کرنا ہے اور وہ کمزور پر رحم اور ترس کرنے سے پیدا ہوتا ہے اسی وجہ سے یہ خصلت بطور خاص ذکر کی اور یہاں بھی بذات خود رحم کرنے کے لئے تواصی (وصیت کرنا) مستلزم ہے۔

تفسیر 18 یہ ان صفات پر بشارت ہے الْمَيْمَنَةِ یُمن سے ہے خیر اور برکت کے معنی میں ہے یا یمین سے ماخوذ ہے یعنی دائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائینگے یا جنت والے ہیں اسلئے کہ وہ دائیں طرف ہے۔

تفسیر 19، 20 اس میں (بدبخت) اور باطل مشقت کرنے والے کا ذکر ہے کہ اسکی ابتداء اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا کفر کرنا ہے اور تخویف ہے الْمَشْئَمَةِ: شؤم سے ماخوذ ہے نحوست اور شر کو کہا جاتا ہے یا شمال کے معنی میں ہے یعنی بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائیگا یا جہنم والے ہیں اسلئے کہ جہنم بائیں طرف ہوگی۔ مُؤْصَدَةٌ: کی طرف سے بند کیا گیا یعنی کچھ بھی سایہ اور نکلنے کا راستہ نہیں ہوگا۔ فائدہ: شیخ القرآن محمد طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس سورت میں اصلاح البلد کا موضوع ہے اسی وجہ سے وہ امور ایمان کے ساتھ ذکر کیے ہیں جو مخلوق کے ساتھ احسان کرنے سے تعلق رکھتے ہیں یعنی شہر کی اصلاح ان امور کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ بلد حرام مکہ کی حرمت کا بیان۔ ۲۔ اس شہر میں نبی کے لیے استحلال کا تذکرہ۔

۳۔ انفاق شرعی کے مصارف شرائط کے ساتھ ذکر ہیں۔

۴۔ مثلثات کا ذکر یعنی تین شہادتیں، تین برے صفات، تین اسباب علم، تین مصارف شرعیہ اور قبولیت اعمال کے لئے تین شروط۔

اللہ کے فضل سے سورۃ البلد کی تفسیر مکمل ہوگئی

ایاتها ۱۵ — ۹۱ سورۃ الشمس مکیۃ ۲۶ — رکوعها ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا
بَنٰهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝۸

"سورج کی قسم اور جب وہ روشنی کرے [1] اور چاند کی قسم جب وہ سورج کے بعد نکلے [2] اور دن کی جب وہ سورج کو ظاہر کرے [3] اور رات کی جب سورج کو چھپاوے [4] اور آسمان کی قسم اور اسکی جس نے آسمان بنایا [5] اور زمین کی قسم اور اسکی جس نے زمین کو بچھایا [6] اور نفس کی قسم اور اسکی جس نے اس کو برابر بنایا [7] پھر اس کو برائی اور تقویٰ کی راہ دکھائی [8]

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں انسانوں کی دو قسمیں ذکر کیں تو اس سورت میں انکے درمیان انجام کا فرق ذکر ہو رہا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں اس امت کی سرکشی کرنے والوں کو زجر تھی تو اس سورت میں سابقہ سرکشوں کا ذکر ہے جو کہ ثمودی ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں تخویف اخروی تھی تو اس سورت میں تخویف دنیاوی ہے۔

سورت کا مرکزی مضمون: دو گروہوں کے انجام میں فرق، اسکے ساتھ ایک گروہ کو تخویف دنیاوی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام ذکر کیے ہیں: (اللہ، رب) اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے سات صفات فعلیہ ذکر کی ہیں۔

سورت کا خلاصہ: پہلی آیت سے آیت 10 تک سورت کے مضمون کے لئے چار شواہد کا ذکر ہے پھر ثمودیوں کے واقعہ کے ذریعے سے تخویف دنیاوی ہے انکی سرکشی اور تکذیب اور عقر کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ہلاکت مسلط کرنے کا ذکر ہے۔ (فائدہ) ثمودیوں کی تخصیص چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں دوسری اقوام مکذبہ کے شرک کے ساتھ دوسرے مظالم ذکر کیے ہیں اور ثمودیوں کا شرک کے علاوہ ظلم ذکر نہیں کیا ہے۔ تو یہ دوسروں کی بہ نسبت ادنیٰ کافر ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ کافروں کو ہلاک کیا ہے تو بڑے کافر (جیسے مشرکین مکہ) اس کے عذاب سے کس طرح بچیں گے؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ ثمودی وہ قوم ہے جس نے معجزہ طلب کیا یعنی ناقۃ اللہ اور اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اسکے باوجود سرکشی

کی یعنی علم کے باوجود کفر کیا جیسے اس قول میں ہے: وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (سورۃ حٰم سجدۃ آیت 17) تو اسی طرح مشرکین مکہ نے بھی معجزات اور حق کو دلائل کے ساتھ جاننے کے باوجود کفر کیا تو انکی مثال ثمود کی طرح ہے اور یہ دونوں وجوہات ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع التفسیر میں ذکر کی ہیں اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ ثمود تمام اقوام مکذبہ سے مالدار اور صنعت کار تھے اور مال کو غیر شرعی مصارف میں خرچ کرتے تھے اور ان سورتوں (سورۃ فجر سے سورۃ اللیل تک) میں یہ مسئلہ ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وجہ سے ثمودیوں کی مثال بطور خاص ذکر کی۔

تفسیر 1، 2 یہ تین قسمیں ہیں: پہلی قسم وَ الشَّمْسِ: ہے قرآن کریم اور سنت میں سورج کی جتنی صفات اور منافع ذکر کیے ہیں یا عقل سلیم اور حواس کے ذریعے سے جو فائدے ظاہر ہوئے ہیں اس لفظ میں ان سب کی طرف اشارہ ہے دوسری قسم وَ ضُحٰىهَا: ہے ضحیٰ زیادہ روشنی کو کہا جاتا ہے تو چاشت کے وقت سورج کی روشنی زیادہ ہوجاتی ہے اور گرمی کم ہوتی ہے تو نقصان کے مقابلے میں اسکے فائدے زیادہ ہوتے ہیں اور ضحیٰ میں ضمیر کی اضافت شمس کی طرف کی ہے یہ سبب کی طرف مسبب کی اضافت ہے یعنی سورج کے بلند ہونے کے ساتھ روشنی پیدا ہوتی ہے سورج کے فائدے تو زیادہ ہیں لیکن چاشت کے وقت چونکہ روشنی زیادہ ہوجاتی ہے اور لوگ کسب میں مشغول ہوجاتے ہیں تو یہ اسکا بڑا فائدہ ہے اسی وجہ سے اس کو خاص طور پر ذکر کیا ہے تیسری قسم وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا: اس سے مراد مہینے کی پہلی رات کا چاند ہے جب سورج مغرب میں غائب ہوجاتا ہے تو اسوقت چاند ظاہر ہوجاتا ہے اور پھر سورج کے بعد جلدی غائب ہوجاتا ہے اور اس وقت اسکی روشنی بہت کم ہوتی ہے یا اس سے چودھویں رات کا چاند مراد ہے یعنی جب سورج مغرب میں غروب ہوجاتا ہے تو اسوقت میں چاند مشرق سے ظاہر ہوتا ہے لیکن پھر بھی اسکی روشنی سورج سے کم ہے۔ چاند میں بھی بہت سے فائدے ہیں مگر اسکے فائدے سورج کی پیروی کرتے وقت معلوم ہوتے ہیں اسی وجہ سے اس وقت کو بغیر حرف عطف کے بطور خاص ذکر کیا ہے۔

تفسیر 3، 4 اس میں بھی دو قسمیں ہیں: چوتھی قسم وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا: ھا ضمیر کے مرجع میں بہت سے اقوال ہیں: (۱) اندھیرے کی طرف راجع ہے (۲) زمین کی طرف راجع ہے (۳) دنیا کی طرف راجع ہے (۴) سورج کی طرف راجع ہے ان مراجع کا ذکر اگرچہ نہیں ہے لیکن عقل کے ذریعے سے یہ معلوم ہوتے ہیں اور ابن جریر نے چوتھا قول راجح قرار دیا ہے کہ ضمیر سورج کی طرف راجع ہے اور سورج کی تجلی کی نسبت دن کی طرف اس وجہ سے ہوئی ہے کہ دن کے وقت وہ ظاہر ہوتا ہے اور اس قید میں اشارہ ہے کہ دن کے فائدے زیادہ ہیں لیکن زیادہ فائدے اس وقت ہیں کہ سورج ظاہر ہو اور بادل نہ ہو اسی وجہ سے اس وقت

کی تخصیص کی۔ پانچویں قسم: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا: یہاں بھی ھاء کی ضمیر میں متعدد اقوال ہیں جو دنیا اور زمین کی طرف راجع ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ ضمیر شمس کی طرف راجع ہے۔ سوال: يَغْشٰهَا کو فعل مضارع لایا اور پہلے اور بعد والے فعل ماضی ذکر ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ جواب: دو طریقوں سے ہے: ایک طریقہ آیتوں کے فواصل کی رعایت ہے اسلئے کہ اِذَا غَشِيَهَا کے ساتھ آیت کا فاصلہ صحیح نہیں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرے امور جو پہلے ماضی کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں وہ ایک مرتبہ (یکبارگی) ہی ہوجاتے ہیں جبکہ رات کا سورج کی روشنی کو چھپانا تو بتدریج ہے یعنی سورج غائب ہوجاتا ہے تو سرخی رہ جاتی ہے سرخی جب غائب ہوجاتی ہے تو پھر سفیدی باقی ہوتی ہے پھر سفیدی غائب ہوجاتی ہے تو مکمل اندھیرا ہوجاتا ہے۔

تفسیر 5، 6 چھٹی قسم ہے: وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا: آسمان بہت فائدوں پر مشتمل ہے ان سب کی طرف اشارہ ہے اسی وجہ سے وَبَنَاهَا کو عطف کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ساتویں قسم وَمَا بَنٰهَا: ہے مَا مصدریہ موصوفہ ہے تو واؤ حرف عطف کے لئے ہے یعنی "آسمان اسکے بنانے کی صفت کے ساتھ" یا مَا موصولہ ہے مراد اس سے اللہ تعالیٰ ہے تو واؤ قسمیہ ہے اور مَا کا حرف ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے لئے اشتراک کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا: اس میں وہ تفصیل ہے جو پہلے جملے میں گزری ہے تو یہ آٹھویں اور نویں قسم ہے۔ طَحٰهَا: سے مراد بچھانا اور اس سے پودوں خزانوں اور چشموں کو نکالنا ہے اور دَحَا: صرف بچھانے کے معنی میں ہے فائدہ: آسمان اور زمین کے ساتھ بچھانے والے اور بنانے والے کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں جیسے بعض ناسمجھ لوگوں کا یہ نظریہ ہے۔

تفسیر 7 یہ دسویں قسم ہے۔ وَنَفْسٍ: نکرہ تعمیم کے لئے ہے یعنی ہر ایک نفس تو سارے انسان اس سے مراد ہیں یہاں بھی کامل انسانوں کی صفات اور کمالات کی طرف اشارہ ہے۔ وَّمَا سَوّٰىهَا: اس میں وہ دو احتمالات ہیں جو مَا بَنٰهَا میں ذکر ہوئے اور ایک احتمال کے اعتبار سے یہ گیارہویں قسم ہے اور تسویہ سے مراد انسان کی پیدائش کے سارے اطوار مع اس کی شکل اور قد وقامت کے ہیں یہاں بھی یہ جملہ اس نظریہ کی تردید کے لئے ہے کہ انسان اپنی پیدائش میں پیدا کرنے والے کی طرف ضرورت نہیں رکھتا ہے جیسے بعض کمیونسٹ لوگوں کا عقیدہ ہے تو اس لفظ میں ان کا صریح رد ہے۔

تفسیر 8 یہ سَوّٰىهَا. پر معطوف ہے تو دلالت کرتا ہے کہ مَا کا موصول ہونا بہتر ہے اور الہام سے مراد فجور اور تقویٰ کی تقدیر ہے جیسے صحیح مسلم اور احمد کی حدیث میں مذکور ہے دوسرا قول یہ ہے کہ الہام بیان اور تفصیل کرنے کے معنی میں ہے اور لغت میں خیر اور شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور اصطلاح میں صرف خیر میں استعمال ہوتا ہے اور سلف صالحین نے کہا ہے کہ یہ آیت

دلیل ہے کہ تقویٰ اور خیر وشر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس میں فرقہ قدریہ کا رد ہے جو بندے کو گناہ اور تقوے کا پیدا کرنے والا سمجھتے ہیں اور اس میں انسانوں کے دو گروہوں کی طرف اشارہ ہے کہ ان میں بھی واضح فرق ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿١٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿١١﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿١٥﴾ ع

"یقیناوہ شخص کامیاب ہے جس نے اپنے آپ کو پاک کیا[9] اور بیشک نامراد ہے جس نے اپنے آپ کو غلط ملط کیا[10] ثمود نے اپنی سرکشی سے تکذیب کی[11] جب ان میں بدبخت کھڑا ہوا[12] پس ان سے اللہ کے رسول نے کہا کہ اونٹنی اور اسکے پینے کی باری کا (لحاظ کرو)[13] پس انہوں نے اس کو جھٹلایا اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا پس انکے رب نے انکوانکے گناہ کے سبب سے تباہ کیا پس انکو برابر کر دیا[14] اور اللہ تعالیٰ اس کام کے انجام کا خوف نہ کرتا تھا[15]۔

تفسیر 9، 10 یہ جواب قسم ہے اور سورت کا مضمون ہے کہ انسانوں کی دونوں قسموں کے انجام میں فرق ہے۔ قَدْ زَكّٰىهَا: زکیٰ اور دَسّٰىهَا کی ضمیر میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ بندے کی طرف راجع ہے: یعنی بندے نے اپنے نفس کو اس عقیدے اور اعمال کے ساتھ پاک کیا جو سورۃ بلد میں ذکر ہوئے اور بندے نے اپنے آپ کو ان اعمال اور عقیدے کے ذریعے سے برباد کیا جو سورۃ بلد میں ذکر ہوئے دوسرا قول یہ ہے کہ ضمائر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس کو تقویٰ کے الہام کے ذریعے سے پاک کیا اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو گناہ کے الہام کے ذریعے سے برباد کیا زَكّٰىهَا، زکوۃ سے ماخوذ ہے اصل میں زیادتی اور پاکی اور بلندی کو کہا جاتا ہے تو نفس میں جب توحید اور عمل صالح آتا ہے تو بلند ہو جاتا ہے اور شرک، بدعات اور رذائل سے پاک ہو جاتا ہے دَسّٰىهَا: لغت والے کہتے ہیں کہ اصل میں دَسَّسَهَا ہے اور دس ایک چیز کو دوسری چیز میں ایسے طریقے سے چھپانا کہ اس میں غائب ہو جائے، اور یہاں مراد گمراہ ہونا، برباد ہونا اور گناہوں میں داخل ہونا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اپنے آپکو صالحین کی جماعت میں داخل کر دیتا ہے اور انکے ساتھ مشابہت کرتا ہے حالانکہ عمل اور عقیدے میں ان سے مخالف ہوتا ہے۔ فائدہ: قسموں اور جواب قسم کی مناسبت چند طریقوں سے ہے: پہلا طریقہ یہ ہے کہ ان چیزوں اور ان کے حالات وصفات کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے لئے انفسی، آفاقی، علوی اور سفلی و وسطی دلائل ہیں تو جو کوئی اپنے آپکو توحید کے ساتھ پاک کر دے تو اسکے لئے کامیابی ہے اور جو توحید قبول نہ کرے تو

اسکے لئے ناامیدی ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح سورج، چاند، دن، رات، آسمان، زمین، نفسوں اور صورتوں کے برابر کرنے میں کہ کوئی ایک شکل کا ہے کوئی دوسری شکل کا ہے اور متقی اور فاجر انسانوں میں ان سب میں فرق ہے تو اسی طرح موحد اور مشرک کے بدلے اور انجام میں بھی فرق ہے۔ اور ان چیزوں کی تخصیص میں مختلف قسموں کے فرق کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ موجودات دو قسم کے ہیں: ایک نفس والے (مکلف بندے) دوسری قسم نفسوں کے علاوہ نفسوں میں یا محسوس فرق ہے جیسے شکلوں اور صورتوں میں فرق ہوتا ہے یا معقول فرق ہے جیسے فاجر اور متقی کا فرق اور نفسوں کے علاوہ میں کسی اشتراک کے بغیر فرق ہوتا ہے جیسے آسمان و زمین کا فرق بہت سے طریقوں پر ہے یا بعض صفات میں اشتراک کے باوجود فرق ہوتا ہے جیسے سورج اور چاند کا فرق یعنی روشنی میں شریک ہیں لیکن روشنی کی کمی اور زیادتی میں فرق ہے یا وہ صفت توقیت (وقت) ہے جیسے دن اور رات، یہ وقت ہونے میں شریک ہیں یعنی دونوں ایک وقت اور زمانہ ہیں لیکن روشنی اور اندھیرے کی صفت میں فرق ہے تو یہ فرق پانچ قسم کا ہے اشارہ ہے کہ کامیاب ہونے والوں اور نامرادلوگوں کے درمیان ان سارے طریقوں سے فرق ہے اور اس فرق کے ذکر کرنے میں صفت فلاح کی طرف ترغیب ہے اور نامرادی کی صفت سے تحذیر (ڈراوا) ہے۔

تفسیر 11، 12 ان میں ثمود کی مثال کے ذریعے تخویف دنیاوی ہے جو کہ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا کے ساتھ متعلق ہے۔ بِطَغْوٰىهَا: باء سببیہ ہے طغوی صفت ہے اور طغیان کے معنی میں ہے اور طغیان کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ انہوں نے علم کے باوجود کفر کیا تھا اور ثمود کے ذکر کی تخصیص کی وجہ پہلے ذکر کی گئی ہے۔ اِذِ انْۢبَعَثَ: یہ تکذیب کی دلیل ہے اور بڑا جرم ہے کہ جو معجزہ انہوں نے طلب کیا تھا اسکی توہین کی اَشْقٰىهَا: سورۃ قمر آیت 29 میں ذکر ہوا ہے اور اسکو قدار بن سالف کہا جاتا ہے اور احتمال ہے کہ ساری قوم اس سے مراد ہو اور مفرد جنس کے معنی میں ہو۔

تفسیر 13 "رَسُوْلُ اللّٰهِ: سے مراد صالح علیہ السلام ہیں۔ نَاقَةَ اللّٰهِ: فعل محذوف ہے یعنی اِحْذَرُوْا (اپنے آپکو بچاؤ) اور نَاقَةَ اللّٰهِ: اضافت تشریف کے لئے ہے۔ وَسُقْيٰهَا: اسکا ذکر سورۃ شعراء آیت 55 میں ہوا ہے۔

تفسیر 14، 15 پہلے عام تکذیب مراد تھی اور یہاں اس قول یعنی نَاقَةُ اللّٰهِ کی تکذیب مراد ہے۔ فَعَقَرُوْهَا: سورۃ قمر آیت 29 کی دلیل کے ساتھ عقر ایک شخص نے کیا تھا اور نسبت ساری قوم کی طرف ہوئی اسلئے کہ سب اس پر راضی تھے اور اسکے تابع تھے۔ فَدَمْدَمَ: دمدمہ اصل میں عذاب عام کرنا اور بار بار لانا اور ہلاک کرنا اور برابر کرنا ہے یہاں ساری قوم پر ہلاکت لانا مراد ہے۔ بِذَنْۢبِهِمْ: مفرد ہے مراد اس سے جنس گناہ ہیں طغیان تکذیب، عقر یا اس سے مراد جھٹلانے کا گناہ ہے

جس میں سب شریک تھے۔فَسَوّٰىهَا:ها کی ضمیر زمین کی طرف یا دَمْدَمَه (مصدر) کی طرف راجع ہے یا ثمودیوں کی ساری امت کی طرف راجع ہے یعنی چھوٹے بڑے مرد اور عورتیں سب ہلاک ہو گئے۔وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا:اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور غلبے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عذاب کے نقصان سے نہیں ڈرتا ہے وَلَا يَخَافُ:ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے عُقْبٰهَا: ہا ضمیر دَمْدَمَه کی طرف راجع ہے اور عقبیٰ سے مراد نقصان ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کام حق کے ساتھ کیا اور جو کسی کو حق کے ساتھ سزا دے دیتا ہے تو اسکے نقصان سے نہیں ڈرتا ہے یا وَلَا يَخَافُ کی ضمیر رسول کی طرف راجع ہے یا أشقیٰ کی طرف راجع ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔چار قسم کی چیزوں کا تقابل۔ ۲۔ مکذبین کے لئے ہلاکت دنیا ہی۔

سورۃ الشمس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

آیاتھا ۲۱ ۹۲ سورۃ الیل مکیۃ ۹ رکوعھا ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝١ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۝٢ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝٣ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ۝٤ فَأَمَّا مَنْ
أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝٥ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝٦ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝٧ وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝٨ وَكَذَّبَ
بِالْحُسْنَىٰ ۝٩ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۝١٠ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ۝١١

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے[1] اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو[2] اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا[3] یقیناً تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے[4] پس وہ جس نے حق دیا اور تقویٰ اختیار کیا[5] اور اچھی بات کی تصدیق کی[6] تو پس عنقریب ہم اسکے لیئے آسانی کی راہ آسان کریںگے[7] اور وہ جس نے بخیلی کی اور بے پروائی برتی[8] اور اچھی بات کی تکذیب کی[9] تو اس کو سختی کی راہ پر روانہ کریںگے[10] اور اس کو اسکا مال فائدہ نہیں دے گا جب وہ گرے[11]۔

سورۃ اللیل اور اس کو سورۃ والیل بھی کہا جاتا ہے

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط چند وجوہ سے ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں فریقین کی عاقبت میں فرق ذکر ہوا تو اس سورت میں اسکی علت ذکر ہو رہی ہے کہ وہ اعمال اور عقیدے کا فرق ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں تخویف دنیاوی ذکر ہوئی تو اس سورت میں وہ اعمال ذکر ہو رہا ہے جن کے ذریعے سے عذاب الٰہی سے امن حاصل ہوتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں اس قوم کو تخویف تھی جو مالوں کو غیر شرعی مصارف میں خرچ کرتی تھی تو اس سورت میں انکا حال ذکر کرتا ہے جو شرعی مصارف میں خرچ کرتے ہیں۔

سورت کا بنیادی مضمون: آیت 4 میں عقیدے اور اعمال میں فرق ہے اور اللہ تعالیٰ کے ایک نام کا ذکر ہے جو کہ رب ہے اور پانچ فعلی صفات اس میں ذکر کیے گئے ہیں۔

سورت کا خلاصہ: آیت 4 تک سورت کے عنوان پر دو شواہد ذکر کرتا ہے پھر فرق کی تفصیل ہے ایک فریق کے احوال آیت 7 تک ہیں اور دوسرے فریق کے احوال آیت 11 تک ہیں پھر دو آیتوں 12، 13 میں ترغیب ہے پھر آیت 16 تک ایک گروہ کو اس کی تین صفات کے ذکر کے ذریعے سے تخویف اخروی ہے اور آیت 21 تک دوسرے گروہ کو اس کے پانچ حالات کے ذکر کے ساتھ بشارت ہے۔

تفسیر 1، 2 یہ دو قسم ہیں۔ إِذَا يَغْشَىٰ: تعمیم کے لئے اسکا مفعول محذوف ہے مراد ہر چیز کا آرام کے لئے اپنے ٹھکانے میں چلنا ہے نیز راحت کے حصول، نیند کے لئے، تہجد کے لئے اور دوسرے بہت سے فوائد کے لئے اندھیرے کے ذریعے سے چیزوں کا چھپانا مراد ہے۔ إِذَا تَجَلَّىٰ: دن کی روشنی اندھیروں کے زوال کے لئے، رزق کے طلب کے لئے، زمین میں گھومنے پھرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کے دلائل دیکھنے کے لئے سبب ہے تو معلوم ہوا کہ دن اور رات کے آثار اور فوائد میں بہت فرق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں اور اس کی توحید کے دلائل بھی ہیں۔

تفسیر 3 یہ تیسری قسم ہے اور مَا، مَنْ کے معنی میں ہے جیسے سورۃ الشمس کی تفسیر میں ذکر ہوا تو یہ اللہ تعالیٰ کا خلق کی صفت کے ذریعے سے اپنی ذات کی قسم ہے یا پھر مَا مصدریہ ہے اور نر اور مادہ کے پیدا کرنے کی تخصیص اسوجہ سے کی ہے کہ ان کی پیدائش اور صفات میں بہت فرق ہے تو اس فرق کی طرف اشارہ ہے اور الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ سے مراد مذکر اور مونث ہیں چاہے انسانوں میں سے ہوں یا دوسرے حیوانات میں سے ہیں اور ان کی صفات اور احوال میں فرق ہر عاقل کو محسوس ہوتا ہے پہلی دو آیتوں میں فائدے کے اوقات ذکر ہوئے اور اس آیت میں فائدے لینے والے ذکر کیے ہیں۔

تفسیر 4 یہ جواب قسم ہے سَعْيَ: عمل سے خاص ہے اسلئے کہ سعی وہ عمل ہے جس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس میں حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے۔ لَشَتَّىٰ: شَتِيتٌ کی جمع ہے ایک دوسرے سے مختلف کہ ایک خیر کا عمل کرتا ہے اور دوسرا شر کا عمل کرتا ہے ایک فرمانبردار ہے اور دوسرا نافرمان ہے یا ایک دنیا کے لئے کوشش کرتا ہے تو دوسرا آخرت اور دین کے لئے اور اسی طرح جزاء اور سزا میں بھی اختلاف ہے۔ فائدہ: قسموں کی جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ کوشش کے اوقات میں واضح اختلاف ہے جو کہ دن اور رات ہے نیز ان کی صفات اور فائدوں میں بھی بہت اختلاف ہے اور کوشش کرنے والوں میں بھی اختلاف ہے یعنی مذکر اور مونث میں صفات اور منافع کا واضح اختلاف ہے اور یہ اختلافات حسیہ اور عقلیہ دونوں ہیں تو یہ شہادت دیتے ہے کہ انسانوں کی کوشش میں بھی اختلاف ہے یعنی اعمال کی صورت میں اختلاف ہے اور سزا میں بھی

اختلاف ہے اوراس میں ان کا رد ہے جو مسلم وکافر نیز اطاعت کرنے والوں اور نافرمانوں کو ایک جیسے سمجھتے ہیں جیسے سورۃ جاثیہ آیت 21 میں ہے جس کی وجہ سے وہ قیامت، جنت اور جہنم کا انکار کرتے ہیں اور بعد والی آیتوں میں شتّٰی کی تفسیر موجود ہے۔

تفسیر 5، 6 اس میں خیر کی کوشش کا بیان ہے اور اسکے تین اسباب ذکر کئے ہیں۔ أَعْطٰى: تعمیم کے لئے مفعول کو حذف کیا ہے یعنی ایمان، اطاعت، اخلاص، توبہ اور شکر کا اعطاء اور مال دینے نیز بدن اور نیت کے ذریعے سے احسان کرنا یعنی اسکا نفس اور جسم پورا مطیع ہے دوسرا اتقوٰی، جمیع منہیات اور شبہات کا چھوڑنا اس میں شامل ہیں نیز شرک کی تمام اقسام، بدعات فسق وفجور سے اپنے آپ کو بچانا بھی اس میں داخل ہیں۔ تیسرا وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى: یہ کلمہ توحید، جنت، ثواب اور اجر پر مشتمل ہیں اور تمام احکامات اور اخبار شرعی اس میں داخل ہیں یعنی دین کا مدار ان تین باتوں پر ہے: مامورات کا کرنا اور محظورات کو چھوڑنا اور شرعی اخبارات کی تصدیق کرنا۔

تفسیر 7 اللہ تعالٰی کی طرف سے تیسیر علم اور عمل کی توفیق دینا ہے الْیُسْرٰى: سے مراد خیر کی خصلتیں ہیں یا جنت کی راہ ہے اور حدیث صحیح میں آیا ہے (جس کا ایک جملہ یہ ہے) جو اہل سعادت میں سے ہو اسکے لئے سعادت کا عمل آسان کر دیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4945 صحیح مسلم کتاب القدر حدیث 1362)

تفسیر 8، 9 یہاں بھی تین اسباب ذکر کئے ہیں جو پہلے تین کے مقابل ہیں پہلا بَخِلَ: یعنی اللہ تعالٰی کا حق اور بندوں کا حق کچھ بھی ادا نہیں کرتا ہے نفس کے ذریعے سے بخل، جسم کے ذریعے سے بخل، مال کے ساتھ بخل یہ لفظ ان سب کے لئے عام ہے دوسرا وَاسْتَغْنٰى: باب استفعال کے صیغے میں اشارہ ہے کہ غنی نہیں ہے لیکن غنا یعنی مالداری کا دعوٰی کرتا ہے اللہ تعالٰی اور انسانوں سے اپنے آپکو بے پرواہ کئے ہوئے ہے اور یہ بے پروائی حرام اور مشتبہات کے ارتکاب کے لئے سبب ہے اسی وجہ سے تقوٰی کے مقابل ذکر ہوا تیسرا وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى: توحید اور شرعی طریقے اور خیر کے اعمال سے انکار کرتا ہے۔

تفسیر 10 یہاں تیسیر سے مراد شر کے اسباب کا آسان کرنا اور خیر کے اسباب سے منع کرنا ہے اور اس کو خذلان کہا جاتا ہے لِلْعُسْرٰى: سے مراد ہر وہ خصلت اور راہ ہے جس کا انجام سخت ہے اور جہنم کی طرف پہنچانے والا ہے اور اسی طرح حدیث میں ہے کہ جو اہل شقاوت میں سے ہے تو اسکے لیے شقاوت کا عمل آسان کر دیا جاتا ہے۔

تفسیر 11 "فَسَنُيَسِّرُهٗ" پر عطف ہے اور گزشتہ شر کی خصلتیں چونکہ اکثر مالدار اور سرمایہ دار لوگوں میں ہوتی ہیں اور وہ مال

کو نجات کا سبب سمجھتے ہیں تو اس آیت میں انکار کیا گیا تَرَدّٰی: اصل میں اوپر سے نیچے گرنے کو کہا جاتا ہے اور اس سے مراد عذاب دنیاوی یا اخروی کے ذریعے سے ہلاک کرنا ہے۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٣﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾
الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ
تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾

"یقیناً ہمارے ذمہ ہدایت ہے[12] اور ہمارے لیئے دنیا اور آخرت کا اختیار ہے[13] تو تمہیں شعلوں والی آگ سے ڈراتا ہوں[14] اس میں داخل نہیں ہوگا مگر بد بخت[15] وہ جس نے (حق کو) جھٹلایا اور منہ موڑ لیا[16] اور عنقریب اس سے پرہیزگاروں کو بچا رکھا جائیگا[17] وہ جو اپنے مال کو دیتا ہے تا کہ اپنے آپ کو پاک کر دے[18] اور نہیں ہے کسی کا اسکے پاس کوئی احسان کہ اسکا بدلہ دے[19] مگر اپنے رب کی رضا تلاش کرتا ہے جو بلند ہے[20] اور عنقریب راضی ہوجائیگا[21]۔

تفسیر 12، 13 یہ پہلے مضمون کے لئے علت ہے یعنی گذشتہ تفصیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر اور شر کا بیان ہے اور اس میں قرآن کی طرف ترغیب ہے اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ کا بیان قرآن میں ہے۔ لَلْهُدٰى: اس سے مراد نفس بیان ہے جو خیر اور شر دونوں کو شامل ہے یا الهدٰى، اَلضَّلَال کے مقابل ہے اور مقابل کو حذف کیا گیا ہے وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى: آخرت سے مراد آخرت کا گھر یعنی جنت ہے تو مطلب یہ ہے کہ جنت اور دنیا دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ان کو طلب کرنا چاہئے اور ان کی راہ قرآن کریم میں ذکر ہے تو جو قرآن کو چھوڑ دے اور دوسری جگہ یا دوسرے در میں جنت اور دنیا کو طلب کرے تو وہ بے وقوف ہے جیسے سورۃ نساء آیت 34 میں ذکر ہوا ہے یا آخرت سے مراد آخرت کا دن ہے یعنی آخرت اور دنیا کا تصرف اور اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو ہدایت بھی اسکے اختیار میں ہے۔

تفسیر 14، 15، 16 یہ تخویف اخروی ہے اور فَاَنْذَرْتُكُمْ: میں متکلم سے مراد اللہ تعالیٰ ہے یا رسول ﷺ ہے اور فعل ماضی اپنے معنی میں ہے جو ان تخویفات کی طرف اشارہ ہے جو اس سورت سے پہلی سورتوں میں مذکور ہیں یا ماضی حال کے معنی میں ہے۔ نَارًا: نکرہ تعظیم شان کے لیئے ہے یعنی بڑی آگ جو ہر طرف سے احاطہ کی ہوئی ہوگی۔ اِلَّا الْاَشْقٰى: اسم تفضیل دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد کافر اور مشرک ہے اور ان سے نیچے پھر شقی ہے جو مسلمان گنہگار ہے یا اَشْقٰى شقی

کے معنی میں ہے اور مراد اس سے کافر ہے۔ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى: تکذیب دل کے ساتھ اور تولّی عمل کے ساتھ مراد ہے سوال: لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى کے حصر سے معلوم ہوا کہ مومن گنہگار جہنم میں داخل نہیں ہوگا اور یہ مرجئہ کا مسلک ہے اور یہ دوسرے نصوص کے خلاف ہے اور باطل ہے؟ جواب دو طریقوں سے ہے: پہلا طریقہ یہ ہے کہ جہنم کی آگ میں منازل اور درجات مختلف ہیں، ہر منزل الگ الگ لوگوں کے ساتھ خاص ہے جیسے سورۃ حجر آیت 44 سے معلوم ہوا ہے تو یہاں بھی نَارًا تَلَظّٰى ایک خاص منزل ہے آگ کی منازل میں سے اور وہ اَلْاَشْقَى ' (کافر) کے ساتھ خاص ہے اور مسلمان گنہگار جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو جہنم کی دوسری منزل میں داخل کردے گا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لفظ اَلْاَتْقَى ' (جو بعد میں ذکر ہو رہا ہے) دلیل ہے کہ ان آیتوں میں اعلیٰ شقی کا اور اعلیٰ متقی کا مقابلہ ذکر ہو رہا ہے تو اعلیٰ شقی کو نَارًا تَلَظّٰى میں حصر کیا ہے اور اعلیٰ متقی کو جہنم سے بچنے کے لئے خاص کیا اور مومن گنہگار جو ایک وجہ سے شقی ہے اور ایک وجہ سے متقی ہے اسکا حال امید اور خوف کے لئے ذکر نہیں کیا۔

تفسیر 17، 18 ان میں پانچ اوصاف کے ذریعے سے بشارت ہے ان دو آیتوں میں دو اوصاف ذکر کیے ہیں اور وَسَيُجَنَّبُهَا مجہول کے صیغے میں اشارہ ہے کہ جہنم سے بچنا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ الْاَتْقَى: اسم تفضیل کا صیغہ دلالت کرتا ہے کہ یہاں اعلیٰ درجے کا مومن مراد ہے اور دلیل ہے کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ: ما بعد کے قرینے سے جو يَتَزَكّٰى ہے خیر کے مصارف میں مال دینا ہے اسلئے کہ تزکیہ خیر کے مصرف کے بغیر حاصل نہیں ہوتا ہے اور تزکیہ سے مراد مال کی محبت سے پاکی حاصل کرنا ہے اور توحید کے عقیدے پر مضبوط رہنا ہے اور يَتَزَكّٰى، يُؤْتِيْ سے بدل ہے یا اسکے فاعل سے حال ہے۔

تفسیر 19، 20، 21 اس میں مزید تین اوصاف کا ذکر ہے وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ: یعنی بعض لوگ کسی پر اسوجہ سے صدقہ کرتے ہیں کہ اس نے پہلے ان کے ساتھ احسان کیا ہوتا ہے تو اسکا بدلہ ختم کرتے ہیں جیسے اس دور میں کھانے کی اکثر دعوتیں بدلے کی بناء پر ہیں۔ (استغفر اللہ) تو یہ پرہیزگار اس صفت سے محفوظ ہے بغیر کسی بدلے کے صدقہ کرتا ہے۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى: یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور وجہ (چہرہ) بغیر تشبیہ اور تمثیل کے اپنے معنی میں ہے اور اسی طرح کے عرف میں بھی کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کے چہرے کو دیکھ کر اسکا لحاظ کیا یا یہاں مضاف محذوف ہے یعنی رُؤْيَةَ وَجْهِهٖ چہرے کے دیدار کے طلب کرنے کے لئے۔ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى: یہ اجمالی بشارت ہے دنیاوی اور اخروی

بے شمار انعامات پر مشتمل ہے اور مفسرین نے اتفاق کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ آیتیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اسی وجہ سے وہ سارے امتیوں سے افضل ہیں لیکن اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے لہٰذا ان کے ساتھ یہ بشارت خاص نہیں ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ فریقین کے درمیان فرق اور دو ناموں یعنی اشقی اور اتقی کے ساتھ ان کو موسوم کرنا۔

سورۃ الیل کی تفسیر اللہ کے فضل سے مکمل ہوئی

آیاتھا ۱۱ ۹۳ سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ ۱۱ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالضُّحٰى ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝۳ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ
رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝۶ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۷ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝۸ فَاَمَّا
الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۰ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱ ع ۱۸

قسم ہے چاشت کے وقت کی[1] اور رات کی قسم جب وہ چھا جائے[2] نہ آپکو آپکے رب نے چھوڑا ہے اور نہ آپکے ساتھ دشمنی کی[3] اور البتہ آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے[4] اور عنقریب تجھے تیرا رب دیگا پس آپ راضی ہو جاؤ گے[5] کیا اس نے تجھے یتیم پاکر جگہ نہیں دی[6] اور تجھے بے خبر پایا پس تجھے ہدایت دی[7] اور تجھے محتاج پایا پس تجھے بے پرواہ کردیا[8] جو یتیم ہے پس اس کو قہر (غصہ) نہ کرو[9] اور سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو[10] اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ[11]۔

ربط: اس سورت کا گذشتہ سورت سے ربط کئی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورت میں اُمتی کے لئے تسلی تھی تو اس سورت میں نبی ﷺ کے لئے تسلی ہے دوسری وجہ تقابل اور تضاد ہے کہ سابقہ سورت کو لَیْل سے شروع کیا تھا تو اس سورت کو الضحیٰ سے شروع کیا ہے کہ دن اور رات کے درمیان تقابل ہے تیسری وجہ سابقہ سورت میں اَلْاَتْقٰى ذکر کیا تو اس سورت میں سید الاتقیاء نبی ﷺ کی شان کا ذکر ہو رہا ہے۔

سورت کا بنیادی مضمون: رسول ﷺ کو آیت 3، 5 میں تین چیزوں کے ذریعے تسلی ہے اور مشرکین کے اعتراض کو دور کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ایک نام یعنی "رب" ذکر کیا ہے اور پانچ صفات فعلیہ ثبوتیہ اور دو سلبیہ ذکر کی ہیں۔

سورت کا خلاصہ: خلاصہ یہ ہے کہ آیت 1، 2 میں دو شہادتیں ہیں پھر سورت کے تین مضامین کا ذکر آیت 3، 4، 5 میں ہے پھر آیت 6، 7، 8 میں نبوت سے پہلے کے حالات کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور پھر آیت 9، 10، 11 میں تین

اچھے آداب کا ذکر ہے اور یہ ہر دعوت دینے والے کے لئے آداب ہیں۔ فائدہ: اس سورت سے سورۃ عادیات تک 7 سورتوں میں ایمان کے چار اصولوں کا ذکر ہے: سورۃ الضحیٰ اور الشراح اور سورۃ بینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور سورۃ التین میں توحید اور سورۃ العلق اور سورۃ القدر میں قرآن کی عظمت اور سورۃ زلزال میں قیامت کو ثابت کیا ہے۔

تفسیر 1، 2 اس میں دو قسمیں ہیں پہلی چاشت کے وقت پر یا اس سے مراد سارا دن ہے اور دوسری رات کی قسم ہے اور سورت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے جیسے صحیح بخاری کتاب التہجد حدیث 1124، 4950 صحیح مسلم کتاب الجہاد حدیث 1797 میں نیز امام احمد رحمہم اللہ نے حدیث ذکر کی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کا وحی لانے کا سلسلہ کچھ دنوں کے لئے رک گیا تو مشرکین کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب نے چھوڑ دیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت افسردہ ہوئے جس پر یہ سورت نازل ہوئی اِذَا سَجٰی: سکن کے معنی میں ہے مراد یہ ہے کہ جب رات پوری ہو جاتی ہے اور ہر چیز کو اندھیرے سے ڈھانپ لیا جاتا ہے تو ضحیٰ بھی دن کی پوری روشنی کا وقت ہے اور اِذَا سَجٰی رات کے پورے اندھیرے کے وقت کی طرف اشارہ ہے اور ان دونوں کے درمیان پورا مقابلہ ہے اور یہ دونوں برکات اور فائدوں کے اوقات ہیں ہر ایک کے الگ الگ فائدے ہیں۔

تفسیر 3 یہ جواب قسم ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔ مَا وَدَّعَكَ: تودیع رخصت کرنا ہے جو جدائی کو مستلزم ہے چاہے دوست کے ساتھ ہو یا دشمن کے ساتھ وَمَا قَلٰی: یہ دشمن کے ساتھ خاص ہے یعنی کسی بھی طرح آپ کو نہیں چھوڑا ہے نہ اس طرح جیسے دوست دوست سے جدا ہوتا ہے اور نہ اس طرح جیسے دشمن دشمن کو چھوڑ دیتا ہے نیز قسم اور جواب قسم کی مناسبت یہ ہے کہ کبھی دن اور دن کا اجالا اور کبھی رات اور اس کا اندھیرا ہوتا ہے تو ایسا ہی جبرائیل علیہ السلام کبھی وحی لائینگے اور کبھی نہیں لائینگے اور چونکہ اندھیرے اور روشنی میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں لہٰذا وحی کے رک جانے اور پھر آنے میں بھی حکمتیں ہیں۔ فائدہ: یہ ہر داعی حق کے لئے تسلی ہے یعنی کبھی دشمن پر غلبہ ہوگا اور کبھی کمزوری، کبھی بیماری، کبھی صحت، کبھی مصیبت اور تکلیف اور فقیری ہوگی اور کبھی راحت اور خوشی اور مالداری ہوگی ان حالات کا بدلنا بدبختی نہیں ہے۔

تفسیر 4 یہ دوسرا جواب قسم ہے اور تسلی ہے یعنی آخرت اور دنیا دونوں میں آپکے لیے عزت اور شرافت ہے لیکن آخرت کی کرامات اور انعامات دنیا سے بہتر اور ہمیشہ ہیں اور احتمال ہے کہ آخرت سے مراد دنیاوی زندگی کا آخری وقت ہو اور اولیٰ سے مراد پہلی حالت ہو اور بہتری اسلام کے غلبے اور ایمان والوں کے زیادہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ لَكَ: اور یہ تخصیص دلالت

کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص ہے کسی اور کے لئے یقینی طور پر یہ وعدہ نہیں ہے۔

تفسیر 5 یہ تیسرا جواب قسم اور تسلی ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ: مفعول ثانی تعمیم کے لئے محذوف ہے اور مراد اس سے آخرت میں نعمتوں کا دینا ہے اس میں مقام شفاعت بھی داخل ہے اسکے سبب سے سارے اجابت والے امتی جنت میں داخل ہونگے تو نبی ﷺ خوب راضی ہوجائینگے یا اس سے مراد دنیا میں نعمتوں کا اعطاء ہے یعنی فتح، نصرت، زیادہ لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا اور قیصر اور کسریٰ کے خزانوں کا وعدہ اور تمام ادیان پر دین اسلام کا غلبہ۔ لَسَوْفَ: لام تاکید کے لئے اور سَوْفَ تاخیر کے لئے ہے یعنی یہ اعطاء اگرچہ بعد میں ہے لیکن ضرور ہوگا اس وعدے کی مخالفت نہیں ہوسکتی ہے اور یہ وعدے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو سچ کر دکھلائے ہیں۔

تفسیر 6 اس میں تسلی کی تاکید کے لئے نبوت سے پہلے نبی ﷺ پر نعمتیں ذکر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبوت سے پہلے اس طرح انعامات کیے ہیں یعنی نبوت کے لئے آپکو تیار کیا ہے تو یہ دلیل ہے کہ آپکو ویسے نہیں چھوڑتا ہے اور نہ آپکے ساتھ دشمنی کرتا ہے۔ يَتِيمًا: یتیم وہ ہے جسکا باپ فوت ہوچکا ہو اور بالغ نہ ہو اور اکثر روایات میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ کے والد ان کی پیدائش سے پہلے فوت ہوئے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کی پیدائش کے بعد فوت ہوگئے تھے اور لفظ أَلَمْ يَجِدْكَ: میں اشارہ ہے کہ یتیم اور بھی زیادہ تھے لیکن ان کو یتیموں میں سے منتخب کیا نیز اس میں اشارہ ہے پہلے تکلیف اور پھر خوشی کی طرف فَآوَىٰ: پہلے دادا (عبد المطلب) نے تربیت کی پھر پوری تربیت اور حفاظت چچا ابوطالب نے کی اگرچہ ایمان نہیں لائے پھر حفاظت کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیدا ہوگئے اور پھر مدینے والے (اوس اور خزرج) پیدا ہوگئے یہ سب فَآوَىٰ میں داخل ہیں۔

تفسیر 7 یہ دوسری نعمت ہے قرطبی نے یہاں آٹھ اقوال لکھے ہیں (1) ضال نبی بننے سے غافل ہونے کے معنی میں ہے جیسے سورۃ یوسف آیت 3 میں ہے فَهَدَىٰ: نبی بنانے کے معنی میں ہے (۲) ضال ایمان اور شرائع کی تفصیلات سے بے خبر جیسے سورۃ شوریٰ آیت 52 میں ہے (۳) ضال ہدایت سے زیادہ محبت کرنے والا جیسے سورۃ یوسف آیت 95 میں ہے (۴) ضال لن شاء اللہ کو بھولنے والا اور فَهَدَىٰ کا معنی یاد کرنا ہے (۵) ضال متحیر (حیران) کے معنی میں ہے حیران تھے کہ اس قوم کو کس طرح ہدایت دوں گا (۶) ضال مکے کے راستوں میں یا شام کی راہ میں گم ہونے والا (۷) ضال منفرد (اکیلے) تھے فَهَدَىٰ ساتھی دیئے (۸) ضال گمراہوں کے درمیان گم شدہ تو آپ کو ان سے الگ کردیا امام قرطبی نے ساتواں معنی راجح قرار دیا ہے اور میرے

نزدیک سورۃ شوریٰ کے قرینے سے دوسرا معنی بہتر ہے اور لغت میں ضلال کے دس معانی سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں لکھے گئے ہیں۔ فائدہ: مفسر خازن نے کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی یہ بات قابل التفات نہیں کہ ضال کا معنی یہ ہے گمراہ تھے اور اپنی قوم کے دین پر تھے اسلئے کہ ہمارے نبی ﷺ اور سارے انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے ایمان اور توحید پر پیدا ہوئے ہیں اور ان ہی پر پلے بڑھے تھے اور نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات اور توحید کی جہالت سے معصوم تھے اور دلیل یہ ہے کہ قریش نے ان پر ہر عیب لگایا تھا لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ آپ بھی مشرک اور جاہل تھے (اور خازن نے دوسرے دلائل ذکر کیے ہیں اور پھر ذکر کیا ہے کہ) واجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کبائر اور ان صغائر سے جو سبب عیب ہیں معصوم ہوں تو ضال کا معنی گمراہ اور بے راہ کرنا باطل ہے۔

تفسیر 8 یہ تیسری نعمت ہے۔ عَآئِلًا: بہت عیالدار تھے اور مراد اس سے محتاج ہونا ہے اور احتیاج حقیقی اور معنوی دونوں کو شامل ہے یعنی فقیر اور بے مال تھے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے سبب سے اور پھر نبوت کے بعد غنیمتوں کے سبب سے آپ کو مستغنی کر دیا اور معنوی احتیاج یہ ہے کہ علم اور دلائل کی طرف محتاج تھے تو وحی کے سبب سے آپکو مستغنی کر دیا اور اسی طرح دل کا غنیٰ (قناعت اور صبر) دے دیا۔ فائدہ یہ تین مراتب نبی ﷺ کو نبوت سے پہلے اسلئے دیئے گئے تاکہ نبوت کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور یہ تین ہر حق کے داعی کے لئے ضروری ہیں: ایک تربیت کی جگہ دوسرا وحی کا علم تیسرا نفس کا مستغنی ہونا۔

تفسیر 9 یہ پہلے احسان پر پہلی تفریع ہے اور یہ جاہلیت کے حال کے برخلاف ہے کہ وہ یتیموں پر ظلم کرتے تھے اور انکے حقوق ضائع کرتے تھے۔ فَلَا تَقْهَرْ: قہر غصہ کرنا اور زبردستی مال لینا ہے۔

تفسیر 10 یہ دوسرے احسان پر تفریع ہے اور سَآئِلَ: عام ہے چاہے دنیا کا سوال کرے یا دین کا اور امام خازن نے کہا ہے کہ طالب علم بھی اس میں داخل ہے سوال کرنے والوں سے لہجہ نرم اختیار کرنا چاہئے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو ہدایت دی ہے اور ہدایت یافتہ کے اخلاق اچھے ہونے چاہئیں۔

تفسیر 11 یہ تیسرے احسان پر تفریع ہے یعنی آپکو مستغنی کر دیا ہے اور مستغنی کو چاہئے کہ نعمت کا پورا شکر ادا کرے۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ: نعمت عام ہے چاہے دنیاوی ہو یا دینی ہو وحی قرآن اور دین کا علم اس میں داخل ہیں فَحَدِّثْ: نعمت کی تحدیث اسکا شکر ادا کرنا ہے اور جس نے انعام کیا ہے اسکی تعریف کرنا اور اس نعمت کا اظہار لباس اور خوراک وغیرہ کے ذریعے

سے شکر کے طور پر کرنا چاہئے اور دینی نعمت یعنی وحی اور علم کی تحدیث اسکا بیان کرنا ہے اور اسکی طرف دعوت دینا ہے [فائدہ ۱] یہ تین اخلاق دعوت کی کامیابی کے لئے داعی حق کے لئے ضروری ہیں۔ فائدہ ۲ ابن کثیر اور امام قرطبی اور دوسرے مفسرین نے مرفوع حدیث ذکر کی ہے (مستدرک حاکم 3 / 304 ضعیف ابن کثیر مع التخریج) جسکا مضمون یہ ہے "کہ سورۃ الضحیٰ سے قرآن کے آخر تک ہر سورت کے اختتام میں اللہ اکبر کہنا ضروری ہے" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا حکم دیا ہے امام قرطبیؒ نے کہا ہے کہ حدیث صحیح ہے البتہ بخاری اور مسلم نے اسے ذکر نہیں کیا ہے۔ اور ابن کثیر نے (احمد بن المزی) راوی پر کلام نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابو حاتم نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور عقیلی نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا تذکرہ۔

۲۔ یتیم اور سائل کے حقوق کا ذکر ہے۔

سورۃ الضحیٰ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

ایاتہا ۸ — ۹۴ سورۃ الم نشرح مکیۃ ۱۲ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ فَإِنَّ
ع مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

کیا ہم نے آپکے لئے آپ کا سینہ نہیں کھولا ہے [1] اور آپ سے بوجھ کو دور کیا ہے [2] جس نے آپ کی پیٹھ کو بھاری کیا [3] اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا [4] بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے [5] بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے [6] پس جب آپ فارغ ہوجائیں تو اپنے آپ کو تھکائیں [7] اور اپنے رب کی طرف رغبت کریں [8]۔

سورۃ الانشراح اور دوسرے نام یہ ہیں: الم نشرح اور سورۃ الشرح

ربط: اس کا سورۃ الضحیٰ سے ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں نبی ﷺ کو ایک قسم کی تسلی ہے اور اس میں دوسری قسم کی تسلی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس سورت میں نبوت سے پہلے تین انعامات کے ذریعے سے تذکیر تھی اور اس سورت میں نبوت کے بعد تین نعمتوں کے ساتھ تذکیر ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں تحدیث نعمت کا ذکر تھا یعنی قرآن بیان کرنا تو اس سورت میں اسکی کیفیت ذکر کرتا ہے یعنی قرآن کے بیان میں آپنے آپ کو تھکانا اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہاں مشرکین کے ایک اعتراض کا جواب تھا یہاں انکے دوسرے اعتراض کا جواب ہے کہ یہ کہتے تھے آپ اور آپکے ساتھی بہت غریب ہیں اور تنگ زندگی میں ہیں۔

سورت کا بنیادی مضمون: نبی ﷺ کو تسلی ہے آیت 5، 6 میں اور تین نعمتوں کی دلیل کے ساتھ سختی کے بعد آسانی کا وعدہ ہے اور آیت 7، 8 میں دعوت پر ابھارنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک نام (رب) ذکر ہے اور تین صفات فعلیہ ہیں۔

سورت کا خلاصہ: خلاصہ یہ ہے کہ پہلے تین نعمتوں کی یاد دہانی ہے پھر آسانی کے ذریعے تسلی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی محبت کے ذریعے دعوت پر ابھارنا ہے فائدہ: ان دونوں سورتوں میں بڑا مقصد رسول اللہ ﷺ کی سچائی کا بیان ہے۔

تفسیر 1 یہ پہلا انعام ذکر کیا جارہا ہے اور یہ انعام موسیٰ علیہ السلام کی دعاء میں بھی مذکور ہے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ آیت 25 میں ہے

اور یہ ہدایت کا سبب ہے جیسے سورۃ انعام آیت 125 میں ہے اور نور کا سبب ہے جیسے سورۃ زمر آیت 22 میں ہے اور شرح صدر سے مراد ضروری علوم اور معارف دینا ہے اور ہر قسم کے شکوک وشبہات دل سے زائل کرنا ہے اور یہ مقام نبوت اور نبوت کے اسباب کی طرف اشارہ ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ نبوت سے پہلے صحراء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ (جبرائیل علیہ السلام) نے چیرا اور اس میں سے غل اور حسد کو نکالا اور شیطان کا حصہ اس سے دور کیا اور اس میں نرمی اور رحمت کو ڈالدیا یہ ابن کثیر (صحیح بخاری کتاب التوحید حدیث 7516 صحیح مسلم باب الاسراء وغیرہ میں تفصیل سے مذکور ہے)۔ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور تفسیر خازن میں انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے تو اس طریقے سے بھی ان کا شرح صدر کیا گیا اور شرح صدر بذات خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم اور محسوس تھا اس وجہ سے تقریر اور تاکید کے لئے بطور استفہام ذکر کیا ہے۔

تفسیر 2 یہ دوسرا انعام ذکر کیا جا رہا ہے، یعنی نبوت دینے کے بعد نبوت کا کام آسان کرنا۔ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ وزر بوجھ کو کہا جاتا ہے اور وزر سے مراد نبوت ہے اسلئے کہ وحی کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ابتداء میں ایسی ہیبت آئی تھی کہ قریب تھا کہ اپنے آپکو پہاڑ کی چوٹی سے گرادیں لیکن جبرائیل علیہ السلام نے منع کردیا اور سخت سردی میں ان پر پسینہ آتا تھا لیکن یہ بوجھ اللہ تعالیٰ نے آسان کردیا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوب آسان طریقے سے وحی کو سیکھتے تھے قوم کی مخالفت کی وجہ سے وحی پہنچانے میں بہت مصائب اور تکالیف آتی تھیں لیکن وہ بھی اللہ تعالیٰ نے آسان کردیں یا بوجھ سے مراد گناہ ہیں اور وضع محفوظ رکھنے کے معنی میں ہے یعنی نبوت سے پہلے اور بعد میں گناہوں سے محفوظ رکھا ہے اور شرح صدر (جو دعوت کے اسباب ہیں) کے بعد کام کی آسانی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان اسباب کے ذریعے سے مقصد حاصل ہوجائے اور اسکی طرف بھی داعی کی ضرورت ہوتی ہے۔

تفسیر 3 "اَنْقَضَ": نقیض اس آواز کو کہا جاتا ہے جو بوجھ کے بھاری ہونے کی وجہ سے ہو یہاں اس سے مراد بھاری پن ہے یعنی آپکی کمر کو بھاری کیا تھا توڑنا مراد نہیں ہے اور یہ جملہ دلیل ہے کہ وزر سے مراد نبوت کا بوجھ ہے اسلئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کمر توڑ دینے والے گناہوں کا بوجھ کبھی بھی نہیں تھا۔

تفسیر 4 یہ تیسرا انعام ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کرنا کئی طریقوں سے ہے اول کلمہ تشہد میں ان کا ذکر اور اذان اور خطاب میں ان کا ذکر اور دوسرا جمعے کے دن اور عیدوں اور وعظ میں منبر پر ان کا ذکر۔ تیسرا سابقہ کتابوں میں ان کا ذکر چوتھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سابقہ انبیاء علیہم السلام سے وعدہ لینا۔ پانچواں ملائک میں ان کا ذکر۔ چھٹا اللہ تعالیٰ کے مقام اطاعت میں ان

کا ذکر: (أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ) اور رضا کے مقام میں: (وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ) ساتواں بلند اور اخلاق حسنہ کے ساتھ متصف ہونا اور ذکر کا معزز صفات کرنا جب ان طریقوں سے ہوتو دعوت کی قبولیت میں انکا بہت اثر ہے اس لئے کہ جس انسان کی عزت کم ہو اسکی بات میں اتنی تاثیر نہیں ہوتی جتنی معزز آدمی کی بات میں تاثیر ہوتی ہے تو یہ تین انعامات رسولوں کی رسالت کی دعوت کے لئے ضروری امور ہیں کہ یہ سب نبی ﷺ کو حاصل تھے اور اسی وجہ سے وہ سارے رسولوں سے مرتبے میں افضل ہیں۔

تفسیر 6، 7: یہ سورت کے مضمون ہے تسلی وتفریع ہے پہلے تینوں انعامات پر یعنی یہ انعامات دنیا اور آخرت میں آسانی کے اسباب ہیں اور اس میں اعتراض کو دور کیا کہ مشرکین کہتے تھے کہ یہ رسول اور صحابہ کرام غریب ہیں تو معلوم ہوا کہ انکا اللہ تعالی کے نزدیک کچھ مرتبہ نہیں ہے تو اس آیت میں اسکا جواب دیا۔ مَعَ: بعد کے معنی میں ہے لیکن جلدی آنے کی وجہ سے مع کے ساتھ اسکی تعبیر ہوئی۔ العُسْرِ: مشہور یہ ہے کہ یہاں ایک عسر کے ساتھ دو یسر ہیں اسلئے کہ العُسر کو دو مرتبہ معرفہ لایا ہے تو دوسرا عین اول ہے تو عسر (سختی) ایک مراد ہوئی اور یُسْرًا کو دو مرتبہ نکرہ لایا ہے لہذا دونوں الگ الگ ہوئے اور اسکی تائید میں ابن کثیر نے حسن بصری کی حدیث ذکر کی ہے کہ کبھی بھی ایک عُسْرٌ دو یسروں پر غالب نہیں ہوسکتا لیکن یہ حدیث حسن بصری کی مرسل ہے یہ روایت ضعیف ہے مستدرک حاکم 2-528 لیکن خازن اور قرطبی نے جرجانی سے نقل کیا ہے کہ یہ قاعدہ اور یہ قول فاسد ہے اور صحیح یہ ہے کہ پہلے جملے میں دنیاوی سختی یعنی فقر اور غریبی مراد ہے کہ اسکے بعد بہت سی غنیمتیں اور ملکوں کی فتوحات آئیں اور اللہ تعالی نے نبی کو اور صحابہ کو دنیاوی وسعتیں دی اور دوسرے جملے میں عسر سے مراد دینی سختی ہے یعنی شروع وقت میں تکالیف اور مصائب زیادہ تھے پھر اللہ تعالی کی طرف سے فتح اور نصرت آئی اور لوگ گروہ، گروہ دین اسلام میں داخل ہورہے تھے اور اسی طرح اسکے بعد اخروی آسانی (جنت) ہے اور ان دونوں جملوں میں یُسْرًا کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے۔

تفسیر 7، 8: انعامات کے ذکر کے بعد ان کے شکر کرنے کی طرف ترغیب ہے اور ان کے شکر کے دو طریقے ذکر کیے ہیں: پہلا طریقہ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ: اس جملے میں مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کیے ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ فرض نماز سے فارغ ہوجاؤ تو اپنے آپکو دعا میں تھکاؤ اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اور ابن جریر اور تفسیر السراج المنیر اور تفسیر خازن میں مذکور ہے اور جن مفسرین نے مطلق نماز ذکر کی تو اس سے فرض نماز مراد ہے جیسے یہ محدثین اور فقہاء کا قاعدہ ہے تو اس آیت سے فرض کے بعد دعا ثابت ہے لیکن اس میں بھی لازمی طور پر اجتماعی ہیئت بنانا جیسے ابھی رواج ہے تو یہ

بدعت ہے جیسے سنت کے بعد اجتماعی ہیئت سے دعا کرنا بدعت ہے تو اس آیت سے سنتوں کے بعد یا فرض کے بعد اجتماعی کیفیت سے دعا کے لیے دلیل پکڑنا جاہلوں کا کام ہے۔ دوسرا جب فرض نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے آپ کو قیام اللیل میں تھکاؤ تیسرا جب بھی تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے آپ کو دعا میں تھکاؤ چوتھا جب دنیا کے ضروری کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو دین کے کاموں میں اپنے آپ کو تھکاؤ جو عبادت اور دعوت ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ جب دعوت اور تبلیغ سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے آپ کو دنیا اور دین کے دوسرے کاموں میں تھکاؤ یعنی انسان کو بے فائدہ نہیں بیٹھنا چاہیے (جیسے عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے) یا دنیا کے کام میں مشغول ہونا چاہیے یا آخرت کے کام میں مشغول ہونا چاہیے امام قرطبی نے شریح سے نقل کیا ہے کہ یہ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو عید کے دن کھیل رہے تھے تو انہوں نے کہا کیا فارغ وقت میں تمہیں یہ حکم دیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا کھیل تھا کہ کچھ فائدہ اس میں نہیں تھا اور جس میں فائدہ ہو تو خصوصاً وہ کھیل عید والے دن جائز ہے جیسے صحیح بخاری میں مذکور ہے یا وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے فراغت پر علت پیش کی تھی یہ علت نہیں ذکر کی کہ عید کا دن ہے۔

شکر کا دوسرا طریقہ: وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ یعنی اپنے تمام احوال میں اپنی رغبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرو، کسی بھی عبادت اور دعوت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا لحاظ نہ کرو اور مراد اس سے توکل اور اخلاص کرنا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا ذکر۔

۲۔ دنیاوی اُمور سے فراغت پانے کے بعد عبادت میں مجاہدہ کرنا۔

سورۃ الانشراح کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

آیاتھا ۸ | ۹۵ سورۃ التین مکیۃ ۲۸ | رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ۝ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ
تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ فَمَا
يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ۸

"قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی[1] اور قسم ہے طور سینین کی[2] اور (قسم ہے) اس پرامن شہر کی[3] یقیناً ہم نے انسان کو اچھے انداز میں پیدا کیا ہے (جو توحید کی فطرت ہے)[4] پھر ہم نے اسکو نچلوں سے نیچے کردیا[5] مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نیک عمل کیا انکے لئے بے انتہا ثواب ہے[6] پس تجھے روز جزاء کے جھٹلانے پر کیا چیز آمادہ کرتی ہے[7] کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے[8]۔

سورۃ التین اور دوسرا نام والتین ہے۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط بہت سی وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں دعوت پر ابھارنا تھا تو اس سورت میں دعوت کا مقصد ذکر کرنا ہے جو کہ توحید ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ذکر تھی اور اس سورت میں عام انسانوں کی شان کا ذکر ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں دعوت پر ابھارنا تھا تو یہاں بعض داعیوں کا حال ذکر ہو رہا ہے یعنی مکان کا ذکر ہے اور مراد اس سے مکین ہے جیسے بعد میں ذکر کیا جائیگا۔

سورت کا بنیادی مضمون: آیت 4، 8 میں توحید کو ثابت کیا ہے کہ اس پر فطرتاً انسان پیدا کیا گیا ہے۔ اور آیت 7 میں قیامت کے دن کا اثبات بطور تفریع ذکر ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک نام اور دو صفات فعلیہ اس میں ذکر ہیں۔

سورت کا خلاصہ: یہ ہے کہ پہلے چار شواہد ذکر کیے ہیں پھر آیت 4 تک سورت کا مضمون ہے پھر انسانوں کی تقسیم ہے، آیت 5 میں ایک قسم کو تخویف ہے اور آیت 6 میں دوسری قسم کو بشارت ہے اور پھر آیت 7 میں ماقبل پر تفریع کے طور پر قیامت کو

ثابت کیا ہے پھر آیت 8 میں توحید کے عنوان پر صراحت ہے۔

تفسیر 1 وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ: یہ دو قسمیں شہادت کے طور پر ہیں جیسا کہ اسکی تحقیق سورۃ یٰسین اور صافات میں گزری ہے اور مفسرین کے نقل کے موافق اس میں عین دونوں درخت (انجیر اور زیتون) مراد ہیں یا دمشق کی مسجد یا بیت المقدس کی مسجد مراد ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا مقام تھا یا تین سے نوح علیہ السلام کی دعوت کا مقام اور زیتون سے عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا مقام مراد ہے اس طریقے پر کہ مکان کا ذکر ہے اور مراد اس سے مکین ہے اور پہلے قول کی بناء پر ان دونوں درختوں کی شرافت کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ یہ دونوں بہت سے فوائد پر مشتمل ہیں جیسے مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ وَالتِّيْنِ وہ پھل ہے جو نقائص سے پاک ہے یعنی گٹھلی اس میں نہیں ہے نوالے کی مقدار میں اسکا دانہ ہے اور یہ غذاء سالن اور دواء بھی ہے اور اس کی طبیعت میں حرارت اور رطوبت دونوں ہیں اور یہ حیات کی طبیعت ہے اور قوت باہ کو بھی فائدہ دیتا ہے اور بواسیر کے لئے بھی علاج ہے اور یہ خشک کھایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے اور موحد انسان کے مشابہ ہے کہ اس میں بھی لازمی اور متعدی بہت سے فائدے ہیں اور سورۃ مومنون آیت 20 میں الزیتون کے فائدے ذکر کیئے ہیں: دھن، صبغ، اور دھن (تیل) روشنی اور نرم ہونے کا منشاء ہے اور صبغ (سالن) لذت اور خوراک کی سہولت کا سبب ہے اور اسکے پتے نہیں گرتے ہیں اور اس میں بھی بہت سے فائدے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور یہ موحد انسان کے ساتھ بہت سے فائدوں میں مشابہت رکھتا ہے۔

تفسیر 2 یہ تیسری قسم ہے طُوْرِ: ہر اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جو سرسبز ہو اور یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے وحی اترنے کی جگہ تھی اور سِيْنِيْنَ: بھی اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جس میں پھل دار درخت ہوں تو یہ موصوف کی اضافت ہے صفت کی طرف یا سینین اس جگہ کا نام ہے جس میں طور پہاڑ موجود ہے تو مظروف کی ظرف مکان کی طرف اضافت ہے اور یہاں بھی مراد وہ پہاڑ ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام پر وحی شروع ہوئی اور اسکے پاس میقات ہوتے تھے اسلئے کہ وہ پہاڑ بہت سے فائدوں سے بھرا ہوا تھا یا موسیٰ علیہ السلام مراد ہے کہ مکان کا ذکر ہے اور مراد اس سے مکین ہے۔

تفسیر 3 یہ چوتھی قسم ہے اور اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور اسکے امن کے لئے دعا مانگی جیسے سورۃ البقرۃ آیت 126 میں اور سورۃ ابراھیم آیت 35 میں مذکور ہے اور اس شہر میں خاتم النبیین ﷺ پر وحی شروع ہوئی تو یہاں مکہ مکرمہ کا شہر مراد ہے یا ابراہیم علیہ السلام یا محمد ﷺ مراد ہے یعنی مکان کا ذکر ہے اور مراد اس سے مکین ہے۔

تفسیر 4 یہ جواب قسم ہے۔ اَلْاِنْسَانَ: اس سے مراد ہر انسان ہے۔ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ: تقویم قوام کے معنی میں ہے بناوٹ مراد ہے اور جسم کی ظاہری بناوٹ اور باطنی روحانی بناوٹ دونوں اچھے ہیں باطنی بناوٹ یہ ہے کہ ہر انسان توحید کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے جیسے سورۃ روم آیت 3 میں مذکور ہے اور صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ صحیح بخاری حدیث 2660 صحیح مسلم حدیث 2658 ترمذی حدیث 2138 (ہر بچہ توحید پر پیدا ہوتا ہے) اور جسمانی بناوٹ یہ ہے کہ سیدھے قد والا ہے اور ہاتھ اور پاؤں الگ الگ ہیں ہاتھوں سے کھاتا ہے خوبصورت ہے جیسے سورۃ مؤمن آیت 64 اور سورۃ تغابن آیت 3 میں مذکور ہے اور اس مناسبت سے امام قرطبی اور امام شربینی وغیرہ نے عیسیٰ بن یوسف ہاشمی کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر آپ چاند سے زیادہ خوبصورت نہیں ہیں تو آپ کو طلاق ہے تو اس دور کے علماء نے کہا کہ یہ طلاق ہے۔ اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے یہ آیت پیش کی کہ یہ دلیل ہے کہ انسان ہر چیز سے خوبصورت ہے کہ عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔ فائدہ: قسموں اور جواب قسم کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ پہلی توجیہ کے اعتبار سے جب کہ انجیر، زیتون، طور اور مکہ مراد ہو ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح بے شمار فائدے پیدا کیے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے ہیں لیکن بعد والے لوگ دو قسم کے ہیں کچھ ان سے فائدے لیتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے سمجھتے ہیں اور کچھ ان کو بے فائدہ اور ضائع سمجھتے ہیں تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو توحید کے عقیدے پر پیدا کیا ہے لیکن کچھ اس توحید پر باقی رہ گئے اور کچھ اس سے یہودیت، نصرانیت، مجوسیت وغیرہ کی طرف پھر جاتے ہیں اور اسی طرح یہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ایک عظیم نمونہ ہے جیسے حکماء نے کہا ہے کہ انسان عالم صغیر ہے اور دوسری توجیہ کی بنا پر کہ ان سے پانچ انبیاء مراد ہو جائیں یعنی نوح علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے توحید کے مسئلے کے لئے ان مکانات میں کس طرح تکالیف برداشت کیے ہیں اور توحید کی دعوت دی ہے! یہ اس بات پر شہادت ہے کہ انسان اصل میں توحید پر پیدا ہوا ہے لیکن دوسرے عوارض کی وجہ سے بعض انسان توحید کو چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جن میں یہ پانچ اصحاب الشرائع ہیں توحید کی حفاظت کے لئے بھیجا ہے۔

تفسیر 5 "اَلْاِنْسَانَ: سے مراد تمام (جنس) انسان ہیں تو ابھی ان میں تقسیم کرتے ہیں ایک قسم وہ ہے جنہوں نے توحید کو چھوڑا اور کفر اور شرک میں پڑ گئے، فطری دین کو بدل دیا تو اس آیت میں انکو تخویف ہے۔ رَدَدْنٰهُ: بعد والی آیت میں استثناء کے قرینے سے بعض افراد کے اعتبار سے ضمیر الانسان کی طرف راجع ہے۔ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ: اس میں مفسرین کے دو اقوال

ہیں: پہلا یہ ہے کہ اس سے مراد ارذل عمر ہے یعنی علم اور عقل کے بعد پھر واپس جاہل نا سمجھ ہو جاتا ہے جیسے سورۃ نحل آیت 70 اور سورۃ حج آیت 5 میں ہے اور اسی طرح حدیث میں ارذل عمر کی طرف واپس ہونے اور بڑھاپا سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے صحیح مسلم حدیث 2723 اور یہ قول ابن جریر کا ہے اور عکرمہ کا قول ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ لَمْ يُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ (قرآن کا عالم باعمل ارذل عمر کی طرف نہیں جا سکتا ہے) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جہنم کی آگ ہے اور اسکی ترتیب سورۃ انشقاق آیت 24-25 اور سورۃ عصر آیت 2،3 کی طرح ہے اور یہ قول ابن کثیر نے راجح قرار دیا ہے اور ابن قیم نے بدائع التفسیر صفحہ 271 جلد 1 میں پہلے قول کے ضعیف ہونے کے لئے دس وجہیں ذکر کی ہیں بعض ان میں سے یہ ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ اسفل سافلین کا اطلاق لغت اور عرب کے عرف میں ارذل عمر پر نہیں ہوا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ارذل والے لوگ کم ہیں اکثر اس عمر تک پہنچنے سے پہلے مرجاتے ہیں اور استثناء دلالت کرتا ہے کہ یہ زیادہ ہونگے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ارذل عمر کو پہنچنے میں عام ایمان والے اور غیر مومن برابر ہیں صرف قرآن کے عالم باعمل اس سے مستثنیٰ ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ بشارت اخروی کے مقابلے میں ارذل عمر کی طرف واپس ہونا مناسب نہیں ہے اور باقی وجہیں اسی تفسیر میں دیکھ لیجئے تو دوسری توجیہ کی بناء پر آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ توحید سے جو کہ دین فطرت ہے پھر گئے ہیں تو وہ جہنم میں ہونگے جو اسفل سافلین ہے۔

تفسیر 6 اس میں دوسری قسم کے انسان ذکر ہو رہا ہے جو کہ دین فطرت پر مضبوط ہیں تو انکے لئے بشارت ہے اور انکی صفت ایمان اور عمل صالح ذکر کی ہے أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ: مَنٌّ قطع نقص اور احسان کو کہا جاتا ہے یہاں پہلے دونوں معانی مراد ہیں اور تیسرا معنیٰ بھی جواز رکھتا ہے لیکن اس میں فرقہ قدریہ کے ساتھ موافقت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ انکے عمل کا یہ بدلہ اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں ہے اور یہ قول باطل ہے اور بندے پر اللہ تعالیٰ کا احسان بندے کی خوشی اور لذت کا سبب ہے ناراضگی کا سبب نہیں ہے جیسے قدریہ نے یہ گمان کیا ہے تو أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ: سے مراد جنت ہے کہ اسکی نعمتیں ہمیشہ ہیں اور لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ہیں۔ فائدہ: سورۃ قلم میں وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ آیا ہے وجہ تخصیص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تفسیر میں ذکر ہوئی ہے یعنی وہاں دنیا میں دعوت اور تبلیغ کے سبب سے قیامت تک مراد ہے اور ہمیشہ کے لئے قیامت میں جاری ہے۔

تفسیر 7 یہ بھی قیامت کے دن کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے ذکر پر تفریع ہے اور اسی وجہ سے فاء لایا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کی مثالیں، تین، زیتون، طور، بلد امین اور انسان اور ان میں تقسیم کرنے میں واضح

ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ قیامت اور بدلہ دینے پر قادر ہے تو مکذبین کے لئے تکذیب کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟! اور فَمَا میں دو توجیہات ہیں: پہلی یہ ہے کہ أَيُّ شَيْءٍ يُكَذِّبُكَ کے معنیٰ میں ہے دوسری یہ ہے کہ مَنِ الَّذِي يُكَذِّبُكَ کے معنیٰ میں ہے۔ اور يُكَذِّبُكَ کے کاف میں بھی دو احتمال ہیں کہ مخاطب مکذب انسان ہے یا مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور پہلے احتمال کی بناء پر کیا چیز (سبب عذر و دلیل) ہے جو آپکو مکذب ٹھہراتی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے نمونے کے بعد یعنی قیامت کے دن کو جھٹلانے پر کچھ بھی دلیل نہیں ہے اور تکذیب کا سبب نہیں ہے۔ اور دوسرے احتمال کی بناء پر معنیٰ یہ ہے کہ کون ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے دلائل کے بعد جزاء کے دن کی خبر دینے کے بارے میں آپکو جھٹلائے تو پہلے کی بناء پر تکذیب میں نسبتی معنیٰ ہے اور دوسرے کی بناء پر باب تفعیل (تکذیب) جعل اور تصییر کے لئے ہے۔

تفسیر 8 یہ توحید کے عنوان پر تصریح ہے جو احسن تقویم میں بطور اشارہ ذکر تھا اور یہ شرک فی التصرف والحکم کا رد ہے اسلئے کہ حکم سے مراد عام ہے جو حکم تکوینی یعنی تصرفات کونیہ اور حکم تشریعی دونوں پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ صفت سورۃ ھود آیت 25 میں ذکر ہوئی ہے اور احکم تفضیل میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر تصرف اور حکم شرعی مضبوط ہے کوئی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے اور اس پر کسی کا اعتراض اور اپیل نہیں چل سکتی ہے اور اسکو سورت کے آخر میں سورت کے مضمون کی تاکید کے لئے لایا ہے یعنی نباتات، جمادات اور انسان پیدا کرنا اور انسانوں میں دو قسمیں بنانا اور ہر ایک کو اسکے مناسب بدلہ دینا یہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر واضح دلیل ہے اور ترمذی کی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا نقل ہے کہ جو والتین والزیتون کی تلاوت کرے اور پھر أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ پڑھے تو اسکے بعد کہے بَلَىٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3347 ابو داؤد حدیث 887 لیکن اس روایت کو شیخ البانی، شیخ عبدالرزاق مہدی اور شیخ زبیر نے ضعیف کہا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ چار شواہد کا ذکر۔ ۲۔ انسان کی تخلیق فطرۃ توحید پر کی گئی ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ التین کی تفسیر مکمل ہوئی

اٰیاتھا ١٩ — ٩٦ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ١ — رکوعھا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝٦ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝٧ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝٨
اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۝٩ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝١٠ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝١١ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝١٢ اَرَءَيْتَ
اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝١٣ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝١٤ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝١٥ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ
خَاطِئَةٍ ۝١٦ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝١٧ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝١٨ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝١٩ ع

"اپنے رب کے نام سے پڑھ وہ ذات جس نے پیدا کیا[1] انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے[2] پڑھ اور تیرا کا رب بہت عزت والا ہے[3] وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے سے سکھایا[4] انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا[5] یقیناً یہ ہے کہ بیشک (بعض) انسان سرکشی کرتے ہیں[6] جب اپنے آپکو مالدار پاتے ہیں[7] بیشک تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے[8] کیا تو نے اس کو دیکھا ہے جو روکتا ہے[9] بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے[10] کیا تو نے دیکھا اگر وہ ھدایت پر ہو[11] یا پرہیزگاری کا حکم دیتا ہے[12] کیا تو نے دیکھا اگر یہ تکذیب کرتا ہے اور منہ پھیرتا ہے[13] کیا یہ نہیں جانتا کہ بیشک اللہ تعالی دیکھ رہا ہے[14] ہرگز اس طرح نہیں چاہئے اگر یہ باز نہ آیا تو ہم اسکو پیشانی کے بالوں سے پکڑیں گے[15] وہ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے[16] پس چاہئے کہ وہ اپنی مجلس والوں کو آواز دے[17] عنقریب ہم زبانیہ کو آواز دینگے[18] ہرگز اس طرح نہیں چاہیے تو اسکی اطاعت نہ کر اور سجدہ کر اور اللہ تعالی کے نزدیک ہو جا[19]۔

سورۃ العلق اور اسکا دوسرا نام سورۃ اقراء ہے۔

ربط: اس سورت کا پہلی سورت سے ربط چند وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں توحید ذکر ہوئی تو اس سورۃ میں

توحید کے علم کے لئے قرآن کی قراءت کا حکم دیا جارہا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ سورت میں انسان کی صورت ذکر ہوئی تو اس سورت میں انسان کی پیدائش کا مادہ ذکر کیا جارہا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں انسانوں کے بدلے میں فرق ذکر کیا تو اس سورت میں انکے اعمال میں فرق بیان کیا جارہا ہے۔

سورت کا عنوان: آیت 1، 3 میں قرآن کے پڑھنے کا دومرتبہ حکم ہے اور آیت 19 میں قربت کے لئے رحمان کی عبادت کا حکم ہے اور تین اسمائے حسنٰی مذکور ہیں: (اللہ، رب، اکرم) اور سات صفات فعلیہ اس میں مذکور ہیں۔

سورت کا خلاصہ: سورت کا خلاصہ یہ ہے پہلے ادب کے ساتھ قرآن کی تلاوت کا حکم ہے اور اسکی علت خلق (پیدائش) کو ذکر کیا ہے آیت 1، 2 میں پھر دوسری مرتبہ تلاوت کا حکم اور اسکی علت اکرامیت کی صفت اور تعلیم بالقلم ذکر کی ہے آیت 3، 4، 5 میں پھر مکذب شخص کو اسکے چھ اوصاف قبیحہ کے ذکر کے ذریعے سے زجر ہے اور آیت 14 تک چار صفات حسنہ کے ذکر کے ذریعے سے قرآن کے داعی کو تسلی ہے پھر آیت 15، 16، 17 میں مکذب انسان کو تخویف اخروی ہے اور قرآن والے کو ایک نہی اور دو حکموں کے ساتھ ترغیب ہے۔

تفسیر 1، 2، 3، 4، 5 اس سورت کی پانچ آیتیں قرآن کریم کی پہلی وحی ہے جو غار حرا میں نازل ہوئی ہیں اِقْرَاْ : اس کا مفعول مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ یا اَلْقُرْآن محذوف ہے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کا پہلا فریضہ قرآن پڑھنا اور اسکی تبلیغ ہے۔ بِاسْمِ رَبِّكَ: با کا متعلق محذوف ہے مُفْتَتِحًا اَوْ مُسْتَعِيْنًا بِاسْمِ رَبِّكَ اس میں قرآن کی تلاوت کا ادب ذکر ہے کہ قرآن کی ابتداء بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کرنی چاہئے چونکہ قرآن کا پڑھنا بڑا اور سخت بوجھ ہے تو اسکے لیئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا ضروری ہے یہ اس کی مدد سے آسان ہوتا ہے۔ الَّذِيْ خَلَقَ: تعمیم کے لئے اسکا مفعول محذوف ہے یعنی خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ یا مفعول نسیاً منسیا ہے یعنی صرف حدثی معنی مراد ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ: یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے اور اس میں ہر انسان مراد ہے۔ مِنْ عَلَقٍ: یہ علقۃ کی جمع ہے اسکی جمع اس وجہ سے ذکر کی کہ جنس انسان جمع کے معنی میں ہے۔ سوال: پہلی پیدائش تو نطفے سے ہے جیسے سورۃ حج آیت 5 اور سورۃ مومنون آیت 13 اور دوسری آیتوں میں مذکور ہے تو یہاں وہ ابتداء کیوں ذکر نہیں ہوئی؟ جواب: اشارہ ہے کہ نطفہ اصل ہے اور پہلی انقلابی حالت علقہ ہے اشارہ ہے کہ قرآن کریم بھی انقلاب کے لئے آیا ہے اور علقہ میں پیوست ہونے اور جوڑنے کی صفت ہے تو قرآن بھی ایمان والوں کو ملا دینے والی کتاب ہے اور محبت اور اتصال پیدا کرنے والی ہے۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ: تکرار تاکید کے لئے ہے یعنی ہر وقت قرآن پڑھو یا پہلے اِقْرَاْ سے اپنے لئے تلاوت شروع

کرنا مراد ہے اور شروع کرنے کے لئے ادب ذکر ہوا اور دوسرا اقراء قراءت کے استمرار اور اجر کے لئے ہے یا پہلی قراءت نابالغ یا ان پڑھ کو تبلیغ اور تعلیم ہے کہ اس کی پیدائش علقہ کے زمانے کے قریب ہے اور دوسری قراءت بالغ اور اہل قلم کو ہے۔ الْأَكْرَمُ: یہ كَرُمَ سے تفضیل کا صیغہ ہے اور خیر کی کثرت کو کہا جاتا ہے تو یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اسلئے کہ ساری خیر اسکے ہاتھ میں ہے اور ساری نعمتیں اسکی طرف سے ہیں اور وہ بندوں کے جہل وناوانی کو معاف کرنے والا ہے اور عذاب کے مستحقین سے عذاب کو موخر کرنے والا ہے اور عطیات بغیر عوض کے دینے والا ہے نیز زیادہ اجر اور ثواب دینے والا ہے الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ: یہ ملائکہ انسانوں اور جنوں کے لئے عام ہے لیکن انسانوں پر خاص احسان کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ پیدائش کے بعد علم بڑی نعمت ہے اور علم دو قسم کا ہے ایک علم قلم کے ذریعے سے ہے اسکو یہاں ذکر کیا ہے اور دوسرا علم بیان کے ذریعے سے ہے اسے اس جملے میں ذکر کیا: عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ: مَا عموم میں صریح نہیں ہے بلکہ کبھی عام اور کبھی خاص آتا ہے اور یہ محقق اہل اصول اور اہل عرب کا قول ہے تو یہاں مراد بعض علوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کی بناء پر بعض انسانوں کو ایک قسم کا علم دیتا ہے اور بعض کو دوسری قسم کا علم دیتا ہے ابن کثیر نے کہا ہے کہ علم کبھی ذہن میں ہوتا ہے اور کبھی زبان پر ہوتا ہے اور کبھی قلم پر ہوتا ہے پہلا ذہنی دوسرا لفظی اور تیسرا رسمی ہے اور رسمی ان دونوں کو مستلزم ہے اسکی وجہ سے علم بالقلم جو کہ رسمی ہے اسکی تخصیص کی ہے اور اس کو مقدم کیا ہے۔

تفسیر 6، 7 اس میں نبی ﷺ اور قرآن کی مخالفت کرنے والے کو کے لئے زجر ہے اور كَلَّا: حَقًّا کے معنی میں ہے الْإِنْسَانَ: اس سے مراد مکذب انسان ہے لَيَطْغَى: کفر اور شرک کے ذریعے سے حقوق اللہ میں اور ظلم اور غصب کے ذریعے سے حقوق العباد میں تجاوز کرتا ہے۔ أَنْ رَآهُ: لام مقدرہ ہے (لِأَنْ) اور یہ طغیان کا سبب ہے اور (ہ) سے مراد نفس ہے اسْتَغْنَى: مال، بڑے قبیلے اور پیروکاروں کے ذریعے سے ہے اور باب استفعال ذکر کیا اشارہ ہے کہ انسان حقیقت میں غنی نہیں بن سکتا ہے اسلئے کہ غنی بے حاجت کو کہا جاتا ہے اشارہ ہے کہ سرمایہ داری اکثر طغیان (کفر اور شرک) کا سبب بنتی ہے۔

تفسیر 8 اس میں جھٹلانے والے کو تخویف اور نبی ﷺ کو تسلی ہے الرُّجْعَى: مصدر ہے رجوع کے معنی میں ہے۔

تفسیر 9، 10 یہ مکذب کے مزید اوصاف کا ذکر ہو رہا ہے أَرَأَيْتَ: تعجب کے لئے ہے۔ عَبْدًا: اس سے مراد نبی ﷺ ہے اسلئے کہ ابوجہل ان کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا تو نکرہ تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑی شان والا بندہ یا تنکیر تعمیم کے لئے ہے یعنی ہر کوئی جو کسی کو نماز اور اطاعت سے روکتا ہے تو وہ اس میں شامل ہیں جیسے خازن اور شربینی نے کہا ہے۔ إِذَا صَلَّى: صلاۃ سے

نماز مراد ہے لیکن اس میں بڑا رکن قرآن پڑھنا ہے کہ مشرکین کی اصل مخالفت قرآن سے تھی اور اس سے لوگوں کو روکتے تھے ابھی بھی جاہل لوگ موحدین کو اپنی مساجد میں نماز پڑھنے سے اور قرآن پڑھنے سے روکتے ہیں اور آرَ اَیْتَ کا دوسرا مفعول محذوف ہے: اَنْ یَّأْمَنَ مِنَ الْعِقَابِ (کہ عذاب سے بچ جائیگا)۔

تفسیر 11، 12 یہ قرآن کے داعی کی صفات ہیں اور اس میں روکنے والے کو وعظ و نصیحت ہے۔اِنْ: اِذَا کے معنی میں ہے كَانَ: کی ضمیر عبد کی طرف راجع ہے عَلَى الْهُدٰى اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى: اور یہاں منع الخلو کے لئے ہے یعنی یہ نبی ﷺ ان دونوں حالتوں سے خالی نہیں ہے بلکہ دونوں صفات اس میں جمع ہوئی ہیں اسلئے کہ بذات خود ہدایت پر ہے اور دوسرے لوگوں کو تقویٰ کی دعوت دیتے ہیں۔ آرَءَیْتَ: کا دوسرا مفعول اور اِنْ کی جزاء محذوف ہے (فَنَاهِيهِ هَالِكٌ بِالضَّرُوْرَةِ) تو اس سے روکنے والا ضرور تباہ ہے اور نسفی نے مدارک میں كَانَ: کی ضمیر نَاهِي کی طرف راجع ہے یعنی روکنے والا کافر اپنے گمان میں ہدایت پر ہے اور شرک کا حکم دینے والا ہے اور اسکو تقویٰ کہتا ہے اور اِنْ اپنے معنی میں ہے لیکن اس توجیہ میں تکلف ہے۔

تفسیر 13، 14 اس میں زجر ہے اور منکر کی مزید صفات کا ذکر ہو رہا ہے كَذَّبَ وَتَوَلّٰى: میں ضمائر اس ناہی (کافر) کی طرف راجع ہیں كَذَّبَ: قول کے اعتبار سے اور وَتَوَلّٰى: عمل کے اعتبار سے ہے اور یہاں بھی آرَ اَیْتَ کا مفعول ثانی اور اِنْ کی جزاء مقدر ہے یعنی فَمَا اَعْجَبَ اَوْ اَخْبَثَ حَالَهٗ: یعنی اسکا حال کتنا عجیب اور گندا ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمْ: اس میں بھی جھٹلانے والوں کے لئے زجر ہے بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى: با کو تاکید کے لئے لایا ہے یَرٰی کا مفعول تعمیم کے لئے محذوف ہے یعنی یَرٰی کُلَّ شَیْئٍ وہ سب کچھ دیکھتا ہے تو اس منکر کی تکذیب اور تولی اور نہی کو دیکھتا ہے اور حق پرست بندے میں ہدایت اور تقویٰ کو دیکھتا ہے تو ہر ایک کو اسکے مناسب بدلہ دیتا ہے۔

تفسیر 15، 16 اس میں جھٹلانے والوں کے لئے تخویف اُخروی ہے كَلَّا ردعیہ ہے یعنی جھٹلانا اور روکنا نہیں چاہئے۔ لَنَسْفَعًا: یہ تاکید کا نون خفیفہ ہے تنوین کی صورت میں لکھا گیا ہے اور سفع زور سے پکڑنا اور گھسیٹنا ہے یا سیاہ داغ لگانا ہے جیسے سورۃ رحمان آیت 41 میں ہے۔ بِالنَّاصِيَةِ: سر کے آگے حصے کے بال جو ماتھے پر لٹکائے ہوئے ہوں اور یہ ان لوگوں کے سروں پر ہوتے ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کی سنت کے خلاف بال رکھے ہوں اور یہ طریقہ انگریزی بالوں میں ہوتا ہے اکثر حق کے مخالف سرمایہ داروں کے بال بھی اس طرح ہوتے ہیں۔نَاصِيَةٍ: ماقبل سے بدل ہے اور نکرہ موصوف کا معرف سے ابدال درست ہے۔ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ: ناصیہ (ماتھے) کی یہ صفات اس شخص کے اعتبار سے ہے لیکن اشارہ ہے کہ جھٹلانے اور گناہ کی نشانی

پیشانی اور چہرے پر واضح ہے کَاذِبَةٍ: اقوال کے اعتبار سے اور خَاطِئَةٍ: افعال کے اعتبار سے ہے۔ اور خَاطِئَةٍ وہ ہے جو قصداً گناہ کرتا ہے اور یہ قابل مواخذہ ہے اور مخطی وہ ہے جو غلطی سے کرتا ہے اور یہ معاف ہے۔

تفسیر 17، 18 یہ بھی تخویف میں داخل ہے یعنی اگر یہ جھٹلانے والا دعویٰ کرتا ہے کہ میرے پیروکار اور متبعین بہت ہیں وہ مدد کریں گے تو انکو بھی بلائے لیکن وہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتے ہیں۔ نَادِيَه: نادی اجتماع کی مجلس کو کہا جاتا ہے لیکن اس شرط سے کہ اہل مجلس اس میں موجود ہوں اور یہاں مضاف محذوف ہے یعنی اہل نادیہ۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ: یہ دعوت مکذب شخص کے عذاب کے لئے ہے۔ الزَّبَانِيَةَ: زبن سے ہے اور زبن سختی کے ساتھ دفع کرنا ہے تو یہ وہ ملائک ہیں جو کافروں کو دھکے دینگے اور زبردستی ان کو جہنم میں داخل کرینگے جیسے سورۃ طور آیت 13 میں گزرا ہے اور ان ملائک کی صفات سورۃ تحریم آیت 6 میں ذکر ہوئی ہیں۔

تفسیر 19 "کَلَّا: ردعیہ ہے یعنی اس طرح نہیں ہے جیسے روکنے والا گمان کرتا ہے یا حقًا کے معنی میں ہے لَا تُطِعْهُ: نہی دوام اور اثبات کے لئے ہے یعنی اس کی پہلے اطاعت نہیں کی اور آئندہ کے لئے بھی عدم اطاعت پر ثابت قدم رہ یعنی طاغی روکنے والے کی کوئی بھی بات نہ ماننا۔ وَاسْجُدْ: منکرین کی سخت مخالفت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف خاص توجہ کرنا ضروری ہے اور وہ سجدہ کرنے کے طور پر ہے یہاں بھی ثابت قدمی اور دوام کے لئے حکم ہے اور اس سے مراد صرف سجدہ کرنا ہے اسی وجہ سے یہاں سجدہ تلاوت کرنا ضروری ہے یا ذکر سجدے کا ہے اور مراد اس سے نماز ہے۔ وَاقْتَرِبْ: یہ سجدے کا مقصد ہے اسلئے صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث 482 ابو داؤد کتاب الصلوۃ حدیث 875 میں ہے کہ بندہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہو اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف قرآن بیان کرلے اور سجدے کرنے کے ذریعے سے قربت حاصل کرو۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قرآن کریم میں سب سے پہلے ان پانچ آیتوں کا نزول ہوا ہے۔ ۲۔ قرآن سے روکنے والے کے برے صفات کا ذکر۔

سورۃ العلق کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

رکوعھا ۱ ۹۷ سورۃ القدر مکیۃ ۲۵ ایاتھا ۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۚۖ ۝۱ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ؕ ۝۲ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ؔؕ ۝۳

تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓٮِٕكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ۚ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۛۙ ۝۴ سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۝۵ ع ۱

''یقینا ہم نے (شروع کیا ہے) اس (قرآن) کا نزول شب قدر میں [1] اور تجھے کیا خبر کہ شب قدر کیا ہے [2] شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے [3] اس میں ہر کام کے سرانجام دینے کے لئے ملائکہ اور روح اترتے ہیں [4] یہ رات سلامتی کی ہے اور یہ فجر کے طلوع ہونے تک ہے [5]۔

اس سورت کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی ہے امام قرطبی نے دونوں اقوال ذکر کیے ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ یہ مکی ہے جیسے ابن حیان اور اصبہانی نے کہا ہے۔

ربط: اس سورت کا گذشتہ سورت سے ربط دو وجوہ سے ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں قرآن کے پڑھنے کی ترغیب تھی تو اس سورت میں اسکی علت ذکر ہو رہی ہے یعنی قرآن کریم کی عظمت۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی سورت میں قرآن سے روکنے والے کے لئے زجر تھی تو اس سورت میں قرآن والوں کو تسلی ہے (اشارہ ہے کہ اہل قرآن کا مقام بہت بڑا ہے)۔

سورت کا بنیادی مضمون: جس زمانہ میں قرآن کا نزول شروع ہوا اس کے بیان کے ذریعے سے قرآن کی شان کا ذکر ہے اسلئے کہ ظرف کی عظمت مظروف کی عظمت کو مستلزم ہے اور اس طرح اسکے برعکس ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک نام (رب) اس میں ذکر ہے اور ایک صفت فعلیہ ہے۔

سورت کا خلاصہ: لیلۃ القدر میں قرآن کو نازل کرنے کی نعمت کا ذکر ہے اور پھر آیت 2 میں اجمالاً اور آیت 3 میں تفصیلاً شب قدر کی عظمت کا ذکر ہے اور آیت 4، 5 میں لیلۃ القدر عظمت کی نشانی ہونے کا ذکر ہے۔

تفسیر 1 ''اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ'': ہ ضمیر مفسرین کے اتفاق سے قرآن کی طرف راجع ہے اگرچہ اس سورت میں اسکا ذکر نہیں گزرا ہے لیکن دوسری سورتوں میں ذکر ہے اور اہل تشیع جو کہتے ہے کہ یہ ضمیر علی رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے اور لیلۃ الھجرت (ہجرت

کی رات) کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو یہ تحریف ہے علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہ صراحۃً اور نہ دلالۃً ہے اور ہمارے قول کی تائید سورۃ الدخان آیت 3 اور سورۃ البقرۃ آیت 185 میں گزری ہے اور اِنَّآ کے لفظ (تاکید اور جمع متکلم کے صیغے) اور اَنْزَلْنٰهُ (جمع متکلم کے صیغے) اور ضمیر پر اکتفاء عظمت قرآن پر دلیل ہے۔ اَنْزَلْنٰهُ: اس میں دو اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ پورا قرآن ایک ساتھ لوح محفوظ سے دنیاوی آسمان (بیت العزۃ) کی طرف نازل کیا گیا ہے اور پھر تیئیس (23) سال کے عرصے میں زمین کی طرف نازل ہوا۔ بقاعی نے مصاعد النظر (صفحہ 217 جلد 3) میں کہا ہے کہ یہ طبرانی کی روایت ہے اور اس میں عمرو بن عبدالغفار راوی ہے اور وہ ضعیف ہے اور اسی طرح عمران القطان میں اختلاف ہے تو معلوم ہوا کہ اس قول کے لئے صحیح سند نہیں ہے تو دوسرا قول صحیح ہے وہ یہ ہے کہ یہ فعل ابتداء کے معنی میں ہے یعنی اِبْتَدَأْنَا اِنْزَالَهٗ (ہم نے قرآن کا نزول اس رات میں شروع کیا ہے) اور یہ قول امام شعبی سے منقول ہے۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ: قدر تقدیر کے معنی میں ہے اسلئے کہ اس رات میں ایک سال تک چیزوں کی تقدیر ملائکہ کے حوالے کی جاتی ہے اور وہ اسکو اپنی کتاب میں لکھ دیتے ہیں یا قدر شرف اور عزت کے معنی میں ہے یعنی اس رات کی شرافت بہت ہے اور اسی طرح اس رات میں عبادات کا اجر اور شرف زیادہ ہے یا قدر تنگی کے معنی میں ہے یعنی اس رات میں زیادہ ملائکہ کے نزول کی وجہ سے زمین ان پر تنگ ہو جاتی ہے چونکہ یہ رات اس امت کے ساتھ خاص ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ یہ قدر اور شرف قرآن کے نزول کی وجہ سے ہے تو قرآن کی عظمت شان اسکے نزول کے وقت کے اعتبار سے ثابت ہوئی۔ فائدہ: محدثین نے لیلۃ القدر کے بارے میں چالیس سے اوپر اقوال ذکر کیئے ہیں لیکن میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس طاق راتوں میں گھومتی ہے یعنی کبھی اکیسویں کبھی تئیسویں کبھی پچیسویں اور کبھی ستائیسویں اور کبھی انتیسویں اور اکثر ستائیسویں میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس رات کو مخفی رکھا ہے تاکہ مسلمان رمضان میں اور بالخصوص آخری عشرے میں خوب کوشش کریں اور اسکے لیے کوئی مخصوص نشانی نہیں ہے ایک حدیث میں اسکی صبح کو بارش کا ذکر آیا ہے لیکن اکثر محدثین کہتے ہے کہ یہ ایک اتفاقی واقعہ تھا ہمیشہ کے لئے اس طرح نہیں ہے اور ابن کثیر نے امام محمد سے حدیث نقل کی ہے کہ اس رات میں چاند ظاہر ہوتا ہے اور یہ رات بالکل صاف ہوتی ہے اور گرمی اور سردی اس میں نہیں ہوتی ہے اور اس میں تارے نہیں پھینکے جاتے ہیں اور صبح کو سورج صاف نکلتا ہے اس کی شعاعیں نہیں ہوتیں جیسے پندرھویں رات کا چاند پھر ابن کثیر نے کہا ہے کہ اسکی سند حسن ہے لیکن متن میں غرابت ہے اور بعض الفاظ میں نکارت ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ بارش کی حدیث کے ساتھ (جس کی طرف اشارہ کیا گیا) متعارض بھی ہے

اور ہاں (جس حدیث میں آتا ہے کہ) جب سورج نکلتا ہے اور اسکی شعائیں نہیں ہوتیں تو وہ حدیث صحیح ہے۔ مسند طیالسی نیز شیخ البانی نے جامع الصغیر حدیث 5475 میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

تفسیر 2 اس میں اجمالاً لیلۃ القدر کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے اور اسکے حاصل کرنے کی طرف شوق دلاتا ہے اور امام فراء سے منقول ہے کہ جہاں وَمَآ أَدْرَاكَ کہا ہے تو وہاں علم دیا گیا ہے اور جہاں وَمَا يُدْرِيكَ کہا ہے تو اسکا علم نہیں دیا گیا ہے۔

تفسیر 3 اس میں تفصیل کے ساتھ اس رات کی عظمت ذکر ہورہی ہے اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس رات میں نیکی کا عمل بہتر ہے (ثواب اور برکات اس کی زیادہ ہیں) بہ نسبت اس کے کہ وہ عمل اس رات کے علاوہ ہزار مہینوں میں کیا جائے اور اسی طرح جو خیر اور برکات اس رات میں اترتی ہیں تو ان کی مثال ہزار مہینوں میں موجود نہیں ہوتی اور أَلْفِ شَهْرٍ کی تخصیص کی مفسرین نے یہ وجہ لکھی ہے کہ سابقہ امتوں میں عابد وہ شخص ہوا کرتا تھا جو ہزار مہینے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا اور اس امت کی عمریں تو اللہ تعالیٰ نے کم مقرر کی ہے تو انکے لیے ایک رات ایسی مقرر کی جس کی عبادت ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور اس کے قریب تر روایت امام مالک نے موطا میں ذکر کی ہے اور ہزار مہینے تراسی سال اور چار مہینوں کے برابر ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ أَلْفَ شَهْرٍ سارے زمانے سے کنایہ ہے اسلئے کہ عرب أَلْفِ چیزوں کی غایت کے لئے ذکر کرتے ہیں جیسے أَنْ يُعَمَّرَ أَلْفَ سَنَةٍ (بقرہ آیت 96) میں ہے۔

تفسیر 4 اس میں دوسری عظمت ذکر ہورہی ہے کہ اس میں بہت سے ملائک اترتے ہیں اور ملائک کا نزول برکات کے نزول کے لئے ہے۔ تَنَزَّلُ: یہ صیغہ دلالت کرتا ہے کہ یہ ملائک ایک ساتھ نہیں آتے اسلئے کہ زمین میں انکے لیئے وسعت نہیں ہے۔ الْمَلَائِكَةُ: عام ملائک سارے آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ سے نازل ہوتے ہیں۔ وَالرُّوحُ: اس سے مراد تخصیص بعد التعمیم کے طور پر جبرائیل علیہ السلام ہے اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو مفسر خازن اور شربینی نے ذکر کی ہے کہ جب لیلۃ القدر ہو جاتی ہے تو جبرائیل علیہ السلام ملائک کی ایک جماعت میں اترتے ہیں اور ہر اس بندے کے لئے دعا کرتے ہیں اور سلام کرتے ہیں جو کھڑا ہو یا بیٹھا ہو اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہو اور بعض نے کہا ہے کہ روح ملائک کی ایک دوسری قسم ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ ہے۔ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ: اشارہ ہے کہ ملائک بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے محتاج ہیں جیسے سورۃ مریم آیت 64 میں گزرا ہے۔ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ: مِنْ، بَا کے معنی میں ہے اور امر سے مراد وہ کام ہے جس کی تقدیر ایک سال کے لئے ملائک کے سپرد کی جاتی ہے یا مراد اس سے ہر خیر اور برکت ہے۔

تفسیر 5 یہ اس رات کی تیسری عظمت ہے اور اس کلام میں دو توجیہات ہیں: پہلی توجیہ یہ ہے کہ سلام خبر مقدم ہے اور ھِیَ: مبتدا موخر ہے اور مصدر (سلام) کا حمل اس رات میں کثرت سلام کی وجہ سے ہے یا ذات سلامۃٍ (سلامتی والی رات) کے معنی میں ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ سلام مبتدا محذوف کی خبر ہے هٰذِهِ اللَّيْلَةُ سَلَامٌ اور ھِیَ مبتدا ہے حَتّٰی: خبر ہے مَطْلَعِ: مصدر میمی ہے اور طلوع کے معنی میں ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ لیلۃ القدر کی عظمت کا ذکر۔ ۲۔ قرآن کا نزول اسی رات میں ہوا ہے۔

الحمدللہ سورۃ القدر کی تفسیر مکمل ہوئی

ایاتها ٨ — ٩٨ سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ ١٠٠ — رکوعها ١

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ
يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿٢﴾ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿٣﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ
الْبَيِّنَةُ ﴿٤﴾ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ
وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ﴿٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا
أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ جَزَاؤُهُمْ عِندَ
رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ
خَشِيَ رَبَّهُ ﴿٨﴾

”اہل کتاب کے مشرک اور کافر باز رہنے والے نہیں تھے جب تک ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آ جائے [1] یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہے [2] اس میں درست اور صحیح (پختہ مضمون والے) احکام ہیں [3] اہل کتاب ظاہر دلیل آ جانے کے بعد ہی (اختلاف میں پڑ کر) متفرق ہو گئے [4] انہیں صرف اور صرف یہی حکم دیا گیا کہ اللہ ہی کی بندگی کریں خالص کرتے ہوئے اس کیلئے دین یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں یہی صحیح اور سیدھی ملت کا دین ہے [5] یقیناً جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین وہ جہنم کی آگ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں [6] یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ بہترین مخلوق ہیں [7] ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشہ کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ بھی اللہ سے راضی ہوئے اور یہ اسکے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے [8]۔

سورۃ البینۃ اس کو سورۃ المنفکین، سورۃ البریہ، سورۃ لم یکن، سورۃ البلد، اور سورۃ القیامۃ بھی کہتے ہیں۔

ربط: اس سورت کا کئی وجوہات سے سابقہ سورت سے تعلق ہے: ربط (۱) یہ سورۃ أَنْزَلْنَاهُ کے لئے علت کے طور پر ہے یعنی ہم نے اس کتاب کو اسلئے نازل کیا کہ اہل کتاب، مشرکین اور کافروں کی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں تھی، (۲) پچھلی سورت میں قرآن مجید کی عظمت ذکر تھی تو اس سورۃ میں قرآن کے مقصد کا ذکر ہے۔ (۳) سابقہ سورۃ میں قرآن مجید کی سچائی کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا ذکر ہے۔

سورت کا خلاصہ: منکرین کے لئے زجر جبکہ عام لوگوں کے لئے رسول کی رسالت کی عظمت کا ذکر ہے یہ ثبوتی آیت 1، 2، 3 میں ذکر ہے پھر اختلاف پر آیت 4 میں تنبیہ کی ہے پھر آیت 5 میں مقصد قرآن مجید اور مقصد ارسال رسول ذکر ہوا ہے پھر آیت 6 میں منکرین کے لئے زجر ہے اور آیت 7، 8 میں ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے۔

تفسیر 1 "لَمْ يَكُنْ: یہ لفظ ماضی حال اور مستقبل کو شامل ہے مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ: مِنْ یہ برائے بیان ہے اور اس سے مراد اہل کتاب کے کفار یعنی یہود و نصاریٰ ہیں جن کا اصل دین حق تھا اور ان کا دعویٰ تورات و انجیل کا تھا جو آسمانی کتابیں تھیں لیکن انہوں نے دین میں تحریف و تبدیلی کی ہے صرف عمل میں نہیں بلکہ عقیدہ میں بھی یہی کچھ کیا تھا۔ وَالْمُشْرِكِينَ: اس میں دو اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ اہل کتاب پر معطوف ہے تو اس سے مراد وہ کافر ہیں جن کی کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے یعنی انکا اصل دین باطل ہے جو کہ چاند ستارے، سورج اور بتوں کی عبادت ہے فرق کا حاصل یہ ہے کہ کتابی کا فر وہ ہے جو اپنے شرک کو توحید سمجھ رہا ہو۔ اور شرک کے نام سے نفرت بھی کر رہا ہو اور مشرک کافر وہ ہے جو شرک کر رہا ہو اور اسے شرک بھی قرار دیتا ہو لیکن اسی کو دین کہنے پر مصر ہو۔ اس معنی میں کتابی کو مشرک نہیں کہہ سکتے ہیں اس قول کی بناء پر معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ذاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مشرکین اہل کتاب پر معطوف ہے جو کہ ایک صفت کا دوسری صفت پر عطف ہے اس قول کی بناء پر معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت صفتی ہے یعنی ذات ایک ہے۔ اس معنی میں مشرک سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کے عقیدہ یا عمل میں شرک آجائے یعنی شرک فی الربوبیت یا فی الالوہیت یا فی الاسماء والصفات یا فی الحکم تو وہ مشرک ہے خواہ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہو اور آسمانی کتاب کو مانتا ہو نیز توحید کا بھی اقرار کرتا ہو۔ اس معنی میں کتابی کو مشرک کہا جائے گا کیونکہ یہود عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں اور انہوں نے احبار اور رہبان کو حکم الہیٰ میں شریک کیا ہے سورۃ توبۃ آیت 31 میں انکے اعمال پر شرک کا اطلاق کیا گیا ہے اور سورۃ بقرۃ آیت 135 اور سورۃ آل عمران

آیت 67 میں ان کی طرف شرک کا اشارہ کیا ہے اور صحیح بخاری میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے ابن ابی الحقیق یہودی کو جلاوطنی کا حکم دیا تھا اور انہیں یہ فرمان نبوی سنایا تھا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو: أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ (صحیح بخاری 4432 صحیح مسلم 1637 ابو داؤد بیہقی) احمد طحاوی حدیث اس مسئلے کے متعلق اور بھی احادیث موجود ہیں۔ جن علماء کا موقف یہ ہے کہ اہل کتاب کو مشرک نہیں کہنا چاہیے تو ان کی مراد پہلا معنی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور جن علماء کا موقف یہ ہے کہ اہل کتاب اگر شرک کا ارتکاب کرتے ہوں تو ان پر بھی مشرک کا اطلاق ہوگا تو ان کی مراد دوسرا معنی ہے لہٰذا یہ لفظی نزاع کی طرح ہے نیز جو لوگ یہ کہتے ہے کہ اہل کتاب کسی بھی قسم کے شرک کا ارتکاب کریں تو وہ مشرک نہیں کہلائیں گے تو انکا یہ قول جہالت پر مبنی ہے ہمارے زمانے میں بعض صوفی جو شرک فی الربوبیت اور الوہیت میں مبتلاء ہیں اور معروف بریلوی طبقہ جو شرک کی کئی قسموں میں مبتلاء ہے ان کا بھی حکم اہل کتاب کی طرح ہے یعنی پہلے معنی میں مشرک نہیں ہے اور دوسرے معنی میں مشرک ہے۔ مُنفَكِّينَ: اِنْفِكَاكٌ: یعنی چھوڑ دینا، الگ ہونا، شک اور تردد، عذاب کے ذریعے سے ہلاک ہونا اور بے مقصد یعنی مہمل ہونا ان معنوں کی تفصیل اس طرح ہے پہلا معنی یعنی جب ہلاک ہونا مراد لیا جائے تو مقصد یہ ہوا نہیں ہیں اہل کتاب اور مشرکین ہلاک ہونے والے جب تک ان کے پاس بَيِّنَةٌ نہ آجائے یعنی قرآن اور رسول لہٰذا جب وہ بینہ آچکا تو اب انکار کی صورت میں عذاب کے حق دار ہیں۔ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت 15 میں مذکور ہے دوسرا معنی یعنی اگر تردد و شک مراد لیا جائے تو مراد یہ ہے کہ نہیں تھے اہل کتاب اور مشرکین اپنے دین میں شک اور تردد کرنے والے یہاں تک کہ ان کے پاس قرآن اور رسول آگیا تو بعض نے ایمان قبول کیا اور بعض نے کفر کیا لہٰذا وہ شک میں رہ کر متفرق ہوگئے اِنْفِكَاكٌ کا معنی اگر مہمل و بے مقصد ہونا مراد لیا جائے تو مقصد یہ ہے کہ نہیں اہل کتاب اور مشرکین بے مقصد و مہمل چھوڑے جانے والے یعنی ان کے پاس اللہ کا رسول اور حکم الٰہی ہی آئے گا تاکہ ان پر حجت قائم ہو لہٰذا حکم الٰہی اور اتباع رسول آپہنچا اور ان پر حجت قائم ہوئی چنانچہ انہوں نے تفرق کیا۔ چوتھا معنی یہ ہے کہ نہیں تھے اہل کتاب کافر اور مشرکین ایک دوسرے سے الگ ہونے والے یعنی دوستی پر قائم تھے یہاں تک کہ ان کے پاس قرآن اور رسول آچکا ورنہ اس سے قبل تو ایک دوسرے کی تعریفیں کرتے تھے لہٰذا حق آجانے کے بعد ان کو ایک دوسرے کے باطل پرست ہونے کا علم ہوگیا اور پھر تفرق اختلاف میں تقسیم ہوگئے۔ دوسرا احتمال (جو کہ پانچواں معنی ہے) یعنی اہل کتاب کافر اور مشرکین آخری نبی کی مدح و تعریف اور اس کے آنے کا مطالبہ ترک کرنے اور چھوڑنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ وہ تشریف لے آئیں تو انہوں نے تفرق اختلاف شروع کیا اور اس رسول کی مدح سرائی چھوڑ دی اس

معنی کی تائید یہ ہے کہ اہل کتاب آخری رسول کے آنے کی تمنائیں و آرزوئیں کرتے تھے کہ وہ آئیں تو ہم ان کے ساتھ ملکر غالب ہوجائیں گے جیسا کہ سورۃ بقرۃ آیت 89 میں ہے اور مشرکین عرب کے دعوے کہ ہم آخری رسول پر ایمان لائیں گے سورۃ فاطر آیت 42 میں ہیں نیز صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبوت کے اظہار سے قبل اہل کتاب و مشرکین آپ کو صادق والامین کہتے تھے اور صحیح بخاری میں ہے کہ آپ پر ہم نے جب بھی تجربہ کیا تو آپ کو سچا پایا (صحیح بخاری، کتاب التفسیر حدیث 4972)۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ (جو کہ چھٹا معنیٰ ہے) یعنی نہیں تھے اہل کتاب کافر و مشرکین کفر اور شرک سے باز آنے والے اور اس کو چھوڑنے والے یہاں تک کہ ان کے پاس (بینہ) آئے یعنی قرآن اور رسول سابقہ توجیہات سے تَأْتِيَ فعل مضارع جو ماضی کے معنیٰ میں ہے اور اس توجیہ میں اپنے معنیٰ یعنی مضارع کا ہی معنیٰ ہے سوال: اس معنیٰ پر دو اشکالات ہیں: پہلا اعتراض یہ ہے کہ (حَتّٰی) جب غایہ کے لئے ہو تو اس کا حکم مغیا سے الگ ہوتا ہے تو معنیٰ یہ ہوا کہ کفار اہل کتاب اور مشرکین نے قرآن اور رسول کے آنے کے بعد کفر چھوڑ دیا۔ حالانکہ معاملہ تو اس کے برعکس ہے اسلئے کہ سب نے کفر اور شرک نہیں چھوڑا ہے اور آیت 4 کی بھی مخالفت ہوگی کیونکہ اس میں تو انکے اختلاف کا ذکر ہوا ہے دوسرا اشکال یہ ہے کہ منفکین مطلق ہے یعنی وہ کس چیز سے جدا ہوئے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے؟ جواب: اس اشکال کا جواب واضح ہے اس میں عَنْ كُفْرِهِمْ: لفظ محذوف ہے جبکہ پہلے والے اشکال کا ازالہ تین طریقوں سے ہے: (۱) یہ اتفاقی اصول نہیں ہے کہ غائے کا حکم مخالف ہوگا بلکہ غایہ کا حکم مسکوت عنہ ہوتا ہے۔ (۲) زمخشری کا قول ہے کہ یہ اہل کتاب اور مشرکین کے قول کی حکایت ہے یعنی ہم اپنا دین نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہمارے پاس رسول آجائے لیکن رسول کے آنے کے بعد وہ اپنے وعدے سے پھر گئے اور انہوں نے اختلاف کرتے ہوئے نبی کی مخالفت کی اس جواب کو تفسیر خازن نے بھی پسند کیا ہے۔ حتّٰی: اِنْ وصلیہ کے معنیٰ میں ہے غایہ کے معنیٰ میں نہیں ہے البتہ اس معنیٰ کا خازن نے رد کیا ہے جب پہلا معنیٰ مراد لیا جائے تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا ہے اس میں ہم نے کچھ تفصیل اس لئے زیادہ کی ہے کہ واحدی نے کتاب الوسیط میں لکھا ہے کہ یہ آیت نظم و تفسیر کے اعتبار سے مشکل ہے لہٰذا اس تفصیل سے بحمد اللہ مشکلات کا ازالہ ہوگیا۔ اَلْبَيِّنَةُ: وہ دلیل جو اپنی روشنی میں صبح کی طرح روشن ہو وہ جب تک باقی ہوتی ہے تو روشنی بڑھتی ہے اور اس کا مصداق قرآن کریم کے ساتھ پیارے رسول ﷺ ہیں۔

تفسیر 2، 3۔ بَيِّنَةٌ کی تفسیر ہے اور ترکیب میں بَيِّنَةٌ سے بدل ہے اسلئے کہ یہ لفظ برائے تذکیر یعنی نصیحت کے لئے استعمال ہوتا ہے یا پھر محذوف مبتدا کی خبر ہے۔ يَتْلُوا: معلوم ہوا کہ قرآن کا پڑھنا پڑھانا افضل عبادت ہے۔ صُحُفًا: محل کا ذکر ہے جبکہ اس سے حال مراد ہے یعنی وہ وحی الٰہی جو صحیفوں میں ہے اور نبی کریم ﷺ اس کے حافظ تھے یعنی زبانی

پڑھتے تھے۔ ان صحیفوں سے سورۃ عبس آیت 13، 14 کے قرینے سے ملائکہ کے صحیفے مراد ہیں یا صحف سے مصحف مراد ہے یعنی ایسی کتاب جو بعد میں صحیفوں کے اندر جمع کرنے کے ساتھ لکھی جائے گی۔ مُّطَهَّرَةً: یعنی کفر و شرک، بے ہودہ کلام اور غلطی سے پاک۔ فِيهَا كُتُبٌ: اس سے احکام الٰہیہ مراد ہیں قَيِّمَةٌ: یہ مُسْتَقِيمَةٌ کے معنی میں ہے یا کتب سے سورتیں مراد ہیں کیونکہ ہر سورۃ کتاب کے مرتبہ میں ہے اسلئے کہ سورۃ یوسف، سورۃ رعد، سورۃ حجر کے شروع میں تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ فرمایا ہے۔

تفسیر 4 حجت قائم کرنے کے بعد اس میں اختلاف اور تفرق کرنے والوں کے لئے زجر ہے۔ أُوتُوا الْكِتَابَ: کی تخصیص اسلئے کی کہ اختلاف کا منشا تو اہل علم ہوتے ہیں جبکہ عوام ان کی تقلید کرتے ہیں تفرق یہ تھا کہ بعض نے ایمان لایا اور بعض نے کفر کیا ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سب ایمان لے آتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ بعض نے ایمان تو بعض نے کفر اختیار کیا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے یہود میں (71) اور نصاریٰ میں (72) فرقوں کا ذکر کیا تھا ترمذی حدیث 2650 صحیح ابن ماجہ حدیث 3991۔ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ: سورۃ شوریٰ آیت 14 میں بھی اس طرح ذکر ہوا ہے فائدہ: اختلاف اور تفرق میں فرق یہ ہے کہ اختلاف فقط دوسرے سے اختلاف پر دلالت کرتا ہے خواہ عمل کا ہو یا عقیدے کا اختلاف ہو جبکہ تفرق میں عقیدہ و عمل دونوں کا اختلاف مراد ہے اور اس میں بہت سارے فرقوں کے جنم لینے کی طرف بھی اشارہ ہے

تفسیر 5 اس آیت میں سابقہ زجر کی تائید ہے یعنی انہوں نے دین حنیف وقیم سے جو اتفاقی واجماعی ہے اختلاف و تفرق کیا ہے۔ وَمَا أُمِرُوا: اس امر سے سابقہ کتابوں میں حکم مراد ہے یعنی یہ دین سب کتابوں اور تمام انبیاء ورسولوں کا ہے یا مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں انکو جن احکام کا حکم ہوا ہے یہ احکام ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھے انہوں نے کیوں ان کا انکار کیا؟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ: امام قرطبی اور شربینی نے لکھا ہے کہ عبادت سے مراد توحید ہے۔ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ دین عبادت کے معنی میں ہے دنیاوی لالچ، یا سمعت اور دیگر اغراض وغیرہ اس میں نہ ہوں خالص اللہ کے لئے بندگی ہو اور اس کا مقام دل ہے تو یہ شرعی نیت کے مرادف ہے اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ ہر عبادت کے لئے نیت شرط ہے اور صحیح بخاری اور دیگر کتب میں صحیح بخاری حدیث 1 میں ہے کہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ حُنَفَاءَ: گمراہی سے استقامت کی طرف میلان کو حنف کہتے ہیں جیسا کہ امام راغب رحمہ اللہ نے المفردات میں فرمایا اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس طرح لکھا ہے کہ ساری مخلوق سے اعراض کرکے خالص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا مُقْبِلٌ عَلَى اللَّهِ وَمُعْرِضٌ عَمَّا سِوَاهُ اس میں دو معنوں کا مجموعہ ہے اولاً گمراہی سے بچ جانا ثانیاً دین توحید پر پختگی اختیار کرنا مفسر شربینی نے کہا ہے کہ حنیف

وہ شخص ہے جو پانچ ملتوں کے تمام اصولوں سے یعنی (۱) یہودیت (۲) نصرانیت (۳) مجوسیت (۴) صابئیت (۵) اور شرک کی تمام اقسام سے بری ہو سوال: کیا مُخْلِصِيْنَ کا لفظ توحید پر دلالت کے لئے کافی نہیں ہے کہ لفظ حُنَفَآءَ بھی ذکر کیا؟ جواب: مُخْلِصِيْنَ لفظ میں عقیدہ کی یکسوئی اور خالص ہونا مراد ہے جبکہ حُنَفَآءَ میں کیفیت اور طریقہ میں یکسوئی مراد ہے یعنی عقیدہ توحید و سنت انبیاء کے مطابق عبادت پر عمل پیرا ہونا مراد ہے۔ وَ يُقِيْمُوا: یہ لِيَعْبُدُوْا پر لام مقدر کے ساتھ عطف ہے اس میں عقیدہ کے بعد اعمال کا ذکر ہے۔ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ: ذٰلِكَ اس میں تینوں کے مجموعے کی طرف اشارہ ہے اور لفظ ذٰلِكَ مشار الیہ کی عظمت پر دلالت کرتا ہے دِيْنُ الْقَيِّمَةِ: اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی ہے۔ اور الْقَيِّمَةِ مؤنث ہے اسلئے کہ دین ملت کے معنی میں ہے یعنی اَلْمِلَّةُ الْمُسْتَقِيْمَةُ: یا پھر مضاف محذوف ہے یعنی دِيْنُ الْكُتُبِ الْقَيِّمَةِ یا دِيْنُ الْمِلَّةِ الْقَيِّمَةِ امام بغوی کا قول ہے کہ یہ دین ان لوگوں کا ہے جو دین توحید پر گامزن ہوں۔ چونکہ ذٰلِكَ: میں ان تینوں کی طرف اشارہ ہے تو اہل علم نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔

تفسیر 6 اس آیت میں منکرین کے لئے تخویف اخروی ہے۔ وَ الْمُشْرِكِيْنَ: یہ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پر عطف ہے اور حالت نصب میں ہے یا حالت جر میں ہے اور اہل کتاب پر عطف ہے۔ شَرُّ الْبَرِيَّةِ: یہ بَرْءٌ سے لیا گیا ہے جو پیدا کرنے کے معنی میں ہے لہٰذا بَرِیَّۃ سب مخلوق کو کہا جاتا ہے جن میں ملائک داخل ہیں۔ یا پھر بَرًی سے لیا گیا ہے یعنی ہمزہ کے بغیر تو معنی مٹی ہے جس کا اطلاق صرف انسانوں پر ہوگا کیونکہ یہ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں لیکن پہلا قول بہتر ہے جس کے لئے سورۃ انفال آیت 22، 55 قرینہ ہے۔ اس آیت کے متعلق مفسرین کے دو اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ عام ہے تمام زمانوں، تمام اہل کتاب کافروں اور مشرکین کو دوسرا قول یہ ہے کہ زمانہ رسول ﷺ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا لیکن پہلا قول صحیح ہے

تفسیر 7، 8 اس میں ایمان والوں کو بشارت اخروی ہے خَيْرُ الْبَرِيَّةِ لفظ بَرِيَّةِ اور لفظ خَيْرُ میں وہی دو اقوال ہیں جو شَرُّ الْبَرِيَّةِ میں ذکر ہوئے تو پہلے قول کی بناء پر یہ دلیل ہے کہ عام مومنین عام ملائک سے افضل ہیں۔ عَدْنٍ: قیام و سکونت مراد ہے کہ وہ اس میں رہیں گے منتقل ہونا یا سفر کرنا نہیں چاہیں گے اور وہ نکالے بھی نہیں جائیں گے وَ رَضُوْا عَنْهُ: اس میں اشارہ ہے کہ ان کی تمام تمنائیں پوری ہوں گی اسلئے کہ وہ راضی ہونگے یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اجر پر راضی ہونگے ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ: اس جملے کے لانے سے ایک فائدہ یہ ہے کہ آیت کی ابتداء صحابہ کرام کے متعلق نازل ہوئی تو اس جملہ میں بعد والے امتیوں کا بھی ذکر کیا گیا۔ دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ خوف

الٰہی کو شرط قرار دیا ہے اسلئے کہ خشیت میں تمام اَوَامِرْ پر حسب طاقت اور تمام نواہی سے اجتناب داخل ہے اور اس طرح صفات انبیاء کرام اور ایمان والوں کی ذکر ہوئی ہیں جیسا کہ سورۃ احزاب آیت 39 اور سورۃ یٰسٓ آیت 11 اور سورۃ قٓ آیت 33 اور دیگر آیتوں میں ہیں اور یہ خشیت بطریقہ حصر مراد ہے جیسا کہ سورۃ مائدۃ آیت 44 میں ہے۔ مفسر شربینی نے تفسیر السراج المنیر میں بہت سے مرتبوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلا مرتبہ خوف ہے دوسرا مرتبہ وَجَلْ: تیسرا رَھبت: چوتھا ہیبت اور پانچواں خشیت: نیز انہوں نے ان میں فرق بھی بیان کیا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اہل کتاب اور مشرکین کے حالات کا تذکرہ۔

۲۔ اہل کتاب اور اہل قرآن کیلئے ایک جیسے احکام یعنی اوامر۔

۳۔ بدترین اور بہترین لقب کے مصداق والوں کا ذکر۔

الحمد للہ سورۃ بینہ کی تفسیر مکمل ہوئی

رکوعها ۱ ﴿۹۹ سُوْرَةُ الزَّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ۹۳﴾ اٰیاتها ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ
اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸ ع

* جب (ساری) زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی [1] اور زمین اپنے بوجھ کو نکال کر باہر کر دے گی [2] اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے [3] اس دن زمین اپنی خبریں بتا دے گی [4] اسلئے کہ تیرے رب نے اس کو یہی حکم دیا ہے [5] اس دن لوگ نکل آئیں گے (قبروں سے) مختلف گروہ تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں [6] چنانچہ جس نے ذرہ برابر اچھائی کی ہوگی وہ اسکو دیکھ لیگا [7] اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لیگا [8]۔

سورۃ زلزال اس کو سورۃ الزلزلۃ اور سورۃ اذا زلزلت بھی کہتے ہیں

ربط: تین طریقوں سے ہے: ربط (1) سورۃ ضحیٰ سے یہاں تک گذشتہ سورتوں میں تین اصول بیان ہوئے ہیں: (۱) رسالت (۲) توحید (۳) قرآن تو اب چوتھا اصول اثبات قیامت کا ذکر ہو رہا ہے (۲) گزشتہ سورتوں میں منکرین کے لئے وعید بیان کی گئی تو اس سورت میں ان کے لئے خوف آخرت کا تذکرہ ہے (۳) گذشتہ سورۃ میں خیر البریۃ اور شر البریۃ کا ذکر کیا گیا تو اب قیامت کے دن انکے احوال کا ذکر ہے۔

سورت کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: اس سورۃ میں اثبات قیامت ہے اور اس کو احوال خمسہ سے ثابت کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک صفتی نام (رب) ذکر ہوا ہے۔

سورت کا خلاصہ: اس سورۃ میں قیامت کی پانچ حالتوں کا ذکر ہے: (۱) زلزال (۲) اخراج الاثقال یعنی بوجھ نکالنا (۳) اخبار واحوال کا بیان (۴) لوگوں کا متفرق ہونا تا کہ اپنے اپنے اعمال کا مشاہدہ کریں (۵) ہر شخص کی اپنے اعمال سے ملاقات اور

درمیان انسان کے حیران ہونے کا ذکر کیا ہے۔

تفسیر 1 یہ قیامت کا پہلا حال ہے اس زلزلہ کا ذکر سورۃ حج آیت 1 اور سورۃ واقعۃ آیت 4 اور سورۃ مزمل آیت 14 میں گزر چکا ہے۔اس زلزلہ میں مفسرین کے دو اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ زلزلہ دنیا کے فناء ہونے کے وقت ہے یعنی قیامت کے دن سے پہلے علامات قیامت میں سے ہے جیسا کہ سورۃ حج میں پہلا قول تھا۔دوسرا قول اس آیت میں یہ ہے کہ یہ بعث بعدالموت کے وقت ہے یہ قول يَوْمَئِذٍ: کے ساتھ مناسب ہے جو دو مرتبہ ذکر ہوا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔زِلْزَالَهَا: یہ مفعول مطلق ہے جو مفعول کی طرف مضاف ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہ زلزلہ ساری زمین پر آئے گا کسی خاص حصے پر نہیں ہوگا۔

تفسیر 2 یہ دوسرا حال ہے زمین کی طرف اخراج (نکالنے) کی نسبت مجازی ہے کیونکہ حقیقی فاعل (کرنے والا) تو اللہ تعالیٰ ہے اور جب زلزلہ کے متعلق پہلا قول مراد لیا جائے تو اثقال سے خزانے مراد ہونگے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ قیامت سے پہلے زمین سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ٹکرے نکال باہر پھینک دے گی جیسا کہ ستون لیکن لوگ زیادہ ہیبت یا کثرت مال کی وجہ سے ان سے بے پرواہ ہونگے صحیح بخاری کتاب الزکوۃ حدیث 1013 اگر دوسرا قول مراد لیا جائے تو اثقال سے مراد مردے ہیں جو دوبارہ زمین سے نکالے جائیں گے۔أَثْقَالَهَا: جب (وزن) بوجھ اوپر ہو تو عَلَيْهَا: آتا ہے اور جب اندر ہو تو لَهَا: اور اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے یہاں پر ہے۔

تفسیر 3 اس آیت میں انسان کی حیرت اور تعجب کا تذکرہ ہے اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر اثقال اور زلزال کی بہت ہی مصیبت واقع ہوگی الْإِنْسَانُ: جب زلزلہ سے قول اول مراد لیا جائے تو عام انسان مراد ہے مومن اور کافر دونوں اس میں داخل ہے اگر دوسرا قول مراد لیا جائے تو پھر مراد صرف کافر ہے کیونکہ انہوں نے ہی قیامت کے اس حال سے انکار کیا تھا۔

تفسیر 4، 5 اس میں قیامت کا تیسرا حال ذکر ہوا ہے اور يَوْمَئِذٍ: سے قیامت کا دن مراد ہے ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اس سے انسان کے ان اعمال پر زمین کی شہادت مراد ہے جو اس کی پشت پر انسان نے کیے تھے یہ پہلے قول کی بناء پر ہے اور یہ صحیح ہے دوسرے قول کی بناء پر اس سے مراد حالات ظاہر کرنا ہے ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3353 شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا: یعنی زلزلہ اور خزانوں کا نکلنا وغیرہ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا: پہلے قول کی بناء پر ایحاء سے کلام کی توفیق دینا مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے زمین بول اٹھے گی جیسا کہ سورۃ حم سجدۃ آیت 21 میں ہے۔دوسرے قول کی بناء پر ایحاء سے مراد حکم کرنا ہے اور ایسے موقعہ پر إِلَيْهَا: اور لَهَا دونوں استعمال

کرنا جائز ہے۔

تفسیر 6 یہ چوتھا حال ہے اور یَوْمَئِذٍ سے مراد قیامت کا دن ہے اور لفظ اِذْ: میں الگ الگ حال مراد ہے یعنی پہلے اِذْ میں اثقال نکالنے اور زلزلہ کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا اِذْ میں تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا خبریں اور حال بیان کرنے کی طرف اشارہ ہے یَصْدُرُ النَّاسُ وُرُوْد کے بعد صدور ہوتا ہے یعنی جیسے لوگ پانی بھرنے کے لئے کنویں یا نہر پر جاتے ہیں پھر واپس ہوتے ہیں مفسرین کے یہاں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ ساری انسانیت موقف الحساب حساب کے لئے آئی ہوئی ہوگی تو اب جنت یا جہنم کی طرف واپس روانہ ہو جائے گی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لوگ قبروں سے نکل آئیں گے یعنی انہیں زندہ کیا جائے گا لیکن اس قول کی وجہ سے کلام میں تقدیم اور تاخیر بھی آتی ہے اور تکرار بھی کیونکہ پہلے اخراج اور اثقال کا ذکر ہو چکا ہے۔ اَشْتَاتًا: یہ شَتّ یا شَتِیْت کی جمع ہے اس کو جمع ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اہل جنت میں بھی کثیر جماعتیں ہوگی اور اہل جہنم میں بھی جیسا کہ سورۃ زمر آیت 71 اور 73 میں گزر چکا ہے لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ: اس سے نفس اعمال مراد ہیں یا اعمال کی جزاء یا اعمال کی کتابیں مراد ہیں۔

تفسیر 7، 8 اس میں پانچواں حال ذکر ہے اور لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ کی تفصیل کے لئے اس میں (فا) ذکر کی ہے صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4962 میں اسکو فَاذَّةٌ جَامِعَةٌ یعنی ایک مستقل آیت کہا گیا ہے جس نے خیر اور شر کی تمام وجوہ کو جمع کیا ہے مسند احمد کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کو صعصعہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھ کر سنایا تو انہوں نے کہا کہ میرے لئے یہ آیت کافی ہے صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ حدیث 987 ذَرَّةٍ: اس بار یک چیونٹی کو کہا جاتا ہے جو بہت مشکل سے نظر آتی ہے اسکے مزید اور معانی ہیں اس میں اشارہ ہے کہ خیر اور شر کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے اگرچہ کم ہو دیکھنے سے مراد عمل دیکھنا ہے یا اس کی جزاء و سزا۔ سوال: بعض انسان نیکی کا عمل کرنے کے بعد ریاکاری اور شرک وبدعت سے اس کو ضائع کر لیتے ہیں اور اسی طرح بعض انسان گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لیتے ہیں تو وہ عمل اللہ تعالی معاف کر دیتا ہے لہٰذا ان دونوں آیتوں میں عموم کا کیوں ذکر ہوا ہے؟ جواب 1: نفس عمل دیکھنا مراد ہے یعنی اگر خیر کا عمل ضائع کروا چکا ہو تو برائے افسوس وندامت اسے دکھایا جائے گا اور گناہ کا عمل معاف کئے جانے کے بعد دیکھنے سے ان کی خوشی میں اضافہ ہوگا۔

جواب 2: دوسرے دلائل شرعی کی وجہ سے یہ مقید ہے یعنی وہ خیر دیکھ لیں گے جو ضائع نہ ہوئی ہو اور وہ شر دیکھ لیں گے جو معاف نہیں ہوا ہو۔ جواب 3: مفسر خازن نے محمد بن کعب القرظی سے روایت نقل کی ہے کہ کافر نے اگر خیر کا عمل کیا ہو تو اسکا

اچھا اثر اپنے مال، اولاد اور نفس میں دیکھ لے گا اور آخرت میں وہ اجر سے محروم ہوگا اور مومن نے جو شر کا عمل کیا ہوگا تو اسکا برا اثر دنیا میں اپنے اہل، مال، نفس میں دیکھ لے گا اور آخرت میں سزا سے محفوظ ہوگا۔ نیز یہ آیت سورۃ آل عمران آیت 30 کی طرح ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ زلزلہ عظمٰی کا ذکر۔ ۲۔ زمین کی گفتگو بروز قیامت۔

۳۔ ہر ایک بندہ اپنے ذرہ برابر عمل ہی کیوں نہ ہو سے ملاقات کرے گا۔

سورۃ الزلزال کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے مکمل ہوئی

اٰيَاتُهَا ١١ ـ ١٠٠ سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ١٤ ـ رُكُوْعُهَا ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾
اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۭ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا
فِي الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ ع

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپ ہانپ کر دوڑتے ہیں[1] پھر جو اپنے (پاؤں سے) چنگاریاں اڑاتے ہیں[2] پھر صبح کے وقت (دشمن پر) یلغار کرتے ہیں[3] پھر اس موقعہ پر غبار اڑاتے ہیں[4] پھر دشمن کی درمیان میں جا گھستے ہیں[5] یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے[6] اور یقیناً وہ اس پر خوب خبر رکھتا ہے[7] اور یقیناً انسان دنیا کی محبت کی وجہ سے بہت ہی سخت ہے[8] کیا اُسے (وہ وقت معلوم نہیں) کہ جب اٹھایا جائے گا جو قبروں میں ہے[9] اور ظاہر کیا جائے گا جو سینوں میں ہے[10] یقیناً ان کا رب اس دن ان پر خوب خبردار ہے[11]۔

ربط:(۱): گذشتہ ہوئی سورة میں منکرین کے لئے عذاب آخرت کا ذکر تھا جبکہ اس سورة میں منکرین کے لئے وعید اور عذاب کا ذکر ہے (۲): اس سورة کی آیت 9 میں سابقہ سورة کی آیت 2 کی تفسیر ہے نیز آیت 10 میں سورة زلزال کی آیت 4 کی تفسیر ہے۔ سورت کا دعویٰ: اس میں تین طریقوں سے تخویف اُخروی ہے اور تین طریقوں سے زجر ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ دو ذکر ہوئے یعنی (رب اور خبیر)۔ سورت کا خلاصہ: گھوڑوں کی پانچ حالتوں کو بطور قسم شہادت آیت 5 تک ذکر کیا ہے اور پھر آیت 6 میں سورة کا دعویٰ ذکر ہے اور آیت 7 اور آیت 8 میں اس دعوے کی تاکید ذکر ہوئی ہے اور یہ سب زواجر ہیں پھر آیت 9 اور آیت 10 میں تخویف اُخروی ہے اور آیت 11 میں اس کی تاکید ذکر ہوئی ہے۔ فائدہ: اس سورة سے سورة ماعون تک (سات سورتوں میں) منکرین اور دشمنان قرآن کے لئے زواجر کا ذکر ہے اور ان کی قسموں کی طرف اشارہ ہے اور ان کے حالات اور صفات کا ذکر ہے البتہ درمیان سورة القارعہ بطور تخویف اخروی ذکر کی گئی ہے۔

تفسیر 1 گھوڑوں کے حالات، کیفیات پر قسم ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اونٹوں کے حالات، کیفیات پر قسم ہے یہ قول علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں مقصد سورۃ کے دعویٰ پر شہادت پیش کرنا ہے۔ جہالت کے زمانے میں کافر ایک دوسرے پر گھوڑوں اور اونٹوں کا لشکر لے کر حملہ آور ہوتے تھے اور اور اس کے ذریعے لوٹ مار اور ظلم کرتے تھے، جبکہ اسلام میں مجاہدین جہادوں اور غزوات میں کافروں کو زیر کرنے کے لئے اونٹوں اور گھوڑوں کو استعمال کرتے ہیں یہ ایک آلہ ہے جس سے لوگ غلط فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اس پر دیگر چیزیں قیاس کی جاسکتی ہیں یعنی مال، اسلحہ اور قوت بدن وغیرہ ان چیزوں کو بعض لوگ اچھے کاموں کے لئے استعمال کرتے ہیں اور بعض لوگ گناہ کے کاموں میں اور گھوڑوں اور اونٹوں کا ذکر بطور مثال ہوا ہے۔ ان آیتوں میں گھوڑوں اونٹوں کے پانچ حالات ترتیب سے ذکر ہوئے ہیں پہلا حال یہ ہے۔ وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا: عادیات کو عَدْوٌ سے لیا گیا ہے جسکا معنی دوڑنا ہے یعنی حملے کے وقت تیز دوڑ لگاتے ہیں تیز رفتاری کے سبب سے گھوڑے کے سینہ سے جو آواز نکلتی ہے اس کو ضَبْحًا کہتے ہیں خصوصا اس وقت جب اسکے منہ میں لگام ہو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آواز (ضَبْحًا) صرف گھوڑے، کتے اور لومڑی کے سینہ سے نکل آتی ہے اگر مراد اونٹ لیا جائے تو پھر ضبح کا معنی ہے گردنوں کو دوڑتے وقت لمبے کرنا اور یہ مصدر مقدر فعل کے لئے مفعول مطلق ہے یعنی تُضْبِحُ ضَبْحًا یا اسم فاعل کے معنی میں حال ہے۔

تفسیر 2 یہ دوسری صفت (حال) ہے۔ اَلْمُوْرِیٰتِ: یہ وُرِیٌ سے لیا گیا ہے جو کہ کسی چیز سے آگ نکالنے کو کہتے ہیں قَدْحًا یہ ضَبْحًا کی طرح منصوب ہے اور اس کا معنی بھی نکال دینے کا ہے یعنی گھوڑے جب تیز رفتاری کی وجہ سے پاؤں پتھر پر مارتے ہیں تو اس سے چنگاری نکل آتی ہے اور اس میں انکی تیز رفتاری کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 3 یہ تیسرا حال ہے اور اس میں دوڑنے اور تیز رفتاری کا مقصد ذکر ہوا ہے یعنی دشمنوں پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار کرتے ہیں صُبْحًا: یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے یعنی وَقْتَ الصُّبْحِ: یہ تخصیص حملہ کرنے والوں کی عادت پر مبنی ہے کہ وہ رات کو اس پر سوار ہو کر تیز دوڑا کر صبح سویرے دشمنوں کی بستیوں میں داخل ہو کر علاقہ فتح کرتے ہوئے لوٹ مار کرتے ہیں۔

تفسیر 4 یہ چوتھا حال ہے بِهٖ: ضمیر عَدْوٌ کی طرف راجع ہے اور با سببیہ ہے یا ضمیر حملے کے مکان کی طرف راجع ہے اور (باء) فِيْ کے معنی میں ہے یا فعل اغارے کی طرف راجع ہے اس صورت میں بھی با سببیہ ہوگی۔ نَقْعًا: اس کا معنی غبار بھی ہے اور تیز آواز کے معنی میں بھی آتا ہے۔ فائدہ: سابقہ اسماء (تام) فعل کے معنی میں ہیں اس لئے اس جملے کو صیغہ فعل کے ساتھ ماقبل پر عطف کیا ہے اور اس کو صیغہ فعل کے ساتھ اسلئے ذکر کیا ہے کہ سابقہ اعمال اونٹوں اور گھوڑوں کے مستقل اور دائمی

طور پر ہوتے ہیں جبکہ گردوغبار اڑانا تو کبھی کبھی ہوتا ہے۔

تفسیر 5 یہ پانچواں حال ہے اس میں بہ: ضمیر نَقۡعًا یا غَدۡو، مکان یا وقت کی طرف راجع ہے جَمۡعًا: یہ مفعول ہے اس سے دشمنوں کی جماعتیں مراد ہیں۔

تفسیر 6 اس میں جواب قسم ہے اور یہ پہلی زجر ہے اور الانسان سے مراد منکر انسان ہے جیسا کہ مابعد کی صفات کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے لَكَنُوۡدٌ: امام قرطبی نے اس کے دس معانی لکھے ہیں (۱) ناشکری کرنے والا (۲) وہ انسان جو مصیبتوں کو بیان کرتا ہے اور نعمتوں کو نظر انداز کرتا ہے (۳) وہ انسان جو تنہا کھانے کا عادی ہو بطور بخشش کسی کو کچھ دینے کے لئے تیار نہ ہو اور نوکروں اور خادموں پر ظلم کرتا ہو (۴) گنہگار (۵) کنجوس (۶) حقوق نظر انداز کرنے والا (۷) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نافرمانیوں میں خرچ کرنے والا (۸) وہ انسان جو نعمتوں میں اللہ کے بجائے غیر کی طرف نسبت کرتا ہو (۹) کینہ اور حسد کرنے والا (۱۰) وہ انسان جو اپنی قدر نہیں جانتا ہو۔ یہ منکر انسان مذکورہ تمام صفات کا مالک ہے بہتر معنی پہلا اور ساتواں ہے یعنی ناشکری اس طریقہ سے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نافرمانی کے کاموں میں صرف کرتا ہے یہ معنی قسم کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور قسم کی مناسبت جواب قسم کے ساتھ یہ ہے کہ مذکورہ نعمتوں یعنی گھوڑوں اور اونٹوں کو اللہ تعالیٰ نے خیر کے لئے پیدا کیا ہے لیکن ظالم لوگ ان نعمتوں کو ظلم و ستم میں استعمال کرتے ہیں اور یہ ناشکری ہے اسی طرح وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بے جا خرچ کرتے ہیں تو وہ کنود (ناشکرے) ہیں لہذا ہر مشرک کنود ہے، اسراف کرنے والا کنود ہے، ظالم جو اپنی قوت نافرمانی میں استعمال کرتا ہے تو وہ کنود ہے وہ عالم جو علم بے جا صرف کرتا ہے یا اس پر عمل نہیں کرتا ہے وہ کنود ہے سورۃ کے دعوے اور مضمون کا خلاصہ یہ ہوا کہ وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مختلف حالات و اسباب، علوم، مال و دولت کی صورت میں دی ہیں اور استعمال کرنے والے ان کو خلاف شریعت و خلاف سنت استعمال کرتے ہیں تو وہ اس زجر کے حقدار ہیں اور وہ قرآن و سنت یعنی دین حق کے دشمن ہیں۔

تفسیر 7 یہ دوسری زجر ہے اور اِنَّهٗ میں ضمیر مذکورہ انسان کی طرف راجع ہے اور ذٰلِكَ: اس کنود کے حال کی طرف اشارہ ہے شَهِيۡدٌ: سے مراد لسان حال سے شہادت ہے یعنی انسان کا حال اور اعمال گواہی دے رہے ہیں کہ یہ کنود ہے یا پھر یہ تخویف ہے اور ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی ناشکری پر خود عالم ہے اور وہ اسے سزا دے گا۔

تفسیر 8 یہ تیسری زجر ہے اور اس کی تفسیر میں دو اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے شدید سخت اور مضبوط کے معنی میں ہے اور لِحُبِّ الۡخَيۡرِ: شدید کے ساتھ متعلق ہے یعنی انسان مال کی محبت میں بہت شدید اور پختہ ہے دوسرا قول یہ ہے کہ شَدِيۡدٌ: بخیل کے معنی

میں ہے یعنی یہ انسان اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا نہیں کرتا اور مال کو خیر کہا اگرچہ مشرک ظالم کا مال اکثر حرام ہوتا ہے لیکن یہ اس کے گمان کے مطابق کہا گیا ہے کیونکہ وہ اس کو درست اور حلال سمجھتا ہے یا اس کو مفید سمجھتا ہے کبھی خیر صرف حلال مال کو کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرۃ آیت 180 میں فرمایا: اِنْ تَرَكَ خَيْرًا۔

تفسیر 9، 10 یہ تخویف ہے اور دنیا کی محبت زائل کرنے کا علاج بھی ہے اَفَلَا: اس میں ہمزہ استفہامیہ آخرت کے احوال وحالات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہے۔ (فاء) برائے سببیت ہے یعنی دنیا کی محبت آخرت سے غفلت کے لئے سبب ہے۔ اِذَا: ظرفیت کے لئے ہے اور اس میں بُعْثِرَ: عامل ہے اور يَعْلَمُ عمل کرنے سے منقطع ہے یا مفعول مقدر ہے یعنی مَا يُفْعَلُ بِهِمْ: یا پھر اِذَا شرطیہ ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے یعنی فَيَعْلَمُ حَالَ نَفْسِهٖ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ کسی چیز کو جب اوپر نیچے کیا جائے تو اس کو بُعْثِرَ کہا جاتا ہے۔ مَا فِي الْقُبُوْرِ چونکہ بعث کے وقت عقل اور حیات نہیں ہے اسلئے کہ اسکی تعبیر (مَا) کے ساتھ کی ہے وَحُصِّلَ یعنی آسان طریقہ سے ظاہر کرنا وہ جو مَا فِي الصُّدُوْرِ: سینوں میں ہیں یعنی خیر اور شر کے ارادے نیت وغیرہ یہ دلیل ہے کہ انسان کے ارادے اور نیت پر حساب ہو سکتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت 184 میں ہے اس میں خیال اور وسوسہ داخل نہیں ہے اسلئے کہ وہ غیر اختیاری ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہو سکتی ہے بعد والا جملہ اس پر دلیل ہے۔ نیز جوارح یعنی اعضاء کے اعمال کا تذکرہ نہیں کیا وجہ یہ ہے کہ وہ اعمال قلوب یعنی نیت اور ارادے کے تابع ہیں۔

تفسیر 11 یہ بُعْثِرَ: حُصِّلَ کے لئے علت ہے اور اشارہ ہے کہ ان دونوں کا فاعل (کرنے والا) اللہ تعالیٰ کی ذات ہے يَوْمَئِذٍ: سوال: اللہ تعالیٰ تو اب بھی خبر رکھتا ہے تو قیامت کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی؟ جواب: یہاں ان کو بدلہ بھی دینا مراد ہے صرف علم وخبر مقصود نہیں ہے اسلئے اس دن کی تخصیص کی ہے لَخَبِيْرٌ: یعنی باطن پر علم رکھتا ہے جیسے ظاہر پر عالم ہے۔ فائدہ: اس سورۃ کی آیت 6 میں مرض ذکر کیے گئے ہیں اور آیت 8 میں اس کا سبب ذکر ہے اور آیت 9، 10 میں اسکا علاج ذکر ہوا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات: ۱۔ مرض کا ذکر آیت 6 میں۔ ۲۔ سبب مرض آیت 7 میں۔

۳۔ علاج مرض آیت 9 میں۔ ۴۔ گھوڑوں کے صفات کا بیان۔

سورۃ العادیات کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

آیاتہا ۱۱ ﴿۱۰۱﴾ سورۃ القارعۃ مکیۃ ﴿۳۰﴾ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالٰی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ
خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱

"واقعہ جو دل ہلا کر رکھ دیگا" [1]۔ "وہ دل دہلانے والا واقعہ کیا ہے" [2]۔ "اور آپ کو کیا معلوم وہ دل دہلانے والا واقعہ کیا ہے" [3]۔ "جس دن لوگ پھیلے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے" [4]۔ "اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے" [5]۔ "اب جس شخص کے پلڑے وزنی ہوں گے" [6]۔ "تو وہ من پسند زندگی میں ہوگا" [7]۔ "اور وہ جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے" [8]۔ "تو اسکا ٹھکانا ہاویہ ہوگا" [9]۔ "اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ ہاویہ کیا ہے" [10] "ایک دہکتی ہوئی آگ ہے" [11]۔

ربط (۱) گزشتہ سورۃ میں بعث مَا فِي الْقُبُوْر اور اِظْهَار مَا فِي الصُّدُوْر کا ذکر تھا یعنی جو قبروں میں ہے ان کا اٹھنا اور جو سینوں میں ہے ان کا ظاہر ہونا تو اس سورۃ میں اس وقت کا نام ذکر ہے کہ وہ القارعۃ ہے اور اس کے احوال بھی ذکر ہیں۔ (۲) اُس سورۃ میں لوگوں کے اٹھنے کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں ان کی تقسیم کا ذکر ہے کہ وہ دو قسم کے لوگ ہیں (۳) سابقہ سورت میں منکرین کے لئے زجر تھا اور اس سورۃ میں ان کے لئے تخویف اُخروی ہے۔ اُس سورۃ میں وعید کا ذکر منکرین کے لئے کیا گیا تو اس سورۃ میں ان کو خوف آخرت دیا گیا ہے۔ سورت کا دعویٰ: آخرت کے حالات کے ذریعے سے خوف دلانے کا ذکر ہے جسے قَرْعٌ سے تعبیر کیا گیا ہے اور انسان کا حال بیان ہوا ہے اور اسی طرح پہاڑوں کا بھی حال ذکر ہے اور انسانوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سورۃ کا خلاصہ: قیامت کے حالات کو ذکر کرنا مقصود ہے اور صفت قَرْعٌ کے ساتھ اس کا تذکرہ ہے پھر انسانوں کی پریشانی کے حالات اور پہاڑوں کا فنا ہونا اور انسانوں کی تقسیم مذکور ہے اور خوف و بشارت پر اختتام کیا ہے۔

تفسیر 1،2،3 اس طرح سورة الحاقہ میں گزرا ہے اور قیامت کو قارعة اسلئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کو سختیوں کی وجہ سے دہلا دے گی اور آسمانوں کو تَنشَقُّ اور انْفِطَار کے ساتھ اور پہاڑوں اور زمین کو دَكًّا دَكًّا کے ساتھ دہلا دے گی اَلْقَارِعَةُ: قَرَعَ سے لیا گیا ہے یعنی سخت آواز اور سخت عذاب کو بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ سورة رعد آیت 31 میں ہے یہاں یہ صفت قیامت کی یا پھر صیحہ کی ہے۔

تفسیر 4 اس میں بعض حالات کا ذکر ہوا ہے۔ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ: اس سے پروانے، پروں والے کیڑے یا پتنگ مراد ہیں جو شمع پر جمع ہوتے ہیں ان کے ساتھ تشبیہ دینے کی کئی وجوہات ہیں: (۱) کثرت (۲) ہر طرف اور سمت سے آنا (۳) کمزور ہونا (۴) ذلیل ہونا الْمَبْثُوْثِ: یعنی ان کے سمت کا کوئی تعین نہیں ہوتا ہے بلکہ جس جانب اڑ کر چلے جائیں۔

سوال: سورة قمر آیت 7 میں تو ان کی تشبیہ جراد (ٹڈیوں) سے دی ہے اور وہ تو ایک جھنڈ بن کر ایک سمت میں چلتے ہیں؟

جواب: اس میں حالات کے فرق کے ساتھ ان کی کیفیت بیان ہوئی ہے، اس سورة میں فنا ہونے کا حال ذکر ہے جیسے اسکے بعد پہاڑوں کا حال اس کے لیے تائید و شاہد ہے یعنی دنیا کے فنا ہونے پر جو تباہی آئے گی اس پریشانی سے وہ لوگ جو زندہ ہوں گے اس طرح پریشان اور منتشر ہوں گے جیسا کہ پروالے کیڑے اور پتنگ ہر طرف اڑتے ہیں اس کی طرف سورة کہف آیت 99 میں بھی اشارہ ہوا ہے جبکہ سورة قمر میں بَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ کا ذکر ہے یعنی جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو یہ کیفیت ہوگی اور اس کے لئے بعد والے الفاظ قرینہ ہیں یعنی يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا: (جس دن قبروں سے جلدی جلدی نکل کھڑے ہوں گے) یعنی قبروں سے اٹھنے کے بعد بھی پریشانی کے عالم میں ہوں گے مگر پھر صور کی آواز کی طرف (ایک متعین سمت میں) روانہ ہو جائیں گے اس کی طرف سورة طٰہٰ آیت 108 میں اشارہ ہوا ہے۔

تفسیر 5 اس میں قارعہ کی ایک اور ہیبت کا جو پہاڑوں پر واقع ہوگی اس کا ذکر ہے اس میں اشارہ ہے کہ قارعة کا اثر چھوٹی بڑی مخلوق یعنی انسانوں اور پہاڑوں پر ایک جیسے ہوگا۔ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ: یہ پہاڑوں کی حالتوں میں سے ایک حال ہے جس کی تفصیل سورة نبا میں گزر چکی ہے عِهْن: رنگین اون کو کہتے ہیں اور اس میں مختلف رنگ ہوتے ہیں تو پہاڑوں کی تشبیہ اس کے ساتھ اسلئے دی ہے کہ وہ بھی مختلف رنگوں میں ہیں: لال، سفید، کالے، گندمی وغیرہ جیسا کہ اسکی تفصیل سورة فاطر آیت 27 میں گزری ہے لہٰذا جب یہ مختلف رنگوں کے پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے تو رنگین اون کی طرح نظر آئیں گے۔

الْمَنْفُوْشِ: جس طرح مشین کے ذریعے سے اون دھنکی جاتی ہے اور اون کا ذرہ ذرہ الگ ہو جاتا ہے اسی طرح پہاڑوں کے

ساتھ کیا جائے گا۔

تفسیر 6، 7 اس میں اس وقت انسانوں کی تقسیم کا ذکر ہے جب ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور ایمان والوں کا حال بطریقہ خوش خبری پہلے ذکر کیا ہے اور (فا) کو تعقیب اور وصل کے لیے ذکر کیا ہے۔ مَوَازِيْنُهٗ: یہ موزون کی جمع ہے یا میزان کی جمع ہے اس بارے میں سلف صالحین کے مختلف اقوال ہیں: اعمال ہی کو تولا جائے گا یا اعمال کو جسم دیا جائے گا پھر تولا جائے گا یا اعمال کے رجسٹر صحیفے تولے جائیں گے تمام انسانوں کے اعمال خواہ مومن ہوں یا کافر ہوں وزن کیے جائیں گے یا صرف ایمان والوں کے اعمال وزن کئے جائیں گے ان میں سے ہر ایک نے دلیل کا سہارا لیا ہے لیکن ان میں بہتر قول یہ ہے کہ کسی کے صرف اعمال کو وزن کیا جائے گا تو کسی کے اعمال کو جسم دے کر تولا جائے گا کسی کے رجسٹر وصحیفے تولے جائیں گے اور وزن تمام انسانوں کے اعمال کا ہوگا خواہ مومن ہوں یا کافر۔ اس میں اختلاف ہے کہ میزان ایک ہی ہے لیکن اعمال کے اختلاف اور کثرت کی وجہ سے اس کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے یا میزان ترازو زیادہ ہیں (واللہ اعلم) ثَقُلَ: یہ وزنی ہونا بوجہ کثرت نہیں ہے بلکہ عقیدہ توحید، اتباع سنت اور خالص نیت کی وجہ سے ہے کیونکہ قرآن کے بہت مقامات پر اَحْسَنُ عَمَلًا فرمایا اَكْثَرُ عَمَلًا نہیں فرمایا اسی طرح اعمال کا بے وزن ہونا قلت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ عقیدہ شرکیہ اور اعمال بدعیہ اور قرآن وسنت کی مخالفت کی وجہ سے ہے مفسر خازن نے ثَقُلَ وزنی ہونے کے ساتھ اتباع حق اور خفت بے وزن وحقیر ہونے کے ساتھ اتباع باطل ذکر کیا ہے۔ عِيْشَةٍ: امام بقاعی نے لکھا ہے کہ اس میں (ۃ) ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ خوشی کی یہ زندگی ہمیشہ کے لیے ہوگی دنیا کی طرح عارضی خوشی نہیں ہے جو بدلتی رہتی ہے۔ رَّاضِيَةٍ: یہ فاعل ذُوْ کذا: ہے یعنی ذَاتَ رِضًا یا مفعول کے معنی میں ہے یعنی مَرْضِيَّةٍ یا پھر اسنادی مجازی ہے۔

تفسیر 8، 9 اس میں منکرین کے حالات اور ان کے لئے تخویف اُخروی ہے۔ فَاُمُّهٗ: اصل میں اُم مرجع اور مجمع کو کہتے ہیں یعنی ان کے پلٹنے کی جگہ ہاویہ ہے جس طرح بچے کے پلٹنے کی جگہ ماں ہوتی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اُمُّ الدِّمَاغِ ہے یعنی ان کے سروں کی کھوپڑیاں ہاویہ میں ڈالی جائیں گے۔ هَاوِيَةٌ: یہ جہنم کے طبقوں میں سے ایک طبقے کا نام ہے اصل مادہ اس کا هَوِيَ: ہے جسکا معنی گر جانا ہے یعنی ان کو ہاویہ کی گہرائی میں پھینک دیا جائے گا لہذا هَاوِيَةٌ: مَهْوَاةٌ کے معنی میں ہے یعنی گرا دینے کی جگہ اس میں اشارہ ہے کہ ان کی زندگی بربادی وہلاکت کی ہوگی۔ یہ معنی میں عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ کے مقابل ہے۔

تفسیر 10، 11 اس میں هَاوِيَةٌ: کی عظمت شان کا تذکرہ ہے۔ هِيَهْ: اصل میں هِيَ ضمیر ہے جو ہاویہ کی طرف راجع ہے اور (ہ) حالت وقف میں سکتے کے لئے آتی ہے اور حالت وصل میں ساقط ہوتی ہے۔ سوال: پہلے مَا الْقَارِعَةُ اسم صریح کے ساتھ ذکر کیا ہے جبکہ یہاں پر مَاهِيَهْ ضمیر کے ساتھ ذکر کیا ہے؟ جواب: الْقَارِعَةُ سب کے لئے ہے اور محسوسات میں سے ہے نیز محسوس صریح ہے تو اس کے لئے اسم صریح ذکر کیا ہے اور هَاوِيَة تو آگ کا مخفی طبقہ ہے صرف اس کے اہل اس کو دیکھیں گے تو اس کو ضمیر کے ساتھ ذکر کیا ہے جو مخفی ہونے پر دلالت کرتا ہے نَارٌ: مبتدا محذوف ہے کی خبر یعنی هِيَ نَارٌ حَامِيَةٌ: اس آگ کی گرمی سے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ وہ دنیا کی آگ سے ستر گناہ زیادہ تیز تپش والی ہے صحیح بخاری کتاب بدء الخلق حدیث 3265 صحیح مسلم حدیث 2843 میں بِتِسْعَةٍ وَسِتِّيْنَ ذکر ہے یعنی 90 فیصد زیادہ حرارت والی ہے (مترجم) (نعوذ باللہ منھا)۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قیامت کا نام قارعۃ ۲۔ جہنم کا نام الھاویۃ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورۃ قارعۃ کی تفسیر مکمل ہوئی۔

آیاتہا ۸ ۱۰۲ سورۃ التکاثر مکیۃ ۱۶ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ
عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ ع

تمہیں کثرت مال کی (حرص نے) غافل کر رکھا ہے[1] یہاں تک کہ تم (اسکے لئے) قبروں کی زیارت کر رہے ہو[2] ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے عنقریب تمہیں پتا چل جائے گا[3] پھر (سنو) ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے تمہیں عنقریب پتا چل جائے گا[4] یقیناً اگر تمہیں یقین کے ساتھ علم ہوتا (تو تم ایسا نہ کرتے)[5] یقیناً تم جہنم کو دیکھ لوگے[6] پھر یقین جانو کہ تم اس کو یقین کے ساتھ دیکھ لوگے[7] پھر تم سے اس دن نعمتوں کے (حق کے متعلق) پوچھا جائے گا[8]۔

سورۃ التکاثر اور اس سورۃ کو الھٰکم بھی کہا جاتا ہے۔

ربط: 1 ربط: گذشتہ سورۃ میں تخویف اُخروی کا بیان ہوا تو اس سورۃ میں عادیات کی طرح زجر اور تخویف دونوں کا ذکر ہے۔ ربط: 2 اس سورۃ میں آخرت کے خوف کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں دنیا سے بے رغبتی کا تذکرہ ہے اسلئے کہ یہ (دنیا کی رغبت) آخرت سے غفلت کا سبب ہے۔ ربط: 3 گزشتہ سورۃ میں جہنم کا نام ہاویہ ذکر کیا تھا تو اس سورۃ میں اسکا دوسرا نام جحیم ذکر ہوا ہے۔ ربط: 4 اُس سورۃ میں قیامت کے دن وزنِ اعمال کا ذکر ہوا ہے تو اس سورۃ میں ذکر ہے کہ نعمتوں کے متعلق اس دن سوال ہوگا۔

سورۃ کا بنیادی مضمون: اس سورۃ کا عنوان دنیا کی محبت پر وعید اور آخرت کا خوف ہے۔

سورت کا خلاصہ: آیت 1، 2 میں دنیا کی محبت پر زجر ہے پھر آیت 3، 4 میں تخویف دنیاوی اور اُخروی ہے پھر آیت 5 میں اسکے یقین نہ کرنے پر زجر ہے پھر تین طریقوں سے تخویف اُخروی ہے۔ فائدہ: اس سورۃ میں قرآن مجید کی دوسری قسم کے دشمنوں کا ذکر ہے جو دنیا پرست لوگ ہیں۔

تفسیر 1 اس میں زجر ہے اَلْهٰكُمْ: لَهْوٌ غفلت اعراض کو کہتے ہیں اور وہ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک قسم بغیر قصد و ارادہ کے

ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اَلْهَتْنِیْ عَنْ صَلَاتِیْ (۔صحیح بخاری کتاب الصلوۃ حدیث 373 صحیح مسلم حدیث 556) ایسا اِلْهَاء معاف ہے کیونکہ اس میں عذر ہے دوسری قسم اِلْهَاء قصد أو ارادۃً ہے اور وہ حق سے اعراض کے لئے ہوتا ہے اور وہ گناہ ہے اس سے منع کیا گیا ہے اس مقام پر یہی مراد ہے سورۃ المنافقون آیت 9 میں بھی اس سے منع ذکر ہوا ہے یہاں مُلْهٰی عَنْهُ: یعنی جس سے غافل کیا گیا ہے اس کو حذف کیا ہے تا کہ عام پر محمول ہو جائے یعنی تمہیں قارعہ سے غافل کر دیا، ذکر الٰہی سے اور قرآن کی قبولیت سے غافل کر دیا، اور حق سے تمہیں غافل کر دیا اَلتَّکَاثُرُ: یہ باب تفاعل سے ہے یعنی ایک دوسرے سے مال جمع کرنے میں سبقت کرنا اور یہ یقیناً تفاخر اور سبب حرص ہے اَلتَّکَاثُرُ بِہٖ: کو عام کرنے کی وجہ سے حذف کیا ہے امام ابن قیم نے لکھا ہے کہ مال، اولاد، بیبیاں، ریاست، مرتبہ، تالیف وتصنیف مسائل کی تشریح یہ تمام تکاثر مذموم ہے سوائے اس کے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خالص نیت سے کیا جائے۔ اسی طرح مُتَکَاثَرٌ بِہٖ کو اس وجہ سے بھی حذف کیا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ مطلق تکاثر مذموم ہے جبکہ مطلق تکاثر مذموم نہیں ہے لہٰذا اس آیت میں دو اعمال قبیحہ پر زجر کی گئی ہے: (۱) تکاثر (۲) الھاء یعنی دنیا کی چیزوں کی غیر شرعی حرص اور اس کی وجہ سے دین و آخرت سے غافل ہونا۔

تفسیر 2 یہ تکاثر کے لئے تاکید ہے اور الھاء کے لئے انتہاء یعنی غایہ ہے اور اس میں تین توجیہات ہیں: (۱) پہلی توجیہ یہ ہے کہ یہ الھاء کے لئے غایہ ہے اور اس میں زُرْتُمُ: مستقبل کے معنی میں ہے لیکن تاکید اور یقین کے لئے فعل ماضی ذکر کیا ہے اور قبروں کی زیارت موت سے کنایہ ہے یعنی تم مال و دیگر چیزوں کی حرص میں لگے رہو گے یہاں تک کہ تم کو موت آجائے گی اور توبہ کرنے کا چانس نہیں ملے گا ۔سوال: موت کی جگہ قبروں کی زیارت کیوں ذکر کی ہے؟

جواب: پہلی توجیہ: ابن کثیر نے ابن ابی حاتم سے روایت کیا ہے کہ قبریں رہنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ یہاں سے جنت یا جہنم کی طرف منتقل ہونا ہے دوسری توجیہ: یہ ہے کہ تکاثر اور زُرْتُمُ اپنے معنی پر ہے یعنی تم زندہ لوگوں پر فخر (تکاثر) کرتے ہو یہاں تک کہ مردوں پر بھی تکاثر کرتے ہو اور یہ طریقہ جہالت والوں میں رائج تھا تیسری توجیہ: مفسر ابو حیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہیں تکاثر نے غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت بھی بطور فخر کرتے ہو جبکہ یہ عمل تو وعظ نصیحت حاصل کرنے کے لئے جائز کیا گیا ہے لہٰذا جو لوگ قبروں کی زیارت دنیاوی مقاصد یعنی وہاں اولاد مال طلب کرنے کے لئے کرتے ہیں تو وہ اس کی وجہ سے دین توحید سے غافل ہو جاتے

ہیں اور سنت سے اعراض کر بیٹھتے ہیں تو یہ آیت ان کے لئے بھی وعید سنا رہی ہے امام ابن عطیہ نے تفسیر محرر الوجیز میں لکھا ہے کہ اسمیں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جو کثرت سے زیارتوں میں مشغول ہیں یہاں تک کہ تعلیم اور دیگر عبادتوں سے غافل ہو گئے پھر انہوں نے لکھا ہے کہ آج لوگوں کا یہ عالم ہے کہ ان قبروں کو سنگ مرمر سے تعمیر کرتے ہوئے مزین کرتے ہیں اور ان پر عمارتیں قائم کرتے ہیں ابو حیان نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن عطیہ نے تو صرف اندلس والوں کی قبریں دیکھی ہیں اگر وہ مصر والوں کی قبروں پر عمارتیں دیکھ لیتے تو انہوں نے قرافہ کبریٰ قرافہ صغریٰ اور باب النصر (یہ قبروں کے نام ہیں) تعمیر و آباد کر رکھی ہیں اور ان پر مالوں کو ضائع کر رہے ہیں تو ابن عطیہ اس پر بڑا تعجب کرتے پھر انہوں نے قبر پرست صوفیوں اور ان کے ہمنوا لوگوں کے رد کی تفصیل ذکر کی ہے اس سورۃ کی تفسیر میں انہوں نے یہ وضاحتیں کی ہیں۔

تفسیر 4 یہ تخویف پر تخویف ہے یعنی خوف پر خوف ہے۔ کَلَّا: دونوں جگہ پر ردعیہ ہے یعنی اول تکاثر کی طرف متوجہ ہے اور دوم الھاء کی طرف متوجہ ہے سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ: یہ بھی تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے پہلے وقت موت میں یعنی سکرات الموت کے وقت یقین اپنی غلطی پر ہو جائے گا اور دوسرے میں قبر کے عذاب کی طرف اشارہ ہے یہ قول امام ابن قیم نے بدائع التفسیر میں حسن، مقاتل، عطاء، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام قرطبی نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ امام ابن قیم نے اس قول کو پانچ وجوہات سے ترجیح دی ہے ترمذی میں روایت ہے کہ ہم قبر کے عذاب میں شک کرتے تھے لیکن اس آیت کے نزول نے ہمارے اس شک کو یقین میں بدل ڈالا۔ ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3355 اس روایت کو شیخ البانی شیخ زبیر شیخ عبدالرزاق نے ضعیف کہا ہے۔

تفسیر 5 اس میں بھی وعید ہے اور کَلَّا: حَقًّا کے معنی میں ہے لَوْ تَعْلَمُوْنَ: کا مفعول حذف ہے یعنی اَحْوَالُ الْبَعْثِ: اگر تم اس منظر کو دیکھو جب تم قبروں سے اٹھائے جاؤ گے۔ عِلْمَ الْيَقِيْنِ: یہ مفعول مطلق ہے یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے ضرورت مند شخص اپنی ضروریات کی حقیقت تک ایسی رسائی حاصل کرلے کہ اس کا کوئی شک باقی نہ رہے اور مزید کسی دلیل کی محتاجی باقی نہ ہو اور اس علم کا تعلق دل سے ہے جو یقین کا محل یہ قید اس لئے لگائی کہ کسی چیز کے ترک کرنے کے لئے اس کی قباحت پر علم حاصل کرنا ہے کافی نہیں ہے جب تک دل میں اس کی قباحت کا یقین نہ ہو جائے۔ لَوْ: کی جزاء محذوف ہے یعنی لَمَا اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ:

تفسیر 6، 7 اس میں خوف آخرت کا ذکر ہے لَتَرَوُنَّ: تکرار کے ساتھ ذکر ہوا ہے پہلے دور سے دیکھنا مراد ہے جیسا کہ

سورۃ فرقان آیت 12 میں دوسرے سے مراد قریب سے دیکھنا ہے یا مراد پہلی بار دل سے اور دوسری بار آنکھوں سے دیکھنا ہے۔
عَيْنَ الْيَقِيْنِ: اس کو علم مشاہدہ کہا جاتا ہے یعنی غائب معقول چیز کا محسوس چیز کی طرح مشاہدہ کر لیتے ہیں یہ علم یقین کا اعلیٰ درجہ ہے یہ خطاب کافروں یا فاسق ایمان والوں کے لئے بھی ہے جن کو معاف نہ کیا گیا ہو یا پھر عام ہے کہ مومن جہنم کے اوپر سے گزر جائیگا اور کافر اس میں گر کر ہمیشہ رہے گا۔

تفسیر 8 یہ بھی تخویف اخروی ہے اور یہ خطاب بھی عام ہے۔ النَّعِيْمِ: یہ بھی عام ہے کیونکہ یہ نعمت کی جمع ہے جس میں امن، صحت، آنکھیں، کان، عقل، کھانے، مشروبات، سایہ، گھر داخل ہیں امام مجاہد سے منقول ہے کہ دنیا کی تمام لذتیں اس میں شامل ہیں محمد بن کعب سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت اور نزول قرآن اس میں داخل ہے ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مالی نعمتوں کے متعلق دو سوال ہوں گے (۱) پہلا سوال یہ ہوگا کہ یہ مال کس طریقہ سے کمایا تھا حلال یا حرام طریقے سے (۲) دوسرا سوال یہ ہوگا کہ کس مصرف میں خرچ کیا تھا حدیث میں بھی اس طرح آیا ہے (۱) عمر سے متعلق سوال ہوگا (۲) جوانی کے متعلق سوال ہوگا (۳) مال کے متعلق سوال ہوگا کہ کس طرح کمایا تھا (۴) اور کہاں صرف کیا تھا (۵) علم کے متعلق سوال ہوگا کہ اس پر کہاں تک عمل کیا تھا (ترمذی حدیث 2416 سلسلة الصحيحة 946) دیگر نعمتوں کے متعلق شکر گزاری کا سوال ہوگا اور اس کی بڑی شکر گزاری توحید باری تعالیٰ پر عمل ہے اور سب سے بڑی ناشکری کفر و شرک ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ مرض کا ذکر آیت نمبر 1 میں۔ ۲۔ سبب مرض آیت نمبر 5 میں۔

۳۔ علاج مرض تین وعیدوں کے ساتھ۔

۴۔ علم کے تین مراتب کا ذکر (۱) العلم (۲) علم الیقین (۳) عین الیقین

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سورۃ التکاثر کی تفسیر مکمل ہوئی

ایاتہا ۳ ۱۰۳ سُوْرَۃُ الْعَصْرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۳ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳ ع

"زمانے کی قسم ہے[1] یقیناً انسان بڑے گھاٹے میں ہے[2] مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال سنت کے موافق کیئے اور ایک دوسرے کو پختگی کے ساتھ حق بات کی اور ایک دوسرے کو پختگی کے ساتھ صبر کی تلقین کی[3]۔

ربط: سابقہ سورۃ میں تکاثر اور غفلت پر زجر تھی تو اس سورۃ میں تکاثر اور غفلت کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے جو کہ خسران ہے۔ (۲) گذشتہ سورۃ میں سوال ذکر کیا گیا تھا تو اس سورۃ میں سوال کے بعد دو قسم کے انسانوں کا ذکر ہوا ہے یعنی خاسرین اور فائزین (۳) گذشتہ سورۃ میں سبب کا ذکر تھا یعنی تکاثر غفلت اور مختلف عذاب تو اس سورۃ میں مسبب کا ذکر ہے جو کہ خسران ہے۔
(۴) گذشتہ سورۃ میں تخویف کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں نجات کے لئے چار امور کا ذکر ہے۔

سورۃ کا بنیادی مضمون: اس میں ان امور کا ذکر ہے جس سے خاسرین اور فائزین کا امتیاز ہو جائے۔

سورت کا خلاصہ: قسم بطور شاہد ہے اور خسران پر زجر ہے اور نجات کے لئے چار امور ذکر کیے ہیں اس میں دو تو فی نفسہ کمال کے لئے ہیں (۱) قوت علمیہ (عقیدہ) (۲) قوت عملیہ اور ان میں سے دو غیر کو کامل بنانے کے لئے ہیں (۱) حق کی دعوت اور تعلیم (۲) اس پر استقامت و دوام۔ فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر لوگ اس سورۃ میں غور کریں تو یہ ان کی ہدایت کے لئے کافی ہو جائے گی۔

تفسیر 1 یہ قسم ہے جسکا مقصد انسانوں کے نقصان پر اثبات شہادت ہے اس میں دو مشہور اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد زمانہ ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے مختلف حالات و واقعات اور منکرین کے لئے عذاب، اور مومنین کے لئے نجات کا ذکر ہے یعنی بیان ظرف کا ہوا ہے لیکن مقصد اور مراد اس سے مظروف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے وقت عصر مراد ہے۔ جو کہ دن کا آخری حصہ ہے جو تاجروں اور مزدوروں کی کمائی کا وقت ہے اس کی طرف صحیح بخاری کی حدیث میں بھی اشارہ ہے کہ جس کی صلاۃ عصر رہ جائے تو اس نے اتنا نقصان اٹھایا جیسے کسی انسان کے مال و اہل سب تباہ ہو جائیں اور وہ تنہا رہ جائے

صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ حدیث 552-557 دوسری روایت جو کہ صحیح بخاری میں ہے اس میں اس امت کی عمر وقت عصر کے بعد مغرب تک بتائی ہے اور فرمایا کہ ان کے لئے دگنا اجر ہے اس میں ہماری اس امت کی عمر کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی مثال وقت عصر کی ہے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس میں پہلا قول بہتر قرار دیا ہے ابن کثیر نے بھی پہلے قول کو مشہور قرار دیا ہے۔

تفسیر 2 یہ جواب قسم ہے اَلْاِنْسَانَ: اس سے مراد تمام انسان ہیں جس پر استثنا قرینہ ہے اور اس کا مرجع مشرکین کفار فساق اور فجار ہیں کہ وہ نقصان میں ہیں خسران نقصان تاوان اور ہلاکت کو کہا جاتا ہے اس میں تجارت سے تشبیہ دی ہے کہ انسان تجارت کسب وغیرہ کر لیتا ہے مگر منافع کمانے کے بجائے اصل مال سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے لہذا انسان کو اللہ تعالی نے نعمتوں سے نوازا ہے جیسا کہ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ میں گزر چکا ہے ان نعمتوں میں عظیم نعمت انسان کی عمر اور مال ہے اور اس کا رَأْسُ الْمَالِ: سرمایہ ہی ضائع ہو گیا۔ خُسْرٍ: نکرہ ذکر کرنا برائے عظمت یا برائے تنویع ہے یعنی اقسام ذکر کی ہیں یعنی ہر انسان کا نقصان الگ الگ صورت اور کیفیت میں ہے اور اس میں ان کے مرتبے بھی الگ الگ ہیں امام رازی نے لکھا ہے کہ وہ انسان خسران میں ہے جو عمل کرنے کے باوجود بدلہ اور منافع سے محروم رہتا ہے امام بقاعی کا قول ہے کہ وہ انسان جس کا مال کمائی و ترقی کے مرحلہ میں ہو مگر اس کی غلط تدبیر و ترتیب کی وجہ سے وہ نقصان اٹھا لیتا ہے۔ **فائدہ:** جب قرآن مجید سے ان آیتوں کو پڑھا جائے جن میں نقصان کا مادہ استعمال ہوا ہے تو اچھے طریقے سے بات اس پر واضح ہو جائیگی کہ خسران کے اسباب کیا ہیں جو ہم نے سورۃ البقرۃ کی مشکلات کی تفسیر میں ذکر کیے ہیں۔

تفسیر 3 اس استثناء سے معلوم ہوا کہ جو بھی ان چار صفتوں سے محروم ہوا ہو تو وہ کامل نقصان میں ہے اور جو ایمان والے ہیں لیکن بعض خصلتوں سے کُلاً یا بعضاً خالی ہوں تو وہ بھی نقصان کی ایک قسم میں شامل ہیں اور یہ خصلتیں کامل مومن کی ہیں اسلئے کہ انسان کی صلاحیت دو طریقوں سے ہوتی ہے پہلے اپنے نفس کو کامل کرنا دوسرے مرحلہ میں دوسروں کو کامل بنانا ہے اور اپنے نفس کا کمال بھی دو چیزوں میں ہے (۱) صحیح عقیدہ جسکو قوت علمی کہتے ہیں (۲) صالح اعمال اختیار کرنا جسکو قوت عملی کہتے ہیں ایمان سے مراد وہ شرعی ایمان ہے جو قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے اور عمل صالح وہ ہے جو نبی ﷺ کی سنت کے موافق ہو یعنی ہر قسم کی بدعت اور فسق سے پاک ہو اور اسی طرح غیر کی تکمیل بھی دو چیزوں سے ہوتی ہے (۱) دعوت تربیت اور تعلیم ہے جس کی طرف اشارہ اس طرح کیا گیا ہے کہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ: یہاں حق سے مراد اللہ تعالی کی اطاعت ہے جو قرآن و سنت

سے ثابت ہے اور دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت ہو (۲) دوسری چیز صبر پر تلقین ہے جس کی طرف اشارہ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ: میں کیا گیا ہے۔ اور صبر کی دو قسمیں ہیں (۱) صَبْرٌ عَلَى الْمَقْدُوْرِ: یعنی مصیبتوں پر صبر (۲) صَبْرٌ عَلَى الْمَشْرُوْعِ: شریعت کے احکام اوامر اور نواہی اور دعوت کے راستے میں آنے والی مشکلات بھی اس میں داخل ہیں اور لفظ تَوَاصَوْا: باب تفاعل سے ہے اس میں دلیل ہے کہ یہ دونوں کام ہر مسلمان کا فریضہ ہے لفظ وصیت میں اشارہ ہے کہ خوب تاکید سے دعوت دیتے رہنا ہے اور اس پر عمل کو موت تک جاری رکھنا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ زمانہ کی شہادت ۲۔ خسران سے نجات کے لئے اسباب

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور فضل سے سورۃ عصر کی تفسیر مکمل ہوئی

ایاتھا ۹ ۱۰۴۔ سورۃ الھمزۃ مکیۃ ۳۲ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى
الْحُطَمَةِ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ
مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

”تباہی ہے اس شخص کے لئے جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا اور منہ پر طعنے دینے والا ہے[1] جس نے مال جمع کیا اور اس کو گنتا رہتا ہے[2] وہ سمجھتا ہے کہ یہ مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا[3] ہرگز نہیں اس کو تو حطمہ میں پھینکا جائے گا[4] اور آپ کو کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے[5] اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہے[6] جو دلوں تک چڑھے گی[7] یقیناً وہ ان پر (ہر طرف سے) بند کردی جائے گی[8] لمبے لمبے ستونوں میں[9]۔

ربط: سابقہ سورت سے تین طرح سے ربط ہے۔
(۱) گذشتہ سورۃ میں فائزین کی چار صفتیں ذکر کی گئی تھیں تو اس سورۃ میں خاسرین کی چار صفتیں ذکر ہو رہی ہیں۔
(۲) گذشتہ سورۃ میں خسران والوں کے لئے وعیدیں ذکر کی گئی ہیں تو اس سورۃ میں خسران والوں کے لئے تخویف اخروی کا ذکر ہو رہا ہے (۳) گذشتہ سورۃ میں صفات تحلیہ کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں صفات تخلیہ کا ذکر ہو رہا ہے۔
سورۃ کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: اس سورۃ میں تخویف اخروی کے ساتھ ساتھ قبیح صفات پر زجر ہے نیز اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کا نام صرف ایک بار ذکر ہوا ہے۔
سورت کا خلاصہ: پہلے چار قبیح صفات پر زجر ہے آیت 1، 2، 3 میں پھر چھ طریقوں سے تخویف اخروی ہے۔ فائدہ: اس سورۃ میں اشارہ ہے کہ قرآن کے دشمن وہ لوگ ہیں جن میں یہ چار صفات ہوتی ہیں۔

تفسیر 1 لفظ وَيْلٌ: میں دو اقوال ہیں (۱) عذاب کا ایک کلمہ ہے (۲) جہنم میں ایک وادی کا نام ہے۔ لِكُلِّ: یہ لفظ ویل

ہے کہ اس آیت میں ہر وہ شخص مراد ہے جس میں یہ عادتیں موجود ہوں۔ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ: فُعَلَةٌ کا وزن دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے یہ عادت بنا رکھی ہے ان دونوں لفظوں کے فرق میں مختلف اقوال ہیں اس میں مشہور قول یہ ہے کہ وہ شخص ہے جو پیٹ پیچھے لوگوں پر طعن وتشنیع اور عیب جوئی بطور غیبت اور بہتان کرتا رہتا ہے اور لمزۃ وہ شخص ہے جو منہ پر طعن وتشنیع کرتا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن وتوحید کی مخالفت دونوں طریقوں سے کرتے ہیں۔

تفسیر 2 اس آیت میں تیسرا وصف ذکر ہوا ہے جو ماقبل کے لئے علت ہے یعنی مال کی محبت کی وجہ سے ھمز اور لمز کرتا ہے جَمَعَ مَالًا: مالًا کو نکرہ ذکر کرنے میں اس کی حقارت کی طرف اشارہ ہے جَمَعَ: سے مراد یہ ہے کہ اپنے اوپر بھی خرچ نہیں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں بھی خرچ نہیں کرتا ہے وَّعَدَّدَهٗ: یہ عدد سے لیا گیا ہے یعنی زیادہ محبت کی وجہ سے بار بار اس کو گنتا ہے تا کہ اس میں کوئی کمی نہ ہو یا پھر عُدَّةٌ: سے لیا گیا ہے یعنی ضرورت کے لئے تیار رکھا کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ان کے ذریعے سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں حالانکہ اللہ کے راستے میں صدقہ دینے سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے جبکہ یہ اس سے اعراض کرتا رہتا ہے۔ ترمذی حدیث 2616 مشکوۃ مع ھدایۃ الرواۃ 1851

تفسیر 3: اس میں دو توجیہات ہیں (۱) مال کی محبت میں اتنا مشغول دگمن ہے کہ موت کو فراموش کر چکا ہے اور آخرت سے یکسر غافل ہے (۲) تفسیر مدارک اور السراج المنیر میں یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ جنت تو ایمان اور عمل صالح سے حاصل ہوتی ہے اور ان کا گمان یہ ہے کہ مال کے ذریعے سے ہم اس تک رسائی حاصل کر لینگے۔

تفسیر 4، 5 اس میں تخویف اخروی ہے كَلَّا: ردعیہ ہے یعنی اس کا یہ گمان غلط ہے لَيُنْۢبَذَنَّ: یہ لفظ ناپسندیدہ چیز کو پھینکنے کے لئے استعمال ہوتا ہے فِي الْحُطَمَةِ: یہ حطم سے مبالغے کا صیغہ ہے جسکا معنی توڑنا ہے یعنی بہت توڑنے والا یہ جہنم یا اس کے ایک طبقہ کا نام ہے جب وہ ہمزۃ اور لمزۃ کے ذریعے سے اہل توحید کی عزتوں اور حرمتوں کے توڑنے کی کوشش کرتے رہے تو حطمہ کے ذریعے سے ان کی ہڈیوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیں گے۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ: یہ حطمہ کی عظمت شان کے لئے فرمایا ہے۔

تفسیر 6، 7 اس میں حطمہ کی تفسیر ہے۔ نَارُ اللّٰهِ: اللہ کی طرف اضافت میں آگ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ الْمُوْقَدَةُ: اللہ نے جس کو سلگایا ہوا ہے اسے بجھانے کا کسی میں دم نہیں ہے ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جہنم کی آگ ہزار سال سلگائی گئی تو لال ہوئی پھر ہزار سال سلگائی گئی تو سفید ہوئی پھر ہزار سال سلگائی تو سیاہ کالی ہوئی اب وہ ہمیشہ کے لئے

اسی حال پر رہے گی (اس حدیث کو امام البانی نے سلسلہ ضعیفہ حدیث 1305) میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ روایت موقوف و مرفوع دونوں اعتبار سے ضعیف ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جو حکماً مرفوع ہے ذکر کیا ہے لیکن فرمایا کہ اس میں اگر اسرائیلیات کا احتمال نہ ہو تو یہ حکما حدیث مرفوع ہے) اَلَّتِیْ تَطَّلِعُ: دل کی تخصیص اسلئے کی کہ وہ غلط عقائد اور اعمال کا مرکز و محل ہے۔

تفسیر 8، 9 یہ ما قبل عذاب کے لئے تاکید ہے۔ مُّؤْصَدَةٌ: بند کیا ہوا یعنی ہر جانب سے اس طرح بند کیا ہوگا کہ کوئی روشنی اور ہوا کا چانس اس میں نہ ہو۔ فِیْ عَمَدٍ: یہ اسم جمع ہے یا عماد کی جمع ہے یعنی بڑے بڑے لوہے کے ستون جیسا کہ پائپ اور بند سانچے ہوتے ہیں (اس کی مثال ہمارے اس دور میں برف خانوں کے لوہے سے بنائے ہوئے سانچے ہیں یا پھر معنی یہ ہے کہ جہنم کے دروازوں پر لگائے گئے یہ سانچے مثل کیل کے مضبوط ٹھونک دیئے گئے ہوں گے پہلی توجیہ کے مطابق (فِیْ) اپنے ہی معنی پر ہے اور دوسری توجیہ کے مطابق (فِیْ) بمعنی (بِہَا) ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ برے صفات کا تذکرہ۔

۲۔ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام الحطمۃ ہے۔

سورۃ ھمزۃ کی تفسیر اللہ تعالی کے فضل سے مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۵ | ۱۰۵ سُوْرَۃُ الْفِیْلِ مَکِّیَّۃٌ ۱۹ | رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا
اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا[1] کیا اس نے ان کی ساری چالیں بیکار نہیں کی تھیں[2] اور ان پر غول کے غول پرندے چھوڑ دیئے تھے[3] جو ان پر پکی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے[4] چنانچہ ان کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھوسا[5]۔

سورۃ الفیل: سابقہ سورۃ کے ساتھ چار طریقوں سے ربط ہے۔

(۱) پہلا ربط: سابقہ سورۃ میں منکرین کے لئے آخرت تخویف وزجر تھی تو اس سورۃ میں ان کے لئے تخویف دنیاوی کا ذکر ہے۔

(۲) دوسرا ربط گزشتہ سورت میں ان لوگوں کا تذکرہ تھا جنہوں نے حق کی مخالفت دنیا پرستی کے سبب سے کی تھی تو اس سورۃ میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے حق کی مخالفت اقتدار کی وجہ سے کی ہے۔ (۳) تیسرا ربط: گزشتہ سورۃ میں حق والوں سے دشمنی کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں حق کے مرکز سے دشمنی کا ذکر ہے۔ (۴) چوتھا ربط اُس سورۃ میں سبب ذکر ہوا ہے جو کہ برے اخلاق ہیں تو اس سورۃ میں مسبب کا ذکر ہے جو کہ ارادہ ہے بیت اللہ کو منہدم کرنے کا۔

سورت کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: اس سورت میں حق کے مخالفین کے لئے تخویف دنیاوی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا نام "رب" ذکر کیا گیا ہے اور چار صفات فعلیہ مذکور ہیں۔ سورت کا خلاصہ: آیت میں اصحاب فیل کے عذاب کی عظمت کا ذکر ہے۔ اور آیت 2 میں ان کی تدبیر کی ہلاکت وتباہی کا ذکر ہے اور ان کے عذاب کی تفصیل آیت 3، 4، 5 میں ہے فائدہ: اصحاب فیل بطور مثال ذکر ہوئے ہیں جنہوں نے بیت اللہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تھا لہذا مقصود یہ ہے کہ جو بیت اللہ کو برباد کرنا چاہتا ہو یا اسکے مقابل کوئی عبادت خانہ بنانے کا عزم رکھتا ہو اور قبلہ وکعبہ تعمیر کرنا چاہتا ہو یا کسی بھی صورت میں اس گھر کی دشمنی کا عزم رکھتا ہو تو یہ اس کا انجام ہوگا۔ مخصوصاً وہ حکمران جو اپنے ظالمانہ اقتدار کو بچانے کے لئے مراکز حق یا قرآن کے

مقابلے کی کوشش کرتے ہیں۔ اصحاب فیل کا قصہ تفصیل سے مفسرین نے لکھا ہے اس کا مختصر خلاصہ اس طرح ہے کہ ابرہہ بن الصباح ابویکسوم جو الاشرم نام سے مشہور تھا۔ اس کے نام کی وجہ یہ تھی کہ جنگ کے دوران میں اس کی ناک ہونٹ چہرہ اور منہ چیرے گئے تھے اسلئے اسکو الاشرم کہتے تھے یہ نصرانی یمن کا والی تھا اور حبشہ کے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے (کیونکہ وہ بھی نصرانی تھا) یمن کے شہر صنعاء میں کنیسہ کے لئے ایک بلند پایہ منزل تعمیر کی جو القلیس کے نام سے معروف تھی نام کی وجہ یہ تھی کہ اس کی بلند پایہ منزل کو دیکھنے والوں کے سر سے ٹوپی گر جاتی تھی، ابرہہ نے اعلان کیا کہ آئندہ یہاں ادائیگی حج کے لئے تشریف لانا اور کعبۃ اللہ مت جانا معلوم ہوا کہ کعبۃ اللہ کے ساتھ انگریزوں نصرانیوں کی پرانی دشمنی ہے کہ وہ نہ تو ہمارے کعبہ کو اور نہ ہی ہمارے حج کو مانتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ اہل عرب میں سے ایک ایسا شخص طیش میں آکر اس کنیسہ میں گیا اور اس میں قضاء حاجت (گندگی) کر لی ایک اور روایت میں ہے کہ عرب کے کچھ تاجر وہاں تجارت کے لئے گئے وہ اس کنیسہ کے قریب اپنے لئے سالن پکا رہے تھے اتفاقاً تیز ہوا آئی اور اس آگ کو اڑا دیا اور اس سے وہ کینسہ جل گیا اس واقعہ سے ابرہہ نے غیض وغضب میں آکر حلف اٹھایا کہ میں کعبۃ اللہ کو منہدم کروں گا اور اس ارادے سے ہاتھیوں کا لشکر روانہ کیا لیکن جب وادی محسر کے قریب پہنچ گئے جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے تو ان پر اللہ تعالیٰ نے خطاطیف اور بلسان (پرندوں) کو مسلط کیا جو (غول کے غول آئے) پنجوں اور چونچوں میں پتھر کنکریاں لاکر ان پر برسادیں اور وہ ان چھوٹی کنکریوں سے چور چور ہو کر انکے بدن میں بدبو بھی پیدا ہوئی اور اکثر روایتوں میں اس واقعہ کی تاریخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پچاس دن پہلے کا ذکر ہے تو یہ نبوت رسول کے لئے ارہاص تھی یعنی ایسا خرق عادت کام جو نبی کے لئے نبوت دینے سے پہلے ایک نشانی بن جائے۔

تفسیر 1 "اَلَمْ تَرَ: یہ لفظ رویت نظری علمی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب رویت علمی کے اعتبار سے ہوا ہے جبکہ دیگر قریش مکہ کے لئے رویت بصری دیکھنے کے ساتھ ہے کیونکہ اس واقعہ کے ہونے کے وقت وہ موجود تھے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اصحاب الفیل سے بیت اللہ کی حفاظت قریش کی عظمت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہونے والا ہے اور یہ اسکے لئے مرکز بنے گا حدیبیہ والی طویل حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور مکہ کی طرف جانے سے رک گئی تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ بیٹھنا اس کی عادت نہیں ہے بلکہ لٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ: (صحیح بخاری کتاب العلم حدیث 112 صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 1355) اس ذات نے اس کو روکا ہے جس نے فیل والوں کو کعبۃ اللہ سے روک رکھا تھا اس جملہ میں اس واقعہ

کی طرف اشارہ ہے۔ کَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ: کَيْفَ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وعلم کے دلائل کی طرف اشارہ ہے اور بیت اللہ کی عظمت وشرافت کی طرف اشارہ ہے اسلئے پہلے اس فعل کو اجمالی طور پر ذکر کیا ہے۔ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ: اسم جنس ہے ایک ہاتھی یا زیادہ وتعداد جیسے مختلف روایات میں ہے۔

تفسیر 2 اس میں فَعَلَ: کی تفصیل ہے۔ اَلَمْ يَجْعَلْ: استفہام تقریری برائے تاکید ہے۔ كَيْدَهُمْ بمکر چال جو انہوں نے بیت اللہ کے منہدم کرنے اور اس کے باسیوں کے ذلیل کرنے کے لئے جو ہاتھیوں کے لشکر کی تیاری کر رکھی تھی یہ سب کید کہلاتا ہے فِيْ تَضْلِيْلٍ: معنی برباد کرنا اور باطل کرنا ہے جیسے ضَلَّ سَعْيُهُمْ: سورۃ کہف آیت 104 میں گزرا ہے جبکہ ضلال کے معانی سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں گزر رہے ہیں۔

تفسیر 3 یہ تضلیل کی تفسیر ہے۔ وَّاَرْسَلَ: یہ لفظ کثرت پر دلالت کرتا ہے عَلَيْهِمْ: اس میں دلیل ہے کہ یہ عذاب اوپر کی جانب سے تھا اور ان کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ طَيْرًا: یہ لفظ نکرہ لایا ہے اس میں نا آشنا قسم دلیل پرندوں کی طرف اور ان کی کثرت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اَبَابِيْلَ: امام فراء نحوی کا قول ہے کہ یہ لفظ مفرد استعمال نہیں ہوا ہے بعض علماء کے بقول اَبَالَةٌ: مفرد ہے اور بعض نے اَبُوْلٌ اس کا مفرد قرار دیا ہے اور بعض نے اِبِيْلٌ کہا ہے البتہ اس کا معنی جماعات، کثرت، اور پے در پے ہے یعنی بہت سارے پے در پے جماعات جھنڈ کے جھنڈ۔

تفسیر 4 بِحِجَارَةٍ: اس نکرہ ہونے میں غریب اور کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ مِّنْ سِجِّيْلٍ: وہ مٹی کنکریاں جو آگ میں پکائی گئی ہوں یا سجیل اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں انکے لیے عذاب لکھا گیا تھا یہ سِجِلٌّ سے لیا گیا ہے لکھنے کو کہا جاتا ہے۔ كَعَصْفٍ فصل کے ان پتوں کو کہا جاتا ہے جن کو جانور چارے کے طور پر کھاتے ہیں یا بمعنی بھوسا۔ مَّاْكُوْلٍ: کھایا گیا چارا۔ سوال: جب کھایا جائے تو وہ معدہ میں غائب ہو جاتا ہے تو اس کی تشبیہ دینے کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: مراد یہ ہے کہ کھا لینے کے بعد گوبر وغیرہ بن کر نکل آتا ہے جس میں بدبو کا ہونا اور چور چور ہونا ہر جوڑ کا دوسرے سے الگ ہونا مراد ہے لیکن فصیح اور بلیغ کلام میں اس کی تشریح وتصریح کرنا مناسب نہیں تھا اسلئے اس سے اعراض کیا گیا ہے لہذا ان کے اجسام ٹکڑے ٹکڑے ہوئے بدبو دار اور ہلاک ہو گئے۔

اس سورۃ کی خصوصیات: ۱۔ اصحاب الفیل کا واقعہ۔ ۲۔ ان کے عذاب کی کیفیت کا تذکرہ۔

سورۃ الفیل کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۴ ۱۰۶ سُورَۃُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّۃٌ ۲۹ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالٰی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝۱ اٖلٰفِھِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝۲ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ ۝۳ الَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴

قریش کی (دنیا کی محبت پر) تعجب کرنا چاہئے[1] ان کی محبت موسم سردی اور گرمی میں[2] چاہئے کہ وہ خالص بندگی اس گھر کے مالک کے لئے اختیار کریں[3] وہ ذات جس نے ان کو کھانا دیا (تا کہ بچ سکیں) کھانے کی بھوک سے اور ان کے خوف سے امن دیا[4]۔

سورۃ قریش کا سابقہ سورت کے ساتھ تین طریقوں سے ربط ہے۔

(۱) ربط: گذشتہ سورۃ میں بیت اللہ کے دشمنوں کے لئے دنیاوی عذاب کا خوف ذکر تھا تو اس سورۃ میں بیت اللہ کے مجاورین (قریش) کو دعوت توحید پیش کی جا رہی ہے تا کہ وہ شکر گزار بنیں۔ (۲) ربط: گزشتہ سورۃ میں دنیاوی عذاب کا خوف ذکر تھا تو اس سورۃ میں وعید (ذانت) کا ذکر ہے۔ (۳) ربط: گزری ہوئی سورۃ میں ایک نعمت یعنی بیت اللہ کی حفاظت کا ذکر ہوا تو اس سورۃ میں مزید دو نعمتوں کا تذکرہ ہے جو طعام اور امن ہے۔

سورت کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: دنیا کی محبت پر زجر ہے اور توحید کی طرف دعوت ہے اور اللہ تعالٰی کا نام (رب) ایک مرتبہ اس سورۃ میں ذکر ہوا ہے اور دو صفات فعلیہ کا تذکرہ ہوا ہے۔

سورت کا خلاصہ: پہلے دنیا کی محبت پر آیت 1 میں مطلق زجر ہے پھر آیت 2 میں دنیا کے لئے سفر کرنے پر خصوصی زجر ہے پھر آیت 3 میں توحید فی العبادۃ کی طرف دعوت دی گئی ہے پھر آیت 4 میں دو نعمتوں کا تذکرہ بطور دلیل توحید ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 1 اس آیت میں قریش کے لئے الفت و محبت دنیا پر زجر کی گئی ہے اور اس میں اَلدُّنْیَا مفعول ہے جو محذوف ہے اس میں مصدر کو فاعل کی طرف مضاف کیا ہے اس لام کے متعلق تین اقوال مفسرین سے منقول ہیں (۱) یہ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ کے ساتھ متعلق ہے (۲) یہ بعد میں واقع ہونے والے فَلْیَعْبُدُوْا کے ساتھ متعلق ہے ان دونوں توجیہات کے ساتھ اِیْلٰفِ

بطور نصیحت ہے یعنی حصول رزق کے لئے تجارت سے الفت ہے (۳) یہ لام تعجب ہے یعنی قریش کی دنیا سے محبت پر تعجب کرو ابن جریر نے فرمایا ہے کہ یہ قول صحیح اور حق ہے اس قول کی بناء پر یہ قریش کی دنیا کی محبت پر زجر ہے قریش کا قبیلہ نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر تھا لہٰذا جو نضر کی اولاد نہیں وہ قریشی نہیں ہے صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ کنانہ کو اولاد اسماعیل میں سے منتخب کیا ہے اور قریش کو منتخب کیا کنانہ سے اور منتخب کیا ہاشم کو قریش میں سے اور مجھے منتخب کیا بنی ہاشم سے صحیح مسلم حدیث 2276 لہٰذا قریش دنیا کے تمام نسبوں خاندانوں سے اشرف ترین افضل ترین نسب ہے بشرطیکہ مومن ہو ان کو قریش کیوں کہتے ہیں اس میں مختلف اقوال ہیں۔ (۱) پہلا قول تَقَرُّش جمع ہونے کو کہتے ہیں لہٰذا قریش مختلف علاقوں سے حرم مکہ میں جمع ہو گئے (۲) دوسرا قول تَقَرُّش کسب اور محنت کرنے کو کہتے ہیں اور قریشی تاجر تھے اسلئے یہ نام پڑ گیا۔ (۳) تیسرا قول قریش سمندر کے ایک حیوان کا نام ہے جو سمندر کے تمام حیوانوں پر غالب ہے اسی طرح قریش تمام قبیلوں سے بڑھ کر ہے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

تفسیر 2 اس میں عام کے بعد خاص کا ذکر ہے یعنی تخصیص بعد التعمیم ہے امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سال دو حصوں میں تقسیم ہے سردی اور گرمی ربیع اور خریف اس میں عارضی موسم ہے اس کا اعتبار نہیں ہے رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ: قریشی تجارت کے لئے موسم سرما میں یمن کی طرف سفر کرتے تھے کیونکہ یمن گرم ملک ہے وَ الصَّیۡفِ: جبکہ موسم گرما میں شام کی طرف سفر کرتے تھے جو ٹھنڈا ملک ہے ان تجارتی قافلوں کا لوگ احترام کرتے تھے اسلئے کہ یہ لوگ ان کو بیت اللہ کے مجاورین تصور کرتے تھے اور اعلیٰ نسب کی وجہ سے ان کو بڑے تحفے تحائف دیا کرتے تھے دوسرا مقصد تجارت اور تیسرا مقصد گرمی اور سردی سے بچنا تھا یعنی دنیا میں زندگی سے لطف اندوز ہونا تھا اگرچہ یہ تینوں اعمال جائز تھے یعنی حرم کے نام پر دنیا کے تحفہ تحائف سمیٹتے رہنا یا تجارت کے لئے سفر کرنا اور لوگوں کا انکا احترام کرنا لیکن ان تمام فائدوں کو حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید سے روگردانی کرنا اور اسکے ساتھ شرک کرنا دنیا کی لذتیں حاصل کرنا اور اس کے کفر کی وجہ سے ہدیے تحفے جمع کرتے پھرنا لیکن توحید ربانی سے اعراض کرنا یہ بدترین عمل ہے یہاں پر یہ عبارت مخفی ہے وَتَرَكُوا عِبَادَةَ اللّٰهِ تَعَالٰی اور حقیقت میں قریش کا عمل اس زمانہ میں اس پر گواہ ہے جو انہوں نے توحید و رسالت کے خلاف ظلم ڈھا رکھا تھا۔

تفسیر 3 اس میں توحید کی طرف دعوت ہے اور شرک ترک کرنے کی تلقین ہے (فَا) میں اشارہ ہے کہ دنیا کمانے کے ساتھ جو کہ جائز امور میں سے ہے ایمان اور توحید کو اکٹھا کیا جائے۔ فَلۡیَعۡبُدُوۡا: مشرکین عرب ظاہری عبادت کرتے تھے عاشوریٰ

کے روزے رکھتے تھے حج وعمرہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، مال سے اللہ تعالیٰ کے لئے حصہ مقرر کرنا صدقہ، قصاص قسامہ دیگر دینی امور پر عمل پیرا تھے جن پر قرآن حدیث تاریخ عرب گواہ ہے البتہ ان میں توحید کی بنیاد پر ایمان نہیں تھا امام بغوی الفراء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ہر عبادت جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ قرآن مجید میں توحید کے معنی میں ہے لہٰذا یہاں بھی عبادت سے مراد توحید فی العبادۃ ہے۔ رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ: بلفظ رب میں اشارہ ہے کہ ان میں توحید ربوبیت تھی (اللہ تعالیٰ کو خالق و مدبر تسلیم کرتے تھے) بیت اللہ کی طرف خاص اضافت کرنے میں ایک وجہ تو یہ ہے کہ سورۃ فیل کی نعمت کی طرف اشارہ ہے کہ اس گھر کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ کر رکھا ہے تمہارے اصنام (بتوں) معبودوں کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے دوسری وجہ یہ تھی کہ کبھی کبھار وہ اپنے باطل معبودوں پر بھی رب کا اطلاق کرتے تھے البتہ بیت اللہ کا رب صرف اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرتے تھے اسلئے اس اشکال کو ختم کرنے کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی ہے۔

تفسیر 4 اس میں دو حاصل شدہ نعمتوں کا ذکر بطور دلیل ہے اور یہ نعمتیں ان کی محنت کے نتیجے میں حاصل نہیں ہوئی تھیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حاصل ہوئی تھیں اس دعاء کا ذکر سورۃ بقرۃ آیت 126 میں ہے جبکہ ان نعمتوں کا ذکر سورۃ قصص آیت 57 اور سورۃ عنکبوت آیت 67 میں ہوا ہے اور کلام میں بطور تعریض (تنبیہ) اشارہ کیا گیا ہے کہ توحید قبول نہ کرنے کی وجہ سے یہ نعمتیں تم سے اللہ تعالیٰ چھین لیتا ہے جیسا کہ سورۃ نحل آیت 112 میں گزرا ہے نیز ان پر قحط سالی مسلط کر دی گئی جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ان کی بھوک و پریشانی کا ذکر ہے اور سورۃ دخان کی تفسیر میں بھی اسکا تذکرہ گزرا ہے اور یہ توحید سے اعراض پر نبی کریم ﷺ کی ان کے متعلق بددعا کی تاثیر تھی اور ان پر جنگیں مسلط ہوگئی تھیں أَطْعَمَهُمْ: أَشْبَعَهُمْ نہیں فرمایا ایک وجہ یہ ہے کہ ان کو اس طرح سیرابی سے کھانا میسر نہیں ہوا تھا جیسے اس زمانہ میں دوسرا سبب یہ ہے کہ انسان حرص کی وجہ سے سیراب نہیں ہوتا ہے جیسے حدیث میں إِلَّا التُّرَابُ یعنی انسان کا پیٹ مٹی سے ہی بھر جائیگا صحیح بخاری کتاب الرقاق حدیث 6436 صحیح مسلم فی الزکوٰۃ حدیث 1049 مِنْ جُوعٍ: سوال: اطعام کے صلہ میں تو مِنْ نہیں ہوتا؟ جواب: یہ دوسرے فعل کے ساتھ بطریقہ تضمین ہے یعنی وَحَفِظَهُمْ مِنْ جُوعٍ: یا پھر مِنْ بَعْدِ کے معنی میں ہے۔ وَّمِنْ خَوْفٍ: دشمن کے خوف جذام کی بیماری اور دجال کے داخل ہونے کے خوف سے ان سب سے ان کو محفوظ رکھا ہے فائدہ: قریش کا ذکر بطور نمونہ اس سورۃ میں کیا گیا ہے لیکن وہ صاحب اقتدار لوگ اور علماء اور پیر گدی نشین لوگ اور دین کے ذمہ دار لوگ جو دین کی وجہ سے اچھی دکانوں میں ہیں دین کی وجہ ان کو عزت کی

نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان کو دنیا کا مال دولت وعزت دی گئی ہے لیکن پھر بھی توحید سے منہ پھیر لیتے ہیں اور حق چھپانے میں کسر نہیں چھوڑتے اگر یہ لوگ توبہ کر کے دینِ حق کو بیان نہ کریں تو اس دنیا میں قحط کا عذاب اور آخرت میں بھی عذابِ الٰہی میں مبتلاء ہوں گے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ قریش کے احوال کا ذکر۔ ۲۔ اہلِ حرم کو طعام اور امن سے نوازے جانے کا ذکر۔

۳۔ گرمی و سردی کے سفر میں انکی اُلفت کا تذکرہ۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَاعْفُ عَنَّا

سورۃ قریش کی تفسیر اللہ تعالٰی کے فضل سے مکمل ہوئی۔

آیاتھا ۷ ﴿۱۰۷﴾ سُورَۃُ الْمَاعُوْنِ مَکِّیَّۃٌ ﴿۱۷﴾ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ فَوَيْلٌ
لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷

کیا تم نے اس کو دیکھا ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے[1] وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے[2] اور مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا ہے[3] پس نماز پڑھنے والوں کے لئے ہلاکت ہے[4] وہ لوگ جو (مقصد) نماز سے غفلت برتتے ہیں[5] وہ لوگ جو (اپنے اعمال کا) دکھاوا کرتے ہیں[6] اور فائدے کی (معمولی) چیز سے منع کرتے ہیں[7]۔

اس سورۃ کے دیگر نام یہ ہیں سورۃ اَرَاَیْتَ، سورۃ الدِّیْن، سورۃ تکذیب۔

سابقہ سورت کے ساتھ ربط تین طرح سے ہے: (۱) گزشتہ سورۃ میں عبادت کے لئے انہیں دعوت دی گئی ہے تو اس سورۃ میں مشرکین کے ایک اشکال کا جواب ہے اشکال یہ تھا کہ ہم عبادت کرتے ہیں صدقہ وخیرات نماز، حج وغیرہ ادا کرتے ہیں تو جواب ہوا کہ وہ تکذیب دین یعنی ایمان اور توحید سے انکار کرنے پر سب ضائع ہو چکے ہیں۔ (۲) سابقہ سورۃ میں دنیا کی محبت پر زجر تھی تو اس سورۃ میں ان صفات پر زجر ہے جو دنیا کی حرص سے پیدا ہوتے ہیں۔ (۳) گزشتہ سورۃ میں دین کے خاص قسم کے دشمنوں کو زجر سنائی گئی تھی تو اس سورۃ میں ان عوام لوگوں کو زجر سنائی گئی ہیں جو دین حق کو جھٹلاتے پھرتے ہیں۔

سورۃ کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: جھٹلانے والوں کو ان کی بری صفات پر وعید سنائی گئی ہے۔

سورت کا خلاصہ: آیت 1 میں تکذیب بالدین پر زجر ہے پھر آیت 2، 3 میں اس کی وضاحت کی گئی ہے پھر آیت 4 میں فرمایا کہ یہ تو مکذب بھی ہے اور نمازی بھی ہے پھر آیت 5، 6 میں ایک اشکال کا جواب ہے کہ یہ تو صدقات بھی دیتے ہیں یعنی اس قسم کے لوگوں کی کل صفات قبیحہ 6 ذکر کی ہیں۔

تفسیر 1 "اَرَءَيْتَ": اس میں استفہام برائے مبالغہ ہے جو زیادت تعجب کے لئے ہے یعنی اتنے واضح دلائل کے بعد دین کی تکذیب تو انتہائی تعجب کی بات ہے یعنی ایسے شخص کے حال پر تعجب ہے یا اَرَءَيْتَ کا معنی یہ ہے هَلْ عَرَفْتَ: یہ خازن

نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے یعنی دین کو جھٹلانے والا کہتا ہے کہ میں تو دین مانتا ہوں تم دین کو نہیں مانتے ہو اسلئے کہ تم نے باپ دادا کے طریقے کو چھوڑ رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اس (تلبیس) دھوکا دینے والے سے متنبہ کیا ہے کہ کیا تم ایسے شخص کو نہیں جانتے ہو آؤ تمہیں بتادوں کہ اس کی صفات کیا ہیں۔ بِالدِّيْنِ: اس سے مراد دین اسلام قیامت کا حساب و کتاب جزاء سب مراد ہو سکتے ہیں یہ خطاب اَرَءَيْتَ: میں ہر سننے والے کے لئے ہے۔

تفسیر 2 (فا) شرط کے لئے جزاء محذوف ہے یعنی فَاِنْ لَمْ تَعْرِفْهُ۔ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ: (دَعٌّ) کسی کو جبرا اٹھانے کے لئے جھڑک لینے کے طور پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ باطل طریقہ پر یتیم کا مال کھالیتا ہے اور اس پر ظلم کرتا ہے میراث میں اس کو حصہ سے محروم کرتا ہے یہ دور جاہلیت کے اعمال تھے اور یہ بڑے عذاب کے لئے سبب ہیں جیسا کہ سورۃ نساء آیت 10 میں ذکر ہوا ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص ظالم ہے۔

تفسیر 3 " وَلَا يَحُضُّ: عام کرنے کے لئے اسکے مفعول کو محذوف کیا ہے یعنی دوسروں کو بھی ترغیب نہیں دیتا اور خود بھی نہیں کھلاتا ہے بلکہ خود بھی بخل سے کام لیتا ہے اور دوسروں کو بھی بخل کی تلقین کرتا ہے اس طرح سورۃ الحاقۃ آیت 34 سورۃ الفجر آیت 18 میں ذکر ہوا ہے طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ: مشرکین اپنے باطل معبودوں مجاوروں کو کھانے کھلاتے ہیں اور اس کو بڑا ثواب تصور کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنے سے انکار کرتے ہیں بلکہ مساکین کے کھانے سے مختلف بہانوں سے لیت و پیش کرتے ہیں جیسے سورۃ یٰسین آیت 47 میں اس صفت سے یہ بات حاصل ہے کہ یہ بخیل ہے۔

تفسیر 4 یہ مخفی سوال کا جواب ہے یعنی وہ نمازیں ادا کرتے ہیں تو انکو مُکَذِّب کیوں کہا جاتا ہے؟۔ جواب: ہوا ہے کہ ان کی نماز تو سبب ہلاکت ہے یہ نماز قابل تعریف نہیں ہے اسلئے کہ اس صلاۃ کے ساتھ مقیمین نہیں فرمایا ہے اور اس میں دلیل ہے کہ مشرکین مکہ نمازیں پڑھتے تھے جیسا کہ سورۃ انفال آیت 35 میں ہے۔

تفسیر 5 اس میں ویل کا سبب بیان ہوا ہے۔ سَاهُوْنَ: مراد غفلت ہے یہ غفلت مختلف طریقوں سے ہوتی ہے مثلاً نماز کو بالکل چھوڑ دینا ہے اول وقت پر ادا نہ کرنا ہمیشہ اول ست وقت چھوڑ کر ادا کرنا ہے تاخیر سے ادا کرنا ہے ارکان یعنی اعتدال وغیرہ کا خیال نہ کرنا نماز کی حقیقت یعنی معنی سے عقیدتاً و عملاً اعراض کرنا یعنی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھنے کے باوجود نماز سے فارغ ہو کر غیر اللہ کو پکارتے رہنا اور ان سے مدد طلب کرنا نماز میں جو الفاظ پڑھتے ہیں ان کے خلاف زندگی بسر کرتے ہیں یہ سب سَاهُوْنَ میں داخل ہیں امام ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ اگر کسی میں مذکورہ ساری صفات پائی جاتی ہیں تو آیت مکمل ان ہی کی طرف متوجہ ہے اور اگر ان میں سے کسی حصہ سے منسلک ہے تو وہ اسی حصے کا مخاطب ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ [illegible] سے عطاء بن ابی رباح سے نقل ہے کہ اللہ کے لئے تعریف ہے کہ اس نے عَنْ نہیں فرمایا کہ فِيْ صَلَاتِهِمْ

سَاهُوْنَ کیونکہ نماز میں سہوا غلطی نبی کریم ﷺ بھی کر لیتے تھے محدثین اور فقہا نے باب السہو فی الصلاۃ قائم کیا ہے یعنی نماز میں سہوا غلطی کرنا۔

تفسیر 6 اس میں بھی سبب ویل کا ذکر ہے۔ یُرَآءُوْنَ بعض لوگوں کے سامنے نمازی بنتے ہیں لیکن لوگوں کی نظروں سے غائب ہوں تو پھر نماز نہیں پڑھتے ہیں یا لوگوں کے سامنے طویل نمازیں پڑھتے ہیں لیکن جب لوگ نہ ہوں تو پھر تو نماز سے جلدی جلدی جان چھڑاتے ہیں یا صدقات میں ریاکاری کرتے ہیں جو کہ منافقین کی صفات میں سے ہے جیسا کہ سورۃ نساء آیت 38 میں ذکر ہوا ہے ریاکاری کو حدیث شریف میں شرک خفی قرار دیا گیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص ریاکار ہے البتہ فرض نماز کو نیت میں ریا آنے سے نہیں چھوڑنا چاہئے بلکہ اپنی نیت کی اصلاح کرنی چاہئے نیز اگر کوئی شخص خالص نیت سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کسی عمل میں مصروف ہوا اور لوگوں کو معلوم ہو جائے اور اسے اس پر خوشی حاصل ہو تو یہ ریا نہیں ہے جیسے ابن کثیر نے ابو یعلی کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے۔ ابن ماجہ کتاب الزھد حدیث 4221 ترمذی حدیث کتاب الزھد حدیث 2384 شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے السلسلۃ الضعیفہ 4344

تفسیر 7 یہ ان کی ریاکاری پر دلیل ہے کہ جب مَاعُوْنَ کو منع کرتے ہیں تو وہ صدقہ فی سبیل اللہ کس طرح کر سکیں گے بلکہ بطور ریا ہی کریں گے یہ ایک اور قبیح (بری) صفت ہے یعنی یہ انسان حریص ہے اور اپنی اس حرص کی وجہ سے لوگوں سے لاتعلق ہے اَلْمَاعُوْنَ: امام قرطبی نے اس کے بارہ معانی بیان کیے ہیں البتہ یہ لفظ ان تمام معنوں پر مشتمل ہے اصل مادہ اس کا (معن) ہے یعنی معمولی چیز یا (عون) سے لیا گیا ہے تو مدد کے اسباب کو کہتے ہیں اس میں پانی، آگ، ماچس، نمک، پانی پینے کے برتن گلاس مطلق نیکی کرنا، زکاۃ، دعوت حق، قرآن مجید کا درس یہ سب اس میں داخل ہیں ان صفات کا خلاصہ یہ ہوا کہ وہ انسان جو بخیل ظالم نجس ریاکار رشتے توڑ دینے والا یہ شخص دین کو جھٹلانے اور جزاء و سزا کا منکر ہے اگر یہ دین توحید کا ماننے والا ہوتا تو کبھی بھی یہ سب مجموعے کے طور پر یا بعض صفات اس میں نہ ہوتیں۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ برے صفات کا تذکرہ۔ ۲۔ مشرکین بھی نمازیں پڑھتے تھے۔

۳۔ قیامت جھٹلانے والوں کا تعین۔

سورۃ الماعون کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی فضل سے مکمل ہوئی۔

رکوعہا 1 　 ۱۰۸ سورۃ الکوثر مکیۃ ۱۵ 　 آیاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝ ع

یقیناً ہم نے آپکو بہت فائدے والی چیز عطاء کی ہے [1] للہذا خالص اپنے رب کے لئے نماز ادا کریں اور قربانی کریں [2] یقیناً آپ کا دشمن ہی بے خیر (جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے) [3]۔

سورۃ الکوثر اسکا دوسرا نام سورۃ نحر ہے۔

ربط: (۱) سابقہ سورۃ میں جن صفات والوں کو زجر دی گئی ہے اس کے برعکس صفتوں کو اختیار کرنے کا اس سورۃ میں حکم دیا گیا ہے۔ (۲) سابقہ سورۃ میں دین کے جھٹلانے والے کا ذکر ہوا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے تو اس سورۃ میں اسکے ابتر ہونے کی صفات کا ذکر ہے۔ (۳) چونکہ پہلی سورۃ میں مخالفین قرآن کا ذکر ہوا تو اب قرآن کی طرف دعوت دینے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ دشمنان قرآن مغلوب ہوجائیں اور اہل قرآن غالب ہوجائیں۔

سورۃ کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: اس میں دشمن کی مغلوبیت کے لئے تین امور کا ذکر ہوا ہے نیز اللہ تعالیٰ کا ایک نام (رب) اور ایک صفت فعلیہ ذکر ہوئی ہے۔

سورت کا خلاصہ: پہلے نعمت کوثر کا ذکر ہے جو کہ قرآن مجید ہے یہ دنیا میں ہدایت اور نعمت ہے اور آخرت میں اسکے ذریعے سے حوض کوثر حاصل ہوتا ہے اس ضمن میں قرآن کو بیان کرنے کا حکم ہے پھر قرآن کے مبلغ کے لئے دو صفتوں کا ذکر ہوا ہے اور اس میں شرک عبادت مالیہ اور بدنیہ کا رد ذکر کیا گیا ہے پھر اس کے نتیجہ کا ذکر ہے جو دشمن کی مغلوبیت ہے اور یہ بھی انعام باری تعالیٰ ہے فائدہ: یہاں سے سورۃ الناس تک قرآن والوں سے خطابات ہیں اور ان کے لئے آداب کا ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 1 اس میں ظاہراً انعام کا ذکر ہے لیکن ضمناً اس میں دعوت الی القرآن کا حکم ہے۔ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ: ہم نے آپ کو حوض کوثر دی ہے للہذا آپ اس کو لوگوں کے لئے بیان کریں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع التفسیر میں لکھا ہے کہ اس جملے میں آٹھ تاکیدات ہیں أَعْطَيْنَاكَ یہ عطیہ سے لیا گیا ہے وہ بخشش جو کسی بدلہ کے بغیر ہو۔ الْكَوْثَرَ یہ فَوْعَلَ کے

وزن پر ہے جو کثرت خیر کے معنی میں ہے عرب کے لوگ اس چیز کو جس کی قدر یا تعداد زیادہ ہو کوثر کہتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے اسکی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ کوثر وہ خیر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عطاء فرمایا ہے اور جنت میں جو نہر ہے وہ بھی اس خیر میں سے ہے امام قرطبی نے اس کے متعلق سولہ (16) اقوال نقل کیے ہیں حسن بصری اور عکرمہ سے منقول ہے کہ کوثر سے مراد قرآن اور نبوت ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4964 صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث 2301 کی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جنت میں نہر اور حوض ہے اور یہ حوض میدان محشر میں قیامت کے دن قائم ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے قرآن سے خیر و ہدایت حاصل کی تو وہ آخرت میں حوض کوثر سے سیراب ہوگا قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ان صحیح احادیث پر ایمان لانا فرض ہے اور ظاہر پر محمول ہیں اہل سنت والجماعت کا یہی موقف ہے اور اس میں تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر 2 اس میں اہل قرآن کے لئے آداب کا ذکر ہوا اور اس میں (فا) سببیہ ہے مطلب یہ ہے کہ کوثر دنیاوی نعمتوں کے لئے سبب ہے عبادت مالیہ اور بدنیہ رب کے لئے خاص کرو یعنی قرآن کی طرف دعوت دو یہ نعمت کا شکر ہے فَصَلِّ: اس میں پانچ نمازیں صلاۃ عید مزدلفہ کی نماز اور تمام نفلی نمازیں داخل ہیں لِرَبِّكَ: اس میں مشرکین پر تنقید ہے کہ نماز کے بعض حصوں یعنی رکوع قیام غیر اللہ کے لئے ادا کرتے ہیں سورج، چاند، ستاروں، بتوں، قبروں کے لئے سجدے و قیام کرتے ہیں لہذا آپ انکی مخالفت کریں وَانْحَرْ: اونٹوں کا نحر خواہ منی میں ہو یا غیر منی اوقات وایام میں وہ خالص رب کے لئے ادا کرو اس میں عطف کے سبب سے لِرَبِّكَ معنا مراد ہے مشرکین نذر و قربانی نحر وغیرہ غیر اللہ کے لئے کرتے ہیں یہاں مذکورہ اونٹوں کا ہے لیکن اس سے تمام مالی عبادات مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الانعام آیت 162 میں گزرا ہے اس بارے میں علی رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں امام ابن کثیر نے ذکر کی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ ہاتھ حالت نماز میں نحر کے نیچے رکھو ابن کثیر فرماتے ہیں یہ روایت درست نہیں ہے دوسری روایت میں ہے کہ اس سے مراد ہاتھوں کو سینہ تک نماز میں اٹھانا مراد ہے یعنی جب نماز شروع کرے اور جب رکوع میں جائے اور رکوع سے اٹھنے کے بعد سجدے میں جائے ابن کثیر نے اس روایت کو منکر جدا قرار دیا ہے اور امام ابن جوزی نے موضوعات میں اس کو نقل کیا امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس آیت میں آٹھ تاکیدات ذکر کی ہیں بدائع التفسیر میں اسی طرح علامہ شربینی نے بھی ذکر کیا ہے۔

تفسیر 3 یہ ماقبل کے لئے نتیجہ ہے اسلئے حرف عطف نہیں لایا یعنی آپ کی دعوت الی القرآن اور اخلاص اور عبادت مالیہ

اور بدنیہ سے آپ کا دشمن ابتر ہوگا۔ شَانِئَكَ: بغض اور کینہ رکھنے کو شَانِئٌ کہتے ہیں اور اس کا نام ذکر نہیں کیا ہے اسلئے کہ یہ صفات جس میں بھی ہوں اس کے لئے عام ہوجائیں اس سے مراد نبی کے ساتھ یا قرآن وسنت کے ساتھ اور ہدایت کے ساتھ بغض رکھنے والا ہے کیونکہ نبی کی ذات کے ساتھ ان لوگوں کا بغض نہیں تھا بلکہ اس کے لائی ہوئی ہدایت سے انہوں نے بغض رکھا تھا۔ هُوَ الْأَبْتَرُ: (هُوَ) ضمیر فصل اور خبر معرفہ لانے میں حصر کی دلیل ہے لہٰذا اس میں اشارہ ہے کہ ابتریت اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو نبی کے ساتھ قرآن وسنت یعنی حق وہدایت کے ساتھ بغض رکھتا ہو البتہ قرآن والے ابتریت سے پاک ہیں اسلئے کہ ان کا تذکرہ یعنی ان کے شاگرد در شاگرد تا قیامت جاری رہیں گے ان کے لئے دعا اور ان کا ذکر خیر جاری ہوگا۔ الْأَبْتَرُ: کاٹ لینے کو عربی لغت میں ابتر کہتے ہیں انسانوں میں اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو بے اولاد ہوتا ہے اور حیوانوں میں دم کٹے کو کہتے ہیں دیگر امور میں اس شخص کو کہتے ہیں جو خیر سے خالی ہو الف لام سے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ کامل ابتر ہے امام آلوسی رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ہر خیر سے ابتر ہوگا اہل ومال سے ابتر ہوگا یعنی اسکو فائدہ نہیں دے سکیں گے اس کی زندگی ابتر ہوگی اس میں آخرت کے لئے کوئی فائدہ جمع نہیں کرسکے گا، دل اسکا ابتر ہوگا کیونکہ اس میں ایمان نہیں ٹھہر سکے گا، اعمال اسکے ابتر ہونگے اسلئے کہ اس کو کسی عمل پر اجر نہیں ملے گا، ساتھیوں کے اعتبار سے ابتر ہوگا اسلئے کہ اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، تمام عبادتوں سے محروم ہوگا، لذتِ عبادت اس کو حاصل نہیں ہوگی اگرچہ ظاہر میں عبادت بجالائے گا اور یہ سزا اس شخص کی ہے جو پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت، عقائد واعمال سے اعراض کرتا ہو جو کوئی اللہ تعالیٰ کی صفت کی آیتوں کی تاویل کرتا ہے صحیح عقیدہ رکھنے والے سلفی سے نفرت کرتا ہے کیونکہ وہ فاسد تاویلات کے بجائے اس سے استدلال کرتا ہے اسی طرح وہ صوفیاء لوگ سرود اور رقص کی مجالس قائم کرتے ہیں جبکہ قرآن سننے کی سکت نہیں رکھتے اسی وجہ سے وہ لوگ جو قرآن کے علم پر دیگر دنیوی فنون اور علوم کو ترجیح دیتے ہیں لوگوں کے قصے اور کہانیاں قرآن پر مقدم کرتے ہیں یہ سب ابتر میں داخل وشامل ہیں۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ خوشخبریوں اور دو حکموں کا ذکر۔

۲۔ کوثر کا ذکر جو دنیا میں قرآن اور آخرت میں حوض کوثر ہے۔

سورۃ کوثر کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوگئی

آیاتھا ۶ | ۱۰۹ سورۃ الکافرون مکیۃ ۱۸ | رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خاص اللہ تعالی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ
مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ۚ ع

آپ فرمادیجئے اے کافرو[1] میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو[2] اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں[3] اور نہ میں اس طریقہ پر بندگی کرنے والا ہوں جس طریقہ پر تم بندگی کرتے ہو[4] اور تم بھی اس طریقہ پر بندگی کرنے والے نہیں ہو جس طریقہ پر میں بندگی کرتا ہوں[5] تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے[6]۔

سورۃ الکافرون اس کو سورۃ مُقَشْقِشَةٌ یعنی براءت کی سورۃ کہتے ہیں اور سورۃ العِبَادَةِ اور سورۃ اخلاص کہتے ہیں۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ اسکا ربط تین وجوہات سے ہے: (۱) گذشتہ سورۃ میں شانی دشمن کے حال کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں براءت کا ذکر ہے۔ (۲) گزشتہ سورۃ میں توحید کو فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ میں ذکر کیا تھا تو اس سورۃ میں توحید کی تکمیل کے لئے ان سے براءت کا ذکر ہے۔ (۳) اس سورۃ میں دشمن کی ابتریت کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں براءت کا طریقہ ذکر کیا ہے۔

سورت کا دعوی یعنی بنیادی مضمون: تمام کافروں سے براءت کا اظہار ذکر ہوا ہے۔

سورت کا خلاصہ: اظہار براءت کا حکم ہے اور کافروں سے جدائی عبادت کے اعتبار سے مسنون طریقہ میں بھی اور تمام ادیان سے بے زاری کا اعلان اور اظہار کا حکم ہے۔

تفسیر 1 قُلۡ: اس امر میں دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پیروی کرنے والوں پر براءت فرض ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ: اسم فاعل میں اشارہ ہے کہ براءت ان لوگوں سے ہے جو ہمیشہ کفر پر قائم ہوں۔ الۡكٰفِرُوۡنَ: عام ہے جس میں کفر کرنے والوں کی تمام قسمیں شامل ہیں یہود، نصاریٰ، مجوس، مشرکین، خاتم النبیین کے منکر، قیامت کے منکر، رسول کی اتباع کے منکر، قرآن کے منکر۔ الۡمُشۡرِكُوۡنَ نہیں فرمایا وجہ یہ ہے کہ الۡكٰفِرُوۡنَ میں عمومیت ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ

عرب کے لوگ لفظ کفر پر تپش میں آتے تھے جبکہ شرک کی پروا نہیں کرتے تھے۔

تفسیر 2 نفی میں حرف (لا) استعمال کیا ہے، یہ ہے کہ نفی بِلَنْ مستقبل کے ساتھ خاص ہے اور نفی (بلام) تمام زمانوں کے لئے مستعمل ہے۔ لَا اَعْبُدُ: اس سے عبادت کی تمام قسمیں مراد ہیں یعنی قلبی، مالی، بدنی۔ مَا تَعْبُدُوْنَ: امام شعرانی نے سیبویہ سے نقل کیا ہے کہ حرف (مَا) ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کے لئے مشترک ہے لفظ (مَنْ) کے ساتھ اسلئے تعبیر نہیں کی ہے کہ مشرکین کے معبودوں میں غیر عاقل اور عاقل سب موجود تھے جبکہ غیر عاقل ان میں زیادہ تھے لیکن لفظ مشترک ذکر کیا ہے جبکہ جمہور نحویوں کے نزدیک غیر ذوی العقول کو بطور تغلیب ذکر کیا ہے یعنی ذوی العقول پر غیر ذوی العقول کو غالب رکھا ہے۔

تفسیر 3 یہ نفی کافروں کی جانب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی تعبیر حرف (مَا) سے کی ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ ذات الٰہی سے منکر نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل نہیں تھے۔ سوال: مشرکین تو اللہ تعالیٰ کے لئے بعض عبادتیں بجالاتے ہیں جیسے گزر چکا ہے تو یہاں ان کی تمام عبادتوں کی مطلق نفی کیوں کی گئی ہے؟ جواب: عبادت سے مراد توحید پر بنا عبادت مراد ہے اور توحید پر بنا عبادت تو ان کی نہیں ہے لہٰذا ان کی تمام عبادت کالعدم ہے۔

تفسیر 4 اس میں دوبارہ براءت کا ذکر ہے اس میں نبی کریم ﷺ اور تمام مومنین کی جانب سے اسم فاعل کے ساتھ براءت ذکر کی ہے۔

تفسیر 5 یہ نفی مشرکین کی جانب سے ہے ان دونوں جملوں میں (مَا) وصفیہ برائے کیفیت بیان ہے یعنی توحید و سنت کی کیفیت شرک اور بدعت کی کیفیت مقصود ہے۔

تفسیر 6 اس میں ماقبل کا نتیجہ ذکر ہوا ہے جس طرح کسی چیز کو دو بندوں کے درمیان ادا کیا جائے اور کہا جائے کہ یہ تیرا حصہ ہے اور یہ میرا حصہ ہے۔ سوال: مشرکین کے طریقہ کو کیوں دین کہا گیا ہے؟ جواب: یہ ان کے خیال اور گمان کے طور پر کیا گیا ہے یا دین کا معنیٰ اعمال کی جزاء وحساب ہے۔ فائدہ: دونوں کی جانب عبادت کی نفی کے لئے دو جملے ذکر کئے ہیں امام فراء اور طیبی کا قول ہے کہ یہ برائے تاکید ہے یعنی تیسرا جملہ پہلے جملے کے لئے تاکید ہے اور چوتھا جملہ دوسرے جملہ کے لئے برائے تاکید ہے زمخشری کا قول ہے کہ پہلا اور دوسرا جملہ زمانہ مستقبل کی نفی کے لئے ہے جبکہ تیسرا اور چوتھا جملہ ماضی کی نفی کے لئے ہے مفسر ابوحیان کا قول ہے کہ پہلا اور دوسرا مستقبل کی نفی کے لئے ہے اور تیسرا حال کی نفی کے لئے ہے مفسر زجاج کا قول اس کے برعکس ہے کہ پہلا اور دوسرا جملہ حال اور آخری دونوں مستقبل کی نفی کے لئے ہیں کے لئے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ پہلے دونوں جملوں میں فعل یعنی عبادت کی نفی ہے اور آخری دونوں میں کلی طور پر

قبولیت کی نفی ہے ابو مسلم اصفہانی کا قول ہے کہ پہلے دونوں جملوں میں معبودیت کی نفی مراد ہے کیونکہ (مَا) سے ذات مراد ہے اور آخری دونوں میں (مَا) وصفیہ ہے لہٰذا ان جملوں میں کیفیت کی نفی مراد ہے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں جماعتوں کا امتیاز مقصود ہے یعنی ایمان والوں کا معبود صرف ایک یعنی اللہ تعالیٰ ہے اور مشرکین اور کافروں کا معبود غیر اللہ ہے دوسرا فرق طریقہ اور کیفیت کے اعتبار سے ہے یعنی موحدین کی عبادت کا طریقہ شرعی ہے جو وحی پر بنا ہے اور مشرکین اور کفار کا طریقہ ھویٰ، ظن اور آباؤ اجداد کے طریقوں کی اتباع ہے تمام اقوال میں سے یہ بہتر قول ہے۔ فائدہ ۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس اور ذات کی طرف سے جو خبر دی گئی ہے وہ پہلے صیغہ مستقبل سے ہے پھر فعل ماضی کے ساتھ ہے اس میں وجہ اور سبب یہ ہے کہ مشرکین تو معبود کو بدلتے رہتے جبکہ موحدین کا تو ایک ہی مستقل معبود ہے۔ فائدہ ۳: مشرکین کی جانب سے صرف اسم فاعل سے نفی کی ہے جبکہ موحدین کی جانب سے پہلی نفی صیغہ فعل سے اور دوسری نفی اسم فاعل کے ذریعے سے کی ہے اس میں حکمت اور سبب یہ ہے کہ موحدین کی جانب میں غیر اللہ کی عبادت کی نفی فعل کے طریقہ پر ذکر کی ہے اور وصفیت کے طریقے پر بھی ہے یعنی نہ تو ہم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی یہ ہماری صفت ہے جبکہ مشرکین سے وصفیت کی نفی کی گئی ہے جس سے فعل کی نفی لازم آتی ہے۔ فائدہ ۴: توحید نفی اور اثبات کے طریقہ سے ثابت کی جاتی ہے جبکہ سورۃ میں صرف نفی پر اکتفاء کر لیا ہے وجہ یہ ہے کہ یہ سورۃ براءت پر قائم ہے اور براءت میں نفی ہی کافی ہوتی ہے اور یہ بھی سبب ہے کہ اس میں اثبات بھی سنبھالا گیا ہے جیسے دو مرتبہ فرمایا مَا أَعْبُدُ: تو پہلے نفی کی گئی جو اصل مقصود ہے اور پھر اثبات ہوا ہے۔ فائدہ ۵: بعض مفسرین کا قول ہے کہ قتال کی آیتوں سے یہ جملے منسوخ ہیں کہ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ، امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس قول کو غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس آیت میں یہ مقصد نہیں ہے کہ مشرکین اپنے دین پر قائم رہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہم تمہارے دین کی پیروی نہیں کرتے ہیں وہ تمہارے لئے خاص ہے جس طرح تم ہمارے دین کی پیروی نہیں کرتے وہ ہمارے لئے خاص ہے نیز یہ براءت کا طریقہ ہے ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس طرح کلمات متبعین سنت اور مبتدعین یعنی ھویٰ پرست لوگوں کے درمیان بولے جائیں اگرچہ مبتدعین کا بدعت پر قرار مراد نہیں ہوتا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ ہر کافر سے براءت کا تذکرہ۔ ۲۔ امتیاز کا دارومدار معبود اور طریقہ عبادت پر ہے۔

(سورۃ کافرون کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی)

آیاتہا ۳ — ۱۱۰ سُورَۃُ النَّصرِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۴ — رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

"جب اللہ تعالی کی مدد اور کامیابی آجائے[1] اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج در فوج اللہ تعالی کے دین میں داخل ہو رہے ہیں [2] تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرو[3]۔

سورۃ النصر اس کو سورۃ التودیع اور سورۃ اذا جاء بھی کہا جاتا ہے۔

سابقہ سورۃ سے کا ربط تین طرح سے ہے: (۱) سابقہ سورۃ میں مشرکین سے براءت کا ذکر ہوا تو اس سورۃ میں اس براءت کرنے الوں کے لئے خوشخبری کا تذکرہ ہے۔ (۲) سابقہ سورۃ میں حکم تھا نفی کے طور پر تو اس سورۃ میں تحمید اور استغفار کا حکم ہوا ہے۔ (۳) گزشتہ سورۃ میں براءت کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں اس کی علت ذکر ہوئی ہے کہ وہ مشرکین کے دین کے لئے مغلوبیت اور دین اسلام کے غلبے کا سبب ہے۔

سورۃ کا دعوی یعنی بنیادی مضمون: دنیوی بشارت ہے اور اللہ تعالی کے دو ناموں کا ذکر ہوا ہے (اللہ، رب) اور توحید کا دعوی آیت 3 میں مذکور ہے۔

سورت کا خلاصہ: نصرت اور فتح کی خوش خبری آیت 1 میں ذکر ہوئی ہے پھر آیت 2 میں ساتھیوں کی کثرت پر خوشخبری دی ہے پھر حمد استغفار اور تسبیح کا حکم دیا ہے آیت 3 میں جو نعمتوں کے شکریہ کے طور پر ہے۔

تفسیر 1 اس آیت میں دو چیزوں کی خوشخبری ہے اِذَا: زمانہ مستقبل کے لئے مستعمل ہے لہذا پھر جَآءَ یجیئ کے معنی میں ہے اس میں نصرت اور فتح آنے سے پہلے خوشخبری ہے اور مفسر آلوسی نے ماتریدی سے نقل کیا ہے کہ یہ اِذَا اِذْ کے معنی میں ہے جو ماضی کے لئے ہے لہذا پھر جَآءَ اپنے معنی پر ہے اور امام قرطبی نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ اِذَا قَدْ کی معنی میں ہے۔ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ: ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نَصۡرَ سے مراد ساتھی سامان جنگ اسلحہ وغیرہ اور زندگی گزارنے کی ضروری

چیزیں اور جہاد کے لئے سامان وغیرہ فَتْحُ سے دشمن پر غلبہ دعوت اور جہاد کے لئے دروازوں کا کھل جانا وغیرہ مراد ہے مفسرین کے قول اس سے فتح مکہ مراد ہے تو سوال یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم کتاب الصلوۃ حدیث 484 میں روایت نقل کی ہے کہ یہ سورۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے جواب اس بناء پر اِذَا بمعنی اِذْ یا قَدْ کے ہے صحیح قول یہ ہے کہ نصر سے مراد مطلق نصرت ہے جو من جانب اللہ ہوتی ہے اور فتح سے مختلف بستیوں کی فتح ہے لہٰذا اِذَا اپنے معنی پر ہے اور جَآءَ مستقبل کے معنی میں ہے۔

تفسیر 2 اس میں تیسری خوشخبری کا ذکر ہے یعنی پہلے لوگ اسلام میں تھوڑے داخل ہو رہے تھے لیکن فتح اور غلبہ اسلام کے بعد گروہ در گروہ داخل ہوں گے اور فتح مکہ کے بعد ایسا ہی ہوا۔ وَرَاَيْتَ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے دیکھنے والوں سے خطاب ہے دیکھنے سے (وَرَاَيْتَ) بصری اور قلبی دونوں مراد ہیں جو علم کے معنی میں ہے فائدہ: اذا کا جواب مقدر ہے یعنی فَذَالِكَ أَجَلُكَ یہ بخاری کی حدیث پر بنا ہے جس میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ منقول ہے کہ انہوں نے اس سورۃ کے متعلق صحابہ کرام سے سوال کیا تو بعض صحابہ کرام نے فرمایا کہ ہمیں تسبیح پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جب فتح و نصرت حاصل ہو جائے تو تسبیح و استغفار لازم اختیار کرو بعض صحابہ سکوت اختیار کرتے ہوئے خاموش ہو گئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ اس میں نبی کے اجل یعنی موت کی خبر ہے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اس قول کی تائید کی اس سورۃ کو اس لئے تودیع کہا گیا ہے کہ اس میں نبی کی دنیا سے رخصتی کی طرف اشارہ ہے صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4970

تفسیر 3 عام مفسرین کے نزدیک یہ اِذَا کا جواب ہے ان نعمتوں کے شکر میں تسبیح اور استغفار ادا کرتے رہیں یا پھر اِذَا کے جواب پر معطوف ہے جو مخفی ہے یعنی جب آپ کی موت اجل قریب ہے تو آپ اپنے آپ کو تسبیح میں مشغول رکھیں یہ تین حکموں کے مقابل تین انعام ہیں تسبیح، حمد، اور استغفار تسبیح تنزیہ ہے بر اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے جس سے اس کی پاکی ثابت ہوتی ہو ہر قسم عیب سے منزہ اور نقصان سے خالی اور پاک ہو یعنی عقیدہ کے اعتبار سے اور عمل کے اعتبار سے ہو اور اس کی دعوت بھی دیتا ہو۔ لفظ فَسَبِّحْ ان تمام کے لئے مستعمل ہے اور اس میں صفات سلبیہ کی طرف اشارہ ہے اور میرے شمار کے مطابق قرآن مجید میں یہ صفات پندرہ (۱۵) ہیں مثلاً اس کا شریک نہیں ہے مماثل، مشابہت، ولد، والد، بیوی، جنی، عجز، جہل، غفلت، نیند، تھکاوٹ، بخل، فنا، مرض وغیرہ ان تمام عیوب سے اللہ تعالیٰ کے پاک ہونے کا عقیدہ رکھنا ہے یہ تسبیح ہے۔ بِحَمْدِ رَبِّكَ: سے الوہیت کی صفات ثبوتیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ اور اسماء حسنیٰ قرآن کریم میں کثرت سے

وارد ہیں مذکورہ صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے طریقے پر ثابت کرنا ہے جس میں تاویل تشبیہ تحریف نہ ہو یہ مجموعہ اللہ تعالیٰ کی کامل توحید ہے بِحَمْدِ (با) ملابست کے لئے یعنی تسبیح کے ساتھ حمد بھی ہے اس ترتیب میں بہت فائدے ہیں (۱) اس میں معتزلہ جہمیہ وغیرہ کا رد ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ کے لئے صفات کمال نہیں مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے تنزیہ ثابت کرتے ہیں۔ (۲) نقصانات سے تنزیہ صرف الوہیت نہیں ہے جبکہ اس کے ساتھ صفات ثبوتیہ نہ ہوں (۳) انسان پر زندگی میں دو قسم کی حالتیں آتی ہیں (۱) بیماری تکالیف، مصائب نقصانات کمزوری وغیرہ تو اس وقت تسبیح پڑھنی چاہیے (۲) دوسرا حال نعمتوں میں ترقی اور غلبہ وغیرہ تو اس وقت حمد پڑھنی ضروری ہے چونکہ انسان ان دونوں حالتوں سے خالی نہیں ہوتا لہٰذا انسان کو چاہئے کہ ہر وقت اپنی زبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھے تسبیح تحمید پڑھتا رہے اور غفلت سے بچتا رہے۔ وَاسْتَغْفِرْهُ: سوال: چونکہ یہ خطاب تو نبی کریم ﷺ سے ہو رہا ہے اور وہ تو گناہوں سے پاک ہے تو پھر استغفار وغیرہ کا کیا فائدہ ہے؟ جواب ۱: نبی کریم ﷺ ہر وقت عبادت اور منازل کی ترقی طے کرتے تھے تو ہر کم درجہ سے بلندی کی طرف استغفار کے ذریعے سے ترقی ہوتی ہے۔ جواب ۲: یہ امت کی عمومیت کے لئے ہے۔ جواب ۳: جو بہتر اور زیادہ صحیح جواب ہے کہ استغفار صرف گناہوں پر نہیں ہوتا ہے بلکہ درجات کی بلندی کے لئے بھی استغفار کیا جاتا ہے لہٰذا بندگی کا حق ادا کرتے ہوئے گناہوں سے عصمت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ثناء و توصیف کی شان نہیں بیان کر سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت اعلیٰ، اکبر و اجل ہے پیارے نبی ﷺ نے اس کا اظہار اس انداز سے کیا ہے کہ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ (صحيح مسلم حديث كتاب الصلوٰة حديث 486) اس میں پیغمبر نے عبادت کی عاجزی پر اظہار کیا ہے کہ میں تیری ذات پر ثنا پڑھنے کا حق ادا نہیں کر سکتا ہوں تو نے جو بھی تعریف و توصیف اپنی ذات کے لئے بیان کی ہے تو اسی کا حقدار ہے۔ فائدہ: صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ اس سورۃ کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ رکوع وسجدہ میں اس طرح پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ (صحيح بخاري كتاب الاذان حديث 794 صحيح مسلم كتاب الصلوٰة حديث 484) ہمیں بھی ان کلمات پر عمل کرنا چاہئے ایک اور روایت میں اس سورۃ کے نزول کے بعد ہر آن اٹھتے بیٹھتے یہ الفاظ پڑھتے تھے۔ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا: كَانَ ہمیشگی اور ثبات کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اسم صفت اور دیگر اسماء حسنیٰ ازلی ابدی ہیں۔ سوال: استغفرہ کے ساتھ تو مناسب یہ تھا کہ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا جملہ آتا؟ جواب ۱: اس میں اشارہ ہے کہ استغفار کا فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کے ساتھ توبہ بھی شامل ہو اسلئے نبی کریم ﷺ

کی دعاؤں میں أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْهِ آیا ہے اور سورۃ ہود آیت 3، 52 میں دونوں کا ذکر ہوا ہے۔

جواب ۲: تَوَّابٌ: میں استغفار کے انعام کی طرف اشارہ ہے یعنی مغفرت طلب کرنے سے تو مغفرت ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہو، بار بار رحمت کرنے سے بھی انعام کی کثرت حاصل ہوتی ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ دنیاوی خاص بشارت کا ذکر۔ ۲۔ نصر الٰہی کے آنے پر حمد وثناء و استغفار پڑھتے رہنا چاہیے۔

الحمد للہ! سورۃ نصر کی تفسیر مکمل ہوئی۔

ایاتھا ۵ | ۱۱۱ سورۃ اللھب مکیۃ ۶ | رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

"ابولہب کے دونوں ہاتھ برباد ہوئے اور خود بھی ہلاک ہوا[1] اس کی دولت اور اس نے جو بھی کمائی کی تھی وہ اس کی کچھ کام نہیں آئی[2] وہ بھڑکتے شعلوں والی آگ میں عنقریب داخل ہوگا[3] اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے[4] اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہے[5]۔

سورۃ لہب کا دوسرا نام مسد اور سورۃ تبت بھی ہے۔

ربط: سابقہ سورۃ سے ربط کئی طرح ہیں: (۱) سابقہ سورۃ میں خوشخبریوں کا تذکرہ ہوا تو اس پر سوال پیدا ہوا کہ ابھی تو اس طرح کے بڑے دشمن زندہ ہیں جو دین سے منع کرتے رہتے ہیں تو یہ بشارت پورا فائدہ نہیں دیتی تو اس سورت میں ایسے دشمن کی ہلاکت کی بشارت ہے تاکہ یہ رکاوٹ زائل ہوجائے تو لوگ دین اسلام میں آسانی سے داخل ہوں گے۔ (۲) اس میں بشارت کے بعد (تخویف) ذکر ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اکثر بشارت اور تخویف ایک دوسرے کے بعد ذکر ہوتے ہیں۔ (۳) سابقہ سورۃ میں استغفار، تسبیح اور حمد کا ذکر ہوا تو اس سورۃ میں اس کا نتیجہ نکل آیا کہ آپ کا دشمن ہلاک ہوگا۔

سورۃ کا بنیادی مضمون: تخویف دنیاوی و اخروی ہے جس میں بطور مثال ابولہب کو ذکر کیا ہے۔

سورت کا خلاصہ: آیت میں تخویف دنیاوی ہے پھر اس بات کا ذکر ہے کہ مال و دولت سے عذاب الٰہی نہیں ٹل سکتا ہے 2 پھر تخویف اُخروی ہے آدمی اور اس کی بیوی کے لئے آیت 3 میں پھر ان برے حالات کا ذکر ہے جو ان کے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔

تفسیر [1] "تَبَّتْ" یہ تباب سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے ہلاکت، قطع، یعنی کٹا ہوا اور ہمیشہ کے نقصان و خسارے میں یہاں ہلاکت اور ہر خیر سے خالی ہونے کے معنیٰ میں ہے نیز یہ لفظ بددعا کی صورت میں ہے۔ یَدَا: ان ہاتھوں سے اس نے امام الانبیاء پر پتھر برسائے تھے جیسا کہ طارق محاربی کی روایت میں ہے جسے تفسیر روح المعانی اور قرطبی نے نقل کیا ہے قرآن حدیث اور عربیت کا قانون یہ ہے کہ جس عضو سے جرم صادر ہوجائے تو اسکی طرف نسبت ہوتی ہے اور اس کی بہت سی

مثالیں ہیں ان لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے تعبیر اسلئے کی کہ ابولہب نے بھی نبی کریم ﷺ کو اس طرح کہا تھا کہ تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور ہمیشہ ہلاک ہو جائے سارا دن تو نے ہمیں اس کے لئے جمع کر رکھا تھا یہ روایت تفصیلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے طارق المحاربی کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ میں ذوالمجاز کے بازار میں یہ ماجرا دیکھ رہا تھا کہ ایک شخص نوعمر یہ کہتا جا رہا ہے کہ لوگو اس بات کا اقرار کرو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو تم کامیاب ہو جاؤ گے جبکہ اس کے پیچھے ایک اور شخص تھا جو انہیں پتھروں سے مار رہا تھا اور کہتے جا رہا تھا کہ یہ کذاب ہے اور ان کے پاؤں کو خون آلودہ کیا تھا اور یہ لوگوں کو منع کر رہا تھا کہ اس شخص کی بات مت مانو طارق کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ محمد ﷺ ہے اور یہ پیچھے ان کے چچا ابولہب ہے جو لوگوں کو ان کی بات ماننے سے منع کرتے ہوئے انہیں کذاب کہہ رہا تھا، صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4972 و مسلم مسند احمد اور ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ اپنے رشتہ داروں کو ڈرا دیجئے تو نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے اور لوگوں کو بلانے لگے یا بنی فہر یا بنی عدی یہ قریش کے خاندان ہیں یہاں تک کہ لوگ جمع ہو گئے جو کوئی خود نہیں آ سکتا تھا تو اپنے قاصد کو روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ دیکھے کہ کیا ماجرا ہے؟ ابولہب اور قریش کے لوگ جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے مخاطب ہو کر فرمایا اگر میں تمہیں اس بات کی خبر دوں کہ اس وادی کے پیچھے گھوڑسوار لشکر تمہیں روندھنے کے لئے تیار آ رہا ہے تو تم میری بات کو مان لو گے؟ سب نے کہا جی ہاں ہم نے آپ پر جب بھی امتحان کیا تو آپ کو سچا پایا آپ فرمانے لگے مسئلہ توحید کے متعلق میں تمہیں سخت عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں تو ابولہب نے کہا تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا أبی لھب یہ ان کی کنیت ہے اصل نام اس کا عبد العزیٰ بن عبد المطلب تھا اور یہ نبی کریم ﷺ کا چچا تھا اسم کنیت ذکر کرنے میں بہت وجوہات ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ کہ اس کنیت سے بہت مشہور تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کا چہرہ بہت لال تھا آگ کے شعلے کی طرح تیسری وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مشرکانہ نام قرآن میں ذکر کرنا نہیں چاہتے تھے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ لفظ ابو کسی چیز کے لزوم کے لئے آتا ہے تو اس لفظ میں کنایہ کے طور پر اشارہ ہے کہ یہ شخص مستقل جہنمی ہے۔ سوال: نبی کریم ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں تو اور بھی بہت سے دشمنان دین تھے تو ان کا تذکرہ کیوں نہیں ہوا خصوصاً اس کا ذکر کیوں ہوا جواب ۱: سخت دشمن وہ ہوتا ہے جو انسان کے کام میں رکاوٹ پیدا کرے اور یہ کام ابولہب نے اختیار کر رکھا تھا کہ ہر جگہ دعوت نبوی روکنے کے درپے تھا جیسے گزر رہا ہے۔ جواب ۲: اس کی تخصیص میں خاص

صفات کی طرف اشارہ ہے جو دوسرے دشمنوں میں نہیں تھیں یعنی قریشی ہاشمی، امارخوبصورت شکل والا، اولاد والا اس کی بیوی بھی تابع تھی اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ یہ صفتیں ایک انسان میں ہوں تو وہ دنیا والوں کے نزدیک بہت عزت مند اور اشرف ہوتا ہے لیکن جب وہ مخالفت نبوی پر اتر آئے تو اس کی عاقبت ہلاکت وتباہی میں تبدیل ہوگئی۔ وَّ تَبَّ: پہلے ہاتھوں کی ہلاکت کا ذکر تھا اس لفظ میں سارے بدن کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ امام فراء بغوی کا قول ہے کہ پہلا لفظ دعا ہے اور یہ بطور خبر ہے اور اس کو جب بطور خبر مانا جائے تو یہ اس کی ہلاکت کے بعد نازل ہوا ہے یہ قول ظاہر پر محمول ہے یا فعل ماضی سے یقین کے لئے ذکر کیا ہے اس کی ہلاکت کا واقعہ امام قرطبی نے ابورافع سے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا غلام تھا نقل کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ جنگ بدر کے سات دن بعد ابولہب پر چیچک (عدسہ) کی بیماری آئی جس سے وہ مرا تھا پھر تین دن تک اس کی لاش گھر میں پڑی رہی اس کی اولاد بھی دفنانے کے لئے ڈر کے مارے تیار نہیں تھی کہ یہ بیماری ہمیں منتقل نہ ہو جائے آخر کار بدبو چھوڑ دینے کے بعد اس کی لاش کو دور پھینکا گیا یعنی اس کو دیہاتیوں کے ذریعے سے مکہ کی اوپر والی جانب لے جا کر ایک دیوار کی طرف کھڑا کر کے کنکریوں میں چھپایا گیا (العیاذ باللہ)۔

تفسیر 2 مَا نافیہ یا پھر استفہامیہ ہے مَآ اَغْنٰی عَنْهُ: اَغْنٰی دفع کرنے کے معنی میں ہے یعنی عذاب ٹال نہیں سکتا ہے اس معنی کے لئے نکرتی قرینہ ہے مَالُهٗ: اس میں اشارہ ہے کہ وہ مالدار تھا اَغْنَا کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ مالداری کی وجہ سے اسکا لحاظ کیا جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ مال فدیہ میں دے کر عذاب سے جان چھڑائے ان دونوں قسموں کی یہاں نفی ہوئی ہے۔

وَ مَا كَسَبَ: یہ مَالُهٗ پر معطوف ہے اور (مَا) موصولہ ہے یا مصدریہ ہے اور یہ احتمال ہے کہ مَآ اَغْنٰی پر معطوف ہو تو پھر (مَا) نافیہ یا استفہامیہ ہوسکتا ہے۔ نیز وَمَا كَسَبَ عام ہے اولاد بھی اس میں شامل ہے ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ اولاد بھی انسان کے کسب میں سے ہے اس طرح اسکا مرتبہ، پیروکار اور تدبیر جو مخالفت رسول میں بنائی تھی وہ مال جو تجارت سے کمایا ہے وہ اعمال جو اپنے گمان میں اچھا تصور کرتا تھا اس نے نبی کریم ﷺ کی پیدائش کی خوشی میں ثویبہ نامی لونڈی کو آزاد کیا تھا یہ بھی كَسَبَ تھے، للہذا اس حکم میں یہ سب چیزیں شامل ہیں اور یہ حکم سارے کفار اور مشرکین کے لئے ہے صرف کسب سے متعلق جو (عدم اغنا) آیا ہے کہ وہ فائدہ نہیں دے سکتا وہ سورۃ حجر آیت 84 سورۃ زمر آیت 50 سورۃ غافر آیت 82 سورۃ جاثیہ آیت 10 سورۃ مجادلہ آیت 17 سورۃ اللیل آیت 11 میں ہے۔

تفسیر 3 اس میں خوف آخرت کا ذکر ہے سَيَصْلٰى: اس میں "س" مستقبل قریب کے لئے ہے اسلئے کہ عذاب آخرت

کا قریب ہے یا پھر برائے تاکید ہے کَارًا: نکرہ ذکر کرنے میں آگ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے یعنی جہنم کی آگ بہت بڑی ہے
ذَاتَ لَهَبٍ: لفظ ذات مصاحبت پر دلیل ہے یعنی اس آگ میں ہر وقت شعلے ہونگے نہ تو وہ ٹھنڈی ہوگی اور نہ ہی بجھے گی۔

تفسیر 4 اس آیت میں ابولہب کی بیوی کی قباحت بیان کی ہے تاکہ ابولہب کی کامل برائی بیان ہو جائے یعنی اس برائی میں میاں بیوی دونوں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی اور اس خباثت میں دونوں برابر تھے لہذا وہ دونوں عذاب میں بھی برابر ہوں گے وَّ امْرَاَتُهٗ: یہ ضمیر فاعل مستتر پر عطف ہے جو سَیَصْلٰی میں واقع ہے اور اِمْرَءَۃٌ کے لفظ میں ابولہب کی توہین مقصود ہے گویا کہ زوجہ نہیں تھی کافر عورت تھی اسکا نام مفسرین نے ام جمیل بنت حرب لکھا ہے مفسر ابوحیان نے لکھا ہے کہ وہ ایک آنکھ سے اندھی تھی حَمَّالَةَ الْحَطَبِ: یہ منصوب بنا بر ذم ہے یعنی أَخُصُّ بِالذَّمِّ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے حَمَّالَةَ: یہ حمل سے مبالغے کا صیغہ ہے اور حطب تو لکڑی کہا جاتا ہے یہاں مفسرین کے بہت سے اقوال منقول ہیں ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں حقیقی یا مجازی معنیٰ مراد ہے جب حقیقی معنیٰ مراد لیا جائے تو پھر اس میں دو اقوال ہیں پہلا قول ابن زید سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ عورت نوکیلی (کانٹیدار) لکڑیاں لا کر رات کو راستے میں پھینک دے دیتی تھی تاکہ امام الانبیاء اور صحابہ کرام حرم میں عبادت کے لئے نہ جاسکیں اور اگر جائیں بھی تو ان کو تکلیفیں اذیتیں پہنچیں اور یہ بھی دشمن میں ذلیل ترین عمل ہے دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عورت مالدار ہونے کے باوجود گھر کے استعمال کے لئے اپنے سر اور پیٹھ پر لکڑیوں کے گٹھے لاد کر لاتی تھی یہ اس کی بخیلی کی انتہا تھی اور جب مجازی معنیٰ مراد لیا جائے تو اس میں دو اقوال مرد ہوں گے پہلا قول یہ ہے کہ یہ عورت عام لوگوں کے درمیان عموماً جبکہ صحابہ کرام اور نبی کریم ﷺ کے درمیان خصوصاً چغلی کھایا کرتی تھی تاکہ ان کے درمیان فساد برپا کرے اور یہ ذلیل ترین کاموں میں سے ہے اور صحیح بخاری کتاب الادب حدیث 6056 صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 105 ترمذی کتاب البر و الصلۃ حدیث 2026 ابو داؤد کتاب الادب حدیث 4871 وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ چغلی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا دوسرا قول یہ ہے کہ حطب گناہوں سے کنایہ ہے یعنی یہ عورت بہت قسم کے گناہوں میں مبتلا تھی کفر و شرک چغلی نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہنا طعن و تشنیع کرنا محمد (ﷺ) کی جگہ مُذَمَّمٌ کہتی تھی جس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی گالیوں اور برے القاب سے مجھے محفوظ کیا ہے کیونکہ وہ مُذَمَّمٌ کی برائی کرتی ہے، اور میں تو محمد (ﷺ) ہوں۔ (کتاب المناقب حدیث 3533)

تفسیر 5 اس میں بھی اس عورت کے برے حال کا تذکرہ دنیا میں یا آخرت میں ہوا ہے اگر دنیا میں مراد ہو تو پھر اس میں تین اقوال ہیں (۱) یہ کیفیت گٹھے لانے کی ہے کہ رسی ہر وقت اسکے گلے میں مزدور کی طرح ہوتی تھی اور لکڑیاں اتنی کثرت سے لاتی تھی جیسے کوئی مزدور ہر وقت ایک محنت پر مامور ہوتا ہے (۲) یہ کانٹوں کے گٹھے کو لا رہی تھی کہ رسی اس کی گردن میں اٹک گئی اور اس سے مرگئی (۳) اس کے گلے میں موتیوں کا ہار تھا جس طرح ملنگوں، بدعتیوں، اور پیروں کے ہاتھوں اور گلوں میں ہوتے ہیں اگر آخرت مراد لی جائے تو مسد جہنم کی زنجیر سے کنایہ ہے یعنی جہنم میں اس کے گلے میں آگ کی زنجیر ہوگی۔ جِيْدِهَا: عورت کے گلے کو کہا جاتا ہے اور بعض اہل لغت نے ساتھ میں یہ لکھا ہے کہ خوبصورت بھی ہو۔ سوال: عُنُقِهَا کیوں نہیں فرمایا؟ جواب: یہ بطور تمسخر کہا ہے۔ مَسَدٍ: لغت میں اس رسی کو کہتے ہیں جو کھجور کی موجھ سے بنائی جاتی ہے اور انتہائی مضبوط ہوتی ہے جس سے گلے کو بھی پھانسی لگ سکتی ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ ابولھب کی بیوی سمیت ہلاکت کا ذکر۔ ۲۔ مال و دولت ان کو ہلاکت سے بچا نہ سکے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورۃ مسد کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مکیۃ ۲۲ ۱۱۲ سورۃ الاخلاص — آیاتہا ۴ — رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

"فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے[1] اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے[2] نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے[3] اور اسکا ہم صفت کوئی بھی نہیں ہے[4]۔

سورۃ اخلاص، مفسر خطیب شربینی اور آلوسی نے اس سورۃ کے بائیس نام ذکر کیے ہیں۔

(۱) سورۃ التفرید (۲) سورۃ التجرید (۳) سورۃ التوحید (۴) سورۃ الاخلاص (۵) سورۃ النجات (۶) سورۃ الولایۃ (۷) سورۃ النسبۃ (۸) سورۃ المعرفۃ (۹) سورۃ الجمال (۱۰) سورۃ المقشقشۃ (۱۱) سورۃ المعوذۃ (۱۲) سورۃ الصمد (۱۳) سورۃ الاساس (۱۴) سورۃ المانعۃ (۱۵) سورۃ المحضر (۱۶) سورۃ المنفرۃ (۱۷) سورۃ البراءۃ (۱۸) سورۃ النور (۱۹) سورۃ المذکرۃ (۲۰) سورۃ الانسان (۲۱) سورۃ الایمان (۲۲) سورۃ قل ھو اللہ احد

انہوں نے ہر ایک کا وجہ تسمیہ بھی لکھا ہے۔

ربط: (۱) سابقہ سورۃ میں دنیوی اور اخروی عذاب کا تذکرہ ہوا ہے تو اس سورۃ میں اس سے نجات کے لئے سبب ذکر کرتا ہے خالص توحید سے ہی نجات ہوگی۔ (۲) گزشتہ سورۃ میں بڑے دشمن کی ہلاکت کا ذکر تھا جو توحید کی دعوت کے لئے رکاوٹ تھا تو اس پر شکر یہ ادا کرنے کی ترغیب ہے کہ اب تم توحید الٰہی کی طرف دعوت دو۔ (۳) اس سورۃ میں ابولہب اور اسکی بیوی کی ہلاکت کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں اشارہ ہے کہ اس کی ہلاکت کا سبب توحید سے انکار ہے۔ (۴) سابقہ سورتوں میں بے شمار علوم اور احکام بیان ہو چکے تو اس سورۃ میں ان سب کا خلاصہ ذکر ہے جو خالص توحید ہے تو معلوم ہوا کہ یہ عنوان قرآن مجید کے نزول کا بنیادی مقصد ہے جیسے کہ سورۃ ہود آیت 2 اور سورۃ ابراہیم آیت 52 اور دیگر سورتوں میں گزر گیا ہے۔

سورت کا بنیادی اور مرکزی مضمون: اس سورۃ کا مضمون توحید ذات وصفات ہے اور ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے (اللہ تعالیٰ کو) پاک ثابت کرنا ہے۔

سورت کا خلاصہ پہلی آیت میں توحید ذات وخالقیت ہے دوسری آیت میں توحید صفات ثبوتیہ ہے اور تیسری اور چوتھی آیت میں توحید صفات سلبیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے تعارف کے لئے یہ کافی ہے اسلئے اس سورۃ کے ناموں میں سے ایک نام سورۃ المعرفۃ ہے۔

تفسیر 1 مسند احمد ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3364 احمد 5/134 حاکم 2/540 میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اپنے رب کا نسب نامہ ہمیں بیان کرو ایک اور روایت میں ہے کہ اپنے رب کی صفات ہمیں بیان کرو تو انکے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی اس سورۃ کے فضائل ابن کثیر نے بڑی تفصیل سے تحریر کیے ہیں۔ قُلْ: یہ کلمہ دلیل ہے کہ اس سورۃ کا بیان نبی کریم ﷺ پر فرض تھا لہذا جس نے سیکھی اس پر بھی بیان کرنا فرض ہے جس کے لئے نبی کریم ﷺ کی صحیح بخاری حدیث 3461 ذکر بنی اسرائیل ترمذی 2669 کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً قُلْ: لفظ میں ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جیسے ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خبر کی صورت ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری توحید کو اس انداز میں بیان کرو۔ هُوَ: اکثر مفسرین نے اس کو ضمیر شان قرار دیا ہے اس کا مرجع بعد میں ہوتا ہے اس کا مرجع پہلے نہیں ہوتا البتہ مضمون کی عظمت شان کے لئے اس کو ذکر کیا جاتا ہے ایک اور فائدہ یہ ہے کہ مبہم غیر واضح ہوتا ہے تو سامعین میں سننے کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور انتظار کرنے کی وجہ سے بات سننے کے لئے بے تاب ہے تو غور سے سنتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ چونکہ یہ سورت مشرکین کے سوال کرنے پر نازل ہوئی ہوتی تو هُوَ کی ضمیر اس ذات کی طرف راجع ہے جس کے متعلق انہوں نے سوال کیا تھا اس قول کی بناء پر هُوَ مبتدا ہے اور لفظ اللہ خبر اول ہے اور اَللّٰهُ: یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اسم علم ہے اسکے ماسوا شریعت میں جتنے نام اللہ تعالیٰ کے لئے آئے ہوئے ہیں وہ سب صفتی نام ہیں اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں لیکن علم کی خصوصیت ذات کے ساتھ ضروری اور ظاہر ہوتی ہے اور ذات تعریف کے مقام میں علم ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے اس وجہ سے اس لفظ کو صراحت سے بیان فرمایا۔ اَحَدٌ: قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال دو طریقوں سے ہوا ہے پہلا طریقہ مقام نفی میں ہوا ہے جیسے کہ سورۃ الحاقۃ آیت 47 سورۃ جن آیت 18 سورۃ احزاب آیت 32 میں ہے تو ان مقامات میں جنس کی نفی استغراقی مراد ہے یعنی ایک، دو، تین ان گنت تک اور مذکر مونث نفی جمع وتفریق کی صورت میں سب مراد ہیں۔ دوسرا طریقہ اثبات کے طور پر ہے۔ اور وہ تین طریقوں پر ہے۔ **پہلا طریقہ** یہ ہے کہ کہ عشرات کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے

اَحَدَ عَشَرَ، اَحَدٌ وَّعِشْرُوْنَ: دوسرا طریقہ مضاف یا مضاف الیہ کی صورت میں ہے جیسے اَمَّا اَحَدُ كُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا، اَوْ يَوْمُ الْاَحَدِ یا تو اضافت حکمیہ ہوگی جیسے کہ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ: تیسرا طریقہ مطلق وصفیت کے اعتبار سے ہے یہ استعمال اللہ کے ساتھ خاص ہے جیسے اس مقام میں ہے۔ اَحَدٌ اور وَاحِدٌ میں فرق بہت طریقوں سے ہے پہلا طریقہ اَحَدٌ پر عدد سے ابتدا نہیں ہوتی ہے جبکہ وَاحِدٌ سے ہوتی ہے مثلاً اَحَدٌ، اِثْنَانِ ثَلٰثَةٌ نہیں کہا جا سکتا ہے بلکہ وَاحِدٌ اِثْنَانِ لکھا پڑھا جائے گا۔ دوسرا طریقہ: اَحَدٌ جب وصفیت مطلق کے طور پر استعمال ہو تو صرف اللہ کے لئے خاص ہوتا ہے برخلاف وَاحِدٌ البتہ اس طرح نہیں کہا جا سکتا ہے کہ رَجُلٌ اَحَدٌ تیسرا طریقہ: اَحَدٌ مقام نفی میں صرف استعمال ہوتا ہے جو عموم کا معنی دیتا ہے جبکہ واحد عام اور خاص دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چوتھا طریقہ: اَحَدِيَّتْ عدد اور جزیات کا احتمال نہیں رکھتا ہے وَاحِدٌ کے برعکس ہے کیونکہ اس میں تعدد اور جزیات ہو سکتے ہیں۔ پانچواں طریقہ: خطابی نے ذکر کیا ہے کہ اَحَدِيَّتْ ذات کے تفرد کے لئے ہے اور وَاحِدِيَّتْ صفات کی تفرید کے لئے ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کی صفات میں اَلْوَاحِدُ واقع ہے لہٰذا لفظ اَحَدٌ میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی وحدانیت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر شریک کی نفی ہے ذات کے لحاظ سے خالقیت کے اعتبار سے الوہیت و ربوبیت کی صفات میں اور یہ بھی اشارہ ہے کہ مخلوق کی صفات اللہ تعالیٰ سے نہیں ہے اسلئے کہا گیا ہے کہ بعد والی آیتیں اَحَدٌ کی تفسیر ہے فائدہ: اس آیت میں توحید خالقیت کا ثبوت اور دہریوں کی تمام قسموں کا احسن ترتیب سے رد ہے اور وہ اس طرح ہے کہ بعض گمراہ فرقوں کا کہنا ہے کہ اس کائنات کو وجود میں لانے کے لئے کوئی سبب نہیں ہے بلکہ تمام چیزیں خود پیدا ہوئی ہیں اور اس گروہ کو سابقہ فلسفیوں میں اصحاب طفرۃ کہتے تھے لہٰذا لفظ هُوَ میں اس گروہ کی تردید ہوئی اسلئے کہ مخلوق پیدا کرنے کے لئے سبب تمام ذہنوں اور دلوں میں واقع ہے کوئی خوشی اور کوئی ناخوشی سے تسلیم کرتا ہے جیسے کہ سورۃ آل عمران آیت 83 سورۃ رعد آیت 15 میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بلکہ دہری اور مشرک پریشانی ومصیبت کے وقت مجبوراً اس ذات کو یاد کرتے ہیں لہٰذا لفظ هُوَ میں اس ذات کی طرف اشارہ ہے جو تمام موجودات کو وجود دینے والی ذات ہے اور اَللّٰهُ میں ان لوگوں کی تردید ہے جو (موجد) پیدا کرنے والا تو مانتے ہیں لیکن وہ پیدائش کے لئے سبب مادہ یا طبعیت یا پھر حیولیٰ یا دہریہ فلک کی حرکت کی طرف نسبت کرتے ہیں یعنی وہ ذات جو خالق وموجد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک مانتے ہیں یعنی بعض بے عقل حکیموں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف عقل اول پیدا کی ہے اسلئے کہ وہ ایک ہے اور ایک سے تو ایک ہی کام صادر ہو سکتا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ عقل اول نے دوسری

عقل اور فلک پیدا کیا للہذا عقل فعال تمام چیزوں کا خالق ہے یہ وہ ابہام باطل ہے جو کفر پر مبنی ہے مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ خیر اور نور کا خالق یزدان (اللہ) ہے شر اور ظلم کا خالق اِهْرَمَنْ (شیطان) ہے اور بعض معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے کاموں کا خالق ہے اور بندوں کے ان کاموں کا خالق ہے جو بندوں کے بس سے بالا ہیں اور ان کو اس میں اختیار حاصل نہیں ہے اور بندہ اپنے کاموں کا خود خالق ہے جو اس کے اختیار میں ہیں للہذا لفظ اَحَدٌ میں ان تمام باطل فرقوں اور نظریوں کا رد ہوا ہے۔

تفسیر 2 اس آیت میں اللہ تعالی کے لئے صفات ثبوتیہ ذکر کی ہیں اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی ہر چیز کا خالق تو ہے لیکن مخلوق کی ہر ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا ہے یا خالق تو ہے مگر ساتھی کی نصرت و مدد کا محتاج ہے تو اس وہم کا ازالہ ان لفظوں سے کیا گیا کہ اَللّٰهُ الصَّمَدُ حصر کی تاکید کے لئے لفظ اللہ کی تصریح کی ہے اور حصر کے فائدے کے لئے الصَّمَدُ معرفہ ذکر کیا ہے اور ماقبل پر عطف نہیں کیا ہے اسلئے کہ یہ جملہ ماقبل کے لئے ایک لحاظ سے نتیجہ ہے یعنی اَحَدِیَّت سے صَمَدِیَّت کا عقیدہ لازمی ثابت ہوتا ہے اور ماقبل کے لئے ایک اعتبار سے علت بھی ہے اور الصَّمَدُ کے معنی میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں (۱) ابن الانباری کا قول ہے کہ اس معنی میں اختلاف نہیں ہے کہ الصَّمَدُ اس سید ذات کو کہا جاتا ہے کہ اس سے بلند کوئی نہ ہو جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں متوجہ ہوتے ہیں (۲) زجاج کا قول ہے کہ الصَّمَدُ وہ سید ہے جس پر سرداری کی انتہا ہو اور ہر چیز کی طلب اور قصد اس کی ذات سے ہو سکتی ہو (۳) عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ الصَّمَدُ وہ ذات ہے جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں اور سوالوں میں قصد کرتے ہوں۔ (۴) ابن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ صَمَدٌ وہ سید ہے جو سرداری میں کامل ہو اور وہ شریف ہے جو شرافت میں کامل ہو اور وہ عظیم ہے جو عظمت میں کامل ہو اور وہ حلیم ہے جس کا حلم کامل ہو وہ علیم ہے جس کا علم کامل ہو وہ حکیم ہے جس کی حکمت کامل ہو (۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اَلصَّمَدُ وہ ذات ہے جو بے پرواہ ہونے کی وجہ سے کسی کا محتاج نہ ہو (۶) ابن جبیر سے منقول ہے کہ الصَّمَدُ وہ ہے جو تمام صفتوں اور کاموں میں کامل ہو (۷) ربیع سے منقول ہے کہ الصَّمَدُ وہ ذات ہے جسے کوئی آفات پیش نہیں آسکیں (۸) مقاتل سے منقول ہے کہ وہ ذات جو ہر قسم کے عیب سے پاک ہو (۹) قتادہ سے منقول ہے کہ جو ذات باقی ہو اور اس پر کبھی فنا نہ آتی ہو (۱۰) مرہ ہمدانی کا قول ہے کہ جو نہ تو فنا ہوتا ہو اور نہ ہی ضعیف کمزور ہوتا ہو (۱۱) حسن سے منقول ہے کہ وہ ذات جو الحی القیوم جس کے لئے زوال نہ

ہو(۱۲) عکرمہ سے منقول ہے کہ وہ ذات جس سے کوئی چیز نہ نکلتی ہو اور کھانے کی بھی محتاج نہ ہو(۱۳) مجاہد سے منقول کہ الصَّمَدُ وہ ذات جو کھانے پینے کا محتاج نہ ہو(۱۵) کعب اور ربیع سے نقل ہے الصَّمَدُ وہ ذات ہے جس کی صفت لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ہو یعنی مابعد اس کی تفسیر ہے ابن کثیر نے طبرانی سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ تمام اقوال درست ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں امام بیہقی نے بھی اس طرح فرمایا یہ اقوال بعض بعضوں کے ساتھ مقاصد میں قریب ہیں اور یہ تمام صفات دو صفتوں کی طرف راجع ہیں (۱) وہ غنی مطلق ہے یعنی بے نیاز و بے حاجت ہے (۲) ہر مخلوق اپنی حاجتوں میں اس کی طرف قصد کرتی ہے اور قصد عام ہے طبعی قصد ہو یا اختیاری ہو۔ **فائدہ:** یہ صفت گذشتہ معنوں کے تمام صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ کے لئے عام اور شامل ہے کیونکہ وہ تمام مخلوق کا حاجت روا ہے تو معلوم ہوا کہ ہر چیز پر قادر مطلق ذات صرف اسی کی ہے اور ہر چیز پر عالم ہے کیونکہ ہر چیز پر قدرت اور علم حاصل کئے بغیر کسی کی ضرورت کو پورا نہیں کیا جا سکتا ہے تو اس صفت کی وجہ سے ان تمام صفتوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو قدرت تصرف علم وغیرہ ہے چونکہ وہ غنی مطلق ہے اور بے حاجت بے نیاز اعلیٰ ہے کہ ضرورت اور حاجت تو عیب ہے لہٰذا وہ تمام عیوب سے پاک ہے تو ان صفات سلبیہ کی طرف اشارہ ہے لہٰذا قرآن مجید میں یہاں تک جتنی صفات سلبیہ اور ثبوتیہ بطور اسماء صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ذکر ہوئی ہیں ان سب کا خلاصہ لفظ الصَّمَدُ میں ہے۔

تفسیر 3 اس آیت میں صفت سلبیہ کا ذکر ہو رہا ہے یعنی تمام عیبوں سے پاک ہے کیونکہ الوہیت سے مذکورہ صفات مخالف ہیں (۱) یعنی حاجت مند ہونا (۲) کسی چیز کا جز حصہ بننا (۳) تشبیہ اور تمثیل لہٰذا آئندہ جملوں میں ان تمام عیوب کی اللہ تعالیٰ سے نفی ہوئی ہے اس آیت میں ان مشرکین کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹوں اور بیٹیوں کا عقیدہ رکھتے ہیں خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب اور ان مشرکین کا رد ہے جو مذکورہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کے لئے مانتے ہیں مگر مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے لئے مظہر اور نائبین بھی مانتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بعض کاموں کے اختیارات دے رکھے ہیں لہٰذا ہم اپنی حاجتوں اور مشکلوں میں ان کو پکارتے ہیں تو وہ ہماری ضرورتوں کو اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات کی وجہ سے پورا کرتے ہیں اس قسم کے تمام مشرکین کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ لَمْ يَلِدْ **سوال:** بہت سی آیتوں میں لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا آیا ہے جبکہ یہاں لَمْ يَلِدْ فرمایا؟ **جواب:** لَمْ يَتَّخِذْ میں ولد حکمی کی نفی کی گئی ہے جبکہ لَمْ يَلِدْ عام ہے اس میں حکمی اور حقیقی دونوں کی نفی کی گئی ہے یہ عقیدہ یہودیوں کے عوام اور نصاریٰ کے عوام کے علاوہ بعض مشرکین کا بھی ہے اور نفی کی وجہ یہ ہے کہ بچہ کی ولادت سے مادہ تولید کی جدائی والد سے لازم آئے گی اور یہ ترکیب کی دلیل ہے یعنی والد کا مرکب ہونا اور

ترکیب سے اجزاء لازم ثابت ہونگے اور جزاء کے لئے محتاج ہونا لازم ہوگا اور أحدیت اور الوہیت محتاج ہونے کے منافی ہے اور دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ اولاد تو والد مدد واثابت کے لئے طلب کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ باقی اور بے نیاز ہے نیز اس میں والد حکمی کی نفی ہے جیسا کہ یہ عقیدہ یہود اور نصاریٰ کے بعض علماء اور اس امت کے منافقین کا ہے جیسے سورۃ توبۃ کی تفسیر میں گزر چکا ہے ولد حکمی سے مراد یعنی ذکر ملزوم کا ہے جبکہ مراد لازم ہے یعنی نائب مراد ہے یعنی مشرکین کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو نائب بنا کر بعض امور ان کے حوالہ کر دیتا ہے یعنی وہ لوگوں کی مشکل کشائی حاجت روائی کرتے رہتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نائب ہوتے ہیں مشرکین ان کو محبوب مطلق اللہ کے لاڈلے وغیرہ قرار دیتے ہیں شاہ ولی اللہ دھلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں بھی یہ تفصیل ذکر کی ہے والد حکمی یہ بھی ہے کہ آثَارُ الْآبَاءِ تَظْهَرُ فِي الْأَبْنَاءِ یعنی باپ کے آثار اولاد میں ظاہر ہوتے ہیں یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے تمام علوم کا مظہر ہے اسلئے وہ سو سال کے بعد تورات کو زبانی پڑھتے تھے نصاریٰ کا یہ عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بعض صفتوں کا مظہر ہے یعنی خرق عادت کام وہ کر کے دکھاتا ہے اور یہ اس کے مظہر صفات الٰہی ہونے کی واضح دلیل ہے اس امت کے منافقین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فلاں ولی میں اللہ تعالیٰ کی فریاد رسی کی صفت ہے اور فلاں میں مشکل کشائی کی صفت ظاہر کی ہے یا کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو علم غیب عطائی کا مظہر بنایا ہے لہٰذا یہ عقیدہ ابنیت اور ولدیت کا ہے اور یہ لوگ مثل یہود ونصریٰ کے شرک اکبر میں مبتلا ہیں۔ **سوال:** لَمْ يَلِدْ کو کیوں مقدم کیا ہے اور لم یولد کو مؤخر کیا جبکہ مولودیت تو ولدیت سے مقدم ہوتا ہے؟ **جواب 1:** وجہ یہ ہے کہ ولدیت کا عقیدہ بعض نصریٰ اور یہود کا تھا اور بعض مشرکین کا بھی تھا اسلئے پہلے ولدیت کے عقیدہ کی نفی کی گئی کیونکہ ان میں مولودیت کا عقیدہ نہیں تھا **جواب 2:** ولدیت علت ہونے کے معنی میں ہے جبکہ مولودیت میں معلولیت کا معنی ہے جبکہ علت ذاتی طور پر معلول پر مقدم ہوتی ہے۔ اس لئے علت ہونے کے وصف کو بھی معلولیت وصف پر مقدم کیا گیا ہے۔ **سوال:** لَمْ يَلِدْ کا اطلاق تو بانجھ شخص پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی اولاد نہیں ہوتی؟ جواب: ولد کی نفی سے صرف نفی وجود کی نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اسکی شان کے ساتھ ولدیت لائق ہی نہیں ہے یعنی ولد کے امکان کی نفی کی گئی ہے۔ وَلَمْ يُولَدْ: **سوال:** ہمارے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مولودیت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے والد ہونے کا تو اس کی نفی کرنے کا کیا فائدہ ہے؟۔ **جواب 1:** ہو سکتا ہے کہ کائنات میں کسی کا یہ عقیدہ ہو اپنے معبودوں پر قیاس کرتے ہوئے کہ وہ مولود ہیں کیونکہ ان کے معبود مجہول بنائے ہوئے ہوتے ہیں یا مصنوع ہیں ان پر مشرکین نے قیاس کرلیا اور ہمارے علم میں نہ ہو لہٰذا قیاس کی تردید ضروری تھی۔ **جواب 2:** توحید کے اثبات میں تمام قسم کے اشکالات کا ازالہ ضروری تھا

خواہ کوئی اس اشکال واحتمال کا قائل موجود ہی نہ ہو۔ وہ احتمالات یہاں تین ہیں (۱) اولیٰ شریک کی نفی جو کہ ولد ہے (۲) اعلیٰ شریک کی نفی جو کہ والد ہے (۳) برابر شریک کی نفی جو لفظ (کُفُوًا) میں ہوئی ہے۔ جواب ۳: بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ دلیل کے مرتبہ میں ہے یعنی ولدیت کی نفی ہوئی اسلئے مولودیت کی نفی ہوئی لیکن یہ جواب ظاہر میں کمزور ہے۔ جواب ۴: جنس ولد کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور حکمی تو اسی طرح والد کی بھی دو قسمیں ہیں حقیقی حکمی لہٰذا ولد حقیقی کی نفی کی گئی و حکمی تو والد حکمی اور حقیقی کی بھی نفی کی گئی والد حکمی سے مراد وہ معبود ہے جو اللہ تعالیٰ پر غالب ہو اور اللہ تعالیٰ اسکا محتاج ہو جیسے مشرکین کا شفاعت قہریہ (بلا اذن شفاعت) کا عقیدہ ہے اور اس سے لازم یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اولیاء نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ پر غالب ہیں اسلئے اس معنی میں ولایت کی نفی سورۃ اسراء آیت 111 میں کی ہے بعض جاہل بریلویوں کا قول ہے کہ عبدالقادر جیلانی کو دستگیر اسلئے کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پھسلنے پر اس کو فوری سہارا دیا تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پھسلنے سے بچ گئے تھے (العیاذ باللہ)۔

تفسیر 4 اس کو ماقبل پر معطوف کیا ہے اسلئے کہ یہ تین جملے اَلصَّمَدُ کی تفسیر کے طور پر مشترک ہیں کُفُوًا: یہ لفظ عام ہے یعنی مشابہ، مساوی، مماثل، مجانس، معادل، اور نظیر ان سب معنوں میں آتا ہے لہٰذا اس لفظ کے ذکر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ ان تمام کی نفی ہو جائے یعنی کسی بھی نوع اور فعل صفت صورۃ شکل میں، (کفاءۃ) یعنی برابری نہیں ہے۔ اَحَدٌ: اس کو مقام نفی میں نکرہ ذکر کیا تاکہ عمومیت کا فائدہ حاصل ہو سکے۔ اہل لغت کا قول ہے کہ اَحَدٌ کا لفظ ذوِ الرُّوْحِ اور ذوی العُقُول میں استعمال ہوتا ہے یعنی کوئی انسان، جن، ملک، نبی، ولی، انکے ساتھ کُفُوًا یعنی کسی بھی حال میں برابر نہیں ہو سکتا ہے تو بت صنم وغیرہ تو بدرجہ اولیٰ (کُفُوًا) برابر نہیں ہو سکتے۔ سوال: لَّهٗ: ظرف جو (کُفُوًا) کے ساتھ متعلق ہے جبکہ وہ خبر بن کر اسم پر مقدم آسکتا ہے لیکن اس کا متعلق مقدم لانے سے امام سیبویہ نے الکتاب میں منع ذکر کیا ہے؟ پہلا جواب: یہاں پر ذات باری تعالیٰ سے کَفَاءَۃٌ: کی نفی مراد ہے اسلئے لفظ لَّهٗ کو اہمیت کے وجہ سے مقدم کیا ہے یعنی اس فائدے کے لئے مقدم کرنا درست ہے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ لفظ لَّهٗ کے ساتھ مقدر سوال ہے یعنی جب کہا گیا کہ اس کا کفو نہیں ہے تو کہا گیا کہ کس کا کفو نہیں ہے تو جواب ہوا کہ لَّهٗ اس کا نہیں ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ شرک وکفر کے تمام اقسام پر اس سورۃ میں رد کیا گیا ہے۔

سورۃ اخلاص کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

آیاتہا ۵ ۱۱۳ سُورَۃُ الْفَلَقِ مَکِّیَّۃٌ ۲۰ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝۴

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

"آپ فرما دیجئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ طلب کرتا ہوں [1] ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے [2] اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ پھیل جائے [3] اور ان جانوں کے شر سے جو (گنڈے) گرہوں میں پھونک مارتی ہیں [4] اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے [5]۔

سورۃ الفلق اور اس کو بعد والی سورۃ کے ساتھ ملا کر المعوذتین اور المقشقشتین بھی کہتے ہیں۔

ربط: (۱) چونکہ قرآن مجید آخر تک پہنچنے والا ہے اس میں کامل ہدایت ہے اور خصوصاً یہ توحید کے بیان سے منور ہے جبکہ مخالفین توحید بہت زیادہ ہیں جو قرآن کی نشر و اشاعت نہیں چاہتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اس کے مبلغین کے لئے رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور یہ حقیقت میں قرآن کے لئے رکاوٹیں ہیں لہٰذا ان دونوں سورتوں میں ان سے حفاظت کے لئے طریقہ ذکر کیا ہے۔

(۲) سابقہ سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی شان ذکر ہوئی تو ان سورتوں میں اشارہ ہے کہ وہی ذات باری تعالیٰ ہر قسم کی تکلیف اور شر سے پناہ دینے والی ہے اور اسکے برخلاف کوئی ذات نہیں ہے جو پناہ دے سکے۔

سورت کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون: اس سورۃ میں تمام قسم کے شرور سے خواہ وہ عام ہوں یا خاص پناہ مانگنے کا حکم ہے۔

سورت کا خلاصہ: پہلے پناہ مانگنے (تعوذ طلب کرنے) کا حکم ہے اور جس ذات کی پناہ طلب کرنی ہے یعنی مستعاذ بہ اسکو بھی ذکر کیا ہے اور پھر آیت 2 میں مستعاذ منہ (جس سے پناہ طلب کی جائے) کا ذکر عموم کے طور پر کیا ہے پھر تین آیتوں میں شر کی تین قسموں کا ذکر ہے۔

تفسیر 1 قُلْ: اس میں اللہ کے ساتھ پناہ طلب کرنے کا حکم ہے اور اس میں سورۃ اخلاص کی طرح خبر دینا مقصود نہیں ہے اور لفظ قُلْ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے خطاب ہے اور امت تو ان کی تابع ہے جو اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

بھی حفاظت میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کے محتاج ہیں اَعُوْذُ: اس لفظ میں اَسْتَعِیْذُ سے زیادہ صراحت ہے اسلئے کہ اَسْتَعِیْذُ میں طلب کرنے کے ساتھ خبر دینا ہے جیسا کہ باب استفعال کا سین اس پر دلالت کرتا ہے جبکہ اَعُوْذُ میں استعاذہ کے امر پر عمل ہے اَعُوْذُ اور عیاذ لغت میں اسکا معنی کسی سے اپنی جان بچانے کے لئے کسی دوسرے کی طرف التجاء کرنا ہے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع التفسیر میں لکھا ہے کہ اَعُوْذُ: کا معنی ہے کسی چیز سے بھاگنا جس سے تمہیں خوف ہو اس ذات کی طرف جو تمہیں پناہ دینے اور بچالینے پر قادر ہو پھر انہوں نے لکھا ہے کہ اس میں مَلْجَأ اور مُجَاوِرَةٌ کا معنی بھی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ اس میں حفاظت کا معنی بھی پایا جاتا ہے اور مُسْتَعِیْذ میں بھی یہ صفتیں جمع ہوجاتی ہیں۔ بِرَبِّ الْفَلَقِ: بصفت رب ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ تعوذ اور حفاظت بھی تربیت میں سے ہے اسلئے صفت رب کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے۔ اَلْفَلَقِ اصل میں اس کا معنی ہے چیر لینا، پھاڑ دینا، نکال دینا، ظاہر کرنا وغیرہ یعنی پہاڑوں سے چشمے نکالنا، بادلوں سے بارش نکالنا، زمین سے پودے نکالنا، رحموں سے بچے نکالنا، رات کے اندھیروں سے صبح کی روشنی نکالنا، بیج دانوں اور گٹھلیوں سے بالیاں نکالنا اس معنی میں تمام موجودات کے لئے مستعمل ہے ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ فلق بمعنی خلق ہے اس کا قرآن مجید میں دو چیزوں پر اطلاق کیا گیا ہے: گٹھلیوں سے بالیاں نکالنا جیسے سورۃ انعام آیت 95 میں گزرا ہے جبکہ دوسرا معنی رات کے اندھیرے سے دن کا اجالا نکالنا جیسا کہ سورۃ انعام آیت 96 میں ہے مفسرین نے اس کے علاوہ بھی معانی تحریر کئے ہیں یعنی جہنم میں ایک کنویں کا نام ہے، اس میں ایک جیل کا نام ہے، یہ جہنم میں ایک وادی کا نام ہے امام آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ روایتیں ضعیف ہیں دل کو ان پر اطمینان حاصل نہیں ہوتا فَلَقِ مصدری معنی میں ہے یا مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی نکالا گیا پیدا کیا گیا۔ لہٰذا رَبِّ الْفَلَقِ کا معنی یہ ہے کہ چیزوں کو ظاہر کرنے اور نکالنے کا رب، صبح روشن کرنے، درختوں، پودوں اور بیجوں سے بالیوں کو نکالنے کا رب۔ **سوال:** فَلَقِ کی جگہ خَلَقِ یا اَلصُّبْحِ یا اَلنَّبَاتِ کیوں نہیں فرمایا؟ **جواب:** اس میں مقصد تعمیم ہے جبکہ مذکورہ لفظوں میں وہ عمومیت نہیں ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ چیزوں کے ظاہر کرنے یعنی فلق کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری معنی میں ہے جس کا ذکر گزر گیا ہے اور دوسرا معنوی ہے لہٰذا معنوی طور پر قرآن کے نزول کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کیا جس سے سارے عالم میں روشنی پھیلا دی اور اس سے دین توحید کے باغات اور باغیچے لگا دئے چونکہ اس کے سامنے بہت سارے شر و فساد پھیلانے والے رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں تو ان سب سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات سے پناہ (تعوذ) ضروری ہے۔ **فائدہ:** تَعَوُّذ اور اِسْتِعَاذَةٌ میں چار چیزیں لازم ہیں: اول مُسْتَعِیْذ

ہے اس کو لفظ قُلْ میں اور متکلم کے صیغہ میں ذکر کیا یعنی نبی کریم ﷺ مُسْتَعِيْذ ہے اسی طرح تمام امتی مُسْتَعِيْذ ہیں یعنی پناہ طلب کرنے والے دوم مُسْتَعَاذ بِهٖ: اس کو لفظ بِرَبِّ الْفَلَقِ: میں ذکر کیا ہے سوم مُسْتَعَاذ مِنْهُ: ان کو بعد والی آیتوں میں بیان فرمایا چہارم مُسْتَعَاذ لَهٗ: اور وہ محذوف ہے یعنی توحید اور قرآن اس سورۃ کا سابقہ سورۃ سے ربط اس پر دلیل ہے جیسے مفسر نیشاپوری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ **[وضاحت]** چونکہ یہ بات معلوم ہوئی کہ مُسْتَعَاذ بِهٖ جس سے پناہ طلب کی جائے وہ ذات الٰہی ہے تو اس کے ساتھ تعویذ وغیرہ کا مسئلہ منسلک ہے لہٰذا اس کے متعلق کچھ اختصار کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے بحث اول دم کے متعلق ہے جسے رقی کہا جاتا ہے دم کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم قرآنی آیات اور مسنون کلمات یعنی دم شرعی تو وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک جائز ہے اور اس بارے میں بہت سی صحیح احادیث آئی ہیں، اس ذات اور چیز پر دم کرنا جسے نظر لگ گئی ہو بچھو کے ڈسے والے پر دم، سانپ کے ڈسنے والے پر، چیچک کے مریض پر دم، زخمی شخص پر دم، درد زدہ جگہ یا جوڑ پر دم، ہر مرض کا دم، مذکورہ دموں کے متعلق امام ابن قیم نے زاد المعاد ج 4 ص 162 میں احادیث جمع کی ہیں اور قرآنی یا دعائیں ماثورہ وغیرہ ذکر کی ہیں دوسری قسم کا وہ دم ہے جس میں شرکی کلمات یا عجمی الفاظ یا مہمل یعنی مشکوک یا بے معنی الفاظ ہوں تو یہ دم کرنا منع ہے یہ بات ملا علی قاری نے مشکوۃ کی شرح مرقاۃ میں ذکر کی ہے اور اس حدیث میں بھی یہی مراد ہے: اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ (ابو داؤد کتاب الطب حدیث 3883 ابن ماجہ 3530، حاکم 217/4 ابن حبان 1412، احمد 381/1 ابن حبان اور البانی نے اس کو صحیح کہا ہے سلسلۃ الصحیحۃ 331/1 یعنی (غیر شرعی) دم تعویذ گنڈے اور ٹوٹے ٹوٹکے شرک ہے اس سے مراد غیر شرعی دم ہے جیسے مفسر نیشاپوری نے بھی ایسا لکھا ہے۔ **سوال**: نبی کریم ﷺ نے تین چیزوں میں دم کرنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں مرفوع حدیث ہے: رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الرُّقٰى مِنَ الْحُمَةِ وَالْعَيْنِ وَالنَّمْلَةِ (صحیح مسلم کتاب حدیث 2196، ترمذی 2056، نسائی 7541 ابن ماجہ 3526) اور ایک روایت میں ہے: لَا رُقْيَةَ اِلَّا الخ یعنی تین چیزوں کے علاوہ دم نہیں ہے؟ یعنی آنکھوں کی تکلیف یا نظر بد یا مکھی کے کاٹنے سے دم ہے لہٰذا دم ان چیزوں کے ساتھ مختص ہے؟۔ **جواب**: چونکہ دیگر بیماریوں کے لئے صحیح حدیث میں دم کرنا ثابت ہے تو علماء کرام نے ان احادیث میں تاویل کی کوشش کی ہے یعنی لازمی اور ضروری دم ان تین چیزوں کا ہے بحث دوم کتابت کے متعلق ہے تو جانے کے لئے لکھنا تو درست ہے بشرطیکہ وہ کلمات شرعیہ ہوں یہ بعض اہل علم کا قول ہے۔ کنز العمال ص 64، ج 10 میں ابن عباس

رضی اللہ عنہما سے بحوالہ ابن سنی روایت نقل کی گئی ہے اس روایت کو ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی زاد المعاد ص 353 میں بطور جواز کتابت ذکر کیا ہے امام قرطبی نے بھی تفسیر میں ص 28 ج 12 میں سلف کا یہ عمل ذکر کیا ہے اور ص 31 میں مجاہد کے حوالے سے ابو جعفر کا قول جواز کتابت کے لئے نقل کیا ہے مفسر آلوسی نے بھی روح المعانی ص 145 ج 15 میں بعض علماء کا جواز اور حسن، مجاہد سے منع نقل کیا ہے خلاصہ یہ ہوا کہ کتابت کا جواز شروط اور قیود اور اختلاف کے ساتھ سلف کے عمل سے ثابت ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث جواز کے لئے نقل یا ثابت نہیں ہے۔ قسم دوم لکھ کر گلے میں لٹکانے کے لئے یا بازو پر باندھنے میں بھی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ شرکیہ کلمات ہوں یا عجمی الفاظ ہوں یا بے معنی مہمل الفاظ ہوں یا ہندسے وغیرہ ہوں تو یہ بالاتفاق حرام ہے جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی ان کے قول اور عمل کا کوئی اعتبار ہے بلکہ وہ لوگ اس عام حدیث إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ کی روشنی میں شرک کے مرتکب ہے جو مسند احمد، ابوداؤد میں وارد ہے اور ترمذی واحمد میں مزید قباحت کے لئے یہ روایت بھی ملاحظہ ہو: مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ (ترمذی، 2055، نسائی فی الکبیر 7605، حاکم 415/4 سلسلۃ 244 میں شیخ البانی نے صحیح کہا ہے) جس نے کوئی چیز لٹکائی تو وہ اسی کے سپرد کی جائے گی مراد یہ ہے کہ اللہ نے اس سے اپنا ذمہ ہٹایا ہے باقی وہ کلمات جو شرعیہ ہوں یا آیات قرآنیہ ہوں اس میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نے کتاب التوحید میں سلف کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ بعض نے اجازت دی ہے اور بعض نے نہیں دی ہے ان مانعین میں سے ایک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ جن علماء نے اجازت دی ہے ان کی مشہور دلیل عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ابوداؤد، ترمذی میں ذکر ہے اور اور تنقیح الرواۃ شرح مشکوٰۃ ص 104 ج 2) میں لکھا ہے کہ اس روایت کو ترمذی نے حسن کہا ہے اور حاکم نے مستدرک میں اسکو صحیح الاسناد کہا ہے اور صاحب تنقیح نے کہا ہے کہ یہ روایت جواز کے لئے دلیل ہے لیکن یہ فعل صحابی ہے (حدیث مرفوع نہیں ہے) اور دیگر روایتیں کنز العمال ج 10 ص (69، 82، 106) ذکر ہیں، ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی زاد المعاد میں بہت سی روایتیں نقل کی ہیں جن میں کتابت کا ذکر ہے لیکن ان روایتوں میں بھی تعلیق یعنی لٹکانے کا ذکر نہیں ہے لیکن ان میں بھی مرفوع حدیث نہیں ہے اس میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی مکروہ ہے قرۃ عیون الموحدین کے مصنف نے ص 78 میں لکھا ہے کہ اس کی نہی کے لئے تین وجوہات ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ نہی کی روایتیں عام، صحیح اور مرفوع ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ پھر اس جواز سے غلط شرکیہ تعویذ گنڈے وغیرہ کرتے ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ اس عمل سے قرآن مجید کی توہین لازم آتی ہے لوگ

اسے بیت الخلاء میں لیکر جاتے ہیں اور حالت جنابت کا لحاظ نہیں کرتے ہیں البتہ جو لوگ اول قسم اور دوم میں فرق نہیں کرتے اور مطلقاً سب کو شرک قرار دیتے ہیں تو یہ بھی حد سے تجاوز ہے اور یہ بھی حرام کا ارتکاب ہے۔

تفسیر 2 اس میں عام چیزوں کا ذکر ہے جن سے پناہ طلب کرنی چاہئے یعنی عام مُسْتَعَاذٌ مِنْهُ: مذکور ہے اور شر سے مراد برا انجام ہے یا ہر وہ چیز جس کا انجام برا ہو لہٰذا یہاں ہر وہ چیز مراد ہے جو حق والوں کو اور داعی توحید و قرآن کو اپنے مقاصد اعلیٰ سے پھیر دیتی ہے مَا خَلَقَ: (مَا) موصولہ ہے لہٰذا اس سے مخلوق مراد ہے یعنی شر کی نسبت مخلوق کی ذات کی طرف ہے پیدا کرنے کی طرف نہیں ہے کیونکہ خلقت پیدا کرنا تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال خیر کے ہیں ان میں شر نہیں ہے لہٰذا یہ شر مخلوق کا امر نسبی اضافی ہے یعنی اس اعتبار سے خیر ہے کہ اللہ تعالیٰ یعنی خالق کی طرف منسوب ہے اور اس کے تمام کام خیر پر مبنی ہوتے ہیں کیونکہ وہ حکیم ہے اور اس لحاظ سے شر ہے کہ مخلوق کی طرف منسوب ہے اور مَا خَلَقَ: عام ہے چاہے نفوس اور ذات ہو یا صفات اور اخلاق ہوں تیز اعمال ہوں یا احوال ہوں ان چیزوں کا ذکر استعاذہ کی مسنون دعاؤں میں کثرت سے موجود ہے ان میں سے بعض دعائیں اور الفاظ یہ ہیں (۱) جَهْدُ الْبَلَاءِ (۲) دَرْكِ الشَّقَاءِ بدبختی کا پالینا (۳) سُوْءِ الْقَضَاءِ برے فیصلے (۴) شَمَاتَةُ الْاَعْدَاءِ دشمن کا خوش ہونا (۵) هَمٌّ غم (۶) حُزْنٌ غمگین ہونا (۷) عَجْزٌ کمزوری (۸) كَسَلٌ سستی (۹) جُبْنٌ بزدلی (۱۰) بُخْلٌ بخیل کنجوسی (۱۱) ضَلَعَ الدَّيْنِ قرض کا (بوجھ) (۱۲) غَلَبَة الرِّجَالِ لوگوں کا غلبہ (۱۳) هَرَمٌ بڑھاپا (۱۴) مَغْرَمٍ قرض (۱۵) مَأْثَمٍ گناہ (۱۶) فِتْنَةُ الْغِنٰى مالداری کا فتنہ (۱۷) فِتْنَةُ الْفَقْرِ فقیری کا فتنہ (۱۸) فِتْنَةُ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ (۱۹) عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وہ علم جو بے فائدہ ہو (۲۰) قَلْبٌ لَا يَخْشَعُ وہ دل جو خوف الٰہی سے خالی ہو (۲۱) نَفْسٌ لَا تَشْبَعُ وہ نفس جو سیراب نہ ہوتا ہو (۲۲) دُعَاءٌ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا وہ دعا جس کو قبولیت حاصل نہ ہو (۲۳) زَوَالُ نِعْمَتِكَ نعمت کا زائل ہونا (۲۴) تَحَوُّلُ عَافِيَتِكَ اچھے حالات کا بدلنا (۲۵) فُجَاءَةُ نِقْمَتِكَ تیرا اچانک انتقام (۲۶) جَمِيْعُ سَخَطِ اللهِ تعالیٰ کا قہر غصہ (۲۷) اس عمل کا شر جو کیا ہے (۲۸) اور اس کا جو نہیں کیا ہے (۲۹) فقیری (۳۰) قِلَّةٌ قلیل ہونا (۳۱) ذِلَّةٍ ذلت (۳۲) ظالم ہونا (۳۳) مظلوم ہونا (۳۴) شقاق بدبختی (۳۵) نفاق (۳۶) سُوْءِ اَخْلَاقٍ (۳۷) جُوْع بھوک (۳۸) خیانت (۳۹) بَرَصٍ (۴۰) جذام (۴۱) جنون (۴۲) بری بیماریاں (۴۳) ہدم کسی چیز کی نیچے دب جانا (۴۴) تردی بلندی سے گر جانا (۴۵) غرق (۴۶) حَرَقٌ جلنا (۴۷) لَدَغٌ سانپ بچھو کا ڈسنا (۴۸) نفس کا شر

(۴۹) نظر بد (۵۰) آسیبی (۵۱) کالا سانپ (۵۲) زہریلی چیزیں یہ سب چیزیں مشکوۃ میں مختلف احادیث میں باب استعاذہ میں ذکر ہیں یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو داعی توحید اور قرآن کے لئے مضر ہیں اور اس کو اس کے صحیح مقصد سے پھیر دیتی ہیں لہٰذا ان سے استعاذہ ضروری ہے

تفسیر 3 یہ مُسْتَعَاذٌ مِنْهُ خاص ہے اور فَلَقِ کی ضد ہے کیونکہ فَلَقِ میں ظہور کا معنیٰ ہے اور غَسَقٍ میں ظلمات اور ڈھلنے کا معنیٰ ہے غَاسِقٍ: میں بہت سے اقوال ہیں لیکن مشہور قول کے مطابق غسق بھر جانے کو کہتے ہیں لہٰذا غاسق رات کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اندھیرے سے بھری ہوئی ہوتی ہے یعنی جب وہ خوب اندھیرا کر لیتی ہے یا غاسق ٹھنڈک کو کہتے ہیں تو رات دن کی بہ نسبت ٹھنڈی ہوتی ہے اور جس حدیث میں چاند کو غاسق کہا گیا ہے تو وہ چاند کی رات کے ساتھ ملابست کی وجہ سے ہے ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3366۔ اِذَا وَقَبَ: وَقُوبٌ کا معنیٰ ہے کسی چیز کا دوسری چیز میں داخل ہو کر غائب ہو جانا لہٰذا رات بھی ہر چیز میں داخل ہو کر وقوب کر لیتی ہے اس سے رات کا پہلا حصہ یا آدھی رات مراد ہے اور اس سے پناہ مانگنے کا سبب یہ ہے کہ رات کے اندھیرے میں زہریلی چیزیں سانپ بچھو درندے وغیرہ اپنے ٹھکانوں بلوں اور گھروں سے نکل آتے ہیں بدمعاش لوگ راتوں کو باہر نکل آتے ہیں ڈاکو، چور، وغیرہ اپنی کارروائیاں اکثر رات کو کرتے ہیں صحیح بخاری کتاب بدء الخلق حدیث 3280-3316 صحیح مسلم حدیث 5368 وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ رات ہوتے ہی (شریر) جنات پھیل جاتے ہیں لہٰذا اپنے بچوں کو گھروں میں رکھو اور جانوروں کو اکٹھا کر دو یہاں تک کہ کچھ حصہ گزر جائے جب اس قسم کی پریشانیاں کتاب وسنت کے داعیوں کو پیش آتی ہیں تو وہ دعوت سے رُک جاتے ہیں اور اپنے مقصد سے محروم ہو جاتے ہیں اس وجہ سے تعوذ مانگنا ضروری ہے۔ **فائدہ** غاسق میں ظلمت کا معنیٰ ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) ظاہر جو رات کا اندھیرا ہے (۲) معنوی جو جہالت کا اندھیرا ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ جاہل کے جہل سے پناہ طلب کرو تعوذ پڑھو یعنی جب وہ جہل میں خوب ڈوب جاتا ہے اور کسی قسم کی انابت اس میں باقی نہیں رہتی ہے تو اس کے شر سے اہل حق کو بہت خطرہ رہتا ہے۔

تفسیر 4 یہ بھی مستعاذ منہ ہے اور یہ جادو منتر تعویذ، گنڈوں وغیرہ کا شر ہے جن کا اثر عقل اور دماغ پر ہوتا ہے لہٰذا اس کا فلق سے مقابلہ اور تضاد ہے النَّفّٰثٰتِ: نفث اس پھونکنے کو کہتے ہیں جس کیساتھ معمولی لعاب بھی شامل کیا جائے جبکہ تَفَل: زیادہ لعاب تھوکنے کو کہتے ہیں اور نفخ صرف پھونکنے کو کہتے ہیں نفس (تنفس) سانس لینے کو کہتے ہیں دم کرنے والا

جادوگر، منتر والا، یا شرعی دم کرنے والا ضرور (نَفَثٌ) پھونک مارتا ہے اس میں اختلاف ہے عکرمہ، ضحاک، ابراہیم سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ دم کے وقت نفث کو مکروہ سمجھتے تھے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ایسے موقعے پر نفث کرنا درست ہے کیونکہ صحیح بخاری میں مرفوع حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی ذات پر معوذتین کے ساتھ دم کرتے وقت نفث کرتے تھے اور زیادہ کمزور اور ضعیف ہونے کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ پر دم کرتی تھیں نیز صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ رات کو سوتے وقت معوذات پڑھ کر اپنے اوپر ہاتھوں کو دم کرنے کے بعد پھیرتے تھے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 5016، صحیح مسلم کتاب السلام 2192) اَلنَّفّٰثٰتِ: یہ صیغہ مونث سے ذکر کیا جبکہ جادو کرنے والا لبید یہودی تھا اس نے اپنی بیٹیوں سمیت یہ کام انجام دیا تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی تو یہ مذکر پر مونث کی تغلیب کی گئی ہے یا پھر موصوف کو حذف کیا گیا ہے یعنی اَلنُّفُوْسُ النَّفّٰثٰتِ یا پھر جادوگروں کی ذلت وحقارت کی وجہ سے مونث صیغہ سے ذکر کیا ہے فِی الْعُقَدِ: یہ عُقْدَۃٌ کی جمع ہے گرہ دینے کو کہتے ہیں خواہ دھاگہ ہو یا رسی ہو جسے گرہ دی جائے۔ جادوگروں کی یہ عادت ہے کہ کلمات سحر پڑھتے ہیں اور دھاگوں کو گرہ لگا کر ان میں پھونک مارتے ہیں جسکو ہمارے عام معاشرے میں بند بھی کہتے ہیں اس مشابہت کی وجہ سے کسی قسم کے گنڈے بند وغیرہ گلے میں نہیں ڈالنے چاہئیں کیونکہ بند وغیرہ بنانے والے کے پاس اگر چہ رقیہ صحیحہ ہو لیکن اس پر صحیح دلیل نہیں ہے اور لفظ شر سے معلوم ہوا کہ جادو میں تاثیر ہے، کام تو یہ گمراہی کا ہے لیکن اذن الٰہی سے اس میں تاثیر ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت 102 میں گزرا ہے نیز فرعون کے جادوگروں کا واقعہ جو سورۃ اعراف آیت 116 میں بھی گزرا ہے وہ بھی اس پر دلیل ہے اور اہل حق کا یہی مسلک ہے اس شر کی تخصیص اسلئے کی گئی کہ ساحر سحر کی وجہ سے کسی کی زبان بند کر دیتا ہے کسی کی عقل اور کسی کی نظر پر اس کا اثر ہو جاتا ہے تو کوئی مجنون اور پاگل ہو جاتا ہے اسلئے قرآن کے ماننے والوں کو چاہیے کہ اس شر سے ضرور پناہ طلب کریں۔ **فائدہ** صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل ہے کہ لبید بن اعصم جو کہ بنو زریق سے یہودی یا منافقین میں سے ایک آدمی تھا جس نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ ملکر نبی کریم ﷺ کے بال مبارک حاصل کئے تھے اور اسکے ذریعے سے ان پر جادو کیا تھا جس کی وجہ سے آپ پر یہ اثر ہوا کہ کسی کام کے متعلق خیال کرتے کہ یہ کام میں نے کیا ہے جبکہ وہ کام آپ نے نہیں کیا ہوتا لیکن یہ دنیوی امور سے متعلق ہوتا کبھی یہ خیال بھی آتا کہ میں فلاں بیوی سے ملا ہوں حالانکہ ان سے ملاقات مباشرت نہیں کی ہوتی ملائکہ یعنی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے آپ کو مطلع کیا گیا تو آپ نے کنویں پر جا کر اس جادو کو نکالا اور گرہیں کھول کر اسے دوسری

جگہ دفنایا اسکے متعلق یہ آخری دونوں سورتیں نازل ہوئیں امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی کتاب صحیح بخاری میں کتاب الطب، کتاب الادب، کتاب الدعوات، کتاب الخلق، کتاب الجزیہ میں مختلف عبارتوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسحور تھے جبکہ قرآن مجید میں سورۃ اسرآ آیت 47 اور سورۃ فرقان آیت 8 میں ارشاد ہے کہ یہ کافروں کا قول ہے؟۔ جواب ا: کافروں کا یہ قول مکہ میں تھا جبکہ یہ واقعہ سحر مدینہ میں پیش آیا ہے۔ جواب ۲: مسحور کا معنی یہ ہے کہ اس کو جادو کی تعلیم دی گئی ہے یعنی وہ وحی کو سحر قرار دیتے تھے۔ جواب ۳: مسحور پتے والے کو کہتے ہیں یعنی کھانے والا بشر ہو؟۔ جواب ۴: مسحور وہ شخص ہے جس پر جادو کا ایسا اثر ہو کہ وہ مجنون بن گیا ہو اور اس کی باتیں دیوانوں یا پاگلوں کی طرح ہوں جبکہ نبی کریم ﷺ کی قوۃ خیالی پر اثر ہوا تھا ان کی عقل، دل، عقیدہ وغیرہ پر اثر نہیں ہوا تھا جس کی دلیل صحیح بخاری کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں: يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ فَعَلَ الشَّيْءَ: (صحیح بخاری کتاب الجزیۃ حدیث 3169) قاضی عیاض نے یہ جواب پسند کیا ہے۔ سوال: سحر تو شان نبوت کے منافی ہے؟ جواب: ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ خیالی سحر تو ایک مرض ہے اور انبیاء کرام پر بھی بیماری آسکتی ہے جیسے (إِغْمَاءٌ) بے ہوشی کی بیماری موسیٰ علیہ السلام پر آئی تھی جو کہ سورۃ طٰہٰ آیت 66 میں مذکور ہے بعض اہل بدعت یعنی ابوبکر اصم وغیرہ نے اور اس زمانہ میں بعض جاہل لوگوں نے ہشام بن عروہ کا رد کرتے ہوئے اس روایت کو رد کیا ہے لیکن ایسے لوگوں نے اپنی عقل پر اعتماد کیا ہے اور یہ مسحور کے معنی کو نہیں جانتے جس کی وجہ سے یہ منکرین حدیث کی روش پر چلتے ہوئے صحیح حدیث کو رد کرتے ہیں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہشام اوثق اور اعلم تھے ان پر ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی نے کلام نہیں کیا ہے البتہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ہشام کے علاوہ راویوں نے بھی نقل کی ہے اور فقہاء، حدیث، تاریخ اور تفاسیر کے ائمہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

تفسیر 5 یہ بھی خاص مُسْتَعَاذٌ مِنْهُ: ہے اس کا سحر سے کئی وجوہات سے مناسبت ہے: (ا) سحر اور حسد مشترک ہیں جو شیاطین جنوں اور انسانوں سے صادر ہوتے ہیں (۲) سحر اور حسد یہودیوں میں بہت زیادہ تھے (۳) حسد تو نفس کی خباثت ہے اور سحر شیطانوں کی خبیث روحوں کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ حَاسِدٍ: کسی سے اس وجہ سے بغض رکھنا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نعمت سے نوازا ہے اور اس سے اس نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرنا نیز کبھی حَسَدٌ غِبْطَة (رشک) کے معنی میں آتا ہے جیسے حدیث میں آیا ہے کہ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ (صحیح بخاری کتاب العلم حدیث 73، صحیح مسلم حدیث 816) یعنی عالم باعمل کو دیکھ کر تمنا کرنا مالدار سخی کی سخاوت کو دیکھ کر تمنا کرنا یعنی ان دونوں کے حصول کی

تمنا کرنا یہ مذکورہ حسد میں داخل نہیں ہے جبکہ پہلے والے معنی کے اعتبار سے حسد گناہ کبیرہ ہے حدیث میں وعید شدید ذکر ہے
کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یاکُلُ الْحَسَدُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (مشکوۃ 4967، ابوداؤد
4903، شیخ البانی نے اسکو ضعیف کہا ہے سلسلۃ الضعیفۃ 1902) حسد نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جیسے آگ خشک
لکڑیوں کو کھا جاتی ہے سب سے پہلے حسد کا ارتکاب ابلیس نے آسمانوں پر آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں کیا تھا اور یہ زمین پر
پہلا گناہ ہے جو قابیل نے اپنے بھائی سے کیا تھا بعض حکیموں کا قول ہے کہ حاسد اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر ناخوش ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ
بغض ہے اور ابلیس کا میراث سنبھالنے والا ہے حسد بہت سارے گناہوں کا پیش خیمہ ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے
بھائیوں نے والد کو تکلیف سے دوچار کیا تھا اور مختلف فریب اور چال چلے تھے جھوٹ کا ارتکاب کیا تھا لیکن آخری انجام
ناکامی کی صورت میں ہے ابن عطیہ نے حسد کی قباحت میں یہ شعر ذکر کیا ہے۔

کُلُّ الْعَدَاوَةِ قَدْ تُرْجٰی اِفَاقَتُهَا ۔ اِلَّا عَدَاوَةَ مَنْ عَادَاكَ مِنْ حَسَدٍ

کہ ہر دشمنی سے نجات کا امکان ہے سوائے حاسد کے جو تیرے ساتھ حسد کرے۔

وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ نَشْرَ فَضِیْلَةٍ ۔ طُوِیَتْ اَتَاحَ لَهَا لِسَانَ حَسُوْدٍ

جس کی فضیلت کو اللہ تعالیٰ اجاگر کرنا چاہے تو اس کے خلاف حاسدین کی زبانیں کھول دیتا ہے۔

اِذَا حَسَدَ: یہ قید اسلئے لگائی کہ انسان کے دل میں کبھی بلا اختیار حسد اچانک آتا ہے اور اس کو چھپائے رکھتا ہے اور جس
کے لئے آتا ہے اس کو ضرر دینے کی کوشش نہیں کرتا ہے لہذا اس کا کوئی گناہ نہیں ہے البتہ جب ہاتھوں اور زبان سے اس
کو ضرر پہنچائے اور اس کو نظر بد پہنچانے کی کوشش کرے تو یہ حسد کا شر ہے جس کی وجہ سے اہل قرآن کو بہت رکاوٹیں
اور تکلیفیں پہنچتی ہیں امام ابن قیم نے لکھا ہے کہ حاسد کے شر سے بچنے کے دس اسباب ہیں: (۱) تعوذ باللہ جیسے اس سورۃ میں
گزر گیا ہے (۲) تقویٰ (۳) صبر (۴) اللہ پر توکل (۵) اپنے دل کو اس کی سوچ اور فکر سے بالکل خالی رکھنا (۶) اللہ تعالیٰ کی
طرف اخلاص سے متوجہ ہونا (۷) اپنے گناہوں سے توبہ کرنا کیونکہ حاسد کے تسلط کے لئے گناہ سبب بنتے ہیں (۸) صدقات
وخیرات کرنا (۹) حاسد کے ساتھ احسان کرنا (۱۰) یہ یقین رکھنا کہ نفع ونقصان اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور بغیر اللہ کے
اذن کے حاسد کچھ بھی نہیں کر سکتا ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے صفات رب خلق کا ذکر۔

۲۔ خاص قسم کے شر جو توحید و قرآن کو پھیلانے سے روکنے کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔

۳۔ پناہ مانگنے والے جس سے پناہ طلب کی جارہی ہے اور جس چیز سے پناہ طلب کرتے ہیں تینوں کا ذکر۔

سورۃ الفلق کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوئی

ایاتھا ٦ ۱۱۴ سورۃ الناس مکیۃ ۲۱ رکوعھا ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ⑥

"آپ فرما دیجئے کہ میں سب لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں [1] سب لوگوں کے بادشاہ کی [2] سب لوگوں کی بندگی کے حق دار کی [3] اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو چھپ جاتا ہے [4] جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے [5] جنوں اور انسانوں میں سے [6]۔

ربط: اس سورت کا ربط پہلی سورت کے ساتھ چار وجوہات سے ہے: (1) اس سورت میں سحر اور حسد سے پناہ ذکر ہوئی تو اس سورت میں ان دونوں کا منشاء ذکر کرتا ہے جو کہ وسواس ہے۔ (2) گزشتہ سورۃ میں فَلَق خَلَق کے معنی میں گزرا ہے اب اس سورۃ میں خلق میں سے اعلیٰ قسم یعنی (اشرف) انسان کی تخصیص کی گئی ہے یہ تخصیص بعد التعمیم ہے۔ (3) گزشتہ سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کا ذکر ہوا تھا تو اس سورۃ میں تین صفتوں کا ذکر ہے۔ (4) سابقہ سورۃ میں بیرونی شر سے پناہ طلب کرنے کا ذکر تھا جبکہ اس سورۃ میں اندرونی شر سے بچنے اور پناہ طلب کرنے کا ذکر ہے۔

سورت کا دعویٰ: وسواس سے پناہ طلب کرنے کا حکم الٰہی ہے۔

سورت کا خلاصہ: رب کی پناہ طلب کرنے کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی تین صفات یعنی (رب، ملک، الٰہ) کا ذکر ہے۔ اور جس سے پناہ طلب کی گئی ہے اس کی تین صفتیں ذکر ہوئی ہیں ئو َسْوَاسِ خَنَّاسِ اَلَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ

تفسیر 1 اس آیت میں پناہ طلب کرنے والے کا ذکر ہے اور پناہ کا ذکر ہے اور جس سے پناہ طلب کی گئی اس کا ذکر ہے۔ بِرَبِّ النَّاسِ: رب کی صفت، استعاذہ یعنی پناہ طلب کرنے کے ساتھ زیادہ مناسب ہے کیونکہ استعاذہ میں حفاظت کا معنی ہے اور حفاظت کے ساتھ تربیت مناسب ہے اسلئے خَالِقِ النَّاسِ نہیں فرمایا۔ النَّاسِ: اللہ تعالیٰ تو رب العالمین ہے لیکن انسانوں کی تخصیص کا سبب یہ ہے کہ قرآن کا پہلا مخاطب انسان ہے پھر جنات اس کے تابع ہیں جبکہ دیگر مخلوق

تو مکلف نہیں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ وسوسہ صرف انسان کو ہو سکتا ہے جبکہ بعد میں وسوسوں کے شر کا ذکر ہے۔ رَبِّ: تربیت سے لیا گیا ہے تربیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے پالنے کے لئے بندوبست کیا ہے یعنی بارشوں کو برسانا اس کے ذریعے سے رزق کا انتظام کرنا پودوں، پھلوں اناج اور دیگر نعمتوں کا انتظام کرنا پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کے کھانے اور ہضم کرنے کے لئے اسباب پیدا کیے ہیں اس کی ایک تصویر سورۃ عبس کی آیت 24 سے آیت 32 میں ذکر ہوئی ہے اور سورۃ نحل آیت 53 میں بھی ہے اور اس میں توحید خالقیت اور ربوبیت کا ذکر ہے۔

تفسیر 2 "مَلِكِ: یہ ملک سے لیا گیا ہے انتظام کے تسلط اور حکم کرنے کو ملوکیت کہتے ہیں ملِکُ کا حکم ماننا رعیت پر فرض ہوتا ہے اس میں توحید فی الحکم والطاعۃ والتحلیل والتحریم کی طرف اشارہ ہے اس مقام کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں مَلِكُ چار مرتبہ ذکر ہوا ہے اَلْمَلِكُ الْحَقُّ: سورۃ طٰہٰ آیت 114 سورۃ مؤمنون آیت 116، سورۃ حشر آیت 23 اور سورۃ جمعۃ آیت 1 میں اَلْمَلِكُ الْقُدُّوسُ ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 3 "اِلٰهِ: معروف معنیٰ ہے بندگی کے حقدار کو کہتے ہیں اس کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جسکے سامنے لوگ اپنی حاجات پیش کرتے ہوں اور وہ ان حاجتوں کو پورا کرتا ہو نحوی امام سیبویہ نے رومی سے نقل کیا ہے کہ معنیٰ اللہ گفت ان سیبویہ یولھون فی الحوائج ھم لدیہ سیبویہ نے الٰہ کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ وہ ذات جس کی طرف لوگ اپنی حاجتیں پیش کرتے ہوں اور عاجزی کرتے ہوں اور وہ ان کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہو اس کی مزید تفصیل سورۃ فاتحہ میں گزری ہے اس میں توحید الوہیت کی طرف اشارہ ہے۔ فائدہ: ان تین صفات میں تخصیص کی بہت سی وجوہات ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ ان صفتوں میں ترتیب واقع ہے یعنی پہلے ربوبیت کا عقیدہ اختیار کرنا ضروری ہے لہٰذا اس میں اشارہ ہے کہ تمام انعامات کا خالق و مالک صرف اللہ کی ذات ہے اور وہی دیتا ہے پھر اگر کوئی وہم کرے کہ اس نے ہمیں تمام انعامات دیئے ہیں لہٰذا وہ سب ہمارے لئے مباح ہیں جیسے اباحیہ کا عقیدہ ہے یا اشتراکیت والوں کا نظریہ ہے یا کوئی یہ کہے کہ اقتدار والوں کو حلال وحرام کرنے کا اختیار حاصل ہے یا کوئی ائمہ کرام کو مختار قرار دے، کوئی پیروں ملنگوں کو مختار سمجھے تو ان سب کا جواب مَلِكِ النَّاسِ: میں ہوا ہے یعنی وہ بادشاہ حلال وحرام کرنے کا اختیار رکھتا ہے لہٰذا اس نے بعض چیزوں کو حلال تو بعض کو حرام کیا پھر اگر کوئی یہ وہم کرے کہ اس کے حلال وحرام تسلیم کرنے کی اطاعت ہم پر کیوں لازم ہے؟ تو جواب ہوا کہ اِلٰهِ النَّاسِ یعنی بندگی کا حقدار ہے لہٰذا ہم پر اس کی عبدیت فرض ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تین صفات تمام اسماء صفات الٰہی کو مستلزم ہے

جیسے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رب کے معنی میں اَلْخَالِقُ. اَلْقَادِرُ. اَلْبَارِیُ. اَلْمُصَوِّرُ. اَلْحَیُّ.
اَلْقَیُّوْمُ. اَلْعَلِیْمُ. اَلسَّمِیْعُ. اَلْبَصِیْرُ. اَلْمُحْسِنُ. اَلْمُنْعِمُ. اَلْجَوَّادُ. اَلْمُعْطِیْ وغیرہ داخل ہیں جبکہ مَلِكُ میں
اَلْاٰمِرُ. اَلنَّاهِیْ. اَلْمُعِزُّ. اَلْمُذِلُّ. اَلْمَانِعُ. اَلنَّافِعُ. اَلضَّارُّ. اَلْمُقَدِّمُ. اَلْمُؤَخِّرُ. اَلْعَزِیْزُ. اَلْجَبَّارُ
اَلْمُتَکَبِّرُ. اَلْحَکَمُ. اَلْعَدْلُ. اَلْخَافِضُ. اَلرَّافِعُ. یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ. یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ. یُسْعِدُ مَنْ
یَّشَاءُ. یُشْقِیْ مَنْ یَّشَاءُ وغیرہ داخل ہیں اور اِلٰهِ میں تمام صفات جمال اور کمال داخل ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ ان تین صفات کا
استعاذہ سے تعلق ہے یعنی رب ہے دینے والا ہے ملک ہے حفاظت کرنے پر قادر ہے اِلٰهِ ہے حاجت پوری کرنے والا ہے
لہذا جس میں یہ صفات موجود ہوں وہ پناہ دینے اور حاجت پوری کرنے پر قادر ہے فائدہ: لفظ الناس کو تین مرتبہ ذکر کیا ہے
جبکہ بعد والے دو مقام پر ضمیر سے بھی بات چل جاتی؟ اس کا جواب کئی وجوہات سے دیا جا سکتا ہے: پہلی وجہ اس میں تاکید
ہے یعنی انسان ہر وقت اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے اَلنَّاسِ میں انسان کے بچپن کی طرف
اشارہ ہے دوسرے اَلنَّاسِ میں انسان کی جوانی کی طرف اور تیسرے میں انسان کے بڑھاپے کی طرف اشارہ ہے اول
کے ساتھ رب کی صفت مناسب تھی دوم کے ساتھ صفت ملک اور سوم کے ساتھ صفت اِلٰه مناسب تھی فائدہ: اس سے معلوم
ہوا کہ توحید ربوبیت سے توحید اطاعت منسلک ہے اور وہ دونوں توحید الوہیت سے منسلک ہیں جبکہ عظیم مقصد الوہیت ہی
ہے اس وجہ سے کلمہ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں توحید الوہیت کو ثابت کی ہے اور توحید الوہیت ہر قسم کی توحید کے لئے متضمن
ہے اسلئے اس صفت کو قرآن کے آخر میں ذکر کیا ہے۔

تفسیر 4 اس آیت میں مُسْتَعَاذٌ مِنْهُ کا ذکر ہے یعنی جس چیز سے پناہ طلب کرنی ہے اور اس کی تین صفات کو ذکر کیا ہے
(1) اَلْوَسْوَاسِ: یہ مصدر نہیں ہے بلکہ صیغہ صفت ہے اور یہ (وَسْ) سے لیا گیا ہے جو کہ مخفی آواز کو کہا جاتا ہے اور وسوسہ
لفظ میں معنی کے تکرار کی وجہ سے لفظ میں ڈبل الفاظ ذکر ہوئے ہیں یعنی بار بار وسوسہ ڈالنے والا وسوسہ دل اور نفس میں شر
کے القاء کو کہتے ہیں ایسی آواز کے ذریعے سے جسے صرف (مُوَسْوَسٌ) جسے وسوسہ دیا گیا ہے سنے یا محسوس کرے یا بغیر آواز
کے ہو اگر یہ جنی یا انسی یا پھر اپنے نفس کی جانب سے ہو۔ البتہ مخفی القاء خیر کو الہام کہتے ہیں سوال: مِنْ شَرِّ وَسْوَسَةٍ کیوں نہیں
فرمایا؟ جواب: شَرِّ الْوَسْوَاسِ عام ہے یعنی اس کے ہر قسم کا شر چاہے بغیر وسوسہ کے ہو جبکہ وَسْوَسَةٍ: خاص ہے اور
اصل مقصد ہر قسم کے شر سے پناہ ہے دوسری صفت اَلْخَنَّاسِ: یہ خُنَسٌ سے لیا گیا ہے یعنی ظاہر ہونے کے بعد پیچھے ہو

جانا اور چھپ جانا مراد ہے اسلئے ستاروں کی صفت میں سورۃ تکویر آیت 15 میں اَلْخُنَّسِ آیا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شیطان آدم علیہ السلام کی اولاد کے دل پر تاک لگائے بیٹھا ہے جب وہ غافل ہو جائے تو یہ اسے وسوسہ ڈالتا رہتا ہے اور جب وہ ذکر الٰہی کرتا ہے تو یہ چھپ جاتا ہے۔ الخناس میں مبالغے کا صیغہ اسلئے ذکر کیا ہے کہ جیسے وہ بار بار وسوسہ ڈالتا ہے تو جب بندہ ذکر الٰہی کرتا ہے تو وہ بار بار پیچھے ہو جاتا ہے تو اس صفت میں باریک اشارہ ہے کہ شیطان کمزور ترین دشمن ہے کیونکہ ذکر الٰہی کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے نیز سورۃ زخرف آیت 36 میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی شیطان کے ہر قسم کے شر سے بچنے کے لئے مضبوط قلعہ ہے۔

تفسیر 5 اس میں تیسری صفت کا ذکر ہے۔ سوال: یہ صفت تو پہلی صفت کی طرح ہے تو پھر اسے دوبارہ کیوں ذکر کیا؟ جواب: اول تو صرف وسوسہ ڈالنا ہے جبکہ اس میں وسوسہ کی جگہ ذکر ہے جو صُدُوْرِ النَّاسِ ہے۔ سوال: وسوسہ تو دلوں میں آتا رہتا ہے جو دیگر روایتوں سے ثابت ہے تو یہاں خصوصاً سینہ کیوں ذکر کیا ہے؟ جواب: سینہ دل کے لئے چوکھٹ کی طرح ہے اور دل ذکر کے لئے (محل) جگہ ہے اور ذکر الٰہی تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا شیطان کو اللہ تعالیٰ نے دل میں داخل ہونے کی توفیق (اختیار) نہیں دی ہے اس لئے وہ سینہ کے واسطے سے دل میں القاء کرتا رہتا ہے فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ اس میں دو احتمالات ہیں: پہلا احتمال یہ ہے کہ اس سے ظاہری معنی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ شیطان جنی اور انسی یہ کوشش کرتے ہیں کہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈال دیں شیطان جنی تو بدن میں داخل ہو سکتا ہے جیسے بخاری کی روایت میں ہے کہ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ (صحیح بخاری کتاب الاعتکاف 2035-6219 صحیح مسلم کتاب السلام 2175) یقیناً شیطان اولاد آدم علیہ السلام میں خون کی طرح گردش کرتا ہے جبکہ شیطان انسی باہر سے کوشش کرتا ہے تاکہ وہ وسوسہ ڈال سکے دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس میں ذکر محل کا ہے اور مراد حال یعنی عقیدہ اور ایمانیات ہیں یعنی شیطان جنی و انسی عقیدہ کے متعلق پہلے کوشش اور محنت کرتے ہیں اور کفر و شرک کی طرف انسان کو بلاتے ہیں کیونکہ جب انسان کا عقیدہ خراب ہو جائے تو سارے اعمال ویسے ہی رائیگاں ہیں تو یہ جملہ اَلَّذِيْ يُوَسْوِسُ الْوَسْوَاسِ کے بعد لانے میں تخصیص بعد التعمیم ہے یعنی پہلے عام وسوسوں کا ذکر تھا تو اس میں خاص کا ہے۔ **فائدہ:** ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع التفسیر میں لکھا ہے کہ شر پھیلانے کے اسباب تو بہت زیادہ ہیں لیکن ان کی اجناس صرف (6) میں منحصر ہیں: (۱) کفر و شرک کا شر ہے لہٰذا شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کو اس میں مبتلا کرے (۲) بدعت شیطان کو بہت محبوب ہے

کیونکہ اس کا مرتکب توبہ کرنے کی زحمت نہیں کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اسکو نیکی تصور کرتا ہے (۳) کبائر یعنی بڑے گناہ جن کو انسان کرتا ہے خواہ حقوق اللہ میں سے ہوں یا حقوق العباد میں سے ہوں (۴) صغائر یعنی چھوٹے گناہ سے بھی جب انسان توبہ نہیں کرتا تو وہ بھی ہلاکت کے لئے سبب ہے (۵) ایسے فضول کاموں میں مشغول ہونا کہ انسان فرائض واجبات سے غافل ہوجائے اور اجر عظیم سے محروم ہوجائے (۶) باوجود راجح اعمال پر قدرت پالینے کے مرجوح اعمال میں مشغول رہنا یعنی کسی مسئلہ میں دو جانب ہوں ایک طرف بھی دلیل پر عمل ہے لیکن وہ دلیل قوی ہے دوسری جانب بھی دلیل پر عمل ہے مگر وہ دلیل کمزور ہے لیکن تقلید کی وجہ سے کمزور دلیل پر ہمیشہ عمل کرتے رہنا یہ بھی شر ہے جب شیطان مذکورہ تمام شروں سے عاجز ہوجاتا ہے تو پھر شیطان اس کے پیچھے اپنے لشکروں کو لگادیتا ہے تاکہ اس پر لعن طعن کرے اور مختلف قسم کی تہمتوں کی اس پر بھرمار کرے اس پر غلط فتوے لگائے لوگوں کو اس کی مجلس سے منع کرے لیکن یہ انسان اسکا مقابلہ صبر وتحمل سے کرتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد خاص ہوتی ہے ساری زندگی اس کی مجاہدے میں ہوتی ہے یہاں تک کہ فوت ہوجاتا ہے۔

تفسیر 6 اس آیت سے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ یہ النَّاسِ: کا بیان ہے جو صُدُوْرِ النَّاسِ: میں گزرا ہے یعنی وہ لوگ جنہیں وسوسے ڈال دیئے جاتے ہیں وہ دو قسم پر ہیں انسان اور جن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ الناس کا اطلاق اَلْجِنَّةِ پر نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ یہاں تو چیز کی تقسیم اپنے نفس اور غیر کی طرف ہوتی ہے اس کا جواب دو طریقوں سے دیا گیا ہے: (۱) پہلے اَلنَّاسِ میں عموم مجاز مراد ہے یعنی مطلق مکلف مخلوق اور دوسرے اَلنَّاسِ سے مراد انسان ہے اسطرح ہے جس طرح سورۃ جن آیت 6 میں جنوں پر الرجال کا اطلاق ہوا ہے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس قول کو چار وجوہات سے ضعیف قرار دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ: کے لئے بیان ہے یعنی وسوسہ ڈالنے والے دو قسم کے ہیں: (۱) ایک قسم جنات میں سے (۲) اور ایک قسم انسانوں میں سے ہیں اس قول کی تائید سورۃ انعام آیت 112 میں ہے اور شیاطین انسی کان کے راستے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں جبکہ شیطان جنی کا وسوسہ مختلف طریقوں پر ہے کبھی انسان میں داخل ہوکر اس کے سینہ تک پہنچتا ہے تو کبھی انسانی صورت میں آجاتا ہے اور بندے کے کان میں وسوسہ ڈال کر چلا جاتا ہے جیسے صحیح بخاری کتاب بدء الخلق حدیث 3210 صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ شیاطین ملائک کی باتیں سننے کے لئے آسمانوں پر چڑھتے ہیں اور ایک بات ملائک سے سن لیتے ہیں اور سو (100) اس کے ساتھ جھوٹ ملادیتے ہیں۔ فائدہ: اَلنَّاسِ پانچ مرتبہ ذکر کیا ہے ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں تاکید ہے کہ انسان ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کا محتاج

ہے ملوکیت میں بھی اور الوہیت میں بھی نیز انسانوں کی بعض اقسام مُوَسْوِسْ ہیں اور بعض مُوَسْوَسْ ہیں بعض کو وسوسہ ہوتا ہے تو بعض وسوسہ ڈالتے ہیں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پہلے اَلنَّاسِ میں چھوٹے مرتبہ عمر کی طرف اشارہ ہے جس میں انسان تربیت کا محتاج ہوتا ہے اور دوم اَلنَّاسِ میں پختہ اور جوانی کی عمر کے طرف اشارہ ہے کہ اس عمر میں انسان انتظام اور سیاست کی طرف زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ سوم اَلنَّاسِ میں بڑھاپے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت ہوتی ہے چہارم اَلنَّاسِ میں اہل ایمان کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی طرف شیاطین بہت وسوسے ڈالتے ہیں لہٰذا ان کے لئے تعوذ کی اشد ضرورت ہے۔ پنجم اَلنَّاسِ میں وسوسہ ڈالنے والے معتد کی کافر، مشرک، فاسق اور مبتدعین مراد ہیں جو لوگوں کو قرآن سے روک لیتے ہیں اور ان کو گناہوں کی دعوت دیتے ہیں۔ فائدہ نمبر ۲: سورۃ فلق میں مُسْتَعَاذٌبِہٖ کی ایک صفت ذکر کی گئی تھی اور مُسْتَعَاذٌمِنْہُ کی تین خاص قسمیں ذکر کی گئی تھیں، اور سورۃ الناس میں مُسْتَعَاذٌمِنْہُ کی ایک قسم اور مُسْتَعَاذٌبِہٖ کی تین صفتوں کا ذکر ہے اسلئے کہ پہلی سورۃ میں بدن کی آفتیں ذکر ہوئیں اور دوسرے میں دین کی آفتیں ذکر ہوئی اور یہ بات تو واضح ہے کہ دین کی حفاظت زیادہ اہم ہے بدن کی حفاظت سے اسلئے تاکید کی زیادہ ضرورت تھی۔ فائدہ نمبر ۳: شیطان کے شر سے بچنے کے لئے دس اسباب ضروری ہیں: (۱) استعاذہ باللہ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ یا اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا جیسے سورۃ اعراف آیت 200 اور سورۃ حم سجدہ آیت 36 میں ہے (۲) ان دونوں سورتوں کو پڑھتے رہنا جیسے کہ نبی کریم ﷺ جنات اور نظر بد سے پناہ طلب کرتے تھے یہاں تک کہ یہ سورتیں نازل ہوئیں پھر ان دونوں کا پڑھنا شروع کیا اور دیگر کو چھوڑا (صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن حدیث 5016 صحیح مسلم کتاب السلام حدیث 2192) (۳) آیۃ الکرسی پڑھنے کا اہتمام کرنا جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے صحیح بخاری کتاب الوکالۃ حدیث 2311 و کتاب بدء الوحی حدیث 3275 وغیرہ (۴) سورۃ بقرۃ کی تلاوت جیسے صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین حدیث 780 ترمذی کتاب فضائل القرآن حدیث 2877، وغیرہ میں حدیث آئی ہے (۵) سورۃ بقرۃ کی آخری دو آیتوں کی تلاوت جیسے صحیح بخاری میں باب فضائل القرآن میں حدیث ہے (۶) سورۃ مومن آیت 1، 2، 3 یہ بھی پڑھنا ترمذی کی روایت میں ہے (ترمذی کتاب فضائل القرآن حدیث 2879 دارمی 2/ 449 کتاب فضائل القرآن حدیث 3386 جز فضائل القرآن میں ہے) (۷) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ سو مرتبہ

پڑھنا چاہئے جیسے صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حدیث ہے (۸) اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے رہنا جیسے ترمذی نے باب الامثال باب ماجاء فی مثل الصلوٰۃ حدیث ذکر کی ہے (۹) ہر وقت باوضو رہنا اور وضو کرنے کے بعد نماز پڑھنا (۱۰) کثرۃ الکلام اور کثرۃ الطعام سے اجتناب کرنا، بے فائدہ نظر سے حفاظت اور بے ضرورت لوگوں سے میل جول سے اجتناب کرنا یہ چیزیں اسباب گناہ ہیں اور گناہ شیطان کے تسلط کا ذریعہ ہے۔

اس سورۃ کی خصوصیات:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے خاص صفتوں کا بیان۔ ۲۔ الوسواس کا تذکرہ۔

۳۔ تینوں یعنی بندے پناہ مانگنے والے رب جس کی پناہ مانگی جا سکتی ہے اور شیطان جس سے پناہ طلب کی جاتی ہے کا ذکر ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قُلُوْبِنَا وَجَلَاءَ هُمُوْمِنَا وَغُمُوْمِنَا اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّاتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ. رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اَللّٰهُمَّ اٰمِيْنَ

اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے ترجمہ و تفسیر احسن الکلام مکمل ہوا تاریخ 1 رجب المرجب 29 بروز ۱۴۱۷ھ بمطابق

10 دسمبر 1996ء

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

شیخ القرآن مولانا عبدالسلام بن عبدالرؤف رحمہ اللہ

مدیر جامعہ تعلیم القرآن رستم مردان

دار الجامعۃ العربیۃ لاشاعۃ التوحید والسنۃ مجوزہ کوہاٹ روڈ پشاور

ان کتابوں کی فہرست جن سے میں نے اس تفسیر کے لکھنے میں استفادہ کیا ہے

کتاب کا نام	جس نام سے معروف ہے	مؤلف کا نام
تفسیر جامع البیان فی تاویل القرآن	تفسیر الطبری	ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ
المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز		قاضی ابومحمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ المتوفی ۵۴۶ھ
الجامع لاحکام القرآن	تفسیر القرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد بن بکر بن فرح الانصاری الاندلسی القرطبی ۶۷۱ھ
تفسیر القرآن العظیم	تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر ۷۷۴ھ
التفسیر الکبیر	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی ۶۰۶ھ
لباب التاویل فی معانی التنزیل	تفسیر خازن	امام علاء الدین علی بن محمد البغدادی ۷۴۱ھ
غرائب القرآن ورغائب الفرقان	تفسیر نیشاپوری	نظام الدین حسن بن محمد بن الحسین القمی النیسابوری ۷۲۸ھ
نظم الدرر فی ربط الآیات والسور	تفسیر البقاعی	برہان الدین ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی ۸۸۵ھ
مصاعد النظر للاشراف علی مقاصد السور		
تفسیر روح المعانی		شہاب الدین السید محمد آلوسی البغدادی ۱۲۷۰ھ
تفسیر البحر المحیط		محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی الغرناطی 754ھ
السراج المنیر	تفسیر خطیب	الخطیب الشربینی ۹۷۷ھ
بدائع التفسیر		ابن قیم الجوزیہ محمد بن ابی بکر ۷۵۱ھ

تفسیر القاسمی	تفسیر القاسمی	محمد جمال الدین القاسمی ۱۳۳۲ھ
زاد المسیر فی التفسیر	تفسیر ابن جوزی	ابو الفرج عبد الرحمن بن جوزی القرشی البغدادی ۵۹۴ھ
البرہان فی علوم القرآن		بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی ۷۹۴ھ
الفوائد فی مشکل القرآن		عز الدین بن عبد العزیز بن عبد السلام ۶۶۰ھ
جامع البیان فی تفسیر القرآن		معین الدین محمد بن عبد الرحمن الحسنی الحسینی الایجی ۸۹۴ھ
لسان العرب		امام ابن منظور ۷۱۱ھ
الاتقان فی علوم القرآن		الحافظ جلال الدین عبد الرحمن السیوطی ۹۱۱ھ
تبصیر الرحمن فی تفسیر القرآن		علی بن احمد المہائمی ۸۳۵ھ
التفسیر القیم		ابن قیم الجوزیہ ۷۵۱ھ
کتاب التفسیر من الجامع الصحیح		امام محمد بن اسمٰعیل البخاری
تفسیر العلی القدیر لاختصار تفسیر ابن کثیر		محمد نسیب الرفاعی
تفسیر جواہر القرآن		شیخ القرآن غلام اللہ خان راولپنڈی ۱۴۰۰ھ
الاستفادات المخطوطۃ (عندی)		شیخ القرآن محمد طاہر پنج پیری 1407ھ
ملاک التاویل فی متشابہ اللفظ من ای التنزیل		احمد بن زبیر الغرناطی 708ھ
غرائب التفسیر وعجائب التاویل		محمود بن حمزہ الکرمانی ۵۰۵ھ

اس کے علاوہ بعض ایسی کتابیں ہیں جن سے میں نے جزوی استفادہ کیا ہے۔

تفسیر احسن الکلام کے متعلق چند ضروری باتیں

پہلی بات:

پہلے دس پاروں میں اختصار کیا گیا ہے، اسکا پہلا سبب یہ ہے کہ یہ جلد میں نے سنٹرل جیل مردان میں تحریر کی تھی لہذا کتب میسر نہ ہونے کی وجہ سے یہ میری مجبوری تھی، دوسری وجہ اس وقت میرا ارادہ بھی یہ تھا کہ قرآن مجید کے حاشیہ پر ترجمہ کے ساتھ مختصر تفسیر تحریر کی جائے لیکن ساتھیوں کے مشورے سے میرے اس ارادے میں تبدیلی آئی، تیسری وجہ شعبان در مضان المبارک کے دورہ تفسیر قرآن میں پہلے پاروں میں عموماً تفصیل ذکر کی جاتی ہے جو ہمارا معمول ہے اور طلبہ کرام اسے اپنے مخطوطوں میں محفوظ کرتے ہیں نیز یہ کیسٹوں میں بھی محفوظ ہوتی ہے لیکن آخری حصہ میں وقت کی تنگی کی وجہ سے اختصار کیا جاتا ہے لہذا جب اس تفسیر میں اسکے برعکس کام ہوا تو یہ فائدے کی تکمیل ہے لیکن اب ساتھیوں کے مشورے سے میں نے اول دس پاروں کو تفصیل سے لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری بات:

میں نے اختصار کی وجہ سے تفسیر میں اکثر تفاسیر اور دیگر کتب کے حوالے نہیں دیئے ہیں البتہ جن تفاسیر و کتب حدیث سے میں نے فائدہ حاصل کیا ہے ان کی ایک فہرست آخر میں تحریر کی ہے لیکن بعض فائدے اور حکمتیں جو میں نے اپنے تدبر اور تفکر سے لکھی ہیں مجھے ان کا مرجع معلوم نہیں ہے اگر وہ دوران مطالعہ میں کسی کو معلوم ہو جائیں تو میری فہرست کے ساتھ ان کو ملائے یا فائدے کے ضمن میں شامل کرے میں اس کا زیر احسان ہوں گا۔

تیسری بات:

میں نے حسب طاقت پشتو زبان میں لفظی ترجمے کی کوشش کی ہے لیکن بعض مواقع پر ضرورت کی وجہ سے بامحاورہ ترجمہ لکھا گیا ہے۔

چوتھی بات:

میں نے تفسیر میں پشتو زبان استعمال کرنے کی کوشش کی ہے لیکن بعض جگہوں پر اپنے تفسیری طریقے کی وجہ سے اصطلاحی الفاظ عربی میں لکھے گئے ہیں لیکن ان الفاظ کے معانی اس تفسیر کے مقدمے میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

پانچویں بات:

میں نے اور میرے صاحبزادوں محمد ابوسعید اور ابوصہیب عبدالصبور السید نے کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کی ہر ممکنہ کوشش کی ہے لیکن پھر بھی کچھ غلطیاں باقی رہنے کا امکان ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ ایسی غلطیوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد ان کی تصحیح کر کے ہمیں بھی اطلاع دیں تاکہ اگلی طباعت میں ان کی تلافی ہو سکے۔

☆☆☆